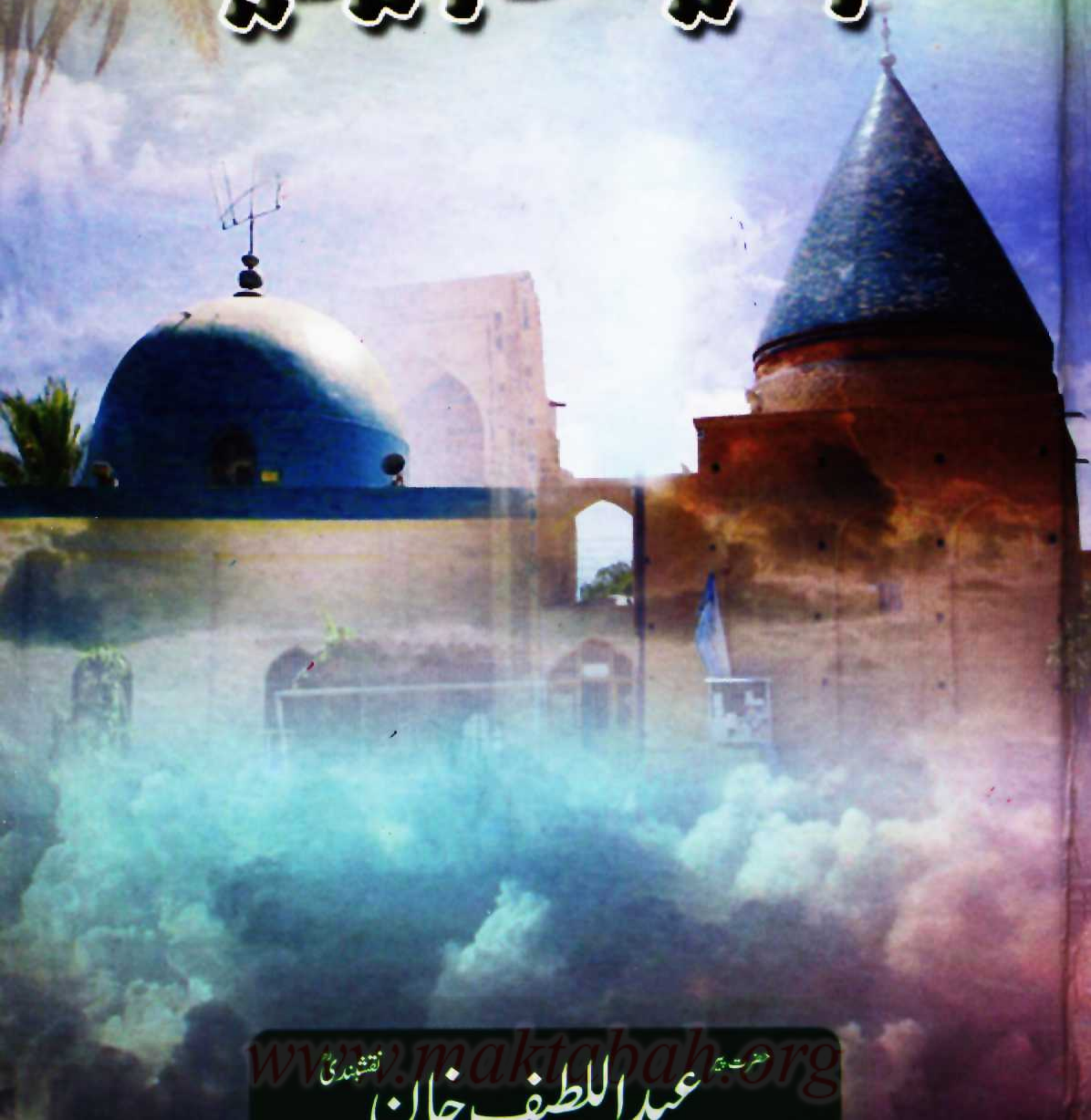
تَنَزُّلُ الرَّحمَةُ عِندَ ذِکرِ الصَّالِحِینَ

جُنیدؒ و بایزیدؒ



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ کُلًّا نَّقُصُّ عَلَیۡکَ مِنۡ اَنۡبَآءِ
الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ

(اور یہ سب جو ہم بیان کرتے ہیں آپ سے پیغمبروں کی سرگزشتیں یہ اس لیے ہیں کہ پختہ کردیں اِن سے آپ کے قلبِ (مُبارک) کو۔ (ھود: ۱۲۰)

اَلۡحِکَایَاتُ جُنۡدٌ مِنۡ جُنُوۡدِ اللّٰہِ
تَعَالٰی یُقَوِّیۡ بِھَا قُلُوۡبَ الۡمُرِیۡدِیۡنَ

(اولیاءؒ کرام کی حکایات اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ مریدین کے دِلوں کو مضبوط فرماتا ہے۔)

جُنیدؒ و بایزیدؒ

(جنیدؒ و بایزیدؒ کی پُر کیف زندگیوں، مقالات، روحانی
مدارج اور بلند پرواز احوالِ طریقت پر بے مثل تصنیف)

مصنف

حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندی علیہ الرحمۃ
خلیفہ مجاز نیریاں شریف (آزاد کشمیر)

نشان منزل پبلی کیشنز

نادر آباد نمبر 2، بیدیاں روڈ، لاہور۔فون 03234848781 :042-35709606

Web: www.nishanemanzal.com eMail: nishanemanzal@gmail.com

نام کتاب: جُنیدؒ و بایزیدؒ

نام مصنف: حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندی علیہ الرحمۃ

اشاعت اول: ۲۰۰۲ء بمطابق ۱۴۲۲ھ جنگ گروپ

اشاعت ثانی: جنوری ۲۰۱۲

ناشر: احمد فضیل خان

تعداد: 1100

ٹائٹل: طارق محمود نقشبندی

پبلشر: نشان منزل پبلی کیشنز

صفحات: ۷۵۲

قیمت: ۴۰۰

پرنٹنگ: جاوید پریس

معاونت: علامہ شبیر، عارف جمیل، عاصم مجید خان، سلمان لطیف، لقمان لطیف
شاہد ملک ایم۔ڈی ٹرپل ایم، لاہور
حماد، شوکت، سرفراز، اسلم، اقبال، اور واجد

ملنے کا پتے

نشانِ منزل پبلیکیشنز ، ادارہ نشان منزل (رجسٹرڈ)

نادر آباد نمبر 2، بیدیاں روڈ لاہور ۔ فون: 042-35709606

قرآن کریم

۱) "جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ط رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ " (یونس، ۱۰: ۲۵)

(ان کی جزاان کے رب کے حضور دائمی رہائش کے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ اُن سے راضی ہوگیا ہے اور وہ لوگ اس سے راضی ہیں، یہ (مقام) اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے خائف رہا)

۲) "اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ" (یونس، ۱۰: ۶۲)

(یادرکھو اللہ کے ولیوں کو نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

۳) " اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْن "(حم السجدة، ۴۱: ۳۰)

(بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اِس پر مضبوطی سے) قائم ہو گئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا)

۴) " وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَانُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ "(هود، ۱۱: ۱۲۰)

(پیغمبروں کی سرگزشتیں اور یہ سب جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں یہ اس لیے ہیں کہ پختہ کر دیں اس سے آپ کے قلب (مبارک) کو)

۵)" تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْن "(یوسف، ۱۲: ۱۰۱)

(مجھے حالت اسلام پر موت دینا اور مجھے صالح لوگوں کے ساتھ ملا دے)

۶)" یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ "(التوبہ، ۹: ۱۱۹)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو)

۷) "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ"(الفاتحہ، ۱: ۵،۶)

ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا"

احادیث مبارکہ

تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ [1] (رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے جہاں صالحین کا ذکر ہوتا ہے)

"لَا يَزَالُ فِي أُمَّتِي شِيْعَةٌ لَا يَدْعُوْنَ اللهَ بِشَيْءٍ إِلَّا اسْتَجَابَ لَهُمْ، بِهِمْ تُنْصَرُوْنَ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ" [2]

(میری اُمت میں ہمیشہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے جب بھی کوئی چیز مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرما دیتا ہے، انہی کے ذریعے تمہاری مدد کی جائے گی اور انہی کے ذریعے تم پر بارش برسائی جائے گی)

"اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ" [3]

(لوگو! مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

"سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ؟ فَقَالَ: الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللهُ" [4]

(حضور نبی اکرم ﷺ سے اولیاء اللہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ لوگ (اولیاء اللہ ہیں) جنہیں دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے)

"وَإِنَّ أَحِبَّائِي وَأَوْلِيَائِي الَّذِيْنَ يُذْكَرُوْنَ بِذِكْرِي وَأُذْكَرُ بِذِكْرِهِمْ" [5]

(بے شک میرے احباب اور اولیاء وہ لوگ ہیں کہ میرا ذکر کرنے سے وہ یاد آ جاتے ہیں اور ان کا ذکر کرنے سے میں یاد آ جاتا ہوں)

"وَ إِنَّ مَنْ عَادَى لِلّٰهِ وَلِيًّا، فَقَدْ بَارَزَ اللهَ بِالْمُحَارَبَةِ." [6]

(جس نے اولیاء اللہ سے دشمنی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کی)

[1] کشف الخفاء، اسماعیل بن محمد الجراحی، متوفی ۱۱۶۲ھ، حدیث ۱۷۷۲، جلد ۲، صفحہ ۷۶۳ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

[2] سنن ابی داؤد، سلیمان بن اشعث، متوفی ۲۷۵، حدیث ۳۰۹، جلد ۱، صفحہ ۲۳۶، دار الفکر، بیروت۔

[3] سنن الترمذی، ابوعیسیٰ محمد عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، حدیث ۳۱۲۷، جلد ۵، صفحہ ۲۹۸، دار الاحیاء، بیروت۔

[4] السنن الکبری، اما احمد بن حسینا لبیھقی، حدیث ۱۱۲۳۵، جلد ۶، صفحہ ۳۶۲ مکتبۃ دار الباز، مکہ مکرمہ۔

[5] مسند احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، حدیث ۱۵۶۳۴، جلد ۳، صفحہ ۴۳۰، مؤسسۃ قرطبہ، القاہرہ۔

[6] سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، متوفی ۲۷۵ھ حدیث ۳۹۸۹، جلد ۲، صفحہ ۱۳۲۰، دار الفکر، بیروت۔

اقبال اور جنیدؒ و بایزید

شوکتِ سنجر و سلیم ، تیرے جلال کی نمود فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ، تیرا جمالِ بے نقاب

زائــرانِ ایــں مـقــام ارجـمـنـد پــاك مـرداں از مقـامـاتِ بـلـند

(اس مبارک مقام کے زائرین بلند مرتبت پاک مرد ہیں)

پـاك مـرداں چوں فضیلؒ و بو سعیدؒ عـارفـاں مثلِ جـنـیدؒ و بـایـزیدؒ

(ایک طرف فضیلؒ اور بوسعیدؒ جیسے پاک مرد ہیں اور دوسری طرف جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے عارف)

چـه کـافـرانه قمارِ حیات می سازی که بـازمـانه بسازی بخود نمی سازی

(کیسی کافروں جیسی زندگی گزار رہے ہو، کہ زمانے کے ساتھ تو موافقت کرتے ہو اپنے ساتھ نہیں)

دگـر بـمـدرسـه هـائـے حرم نمی بینم دلِ جـنـیدؒ و نـگـاه غزالیؒ و رازیؒ

(حرم کے مدرسوں میں اب کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کا دِل حضرت جنیدؒ جیسا ہو اور نگاہیں غزالیؒ اور رازیؒ کی طرح ہوں)

ادب گاهیست زیرِ آسماں از عرش نازك تر نفس گم کرده می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

(آسماں کے نیچے حضور ﷺ کا روضہ مبارک ایک ایسی ادب گاہ ہے جو رتبے میں عرش سے بھی زیادہ ہے، یہاں پر جنیدؒ و بایزیدؒ جیسی ہستیاں پاسِ ادب سے سانس گم کر کے آتی تھیں)

دور ها باید که تایک مردِ حق پیدا شود بـایـزیدؒ اندر خراساں یا اویسؓ اندر قرن

(کئی زمانے درکار ہیں کہ ایک مردِ حق پیدا ہو، بایزیدؒ جیسا کوئی خراساں میں یا اویس رضی اللہ عنہ جیسا قرن میں)

تیـغ ایـوبـیؒ نـگـاه بـایـزیدؒ گـنـج هـائـے هر دو عالم را کلید

(تیغ ایوبیؒ ہو یا نگاہِ بایزیدؒ، دونوں جہانوں کی کنجیاں ہیں)

کـامـلِ بـسـطـام در تـقـلیدِ فـرد اجـتـنـاب از خـردنِ خـربـوزه کـرد

(بسطام کے کامل شخص (حضرت بایزیدؒ) نے حضور ﷺ کی تقلید کی خاطر خربوزہ کھانے سے پرہیز کیا)

کتاب کے مطالعہ کے لیے اشارات

۱۔ وہ مضامین جو قارئین کی خصوصی توجہ کے طالب ہیں سطروں کے نیچے لکیر کھینچی گئی ہے۔

۲۔ قارئین اپنی معلومات اور یادداشت کے لیے مخصوص عبارات پر نشان لگالیں تو انہیں ثانوی مطالعہ میں مدد ملے گی۔

۳۔ التماس ہے کہ اس کتاب کو خود پڑھنے کے بعد بالائے طاق نہ رکھا جائے بلکہ اپنے بچوں اور دوستوں کو پڑھنے کے لیے دیتے رہیں۔ اس کا اجر بھی آپ کو ہی ملے گا۔

۴۔ کچھ صاحبِ استطاعت لوگ اگر خواہش مند ہوں تو اس کتاب کی مزید اشاعت کروا کے سستے داموں تقسیم کریں۔ مصنف کی اجازت بہر حال ضروری ہوگی۔

۵۔ اہلِ حکومت اور صاحبِ ثروت لوگوں سے اپیل ہے کہ مصنف کی کتاب ''نشانِ منزل'' میں مذکور تین اور پانچ روزہ درسوں کا سلسلہ جاری کروائیں کیونکہ اس کتاب میں بیان کردہ طریقہ بہت موثر ثابت ہوا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتساب

بنام

حضور پُر نُور مُحمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

و جملہ خواجگانِ نقشبند رح

از حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تا خواجہ مخدومِ مَن قبلہ پیر حضرت علاّمہ علاؑ والدّین صدّیقی غزنوی مدظلّہ العالی، سجادہ نشین دربار نیریاں شریف تراڑ خیل آزاد کشمیر......اور اِس فقیر کے محبوب قومی شاعر علاّمہ اقبالؒ اور میرے درویش والدینؒ جن کی فیض رَس نگاہوں نے مجھے ملّت و قوم کی خدمت کے قابل بنایا۔

خادم الفقراء

پیر عبداللّطیف خان نقشبندی

Ph-042-35709606

تشکر

اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے کہ تین سال کی شب و روز محنت کے بعد زیرِ نظر کتاب کی اشاعت ہو چکی ہے۔ میں ان حضرات کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس کتاب کی اشاعت میں میری مدد فرمائی۔ میں خصوصاً جناب عاصم مجید صاحب ایڈیشنل کلکٹر، پاکستان کسٹمز کا بے حد ممنون ہوں کہ وہ اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کے لیے اپنی کوششوں کو بروئے کار لائے۔ میں آپ کے والدین کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے مسودہ کی ورق گردانی کی۔ عاصم مجید صاحب کا تذکرہ اور ان کی خصوصیات کا ذکر میری تمام کتابوں میں کیا جا چکا ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس محنت کے صلہ میں دین و دنیا کی نعمتوں اور بلند درجات سے نوازے اور منازل سلوک میں سے نہایت اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

میں شاہد ملک چیرمین ٹرپل ایم کا بھی بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی تدوین کے لیے متعین کیے گئے نصف سٹاف کے لیے وظیفہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے دینی اور دنیاوی نعمتوں میں اضافہ فرمائے اور درجات میں بلندی عطا فرمائے۔ آمین

مصنف

پیر عبداللطیف خان نقشبندیؒ

فہرست

حصّہ اوّل (جنیدؒ و بایزیدؒ)

حصّہ دوم (حضرت جنیدؒ)

حصّہ سوم (حضرت بایزیدؒ)

حصّہ چہارم (متعلقاتِ تصوف)

حمدِ باری تعالیٰ

(از مصنّف)

نہ میں ہی ترے قابل ہوں، نہ یہ دِل ترے قابل ہے
خدایا کر کرم کہ یہ تری عادت میں شامل ہے

طریقت میں شریعت کا ہے گویا اوّلیں منصب
ہوا جو حکم سے تیرے جدا، تحریر باطل ہے

مٹا دیتا ہے سالک حرف "لا" سے پورے عالَم کو
دلِ سالک میں اب حق کے سوا ہر چیز فاضل ہے

مجھے کیا کام داغِ لالہ و گل کے بکھیڑوں سے
میرے دِل میں تو سوزِ "ھــا و ھُو" کی ایک محفل ہے

رہی ہے آیۂ "لَاتَقْنَطُوْا" پیشِ نظر میرے
سمندر کے تلاطم میں مجھے اُمیدِ ساحل ہے

جدھر دیکھو اُدھر جلوۂ "وَجْـهُ اللّٰه" نظر آئے
اگر تیری محبت دیکھنے والے کو حاصل ہے

جب عرش پاک کی ہر شے میں نورِ مصطفائیؐ ہے
اِدھر بھی سبز گنبد پر خدا کا نور شامل ہے

خدائے کبریا کی شانِ مشتاقی کو کیا کہیئے
جسے چاہا خدا نے بس وہی انسانِ کامل ہے

نبی پاکؐ کے دَر سے ملا ہم کو پتہ تیرا
جو اس راہ سے نہیں آتا وہ ظالم ہے وہ جاہل ہے

بدونِ عشق، عرفانِ خداوندی نہیں ملتا
جو کہتا ہے کہ مل سکتا ہے، منکر ہے وہ غافل ہے

قتیلِ عشق ہوں مولیٰ مری دیت بھی تو خود ہے
بہت اونچا ہے یہ درجہ مگر منزل بہ منزل ہے

عنایت ہے تری یاربّ کہ سایہ تیرا مجھ پر ہے
کرم تیرا کہ اب یہ دِل صلائے حق کے قابل ہے

خدا ملتا ہے تو بس مصطفیؐ کے عشق سے واعظ!
خدا کا اس طرح ملنا طریقت میں ہی داخل ہے

ملا ہے جو لطیفؔ ہم کو تو اُس کے در پہ جھکنے سے
جھکاتا ہے اسی کو تو، جو تیرے در کے قابل ہے

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(از مصنّف)

محمدؐ کی محبت زُھدؔ و تقویٰ سے ہے پیوندی
ہیں آدابِ محمدؐ مثلِ آدابِ خداوندی

خدائے پاک کو جب عشق ہے ذاتِ محمدؐ سے
نہ ہو منظورِ حق پھر کیوں محمدؐ کی رضا مندی

وہی فاتحِ عالم تھے، زمانہ ہے گواہ اس پر
ہوئی اسلوبِ دیں سے پختہ تر جن کی ہنر مندی

اطاعت مصطفیٰؐ کی ہے تقاضا عین ایماں کا
صلوٰۃ و صوم تو ہیں دینِ حق کی حاشیہ بندی

یہاں پر عربی و عجمی، سیاہ و سرخ یکساں ہیں
محبت میں برابر مکی، مدنی اور سمر قندی

بفرمائید رسول اللہؐ کہ ہے سلمان "مِنْ آلِیْ"
وہ جذبہ تھا محبت کا عطا ہے جس سے فرزندی

مقامِ عشق میں صدق و طلب ہی کام آتے ہیں
خرد کے پاس تو ہے جستجو و آرزو مندی

بلا کشفِ حجابِ دیدۂ دِل آپ کو دیکھوں
رسول اللہؐ اُٹھا دیں مجھ پہ نظاروں کی پابندی

جمالِ حسنِ آقائے دو عالمؐ ہو بیاں کیسے
کہ ان کے حسن سے ہوتی ہے انساں کی زباں بندی

مزہ ہو خوب گر قربِ محمدؐ ہم کو مل جائے
خوشا قسمت کہ مٹ جائے ہماری دور کے افگندی

وہ فیضانِ رسالت تھا کہ جن کے یہ ہوئے رتبے
جنیدؒ و بایزیدؒ اور نقشبند و شیخِ سرہندی

محمدؐ کی محبت کا لطیفؔ اک لطف جاری ہے
میرے اشعار کی یہ لطف کرتا ہے جِنا بندی

منقبت

حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ

(از مصنف)

یہ نسبتِ مبارک، یہ معاملہ سعید — ہیں رہبرِ زمانہ اب بھی جنیدؒ و بایزیدؒ

اولیاء شاداب ہیں اب بھی انہی کے فیض سے — مانتے ہیں آپ کو ہم رحمتِ حق کی نوید

اولیاء تو نورِ حق کے منبعِ فیضان ہیں — کھینچتے ہیں فیض ان سے مانندِ عملِ کشید

دیکھتے تھے جب جنیدؒ اس کاملِ بسطام کو — مانتے تھے وہ طریقت میں انہیں مردِ وحید

جس طرح کہ سب فرشتوں میں ہیں اعلیٰ جبرئیلؑ — ایسا ہی اعلیٰ ہے ولیوں میں مقامِ بایزیدؒ

عاشقوں کو ان سے نہ جانے ملے کیا کیا مقام — دیت اُن کی ہے خدا، جو ہو محبت کا شہید

آج بھی یہ ہستیاں ہیں مظہرِ نورِ خدا — گفتنی دونوں کی گویا معرفت کی ہے کلید

قربِ حق کا سلسلہ ولیوں کے دم سے ہے — لازم ہے ایسی راہ میں، اہلِ خدا کی دید

پاکبازان طریقت مانتے ہیں ان کو آج — راہِ حق کی اوّلین منزل جنیدؒ و بایزیدؒ

کیفیاتِ جذب و مستی میں بہت اعلیٰ مقام — معرفت کے جام پی کر بھی کہیں "ھل من مزید"

آپ سے واضح طریقت میں شریعت ہو گئی — انحرافِ شرع ان کے سامنے امرِ بعید

ان ہی سے قائم ہوئی حسنِ طریقت کی مثال — آپ وہ ہیں جن سے وابستہ ہے ولیوں کی اُمید

آپ نے بخشی طریقت کو مناسب احتیاط — ہیں طریقت میں یہی دو ہستیاں فردِ فرید

کون کر سکتا ہے قائم آپ دونوں کی مثال — دیکھئے ملتے ہیں کس کو یہ مقاماتِ سعید

آج گر ان کی محبت دِل میں اپنے ہے لطیفؔ — حشر میں کیوں ساتھ نہ ہونگے جنیدؒ و بایزیدؒ

تقدیم

اس کتاب کے مقدمہ میں جو بات قابلِ ذکر ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ عام لوگ صحبتِ اولیاء سے کس انداز سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں راقم الحروف نے یادِ رفتگان کی طرز پر ایک مضمون اس کتاب کے اوائل میں شامل کر دیا ہے جس کا عنوان ''تعلقاتِ اولیاء کے ثمرات'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کی تحریر کا مقصد اس مضمون کے محور کے گرد گھومتا ہے لہٰذا مذکورِ بالا بیان کو ہی اس کتاب کا مقدمہ تصور کیا جائے۔

حضرت پیر کرم شاہ نے راقم الحروف کی کتاب رابطۂ شیخ میں جو مقدمہ لکھا ہے اس کی نقل اس کتاب میں اس لیے شامل کر دی گئی ہے کہ حضرت موصوف نے صوفیائے کرام کی تعلیمات کو سہل انداز میں عصری مذاق کے مطابق نوجوان نسل اور تشکیک زدہ افراد کے سامنے پیش کرنا ایک بہت ضروری امر تصور کیا ہے۔ راقم الحروف کی اس طرز پر لکھی جانے والی تمام کتابوں کو آپ نے بہت پسند فرمایا ہے۔

اُمید کی جاتی ہے کہ اس کتاب میں شامل کیے گئے مضمون ''تعلقاتِ اولیاء کے ثمرات'' کا مطالعہ کرنے کے بعد سالکانِ راہِ طریقت کے لیے اپنی منزل متعین کرنا اور اس کو حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں سمجھا جائے گا۔ مردانِ راہِ طریقت کے دِلوں میں جب جذبۂ عمل پیدا ہو جائے تو ان کو اپنی منزل کے لیے چل نکلنا کوئی بڑی بات محسوس نہیں ہوتی کیونکہ اگر شوق رہنمائی کرے تو منزلِ مقصود خود بخود سامنے آ جاتی ہے۔

لاہور

۰۱/۰۶/۲۰۰۲

خاک پائے اولیاء

پیر عبداللطیف خان نقشبندی

کیولری گراؤنڈ لاہور چھاؤنی

(6666631-6665475)

ا حلیۃ الاولیاء، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، جلد ۷ صفحہ ۲۸۵، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۵ھ

تلقینِ روحانی

(مریدوں کے نام)

از پیر عبداللطیف خان نقشبندیؒ

قلبِ مرجوع اور عقلِ سلیم کی متوازی راہوں میں اگر چہ حوادثِ زمانہ کے قطرات ٹپکتے رہتے ہیں تو بھی ان خدائی راہوں پر چلنے والوں کو کوئی طاقت مسدود نہیں کر سکتی ایسی تنگ و تاریک نظر آنے والی راہوں سے بھی وہ شواہد نظر آتے رہتے ہیں جن کی گردِ راہ کو کسی معمولی روحانی شہنشاہ کے اِنتہائی قرب رکھنے والے رفیق ہر گز نہیں پہنچ سکتے۔

روحانیت ایک لا متناہی گہرائیوں کا سمندر ہے جس میں موتی، ہیرے اور جواہرات کو اللہ تعالیٰ نے سمندر کی تہوں میں ہی محفوظ، مقدور اور مامون کر رکھا ہے، ایسے بحرِ بیکراں سے جو موجیں اُٹھتی ہیں وہ بھی سمندر کے قریب سے گزرنے والے لوگوں کو بھی کچھ دیر کے لئے مسرور کرتی ہیں لیکن سمندر میں موجود موتیوں اور عام ریگزاروں کی رفعتوں میں کوئی نسبت نہیں ہوتی، اس کی شان اس دن واضح ہوگی جب سمندر کو قیامت خیز زلزلوں سے افشا کیا جائے گا مگر اس دن کسی کو اپنے کئے ہوئے پر شرم کرنا بھی اُس کے کام نہیں آئے گا، میں جس طرح مسدود حالات کے باوجود اور ضعیف العمری کی حالت میں تبلیغی مقاصد سے دور نہیں رہا اور چار عدد کتب کو بنام اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ، سوز و ساز رومیؒ، تہذیبِ نفس اور ''شاہین کا جہاں اور'' کو تصنیف کیا ہے اِن چار عدد تصانیف کے علاوہ یہ فقیر گیارہ عدد کتب پہلے بھی شائع کر چکا ہے جو اُمتِ مسلمہ کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے، اسی طرح آپ بھی حالات کے تھپیڑوں میں خدمتِ خلق کے جذبے سے اپنے سینوں کو گرم رکھیں۔

اُمید ہے کہ یہ کتب اشاعت کے بعد شہرہ آفاق ہونے کا شرف حاصل کریں گی۔ اللہ تعالیٰ ان تصانیف کی برکات سے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو نیا ولولہ اور جذبۂ عمل عطا فرمائے۔

مورخہ یکم جنوری ۲۰۰۸ء

خاک پائے درویشاں

عبداللطیف خان نقشبندی

عرض ناشر

از کرنل احمد فضیل خان

امت محمدیہ ﷺ کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد صوفیاء عظام اور ان کا کلام اہمیت کا حامل ہے۔ بلکہ ان مقبولان الٰہی کا ذکر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موجب ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تَنزِلُ الرَّحمَۃُ عِندَ ذِکرِ الصَّالِحِینَ" (صالحین کے ذکر کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے)۔ اسی وجہ سے قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظامؒ کا انتہائی مفصل انداز میں ذکر پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نفوس بابرکات کے عزم و استقلال، استقامت و متانت، شجاعت و بہادری، جذبہ ایثار و خلوص اور روزمرہ زندگی کا احاطہ کرتے ہوئے قارئین کو ان کے راستے پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کے حصول کو انہی لوگوں کی اتباع سے مشروط کیا ہے۔ انھیں یہ سعادت اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و ترویج کی وجہ سے نصیب ہوئی۔

خلافت راشدہ کے بعد جب آمریت کا آغاز ہوا تو لوگ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک فرقہ تو ایسا تھا جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کو ہی دین سمجھتے ہوئے ان نفوسِ قدسیہ، جن کی اتباع کو اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کا ضامن ٹھہرایا، کو یکسر فراموش کر دیا۔ اور دوسرا فرقہ وہ ہوا جنھوں نے دین کو خانقاہی نظام کی میراث سمجھتے ہوئے قرآن و سنت کو پسِ پُشت ڈال دیا۔ ان حالات میں جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے اہلِ حق لوگوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات پر کاربند ہوتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی میراث کو زندہ رکھا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کی پیدائش خراسان میں ۱۸۸ھ میں ایک انتہائی معزز گھرانے میں ہوئی۔ آپؒ نے علم قرآن اور حدیث وقت کے جید علمائے سے حاصل کیا، آپ کے ۱۱۳ اساتذہ کا ذکر کتب میں پایا جاتا ہے۔ آپ کی بیعت (اویسی) حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے تھی۔ کتاب و سنت پر اس قدر کاربند رہے کہ ساری عمر خربوزہ نا کھایا صرف اس لیے کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کو سنت کے مطابق کیسے کھایا جائے۔ مجاہداتِ شاکہ آپ کی زندگی کا حصہ تھے۔ تصوف کی دنیا میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ آپکے پردہ فرمانے کے سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود آپ کی شخصیت سالکین طریقت کے لیے چمکتے ہوئے سورج کی مانند ہے آپ کی شان اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ تمام مشائخ عظام نے اپنی تحریروں میں آپ کو زبردست

خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ جیسی ہستی یہ کہتی سنائی دیتی ہیں کہ "بایزیدؒ جیسے احوال میں کسی اور ولی میں نہیں پاتا" مزید برآں آپؒ فرماتے ہیں "بایزیدؒ اولیاء میں ایسے ہیں جیسے ملائکہ میں جبرائی علیہ السلام"۔

علامہ اقبالؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں

دورها باید که تا یک مردِ حق پیدا شود		بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؓ اندر قرن

(کئی زمانے درکار ہیں کہ ایک مردِ حق پیدا ہو، بایزیدؒ جیسا کوئی خراسان میں یا ایک اویس قرن میں)

حضرت جنید بغدادیؒ بھی حضرت بایزیدؒ کے ہم عصر تھے۔ ان دونوں بزرگان کا ذکر عموماً اکٹھا پایا جاتا ہے علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

شوکتِ سنجر و سلیم ، تیرے جلال کی نمود		فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ، تیرا جمالِ بے نقاب

حضرت جنیدؒ کی پیدائش ۲۱۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد آئینہ سازی اور شیشہ گری کے آلات کی تجارت کرتے تھے اور اپنے فرزند کی اسی کاروبار میں شمولیت کے خواہشمند تھے۔ مگر آپ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ، جو عالم و فاضل، مفسر و محدث اور اپنے عہد کے مرجعِ خلائق اور قطبِ ارشاد تھے، آپکے روحانی مدارج سے واقفیت کی بنا پر آپ کو سید الطائفہ بنتا ہوا دیکھتے تھے۔ آپؒ بچپن ہی سے اپنے ماموں کی آغوشِ تربیت میں چلے گئے اور باپ سے زیادہ انہی کے زیرِ اثر رہ کر تعلیم و تربیت کے مراحل طے کیے۔ حضرت سری سقطیؒ کے علاوہ آپؒ نے حارث المحاسبیؒ، محمد بن علی القصابؒ، ابوثور الکلبیؒ، حضرت سفیان ثوریؒ اور دیگر مشائخ سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ آپ نے قرآن وسنت پر پابندی اور دیگر مجاہدات اور عبادات اور فصاحت بیاں کی وجہ سے دنیا تصوف میں ایک منفرد مقام حاصل کیا۔

زیرِ نظر کتاب میں پیر صاحبؒ نے ان دونوں اولیاء عظامؒ کی زندگیوں کا انتہائی شرح وبسط کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے احوال، افکار اور کیفیات و واردات سے متعلق امور پر روشنی ڈالتی ہے مگر "تعلقاتِ اولیاء کے ثمرات" کے عنوان سے لکھے گئے پہلے باب میں چند اولیائے کرامؒ کے دلچسپ اور روح افروز واقعات و اقوال درج کیے گئے ہیں جو قارئین کی دلجمعی اور دِلچسپی کا سبب بنتے ہیں۔ اس کتاب میں مصنف کا مطمعِ نظر سالکینِ راہِ حق کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فراہم کرنا ہے۔ اہل اللہ تعالیٰ کے مجاہدات کے باب میں آپ نے جن آٹھ نکات کی نشاندہی کی ہے ان پر عمل کرنا نہایت سودمند ہو سکتا ہے۔ آخری حصہ میں توحید پر بحث کرتے ہوئے شرک کے بارے میں غلط فہمیوں کا بڑے محققانہ انداز میں ازالہ کیا ہے۔

اس کتاب کی اشاعتِ ثانی میں تمام اقوال نبی ﷺ کے مستند حوالے دے دیئے گئے۔ اس کے علاوہ تحقیق کے طلبہ کے لئے مصادر و مراجع کی فہرست بھی لگا دی گئی ہے۔ قارئین کے ذوق کے لئے کہیں کہیں عربی عبارات بھی زینتِ قرطاس کر دی گئیں ہیں۔

قبلہ پیر حضرت عبداللطیف خانؒ کی تمام زندگی دین اسلام کی تبلیغ و ترویج میں بسر ہوئی۔ آپؒ ہفتہ وار محفلِ ذکر منعقد کراتے جس میں ہر خاص و عام کو فیض ملتا۔ اس کے علاوہ آپؒ مختلف مقامات پر لوگوں کے اجتماع میں درس کا اہتمام کرتے جس میں جدید سائنٹیفک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن و حدیث کے خوب صورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اس طرح گرما دیتے کہ ان کی زندگیوں میں حیرت انگیز کیفیت، زبردست انقلاب اور اسلامی ولولہ پیدا ہو جاتا۔ بسا اوقات تو آپؒ ایک نظر سے ہی زندگیاں بدل دیتے۔ امت کی اصلاح کی کوششوں میں ہی آپؒ کے شب و روز گزرتے۔ آپ کا یہ دعویٰ تھا کہ کوئی بے نمازی آپ کے پاس آدھ گھنٹہ نمازی بننے کی خواہش میں بیٹھے تو اللہ ﷻ کے فضل سے وہ پکا نمازی بن جائے گا۔ آپ نے جس طرح ضعف العمری میں تبلیغی کوششیں کیں، جن میں ۲۳ عدد تصانیف شامل ہیں، وہ ایک مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کتب متلاشیان حق کے لئے ایک نصاب کی سی حیثیت رکھتی ہیں اور درحقیقت امتِ مسلمہ کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ آپؒ کے یہ اشعار اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:

جب تک کہ ہیں زندہ، تیرا ہم کام کریں گے — ابلاغ سے دم لیں گے، نہ آرام کریں گے
بے دین ہیں جو مائلِ اسلام کریں گے — ہے آرزو میری کہ، بہ صد جذبہ پیہم
ہم خدمت اسلام کو ہر گام کریں گے — خوش ہوں کہ لطیفؔ اپنی طلب ہے تو یہی ہے

پیر عبداللطیف خانؒ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کی زندگی کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے ادارہ نشانِ منزل تبلیغ اور ترویج کے عمل کو اسی جذبے سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ ادارہ مندرجہ ذیل ذمہ داریوں کے نبھانے میں مصروفِ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نبی پاک ﷺ کے طفیل ہمیں ہدایت کی راہ پر ثابت قدم رکھتے ہوئے اپنے مقاصد میں سرفرازی و کامرانی سے نوازے، آمین:

تبلیغ و ترویج اسلام:

دین کی تعلیمات جدید انداز میں سائنٹیفک اور دلچسپ طریقے سے بتائی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عوام الناس کے دل دین کی طرف راغب نہ ہوسکیں اور اُن کی زندگیوں میں ایک نمایاں تبدیلی رونما نہ ہو۔ اسی جذبے کو آگے چلاتے ہوئے مختلف دروس، سیمینارز اور روحانی محافل کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

درس قرآن:

جدید طریقہ تدریس اور کمپیوٹر کی مدد سے ترجمہ و تفسیر کا درس جس میں عربی گرائمر اور تجوید کے بنیادی قواعد سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔ ہر جمعرات اور جمعہ کے دن بعد از نماز مغرب منعقد کیے جاتے ہیں۔ شہر سے باہر رہنے والے مریدین دروس سے ہر ماہ کے پہلے ہفتہ اور اتوار کو ادارہ میں مستفیض ہو سکتے ہیں۔

درس عقائد و فقہ:

ان دروس میں اسلام کے بنیادی عقائد اور اسلامی شرعی احکام، جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے، بتائے جاتے ہیں۔ یہ درس ہر جمعرات کو بعد از درسِ قرآن ادارہ میں دیا جاتا ہے۔

درس روحانیت:

ہفتہ وار محفل ذکر، جو گذشتہ چالیس سالوں سے منعقد کی جاتی ہے، میں ذکر اور روحانی درس سے عوام الناس کے قلوب پر نورانی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اب اس محفل کا انعقاد اتوار بعد از نماز مغرب ہوتا ہے۔

حفظِ قرآن و سکول:

شعبہ حفظ قرآن میں بچوں کو سکول کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ نشانِ منزل سکول کے بچے جہاں دینی تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں وہاں پیشہ وارانہ مہارت میں بھی کسی سے کم نہ ہوں گے، انشاء اللہ۔

تحقیق و تخریج:

امت مسلمہ کا اپنے وقار کو کھونے کا سبب مادہ پرستی اور علم و تحقیق سے دوری ہے۔ اسلاف کی پیروی میں علمی کیفیت اور تحقیقی جذبے کو فروغ دینے کے لیے ادارہ کوشاں ہے۔

نشان منزل پبلی کیشنز:

پیر صاحبؒ کی کتب کی اشاعت اور مارکیٹنگ کی اہم ذمہ داری ادارہ سرانجام دے رہا ہے۔ جو کتابیں اب تک زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱) اقامۃ الصلوۃ	۲) بیعت کی تشکیل اور تربیت	۳) رابطہ شیخ
۴) جنیدؒ و بایزیدؒ	۵) شاہین کا جہاں اور	۶) سُنت مبارکہ
۷) اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ	۸) سوز و ساز رومیؒ	۹) نشانِ منزل

۱۰) حضورِ قلب ۱۱) حُسنِ نماز ۱۲) مجلسِ اقبال

۱۳) تہذیب نفس ۱۴) ثنائے خواجہ

علاوہ ازیں وہ کتب جو زیرِ طبع ہیں اُن کی تکمیل و تشہیر میں ادارہ مصروفِ عمل ہے۔

۱) تعلقاتِ زوجین ۲) مسئلہ تقدیر ۳) اکتسابِ رزق وانفاق

۴) سرمایۂ ملت ۵) مسلکِ اولیائے اُمت ۶) متاعِ اخلاق

۷) عقل، عشق اور فلسفۂ خودی ۸) تعلیماتِ اقبالؒ ۹) مکتوباتِ لطیف

۱۰) علامہ اقبالؒ کا فلسفہ جنون

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت عطاء فرمائے تا کہ اس اہم ذمہ داری کو خوش اصلوبی سے ادا کر سکیں (آمین)

خاکپائے اولیائے کرام
کرنل احمد فضیل خان

مقدمہ

(ماخوذ از رابطہء شیخ)

از حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت۔ پاکستان

اللہ ربّ العزت نے اپنے محبوبِ کریم عَلَيْهِ التَّحِيَّةُ وَالثَّنَاءُ وَالتَّسْلِيمُ کو بے شمار شایاں اور ان گنت کمالات سے بہرہ ور فرما کر مبعوث کیا۔ یہ کمالات عالیہ حد و احصاء سے باہر ہیں۔ انہیں میں سے ایک خصلت حمیدہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ دلوں کا تزکیہ فرماتے ہیں، وہ دل جو دنیوی خواہشات سے آلودہ ہو چکے ہوں ان کی دھڑکنوں کا مرکز و محور بدل گیا ہو جو اپنے خالق و مالک کے ذکر کی حلاوت سے محروم ہو چکے ہوں، شیطانی وسوسہ اندازیوں اور نفس کی وسیسہ کاریوں کی آماجگاہ بن چکے ہوں۔ جب ایسے پراگندہ دل بھی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوں گے اور آپ کی نگاہِ لطف ان کی جانب اُٹھ جائے گی تو ان دلوں کو وہ طہارت نصیب ہو جائے گی کہ قدسیان سمٰوات بھی ان پر رشک کریں گے۔ اب شیطانی حربے ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے بلکہ وہ تو انوارِ ربّانی کے مہبط و مرکز بن چکے ہوں گے۔

ہمارے پاک و پاکیزہ سرشت پیغمبر ﷺ کے فیض ہمایوں نے دلوں کی اجڑی ہوئی دنیا کو بہار آشنا کر دیا۔ ایسی سرمدی و دائمی بہار کہ وہ اس کے بعد کبھی بھی خزاں کی ستم رانیوں کا شکار نہیں ہو سکتی۔

نبی اکرم واطہر ﷺ کی فیض بخشیوں کا یہ سلسلہ اولیائے کرام کی صورت میں آج بھی جاری و ساری ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کے روحانی تصرفات اور باطنی فیوضات نے ہمیشہ دنیا میں خیر کی روایت کو زندہ رکھا۔ عصیان و لغزشوں سے آلودہ دلوں کو حق و راستی کے انوار سے روشن و منور کرنے کا سلسلہ ہمیشہ ان پاکانِ امت نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے بحال رکھا۔ اولیائے کرام کی اس مساعی کے صدقے اس امت میں ایسے ارفع و اعلیٰ کردار اور ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں کہ دنیا کی کوئی قوم ان جیسے نادر

روزگار وجود پیش نہیں کر سکتی۔

آج جب کہ عالم اسلام گوناگوں ابلیسی سازشوں کا شکار ہے ان میں سے ایک بہت بڑی سازش اسلام کے اس روحانی نظام کو مشکوک اور بے اصل ثابت کرنے کی ہے۔ اغیار اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ اُمت اپنے ایمان، محبت اور حق کی خاطر مر مٹنے کے لازوال جذبے کہاں سے حاصل کرتی ہے۔ ایسے میں وہ افراد بڑے خوش بخت اور فرخندہ اقبال ہیں جو اپنے اسلاف کی درخشندہ اور حیات آفریں روایات کی پاسداری کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

محترمی عزت مآب حضرت پیر عبداللطیف خان صاحب نقشبندی کی تصنیفات عالیہ دیکھ کر دِل بہت خوش ہوا۔ فی زمانہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کو سہل انداز میں اور عصری مذاق کے مطابق نوجوان نسل اور تشکیک زدہ افراد کے سامنے پیش کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ ان روایات کے احیاء کے بغیر اُمتِ مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ ایسی مفید اور معیاری کتابوں کے مصنف یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے اللہ ربّ العزت اُن کی کاوشوں کو قبولیت سے ہمکنار فرمائے اور اُن کی فیض رسانیوں کے سلسلہ کو مزید وسعت عطا فرمائے۔ آمین

خاکِ راہِ صاحب دلاں

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (نَوَّرَ اللّٰهُ تُربَتَه')

اپریل ۱۹۹۸ء سجادہ نشین، بھیرہ شریف

غرض تصنیف

(از مصنف)

کثرتِ مال اور حصولِ جاہ و منصب کی طلب نے مسلمانوں کو دین کی دولت سے تو محروم کر ہی دیا تھا لیکن اب ان کا یہ حال ہے کہ ان کی اس خواہش نے انہیں دنیوی وقار اور احترام کے اعتبار سے بھی مفلوج اور اپاہج کر دیا ہے۔ آج کی دنیا میں پس ماندہ مسلمان کو اس حقیقت کا علم نہیں کہ ان کی بے سرو سامانی اور پسماندگی کا علاج صرف دین اسلام کی طرف رجوع کرنے میں ہے اور ان کے دینی اور دنیوی معیار کی سربلندی کا راز اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہی مخفی ہے۔ رجوع الی اللہ کی سعادت حاصل کرنا کوئی ایسی مشکل بات نہیں۔ اسے ایک مسلمان اللہ اور رسول ﷺ کی طرف ذرا سی وابستگی سے حاصل کر سکتا ہے۔ رجوع الیٰ اللہ کے حصول کے لئے اولیاء کرام کی طرف ذرا سا لگاؤ بھی انسانوں کی زندگیوں میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر سکتا ہے اور ان کا یہ رجوع ان کے جملہ مصائب کا حل ثابت ہو سکتا ہے۔ زیر نظر کتاب کا انتخاب اولیاء کرام کی معنوی صحبت حاصل کرنے کے سلسلہ میں ایک خوش نما طریقے کی طرف خوبصورت اشارات سے لبریز ہے۔ علامہ اقبالؒ کے درج ذیل اشعار سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں میرا جوہر آشکار ہوا قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

زیرِ نظر کتاب میں اس حقیقت کو افشاء کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو اپنے بندوں کی تربیت کے لئے نمونہ بنایا ہے تا کہ عوام ان کی صحبت میں آتے رہیں اور اپنی تمام عمر ان کی صحبت سے حاصل ہونے والے خزانہ ہائے فیض کے انباروں کو اپنے لئے سمیٹتے چلے جائیں۔ انبیاء کرام کے بعد یہ منصب اولیاء عظام کے سپرد ہوا۔ ان کی نورانی مجلسوں میں شرکت کرنے والے ان کے فیضان نظر سے اپنی زندگیوں کو سنوارتے رہے۔ اولیاء کرام خلقِ خدا میں ایسی رہنمائی کا ذریعہ بنتے رہے ہیں کہ جس کے باعث لوگ شیطانی اثرات سے محفوظ ہوئے اور نجات کا راستہ اختیار کرتے رہے۔ اولیاء کرام کی

مختصر سی صحبت کا یہ فیضان ہوتا ہے کہ گناہگار اور عیوب سے لبریز انسانوں کو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دیتے ہیں، گویا وہ اللہ کے بندوں کو ان کے خالق حقیقی کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ جیسے کہ مولانا رومیؒ نے فرمایا۔

دست گیرد بندۂ خاصِ الٰہ طالباں را می برد تا پیش گاہ

(اللہ کا خاص بندہ دستگیری کرتا ہے، طالبان حق کو بارگاہ حق میں لے جاتا ہے)

مشائخِ کبار کی مختصر سی صحبت سے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد خواہشات اور نفس کی آلودگیوں سے پاک ہو سکتی ہے اور وہ صحبت انہیں جہنم کی راہ سے ہٹا کر جنت الفردوس کی راہ پر گامزن کر دیتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے صالحین امت کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے اور ان کے وہ تمام فیوض و برکات حاصل ہونے لگتے ہیں جو کہ عوام الناس کو ان بزگوں کی ذاتی صحبت میں میسر ہو جاتے تھے۔ راقم الحروف کی کتاب ''اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں اس حقیقت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے کہ سالکینِ راہِ طریقت کو اولیاء کرام کی صحبت کس طرح روحانی بلندیوں تک پہنچا دیتی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے پہلے قارئین کی توجہ اس حقیقت کی طرف مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ صالحین کی صحبت میں اللہ تعالیٰ نے بے حد و حساب اپنے انعامات عطا کرنے کا وعدہ قرآن اور حدیث میں فرمایا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے اِس باب میں ہی ''صحبت رفتگان'' کا مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اولیاء کرام کی صحبت ہر مشکل میں بے بہا رحمتوں کے خزانے تقسیم کرتی ہے۔ ان کی صحبت میں آنے والوں کو پہلا انعام یہ ملتا ہے کہ وہ شر انگیز عناصر کی صحبت سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور نیک لوگوں کی صحبت میں ابدی انعامات کے وارث بن جاتے ہیں۔ یہ حقیقت بہت حوصلہ افزا ہے کہ اگر اولیاء کرام کی صحبت میسر نہ ہو سکے تو ان کی تصانیف اور تحریروں کے مطالعہ سے ہی ان کے فیوضات کے انوار حاصل ہوتے ہیں جن کا ایک عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مزید برآں اگر وابستگان اولیاء کو ان کی تصانیف سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ نہ بھی مل سکے تو ایک حدیث شریف کے مطابق ان اولیاء کرام کا تذکرہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا سبب بن جاتا ہے۔ اولیاء کرام کی تصانیف اور ان سے متعلق گفتگو کرنے سے اولیاء کرام کی تجلیات اور روحانی فیوض اسی طرح حاصل ہوتے ہیں جس طرح ان کی زندگیوں میں حاصل ہونے والی صحبت میں ملتے رہتے ہیں مذکورہ بالا باب

میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی تصنیف کا مطالعہ کرنے لگتا ہے تو صاحبِ تصنیف کی روح اس کتاب کے پڑھنے والے کی طرف متوجہ ہوکر اپنا فیض عطا کرنے لگتی ہے۔

قرآن اور احادیث میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء **علیھم الرحمۃ** سے متعلق باتوں کو سننا، پڑھنا اور سنانا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا ذریعہ بنتا ہے۔ ایک مشہور ارشاد ہے کہ

يُنَزِّلُ الرَّحْمَةَ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ (کشف المحجوب) [1]

اللہ تعالیٰ صالحین کے ذکر کے دوران اپنی رحمت کی بارش نازل فرماتا ہے۔

اولیاء کرام کی زندگیوں میں ان کے پاس بیٹھنا ایسے ہی ہے جیسے کسی کو اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی حاصل ہو جائے۔ اولیاء کرام کو عالمِ ملکوت سے تعلق حاصل ہو چکا ہوتا ہے اس لئے ان کے پاس بیٹھنے والے بھی اولیاء کرام کے وسیلے سے عالمِ ملکوت سے تعلق قائم کر لیتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قول کے مطابق ان کے پاس بیٹھنا فائدے کے اعتبار سے ذکرِ حق تعالیٰ سے بہتر شمار کیا جاتا ہے۔ اولیاء کرام کی طرف توجہ کرنا اس قدر اکسیر ثابت ہوتا ہے کہ مراقب کا بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلق اولیاء کرام کے تصدق سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ اولیاء کرام کی وفات کے بعد یہ تعلق منقطع نہیں ہوتا کیونکہ اولیائے کرام صرف نقل مکانی کرتے ہیں اور حیات جاودانی کے باعث ان تمام امور پر قادر ہوتے ہیں جو وہ اپنی زندگیوں میں کرتے تھے۔[2] ایک حدیث شریف میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص اولیاء کرام کی جماعت کے ساتھ دوستی رکھتا ہو مگر ان کی ملاقات سے مشرف نہ ہوا ہو تو اس کے باوجود اپنی محبت کے باعث قیامت کے روز اس شخص کا حشر بھی اس جماعت کے ساتھ ہوگا۔ احادیث میں یہ بات بھی آئی ہے کہ ان ہی اولیاء کرام کے صدقے اللہ تعالیٰ مخلوق میں بارش نازل فرماتا ہے اور ان کے ہی وسیلہ سے مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے۔[3]

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ''مکتوبات شریف'' میں فرمایا ہے کہ اولیاء کرام کی نظر، امراض ظاہرہ اور باطنہ کیلئے شفاء ہے اور ان کی پہچان یہ ہے کہ جب ان کو دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے۔ یہ اولیاء کرام وہ لوگ ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ جو لوگ اولیاء کرام سے محبت کرتے ہیں تو اللہ

[1] حلیۃ الاولیاء، ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، جلد ۷، صفحہ ۲۸۵، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] صحیح بخاری حدیث ۵۸۱۷، جلد ۵، صفحہ ۲۲۸۳

[3] تفسیر اسلمی، جلد ۱، صفحہ ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ بیروت

تعالیٰ ان کی طرف بھی محبت کی نظر فرماتا ہے۔ یہ اولیاء کرام پردہ کر جانے کے بعد بھی مخلوق کے ساتھ رہنے کے لئے روابط استوار رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام کی روحیں وصال کے بعد اپنے ارادت مندوں کی مشکلات میں مدد کرتی ہیں (اس سلسلے میں راقم الحروف کی کتاب ''رابطۂ شیخ'' میں باب ''اولیاء کرام کی امداد دراصل حق تعالیٰ کی امداد ہے'' کا مطالعہ فرمائیں)۔ حضرت عزالدین ابن عبدالسلامؒ کا قول ہے کہ جو لوگ اولیاء کرام سے ایسی عقیدت نہیں رکھتے ان کے چہروں پر راندہ درگاہ ہونے کے آثار پائے جاتے ہیں اور ایسے لوگ ان اولیاء کرام کے فیضان سے محروم ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ مشائخ عظام کے اقوال اور ان کے متعلق گفتگو یا ان کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے مریدوں کے دل مضبوط ہوتے ہیں۔ آپؒ کا یہ قول قرآن پاک میں سورۂ ھود کی آیت ۲۰ سے مستنبط ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم آپ سے قرآن پاک میں مختلف انبیاء کرام کی سرگزشتیں صرف اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے آپ کے قلب کو پختہ کریں۔ انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے ذکر سے وہی لوگ استفادہ کرتے ہیں جو ان کی حیات بعد از وصال کو تسلیم کرتے ہیں۔ انبیاء کرام گو ہم سے پردہ فرما چکے ہیں لیکن ان کے تذکروں کی ہم آج بھی تلاوت کرتے ہیں۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ فائدہ ہوگا کہ حضرت جنیدؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی روحانی زندگیوں کو جس انداز سے یہاں بیان کیا گیا ہے اس سے عقیدت مند حضرات پوری طرح فیضیاب ہوں گے۔ ان دونوں حضرات کی زندگیاں ایسے اسرار و رموز کی حامل ہیں جن کے مطالعہ سے قارئین کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور کوئی بھی قاری ان کی بزرگی کی ارتقائی منزلوں کی طرف خود کو لے جائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان حضرات کی زندگیوں کے معمولات، کیفیات اور واردات کچھ اس نہج پر پائے جاتے ہیں کہ کوئی ارادت مند شخص اس کے مطالعے کے بعد متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یوں تو بڑے بڑے اولیاء کرام کی کتب کا مطالعہ کیا جاتا ہے لیکن جب ان دونوں حضرات کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ہر قاری کا دل ان کے بیان کردہ حقائق کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے اور ہر قاری کے اوپر ایک عجیب غلبہ حال طاری ہو جاتا ہے۔ حضرت جنیدؒ اور بایزیدؒ کی باتوں کا معیار اس قدر بلند ہے کہ ایسی باتیں دیگر بزرگوں کی تصانیف میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ ان دونوں حضرات

کے اسرار و رموز سے متعلق یہاں زیادہ تفصیل کو بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ لہذا یہ بات اس کتاب کے مطالعے سے ہی واضح ہو سکتی ہے کہ جو لوگ اس کتاب کا گہری دلچسپی سے مطالعہ کریں گے ان کو ان بزرگوں کی رفعت شان کا مکمل اندازہ ہو سکے گا اور ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ جس انداز سے ان بزرگوں کے احوال کو ایک جامع اور مبسوط کتاب کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے یوں آج تک کسی کو ایسی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ ایسے انداز میں لکھی جانے والی کتب یقیناً ایمان کی تازگی کا سبب بنتی ہیں۔

تبصرہ

اولیاء کرام کی زندگیاں راہِ سلوک کے مریدین کے لیے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہیں اور ارادتمند حضرات اولیاء کرام سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔ اس کتاب میں حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کی زندگیوں سے فیض حاصل کرنے کے نکات بہت واضح طور پر بیان کر دیے گئے ہیں اور اس کے مطالعہ سے راہِ سلوک پر گامزن ہونے والے حضرات کے دِل کی تشنگی کو بجھانے کا سامان مہیا ہو سکے گا۔ مصنف نے اس کتاب میں راہِ طریقت کے بلند و بالا اصولوں کی نشاندہی کر دی ہے، جس سے اہلِ عزم کے لیے منزلِ مقصود کو ڈھونڈنے میں چنداں مشکل پیش نہیں آئے گی۔

زیرِ نظر کتاب ''جنیدؒ و بایزیدؒ'' کے مشکل مضامین کو مصنف نے آسان اور زود فہم انداز میں قلمبند کر دیا ہے، جس سے ہر طبقے کے عوام مستفید ہو سکیں گے۔ اولیائے کرام نے سلوک کے اعلیٰ مقامات کو کس طرح حاصل کیا، اس روداد کو زیرِ نظر کتاب میں قابلِ فہم اور قابلِ تقلید انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس بات کو آسانی سے بار آور کروا دیا ہے کہ راہِ طریقت میں خلوصِ نیت، اتباعِ شریعت، ریاضتِ شاقہ اور مجاہدات کو اپنانا ایک نہایت ضروری امر ہے ورنہ مقاماتِ تصوف میں سے کسی مقام کا ملنا ممکنات میں سے نہیں۔ تصوف کے مختلف زاویوں سے طریقت کی آگہی کا حاصل ہونا طریقت کے طالب علم کی راہ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کو مصنف نے متعدد ابواب میں خاطر خواہ انداز سے بیان کر دیا ہے اور طالبانِ طریقت کی راہ کو بہت آسان بنا دیا ہے۔

اس کتاب کا طُرّہ امتیاز یہ ہے کہ حضرات جنیدؒ و بایزید کو ایک ہی کتاب میں خاطر خواہ تفصیل سے تصوف کے مختلف زاویوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ حضرت جنیدؒ کے حلقۂ درس میں تصوف کی بہت طویل اور مکمل تعلیم دی جاتی تھی، بنابرایں ان کی تعلیمات کا دور دور تک پھیل جانا کوئی عجیب بات نہ تھی، مگر اس کے برعکس حضرت بایزیدؒ چونکہ روحانی کیفیات، استغراق اور خدا کے ساتھ گفتگو میں اپنے اکثر اوقات گزارتے تھے اس لیے ان کا کلام عام لوگوں تک نہ پہنچ سکا۔ اس کتاب

میں حضرت بایزیدؒ کے اُن تمام اسرار و رموز سے لبریز کلام کو شامل کر دیا گیا ہے جو ہمارے زمانے میں دستیاب ہو سکے ہیں۔ آپ کا ایسا کلام چونکہ چند کتابوں تک محدود تھا اس لیے عام کتابوں میں نہیں ملتا تھا۔ آپ کے مخفی مشاغل اور احوال کا بیان جہاں تک دستیاب ہو سکا ہے اس کتاب میں کافی تفصیل سے شامل کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ راہروانِ طریقت کے لیے یہ کتاب ایک تحفۂ نایاب بن کر سامنے آئے گی۔

خاک پائے اولیاء

عاصم مجید خان

ایڈیشنل کلکٹر کسٹم، اسلام آباد

حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے خصوصی

احوال اور فرمودات

ا۔ حضرت جنیدؒ کے چند فرمودات واحوالِ تصوف

۱) حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ نے ''کشف المحجوب'' میں حضرت جنید بغدادیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ''اَبُوْیَزِیْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَةِ جِبْرِیْلَ مِنَ الْمَلٰئِکَةِ ''[۱] (یعنی بایزید بسطامیؒ ہم (اولیاء) میں ایسے معظم ہیں جیسے ملائکہ میں حضرت جرائیل علیہ السلام معظم ہیں۔)

۲) حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت بڑے بڑے اولیائے کرام علیھم الرحمۃ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے لیکن جب میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے کلام کا مطالعہ کرتا ہوں تو دل کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے بیان کردہ حقائق میرے دل کی گہرائیوں میں اٹڈ کر غلبہ حال کی صورت میں نظر آنے لگتے ہیں اور ان کی باتوں سے مجھے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بایزیدؒ کی باتوں سے اونچی باتیں کسی بزرگ میں نظر نہیں آتیں۔ آپ نے حضرت بایزیدؒ کی کچھ باتوں کا ذکر اپنے اہلِ حلقہ سے کیا اور فرمایا کہ خدارا بایزیدؒ کی باتوں پر کان دھرو اور دیکھو کہ ان میں کیا کیا لعل، رموز اور نکات پنہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت بایزیدؒ کی اکثر گفتار کا انہوں نے قصداً ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ باتیں ہر کس و ناکس کے سامنے بیان کرنا غیرت اور حمیت کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نااہل لوگوں کے سامنے ایسی اعلیٰ درجہ کی باتیں سنانا مجھے گوارا نہیں۔

۳) حضرت جنیدؒ کے روحانی احوال میں یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ آپ نے طریقۂ تصوف کو ایک خاص مقام بخشا اور ایک ایسا محتاط راستہ اختیار کیا جو افراط وتفریط اور غیر اسلامی اثرات سے محفوظ تھا۔ آپ اللہ کی اجازت کے بغیر لطیف نکات پر بات نہ فرماتے۔

۴) آپ نے تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ انسان اللہ کے ساتھ اس طرح رہے کہ اُس کا کسی بھی دوسری ہستی کے ساتھ (باطنی) تعلق نہ ہو۔ آپ کے نزدیک تصوف بندے اور خدا کے درمیان رہنے والے

[۱] کشف المحجوب، علی بن عثمان الہجویری، متوفی ۴۶۵ھ، صفحہ ۲۲۵، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔

فاصلے کو دور کرنے کی مسلسل سعی کا نام ہے۔

۵) فرماتے ہیں کہ جوہر یا اصل کے اعتبار سے تصوف ایک خدائی صفت ہے جو بندے میں انعکاس ہو کر انسانی صفت بن جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ اس نے انسان کو اپنے لئے پیدا کیا ہے اور وہ کسی اور شے میں مشغول رہے لہٰذا اس نے حالت انعکاس میں تصوف کا عمل انسان کو سونپ دیا ہے یہی وجہ ہے کہ تصوف ایک انسانی صفت بن جاتا ہے۔

۶) فرماتے ہیں کہ سلوک میں مراقبہ باطن کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے خود اپنے گھر کی سیڑھی کے نیچے بیٹھ کر چالیس سال تک مراقبہ کیا۔ فرمایا کہ جس کی کڑی نگرانی مراقبے کی غایت پر ہو تو اس کی ولایت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ عوارف المعارف میں آپ کا قول ہے کہ تم گھڑی بھر کے لئے ہر چیز کے ملاحظے سے معطل ہو کر بیٹھ جاؤ تا کہ دن میں تمہارا کچھ وقت خدا کے لیے مخصوص ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپ کی طبیعت ناساز تھی تو کسی نے عرض کیا کہ یہ وظیفہ آپ کل پر چھوڑ دیں تو آپ نے فرمایا کہ تصوف میں اوقات گنے چنے ہوتے ہیں لہٰذا اوراد میں سے ایک ورد کا بھی دوسرے وقت پر ٹالنا ممکن نہیں ہوتا۔

۷) آپ کا فرمان ہے کہ تصوف تو ایک جنگ ہے جس میں کوئی صلح نہیں۔ تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور تیرے درمیان کوئی واسطہ باقی نہ رہے۔ اپنے نفس کی مدافعت کے ساتھ تمام عمر یہ جنگ باقی رہتی ہے۔ فرمایا کہ تصوف بدایت کی طرف لوٹنے کا نام ہے کیونکہ بدایت کی طرف رجوع کرنا اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا ہے اور ہر شے کا مبتدا اور منتہا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۸) آپ کا قول ہے کہ میں نے دس سال تک دل کے دروازے پر بیٹھ کر دل کی حفاظت کی، پھر دس سال میرا دل میری نگرانی کرتا رہا۔ اب دس سال ہو گئے کہ نہ میں دل کی خبر رکھتا ہوں اور نہ دل میری خبر رکھتا ہے۔ اس بات کو تیس سال ہو گئے ہیں کہ میں ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہیں رکھتا لیکن لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا کہ طریقت کا اصول یہ ہے کہ تم دل کی خبر رکھو گے تو دل بھی تمہاری خبر رکھے گا۔

۹) آپ کا قول ہے کہ حقیقی انسان وہ ہے جو اپنے حقیقی وجود پر قائم ہو نہ کہ جسمانی پیکر پر۔ آپ توحید کی خاص حالت میں داخل ہونے کے لئے وجود ثانی کو ختم کرنا ضروری سمجھتے تھے تا کہ وہ اپنی اولین حالت یعنی بدایت میں داخل ہو سکے۔ موت انسان کو اپنے حقیقی وجود میں لوٹا دیتی ہے۔ انسان کی غیر اللہ کی طرف توجہ کا ہونا اللہ کی طرف توجہ کے اثرات کو ختم کر دیتی ہے۔

۱۰) تصوف کی دنیا میں بہت سے اولیائے کرام ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے تربیت اور فیضان کے سلسلے میں بہت طویل سفر اختیار کئے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضرت جنیدؒ بغداد میں ہی پیدا ہوئے، وہیں تعلیم و تربیت پائی، تمام عمر وہیں فیض رسانی کا سلسلہ جاری رکھا اور وہیں دفن ہوئے۔ یہ اتفاق شاید ہی مشائخ عظام میں سے کسی کو حاصل ہوا ہو۔

ب۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے چند فرمودات اور احوالِ تصوف

۱) حضرت جنیدؒ نے آپؒ کی شان میں جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں ان کا اندازہ مذکورہ بالا نکات نمبر ۱، ۲ سے واضح ہوسکتا ہے جس میں آپؒ نے فرمایا ہے کہ ان کی نظروں میں حضرت بایزیدؒ سے اونچی باتیں کسی بزرگ میں نظر نہیں آتیں اور یہ کہ حضرت بایزیدؒ کی شان اولیاء کرام علیهم الرحمة میں ایسی ہے جیسے فرشتوں میں جبرائیل علیہ السلام ہیں۔[1]

۲) حضرت بایزیدؒ نے فرمایا میں نے اپنی زندگی کے تیس سال ذکر و فکر، زھد و عبادات اور سخت مجاہدات میں گزارے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے معمولی مجاہدات سننے کی تم تاب نہیں لا سکتے۔ آپ کی عبادت کا یہ رنگ تھا کہ آپ نے ایک طویل عرصہ کے لئے کھانا پینا ترک کر دیا تھا۔

۳) آپؒ نے فرمایا کہ میں نے گھر سے نکلنے کے بعد ۱۱۷ مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ فرمایا کہ میں حج کے لئے گیا تو بارہ سال میں سجدہ ریزی کرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچا کیونکہ میرے نزدیک خانہ کعبہ دنیاوی بادشاہوں کے دربار کی طرح نہیں تھا کہ جہاں انسان ایک دم پہنچ جائے۔

۴) آپ فرماتے ہیں کہ میں پہلی بار حج کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں ایک بزرگ کے ہاں قیام کیا اس بزرگ نے میرے سفر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا تم ابھی حج کرنے کے قابل نہیں ہو، چنانچہ حج کا سفر خرچ مجھے دے دو اور میرے گرد سات چکر کاٹ لو تو تمہارا حج ہو جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ واقعی میں اس وقت حج کے قابل نہ تھا اور اس شیخ سے مجھے بہت فیض حاصل ہوا (اس قصے کو مولانا روم نے مثنوی میں بیان کیا ہے جو اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے)۔

۵) حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں تین مرتبہ حج پر گیا تو ہر بار ایک نئی کیفیت محسوس کی (جس کی تفصیل اس

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۲۵۔

کتاب میں بیان کی گئی ہے۔ اختصار کے ساتھ آپ کا قول یہاں نقل کیا جا رہا ہے)۔ آپ نے فرمایا کہ حرم وہ جگہ نہیں جہاں مجاہدہ ہوتا ہے بلکہ حرم وہ جگہ ہے جہاں حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں ''وہ بندہ جس کے لئے جہاں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قربت، محبت، انس اور خلوت کا باعث بنتی ہوئی نظر نہیں آتی تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کے ایک ذرے سے بھی کہیں دور ہوتا ہے یعنی اس کو دوستی کی ہوا بھی نہیں پہنچتی اور جہاں بندے پر مکاشفے کا دروازہ کھل جائے تو اس کے دل کی آنکھ بھی کھل جاتی ہے ایسے شخص کے لئے تمام چیزیں حرم و کعبہ بن جاتی ہیں''۔ فرماتے ہیں کہ جب بندہ حجاب میں ہوتا ہے یعنی جب اس کے دل کی آنکھ بند ہو جائے تو اس وقت اس کے لئے حرم کعبہ میں سب سے زیادہ اندھیرا ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اَظْلَمُ الْاَشْیَاءِ دَارُ الْحَبِیْبِ بِلَا حَبِیْبٍ [1]	یعنی سب سے زیادہ اندھیرا دوست کے گھر میں اس وقت ہوتا ہے جب اس میں اس کا حبیب نہ ہو۔

ریف

فرماتے ہیں کہ دوستی کے مقامِ خلت میں دوست کا مشاہدہ اور اس کی رضا کی قدر و قیمت ہوتی ہے نہ کہ عمارت کی۔

۶) حضرت بایزیدؒ کے نزدیک اپنے وجود کو ثابت کرنا شرک ہے۔ فرماتے ہیں کہ عشاق اپنے حبیب کے پردے میں گم رہتے ہیں کیونکہ محبت محبوب کے وجود کو ثابت کرتی ہے اور دوسرے وجود کا ہونا دوئی کا متقاضی ہوتا ہے۔ اصل توحید میں دوئی کا وجود نہیں۔ اس سلسلے میں آپ خود فرماتے ہیں کہ میں پہلی بار حج کو گیا تو فقط بیت اللہ ہی نظر آیا۔ میں سمجھ گیا کہ حج مقبول نہیں۔ دوسری مرتبہ حج کے لیے گیا تو بیت اللہ کو دیکھا اور بیت اللہ والے کو بھی دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ حقیقت توحید ابھی منکشف نہیں ہوئی کیونکہ قدیم کے ساتھ حادث (بیت اللہ) بھی نظر آ رہا ہے۔ تیسری بار تمام کا تمام جلوہ خداوندی نظر آیا، نہ بیت اللہ تھا اور نہ کچھ اور۔ اس پر مجھے ندا آئی ''اے بایزید اگر تو خود کو بھی نہ دیکھتا تو یہ شرک نہ ہوتا۔ اب جب کہ تو تمام عالم کو اپنے ساتھ دیکھتا ہے تو یہ شرک ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی اور توبہ کرنے سے بھی توبہ کی کیونکہ توبہ کرنے والا اپنے وجود کو مان کر توبہ کرتا ہے اور اپنا وجود ثابت کرنا شرک ہے۔ [2]

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۴۶، ناشر الطاف ہندوی۔

[2] کشف المحجوب، صفحہ ۲۱۵۔

۷) آپ نے خواب میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ آپ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے تو جواب ملا ''از خود گزشتی ورسیدی''، یعنی اپنے آپ سے نکل گیا تو پہنچ جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو خواہ کسی نام سے پکارا جائے مگر پکارنے کا انداز درست ہونا چاہئے اور پکارنے کا انداز درست ہونے کے ساتھ میلان قلب کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر خدا کے سامنے صدق، عجز و نیاز بھی ہو تو سمجھ لو کہ سالک نے اپنا پیغام اللہ کو پہنچا دیا۔ دل میں بے چینی اور اضطراب ہو جائے تو سالک کی بات سنی جاتی ہے۔ اپنے شیخ سے محبت، عقیدت اور رابطہ ہو تو خدا کو پکارنے، اضطراب قلب، آہ وزاری اور گریہ سے فوراً اجابت ہوتی ہے۔ اولیاء **علیھم الرحمۃ** کی محبت سے فوراً فتوحات حاصل ہوتی ہیں۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں نے ستر زنار (جنیو جو کافر پہنتے ہیں) کھولے اس کے باوجود ایک زنار میری کمر پر رہ گیا۔ جب خدا سے عرض کی تو ندا آئی کہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے، جب تک ہم نہ چاہیں۔

۸) فرمایا کہ میری ان تھک کوششوں کے باوجود در الٰہی مجھ پر نہ کھلا اور اگر کھلا تو مصائب برداشت کرنے کے ذریعے کھلا۔ روح انسان نسیان (بھولنے والی چیز) ہے۔ اگر انسان کا مادہ انس سے ہو تو محبت کرنے والا کہلائے گا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز بھول جاتی ہے لیکن اگر انس سے منفی کی طرف ہو تو خدا کو بھول جاتا ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ طریقت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی مقصود ہوتا ہے اور تکبر طریقت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

۹) حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کروں کہ وہ مجھ کو کھانے پینے کی تکلیف سے اور عورتوں کی تکلیف سے بچالے۔ پھر خیال کیا جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہ کیا تو میرے لئے یہ سوال کس طرح جائز ہے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تکلیف سے مجھے ایسا بچایا کہ اب مجھے پرواہ نہیں کہ میرے سامنے کوئی عورت ہے یا دیوار ہے۔

۱۰) حضرت بایزیدؒ نے فرمایا ہے کہ طریقت میں تزکیہ نفس کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ انابت کی راہ ہے کہ اس میں ریاضت اور مجاہدات کے ذریعے تزکیہ کا راستہ طے کیا جاتا ہے اور دوسرا طریقہ جذب و محبت کا راستہ ہے۔ پہلے طریقے میں مرید مطلوب کی طرف خود جاتا ہے جبکہ دوسرا طریقہ مرادوں کا ہے جس میں مطلوب کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ جانے اور لے جانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔

۱۱) فرمایا اللہ تعالیٰ کی تمام مہربانیاں حصول حضور میں کمال حاصل کرنے کے اندر ہیں لیکن غیبت جو بغیر حضور کے ہو جنون اور بے نوری ہے، چنانچہ غیبت سے مقصود (حضور) کو حاصل کرنا ہے اور جب مقصود حاصل ہو جائے تو غیبت ساکت ہو جاتی ہے (اور حضور ہی حضور رہ جاتا ہے) محبت دل میں رکھ کر اپنے اوپر بے چینی اور اضطراری کی حالت طاری ہو جائے تو فوراً اجابت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف میلان قلب کو دیکھتا ہے۔ ایسی حالت میں سالک کے وظیفہ اور اس کے اثر میں زمانی تقدم اور تاخر نہیں رہتا اور فوراً دعا قبول ہو جاتی ہے۔ (قبولیتِ دعا کے لئے مصنف کی کتاب ''حسنِ نماز'' میں دعا کے باب کا مطالعہ فرمائیں) فرماتے ہیں کہ اللہ کی یاد سے اگر میں ایک لحہ کے لئے بھی غافل ہو جاؤں تو خود کو مرتد تصور کرتا ہوں۔

۱۲) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن بزرگوں کو قبولیت عطا کرنا چاہتا ہے تو ان پر کوئی ایسا فرعون مقرر کر دیتا ہے جو ہمہ وقت انہیں اذیت پہنچاتا ہے۔ اپنی خواہشات کو چھوڑ دینے سے بندہ واصل باللہ ہو جاتا ہے اور جو واصل باللہ ہو جائے تو مخلوق اس کی فرمانبردار ہو جاتی ہے۔ جس کو خداشناسی حاصل نہ ہو تو جہنم اس کے لئے عذاب بن جاتی ہے لیکن جو خداشناس ہو تو وہ شخص جہنم کے لئے عذاب ہوتا ہے۔

۱۳) فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں غیر اللہ کی بو بھی پائی جائے تو وہ اللہ کی معرفت کا شرف حاصل نہیں کر سکتا۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کا کون سا نام اسم اعظم نہیں ہے۔ اپنے دل کو خدا کی وحدانیت کے نور سے منور کر لو اور دوسرے آقاؤں کو دل سے باہر نکال دو تو پھر اللہ کا جو بھی نام لے کر پکارو تو دیکھو کیا ہوتا ہے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ خدا تک رسائی کیسے ممکن ہے فرمایا کہ مخلوق سے کنارہ کش ہو کر اپنے عیوب پر نظر پڑنے لگے تو اس وقت قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۴) فرماتے ہیں کہ ایک لحہ بھر کی معرفت میں جو لذت ہے وہ جنت کی نعمتوں میں کہاں؟ جنت میں کچھ نعمتیں اہل جنت کے سامنے پیش کی جائیں گی اور جو ان سے راضی ہو گیا تو وہ دیدار الٰہی سے محروم ہو جائے گا۔ بندہ جب تک اپنے آپ کو ہیچ نہ سمجھے۔ تو وہ اس وقت تک واصل نہیں ہو سکتا۔

۱۵) آپؒ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے بہت زیادہ عبادت کو معمولی سمجھے اور دوست کی تھوڑی سی عطا کو بہت زیادہ جانے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طرف سے تھوڑی عمر، تھوڑے سامان اور تھوڑی جگہ میں تھوڑے ذکر کو بہت بڑا سمجھا ہے اور فرمایا ہے "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" (اللہ کا ذکر بہت بڑی

بات ہے)(العنکبوت: ۴۵) فرماتے ہیں اپنی زندگی میں کچھ وقت اللہ کی یاد کے لئے ضرور نکالنا چاہئے۔

۱۶) کسی نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے پوچھا کہ یہ کیا راز کی بات ہے کہ ہم آپ کے گھر میں بہت سی خوبصورت عورتوں کا اجتماع دیکھتے ہیں۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ یہ عورتیں نہیں ہیں بلکہ تم فرشتوں کے گروہوں کو دیکھتے ہو جو میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کو علمی مسائل سمجھاتا ہوں۔

۱۷) پروفیسر نکلسن نے لکھا ہے کہ حضرت بایزیدؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فنا کو باقاعدہ اصطلاح کے طور پر پیش کیا ہے۔ منقول ہے کہ آپ نے عرفان کے متعلق فرمایا کہ مخلوقات کے احوال ہوتے ہیں مگر صاحب حال کا کوئی حال نہیں ہوتا کیونکہ اس کے سارے احوال مٹا دیئے جاتے ہیں اور غیر کی نشانیوں کے لئے اس کی نشانیاں مٹادی جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ فنا استغراق کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔(طبقات الکبریٰ)

تعلقاتِ اولیاء کے ثمرات

زندگی کا سفر روزِ ازل سے بہت تیزی کے ساتھ طے ہو رہا ہے۔ موت و حیات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ روزانہ کئی لوگ اس دنیا میں آتے ہیں اور کئی چلے جاتے ہیں۔ ان جانے والوں میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور برے لوگ بھی۔ برے لوگ جب مر جاتے ہیں تو ان کا نام ونشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے بلکہ ان کے نجس ابدان بھی چند ہی دنوں میں زمین تلے گل سڑ کر کیڑے مکوڑوں کی غذا بن جاتے ہیں۔ ان کا یہ ہولناک انجام اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں میری یاد کو بھلا دیتے ہیں اور مجھ سے منہ موڑ کر اپنی زندگی غفلت میں گزار دیتے ہیں تو میں بھی سزا کے طور پر ان کی طرف سے منہ موڑ لیتا ہوں اور ان کی زندگیوں کو ان پر تنگ کر دیتا ہوں اور قیامت کے روز ان کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے والے لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے کہ اے باری تعالیٰ! ہم تو دنیا میں آنکھوں والے تھے اور دیکھتے بھالتے تھے تو پھر ہمارا حشر ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہارا یہ حشر اس لئے ہے کہ تمہارے پاس دنیا میں ہماری کچھ نشانیاں آئی تھیں مگر تم نے ان نشانیوں کو بھلا دیا اور آج ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا ہے۔ یہاں اس بات کا احساس کر لینے کے بغیر زندگی گزارنا درست نہیں کہ جس کو اللہ بھلا دے تو پھر اس کا کیا حشر ہوتا ہے؟ ایسے لوگوں کی دنیا میں زندگی تنگ کر دی جاتی ہے اور آخرت میں طرح طرح

کے عذاب میں مبتلا کر کے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔قرآن کی درج ذیل آیت اس بات پر شاہد ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًاوَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی (طٰہٰ : ۱۲۴)

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کے لئے (معیشت کو) تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔

جو لوگ ذکرِ الٰہی سے منہ موڑتے ہیں اور یادِ الٰہی سے روگردانی کرتے ہیں وہ دولت وثروت کے انبار جمع کر لینے اور دنیوی مناصب جلیلہ پر فائز ہونے کے باوجود بھی اطمینان قلب کی نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو طرح طرح کی آسائش میسر ہونے کے باوجود بھی ان کا دل اداس، ان کا چہرہ ملول، ان کی روح بے چین اور ان کی طبیعت افسردہ رہتی ہے۔ حقیقی خوشی سے وہ کبھی ہمکنار نہیں ہوتے۔ روحانی مسرت انہیں نصیب نہیں ہوتی اور وہ خود اپنی نظروں میں محروم ہوتے ہیں اگرچہ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کریں۔

یہ بات مسلم ہے کہ دنیا میں برے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان میں سے اکثر لوگ خود کو جہنم میں گرانے سے نہیں ڈرتے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ عملاً جہنم میں جانے کیلئے رضامند ہیں یہ اس لیے کہ وہ اپنی حالت کو بدلنے کا کبھی دل میں خیال تک نہیں لاتے۔ سالہا سال گزر جاتے ہیں لیکن یہ بدقسمت لوگ ایک ہی ڈگر پر اپنی صبح وشام گزار دیتے ہیں۔ شاید ایسے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال رہتا ہے کہ بس عنقریب ہی وہ توبہ کر لیں گے یا وہ کچھ دیر بعد نیک زندگی بسر کرنے لگیں گے لیکن شاید وہ یہ نہیں جانتے کہ موت آتی ہے تو بچوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور کبھی کوئی انسان عین عالم شباب میں اس دار فانی کا بھرا ہوا میلا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کو اپنی بخشش کا زعم رہتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کی بخشش کر دے کیونکہ خدا غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہے۔ اس کے برعکس کچھ پاک طینت اور نیک خصلت لوگ ایسے بھی ہیں جو کاروبار حیات میں مشغول رہنے کے باوجود بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں رہتے بلکہ دنیا کی خرید وفروخت اور بیع و تجارت انہیں ذکر الٰہی سے غافل نہیں کر سکتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:٣٧)

ایسے مردان حق جنہیں سوداگری اور خرید و فرخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرسکتی۔

ایسے اہلُ اللہ نے آخرت کو بقاء کی نظروں سے دیکھا ہے اور دنیا کو زوال اور فنا کے داغ سے داغدار پایا ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر انہوں نے اپنے آپ کو دار فانی سے الگ رکھ کر حیاتِ دائمی سے سرفراز کرلیا ہے۔ ایسے نفوس قدسیہ کو عام طور پر اولیاء کرام اور مشائخ عظام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان مشائخ کرام میں سے ایک گروہ نے جو اپنی نفسانی خواہشات پر پوری طرح قابو پا چکے ہیں اور اپنے ارادے سے پوری طرح باہر آچکے ہیں بعض نے حقانی نیتوں کے باعث اہل دنیا کی صورت اختیار کررکھی ہے وہ اگرچہ بظاہر دنیا کی طرف راغب نظر آتے ہیں لیکن فی الحقیقت انہیں دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے اور سب سے فارغ اور آزاد ہیں۔

یہ اولیاء کرام اس شان کے ہوگزرے ہیں کہ تاریخِ طریقت کے اوراق پر اپنے کردار و عمل کے گہرے نقوش چھوڑ گئے ہیں۔ ایسے بزرگوں کا اثر رہتی دنیا تک لوگوں کے دِلوں پر اور عشق کی ولولہ انگیزیوں پر تا قیامت ضیاء پاشی کرتا رہے گا۔ جب ہم ان کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی کیفیات محبت سے ہم آہنگی محسوس کرتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی صحبت آج بھی ان کے چاہنے والوں کو میسر ہورہی ہے۔ ان کی اس صحبت سے آج بھی وہ فیضان ملتا ہے جو ان کی زندگی میں ان کے پاس بیٹھنے والوں کو ملا کرتا تھا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

میں کہ میری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

یک زماں با رفتگاں صحبت گزیں صنعتِ آزاد مرداں هم به بیں

(کچھ عرصہ گزرے ہوئے بندوں کی صحبت میں رہو، ایسے آزاد بندوں کے کارناموں کو بھی دیکھو)

قوم روشن از سواد سر گزشت خود شناس آمد ز یادِ سر گزشت

(قومیں اپنی گزری ہوئی سرگزشت کی وجہ سے روشن ہیں، خود شناسی کا جوہر ماضی کی یاد سے وابستہ ہے)

"گاهے گاهے بازخواں ایں قصه دیرینه را تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را"

(اس پرانے قصے کو کبھی کبھی دہراتے رہا کرو، اگر تم سینے کے داغوں کو تازہ رکھنا چاہتے ہو)

ایں ترا از خویشتن آگاہ کند آشنائے کار و مردِ راہ کند

(یہ تجھے اپنے آپ سے آگاہ کرے گا، یہ تجھے آشنائے کار اور مردِ راہ بنادے گا)

شعلہ افسردہ در سوزش نگر درس در آغوشِ امروزش نگر

(اس کی جلن میں بجھے ہوئے شعلوں کو دیکھو، گزری ہوئی رات کو ان کے آج کے پہلو میں دیکھو)

اُمت محمدیہ ﷺ کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن وحدیث اور ان کی تفسیر کے بعد صوفیہ کرام کے ارشادات اور کلام سب سے زیادہ درجہ رکھتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ "تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ" [۱] (یعنی صالحین کے متعلق ذکر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔) رسالہ قشیریہ میں حضرت جنید بغدادیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے "اَلْحِكَايَاتُ جُنْدٌ مِّنْ جُنُوْدِ اللّٰهِ يُقَوِّىْ بِهَا قُلُوْبَ الْمُرِيْدِيْنَ" [۲] (یعنی حکایاتِ مشائخ خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جن سے اللہ تعالیٰ مریدوں کے دل قوی فرماتا ہے) اولیائے کرام کا قول ہے کہ ان بزرگوں کے نام کا وسیلہ دے کر مانگیں تو دعا قبول ہوجاتی ہے۔ جب بزرگوں کی سنگت سے اس قدر فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کے لئے فرمایا ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبۃ:۱۱۹)

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حق وصداقت کے علمبرداروں اور ان پاکباز ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کا حکم صادر فرمایا ہے جن پر اس کی نگاہ لطف وکرم ہوئی تو ان کے کشت ایمان کو شاداب کرگئی۔ قرآن میں تقویٰ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اہل تقویٰ اور اہل صدق کی صحبت ومجلس اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ دیرینہ را

(کبھی کبھی ان پرانے قصوں کو بھی دہراتے رہو)

کسی ملک یا قوم کے کارنامے ان کا تاریخی سرمایہ بن جاتے ہیں۔ اس نوعیت کے کارنامے، آنے

---

[۱] الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ محمد بن علی الشوکانی، متوفی ۱۲۵۰، حدیث ۱۰۹، جلد ۱، صفحہ ۲۵۴، المکتب الاسلامی، بیروت۔

[۲] تاریخ بغداد، جلد ۳، صفحہ ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

والی نسلوں کی رہنمائی اور ہمت افزائی کا سبب بھی بنتے ہیں۔اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے، جنہوں نے اپنے اپنے وقتوں میں قومی اصلاح کیلئے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔قرآن مجید کی آیات پر اگر غور کیا جائے تو ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے آنے والی نافرمان قوموں پر ان کی بداعمالیوں کے باعث نازل ہونے والے عتاب کا ذکر کیا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام کی خاطر جان و مال کی قربانیاں دی ہیں، ان کی شجاعت و استقامت کو سراہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر نے قومی کارناموں کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ان کارناموں کی یادگار منانے کا مشورہ دیا ہے۔

تازہ خواهی داشتن گر داغهائے سینہ را — گاهے گاهے باز خوں ایں قصۂ دیرینہ را

(کبھی کبھی اس دیرینہ قصے کو دہراتے رہا کرو، اگر تم اپنے سینے کے داغوں کو تازہ رکھنا چاہتے ہو)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبروں اور دیگر نیک لوگوں کے قصوں کو متعدد بار دہرایا ہے تاکہ پڑھنے والوں کے دلوں میں ان کی یاد نقش ہو جائے اور کئی سالوں کے گزرنے کے بعد بھی تازہ رہے اور ان کو ان واقعات کی افادیت بھی حاصل ہو سکے۔مفسرین کرام نے سابقہ امم کے احوال و واقعات اور قوموں کی تباہی و ہلاکت کے واقعات کے لئے "ذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ" (ابراہیم:۵) کا جملہ استعمال کیا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب والوں نے بھی بہت سے تہواروں کو مناتے رہنے کی کوشش کی ہے اور کسی نہ کسی شکل میں پرانے زمانے میں گزرنے والے واقعات کی یاد تازہ کرنے کے لئے وہ تہوار آج تک منائے جاتے ہیں۔اسلام نے بھی اپنے ان تہواروں کو منانے کا حکم دیا ہے جن کے عقب میں کوئی روحانی داستاں یا کچھ حکمتیں موجود ہوتی ہیں۔ عیدین، شب معراج، شب برأت، عید میلاد النبی ﷺ، لیلۃ القدر حتیٰ کہ حج کے تمام ارکان اور قربانی کو بہت بڑی حکمتوں کی یاد تازہ کرنے کا مسلمانوں کو بھی حکم دیا ہے۔

اگر ہم حج بیت اللہ کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں تعمیرِ کعبہ، طواف کعبہ، مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر حاضری، حضرت بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، عرفات کے مقام اور جبل الرحمتہ پر حاضری دینا، رمی جمار یعنی شیاطین کو پتھر مارنے اور جانور کی قربانی کا اعادہ کرنا یہ سب امور ایسے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بی بی حاجرہ رضی اللہ عنہا کی حسین اور حیات آفریں

داستانیں موجود ہیں۔ حج میں مذکورہ تمام ارکان کی ادائیگی کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان بزرگان اسلام کے مخصوص اعمال اس قدر پسند تھے کہ رہتی دنیا تک ان اعمال کو دہراتے رہنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم صادر فرمایا۔ احادیث میں آیا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دنوں میں جانور کے خون بہانے سے زیادہ کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو عزیز نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس سنت ابراہیمیؑ کو ادا کرتے رہنے کا حکم وجوب کی حد تک پسند فرمایا ہے اور اس کی تصدیق سورہ الصٰفٰت کی آیت ۱۰۴ تا ۱۰۷ سے ہوسکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَادَیْنَاهُ اَنْ یّٰآاِبْرَاهِیْمُ قَدْصَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَo اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُo وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ o وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ o سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَo (الصفات ۱۰۴ تا ۱۰۷)

اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم (بس ہاتھ روک لے) تو نے سچ کر دکھایا خواب کو۔ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اپنے نیکی کرنے والوں کو۔ بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر پیچھے آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم علیہ السلام پر۔

مذکورہ بالا تمام روایات شعائرِ اسلامی کی پاسداری، مردانِ حق کا عزم وثبات اور شجاعت و دلیری، جذبہ ایثار، کرامت و استقامت، مذہبی رواداری اور وفا شعاری کے نہایت بلند نمونے پیش کرتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک روایت اپنے اندر ایک عظیم داستان سموئے ہوئے ہے۔ اگر عشق ومحبت کی ان تمام روایات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو اس کا بیان ایک مکمل کتاب کی ضخامت کا حامل ہوگا مگر یہاں صرف اس بات کو واضح کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اسلامی روایات کے تذکرے بیان کرنے پر فوائد کا مرتب ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اسی طرح بزرگان اسلام کے حیات آفریں افکار اور بلند کردار کا مطالعہ کرنے سے بے شمار فوائد مرتب ہوتے ہیں اور پڑھنے والوں کے لئے خیر و برکات کا باعث بنتے ہیں۔ قرآن مجید نے ایسے قصص کو مسلمانوں کے مطالعہ کیلئے اس لئے سودمند ہونا بیان کیا ہے کہ ان سے قارئین کے دل پختہ اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی شجاعت، حکمت تبلیغ اور ان کی بعثت مبارکہ کے مقاصد جلیلہ کے واقعات کو تقریباً چالیس بار قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

چند بزرگانِ اسلام کے مخصوص اور دلچسپ واقعات
جن کا مطالعہ روح کی بالیدگی کا سبب بنتا ہے

اگر چہ یہ کتاب حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے احوال، افکار اور کیفیات و واردات سے متعلق امور پر روشنی ڈالتی ہے مگر ''صحبتِ رفتگان'' کے عنوان سے لکھے گئے اس باب میں مزید چند اولیائے کرامؒ کے دلچسپ اور روح افروز واقعات و اقوال درج کئے جا رہے ہیں جو قارئین کی دلجمعی اور دِل چسپی کا سبب بنیں گے۔ ان واقعات میں حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے متعلق کچھ وہ واقعات بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جو کہ اس کتاب کے دیگر ابواب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کئے جا چکے ہیں۔ اگر چہ ان دونوں حضرات کے واقعات کا شمول تکرار اور اعادہ ہی تصور کیا جائے گا لیکن یہ اعادہ اس قدر دلچسپ اور لطف اندوز ہے کہ قارئین اس کے مطالعہ سے بھی لطف اندوز ہوں گے اور تکرار کی بدمزگی بھی محسوس نہیں ہوگی۔ اس تحریر میں ان بزرگوں کے احوال اور اقوال کو محض اشارات اور نکات کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ تحریر راقم الحروف کے اپنے مریدین و متوسلین کو لکھے گئے ''مکتوبات لطیف'' سے اقتباس ہے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں چار چیزوں سے تمام اور کامل ہو جاتی ہیں، نماز سجدہ سہو سے، روزہ صدقہ سے، حج فدیہ سے اور ایمان حیا سے۔ فرماتے ہیں شہوت کے سبب بادشاہ غلام بن جاتے ہیں اور صبر سے غلام بادشاہ بن جاتے ہیں، یوسف علیہ السلام، زلیخا کے قصے پر غور کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۹ میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین پر اپنے انعامات نازل فرمائے ہیں۔ صوفیائے کرامؒ کے اقوال اور احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو انعامات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر نازل فرمائے ہیں وہ اُمت کے کسی شخص پر نازل نہیں فرمائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ پر جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ نے ان سب کے مجموعے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایمان عطا فرمایا ہے۔ قوت القلوب میں ہے کہ ایک سو عام اہلِ اسلام کا ایمان ایک صالح مومن کے برابر ہے اور تمام صالحین کا ایمان ایک شہید کے برابر ہے اور تمام شہداء کا ایمان ایک صدیق کے برابر ہے۔ صدیق کا درجہ انبیاء سے ایک درجہ کم ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا اولین درجہ صدیق کا درجہ ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کے دوسرے درجات آتے ہیں۔

صدیق کی روح نفس سے آزاد اور بساطِ قرب تک پہنچ چکی ہوتی ہے۔ ان پر آخرت منکشف ہو جاتی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ تمام صدیقین کے گروہ کے سردار ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ صدیق اکبرؓ کو وہ علم حاصل ہو چکا ہے جو لوگوں کو مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا نام صدیقؓ اس لیے تھا کہ آپ نے حضور ﷺ کی ہر بات کی تصدیق کی۔ آپ اگر کسی مردے کو کہہ دیں کہ وہ زندہ ہے تو وہ مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا ہر فعل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو مرغوب اور پسندیدہ تھا۔ آپ کے اعمال کا وزن تمام امت کے اعمال کے وزن سے بڑھ کر تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی والہانہ محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

۲۔ حضرت جعفر صادقؓ کے پاس ایک بار حضرت داؤد طائی آئے اور کہا اے ابن رسول ﷺ! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے کیونکہ میرا دل سیاہ ہو چکا ہے۔ فرمایا کہ سلیمان کے باپ تو زاہد زمانہ ہیں تجھے میری نصیحت کی کیا حاجت ہے؟ داؤد طائی نے فرمایا کہ اے حضور والا! اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو ہم سب پر بزرگی عطا فرمائی ہے اور نصیحت کرنا آپؒ پر فرض ہے۔ امام صاحب نے فرمایا سلیمان کے باپ! میں اس بات سے خائف ہوں کہ کل روزِ محشر میرے جدّ امجد مجھ سے سوال کریں گے کہ تم نے میری مشابہت کا حق ادا نہیں کیا۔ نجات کا سبب نسب نہیں بلکہ اعمال ہیں۔ حضرت داؤد طائیؒ آپؒ کی بات سن کر بہت روئے اور کہنے لگے۔ "یَا اِلٰـہَ الْعٰلَمِیْنَ"، جس کا خون نبوت کے خون سے ہو، جس کا نانا پاک سید المرسلین ہو، جس کی ماں سیدہ خاتون جنت ہو وہ حشر کے دن سے اس طرح ہراساں ہے تو داؤد کس شمار میں ہے اور کس نسبت پر ناز کر سکتا ہے۔[1]

ایک مرتبہ حضرت جعفر صادقؓ اپنے غلاموں میں بیٹھے ہوئے تھے تو ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "کہ آؤ ہم عہد کریں کہ ہم میں سے جو شخص قیامت کے دن نجات حاصل کرے گا وہ دوسروں کی نجات کی سفارش کرے گا"۔ اس پر غلاموں نے کہا کہ اے جگر گوشہ رسول ﷺ! آپؓ کو ہم غریبوں کی سفارش کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ آپؓ کے نانا شفیع روز جزا ہیں۔ فرمایا "مجھے اپنے اعمال سے شرم آتی ہے کہ اپنے نانا کو کس طرح منہ دکھاؤں گا"۔[2]

ایک بار لوگوں نے امام صاحبؓ سے دریافت کیا کہ آپؒ زاہد بھی ہیں، کریم بھی ہیں اور

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۱۵۸۔
[2] کشف المحجوب، صفحہ ۱۵۹۔

خاندان نبوت کے چشم و چراغ بھی ہیں لیکن آپ ﷺ تکبر نہیں ہیں، فرمایا جب سے میں نے اپنے دماغ سے غرور کو نکال دیا ہے تو خدا کی کبریائی میرے دماغ میں موجزن ہوگئی ہے۔

۳۳۔ حضرت حسن بصریؒ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خط لکھا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپؒ نے لکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تو تم کسی کی پرواہ نہ کرو اور اگر اللہ تعالیٰ ہمراہ نہیں تو پھر کس سے امید رکھتے ہو؟

قحط سالی کے باعث لوگوں نے حضرت حسن بصریؒ کو دعا کے لئے منتخب کیا۔ آپؒ نے فرمایا۔ ''اے لوگو! اگر تم بارش کے طالب ہو تو حسن بصری کو شہر سے نکال دو کیونکہ وہ خدا کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔ آپؒ نے فرمایا مبارک ہے وہ شخص جو صبر میں اپنا حصہ لے چکا ہو اور اپنی قوت ارادی اپنے اعمال سے اٹھا چکا ہو۔ ایسے لوگوں کا صبر اور زہد نہ تو جہنم سے بچنے کے لئے ہوتا ہے اور نہ ہی بہشت میں داخل ہونے کے لئے''۔ [1]

ایک دن حضرت حسن بصریؒ دریائے دجلہ کے کنارے کھڑے تھے کہ حضرت حبیب عجمیؒ بھی ادھر آنکلے۔ انھوں نے پوچھا آپؒ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حبیب عجمیؒ نے فرمایا ''کشتی کی کیا حاجت ہے۔ کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟'' (یعنی دریا پہ قدم رکھیں اور پار ہو جائیں) حسن بصریؒ نے کہا ''آپ علم نہیں رکھتے؟ (یعنی صاحبِ ارشاد اسباب کو ترک نہیں کرتے) غرضیکہ حبیب عجمیؒ کشتی کے بغیر گزر گئے اور حسن بصری کشتی کا انتظار کرتے رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کی تاویل یوں بیان فرمائی کہ چونکہ حسن بصریؒ نے عالمِ اسباب میں نزول کیا تھا (عروج کے بعد نزول میں مقام قلب سے بھی نیچے گئے تھے) اس لئے اسباب کے وسیلہ سے معاملہ رکھتے تھے اور حبیب عجمیؒ نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر سے دور کر دیا تھا اس لئے اسباب کے بغیر زندگانی بسر کرتے تھے لیکن فضیلت حسن بصری کی تھی اور وہ صاحبِ علم تھے جنہوں نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کیا اور اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں جانا [2] حضرت عمر ﷺ بھی یہی دعا کرتے تھے ''رَبَّنَا اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَاھِیَ'' (یعنی اے اللہ اشیاء کی اصل شکل ہمیں دکھا)۔ حبیب عجمیؒ صاحب سکر تھے اور فاعل حقیقی پر یقین رکھتے تھے۔ حسن

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۲۱۔

[2] تذکرہ الاولیاء، صفحہ ۷۴۔

بصریؒ عالم تھے اور حبیب عجمیؒ کے استاد بھی تھے لیکن حبیب عجمیؒ کہتے تھے کہ میں دل کو سفید کرتا ہوں آپ کاغذ سیاہ کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں یہ فرمایا ہے کہ کامل بزرگ وہ ہے جس کو عروج میں زیادہ عروج حاصل ہو اور ھبوط (نزول) میں تحت الثری تک نزول کریں۔ ایسے لوگ اسباب پر نظر رکھتے ہیں اور اہل ارشاد میں شامل ہیں۔

۴۔ حضرت داؤد طائیؒ

کشف المحجوب میں ہے کہ جب حضرت داؤد طائیؒ علم سے فراغت حاصل کر چکے اور پیشوائے زمانہ بن چکے اور منصب افتاء حاصل کیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حضور آئے اور عرض کرنے لگے کہ اب میرے لئے کیا حکم ہے آپؒ نے فرمایا کہ جو علم حاصل کیا ہے اس پر عمل کرو اس لئے کہ علم بے عمل ایسے ہے جیسے جسد بے روح۔ بغیر عمل کے انسان مخلص نہیں ہو سکتا۔ جیسے ہدایت مجاہدہ کو طلب کرتی ہے ویسے ہی مشاہدہ بلا مجاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علم بے عمل نہیں آتا۔ علم عمل کی میراث ہے اور کسی صورت میں علم کو عمل سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے نور آفتاب، آفتاب سے الگ نہیں ہو سکتا۔[1]

حضرت داؤد طائیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے علمی مباحث میں حکم (منصف) کی حیثیت سے جب بات کرتے تو امام محمدؒ کا نہ تو نام لیتے اور نہ ہی ان کی طرف اپنی پشت کرتے جبکہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ایسا امتیاز نہ روا رکھتے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا امام محمدؒ نے نعمت کی حالت میں علم حاصل کیا ہے اور ابو یوسفؒ نے مسکنت کی حالت میں علم حاصل کیا ہے۔ امام محمدؒ نے علم کو دین کی عزت کا سبب سمجھا اور ابو یوسفؒ نے دنیا کی عزت کا سبب سمجھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے منصب قضاء کو قبول نہیں کیا جبکہ امام ابو یوسفؒ نے اسے قبول کر لیا۔ جو شخص اپنے استاد کے طریقے کے خلاف کام کرتا ہے ہم اس سے بات نہیں کرتے۔

۵۔ حضرت ذوالنون مصریؒ

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جو پیٹ کھانے سے بھرا ہوا ہو اس میں حکمت نہیں آسکتی۔ بندہ اگر بلا میں مبتلا ہو اور اس سے راضی ہو تو یہ اس کے صبر سے زیادہ بلند مقام ہے۔ فرماتے ہیں کہ عارف چونکہ خدا کے قریب رہتا ہے بلکہ ذات سے واصل ہوتا ہے اس لئے اس کی گردش اللہ تعالیٰ کی گردش ہے، اس

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۰۰۔

کی باتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں۔ عارف بغیر علم، چشم، مشاہدہ، اور حجاب کے دیکھتا ہے۔ کسی نے آپؒ سے پوچھا کہ کمینہ انسان کون ہے؟ فرمایا جو خدا تک پہنچنے کا راستہ نہ جانتا ہو اور نہ کسی سے راستہ پوچھے۔

منقول ہے کہ ذوالنون مصریؒ کہا کرتے تھے کہ تیس سال تک میں نے دین حق کی دعوت دی۔ اتنے عرصہ میں صرف ایک ہی آدمی کام کا ملا۔ وہ ایک شہزادہ تھا جو بڑی شان و شوکت کے ساتھ میری مسجد کے پاس سے گزرا۔ میں نے کہا اس کمزور آدمی سے بڑھ کر کوئی احمق نہیں جو ایک صاحب طاقت سے لڑتا ہے۔ یہ سن کر شہزادہ مسجد کے اندر آ گیا اور پوچھنے لگا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا انسان بہت کمزور ہستی ہے جو اللہ کے ساتھ جنگ آزما ہے۔ یہ سنتے ہی شہزادے کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ چلا گیا۔ دوسرے دن پھر آیا اور کہنے لگا۔ ''صراطِ مستقیم سے آگاہ کریں''۔ میں نے کہا کہ لمبا راستہ چاہتے ہو یا چھوٹا۔ فرمایا اگر چھوٹے راستے سے جانا چاہتے ہو تو دنیا ترک کر دو، گناہ چھوڑ دو، خواہشات نفسانیہ ترک کر دو اور اگر لمبا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہو تو ماسوا اللہ میں جو بھی آتا ہے سب کچھ ترک کر دو۔ شہزادے نے کہا لمبا راستہ اختیار کرتا ہوں۔ دوسرے دن وہ پشمینہ پہن کر آیا اور ریاضت میں مشغول ہو گیا اور ابدال کا مرتبہ پایا۔[1]

حضرت ذوالنون مصریؒ ایک بار صحرا نوردی کر رہے تھے کہ ایک پہاڑ پر بہت سے آدمیوں کو جمع دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہاں ایک بزرگ رہتے ہیں جو سال کے بعد نکلتے ہیں اور لوگوں کو دم کرتے ہیں۔ آپؒ بھی وہیں بیٹھ گئے، حتیٰ کہ وہ نکلے تو دیکھا کہ بہت نحیف و نزار اور کمزور و لاغر تھے۔ ان کی آنکھوں پر حلقے پڑ گئے تھے مگر رعب اتنا کہ پہاڑ لرز رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے دم کیا، سب لوگ ٹھیک ہو رہے تھے جب وہ جانے لگے تو میں نے ان کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا کہ ظاہری امراض کا علاج تو آپ نے کر دیا میرے باطن کا بھی علاج کریں۔ اس بزرگ نے آپ کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے ذوالنون! مجھے چھوڑ دو اللہ تعالیٰ عظمت اور جلال کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ جب وہ دیکھیں گے کہ اس کے سوا تم کسی اور کا دامن پکڑ رہے ہو تو وہ تجھے کسی کے حوالے کر دیں گے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی عبادت گاہ میں چلے گئے۔

ایک آدمی جو صوفیاء کا منکر تھا، حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس مباحثہ کے لئے آیا۔ آپؒ نے اسے اپنی سونے کی انگشتری دی اور کہا کہ اس سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آؤ۔ وہ نانبائی کے پاس گیا۔ نانبائی

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۱۴۔

نے کہا میں اس انگشتری کو ایک دینار میں خریدتا ہوں۔ وہ واپس آ گیا۔ آپؒ نے فرمایا جاؤ اسے کسی صراف کے پاس لے جاؤ۔ صراف نے اس کی قیمت ایک ہزار اشرفی سنائی۔ وہ شخص تعجب کے ساتھ حضرت کے پاس واپس آیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ صوفیاء کے متعلق تمہارا علم اس نانبائی جتنا ہے۔ یہ سن کر وہ تائب ہوا اور صوفیاء کا قائل ہو گیا۔

۶۔ حضرت حبیب عجمیؒ

آپؒ کے پاس ایک دن خواجہ حسن بصریؒ آئے اور ایک روٹی کا ٹکڑا ان کے پاس رکھ دیا۔ آپؒ کھانے لگے تو ایک فقیر آ گیا تو حبیب عجمیؒ نے پورا ٹکڑا اس کو دے دیا۔ حسن بصریؒ ان سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر فقیر کو روٹی دینا ہی تھی تو آدھا ٹکڑا دے دیتے اور آدھا میرے پاس لے آتے۔ آپؒ خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد ایک شخص آیا جس کے سر پر پُر تکلف کھانا تھا اور اس نے پانچ سو درہم بھی پیش کیے۔ آپؒ نے درہم فقراء میں تقسیم کر دیئے اور کھانا کھانے لگے۔ حبیب عجمیؒ نے فرمایا کہ خواجہ اگر آپؒ کو یقین ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ علم کے ساتھ یقین لازمی ہے۔[1]

حبیب عجمیؒ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میرا لڑکا غائب ہو گیا ہے آپؒ نے فرمایا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ تو اس نے کہا کہ دو درہم ہیں۔ آپؒ نے دونوں درہم اس سے لے کر فقراء میں تقسیم کر دیئے اور کہا جاؤ تمہارا لڑکا گھر آ جائے گا۔ شام کو کرمان سے ہوا چلی اور اسے اٹھا کر لے آئی۔

حبیب عجمیؒ پہلے سود خور تھے حتیٰ کہ بازار کے بچے بھی ان کو سود خور کہتے تھے۔ ایک دن سود کے پیسے سے گوشت اور روٹی گھر لائے۔ بیوی نے جب گوشت پکایا تو خون بن گیا۔ اس واقعہ کے بعد آپؒ نے حسن بصریؒ کے پاس جا کر توبہ کی اور سب سود کی رقم لوگوں کو واپس کر دی اور دن رات عبادت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن بیوی نے کہا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں، فرمایا میں مزدوری کے لئے جاتا ہوں۔ گھر سے جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ شام کو آئے تو بیوی نے پیسہ طلب کیا۔ فرمایا کہ مالک بڑا کریم ہے اور کہتا ہے کہ دس روز بعد مزدوری ملے گی۔ دسویں روز جب گھر میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے ذریعے آٹا گھی اور تین ہزار درہم بھجوا دیئے اور کہلوایا کہ یہ دس روز کی مزدوری ہے اگر کام زیادہ کرو گے تو اجرت اور زیادہ ملے

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۴۷۔

گی۔ آپؒ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے شرمندگی کے ساتھ گھر آ رہے تھے تو اعلیٰ کھانوں کی خوشبو پائی۔ بیوی نے سب ماجرا بتایا تو آپؒ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ ایک گنہگار کی ناکام اور بے حضور عبادت پر اتنا کچھ عطا فرمایا اور اگر زیادہ حضور قلب سے عبادت کی جائے تو کیا کچھ نہ ملے گا۔ یہ کہہ کر آپؒ نے دنیا سے منہ موڑ لیا اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپؒ غوث کی منزل پر پہنچے۔ [1]

حضرت حبیب عجمیؒ کی خدمت میں ایک خادمہ تیس سال سے خدمت پر مامور تھی لیکن اس عرصہ میں آپؒ نے اس خادمہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ایک دن آپؒ نے اسی کنیز سے فرمایا کہ میری پردہ نشین کنیز کو بلا ناتو کنیز نے کہا کہ حضور میں ہی وہ کنیز ہوں۔ فرمایا تیس سال کی مدت میں مجھے یہ مجال نہ ہوئی کہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف دھیان کروں۔ اس وجہ سے آج کے دن تک میں تیری طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ [2]

آپؒ ہی کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ ایک دن آپؒ ایک گوشے میں تشریف فرما تھے اور کہہ رہے تھے کہ جس کا دل تجھ سے خوش نہیں اسے خوشی نہ ہو۔ جسے تجھ سے محبت نہیں اسے کسی سے محبت نہ ہو۔ آپؒ کا فرمانا ہے کہ اسکے دل میں رضا ہے جسکے دل میں کسی قسم کا غبار نہ ہو۔

۷۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ

آپؒ کی حکایات و کرامات اور احوال بہت طویل ہیں۔ آپؒ بلخ کی عظیم سلطنت کے شہنشاہ تھے اور آپؒ کی طبیعت شروع سے ہی خدا کی طرف مائل تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی راہنمائی فرمائی اور آپؒ طریقت کی زندگی کی طرف آمادہ ہوئے۔ منقول ہے کہ ایک دن آپؒ تخت شاہی پر متمکن تھے۔ ایک شخص فقیر کے حلئے میں آیا۔ اس فقیر کی شکل وصورت پر اس قدر رعب اور جلال تھا کہ کسی سپاہی کو ان کے روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (اکثر روایات کے مطابق یہ آنے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے) جو درباریوں سے آنکھ بچا کر بادشاہ کے سامنے اپنا سامان سفر رکھ کر کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ آپؒ برائے مہربانی مجھے آرام کرنے دیں اور خود ایک طرف ہو جائیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ بابا! ہم نے آرام کے لئے ایک سرائے کا اہتمام کیا ہے۔ آپؒ وہاں جا کر آرام فرمائیں، یہ شاہی تخت ہے کوئی سرائے نہیں۔ درویش

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۴۳۔

[2] تذکرہ الاولیاء، صفحہ ۴۸۔

نے کہا یہ تخت کس کا ہے۔ فرمایا میرا ہے۔ ''درویش نے کہا اس سے پہلے کس کا تھا؟ فرمایا میرے باپ کا۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس سے پہلے کس کا تھا؟ فرمایا میرے دادا کا۔ اس درویش نے کہا پھر یہ تخت بھی تو ایک سرائے ہے''۔ ابراہیم بن ادھمؒ اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ ایک رات آپؒ اپنے محل میں محو عبادت تھے کہ محل کی چھت پر کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ آپؒ نے پوچھا کہ چھت پر کون ہے تو جواب میں ایک بدوی کا چہرہ نمودار ہوا اور کہا کہ ہم ہیں۔ ہمارے کچھ اونٹ گم ہو گئے ہیں اور ہم صحراؤں میں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں کہ شاید یہیں نہ آ گئے ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ تم عجب بیوقوف لوگ ہو کہ اتنا نہیں جانتے کہ اونٹوں کو محلات میں تلاش نہیں کیا جاتا۔ اس بدوی نے جواب دیا کہ حضور اگر آپؒ خدا کو محلات میں رہ کر تلاش کر سکتے ہیں تو ان محلات میں اونٹوں کا تلاش کرنا کونسی بری بات ہے۔ ایسے چند واقعات کے بعد کہا جاتا ہے کہ آپؒ نے بادشاہت کو ترک کر دیا اور درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے دریافت کیا کہ آپؒ نے حکومت کیوں ترک کر دی۔ فرمایا کہ ایک روز جب کہ میں تخت نشین تھا اور آئینہ میرے سامنے تھا۔ میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر غور کیا تو بچپن، جوانی اور رسمِ تاج پوشی کا نقشہ گزر گیا اور مجھے اپنا آخری مقام قبر میں نظر آیا میں نے سوچا کہ سفر لمبا ہے کوئی ساتھ نہیں اور توشہ آخرت بھی کچھ نہیں۔ حاکم بھی منصف اور عادل ہے جس کے ہاں بے ایمانی نہیں چلے گی۔ میرے پاس کوئی دلیل اور حجت بھی نہیں۔ انہی خیالات نے حکومت سے میرا منہ موڑ دیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی ہمراہی میں سفر کر رہا تھا یہاں تک کہ ہم ایسے جنگل میں پہنچے جہاں سانپ بہت زیادہ تھے۔ حضرت نے اس جگہ اپنا آفتابہ رکھ دیا۔ رات آئی تو سانپ نکل آئے۔ میں نے حضرت کو آواز دی۔ آپؒ نے فرمایا گھبراؤ نہیں بلکہ ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ میں ذکر میں مشغول ہو گیا تو سانپ لوٹ گئے اور ایک سانپ حضرت کے بستر پر کنڈلی مار کر رات بھر پڑا رہا۔ آپؒ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے ہر چیز اس سے ڈرتی ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ایک جگہ پر چند اولیائے کرامؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بھی ان کے پاس بیٹھنا چاہا مگر انہوں نے مجھے اجازت نہ

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۸۵۔

دی اور کہا کہ اے ابراہیم! ابھی تک آپؒ کی باتوں سے ہمیں بادشاہت کی بو آ رہی ہے۔

مولانا رومؒ نے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی بہت سی حکایات کو منظوم فرمایا ہے اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے ایک اعلیٰ وزیر نے حضرت کو دجلہ کے کنارے گودڑی کی مرمت کرتے ہوئے دیکھا اور دل میں کہا کہ یہ شخص بھی عجیب طبیعت کا مالک ہے کہ اتنی بڑی سلطنت چھوڑ کر یہاں بے کسی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؒ کے دل پر اس وزیر کا خیال مکشوف ہوا۔ آپؒ نے اسے بلایا اور کہا یہاں بیٹھ جاؤ اور پھر آپؒ نے اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور پھر مچھلیوں کو حکم دیا کہ میری سوئی مہیا کرو۔ اس پر بے شمار مچھلیاں اپنے منہ میں طلائی سوئیاں لے کر حاضر ہوئیں۔ آپؒ نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا الٰہی مجھے میری اپنی سوئی چاہیے۔ اس کے بعد ایک مچھلی وہی سوئی منہ میں لے کر سطح دریا پر نمودار ہوئی۔ آپؒ نے وہ سوئی لے کر اس وزیر سے کہا کہ ''یہ حکومت بہتر ہے یا اس سفلی دنیا کی سلطنت جس کو تم قدر کی آنکھوں سے دیکھتے ہو''۔

آپؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ دلوں پر حجاب کیوں ہوتے ہیں؟ فرمایا لوگ ان چیزوں کو محبوب رکھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اور ہر وقت دنیا کو دوست بنائے بیٹھے ہیں اور ابدی زندگی کے خیال کو انہوں نے ترک کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ میرے لئے کتاب کی جدائی سے اور کوئی چیز زیادہ سخت نہ تھی۔ حکم ہوا کہ اسے مت پڑھو کیونکہ میدان حشر میں وہی عمل بھاری رہے گا، جو تجھے یہاں بھاری معلوم ہو رہا ہے۔ پھر فرمایا کہ تین حجابات کے اٹھ جانے سے سالک کے دل پر انوار الٰہی کی بارش ہوتی ہے۔

۱۔ دونوں جہانوں کی حکومت مل جانے پر بھی راضی نہ ہو۔

۲۔ دنیا کی چیزوں کے چھن جانے سے کوئی غم نہ ہو۔

۳۔ کسی پر خوش ہونا، حریص اور غمگین ہونا غصے کی علامت ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں نے پندرہ سال سخت مصائب میں گزارے ہیں تب جا کر کہیں آواز آئی ''اس کا بندہ بن، تو راحت میں پڑا ہوا ہے۔ اس کی اطاعت میں مشغول رہ''۔

بادشاہت چھوڑ کر آپؒ نیشاپور کے قریب ایک نہایت خطرناک غار میں نو برس تک ریاضت میں مشغول رہے اور جمعہ کے روز کچھ لکڑیاں جنگل سے اکٹھی کر کے فروخت کرتے اور آدھی رقم غرباء میں تقسیم

کرتے اور باقی رقم اپنے لئے صرف کرتے۔ آپؒ کی برکت سے اس غار میں مشک اور عنبر کی خوشبو آنے لگی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا تو آپؒ نے غار کو چھوڑ دیا اور مکہ معظمہ آ گئے۔ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ نے اس غار کی زیارت کی اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس غار کو مشک اور عنبر سے بھر دیا جائے تب بھی اتنی خوشبو اس غار سے نہ آتی جو ایک مردِ مومن کے قیام سے پیدا ہو گئی۔ ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے عرض کیا کہ آپؒ کتنے خوش نصیب ہیں کہ مجھے آپؒ کی بے فکری پر رشک آتا ہے جب کہ میں ہر وقت غم کی لہروں میں ڈوبا رہتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا کہ آج تک جو میں نے عبادات کی ہیں وہ تمہیں بخشتا ہوں اور تم اس کے بدلے میں مجھے ایک ساعت کا غم بخش دو۔

جس وقت حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے بادشاہت کو چھوڑا تو آپؒ کا ایک بچہ ماں کی گود میں تھا اور جب وہ جوان ہوا تو والدہ سے حالات معلوم کئے اور ماں، بیٹا مکہ معظمہ میں ان کی تلاش میں پہنچے۔ وہ جنگل میں اس وقت لکڑیاں لینے گئے ہوئے تھے۔ لکڑیاں بیچ کر مسجد میں آئے تو حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے ان کو طواف کعبہ میں دیکھ کر محسوس کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ آخر لوگوں نے بیٹے کے استفسار پر حضرت کا ٹھکانہ بتلایا اور ملا بھی دیا۔ ملتے ہی ماں اور بیٹا دونوں حضرت سے لپٹ گئے اور حضرت کو جو وہاں سے جانے والے تھے روک لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ مجھ سے محبت رکھتے ہو اور پھر بیٹے سے بھی محبت کرتے ہو؟ دونوں میں سے ایک محبت کو رکھ لو۔ حضرت نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا "اِلٰهِیْ اَغِثْنِیْ" (یعنی اے الٰہی میری مدد فرما) جونہی آپؒ نے یہ کہا تو بیٹے نے آپؒ کے قدموں میں گر کر جان دے دی۔ مریدوں سے فرمایا کہ جب میں بیٹے سے بغل گیر ہوا تو بیٹے کی محبت نے جوش مارا۔ اسی وقت آواز آئی۔ "دعویٰ ہم سے محبت کا کرتے ہو اور دوستی غیروں سے کرتے ہو، تو میں نے کہا الٰہی میری مدد فرما۔ میری جان لے لے، چنانچہ بچے کی روح قفسِ عنصری سے نکل گئی"۔[1]

حضرت جنیدؒ، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔ "اِتَّخِذِ اللّٰهَ صَاحِبًا وَ ذَرِ النَّاسَ جَانِبًا" (اللہ جل شانہ کو اپنا یار پکڑ، اور لوگوں کو ایک طرف چھوڑ دو) خود سے اعراضِ مخلوق سے اعراض کرنا ہے اور جس نے اپنی طرف توجہ کی تو گویا اس نے مخلوق کی طرف توجہ کی، جب بندے نے خود سے

[1] مسند ابراہیم بن ادھم، محمد بن اسحاق، متوفی ۹۵ھ، جلد ۱، صفحہ ۴۸، مکتبۃ القرآن، القاہرہ۔

اعراض کر لیا تو اس نے اپنے آپ کو پالیا۔

۸۔حضرت شقیق بلخیؒ

حضرت شقیق بلخیؒ سے لوگ عجیب نوعیت کے سوالات کیا کرتے تھے اور آپؒ اسی انداز میں ان کے جواب دیا کرتے۔ جب آپؒ حج کی نیت سے مکہ معظمہ جا رہے تھے تو بغداد میں ہارون رشید نے آپؒ کو بلوایا اور نصیحت کرنے کو کہا۔ آپؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو صدیق اکبرؓ کا جانشین مقرر کیا ہے تجھ سے صدق طلب کرے گا۔ اسی طرح حضرت فاروقؓ کی طرح حق و باطل میں تمیز مانگے گا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی سی شرم اور حیا طلب کرے گا اور حضرت علیؓ کی طرح کا عدل اور علم طلب کرے گا۔ ہارون رشید نے مزید نصیحت طلب کی تو آپؒ نے نہایت بلند پایہ جوابات دیئے جن کا یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔

فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزوں کو تلاش کیا ہے اور ان کو پانچ جگہ پایا۔

i۔ روزی کی برکت، چاشت کی نماز میں۔

ii۔ قبر کی روشنی، تہجد کی نماز میں۔

iii۔ منکر نکیر کے سوال کا جواب، قرأت میں پایا۔

iv۔ پل صراط کا سہولت سے پار کرنا روزہ اور صدقہ میں پایا۔

v۔ عرش کا سایہ، خلوت میں پایا۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے والوں کو موت کے اندر بھی زندہ فرمایا اور اہل معصیت کو زندگی کے اندر بھی مردہ بنایا ہے۔

۹۔حضرت بایزید بسطامیؒ

آپؒ اسرار و حقائق کے ماہر اور بے بدل صوفی تھے۔ محبت الٰہی میں سوختہ اور بدن کو مشاہدۂ دوست میں رکھتے۔ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ آپؒ کی ذات بابرکات ہمارے درمیان ایسے مکرم ہے جیسے فرشتوں میں جبرائیل علیہ السلام ہیں [۱] اور تمام سالکانِ راہ توحید کی جہاں انتہا ہے وہاں آپؒ کی ابتداء ہے۔

[۱] کشف المحجوب، صفحہ ۲۱۲۔

آپؒ کے متعلق مستند کتابوں میں یہ ذکر آیا ہے کہ آپؒ ایک مشہور بزرگ کی زیارت اور بیعت کے لئے تشریف لے گئے مگر جب آپؒ نے دور سے انہیں دیکھا کہ انہوں نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوکا ہے تو فوراً واپس آ گئے اور فرمایا کہ اگر یہ شخص ذرہ برابر بھی آدابِ طریقت جانتا ہوتا تو شریعت کے خلاف عمل نہ کرتا۔ اسی روز رات کو خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بایزیدؒ! تمہارے اس فعل سے مجھے بہت مسرت ہوئی ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے تھے کہ یہ مقام جس پر تم مجھے دیکھتے ہو اسی تعظیم کی بدولت ملا۔

ابتدائی زمانہ میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ نا معلوم میں اپنے وقت کا کتنا بڑا شیخ اور پیر ہوں، لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں نے یہ الفاظ کہنے میں سخت غلطی کی۔ اس کی حقیقت آپؒ کے دل پر اس دن کھلی جب آپؒ خراسان کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک منزل پر قیام کیا اور ایک اجنبی کو اونٹ پر سوار اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ آپؒ نے اونٹ کو اشارہ کیا کہ ٹھہر جا! اسی وقت اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اونٹ کے سوار نے آپؒ کی طرف دیکھا اور کہا کہ ''اے بایزید! کیا تمہاری خواہش ہے کہ میں اپنی بند آنکھ کو کھول دوں اور کھلی آنکھ کو بند کر لوں اور شہر بسطام کو بایزیدؒ سمیت غرق کر دوں''؟ یہ بات سنتے ہی آپؒ کے ہوش اڑ گئے آپؒ نے پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ جب تم نے اپنی ہستی کا مقام معلوم کرنے کا عہد کیا تو اس وقت میں یہاں سے تین ہزار فرسنگ پر تھا اور یہ کہہ کر چلا گیا ''اے بایزید! اپنے دل کا خیال رکھ''۔ [1] فرمان الٰہی ہے ''فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ'' (ہر علم والے کے اوپر ایک صاحب علم ہے) (یوسف: ۷۶)۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ اپنے ابتدائی ایام میں جب میں حج کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں مجھے ایک بزرگ سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے پوچھا اے بایزید! کدھر کا ارادہ ہے؟ میں نے حج کا ارادہ ظاہر کیا۔ پوچھا کتنی رقم لے کر آئے ہو؟ میں نے بتلایا تو کہنے لگے کہ یہ رقم مجھے دے دو اور میرے گرد طواف کر لو، تمہارا حج ہو جائے گا کیونکہ اس وقت تم حج کرنے کے قابل نہیں ہو۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۳۳۔

بزرگ کی صحبت سے مجھے بہت فائدہ ہوا اور میں اس وقت واقعی ایسی حالت میں تھا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈا مگر جب تک مصیبت کے ہاتھ سے نہ ڈھونڈا نہ ملا۔ تمام قدموں سے اس کی طرف گیا لیکن جب تک دل کے قدموں سے نہ گیا منزل پر نہ پہنچ سکا۔ آپؒ نے فرمایا کہ تیس سال تک میں نے سخت مجاہدات کئے ہیں مگر میں نے علم و عمل سے زیادہ شدید کسی چیز کو نہیں پایا۔[1] آپؒ نے شریعت کی اتباع پر سخت تاکید فرمائی ہے۔ آپؒ نے فرمایا ہے کہ جب تک دل میں تکبر رہے اس وقت تک انسان قرب الٰہی کی بو بھی نہیں پا سکتا ہے اور کمالات تصوف تک رسائی بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ فرمایا ہر کام میں جو اپنے دل سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اسی حالت میں درست ہے کہ جب دل، نفس کی شرارتوں سے محفوظ ہو ورنہ یہ مشورہ دل کا نہیں بلکہ نفس کا ہوگا۔

ایک دفعہ حضرت بایزیدؒ نے اپنے نفس کا معائنہ کیا تو اسے بہت موٹا پایا۔ آپؒ نے فرمایا اے نفس! میں تو تمہیں بہت کم کھلاتا پلاتا ہوں۔ تمہاری کوئی خواہش پوری نہیں کرتا پھر تم اتنے موٹے کیوں ہو گئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس یاقوتی کی بدولت جو مجھے مل جاتی ہے۔ پوچھا کونسی یاقوتی؟ نفس نے کہا وہی جب آپؒ بازار جاتے ہیں تو سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور آپؒ کے ہاتھ چومتے ہیں بس اس سے اپنا کام بن جاتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا اچھا یہ بات ہے۔ آپؒ نے رمضان کے مہینے میں سرعام بازار میں روٹی کا ٹکڑا چبانا شروع کر دیا۔ آپؒ کی اس حرکت پر لوگ آپؒ سے بدظن ہو گئے اور آپؒ سے نفرت کرنا شروع کر دی۔ پھر آپؒ نے دیکھا کہ نفس بہت نحیف ہو گیا ہے۔

عباس بن حمزہؒ (جو احمد بن حنبلؒ کے شاگرد تھے) کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ ظہر کی نماز حضرت بایزید بسطامیؒ کی اقتدا میں ادا کی۔ جب آپؒ نے تکبیر تحریمہ کی ادائیگی کے لئے ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے جلال کے پیش نظر ہاتھ اٹھانے کی قدرت نہ رہی اور کندھے اور سینے کے درمیان والا گوشت کانپنے لگا۔ یہاں تک کہ میں ان کی ہڈیوں کی کڑکڑاہٹ کی آواز سنتا تھا اور اس حالت نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔ منقول ہے کہ کسی نے ایک ایسے شخص کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا جو اعمال صالحہ سے بہت دور تھا اور پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا اگرچہ میں بہت گناہ گار تھا مگر اللہ تعالیٰ

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۵۔

نے مجھے بخش دیا۔ اس نے پوچھا کس وجہ سے بخشش ہوئی؟ وہ کہنے لگا کہ ایک روز بایزیدؒ اپنے رب کے حضور دعا مانگ رہے تھے اور میں نے ان کی دُعا میں آمین کہا سو ان کی دعا کی بدولت مجھے بھی بخش دیا گیا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال سخت مجاہدات کئے۔ لوگوں نے کہا کہ اپنے مجاہدات کا حال ہمیں بھی بتائیں۔ فرمایا کہ تم میرے سخت مجاہدات تو کیا معمولی مجاہدات کو سننے کی تاب بھی نہیں رکھتے۔ پھر آپؒ نے فرمایا کہ ایک عرصہ سے میرا نفس پلاؤ کھانے کو مانگتا تھا۔ آخر میں نے اس کا مطالبہ اس شرط پر قبول کیا کہ وہ اس کے بعد پھر کوئی خواہش نہیں کریگا، لیکن جب پلاؤ کھایا تو نفس نے کہا ''پانی'' میں نے کہا کہ تم نے عہد کیا تھا کہ پلاؤ کے بعد کچھ نہیں مانگو گے چنانچہ میں نے ایک سال تک اپنے نفس کو پانی پینے کے لئے نہ دیا۔ [1]

مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ ایک آتش پرست کو کسی نے کہا کہ مسلمان ہو جاؤ تو اس نے جواب دیا ''اگر مسلمانی وہ ہے جو بایزیدؒ نے اختیار کر رکھی ہے تو اس قدر مشقت اور کوشش میرے بس سے باہر ہے اور اگر اسلام وہ ہے جس کا نمونہ تو ہے تو اس سے تو مجھ جیسا گیا گزرا شخص بھی بہتر ہے۔ تیرے اعمال تو ایسے ہیں کہ اگر کسی کو اسلام سے رغبت بھی ہو تو تجھے دیکھ کر نفرت ہو جائے''۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت بایزیدؒ نے ایک مسجد میں نماز پڑھی تو امام صاحب نے پوچھا کہ جب آپؒ کوئی کام نہیں کرتے تو پھر کھاتے کہاں سے ہیں؟ فرمایا کہ پہلے مجھے اپنی نماز قضا کرنے دو، جو میں نے تمہاری امامت میں پڑھی ہے کیونکہ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست نہیں جو روزی دینے والے کو نہیں جانتا۔ ایک اور شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی معاش کہاں سے آتی ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ تو دیکھتا نہیں کہ میرا مولا جو کتے اور خنزیر کو روزی دیتا ہے تو کیا بایزید کو روزی نہیں دے گا۔ آپؒ نے ایک روز کسی سالک کی تعریف کی تو اس جگہ پر موجود ایک عالم نے پوچھا کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا ''چونکہ مجھے اس کے خالق کے بارے میں کوئی شک نہ تھا اسلئے میں نے یہ ضروری نہ سمجھا کہ اس سے اس کے رازق کے بارے میں ایسا بیہودہ سوال کروں''۔ یہ سن کر وہ عالم شرمندہ ہو کر چل دیا۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ میں پہلی بار حج کے لئے گیا تو خانہ کعبہ کو دیکھا۔ میں نے کہا کہ میں ایسے پتھر

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۱۰۔

پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ دوسری بار گیا تو خانہ کعبہ کو دیکھا اور خانہ کعبہ والے کو بھی دیکھا اور تیسری بار گیا تو خانہ کعبہ نظر نہ آیا بلکہ صرف جلوہ خداوندی ہی نظر آیا۔ اس روایت کو اسی کتاب میں اور جگہ پر زیادہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس کی روحانی تشریح ''کشف المحجوب'' میں کی ہے [1]۔ ایک روایت ہے کہ ایک بار حضرت ذوالنون مصریؒ کے مرید حضرت بایزید بسطامیؒ کی زیارت کو گئے اور آواز دی ''هَلْ بَايَزِيْدُ فِي الْبَيْتِ''؟ آپؒ نے جواب دیا ''وَمَا فِي الْبَيْتِ اِلَّا اللّٰهُ'' ایک ایسے ہی سوال پر آپؒ نے فرمایا کہ بایزید کون ہے؟ میں تو خود بایزید کی تلاش میں ہوں مگر اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ (اس واقعہ کی مکمل روایت اس کتاب میں دوسری جگہ پر کر دی گئی ہے)۔

ایک دن جب کہ حضرت بایزیدؒ کے ہاتھ میں ایک سرخ سیب تھا۔ آپؒ نے سیب کو دیکھ کر فرمایا کیسا لطیف سیب ہے؟ اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ بایزید! کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک سیب پر ہمارا نام لیتا ہے۔ اس پر آپؒ کی قلبی کیفیت چالیس دن تک خراب رہی اور آپؒ نے عہد کیا تمام عمر بسطام کا میوہ نہ کھاؤں گا۔ [2] آپؒ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن آپؒ کے پیٹ میں درد ہوا تو کسی شخص کے پوچھنے پر آپؒ نے فرمایا کہ رات کو میں نے دودھ پی لیا تھا اس لئے یہ درد ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی نے آپؒ کے وصال کے بعد حضرت کو خواب میں دیکھا اور آپؒ کا حال پوچھا تو آپؒ نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لطف و کرم سے بخش دیا ہے۔ فرمایا جب میں خدا کے حضور پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ اے بایزید! ہمارے لئے کیا لائے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ الٰہی! میں اس قابل کہاں کہ آپؒ کے لئے کچھ لاتا البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں نے ساری عمر کوئی شرک نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اُذْكُرْ لَيْلَةَ اللَّبَنِ'' (دودھ والی رات یاد کرو) تو میں نے شرم سے اپنے سر کو جھکا لیا۔

آپؒ کا فرمان ہے کہ انسان متواضع ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس کا (شرعی حق کے سوا) کوئی اور حق نہ سمجھے اور کبھی یہ خیال نہ کرے کہ مخلوق میں کوئی اس سے بدتر ہے۔ آپؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپؒ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی؟ فرمایا کہ بھوکے پیٹ اور ننگے بدن سے۔

اگر کوئی آپؒ کے پاس دعا کے لئے آتا تو فرماتے الٰہی! یہ تیری مخلوق ہے میں کون ہوں جو تیرے اور

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۲۷ [2] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۳۲۔

تیری مخلوق کے درمیان واسطہ بنوں۔ آپؒ فرماتے تھے کہ جب تک تم کسی ولی اللہ کو شریعت کا پابند نہ دیکھ لو۔ اس وقت تک اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ فرمایا میں نے اللہ کو اللہ کے ساتھ پہچانا اور اللہ کے ماسوا کو اللہ کے نور کے ساتھ پہچانا۔ آپؒ نے عام مومنین، اولیاء، شہداء، صالحین، صدیقین، نبیین اور اولوالعزم رسولوں کے متعلق فرمایا کہ جہاں ایک کی انتہا ہے دوسرے کی ابتداء ہے مگر آپ ﷺ کی انتہا کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ آپؒ نے فرمایا عبادت کا مقصد صرف یقین پیدا کرنا ہے اور تیس سالہ ریاضتوں کے بعد مجھے "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ"، (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) (ق:۱۶) یہ یقین ہوا اور اگر میں شروع میں ہی اس بات پر یقین کر لیتا تو تیس سال اس قدر سخت مجاہدات نہ کرنے پڑتے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ جس کا "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" پر یقین ہو تو اس کا کام فوراً ہو جاتا ہے۔ (یقین کا بیان ہماری تصنیف "حسنِ نماز" میں ملاحظہ فرمائیں)۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے داؤد! لوگوں کو اپنی خواہشات کی چیزیں کھانے سے بچاؤ۔ اس لئے کہ جو دل دنیا کی خواہشات میں لگے رہتے ہیں ان کی عقلیں مجھ سے حجاب میں رہتی ہیں۔

کثرت نعمت گداز از دل برد   ناز می آرد نیاز از دل برد

(نعمتوں کی کثرت دل سے گداز کو لے جاتی ہے، ناز پیدا کرتی ہے اور نیاز رخصت ہو جاتا ہے)

حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز کا ڈر ہوا میں نے اسے ضرور کیا اور میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

۱۰۔ حضرت ابوالحسن ورّاقؒ

فرماتے ہیں کہ ہمیں ہمارے شیخ کا حکم تھا کہ i۔ ہم دوسروں کو اپنی فتوح کی چیزیں دیں۔ ii۔ کسی معلوم چیز پر رات نہ گزاریں۔ iii۔ جو ہم سے برا سلوک کرے، ہم اس کا بدلہ نہ لیں بلکہ تواضع اختیار کریں۔ iv۔ جب ہمارے دل میں کسی کے متعلق حقارت پیدا ہو تو اس کی خدمت کریں یہاں تک کہ وہ حقارت دل سے زائل ہو جائے۔

۱۱۔ حضرت ابوعثمان حیریؒ

آپؒ فرماتے تھے کہ جو اپنے نفس کی کسی چیز کو بھی اچھا جانتا ہو وہ اپنے نفس کے عیوب نہیں دیکھ سکتا۔

۱۲۔ حضرت ابو حفصؒ

آپؒ فرماتے تھے کہ جو اپنے عیوب کو نہیں پہچانتا وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے، کیونکہ گناہ کفر کی راہ دکھاتے ہیں۔

۱۳۔ حضرت بشر حافیؒ

آپؒ سے رسول خدا ﷺ نے ایک بار خواب میں دریافت کیا کہ اے بشر! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے ہمعصروں پر کیوں ممتاز کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا اس لئے کہ تو صلحاء اور فقراء کی خدمت کرتا ہے، اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتا ہے، اپنے یار دوستوں سے محبت کرتا ہے اور میری سنت کی پیروی کرتا ہے۔ پھر فرمایا جس نے میری سنت سے محبت رکھی گویا اس نے مجھ سے محبت رکھی اور وہ قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔[۱]

امام احمد بن حنبلؒ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں اپنے ہمسائے کی روشنی میں سوت کاتتی ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟ امام صاحبؒ نے پوچھا کہ پہلے یہ بتا کہ تو ہے کون؟ کہا کہ میں بشر حافیؒ کی بہن ہوں۔ یہ سن کر آپؒ دیر تک روتے رہے اور پھر فرمایا کہ ایسا تقویٰ اسی خاندان کے لئے ہے۔ فرمایا کہ وہ سوت تمہارے لئے ناجائز ہے تم اپنے بھائی کی طرح کرو کیونکہ حضرت بشر حافیؒ جب کسی کے گھر کھانے کے لئے بیٹھتے تو مشتبہ کھانا نہ کھاتے اور آپؒ کے ہاتھ کھانے کی طرف نہ اٹھتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا ایک بادشاہ ہے جس کا نام دل ہے اس کی رغبت پرہیز گاری پر ہے۔ میری یہ طاقت نہیں کہ اس کی اطاعت کے بغیر کچھ کرسکوں۔[۲]

ایک دفعہ بغداد کے لوگوں نے حضرت بشر حافیؒ سے دریافت کیا کہ بغداد میں حلال و حرام کی تمیز باقی نہیں رہی۔ ایسی صورت میں آپؒ کہاں سے کھاتے ہیں؟ فرمایا جہاں سے تم کھاتے پیتے ہو۔ پوچھا کہ پھر یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا کہ لقمہ سے کم لقمہ اور دوستی سے کم دوستی کی وجہ سے۔ جو شخص کھائے اور ہنسے وہ اس شخص کی برابری نہیں کرسکتا جو کھائے اور آنسو بہائے۔

---

[۱] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۷۸، جلد ۵، صفحہ ۴۶۔

[۲] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۹۔

۱۴۔ حضرت مالک بن دینارؒ

آپؒ نے دمشق کی مسجد میں ایک سال تک اعتکاف کیا تا کہ مسجد کی تولیت مل جائے لیکن وہ نہ ملی۔ جب آپؒ مسجد سے باہر نکلے تو آواز آئی کہ اے مالک تو تائب کیوں نہیں ہوتا؟ فرماتے ہیں کہ میں نے اس ریاکاری سے توبہ کی اور پھر معتکف ہو گیا۔ دوسرے دن مجھے تولیت دی گئی تو میں نے انکار کر دیا۔ کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مالک بن دینارؒ اور حضرت محمد واسعؒ کو فرشتے جنت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اس بزرگ نے کہا کہ دیکھیں تو سہی کہ ان دونوں میں سے کس کو پہلے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ دیکھا کہ پہلے حضرت مالک بن دینارؒ کو جنت میں داخل کیا گیا تو اس بزرگ نے تعجب سے پوچھا کہ حضرت واسعؒ زیادہ کامل اور عالم تھے۔ جواب ملا کہ حضرت مالکؒ کا ایک ہی پیراہن تھا اور وہ زیادہ متوکل تھے، جبکہ محمد واسعؒ کے دو پیراہن تھے (یعنی دنیا میں ذاتی کوشش اور اسباب کو مدنظر رکھتے تھے)۔[۱]

۱۵۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ

آپؒ سے مروی ہے کہ میں ایک روز ایک جماعت کے ساتھ تھا اور جب ہم دریا عبور کرنے لگے تو سب برہنہ ہو گئے، مگر میں نے حدیث پر عمل کیا، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ حمام میں برہنہ نہ جائے بلکہ تہ بند باندھ کر نہائے۔[۲] چنانچہ میں برہنہ نہ ہوا۔ اسی روز میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے احمد! تمہیں بشارت ہو کہ حق تعالیٰ نے اس سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہیں بخش دیا ہے اور تمہیں ایک جماعت کا امام بنا دیا ہے اور ایک جماعت تمہاری پیروی کرے گی۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں جبرائیل علیہ السلام ہوں۔

۱۶۔ حضرت سری سقطیؒ

حضرت سری سقطیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اے خدا تو اپنی طرف سے جو بھی عذاب دے مجھے گوارا ہے مگر حجاب کے عذاب میں مبتلا نہ کر کیونکہ حجاب نہ ہو تو ہر عذاب کو تیرے ذکر اور مشاہدے کے ذریعے برداشت کرنا آسان ہے اور اگر حجاب ہے تو تیرا کرم بھی عذاب سے کم نہیں۔ جہنم کا عذاب اسی لئے عذاب ہے کہ وہاں

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۳۴۔

[۲] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۱۴۶۹۲، جلد ۳، صفحہ ۳۳۹۔

تیرا دیدار نہیں اور اگر جہنم میں تیرا دیدار ہو تو اہلِ جہنم کبھی جنت کی خواہش نہ کریں۔ بہشت کی کوئی نعمت جمال ذاتِ باری تعالیٰ سے بڑھ کر نہ ہوگی۔ بہشت میں اگر ہزاروں مسرتیں بھی ہوں اور وہاں جمال خداوندی نہ ہو تو اہلِ بہشت کے دل ٹوٹ جائیں۔ یہ رسم خداوندی ہے کہ اولیاء اللہ ہر بلا اور مصیبت کو اپنے دوست کی ایک جھلک دیکھ کر برداشت کر لیتے ہیں اگر جمالِ یار میسر ہو تو کسی مصیبت کا خوف نہیں رہتا۔

آپؒ عشق الٰہی میں اس قدر گرفتار تھے کہ آپؒ کے جسم کا ہر عضو متاثر تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سری سقطیؒ بہت بیمار ہوئے اور کسی طبیب کو ان کی بیماری کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ ہمیں ایک طبیب حاذق کی خبر ملی جو یہودی تھا۔ ہم آپؒ کا قارورہ اس کے پاس لے گئے۔ طبیب نے اس قارورہ کو دیکھا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر کہا ''یہ تو کسی عاشق کا بول (پیشاب) معلوم ہوتا ہے۔ جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں اس کی بات سنتے ہی بے ہوش ہو گیا اور قارورہ میرے ہاتھ سے گر گیا۔ پھر میں حضرت سری سقطیؒ کے پاس آیا اور ان کو اس بات کی خبر دی۔ انہوں نے فرمایا اللہ اسے خراب کرے وہ کیسا دانا ہے۔ میں نے کہا اے استاد کیا بول (پیشاب) میں بھی محبت ظاہر ہوتی ہے؟ کہا ہاں۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ کو کسی نے نوے سال کی عمر تک کمر کو زمین پر لگائے ہوئے نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ کو ہم نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ چالیس سال سے میرا نفس یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ ایک گاجر شہد میں ڈبو کر کھاؤں مگر میں نے نفس کی اطاعت نہیں کی۔

ایک بار حضرت سری سقطیؒ نے جنید بغدادیؒ کو وعظ کرنے کا حکم دیا اور لوگوں نے بھی بارہا کہا مگر وہ وعظ کے لئے تیار نہ ہوئے اور کہتے تھے کہ جب تک میرے شیخ جلوہ آرائے مسند ہیں میں کسی بات کے کہنے کا مجاز نہیں۔ ایک بار خواب میں حضور ﷺ نے آپؒ کو حکم فرمایا کہ جنید! لوگوں کو کچھ سنایا کر، کیونکہ تیرے بیان سے اللہ تعالیٰ ایک جماعت کو نجات عطا فرمائے گا۔ صبح کی نماز میں حضرت سری سقطیؒ نے ایک شخص کو حضرت جنیدؒ کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ جو تمہیں حکم ملا ہے اس کی تعمیل کرو۔ حضرت جنیدؒ حیران تھے کہ آپؒ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے حبیب ﷺ کے ذریعے جنیدؒ کو وعظ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت جنیدؒ اپنے شیخ کی برتری کو سمجھ گئے۔ اس واقعہ کو اس کتاب میں کسی اور مقام پر بھی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

۱۷۔ حضرت جنید بغدادیؒ

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء کا کلام حضور کے ذریعے ہوتا ہے (آنکھوں سے دیکھ کر کہتے ہیں) اور صدیقین کے کلام کی صحت مشاہدہ کی بنا پر ہوتی ہے۔ خبر آنکھ سے ہوتی ہے اور مشاہدہ نظر ناظر (یعنی تخیل) سے ہوتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے ابلیس لعین کو دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ ایک دن اس کو مسجد کے دروازے پر دیکھا تو مجھے وحشت ہونے لگی۔ میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ ابلیس نے کہا میں وہی ہوں جس کو دیکھنے کی آپ آپؒ نے خواہش کی تھی۔ میں نے کہا اے ملعون! تجھے آدم کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ بولا جنید تمہارا خیال ہے کہ میں غیر خدا کو سجدہ کر دیتا''۔ فرماتے ہیں کہ میں لاجواب ہو گیا پھر مجھے الہام ہوا ''اس خبیث سے کہہ دو کہ بے ایمان تو جھوٹا ہے اگر تو بندہ ہوتا تو اپنے مالک کے حکم سے باہر نہ ہوتا''۔ ابلیس نے میرے دل کی بات سنی اور کہا کہ جنید خدا کی قسم تم نے مجھے جلا ڈالا اور نظر سے غائب ہو گیا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ درجہ جو ملا ہے قیل وقال یا جدل و پیکار سے نہیں ملا بلکہ بھوک، پیاس، نیند اور دنیا کے ترک کرنے سے ملا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو آنکھ حق تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کو نہ دیکھ سکے اس کا اندھا ہونا بہتر ہے اور جو زبان ذکر حق میں مصروف نہ ہو اس کا گونگا ہونا اچھا ہے، اور جو بدن اس کی خدمت نہ کرے اس کا مر جانا بہتر ہے۔ فرمایا جس کی زندگی نفس سے وابستہ ہے وہ جان نکل جانے کے بعد مر جاتا ہے اور جس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، وہ مرنے کے بعد طبعی زندگی سے اصل زندگی میں منتقل ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمہارا سینہ خدائے تعالیٰ کا حرم خاص ہے، اس میں غیر کو جگہ نہ دو۔

روایات میں ہے کہ اہل سادات میں سے ایک شخص حج کے لئے رخصت ہوا تو بغداد میں حضرت جنیدؒ کی زیارت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ تم سید ہو تمہارے دادا حضرت علی ﷺ دو تلواریں چلایا کرتے تھے، ایک کافروں پر دوسری اپنے نفس پر۔ تم کون سی تلوار چلاتے ہو؟ یہ سن کر وہ بے تاب ہو کر گر پڑا اور رو رو کر کہنے لگا میرا حج یہیں ہو گیا ہے۔ مجھے خدا کی راہ بتلایئے۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ روزہ نصف طریقت ہے۔

۱۸۔ حضرت رابعہ بصریؒ

ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ سخت بیمار ہوئیں لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ آج فجر کے وقت میرے دل میں جنت کی خواہش پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا اور میں بیمار ہو گئی۔ ایک شخص آپؒ کے

لئے بہت سامال لے کرآیا اور حضرت حسن بصریؒ سے گزارش کرنے لگا کہ حضرت رابعہ بصریؒ کے حضور اس مال کو قبول کرنے کی سفارش کریں۔ حضرت رابعہؒ نے فرمایا۔ ''خدا تو اس کی روزی بھی بند نہیں کرتا جو اس کو برا بھلا کہے اور جس کی زندگی اس کی محبت میں گزرتی ہے تو اسے وہ رزق کے بغیر بھی زندہ رکھتا ہے۔ جب سے میں نے اسے دیکھ لیا ہے مخلوق سے منہ پھیر لیا ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ میں ایسے شخص سے کوئی چیز کیسے لوں جس کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ اس کا مال حلال ہے یا حرام؟

منقول ہے کہ ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ نے عرض کی الٰہی وہ دنیا کی نعمتیں جو میرے مقدر میں ہیں اپنے دشمنوں کو دے دے اور آخرت کی نعمتیں اپنے دوستوں کو دے دے، میرے لئے تو تو ہی کافی ہے۔ ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے الٰہی اگر میں جنت کے لئے عبادت کرتی ہوں تو بے شک تو مجھے جنت سے محروم کر دے اور اگر میں دوزخ کے خوف سے عبادت کرتی ہوں تو بے شک تو مجھے دوزخ میں ڈال دے اور اے الٰہی اگر میں تری رضا اور لقاء کے لئے عبادت کرتی ہوں تو تُو مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ رکھ۔

حضرت سفیان ثوریؒ اور حضرت عبدالواحدؒ ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ کی عیادت کو گئے اور حضرت سفیان ثوریؒ نے کہا رابعہ! میں تمہارے واسطے دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں تمام مصائب سے نجات دے۔ آپؒ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ بیماری اس کے حکم سے ہے تو پھر میں دوست کی مرضی کے خلاف کیسے دعا کراؤں؟ حضرت سفیانؒ نے پوچھا کہ آپؒ کو سب سے زیادہ کون سی چیز پسند ہے جس کی تم خواہش رکھتی ہو۔ آپؒ نے فرمایا کہ سفیان تم سمجھدار ہو کر اس قسم کی باتیں کرتے ہو۔ بارہ سال سے مجھے خُرما کھانے کی خواہش ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ بصرہ میں خُرما کس قدر سستا فروخت ہوتا ہے لیکن میں نے ابھی تک نہیں کھایا کیونکہ میں غلام ہوں اور غلام کو آرزو سے کیا تعلق۔ اگر میں اس چیز کی خواہش کروں جو اللہ تعالیٰ کو قبول نہ ہو تو یہ سب سے بڑا کفر ہوگا۔ حضرت سفیانؒ پر رقت طاری ہوگئی اور زار و قطار رونے لگے اور کہنے لگے الٰہی! تو مجھ سے راضی ہو جا اس پر حضرت رابعہؒ نے فرمایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ جس کی تو رضا طلب کر رہا ہے اس سے تو خود راضی نہیں۔ (خدا کے کسی سے راضی ہونے کی علامت یہ ہوا کرتی ہے کہ بندہ خدا سے راضی ہو کیونکہ جو خدا سے راضی ہو خدا بھی اس سے راضی ہوتا ہے) روایات میں ہے کہ آپؒ کی مطلوب چیز فقط اللہ کی ذات تھی۔ ایک بار آپؒ حج کو جا رہی تھیں تو دیکھا کہ کعبہ آپؒ کے استقبال کے لئے آ رہا ہے۔ آپؒ نے کعبہ کو دیکھ کر فرمایا

کہ مجھے مکان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میں تو مکان والے کی طلب گار ہوں۔ کعبے کے جمال کو دیکھ کر کیا کروں گی۔ایک دفعہ ایک شخص آپؒ کے پاس بیٹھ کر دنیا کی برائی بیان کرنے لگا۔ آپؒ نے فرمایا ''تم دنیا کو محبوب رکھتے ہوا گرایسا نہ ہوتا تو اس کی برائی نہ کرتے کیونکہ جو شخص دنیا میں کسی سے محبت کرتا ہے اکثر اسی کا تذکرہ کرتا ہے ''مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ مِنْ ذِکْرِہٖ''۔[۱]

حضرت مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ کو دیکھا کہ ان کے پاس ایک لوٹا، ایک پیالہ، ایک چٹائی اور سر کے نیچے رکھنے کے لئے ایک اینٹ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، تو یہ دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔ میں نے آپؒ سے کہا کہ اے رابعہؒ! میرے کچھ دوست دولت مند ہیں اگر تم چاہو تو میں انہیں تمہاری مدد کے لئے کہوں۔ آپؒ نے فرمایا اے مالکؒ! تم نے بہت غلط کہا ہے۔ کیا ان کا اور میرا روزی رساں ایک نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں! کہنے لگیں کہ کیا اس نے صرف فقیروں کو ہی فراموش کیا ہے اس لئے کہ وہ غریب ہیں اور امیروں کو دولت کے باعث یاد رکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں! فرمایا جب وہ حال جانتا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ اسے یاد کرایا جائے۔ اگر اس کی خواہش یہی ہے تو میری خواہش بھی یہی ہے۔

ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ بیماری کی وجہ سے لاغر ہو گئیں تو ایک دن عبادت کے دوران ان کو نیند آ گئی۔ چور آیا اور اس نے موقع پا کر چادر اٹھالی تو اندھا ہو گیا۔ جب اس نے یہ دیکھا تو چادر رکھ دی تو اس کی بصارت ٹھیک ہو گئی۔ اس نے پھر اٹھائی اور چلنے لگا تو آواز آئی اس گھر کی مالکہ نے اپنے آپ کو رب کے سپرد کیا ہے۔ یہاں شیطان کی بھی طاقت نہیں کہ دم مار سکے تیری کیا مجال ہے۔ ایک دوست اگر سویا ہوا ہے تو کیا! دوسرا تو جاگ رہا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ حج بیت اللہ کے لئے نکلیں، راستے میں ان کا گدھا مر گیا۔ لوگوں نے خدمات پیش کیں لیکن آپؒ نے فرمایا کہ تم چلو میں تمہارے سہارے گھر سے نہیں نکلی تھی۔ جب آپؒ تنہا رہ گئیں تو سر بسجود ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ ''ایک عاجز اور غریب عورت کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر کی طرف بلا کر راستے میں میرا گدھا مار ڈالا اور جنگل بیابان میں مجھے اکیلا چھوڑ دیا''۔ اس مناجات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ان کا گدھا زندہ ہو گیا۔

---

[۱] کشف الخفاء، حدیث ۲۳۵۲، جلد ۲، صفحہ ۲۸۹۔

حضرت رابعہ بصریؒ نے ایک بار سات دن اور سات رات تک روزہ افطار نہ کیا اور نہ ہی اس عرصہ میں سوئیں۔ان کے نفس نے کہا کہ کب تک مجھے مصائب میں مبتلا رکھے گی۔اتنے میں ایک شخص کھانا لایا۔آپؒ نے روزہ افطار کرنا چاہا تو بلی نے کھانا گرا دیا۔پانی پینے لگیں تو چراغ گل ہو گیا۔کوزہ اندھیرے میں اٹھانا چاہا تو کوزہ گر کر ٹوٹ گیا۔آپؒ نے خیال کیا کہ اس میں کوئی راز ہے۔ آپؒ نے ایک آواز سنی اے رابعہ! اگر تو چاہتی ہے کہ دنیا کی نعمتیں تجھ کو عطا کر دوں تو اپنا غم تجھ سے واپس لے لوں گا کیونکہ میرے غم اور دنیا کی نعمتوں کا ایک دل میں جمع ہونا ممکن نہیں۔ آپؒ نے یہ آواز سنی تو دل کو دنیا سے بالکل منقطع کر لیا، امیدوں کو مختصر کر دیا اور ہمیشہ اس بات سے خائف رہیں کہ کہیں دنیا مجھے اپنے آپ میں مشغول نہ کر لے۔آپؒ دعا فرمایا کرتی تھیں کہ الٰہی! مجھے اپنے ذکر میں مشغول رکھ تا کہ مجھے کوئی تیری یاد سے باز نہ رکھ سکے۔لوگوں نے آپؒ سے پوچھا کہ آپؒ جس رب کی عبادت کرتی ہیں کیا اسے کبھی دیکھا بھی ہے؟ فرمایا اگر نہ دیکھتی تو اس کی عبادت کیسے کرتی؟

لوگوں نے ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ سے دریافت کیا کہ آپؒ نے نکاح نہیں کیا۔فرمایا مجھے تین باتوں کی فکر دامنگیر ہے۔اگر مجھے ان فکروں سے فارغ کر دو تو نکاح کر لوں گی۔پہلی یہ کہ کیا موت کے وقت ایمان سلامت رہے گا؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے؟ دوسرا یہ کہ میرا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں؟ جواب دیا گیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے؟ تیسرا یہ کہ قیامت کے دن جب ایک گروہ کو جنت میں اور ایک کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو میں کس گروہ میں شامل ہوں گی؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے؟ فرمایا کہ جب مجھے اتنے غم ہوں اور میرا بدن عبادت سے فارغ نہ ہو تو میں خاوند کی خدمت کیسے کر سکتی ہوں؟

۱۹۔حضرت سفیان ثوریؒ

آپؒ اپنے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر لگا لیتے اور فرماتے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو لوگ ہمیں روند ڈالتے۔اگر میں تیس ہزار کا ترکہ چھوڑ جاؤں اور قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ کسی کے دروازے پر سائل بن کر جاؤں۔لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپؒ ہمیں مال جمع کرنے سے روکتے ہیں اور خود اس قدر مال جمع کر رکھا ہے۔فرمایا وہ میرے ایمان کا نگہبان ہے۔اس کے ذریعے میں نے اپنے ایمان کو سلامت رکھا ہے کیونکہ اس کی موجودگی میں شیطان مجھ پر غلبہ نہ پا سکا۔جب شیطان مجھے کہتا ہے کہ کیا کھاؤ گے اور کیا پہنو گے تو اسے کہتا ہوں کہ میرے پاس زر ہے اور اگر وہ کہتا ہے

کہ تیرے پاس کفن نہیں تو میں اسے یہ مال دکھا دیا کرتا تھا اور اس کے وسواس کو دفع کر دیتا تھا۔ اگر چہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ یہ کہہ کر کلمہ شہادت پڑھا اور رحلت فرما گئے۔

۲۰۔ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ

آپؒ فرماتے ہیں "اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ" [1] (اولیاء اللہ کے دلوں پر سکون حرام ہے) کیونکہ وہ دنیا میں جلوہ یار سے غیابت میں رہنے کی وجہ سے مضطرب رہتے ہیں اور آخرت میں جمال الٰہی کے وصل بے کیف کے باعث اضطراب میں رہتے ہیں۔ سکون قلب تو اس وقت ہوسکتا ہے اگر مقصود سے غفلت ہو جائے یا مقصود حاصل ہو جائے یہ لوگ دونوں چیزوں کو روا نہیں رکھتے۔

۲۱۔ حضرت سہیل بن عبداللہؒ

آپؒ اپنے وقت کے سلطانِ طریقت تھے۔ بھوکا رہنے اور جاگنے میں شانِ عظیم کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ شریعت اور حقیقت کے جامع تھے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے مرید تھے۔ فرمایا جو شخص مدعی ہوگا وہ خائف نہیں ہوگا، جو خائف نہیں وہ امین نہیں، جو امین نہیں اس کو بادشاہوں کے خزانوں پر اطلاع نہیں ہوسکتی۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے کہا راز مجھ سے کہو، اگر راز نہ کہو تو مجھ پر نظر رکھو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مجھ سے طلب کرو۔

آپؒ نے فرمایا کہ نفس کے جوہر پانچ ہیں۔

۱۔ محتاج جو اظہار مالداری کرے۔

۲۔ بھوکا جو شکم سیری ظاہر کرے۔

۳۔ غمزدہ جو خوشی کا اظہار کرے۔

۴۔ جس سے عداوت ہو اس سے محبت کا اظہار کرے۔

۵۔ جو دن کو روزہ رکھے اور رات کو نماز میں گزارے لیکن کمزوری ظاہر نہ کرے۔

آپؒ کا فرمان ہے کہ حلال اور پاک وہ ہے جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی گئی ہو۔ حارث محاسبیؒ کی انگلی مشتبہ کھانے کی طرف بڑھتے وقت پھڑکنے لگتی تھی تو آپؒ کھانا نہ کھاتے۔ کچھ بزرگ تین دن کے بعد

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۱۲۔

کھانا کھاتے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جب تک نفس مردہ نہ ہو دل زندہ نہیں ہوسکتا۔ جو اپنے نفس کا مالک ہوگیا اس نے عزت پائی اور دوسروں کا مالک ہوگیا۔

۲۲۔ حضرت ابن کرنبیؒ

ابن کرنبیؒ سے جنید بغدادیؒ نے کہا کہ ایک شخص جو علم تصوف سے متعلق ایک موضوع پر گفتگو کررہا ہو مگر عملاً اس سے دور ہو تو کیا آپؒ پسند فرمائیں گے کہ ایسا شخص خاموش رہے یا چاہیں گے کہ وہ گفتگو کرے۔
ابن کرنبیؒ نے کچھ دیر سوچا اور کہا کہ اگر وہ شخص آپؒ ہیں تو آغاز کلام کیجئے۔

۲۳۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ

آپؒ کے پاس ایک فقیر آیا جس نے ٹاٹ کا کرتہ اور ٹوپی پہن رکھی تھی۔ ایک طالب علم نے تفریح کے طور پر کہا کہ یہ ٹاٹ کتنے میں خریدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ ٹاٹ دنیا دے کر خریدا ہے اور بیچنے والے (اللہ) نے مجھے کہا ہے کہ اسے میرے پاس بیچ دو اور آخرت لے لو مگر میں نے نہیں بیچا۔

۲۴۔ حضرت ابوسلیمان درانیؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ کسی درویش کا کسی شے کی آرزو میں آہ سرد بھرنا جس سے وہ عاجز ہے ایک تونگر کی ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے۔

۲۵۔ حضرت محمد بن علی الکتانیؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ مکے میں ایک درویش چیتھڑے پہنے رکھتا تھا اور اس کا ہم سے میل جول نہ تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے حلال ذریعے سے مجھے دوسو درہم دیئے۔ میں نے اس کی جائے نماز کے کنارے پر ادب سے رکھے اور انہیں اپنے کام میں لانے کی درخواست کی۔ اس نے ترچھی نظر سے میری طرف دیکھا اور کہا کہ میں نے اللہ کے ساتھ مجلس کو فراغت کے بدلے ستر ہزار دینار سے خریدا ہے علاوہ جاگیر کے، اور تو ان چند درہموں کے ساتھ مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے۔ اس نے اٹھ کر انہیں بکھیر دیا اور چلا گیا۔ جب وہ یہ کہتے ہوئے جا رہا تھا میں نے ایسی عزت نہیں دیکھی اور جب میں ان درہموں کو چن رہا تھا تو اپنے جیسی ذلت نہ دیکھی۔

حضرت ابوبکر کتانیؒ تیس دن تک کعبۃ اللہ کے پرنالے کے نیچے بیٹھے رہے۔ دن رات صرف ایک بار وضو کے لئے اٹھتے اور تمام شب ذکر کرتے تھے۔ ایک بوڑھا شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوبکر! مقام ابراہیم علیہ السلام پر کیوں نہیں بیٹھتے؟ وہاں ایک بزرگ حدیث بیان کرتے ہیں تم بھی سن لیا کرو۔ ابوبکر نے پوچھا کہ بزرگ کہاں سے آتے ہیں؟ اور کس کی روایت سے حدیث بیان کرتے ہیں؟ کہا عبدالرزاقؒ، عبدالرحمٰنؒ، معمر زہریؒ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا جن سے یہ اسناد بیان کرتے ہیں ہم براہ راست ان سے بات سن لیتے ہیں۔ پوچھا کس سے سنتے ہو؟ فرمایا "حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ" (میرے دل نے میرے ربّ سے یہ حدیث بیان فرمائی) پوچھا اس کی دلیل کیا ہے کہ تم صحیح کہتے ہو؟ ابوبکر نے کہا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ تم خضر علیہ السلام ہو۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں یہ خیال کرتا تھا کہ کائنات میں کوئی ولی ایسا نہیں ہے جسے میں نہیں جانتا مگر جب میں نے ابوبکر کتانیؒ کو دیکھا تو انہوں نے مجھے پہچان لیا اور میں نے انہیں نہیں پہچانا۔

۲۶۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ لوگ تبرکاً میرے خچر کے پاؤں کی خاک کو اپنے منہ پر ملتے تھے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرے سائے سے بھی لوگ پرہیز کرتے اور مجھ پر فاسق اور فاجر بلکہ زندیق ہونے کے فتوے لگائے گئے۔ ایک دفعہ شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپؒ ذکر کرتے ہوئے جو رقص کرتے ہیں، یہ رقص کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ رقص وہ کرے کہ اگر زمین پر پاؤں مارے تو اسے تحت الثریٰ تک ہر چیز نظر آجائے اور اگر آستین اٹھائے تو اس کی نگاہ عرشِ عظیم پر پڑے اور اگر یہ کیفیت حاصل نہیں تو اسے چاہیے کہ بایزید بسطامیؒ اور جنید بغدادیؒ کے چشمے سے پانی پئے اور رقص نہ کرے۔

منقول ہے کہ سلطان طغرل کے وزیر ابومنصور ورقانی جب قریب المرگ تھے تو انہوں نے ابوالقاسم قشیریؒ اور ابوسعیدؒ سے کہا کہ میں نے ہمیشہ آپؒ دونوں کی بہت خدمت کی ہے۔ اس وقت میری درخواست ہے کہ میرے جنازے کا ساتھ دینا اور جب تک آپؒ کی برکتوں سے قبر کے سوال و جواب سے فارغ نہ ہو جاؤں واپس نہ آنا۔ دونوں شیوخ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ ابوالقاسمؒ نے حضرت ابوسعیدؒ سے کہا کہ تم چٹائی ڈال کر قبر کے سِرہانے بیٹھو۔ میں لوگوں کو رخصت کر کے آتا ہوں۔ ابھی قبر پر مٹی ڈالنا مکمل ہی ہوا تھا کہ شیخ ابو سعیدؒ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل دیئے تو ابوالقاسمؒ نے پوچھا وصیت کا کیا ہوا۔ فرمایا کسی چیز کی ضرورت نہیں

پڑی۔ فرمایا کہ فرشتے آئے اور سوال کرنے لگے تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ اس کے سرہانے کون بیٹھا ہے؟ اتنا کہہ کر وہ رخصت ہو گئے اور میں بھی وہاں سے چل پڑا۔ ایسے اللہ والوں سے محبت رکھنا اہل طریقت کا معمول ہے۔ حضرت ابو یوسف ہمدانیؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھو۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو اس شخص کے ساتھ محبت رکھو جو خدا تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔

۲۷۔ حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ

آپؒ پانی میں غوطہ لگا کر وقوف عددی کا ذکر کرواتے تھے۔ تاکہ وقوف زمانی و پاس (انفاس) اور وقوف قلبی و ذکر کے وقت دل حق سبحانہ سے آگاہ رہے۔ حضرت بابا سماسیؒ نے اپنے ایک مرید سے جو خلوت میں خدا سے نزول بلا کی دعا مانگ رہا تھا فرمایا کہ اپنے اختیار سے بلا کا طلب کرنا گستاخی ہے۔ ہاں اگر خدا کی رضا سے کوئی بلا نازل ہو تو خدا اس کی برداشت کی طاقت دے دیتا ہے۔

۲۸۔ حضرت سید امیر کلالؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ خدائے ذوالجلال کی عظمت کی قسم ہے کہ تم ہرگز مقصود تک نہ پہنچ سکو گے جب تک اپنے لقمے اور خرقے کو پاک نہ کر لو گے اور شریعت کی پیروی نہ کرو گے اور یہ آیت پڑھتے تھے "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" (اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ) (المدثر:۴) اور فرمایا کرتے کہ کوئی عبادت خدا ترسی سے بہتر نہیں۔ فرماتے تھے حدیث میں ہے کہ عبادت کے دس جزو ہیں نو طلب حلال ہیں اور باقی ایک عبادت ہے۔

حضرت امیر کلالؒ ایک روز بخارا کی جامع مسجد کی طرف اپنے مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک کسان کے غلام نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کسان نے کہا "یہ مفت خورے ہیں"۔ آپؒ نے اپنے مریدوں سے کہا کہ درویشوں سے بداعتقادی نہ کرو اور انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھو ورنہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ (درویشوں نے کسان کے کلمات نہ سنے تھے) کچھ دیر بعد اس کسان کو آپؒ کے پاس لائے جو شدید درد گردہ میں مبتلا تھا۔ آپؒ نے فرمایا اس کو واپس لے جاؤ اس نے کارگر تیر کھایا ہے چنانچہ وہ جاتے ہی مر گیا۔

۲۹۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ

آپؒ قضان سلطان کے ہاں جلادی کا کام کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مجرم آیا اور اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر میں نے تین بار تلوار چلائی مگر تینوں بار تلوار نے اثر نہ کیا۔ خواجہ نے دیکھا کہ تلوار

کھینچتے وقت مجرم ہونٹ ہلا رہا تھا۔ فرماتے ہیں کہ اس سے پوچھا کہ سچ بتا تو کیا کہتا تھا؟ اس نے کہا میں اپنے شیخ وسید کو یاد کرتا تھا۔ آپؒ نے پوچھا کہ تیرا شیخ کون ہے؟ اس نے بتلایا کہ سید امیر کلالؒ ہیں جو بخارا کے قریہ ''سوخار'' میں رہتے ہیں۔ آپؒ نے تلوار پھینک دی اور فوراً آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ جو تلوار سے بچا لیتے ہیں تو تعجب نہیں کہ وہ جہنم کی آگ سے بھی بچائیں گے۔

۳۰۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ

آپؒ فرماتے ہیں جو شریعت کی پابندی کرتا ہے وہ صاحبِ معرفت ہے اور شریعت میں سستی کرنے والا معرفت سے بے نصیب ہوگا۔ آپ کا قول ہے کہ ایک فرض کا ادا کرنا ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔ فرض کے مقابلے میں کسی دوسری عبادت کے اجر میں سمندر اور قطرہ سے بھی زیادہ فرق ہے۔ فرماتے ہیں جب تک بال برابر شریعت سے مخالفت کی راہ کھلی ہے بدستور خطرے کا محل موجود ہے۔ وہ درویش جس کا قدم شریعت میں پختہ ہو اور حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو اس کی دعا، ہمت اور توجہ کی طالب رہے تو اس کی مدد طلب کرنی چاہیے تاکہ اللہ ان کی مدد سے اپنی طرف کھینچ لے۔ آپؒ نے متعدد بار مکتوبات میں لکھا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ ان خواجگان کی نظر کا صدقہ ہے اور میں نے ان کی نظر سے وہ فیض حاصل کیا ہے جو اوروں کو کئی چلوں سے حاصل نہیں ہوتا۔

المختصر ان تمام اولیائے کرامؒ کا کلام ایسا ہے کہ جس کے مطالعہ سے اہل طریقت پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اہلُ اللہ کی پہچان بھی یہی ہے کہ ان کے دلوں پر ایسے کلام سے رقت طاری ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی اس کو پڑھ کر قطعاً متاثر نہ ہو تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس کے دل میں طریقت قبول کرنے کی صلاحیت موجود نہیں۔ جس قدر زیادہ رقت ہو اسی قدر زیادہ خدا کا قرب نصیب ہوگا۔ راقم الحروف نے کلام کو بہت مختصر کرنے کی کوشش کی ہے ورنہ ان بزرگوں کی داستانیں بہت طویل ہیں۔ اس کلام پر غور کریں اور اپنی دنیا کو ان کے نقوش پر ڈھالنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے حسبِ استطاعت عمل کرنے کی توفیق کا سوال کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

اولیاء کی صحبت، ان کی باتوں کا پڑھنا سننا اور سنانا باعث رحمت ہے

زیرِ نظر کتاب میں حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ کے احوال، مواجید، مناقب، مقالات اور حیرت انگیز کارناموں کو اس لئے لکھا گیا ہے تا کہ اس سے قارئین کو روحانی کیفیات کی سربلندی کا سامان مہیا ہو سکے۔ ان دونوں بزرگوں کے احوال اور کوائف اس نوعیت کے حامل ہیں کہ یہ دونوں حضرات اولیائے کرامؒ کے بلند مقامات اور خوبیوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ اس غرض سے بھی سود مند ہے کہ اس میں اولیائے کرامؒ کی صحبت اور ان کے روحانی معاملات کا مطالعہ کرنا، ان کی کتابوں کا پڑھنا، ان کے متعلق سننا اور سنانا غرضیکہ ان کے ساتھ کسی قسم کا روحانی یا معنوی تعلق قائم کرنا نزول رحمت باری تعالیٰ کا سبب بنتا ہے۔ اولیائے کرامؒ کے ساتھ جس طرح کے بھی تعلقات یا روابط رکھے جائیں وہ قارئین اور مشتاقانِ اولیاء کے لئے قرب الٰہی کا ایک خوبصورت اور زود اثر ذریعہ بنتے ہیں۔

زیرِ نظر تحریر میں اولیائے کرامؒ کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے چند مفید محرکات کا ذکر کیا جائے گا جن کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ اولیائے کرامؒ کے ساتھ روابط کیسے قائم کئے جا سکتے ہیں اور ان روابط سے کیا فوائد مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان محرکات کو حسب ذیل نکات میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ بزرگوں سے تعلق قائم کرنا ہی قرب الٰہی کا باعث ہے

یوں تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے تعلق قائم کرنا بذات خود ایسا امر ہے جس سے ان کے چاہنے والوں پر اولیاء کرامؒ کا رنگ غالب ہونا شروع ہو جاتا ہے مگر اس جگہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مشائخ عظام نے اولیائے کرامؒ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے کن محرکات کو بروئے کار لانا ضروری خیال کیا ہے۔ ان محرکات میں سے سب سے زیادہ مؤثر محرک اولیائے کرامؒ کے ساتھ ہمنشینی کا شرف حاصل کرنا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''صحبت صالح ترا صالح کند ''یعنی اچھوں کی صحبت سے اچھا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ شیخ سعدیؒ کے وہ اشعار جس میں انہوں نے اس خوشبودار مٹی کی مثال پیش کی ہے کہ جو چند روز پھولوں کی صحبت میں رہی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس مٹی نے اپنے اندر پھولوں کی سی خوشبو پیدا کر لی۔ اس صحبت کے فیض کے متعلق مٹی کی زبان کی ترجمانی کرتے ہوئے آپؒ لکھتے ہیں کہ

جمال ہمنشیں بر من اثر کرد و گرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(میرے ہمنشیں کے جمال نے مجھ پر اثر کیا (کہ میں خوشبودار ہوگئی) ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو پہلے تھی)

۲۔سنگت کے اثرات

پھولوں کی مذکورہ ہمنشینی کے علاوہ بہت سی اور مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ان میں ایک مثال مولانا رومیؒ نے لوہے کو آگ میں گرم کرنے کے ساتھ دی ہے۔ جس کا ذکر ہماری تصنیف ''حسن نماز'' کے صفحہ نمبر ۵۷۸ پر موجود ہے۔ اس مضمون کا عنوان ''اللہ کے رنگ میں رنگا جانا عبادت ہے'' لکھا گیا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جن میں مولانا رومیؒ نے لکھا ہے کہ لوہا آگ کی صحبت میں جا کر کہتا ہے کہ۔

رنگ آھن محوِ رنگ آتش است ز آتشی می لافد و خامش وش است

(لوہے کا رنگ آگ کے رنگ میں گم ہوگیا، گو لوہا خاموش ہے مگر آگ ہونے کی ڈینگ مارتا ہے)

چوں بسرخی گشت ہمچوں زرِ کاں پس انا النار ست لافش بے زباں

(جب وہ لوہا کان کے سونے کی طرح ہوگیا، تو اپنی بے زبانی سے آگ کا دعویٰ کرنے لگا)

شد ز رنگ و طبع آتش محتشم گوید اُو من آتشم من آتشم

(لوہا آگ کی رنگ اور طبع پانے سے شاندار ہوگیا، وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میں آگ ہوں)

آتشم من اگر ترا شک است و ظن آزموں کن دست را بر من بزن

(میں آگ ہوں! اگر تجھے شک یا ظن ہے تو آزما کے دیکھ لے اور مجھ پر اپنا ہاتھ ڈال)

آدمی چوں نور گیرد از خدا ہست مسجود ملائک زاجتبا(۲: ۱۳۵۳)

(آدمی نے بھی جب خدا سے نور حاصل کرلیا تو برگزیدہ ہوجانے کی وجہ سے فرشتوں کا مسجود بن گیا)

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ دیکھو! بے جان روٹی جب کسی جاندار کی صحبت میں آتی ہے تو وہ روٹی زندہ ہو جاتی ہے اور اس کی جان کا ہی حصہ بن جاتی ہے۔ بے نور لکڑی جب آگ کی ساتھی بن گئی تو اس کی ظلمت جاتی رہی اور وہ سراپا نور بن گئی۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ رباب (سارنگی) کے تار اور لکڑی بھی خشک اور بے جان ہوتی ہے لیکن سارنگی نواز کی انگلیوں کی حرکت سے اس میں دوست کی آواز آنے لگتی ہے اور اپنے بہت گہرے رازوں کو چھیڑ دیتی ہے جس کو اگر بیان کیا جائے تو پوری دنیا تباہ ہو جائے۔ مولانا رومیؒ کی مثنوی کا پہلا

شعر "بشنواز نے چه حکایت میکند" کی تشریح میں مولاناؒ نے بہت سے اسرار کو فاش کیا ہے اور آپؒ نے ثابت کیا ہے کہ انسان کی بانسری کا ایک سرا خدا کے منہ کے ساتھ ہے اور جب یہ بانسری کسی کے منہ میں لگ جائے بانسری نواز اس میں بہت عجیب ساز اور سوز کی باتیں نکالتا ہے۔ صرف اس ایک شعر پر "بحر العلوم" کے نام سے ایک ہزار صفحات کی کتاب لکھی گئی ہے اور بانسری سے بانسری نواز کیا کیا راگ نکالتا ہے اس کی بہت طویل تشریح کی گئی ہے۔ ان تمام مثالوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انسان جب اچھے لوگوں کی صحبت میں چلا جاتا ہے تو وہ ان کے اوصاف اپنالیتا ہے چنانچہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر ان کے اوصاف حاصل ہو جاتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۳۸ میں ہے کہ "صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً" (ہم نے خود کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیا اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہوگا)۔

۳۔ اللہ والوں کا تذکرہ بھی نزول رحمت الٰہی کا باعث ہے

مشائخ عظام کا قول ہے کہ اولیاء کرامؒ کے ساتھ ہر قسم کا تعلق رکھنا فائدہ سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی باتوں کو پڑھنا، سننا اور سنانا، کتاب اللہ اور حدیث نبوی ﷺ کے بعد بلند درجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ اولیاء کرامؒ وفات پا کر ہماری نظروں سے بظاہر اوجھل ہو چکے ہوں تب بھی ان کے متعلق گفتگو کرنا اور سننا ان بزرگوں کے ساتھ صحبت معنوی میں شامل ہے۔ راقم الحروف اس بات کا خود اقرار کرتا ہے کہ جب وہ ان اولیائے کرامؒ کی تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے تو بالیقین ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ان کے ساتھ ہم کلام ہے یا وہ خود اپنے کلام کو ہمارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ جب ان بزرگوں کی تصانیف کے چند اوراق کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ان بزرگوں کی رفعتِ شان اور بلندیٔ کمالات کے باعث قاری متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پڑھنے والوں کے دلوں میں مطالعہ کے دوران ایسے تاثرات ملتے ہیں جیسا کہ واقعی آج بھی وہ زندہ ہیں اور ہم سے ہم کلام ہو رہے ہیں۔ ان ہی مطالب کے ساتھ ان کے کلام کے مطالعہ کرنے کے فعل کو صحبت معنوی کا درجہ دیا جاتا ہے۔

اولیائے کرامؒ وہ مبارک ہستیاں ہیں کہ جہاں ان کا ذکر ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اولیائے کرامؒ کی برکت سے آسمان سے مینہ برساتا ہے اور زمین سے نباتات اگاتا ہے۔ یہ دونوں احادیث حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں بیان فرمائی ہیں۔

[1] حلیۃ الاولیاء، جلد ۷، صفحہ ۲۸۵۔

(۱) تَـنْـزِلُ الـرَّحْـمَةُ عِـنْـدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ [۱] یعنی رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے جہاں صالحین کا ذکر ہوتا ہے۔

(۲) بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ [۲] ابدال (اولیاء) کے طفیل بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے مخلوق کو رزق ملتا ہے۔

حضرت محمد پارساؒ (خلیفہ دوئم حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ متوفی ۸۲۲ھ) باوجود کمالات صوری اور معنوی کے حضرات خواجگان قدس اللہ ارواحھُم کے رسالوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اوران کلمات قدسیہ کو اپنے ساتھ رکھنا اوران کا مطالعہ کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ رشحات ص ۲۲۸ میں ہے کہ حضرت شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ انصاری ہروی قدس سرّہٗ نے اپنے مریدوں کو وصیت کی تھی کہ ہرایک پیر کا کوئی نہ کوئی کلام یاد کرلو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو ان کا نام ہی یاد رکھو تاکہ ان سے فائدہ اٹھاسکو۔ (بہارستان جامیؒ ص ۴)

گرد مستاں گرد گرچہ مے کم است مے اگرچہ کم است رویت ایشاں بس است

(مستوں کے گرد چکر لگاؤ کیونکہ اگر شراب نہ بھی ملے تو ان کا دیکھ لینا بھی بہت ہے)

''نفحات الانس'' میں مولانا جامیؒ رقم طراز ہیں کہ ایک حدیث میں اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز ایک بندہ بدکرداری کے باعث ناامید ہو جائے گا تو حق تعالیٰ اس کو فرمائے گا کہ اے میرے بندے! کیا تو فلاں محلہ میں فلاں عارف دانش مند کو پہچانتا تھا۔ وہ جواب دے گا کہ ہاں اے اللہ تعالیٰ میں اس کو پہچانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ جا میں نے تجھے اس کے طفیل بخش دیا۔ جب صرف شناخت ولی ہی وسیلہ نجات ہو تو اولیاء اللہ کی دوستی ومحبت اوران کی سیرت کی اتباع بطریق اولیٰ نجات کا وسیلہ ہوگی۔

۴۔ مشائخ کی طرف توجہ کرنے سے ان کی مدد حاصل ہوتی ہے

یہ تو سیدھی سادی بات ہے کہ جو اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اس کو یاد کرتا ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ ۲:۱۲۹) تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

کہا جاتا ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے مگر وہ راہ جو اللہ تک جاتی ہے سب سے زیادہ قوی اور مصدقہ ہوتی ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (جو کامل عارف باللہ تھے) اس آیت سے پہلی آیت کی تفسیر

[۱] تفسیر السلمی، متوفی ۴۱۲ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۳۔

[۲] کشف الخفاء، حدیث ۱۷۷۲، جلد ۲، صفحہ ۶۳۷۔

میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "یُعَلِّمُکُمْ" دوبار آیا ہے جس سے مراد کتاب اور حکمت کی تعلیم ہے اور دوسری بار "یُعَلِّمُکُمْ" سے مراد علمِ لدنی ہے جو قرآن کے باطن اور رسول اللہ ﷺ کے مبارک سینے سے انعکاس کی صورت میں ملتا ہے۔ اس انعکاس میں ماہتابِ رسالت کی شعاعیں دل کے آئینے میں منعکس ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اولیائے کاملین جو انوارِ رسالت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وہ بھی اپنے مریدان باصفا پر اس قسم کے علوم کا القاء اور فیضان فرماتے ہیں۔

حضرت علامہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ "فَاذْکُرُوْنِیْ" کے معارف حاصل کرنے کا طریقہ صرف القاء اور انعکاس ہے اور ذکر الٰہی اور مراقبے سے ہی دل میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے پرنور سینہ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیضان یا القاء قبول کر سکے۔ اس لئے حکم دیا کہ میرا ذکر کیا کرو۔ کثرت ذکر سے ہی تم اس مقام پر فائز ہو جاؤ گے جہاں انوار اور تجلیات کی بے پایاں بارش ہوتی ہے اور دوری کے حجابات یکسر الٹ دیئے جاتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی (متفق علیہ) میں ہے کہ میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی میں اس سے معاملہ کرتا ہوں۔ اگر وہ دل میں مجھے یاد کرے تو میں بھی ایسے ہی اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ مجمع عام میں مجھے یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر بندہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں ایک قدم اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔[1]

مذکورہ بیان سے ثابت ہوا کہ جو اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اسے یاد کرتا ہے اور رسول ﷺ کے سینۂ پرنور سے اس کو بذریعہ انعکاس فیضان و القاء حاصل ہوتا ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔ جو مرید اپنے شیخ سے توجہ طلب کرے تو اس کو توجہ دی جائے گی بلکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ تو فرماتے ہیں کہ مرید بوقت ذکر اور مراقبہ اپنے سلسلے کے بزرگوں سے توجہ اور ہمت طلب کرے اور ہمہ تن ان کی طرف متوجہ رہے (دیکھئے ص ۳۲۸ حضور قلب از مولف اور مزید دیکھیں مکتوبات ربانی مکتوب نمبر ۱۹۰ دفتر اول حصہ سوم)۔ اس کے علاوہ مکتوب نمبر ۵۸، ۴۷ اور ۲۴ حصہ ہفتم دفتر دوم میں بھی کافی تفصیل موجود ہے۔

مشائخ کرامؒ کے تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنے سلسلے کے بزرگوں سے توجہ طلب کرنے سے ان کی استعانت اور امداد سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی امڈ آتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۹۷۰، جلد ۶، صفحہ ۲۶۹۴۔

مکتوبات شریف (مکتوب نمبر ۹۰ دفتر اول حصہ سوئم ص ۴۲۸ ترجمہ محمد سعید احمد) میں فرمایا ہے کہ مراقبہ کرنے سے پہلے مرید پر لازم ہے کہ قبلہ رُو ہو کر توجہ کو ہر طرف سے ہٹا کر کلیۃً اس طریقہ عالیہ کے بلند مرتبہ اکابرین کی طرف کر لے اور ان سے ہمت اور توجہ طلب کرے۔ اس کے بعد آپؒ مراقبے کے طریقے کی ہدایات مکتوبات ربانی میں بیان فرماتے ہیں۔ مذکورہ مکتوب شریف میں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر بوقت ذکر الٰہی بے تکلف پیر کی صورت ظاہر ہو تو اسے بھی دل میں لے جائے اور دل میں بٹھا کر ذکر کرے۔ اسی ضمن میں آپؒ اپنے مریدوں کی توجہ کو اپنے شیخ کی طرف مبذول کرنے پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''تم جانتے ہو کہ پیر کیسی ہستی ہے؟ پیر وہ ذات ہے کہ جناب خداوند قدوس تک پہنچنے کے لئے تم اس سے استفادہ کرتے ہو اور اس سے اس راہ میں طرح طرح کی مدد و اعانت حاصل کرتے ہو خالی کلاہ، چادر اور شجرہ جو مروج ہو چکا ہے پیری و مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور عادات و رسوم میں داخل ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ شیخ کامل کا کرتا بطور تبرک اپنے پاس رکھے اور اس کے ساتھ اعتقاد و اخلاص سے زندگی گزارے، شیخ کے کرتے کو پاس رکھنے میں ثمرات و نتائج کا قوی احتمال ہے''۔ (معلوم ہوا کہ شیخ کے تبرکات سے بھی فوائد مرتب ہوتے ہیں)۔

۵۔ انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے

اولیائے کرامؒ کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے بندے کو اس قدر بلند مرتبہ مل جاتا ہے کہ اسے اس بزرگ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس شخص کی نسبت کیا فرماتے ہیں جس نے ایک قوم (یعنی اولیاء کرامؒ) کو دوست رکھا مگر اسے ان کی ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا۔ (جس طرح ہم حضرت جنیدؒ اور بایزیدؒ کی ملاقات سے مشرف نہیں ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ [1] یعنی قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کو وہ دوست رکھتا تھا۔

ہماری تصانیف ''سنت مبارکہ'' اور ''اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں ایک باب محبت رسول ﷺ کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت رکھنے والوں کی شان میں

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۸۱۷، جلد ۵، صفحہ ۲۲۸۳۔

نازل ہونے والی آیات اور احادیث کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اولیائے کرامؒ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اس لئے ان سے محبت رکھنا بھی باعث رحمت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اکثر اس کا ذکر اس کی زبان پر رہتا ہے۔

مَنْ اَحَبَّ شَيْئاً فَاَكْثَرَمِنْ ذِكْرِهٖ [۱] جس کو کسی سے محبت ہو تو وہ اکثر اس کا ذکر کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ کا ارشاد ملتا ہے کہ جو کوئی مجھ سے محبت کرے گا جنت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔

مَنْ اَحَبَّنِیْ كَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّةِ [۲] جو مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔

سورہ النساء کی آیت نمبر ۶۹ میں ہے کہ ''فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا'' (جو لوگ خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں وہ آخرت میں گروہ در گروہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت میں ہوں گے۔ اس سلسلے میں اور بھی احادیث مروی ہیں مگر یہاں انہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

۶۔ اللہ کے حکم سے اولیائے کرامؒ مرنے کے بعد بھی لوگوں کو روحانی تربیت دیتے ہیں

مرنے کے بعد کی زندگی اگرچہ قرآن میں کافی حد تک واضح کر دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس زندگی سے بہتر ایک اور زندگی ہے، مگر کچھ لوگ اس مسئلے میں بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں کوئی شخص کسی کی مدد کرنے سے قاصر ہے، گویا انسان مرنے کے بعد کسی کی مدد نہ کرنے والی گھٹیا زندگی میں چلا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم انہیں اپنے ہاتھوں سے دفن کر آتے ہیں تو پھر ان کا قیامت سے پہلے دوبارہ زندہ ہونا کیسے ممکن ہے اور ان کا لوگوں کی مدد کرنا کیسے روا ہوگا؟ حالانکہ انسان کی اصل زندگی تو مرنے کے بعد کی زندگی ہے۔ ان کے اس اعتراض کا جواب یہی ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیات گواہی دیتی ہیں کہ بندہ مومن تو مرتا ہی نہیں اور اس دنیوی موت کے بعد وہ ایک نئی زندگی پا لیتا ہے لیکن تم

[۱] کشف الخفاء، حدیث ۲۳۵۲، جلد ۲، صفحہ ۲۸۹۔

[۲] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۰۲، جلد ۹، صفحہ ۲۸۹۔

لوگ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے (اسی لئے اس کا انکار کرتے ہو)۔ فرمان الٰہی ہے کہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ	اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں
اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ	مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور
لَّاتَشْعُرُوْنَ (البقرہ:۱۵۴)	نہیں۔

سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۹ میں یہاں تک فرمایا ہے کہ "بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" (یعنی وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس اور انہیں رزق دیا جاتا ہے) راقم الحروف کی تصنیف "حضور قلب" صفحہ ۶۶ تا ۷۳ مطالعہ کریں وہاں اس آیت کی کافی تفصیل دے دی گئی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ موت تو مسلمان کو ایک نئی زندگی عطا کر دیتی ہے۔

بندۂ آزاد را شانے دگر مرگ اُو را می دھد جانے دگر (ج ن:۷۷۳)

(بندہ آزاد کی تو شان ہی اور ہوتی ہے، موت تو اُس کو دوسری زندگی عطا کر دیتی ہے)

کشادِ دردِ دل سمجھتے ہیں اس کو ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

(ب ج : ۳۹۷)

راقم الحروف کی دیگر کتب مثلاً "اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ، رابطہ شیخ اور حسن نماز" وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے تو موت کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور یہی وجہ ہے کہ حکماء کی نظر میں موت کو نقل مکانی کہا جاتا ہے۔ علامہؒ نے فرمایا کہ موت تو وہ چیز ہے کہ جس سے تو موت کی بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندہ مومن مرتا نہیں بلکہ روپوش ہوتا ہے یہودیوں اور دیگر اسلام دشمن جماعتوں نے مسلمانوں کو پستی کی طرف لے جانے کے لئے یہ تصور دیا ہے کہ موت ایک بھیانک چیز ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اس موت سے ڈرتے رہیں اور شہادت کا جام پینے سے گریز کریں تاکہ کفار کے مقابلے پر آمادہ جنگ نہ ہوسکیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی موت سے ڈرنے کو ناپسند فرمایا ہے اور فرمایا کہ میری امت پر زوال نہیں آئے گا اور اگر آئے گا تو دو باتوں سے۔ ایک مال کی محبت سے اور دوسرے موت کے خوف سے۔

جوہرِ انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں (ب د : ۳۴)۲)

افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ایک طبقے نے کفار کے مذکورہ فلسفہ موت کو تسلیم کرلیا ہے اور اس پر شدت اختیار کر چکے ہیں اور بزرگوں کی آخرت کی زندگی اور موت کے بعد کے تصرفات کے تسلیم کر لینے کو شرک اور کفر سے تعبیر کرتے ہیں۔ بیعت کا اعلیٰ اور ارفع عمل جس کو لاکھوں مشائخ اسلام نے اپنایا ہے (جس میں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی شامل ہیں) مگر کفار کی غلط تاویلات سے اس گروہ نے بیعت کے جواز سے بھی انکار کر دیا۔ (دیکھیں ہماری تصنیف بیعت کی تشکیل اور تربیت) یہ تمام غلط عقائد دشمنانِ اسلام نے بہت مال و دولت خرچ کرنے کے بعد مسلمانوں میں رائج کئے ہیں اور بعض مفاد پرست مسلمانوں کو بغیر تحقیق کے ضروریات اسلام سے روگردانی کرنے پر برانگیختہ کیا ہے۔ علامہؒ نے پنجابی مسلمان کے لئے فرمایا ہے۔

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت　　کرے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد

تاویل کا پھندہ کوئی صیاد لگا دے　　یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا　　ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

(ض ک: ۵۲۳)

زندہ بزرگوں کی ملاقات فوت شدہ گان سے ہونے کے بہت سے واقعات کتب روحانیہ میں ملتے ہیں۔ ''مشاہدہ حق'' (از کیپٹن واحد بخش سیال) میں منقول ہے کہ شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی روحانی تربیت براہِ راست بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے ہوئی اور ان ہی سے آپؒ نے طریقہ معرفت کی تربیت پائی۔ مصنف مذکور نے یہ لکھا ہے کہ شیخ کی تربیت کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جا کر فلاں شخص کی بیعت کرلو تا کہ سلسلہ بیعت جاری رہے۔ اویسی نسبت اس گفتگو پر زندہ مثال ہے اور یہ وہ سلسلہ ہے کہ جس میں ایسے فوت شدگان بزرگوں کی ارواح سے فیض حاصل کرنے کا تعلق رہتا ہے اور سلسلہ اویسیہ ابھی تک جاری و ساری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''فیوض الحرمین'' میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے حج کے موقع پر حضور ﷺ کو ظاہراً و عیاناً دیکھا اور یہ بات درست ہے کہ حضور ﷺ خوابوں میں چند لوگوں کو شرف زیارت عطا فرماتے ہیں اور لوگوں کی اعانت بھی فرماتے ہیں۔ شاہ صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی اصلی صورت کریمہ میں بارہا دیکھا ہے اور یہ حدیث شریف صحیح ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو موت نہیں آتی اور وہ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کے موقعہ پر حج بھی کیا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں نے آپ ﷺ پر سلام بھیجا تو آپ ﷺ مجھ

سے خوش ہوئے اور اہل قبور کو جو لوگ قبروں پہ آ کر سلام کرتے ہیں تو وہ ان کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''الفوز الکبیر'' میں فرمایا ہے کہ میں نے قرآن پاک، حضور ﷺ کی روح پر فتوح سے پڑھا ہے اور میں آپ ﷺ کا اویسی ہوں ''فیوض الحرمین'' میں اس بات کا ذکر بھی ہے کہ شاہ صاحبؒ نے حضور ﷺ سے عالم بیداری میں بالمشافہ اور خواب کی حالت میں بھی احادیث سنی ہیں۔ کچھ احادیث کی آپ ﷺ نے اصلاح فرمائی اور شاہ صاحب نے اس مجموعہ کا نام ''درثمین'' رکھا۔ اس قدر معلومات حاصل ہو جانے کے بعد ایسی باتوں پر یقین نہ کرنے والا شخص سوائے شقی القلب ہونے کے اور کون ہو سکتا ہے؟ ایسے لوگ وفات شدگان بزرگوں کے فیضان سے بھی محروم رہتے ہیں اور بقول عزالدین بن عبد السلامؒ ان لوگوں کے چہروں پر راندہ درگاہ ہونے کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ راقم الحروف کی تصنیف ''رابطہ شیخ'' کے صفحہ نمبر ۲۲۹ میں ایک باب بعنوان ''اولیاء اللہ کی طرف سے مدد حقیقتاً اللہ کی مدد ہے'' میں وفات شدگان کے ساتھ براہ راست اس زمانہ کے لوگوں سے ملاقات کی بہت سی مستند روایات شامل کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ مذکورہ کتاب کے باب ''کشف القبور'' میں بھی ایسی بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں۔ ''جامع کراماتِ اولیاء'' جو علامہ یوسف نبہائیؒ کی ایک معرکۃ الآراء کتاب ہے، میں بھی لاتعداد ایسے واقعات وفات شدگان کی کرامات پر بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۷۔ بزرگوں کی تالیفات اللہ کے لشکروں میں سے ہیں جن سے لوگوں کو روحانی قوت ملتی ہے

تالیفات خواہ دنیوی علم سے متعلق ہوں خواہ دینی، ہر قسم کی تالیفات سے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ علم بندے کی زندگی کا مددگار اور معاون بن جاتا ہے۔ جتنی زیادہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے وہ انسانی قابلیت میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ جہاں تک دینی باتوں کا تعلق ہے تو وہاں بھی قرآن کی تلاوت کرنا، وظائف کا باقاعدگی سے پڑھنا، نیکی کے کاموں میں اشتیاق کا ہونا، ذکر اور فکر میں محو رہنا یہ سب ایسے کام ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو اللہ کی مدد حاصل ہو جائے تو یہ انسان کی روحانیت میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ بزرگوں کی تالیفات کا مطالعہ کرنے سے بھی روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے جس سے روحانی مدارج میں بلندی واقع ہو جاتی ہے۔ اولیائے کرامؒ کی تالیفات کے مطالعے سے سالک کی روح کا

مؤلف کی روح سے تعلق اور رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔

مذکورہ فوائد کے علاوہ مشائخ کرامؒ کے احوال کا مطالعہ کرنے پر اور بھی کئی فوائد مرتب ہوتے ہیں سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ جو لوگ بزرگوں کی تالیفات یا تحریرات کا مطالعہ کرتے ہیں ان کو ان بزرگوں کے ساتھ روحانی نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ شیخ یا مرشد چونکہ عالم ملکوت کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے تو جو مرید اپنے شیخ سے مل جائے یا رابطہ قائم کر لے تو وہ بھی عالم ملکوت کے ساتھ تعلق حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ نیک صحبت میں آنے کے بعد بری صحبت یا منکرین اور فاسقین کے زہریلے اثرات سے بچ جائے گا اور ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا کہ مشائخ کی حکایات کا مطالعہ کرنے سے مریدوں کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ تو آپ نے جو فرمایا اُسے ''رسالہ قشیریہ'' میں ابوالقاسم قشیریؒ نے حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے۔

اَلْحِکَایَاتُ جُنْدٌ مِنْ جُنُوْدِ اللّٰہِ يُقَوِّیٰ بِهَا قُلُوْبَ الْمُرِیْدِیْنَ [1]	حکایات مشائخ خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے اللہ مریدوں کے دل مضبوط کرتا ہے۔

اس پر حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ کیا مذکورہ بالا قول پر کوئی شاہد ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ ہاں اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے۔

وَ کُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ (ھود: ۱۲۰)	پیغمبروں کی سرگزشتیں اور یہ سب جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں یہ اس لیے ہیں کہ پختہ کر دیں اس سے آپ کے قلب (مبارک) کو۔

اسی آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ہمارا ان احوال کا بیان کرنا حق بات ہے اور یہ نصیحت ہے اور یاددہانی ہے اہل ایمان کیلئے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے قرآن میں اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا قلب مبارک مستحکم اور مضبوط ہو جائے بلکہ آپ ﷺ کے غلاموں کو بھی تسکین اور اطمینان کی دولت نصیب ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا منشاء بھی یہی ہے کہ بزرگوں کی آزمائش کے واقعات سننے سے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے، لہٰذا مریدوں کے دلوں کو ایسی باتیں سننے سے ثبات و قوت اور عزم و

[1] تاریخ بغداد، جلد ۳، صفحہ ۷۵۔

استقامت پیدا ہوتی ہے۔ مولانا جامیؒ نے بہارستان میں حضرت جنیدؒ کے اس قول کو یوں منظوم کیا ہے۔

هجوم نفس و هوا کز سپاه شیطانند — چو زور بر دل مرد خدا پرست آرد

(نفس اور ہوس کے ہجوم جو کہ شیطان کے سپاہیوں سے آتے ہیں، جب مرد خدا پرست کے دل پر زور پکڑتے ہیں)

بجز جنود حکایات رهنمایاں را — چه تاب آنکه براهزناں شکست آرد

(سوائے بزرگوں کی حکایات کے لشکر کے، اور کس کی ہمت ہے کہ ایسے رہزنوں کو شکست دے)

۸۔ مشائخ سے جس قدر قوی عقیدت ہو فائدہ بھی اسی قدر ہوگا

مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ مشائخ سے عقیدت کا ہونا بہت بڑی بات ہے۔ اگر سچ پوچھیں تو یہ روحانیت کا چرخہ پورے کا پورا عقیدت کے گرد ہی گھومتا ہے۔ اس میدان میں کامیابی صرف وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقیدت میں پختہ ہوتے ہیں۔ ایک شیخ کے اگر لاکھوں مرید ہی کیوں نہ ہوں ان میں صرف دس بیس ہی ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں جن کو شیخ سے پیار اور عقیدت ہوتی ہے باقی سب کے سب رسمی بندھن کے رشتے میں بندھے ہوتے ہیں۔ اگر موقع ملا تو کسی کتاب میں اس عشق اور محبت کی کچھ داستان بیان کی جائے گی جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے درمیان موجود تھی۔ اس کا خلاصہ مطلوب ہو تو یہ دیکھ لیں کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے امیر خسرو کے ساتھ اپنی محبت سے متعلق اپنی خواہش کا اظہار یہ فرمایا تھا کہ اگر شریعت اجازت دیتی تو میں یہ وصیت کرتا کہ امیر خسروؒ کو اور مجھ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے۔ ادھر حضرت امیر خسروؒ کا یہ حال تھا کہ اپنا سارا مال دے کر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی وہ پھٹی پرانی جوتیاں خرید لیں جو نے ایک قوال کو بخش دی تھیں۔ قوال کا قافلہ جب امیر خسروؒ کے قافلے کے سامنے آیا تو آپؒ نے فرمایا کہ مجھے اس قافلے میں اپنے شیخ (نظام الدین اولیاءؒ) کی خوشبو آ رہی ہے۔ تلاش کرنے سے مذکورہ جوتیاں دستیاب ہوئیں تو آپؒ نے بیش بہا دولت کے عوض ان کو خرید لیا اور انہیں اپنے سر پر رکھ کر حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے دربار میں حاضر ہوئے۔ امیر خسروؒ کی یہ حالت دیکھ کر آپؒ نے فرمایا ''امیر خسرو! تم نے بہت سستا سودا خرید کیا ہے''۔
حضرت امیر خسروؒ کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے اس قدر محبت تھی کہ آپؒ کے متعلق لوگوں کا یہ خیال تھا کہ امیر خسروؒ بت پرستی کی حد تک اپنے شیخ سے محبت کرتے ہیں۔ اس الزام تراشی کو آپؒ نے درج ذیل شعر میں بیان فرمایا اور اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔

خلق می گوید که خسروؒ بت پرستی می کند ارے آرے می کنم، باخلق و عالم کار نیست

(تمام مخلوق کہتی ہے کہ خسرو بت پرستی کرتا ہے، ہاں ہاں میں بت پرستی کرتا ہوں اس سے خلق اور سارے عالم کو کیا کام)

عشق کی داستان اور اس کی حقیقت کی کہانی سننا ہو تو ہماری تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ'' کا مطالعہ فرمائیں جس میں مولانا رومیؒ کی مثنوی سے ایک گڈریئے کا اللہ سے پیار کی باتوں کا تذکرہ نقل کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مولانا نے فرمایا ہے کہ محبت اور عشق کا مذہب ہی الگ ہے اور اس کی شریعت بھی الگ ہے۔

خوں شہیداں را ز آب اولیٰ تر است　　　　ایں خطا از صد صواب اولی تر است

(شہیدوں کیلئے خون پانی سے بہت بلند تر ہے، ان کی یہ غلطی سینکڑوں صواب کے کاموں سے بہتر ہے)

ملت عشق از همه ملت جدا است　　　　عاشقاں را ملت و مذهب خدا است

(عشق کا مذہب تمام مذاہب سے جدا ہے، عاشقوں کیلئے ملت و دین ہی اللہ تعالیٰ ہے) (۲:۱۷۷۰)

اگر اس ذوق اور شوق سے اپنے شیخ کے ساتھ تعلق قائم کر لیا جائے تو سالک کے ذکر و فکر اور عبادات واجبہ اور نوافلہ کا معاملہ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے۔

''مراۃ الاسرار'' میں ہے کہ لفظ ''اللہ'' کے ذکر اور مراقبہء خلوت میں مرید کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے اور اپنے شیخ کی روح کو وسیلہ سمجھنا چاہیے۔ اس کام میں فائدہ اسی قدر ہو گا جس قدر شیخ سے نسبت یا عقیدت ہو گی۔ بزرگوں کے ساتھ عقیدت کا ہونا دراصل اللہ کے ساتھ عقیدت ہے، جس طرح تواضع تو لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے مگر حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہوتی ہے، کیونکہ اگر تواضع اللہ کے لئے نہیں تو یہ بات ریا کاری میں شامل ہو گی۔ ان معنوں میں پیروں کو بظاہر آثار قدرت سمجھنا چاہیے اور ان کے ہونے کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ اولیائے کرامؒ کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے کے دوران ان اولیاء کرامؒ کا فیضان قاری کے دل میں آتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور مصنف کی خیالی تشبیہہ قاری کی نظروں کے سامنے گھومنے لگتی ہے اور ایسی خیالی تصویریں محض خیالی نہیں۔ کئی بار ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ان بزرگوں کے خیالی اجسام کے خاکے ذہنوں میں آ جاتے ہیں اور روحانی فیضان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو بڑھتے بڑھتے کمال اتصال کی صورت اختیار کرتا ہے۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے روحانی اجسام قاری کے سامنے رونما ہو جاتے ہیں اور وہ ان کی روحوں سے گفتگو بھی کرنے لگتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کے متعلق بہت سی کتابوں میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے مولانا رومیؒ کے ساتھ نہایت مفصل گفتگو کی ہے اور علامہ اقبالؒ کا کہنا ہے کہ فلسفہ خودی کا تصور ان کو مولانا رومیؒ نے عطا فرمایا ہے۔ علامہ اقبالؒ کی ملاقات مولانا رومیؒ سے اکثر اوقات خواب میں ہوا کرتی تھی اور کبھی ان کا مثالی جسم علامہؒ کے سامنے رونما ہو جاتا تو روبرو گفتگو کرنے کا شرف بھی حاصل ہو جاتا۔ علامہ اقبالؒ کے خادم علی بخش کا بیان ہے کہ جب علامہ اقبالؒ انارکلی میں رہتے تھے تو رات کو دو بجے انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ ابھی ابھی مولانا رومیؒ میرے کمرے سے باہر نکلے ہیں اور جلدی سے جا کر انہیں واپس بلا لاؤ۔ علی بخش نے کہا اس وقت تو یہاں کوئی بندہ نظر نہیں آتا تو علامہ اقبالؒ نے فرمایا باہر جا کر دیکھو تو سہی وہ ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں۔ علی بخش کافی دور تک گیا لیکن وہ مولانا رومیؒ کی تلاش میں ناکام رہا۔ اس موضوع پر کلام بہت وسیع ہے۔ ایسے لا تعداد واقعات ملتے ہیں جن میں رفتگانِ دنیا کی روحوں سے بزرگوں کی ملاقاتوں کا ذکر آتا ہے۔

i۔ صحبت صالحین سے عقلوں اور روحوں پر اثر ہوتا ہے

بزرگوں کا قول ہے کہ جب کسی بزرگ کے ملفوظات کا سالک توجہ سے مطالعہ کرتا ہے تو صاحب کتاب کی روح بھی (خواہ مصنف زندہ ہو یا وصال کنندہ ہو) اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور پڑھنے والے کا تزکیہ کرتی ہے کیونکہ روح کے لئے مکان و زمان اور موت و حیات کی پابندی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بسا اوقات زندہ انسانوں کی ارواح اپنے معتقدین کی امداد کیلئے حاضر ہو جاتی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدد کرنے والے کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ اس کی روح کسی کی مدد کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی۔

سورۃ النور میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے اللہ نور السموت والارض یعنی اللہ تعالیٰ کا نور ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ چونکہ عقل بھی ایک نور ہے اس لئے جتنا کوئی اللہ کے قریب ہوگا اس کی عقل میں اضافہ ہوگا۔ (کافر اور منکرینِ طریقت نے چونکہ اللہ کے نور کو تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی مذہب اسلام کو مانتا ہے اس لئے وہ اس نور سے مستفید نہیں ہو سکتا)۔ انبیاء کرام ﷺ اور اولیاء کرامؒ چونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر چکے ہوتے ہیں اس لئے ان کی عقلیں عام انسانوں سے بڑھ جاتی ہیں اور اللہ کے نور سے منور ہوتی ہیں۔ لہٰذا جو لوگ ان بزرگوں کا قرب حاصل کریں ان کی عقلوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قرب میں جب دیوانے بھی آ جاتے تو عقل کی باتیں کرنے لگتے۔ صحابہ کرامؓ کس قدر فیضیاب

ہوئے اس کا اندازہ ان کے کارناموں اور کمالات سے ہوتا ہے۔ انگریزوں کو لوگ عقل مند کہتے ہیں لیکن ان کی عقل بجلی اور بھاپ کی مشینوں تک محدود ہے وہ اگر عقلمند ہوتے تو اسلام قبول کر لیتے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اولیاء اللہؒ کے پاس بیٹھنے والوں کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ باقی جو مجاہدات کروائے جاتے ہیں اور جو انعامات اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں وہ اس (خاتمہ بالخیر) کے علاوہ ہیں۔

احادیث میں دعائے توجہ منقول ہے جو آپ ﷺ نے ایک نابینے کو عطا فرمائی۔ نوافل توجہ (جس میں توجہ طلب کی جاتی ہے) کے پڑھنے سے اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ ترمذی و نسائی نے جو حدیث نقل کی وہ حسب ذیل ہے۔ امام بیہقیؒ اور طبرانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ آپ ﷺ نے نابینا کو ارشاد فرمایا کہ وہ یوں دُعا کرے۔

اَللّٰھُمَ اِنِّیُ اَسۡئَلُکَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیۡکَ	یا اللہ میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں اور تیرے
بِـنَبِیِّکَ مُـحَـمَّـدٍ نَبِیِّ الرَّحۡـمَةِ	نبی الرحمۃ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ یا محمد ﷺ میں
یَامُحَمَّدُ اِنِّیُ تَوَجَّهۡتُ بِکَ اِلٰی رَبِیُ	نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا
فِیُ حَـاجَتِـیُ هٰذِہٖ لِتُقۡضٰی لِیُ اَللّٰھُمَ	ہے اس ضرورت میں تا کہ وہ پوری ہو یا اللہ تو میرے
فَشَفِّعۡهُ فِیَّ [1]	حق میں حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

ii۔توجہ باطنی سے اصلاح نفس آسان ہو جاتی ہے

توجہ باطنی کا ملنا توجہ باطنی وہ توجہ ہے جو مرشد کی طرف سے مرید کے باطن کو دی جاتی ہے اس توجہ سے اولیاء کرامؒ حاضرین کے قلوب کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ شیخ کا کام یہ ہے کہ وہ لطائف ستہ (نفس، قلب، روح، سر، خفی اور اخفی میں صفائی اور لطافت پیدا کرے) ان میں کثافت دور ہونے پر انوار چمکنے لگتے ہیں اور دل میں ذکر جاری ہو جاتا ہے اور روح کو تقویت ہوتی ہے۔ منازل فنا اور بقاء طے ہوتے ہیں اور روح کی پرواز تمام عوالم کی طرف شروع ہو جاتی ہے۔ جب ذکر سارے جسم میں جاری ہو جائے تو اسے سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ اس مقام پر سالک کو بہت لذت ملتی ہے بلکہ دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی (کیونکہ سالک پر انوار الٰہی کی بارش ہونے لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار میں جو لذت ہے اس جیسی لذت کسی شے میں حاصل نہیں ہو سکتی، اس طرح اللہ تعالیٰ کے انوار کی لذت بھی اپنی مثال آپ ہی ہوتی ہے)۔

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۳۸۵، جلد ۱، صفحہ ۴۴۱۔

جو لذت لطائف ستہ میں سے باقی لطائف کے حصے میں آتی ہے وہ نفس کو حاصل نہیں اور جو نفس کو لذت ملتی ہے مثلاً خواب وخورش اور مباشرت وذائقہ وغیرہ دوسرے تمام لطائف کی لذت سے ادنیٰ ہے۔ جب ان پانچ لطائف پر انوار برستے ہیں تو آدمی بے خود، سرمست اور محو ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ان لذات کو پا لیتے ہیں تو وہ کسی اور طرف نہیں جاتے بلکہ بعض اوقات تو سالک مشاہدات کی لذت میں اس طرح پھنس جاتا ہے کہ بالآخر وہ مجذوب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو کھانے پینے اور سونے کی خواہش بھی نہیں رہتی۔ جن لوگوں کو ان لذات کا علم نہیں وہ اس طرف راغب ہی نہیں ہوتے۔

توجہ باطنی کا جہاں تک لینے والوں کا تعلق ہے تو یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ مرید اگر اہل ہمت اور اہل استطاعت میں سے ہو تو وہ بذاتِ خود پیر سے توجہ طلب کر لیتا ہے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زبردستی توجہ طلب کر لیتا ہے کیونکہ توجہ ایک ایسا رواں دواں عمل (Flow) ہے جو اوپر کی سطح سے نیچی کی طرف بہہ نکلتا ہے یا اگر کوئی طالب نقب (سوراخ) کے ذریعے حاصل کر لیتا ہے تو اس توجہ کا دریا خود بخود بہنے لگتا ہے۔ اس حصول کے لئے توجہ حاصل کرنے کا طریقہ سیکھ لینا ضروری ہے اور اگر اپنے شیخ سے عقیدت ہو تو یہ کام بہت جلد جاری ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ لاانتہا توجہ کی طرح جاری رہتا ہے جو طالب عزم اور ہمت پر مبنی ہے۔ اولاد پر ابراہیمی توجہ ہو تو بچے سعادتمند ہوتے ہیں۔ یہی فیضانِ نظر کہلاتا ہے۔

توجہ کی چند مثالیں حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ اور حضرت معین الدین چشتیؒ نے ایک دن حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو درمیان میں رکھ کر کہا کہ آؤ فرید کو توجہ دیں۔ توجہ دینے کے بعد حضرت بختیار کاکیؒ نے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کو فرمایا کہ اپنے دادا پیر کے پاؤں پکڑ لو مگر آپؒ نے اپنے مرشد (حضرت بختیار کاکیؒ) کے پاؤں کو پکڑ کر کہا کہ مجھے صرف یہی پاؤں نظر آتے ہیں۔ توجہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر اور نفی کے بعد ''اللہ ہو'' کی ضرب دل سے نکالی جائے اور طالب یا مرید کی طرف اس ''ہو'' کی ضرب روانہ کی جائے تو مرید کو فیض پہنچنے لگے گا اور اسی طرح مرید اگر ''اللہ ہو'' کی ضرب کو مرشد کی طرف روانہ کرے اور پھر وہاں سے اپنے دل میں واپس لے تو مرید کو فیض پہنچنے لگے گا خواہ مرشد کتنی ہی مسافت پر کیوں نہ ہو۔

iii۔ وظائف اور اوراد سے توجہ کے اثرات بڑھتے ہیں

اولیائے کرامؒ اوراد و وظائف بطور معمول ہر روز پڑھتے ہیں۔ اس لئے ان میں روحانی طاقت اور

تصرف بڑھ جاتا ہے اور دوسروں پر ان کے اثرات مرتب ہونے لگتے ہیں۔ ان اوراد کی برکات اولیائے کرامؒ کے بدنوں سے نکل کر فضاء میں پھیلنا شروع ہو جاتی ہیں اور اس طرح خواہ وہ لوگوں سے بات نہ بھی کریں تو بھی لوگ متاثر ہوتے ہیں (جو موت کے بعد بھی عموماً جاری رہتے ہیں اور خصوصاً ان کی قبروں سے لوگوں کو فیض حاصل ہوتے ہیں)۔ عبادت کرنے والے بزرگ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں کہ دوسرے گناہ گار لوگوں کے اثرات ان کی عبادت کو ضائع یا کمزور نہ کر دیں۔ لہٰذا اسی وجہ سے وہ اپنے عبادت خانوں کو عام لوگوں کی پہنچ سے دور رکھتے ہیں بلکہ کئی بزرگ تو شہر سے دور جا کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ جنگل عموماً لوگوں کے بُرے اثرات سے مبرا ہوتے ہیں۔ فیض حاصل کرنے کے بعد یہ اثرات ان لوگوں کی شناخت بن جاتے ہیں اور اس سے ہی وہ لوگوں کو فیض یاب کرتے ہیں۔

iv۔ بزرگوں کی نظر سے بزرگوں کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرامؒ کا کلام سننا بھی شفا اور ان کی نظر بھی شفا ہے۔

جب اولیاء کرامؒ گفتگو کرتے ہیں تو اللہ کی رحمت کا نزول اس وقت انکے پاس بیٹھنے والوں پر ہوتا ہے اور سامعین پر بھی وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو کہ اس وقت بزرگوں پر وارد ہو رہی ہوتی ہے۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اولیاءؒ نور باطن سے طالبین کے قلب پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اس طالب میں جو کمی یا کمزوری کو پاتے ہیں تو اس سے مخالف قسم کی کیفیت اپنے او پر وارد کر کے اس کا عکس طالب کے دل پر ڈالتے ہیں جس سے اس کی بیماری کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی کو کسی کام سے روکنا چاہیں تو وہ اس کام کی نفرت اپنے دل پر وارد کر لیتے ہیں اور پھر اس نفرت کو طالب کے دل پر منتقل کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو وہ اپنے دل میں حضور ﷺ کی محبت کو اپنی جان کی محبت سے بھی زیادہ محسوس کرنے لگے۔ ایسی کیفیت چشم زدن میں پیدا کی جاتی ہے بشرطیکہ کوئی ابو جہل نہ ہو۔

حضور ﷺ جس کو کسی جنگ یا تبلیغ کے لئے بھیجتے تو تھوڑی سی توجہ کے بعد وہ اس قابل ہو جاتا کہ در خیبر بھی (جس کو ساٹھ آدمی بھی ہلا نہ سکتے تھے) اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ سکتا تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے ایک وہ وقت تھا کہ جس دروازے کو ساٹھ آدمی اٹھا نہ سکتے میں اس کو اٹھا کر ڈھال کا کام لیتا تھا اور اب سوکھی روٹی چبانا بھی مشکل معلوم ہوتی ہے اور جس چیز پر ملائکہ کو اختیار دیا گیا ہے ان امور پر آپ ﷺ کو بھی اختیار دیا گیا ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص کے متعلق لوگوں نے حضرت معروف کرخیؒ سے کہا کہ وہ نماز نہیں پڑھتا۔ لوگوں نے اس کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ حضرت معروف کرخیؒ نے اس شخص کو کہا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اس نے کہا کہ وقت کہاں سے لاؤں۔ حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا اچھا تو تم رفع حاجت بھی دوکان کے اندر ہی کرتے ہوگے اس نے کہا نہیں باہر جا کر کرتا ہوں، آپؒ نے فرمایا ''اچھا رفع حاجت کے لئے تمہارے پاس وقت ہے لیکن نماز کے لئے نہیں'' اس کے ساتھ ہی اس کے قلب پر آپؒ نے باطنی توجہ ڈالی تو وہ سوداگر وجد میں آ گیا اور اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور اپنی ساری دوکان لٹا دی اور ان کے پاس جا کر خدمت کرنے لگا۔ یہ سوداگر بعد میں سری سقطیؒ کے نام سے ایک بہت بڑا بزرگ مشہور ہوا جو جنید بغدادیؒ کے ماموں اور پیر بھی تھے۔

v۔ خالی پیٹ توجہ

اولیاء کرامؒ کا یہ مشرب رہا ہے کہ پیٹ کے تیسرے حصے کو خالی رکھا جائے کیونکہ شکم سیری میں سالک کی استطاعتِ طلب کم یا سست پڑ جاتی ہے۔ اولیاء کرامؒ کا قول ہے کہ خالی پیٹ توجہ زیادہ اور صحیح ہوتی ہے اس لئے اسلام نے بھوکا پیٹ (یعنی ۱/۳ پیٹ کو خالی) رکھنے کو اہمیت دی ہے۔ کشف المحجوب میں ایک حدیث کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ اپنے پیٹوں کو بھوکا، جگروں کو پیاسا رکھوں، حرص کو چھوڑ دو، اپنے جسموں کو (غیر ضروری لباس سے) ننگا رکھو اور اپنی امیدوں کو کوتاہ رکھو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے نور کو دل کی آنکھوں سے دیکھ سکو[1]۔ اگر کھانے پینے میں پرہیز نہ رکھا جائے تو جسم زیادہ طاقت ور ہو جاتے ہیں اور اولیاء کرامؒ کا قول ہے کہ طاقت ور جسم کی روحیں اکثر کمزور ہوتی ہیں۔ جسم اور روح ایک دوسرے کی نقیض (الٹ) ہیں۔

vi۔ نفسانیت توجہ میں رکاوٹ ہے

اولیاء کرامؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ انسان میں نفسانیت اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب دل سخت ہو جائے اور طالب کے لئے ضروری ہے کہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے دل سخت ہو جائے۔ ذکر کو کم کر دینے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ مناظرہ اور فضول بحثوں میں حصہ لینے سے للّٰہیت ختم ہو جاتی ہے اور انسان میں نفسانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اطاعت الٰہی، مجاہدات کے نہ ہونے اور عبادت میں کمی سے نفسانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ زیادہ خواب و خور سے جسم اور نفس موٹا ہو جاتا ہے اور نفسانیت بڑھ جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ تمام وہ کام

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۵۰۔

جس سے نفس کو آرام ملے نفس طاقتور ہو جاتا ہے اور روح کمزور ہو جاتی ہے۔

۹۔ اولیائے کرامؒ کی ہمنشینی خدا کی ہمنشینی ہے

اس موضوع پر مولائے رومؒ نے بہت طویل کلام کیا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ ہماری تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں آئے گی۔ اولیاءؒ کا فیض ان کے کلام اور ان کی صحبت کے باعث ہے۔ یاد رہے کہ خواہ اولیائے کرامؒ کلام کریں یا نہ کریں تو بھی ان کی صحبت میں بیٹھنے سے فیض ملتا ہے۔

اس بات پر ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ سب سے بہتر کلام قرآن مجید ہے اور قرآن کے بعد اصح الکتب بخاری شریف ہے یعنی قرآن کے بعد حدیث رسول ﷺ کا درجہ ہے اور اس کے بعد اولیائے کرامؒ کا کلام بہترین کلام میں شمار کیا جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اولیاء کے کلام میں دل کی وابستگی ہے اور آپؒ کے نزدیک شیخ کامل اور مرد راہ کی صحبت اختیار کرنے سے روحانیت کے تمام مراحل طے ہو جاتے ہیں۔ اس نظریے کے ثبوت میں آپؒ نے چند دلائل پیش کئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ شیخ تو بذات خود ایک نورانی ہستی ہے کیونکہ وہ لوگوں کو راہ حق سے آگاہ کرتا ہے اور اس کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اپنے الفاظ کے ساتھ نور حق کو بھی تقسیم کرتا ہے۔ شیخ کی بات سے دلوں کو سکون ملتا ہے جبکہ اس کے برعکس دنیاداروں کی صحبت میں بیٹھنے سے انتشار اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ان بزرگوں کی صحبت میں آ جاتا ہے تو سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ برے لوگوں کی صحبت سے بچ جاتا ہے اور برائی سے نجات پالیتا ہے۔ آپ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ رہبر طریقت کا کام یہی ہے کہ وہ خود بھی احکام شریعت کا پابند ہوتا ہے اور اپنے اردگرد بیٹھنے والوں کو بھی پابند صوم وصلوٰۃ بنا دیتا ہے۔ اگر شیخ شریعت کا خود پابند نہ ہو تو وہ لوگوں کو بلا وغم اور مصیبت سے کس طرح نجات دلا سکتا ہے۔ اللہ کا ایسا بندہ جو خود پابند شریعت ہو وہ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے اور بارگاہ ایزدی میں پیش کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تم کتنے ہی بدکار اور سیاہ دل کیوں نہ ہو جب کسی اللہ والے کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ گے تو صاحب دل اور گوہر تابعدار بن جاؤ گے اور اگر ان سے دور ہو جاؤ گے تو حقیقتاً تم اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاؤ گے۔

مذکورہ تمام گفتگو کے بعد مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دینا چاہتا ہے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اللہؒ کے مجالس میں جا کر بیٹھا کرو۔ فرماتے ہیں

ھر کہ خواھد ھم نشینی باخدا گو نشیند در حضورِ اولیاء

(جو بھی اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی چاہتا ہے، تو اس کو کہو کہ اولیاء کے حضور میں بیٹھا کرے)

اے اخی گر اولیاء را یافتی پس یقیں می داں خدا را یافتی

(اے بھائی اگر تو اولیاء اللہ کو پالے تو سمجھ لے کہ تو نے اللہ کو پالیا)

اولیاء اللہ و اللہ اولیاء ھیچ فرقِ درمیاں نہ بود روا

(کوئی اللہ کا دوست ہو یا اللہ اس کا دوست ہو تو ان دونوں (حالتوں) میں کوئی فرق نہیں ہے) (۲:۲۱۶۳)

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے یہ روحانیت کی ''الف'' اور ''با'' ہے۔ جب اس گفتگو کو طول دیا گیا تو اس موضوع پر ہماری ایک تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ'' نے تقریباً دو ہزار صفحات کی ضخامت والی ایک کتاب کی شکل اختیار کر لی ہے (یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر سامنے آ چکی ہے) زیرنظر تحریر حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں قارئین کی نظروں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے اور اس کتاب میں یہ بات بیان کی جا رہی ہے کہ اولیائے کرامؒ کی صحبت کو حاصل کرنا تو ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن ان کا تذکرہ کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نازل ہونے کی سعادت ملتی ہے۔

۱۰۔ اولیائے کرامؒ زندہ و جاوید ہیں اور دنیا والوں کے ساتھ ان کا رابطہ قائم رہتا ہے

کچھ مذاہب ایسے بھی ہیں کہ جو مرنے کے بعد انسان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود سمجھتے ہیں اور کچھ مذاہب ایسے ہیں کہ وہ آوا گون (یعنی اس دنیا میں نئی جون بدل کر آنے) کے قائل ہیں اور کچھ مسلمان بھی کفار کے عقائد سے متاثر ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا تو ہے مگر وہ زندہ ہونا کچھ اور طرح کا ہے کہ جس میں انسان کچھ نہیں کر سکتا اور دنیا والوں کی مدد کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اس مسئلے کو راقم الحروف نے ''رابطہ شیخ'' کے صفحہ ۲۲۹ سے ۴۰۶ تک بہت تفصیل اور مستند دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اولیاء اللہ مرنے کے بعد بھی ایسے کام کرتے ہیں جو زندہ جسموں کا تقاضا رکھتے ہیں۔

موت کے بعد کی زندگی کے متعلق قرآن مجید میں بھی کافی تفصیل دی گئی ہے اور مشائخ عظام نے بھی بہت تحریریں پیش کی ہیں جن کو اکابرین اہل تصوف درست تسلیم کرتے ہیں مگر اہل ظواہر اس موضوع پر غلط

انداز سے بحث کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک فرقہ ایسا ہے جو ہر بات میں رخنہ اندازی کرتا ہے اور انہوں نے تقریباً نصف قرآن کو چلیپا کر دیا ہے۔ اس بحث میں جانے سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ جو ''میں نہ مانوں'' کے قائل ہیں ان کا کوئی علاج نہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ کچھ لوگ کفار کے اعتراضات کو دور کرنے کے لئے پیغمبر علیہ السلام پر بھی اعتراض اٹھانے سے گریز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ نقل مکانی کے بعد نعوذ باللہ کوئی شخص کچھ کرنے پر قطعاً قادر نہیں ہے۔ احادیث واقوال مشائخ میں اس بات کا ذکر تو خوب شدت سے آیا ہے کہ جو لوگ ہمہ وقت یادِ الٰہی سے اپنے دلوں کو تازہ رکھتے ہیں تو ان کی زندگیوں کو اللہ تعالیٰ حیات جاوداں عطا فرما دیتا ہے اور ان کے ابدان مرنے کے بعد بھی زندہ ابدان کا سا تقاضا رکھتے ہیں۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یقیناً موت کا درد والم اور اس کا ذائقہ چکھا ہے اور رحلت فرما گئے ہیں مگر بعد ازاں حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو زندہ فرما دیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں خدا کے نزدیک اس سے زیادہ مکرم ہوں کہ وہ مجھے قبر میں چالیس دن سے زیادہ رکھے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ [1] لہٰذا حضور اکرم ﷺ حیات جسمانی و دنیوی اور اس بدنی حیات کے ساتھ زندہ ہیں جو آپ ﷺ رکھتے تھے۔ یہ حیات شہداء کی حیات سے بھی زیادہ کامل ہے کیونکہ شہداء کی حیات روحانی اور اخروی ہے اور یہ روح کے لئے ثابت ہے اور حق تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ان کی روحوں کے لئے اجسام مثالیہ اس عالم میں پیدا فرمائے یا ان کو انہی بدنوں میں رکھے جو ان کے لئے اس دنیا میں ظروف (برتن) کا حکم رکھتے ہیں۔ انبیاء علیم السلام کی ارواحِ مقدسہ ان کے انہیں ابدان طیبہ میں لوٹا دی جاتی ہیں جو وہ دنیا میں رکھتے تھے۔ ان کے اجسام وابدان نہ بوسیدہ ہوتے ہیں اور نہ خاک بنتے ہیں اور حق تعالیٰ قادر ہے کہ ارواح کو بغیر بدنوں کے محفوظ رکھے لیکن ان کے لئے بدنوں میں وجود رکھنے پر نقل وارد ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے کیونکہ نماز کا ادا کرنا (جو حدیث معراج میں وارد ہے) زندہ بدن کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ صفات جو شب معراج انبیاء علیہم السلام کے بارے میں مذکور ہیں، وہ صفات اجسام کی ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حیات حقیقی ہو جو وہ دنیا میں رکھتے تھے اور کھانے پینے اور دیگر جسمانی ضروریات کی احتیاج (جیسا کہ ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں) رکھتے ہوں بلکہ برزخ میں ان کے احکام اور ہیں۔ کھانے پینے اور دیگر جسمانی ضرورتوں کی

[1] المعجم الاوسط، امام طبرانیؒ، متوفی ۳۶۰، حدیث ۴۷۸۰، جلد ۵، صفحہ ۹۷، دار الحرمین، القاہرہ۔

احتیاج امر عادی ہے اور وہاں کا حال خلاف عادت ہے، ممکن ہے وہاں رواتح ونساء (راحتیں اور ازواج) اور ارزاق وغیرہ روحانی ہوں جیسا کہ شہداء کی شان میں واقع ہوا ہے۔(مدارج نبوت)

مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیک انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اگرچہ ان کی زندگی کی حقیقت عام زندگیوں کی طرح نہیں۔ ان کی ان زندگیوں کو عام لوگ نہیں جانتے۔ حیات ابدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

زندگانی ہے صدف، قطرہ نیساں ہے خودی — وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

ہو اگر خود نگر و خود گر و خودگیر خودی — یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

(ض ک:۴۹۳)

ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں — کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا — خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

(ب د: ۲۷۱)

۱۱۔ اولیاء کی توجہ کے لیے بُعد صوری (جسم کا دور ہونا) رکاوٹ نہیں

مولانا جلال الدین رومیؒ نے فرمایا ہے کہ اپنی زندگی کے گزرے ہوئے سال اور واقعات ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کل کی کوئی بات ہو۔ بچپن، جوانی اور پھر بڑھاپا یہ سب ایسے ادوار ہیں جو مکانی سفر سے تعلق نہیں رکھتے۔ دنیا کے زمان و مکاں تو مادی دنیا کے حقائق کو سمجھانے کے لئے آلات ہیں۔ عالم لاہوت، ملکوت اور جبروت کو دنیوی مثالوں سے نہیں سمجھایا جا سکتا۔ مولانا فرماتے ہیں دور دراز یا کم فاصلہ ہونا تو جسم کے اوصاف ہیں۔ روح کا جانا اور ہوتا ہے جسم کا جانا اور ہوتا ہے۔ روح کی سیر مثالی ہوتی ہے۔ اس میں دور اور نزدیک کی اصطلاحیں استعمال نہیں ہوتیں۔ ہمارا جسم روح سے سیر کرنا سیکھتا ہے۔ اہل طریقت کا خیال ہے کہ ہر انسانی چیز کی نشو ونما روح کی قوت پر منحصر ہے۔ روح درست ہے تو جسم بھی درست ہوتا ہے۔ روح کا سفر اور اس کا عروج وزوال بھی کوئی مکانی حیثیت نہیں رکھتا۔ روحانی حقائق کو اگرچہ مادی دنیا کے اعتبار سے سمجھانے کے لیے زمانی اور مکانی تشبیہوں میں بیان کیا جاتا ہے مگر حقیقت میں اس میں زمان اور مکان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ خدا کا قرب ایسا نہیں

کہ اس میں مادی افلاک کو طے کرنا پڑے۔ فرماتے ہیں کہ عشق یہ نہیں کہ کوئی اوپر یا نیچے جائے، خدا کا عشق تو اپنی ہستی کی جنس سے الگ ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ روحانی دنیا میں جسم کا نزدیک یا دور ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

راقم الحروف کی کتاب ''بیعت کی تشکیل'' اور ''رابطہ شیخ'' کے متعدد ابواب میں غیبی فیوض کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ مزارات کی زیارت کرنے والا اسی قدر فیض حاصل کر سکتا ہے جتنا اس نے اس بزرگ کی صفت کو پہچانا اور اس کی صفت کی توجہ حاصل کی اور خود بھی وہ اس صفت میں آ گیا ہو۔ اگرچہ قرب صوری کے اثرات بہت ہوتے ہیں لیکن جب ان بزرگوں کی ارواح کی طرف توجہ کی جائے تو بعد صوری (یعنی جسم کا دور ہونا) کوئی رکاوٹ نہیں بنتا۔ خواجہ محمد پارساؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے خواجہ اویسی تھے۔ خواجہ طاہرؒ فرماتے ہیں کہ اویسی وہ ولی اللہ ہوتے ہیں جنہیں ظاہری پیر کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ رسالت مآب ﷺ خود اپنے حجرہ میں ان کی تربیت کرتے ہیں۔ اس میں کسی دوسرے کا تعلق نہیں ہوتا۔ حضرت اویس قرنیؒ کی تربیت اسی طرح فرمائی گئی ہے اور حضرت بایزید بسطامیؒ کے بارے میں یہ ذکر آتا ہے کہ آپ کو حضرت امام جعفرؒ کی روحانیت سے نسبت ہے حالانکہ ان کی پیدائش حضرت امام جعفرؒ کی وفات کے بہت بعد ہوئی۔

اسی طرح شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کو بھی بایزید بسطامیؒ کی روح سے انتساب ہے اور آپؒ کی سلوک میں تربیت شیخ ابو یزید بسطامیؒ کی روحانیت سے ہوئی۔ اسی طرح حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ کی تربیت حضرت عطا قدس سرہ کے حکم سے ایک ترک درویش حضرت خلیلؒ نے کی۔ حضرت بہاؤ الدینؒ کے باطن پر حضرت خواجہ عبد الخالق غجد وانیؒ متجلی ہوئے اور بعض ریاضات سریع الاثر کی تربیت حاصل کی۔ مذکورہ کتاب ''رابطہ شیخ'' میں اس نوعیت کے بہت سے واقعات درج کئے گئے ہیں۔ حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں۔

بظاہر پیرش امیر کلال است   بہ پیر غجدوانیؒ اتصال است

(اگرچہ ظاہر میں ان کے پیر حضرت کلالؒ تھے، مگر حضرت غجد وانیؒ سے اتصال تھا)

حضرت بہاؤ الدین نقشبندیؒ قُصان سلطان کے ہاں جلادی کا کام کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مجرم آیا اور اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر میں نے تین بار تلوار چلائی مگر تینوں بار تلوار نے اثر نہ کیا۔ حضرت خواجہؒ نے دیکھا کہ تلوار کھینچتے وقت مجرم ہونٹ ہلا رہا تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ سچ بتا تو کیا کہتا تھا۔ اس نے کہا میں اپنے شیخ وسیّد کو یاد کرتا تھا۔ آپؒ نے پوچھا کہ تیرا شیخ کون ہے؟ اس نے بتلایا کہ سید امیر کلالؒ ہیں جو

بخارا کے قریہ ''سوخار'' میں رہتے ہیں۔ آپؒ نے تلوار پھینک دی اور فوراً آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ جو تلوار سے بچا لیتے ہیں تو تعجب نہیں کہ وہ جہنم کی آگ سے بھی بچالیں۔ معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کے احوال کا عقیدت سے مطالعہ کرنے والوں کو ان بزرگوں کی نسبت اور ان کی طرف سے امداد حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۲۔ حکایات مشائخ سے روحانی جذبہ ملتا ہے اور روحانی ترقی ہوتی ہے

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مشائخ کی حکایات میں جادو کا رنگ بھرا ہوتا ہے جس کا پتھر پر بھی اثر ہو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے رنگ نرالے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ جب وہ کوئی روحانی بات سن لیں تو ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے اور کچھ لوگوں کو روحانی باتوں سے قطعاً کوئی شغف نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا امتحان لیا اور پوچھا کہ اگر تم خود کو خلیفہ بننے کا حقدار سمجھتے ہو تو بتاؤ ان چیزوں کے کیا نام ہیں تو انہوں نے جواب دیا ''**سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا**'' (یعنی اے اللہ تو پاک ہے ہمیں ان باتوں کا علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں سکھایا) (البقرہ:۳۲)۔ جب آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ ان چیزوں کے نام بتائیں تو حضرت آدم علیہ السلام نے تمام چیزوں کے نام بتا دیئے اور فرشتے ان کا جواب سن کر ششدر رہ گئے، بلکہ ان پر وجد طاری ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام روحانی قوت کے مالک ہیں مگر ابلیس نے آپ علیہ السلام کا انکار کیا۔ اسی طرح آج کے زمانے میں بھی کچھ لوگ، ایسے ہیں جو روحانی باتوں کو سن کر اپنے احوال کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ یہ باتیں ان کے سر سے گزر جاتی ہیں اور بقول بابا بلھے شاہؒ 'لینا اک، نہ دینا دو' یہی وہ لوگ ہیں جو روحانیت کے لیے قطعاً موزوں نہیں اور مشائخ سے بھی مستفید نہیں ہوتے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو حکایاتِ مشائخ ایک ایسی نوعیت کا کلام ہے جس میں جادو بھرا ہوا ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حکایات میں وہ نور موجود ہوتا ہے جو ان کی مبارک زبانوں سے نکلتا ہے اور دلوں میں پھیل جاتا ہے۔ جن باتوں کی نسبت کسی شیخ سے ہو جائے تو وہ نسبت اپنا رنگ دکھاتی ہے۔

حکایات مشائخ کا مطالعہ کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کے مطالعہ کرنے والے کا روحانی جذبہ بڑھ جاتا ہے اور وہ ترقیوں کی جانب گامزن ہونے کے لئے کمربستہ ہو جاتا ہے۔ جب سالکِ راہِ طریقت بزرگوں کے احوال کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کو اپنی کوتاہیوں کا اندازہ ہونے لگتا ہے اور اعمال قبیحہ سے توبہ

کر لیتا ہے بلکہ اپنے دل میں اس بزرگ کے معیار تک اپنے آپ کو لے جانے کا قصد کرتا ہے۔ یہ تمام باتیں سالک کے روحانی درجات کو بلند کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

مولائے رومؒ نے ''مثنوی'' میں لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا جب ''خرقان'' کے علاقے سے گزر ہوا تو وہ ایک جگہ پر بیٹھ گئے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں یہاں ایک مرد کامل کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔ فرمایا وہ شخص ابوالحسن نامی آج سے تین سو سال بعد پیدا ہوگا اور آپؒ نے ان کی شکل وصورت اور احوال کا مکمل تذکرہ فرمایا۔ جب ابوالحسن خرقانیؒ پیدا ہوئے تو وہ بِعَیْنِہٖ ان صفات کے حامل تھے جس طرح حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا تھا۔ ایک دن حضرت ابوالحسن خرقانیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار کی حاضری کے لئے گئے تو تمام قبریں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور آپؒ کی قبر کی شناخت نہ ہونے کی وجہ سے ابوالحسن خرقانیؒ واپس آنے لگے تو حضرت بایزید بسطامیؒ نے ان کو (بذریعہ القاء) فرمایا کہ ادھر آؤ میں اس طرف ہوں، چنانچہ اس طرح آپؒ ان کی قبر شریف تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ واقعہ حضرات القدس میں منقول ہے اور کئی فوت شدہ بزرگوں کے واقعات بہت سی روحانی کتب کے ذریعے ہمارے مطالعہ میں آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مزار مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں اور مرنے کے بعد بھی تصرف کرتے ہیں۔ راقم الحروف کا ایک شعر بھی اسی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔

کھچے کھچے چلے آتے ہیں کیوں یہ دیوانے یہ جائے جود و سخا ہے، فقط مزار نہیں

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اولیائے کرامؒ کی نہ صرف صحبت بلکہ ان کی تصانیف کا مطالعہ اور ان کے احوال کا تذکرہ کرنا بھی سالکانِ راہِ طریقت کے لئے سعادت کا باعث ہے اور اس کے عوض اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

۱۳۔ اولیائے کرامؒ کو دیکھنے سے خدا یاد آ جاتا ہے ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے سے ان سے ملاقات ہو جاتی ہے

مشائخ کا قول ہے کہ جب کوئی اللہ والے کو دیکھتا ہے تو اسے خدا یاد آ جاتا ہے۔ ان کا کلام پڑھنا یا سننا بھی اسی زمرے میں شامل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ''مکتوبات'' میں لکھا ہے کہ اولیاء کا کلام دوا

ہے، ان کی نظر شفاء ہے اور ان کی نظر پڑنا تمام امراض باطنی اور ظاہری کے لئے شفا ہے۔ یہ حقائق ابن ماجہ کی ایک حدیث شریف میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کا قول ہے کہ یہی لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخِیَارِکُمْ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ [1]	کیا میں تمہیں بہترین لوگ نہ بتاؤں صحابہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں کہ انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اہل اللہ سے دوستی رکھنا کار ثواب ہے، کیونکہ ان کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی لوگ اپنے ماننے والوں کو صحیح روحانیت سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ ان کی ملاقات سے انسان اپنا تعلق دنیا سے توڑ کر اللہ کے ساتھ جوڑ لیتا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی روحانیت کی وجہ سے انسان فرشتوں سے افضل قرار پایا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے باب ولایت میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیائے کرامؒ سے محبت کرتا ہے اور اولیائے کرامؒ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ (المائدہ:۵۴)	انہیں اللہ محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات شریف کے دفتر اول حصہ اول میں لکھتے ہیں:

”تجارت و بیع و شراء وغیرہ ان اولیاء کے لئے ذکر حق سے مانع نہیں ہیں، وہ اس دنیا کے اندر ہوتے ہوئے بھی دنیا سے بے تعلق ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے منیٰ کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا جو کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا مگر اس کا دل ایک لحظہ کے لئے بھی یادِ حق سے غافل نہ تھا۔ ایسے نفوس جو ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مصروف رہتے ہیں ان کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ ”رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ“ (یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی) (النور:۳۷)۔

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۱۰۹، جلد ۱۲، صفحہ ۱۴۴۔

باب نمبر ا

جنیدؒ و بایزیدؒ

(دنیائے تصوف کے پیش رو)

جہانِ تصوف میں حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ اس قدر بلند مقام رکھتے ہیں کہ ان کے مابین یہ تمیز کرنا ممکن نہیں کہ ان میں سے کس کا مقام زیادہ بلند ہے۔ یہ دونوں نام اس قدر درخشندہ اور ممتاز حیثیت کے حامل ہیں کہ ان کی آمد سے دنیائے تصوف جگمگا اُٹھی اور اب تک یہ دونوں ہستیاں پوری آب و تاب سے چمک رہی ہیں۔ ان کے منفرد روحانی نظریات اور مخصوص انداز میں لکھی گئی تحریریں آج بھی مشائخِ کبار کی راہنمائی کر رہی ہیں جن کو ہر مکتبۂ فکر میں بطورِ سند تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سے قبل اور مابعد بہت سی نامور ہستیاں ہو گزری ہیں جن کے نام اہلِ تصوف کے حلقوں میں بے حد احترام سے لئے جاتے ہیں لیکن آج بھی جب کہیں روحانی کمالات اور مراحل طریقت پر گفتگو ہوتی ہے تو ان دونوں حضرات کی تحقیقات اور مقالات کا تذکرہ کئے بغیر بات بنتی نظر نہیں آتی۔ ان دونوں بزرگوں کو علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں ایسے بلند و بالا مقام کے زاویے سے متعارف کروایا ہے کہ انہیں کمالاتِ مصطفیٰ ﷺ کا جمالِ بے نقاب قرار دیا ہے۔ آپؒ نے ان کے درجات اور کمالات کی ہم آہنگی کا ایک ایسا ربط قائم رکھا ہے کہ جہاں بھی اولیائے کرامؒ کی خصوصیت کا ذکر کیا وہاں ان دونوں کے ناموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ بالِ جبریل میں علامہ اقبالؒ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں۔

شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود

فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ، تیرا جمالِ بے نقاب (ب ج: ۳۰۵)

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ این جا (اح:۹۰۳)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ حضرت جنیدؒ اور بایزیدؒ پر الگ الگ عنوان سے کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن راقم الحروف نے اس بات کو محسوس کیا ہے کہ ان دونوں حضرات میں بے شمار روحانی قدریں اور کمالات مشترک انداز میں پائے جاتے ہیں اس لئے غالباً پہلی بار زیرِ نظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان دونوں اسماء کے کوائف کو ایک ہی کتاب میں سمو دیا جائے اور اس کتاب کا نام ''جنیدؒ و بایزیدؒ'' رکھا جائے۔ اس ملاپ میں دونوں کا صوتی حسن مزید بڑھ گیا ہے۔ غالباً علامہ اقبالؒ نے بھی اسی نظریہ کے تحت ان دونوں بزرگوں کے ناموں کو آپس میں ملا کر اپنے کلام میں جمع کیا ہے اور ان کے درمیان کسی خلیج کا نہ رہنا ہی پسند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنیدؒ و بایزیدؒ کے ناموں کے امتزاج میں ایک عجیب حسن پیدا کر دیا ہے جس نے راقم الحروف کو مجبور کر دیا کہ ان دونوں کے نام پر ایک کتاب تصنیف کی جائے جو کہ اہل تصوف کو تسکینِ قلب و روح عطا کرے۔ اس دلچسپ اتفاق کا کیا کہنا کہ خالق کائنات نے ان دونوں کو ایک ہی زمانے میں پیدا کیا اور یہ دونوں ایک دوسرے کے گرویدہ اور عاشقِ زار نظر آتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ ہم (اولیاء) میں ایسے معظم ہیں کہ جیسے جماعتِ ملائکہ میں جبریل امین علیہ السلام ہیں۔

آسمانی تصوف کے یہ دونوں درخشندہ ستارے اس انداز سے چمک رہے ہیں کہ ان کی روشنی کبھی غروب ہوتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ ''کشف المحجوب'' اور ''مکتوباتِ ربانی'' (مکتوب نمبر ۱۲۳ ص ۱۶۲۶ سعیدی) میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حوالے سے یہ قول موجود ہے کہ آپؒ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ آپؒ کا سورج کبھی غروب نہیں ہوگا۔

اَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا ابَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ [۱]

(پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے کناروں پر رہے گا وہ غروب نہ ہوگا)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات مبارکہ کے سورج سے استفادہ کرنے والے چاند ستارے بھی ان سے روشنی لے کر ہمیشہ چمکتے رہیں گے بمصداق ''نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ'' [۲] (یعنی

[۱] مرآۃ الجنان، ابومحمد عبداللہ الیافعی، متوفی ۷۶۸ھ، جلد ۳، صفحہ ۳۵۰، دارالکتاب الاسلامی، القاہرہ۔

[۲] درء التعارض، عبدالحلیم ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، جلد ۱، صفحہ ۳۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

چاند کا نور سورج کے نور سے استفادہ کرتا ہے)۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی تمام کتابوں میں حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ کا تذکرہ بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے اور ان کی تحریروں کو بطور سند پیش کیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی تحریروں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں حضرات کے عاشق اور دل کی گہرائیوں سے قدردان تھے تبھی تو آپؒ نے ''کشف المحجوب'' میں جابجا ان دونوں حضرات کا ذکر کیا ہے اور ان کے فرمودات کو نقل کیا ہے۔

حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ کا زمانہ

تاریخِ تصوف میں حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کا زمانہ ایسا مبارک زمانہ تھا کہ جس کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری کا دل و دماغ اس قدر متحیر ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ رسالت سے تبع تابعین کے بعد شاید اس قدر پاک ہستیوں کو یکجا کیا ہو۔ یوں تو ہر زمانے میں ہی اولیائے کرامؒ کا جھرمٹ نظر آتا ہے مگر اس زمانے کے متعلق ذرا اندازہ کیجئے کہ اس وقت کا کیا سماں ہوگا جس میں حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے ساتھ حارث محاسبیؒ، سری سقطیؒ، ابوالحسن نوریؒ، سہل تستریؒ، ابوحفص عمرو بن سلمہ الحدادؒ، ابوسلیمان درّانیؒ، داؤد طائیؒ، ابوعبداللہ سعید بن یزید النباحیؒ، سفیان ثوریؒ، عمرو بن عثمان المکیؒ، ابوسعید خرازؒ، ابوبکر شبلیؒ، فتح موصلیؒ، ابومحمد جریریؒ کے علاوہ بہت سے دیگر بزرگوں کو جمع کر دیا گیا ہو۔ اس سے بھی زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ ان بزرگوں کے بعد آنے والے حضرات شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، معین الدین چشتیؒ، فریدالدین گنج شکرؒ، نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے پُروقار، محتشم اور ذی شان مشائخ نے حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ جیسی ہستیوں کو بڑے احترام سے دیکھا اور ان کے کلام کو اپنی تصانیف میں تصوف کے موضوعات پر بطور سند پیش کیا ہے۔ ان حضرات کی ایسی روحانی عظمت نے راقم الحروف کو زیرِ نظر کتاب تالیف کرنے کے لئے بے چینی اور ہیبت کے ملے جلے احساسات کے ساتھ آمادہ کیا۔ جہاں کہیں تصوف کی گہرائیوں میں ڈوب کر کسی مسئلے کو حل کرنے کا ذکر آئے تو بیک وقت ان دو ہستیوں کا ذکر لامحالہ کرنا ہی ہوتا ہے اور ان دونوں کا نام لئے بغیر بات نہیں بنتی۔ درحقیقت جنیدؒ و بایزیدؒ آسمانِ طریقت کے کبھی غروب نہ ہونے والے ستارے ہیں۔

حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کی شخصیات کے مطالعہ میں ان کی جاذبیت افکار کی دل کشی اور تصوف کی بے پناہ بہاریں اڈتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور ہر ذی عقل کے قلب کے لئے باعث سکون وطمانیت بن جاتی ہیں۔ ان کے افکار میں نظریہ توحید، صحو وسکر کے لبریز پیمانے، شخصیت ساز تحریریں، جہانِ تصوف کی رودادیں، معرفتِ الٰہی کے سمندر، جذب وکیف کے احوال اور معرفت الٰہی کے اسرار پوری آب وتاب کے ساتھ چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان حضرات کی صحبت میں بیٹھنے والے اصحاب بھی یگانہ روزگار بن گئے اور ان کی مصاحبت میں ہونے والا کلام قیامت تک آنے والے اولیائے کرامؒ کی راہنمائی کے لئے کفایت کرے گا۔ زیرنظر تحریر میں قارئین کے سامنے وہ تمام دلچسپ واقعات اور حسین تحاریر لانے کی کوشش کی جائے گی جوتواتر کے ساتھ یا بالتواتر ہم تک پہنچی ہیں اور انشاءاللہ شائقین تصوف کی دلجمعی کا سبب بنیں گی۔

حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ کے تصوف کے مخصوص احوال وکوائف

حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے متعلق ان نکات کا علم ہونا ضروری ہے کہ آپ نے ایک خاص اور منفرد انداز سے اپنی زندگیاں گزاریں۔ آپ دونوں کی شخصیات کے مخصوص روشن پہلو اہلِ علم کے سامنے آج بھی موجود ہیں۔ آپ کا تبحر علمی اور روحانی افکار کے انداز باقی صوفیاء سے جداگانہ تھے اور راہِ سلوک پر چلنے والوں کے لیے عملی نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ کے تصوف کے دور کا جائزہ لینا ہمارے لیے یوں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تصوف کو روایتی تصوف کے انداز سے جدا کیا اور آنے والی نسلوں کے لیے محتاط راستہ اختیار کیا۔ اس حقیقت کو جاننا بھی ضروری ہے کہ ان لوگوں کے بدونِ کلام خاموشی اختیار کرنے کو زبانِ حال کا رنگ کیوں قرار دیا جاتا ہے اور ہم ان کی خاموشی کے انداز کو کیوں قابلِ مطالعہ اور قابلِ تقلید سمجھتے ہیں۔

حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ دونوں کی کیفیاتِ بندگی اور خلوت بخدا ان کی زندگیوں کا ایک نرالا باب ہے اور یہ ہمارے لیے جاننا ضروری ہے کہ ان بزرگوں کے اور خاص طور پر حضرت جنیدؒ کے آدابِ صحبت کس نہج پر تھے۔ حضرت جنیدؒ کی مجلس میں جو شخص ایک دن بھی گزار لیتا تھا اس کو آدابِ صحبت کی گویا سند حاصل ہو جاتی تھی اور وہ آپ کی اس قدر قلیل صحبت پر بھی فخر محسوس کرتا۔ آپؒ دونوں نے اتباعِ سُنت کی اہمیت پر بہت زور دیا اور موضوعاتِ سکر وصحو پر ان کے فلسفیانہ اقوال روحانی دنیا میں بہت مشہور ہیں۔ شرک اور توحید کے موضوعات پر آپؒ کا مفصل کلام ہم تک پہنچ چکا ہے اور اس سلسلے میں آپ کے افکار آپ کی زندگیوں کے نہایت قیمتی جزو

بن چکے ہیں۔قوتِ مشاہدہ کا حصول اور مجاہدات کے معمول کے متعلق ان حضرات کے بارے میں بہت کچھ دیکھنے میں آتا ہے، جس کا مطالعہ راہِ طریقت کے صوفیاء کے لیے اہم حیثیت رکھتا ہے۔ان کی زندگیوں میں ہمیں تصوف کے بہترین اصول، فراست اور علم لدنی کے بہت سے اسباق ملتے ہیں، جن سے راہروانِ طریقت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔آپ دونوں کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد کچھ ایسے روحانی احوال ومواجید اور محیّر العقول واقعات بھی نظروں سے گزرتے ہیں جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعتاً یہ بزرگ تصوف کی دنیا میں مثال قائم کرنے اور انقلاب پیدا کرنے والی ہستیاں تھیں۔

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے ناموں کو اللہ تعالیٰ نے آج تک زندہ رکھا ہے اور اس کی فقط ایک وجہ یہ ہی ہو سکتی ہے کہ ان حضرات نے نہایت خلوص کے ساتھ شریعت کو اپنایا اور محنت شاقہ اور انتھک مجاہدات سے اپنی زندگی کے ایام کو آراستہ کیا۔ایسی زندگیاں آنے والی نسلوں کے لیے یقیناً قابلِ تقلید ہیں۔

اقبالؒ کے نزدیک اس دور میں جنیدؒ و بایزیدؒ کی بہت اہمیت ہے

شعرائے اسلام اور مشائخ عظام نے حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کی بلندیٔ مقامات پر بہت کلام کیا ہے جس کا مکمل احاطہ اس محدود تحریر میں لانا ناممکن ہے۔بعض مشائخ نے جو کچھ آپ دونوں کے متعلق لکھا ہے وہ اس کتاب میں شامل ہو چکا ہے۔ایک صوفی شاعر نے لکھا ہے کہ اس دنیا میں بلند واعلیٰ بزرگ ہستیوں کی نمود کے لیے کئی صدیوں کی مدت درکار ہوتی ہے۔

دور ھا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؓ اندر قرن

(کئی زمانے درکار ہیں کہ ایک مردِ حق پیدا ہو، بایزیدؒ جیسا کوئی خراساں میں یا اویس رضی اللہ عنہ جیسا قرن میں)

علامہ اقبالؒ نے تو ان دونوں حضرات کو خوب خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔آپؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کو بیان کرتے ہوئے بالِ جبریل میں ''ذوق وشوق'' کے عنوان سے کچھ اشعار لکھے ہیں جن میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ پیر حضرت معین الدین چشتیؒ اور حضرت سلیم چشتیؒ جیسی ہستیوں کی زندگیاں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کے جلالی کمالات کی مظہر ہیں جب کہ حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کا فقر

حضور ﷺ کے جمالی کمالات کا مظہر تھا۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شکوہِ سنجر اور فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ دوبارہ عطا کر دیں اور مسلمانوں کو دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل ہو جائے۔

عجب نہیں کہ مسلماں کو پھر عطا کر دیں

شکوہِ سنجرؒ و فقرِ جنیدؒ و بسطامیؒ (ب ج:۳۶۵)

ارمغانِ حجاز کی ابتدا میں علامہ اقبالؒ نے عزت بخاری کا شعر درج کیا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب حضراتِ جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ مدینہ شریف میں بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ پر حاضری دیتے تو حضور ﷺ کے پاس ادب کی خاطر یہ دونوں حضرات اپنا سانس بھی بند کر لیتے تھے۔یہ عمل ان دونوں بزرگوں کے انتہائے ادب پر دلالت کرتا ہے۔علامہؒ نے فرمایا ہے۔

ادب گاهیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر

نفس گم کرده می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا (اح:۹۰۳)

(آسماں کے نیچے حضور ﷺ کا روضہ مبارک ایک ایسی ادب گاہ ہے جو رتبے میں عرش سے بھی زیادہ ہے، یہاں پر جنیدؒ و بایزیدؒ جیسی ہستیاں پاسِ ادب سے سانس گم کر کے آتی تھیں)

علامہ اقبالؒ نے ''پس چہ باید کرد'' میں اُمت عربیہ کے نام چند باتیں لکھیں ہیں جس میں انہوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمت عربیہ کو پورے عالم میں سے بہت بلند مقام کے لیے چن لیا اور اُن کو کیا کیا نعمتیں اور عظمتیں عطا فرمائیں۔اس خطاب میں آپ نے حضور ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ نے خصوصی امتیازات عطا فرمائے ہیں ان میں سے بہت سے امتیازات کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا خصوصی ذکر کیا ہے کہ جہاں آپ ﷺ کی تربیت سے حیدر و صدیق، فاروق اور حسین رضی اللہ عنہم جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں وہاں آپ نے تیغ ایوبیؒ اور نگاہ بایزیدؒ جیسی شخصیتیں عطا کرنے کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ان دونوں ہستیوں کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ تیغِ صلاح الدین ایوبیؒ اور نگاہِ بایزیدؒ ایسی صلاحیتیں تھیں کہ ان میں دونوں جہاں کے خزانوں کی کنجیاں ہونے کا شرف حاصل تھا یعنی دنیا اور آخرت کے مشاکل اور مصائب ان کی نگاہوں سے کھل جاتے تھے۔علامہؒ نے فرمایا۔

تیغِ ایوبیؒ نگاہ بایزیدؒ　　گنج ہائے ہر دو عالم را کلید

(تیغِ ایوبیؒ ہو یا نگاہِ بایزیدؒ، دونوں جہانوں کی کنجیاں ہیں)(پ ج:۸۳۶)

علامہ اقبالؒ نے حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ کی زندگیوں کی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ اے مسلمان تو کیسی کافرانہ طرزِ زندگی گزار رہا ہے کہ تو خدا کو بھلا کر دنیا کے ساتھ تعلقات کو استوار کر رہا ہے۔ تو دنیا کی تابعداری میں کیوں مصروف رہتا ہے۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کو پیدا کیا تو اس کو یہ حکم دیا کہ اے دنیا! جس کو تو میرا تابعدار پائے تو تو اس کی تابعدار ہو جانا اور جو تیرا تابعدار ہو تو اس کو تھکا دینا۔ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ مسلمان دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے کیونکہ وہ دنیا کے ساتھ تابعداری کا اظہار کرتے ہیں۔

آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا کی دوری کے باعث اب حرم کے کسی مدرسے سے کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوتا جو کہ حضرت جنیدؒ جیسا دل اپنے پہلو میں رکھتا ہو یا جس کی نگاہ امام غزالیؒ اور فخر الدین رازیؒ جیسی شان میں نمودار ہوتی ہوئی نظر آئے۔ فرماتے ہیں۔

چہ کافرانہ قمارِ حیات می سازی　　کہ با زمانہ بسازی بخود نمی سازی

(کیسی کافروں جیسی زندگی گزار رہے ہو، کہ زمانے کے ساتھ تو موافقت کرتے ہو اپنے ساتھ نہیں)

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم　　دلِ جنیدؒ و نگاہ غزالیؒ و رازیؒ

(حرم کے مدرسوں میں اب کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کا دِل حضرت جنیدؒ جیسا ہو اور نگاہیں غزالیؒ اور رازیؒ کی طرح ہوں)

علامہ اقبالؒ نے بالِ جبرئیل کی منظومات میں مسلمانوں سے اسی قسم کا سوال کیا ہے کہ اے مسلمان تو خود اپنے دِل سے پوچھ کہ وہ کیا وجہ ہے کہ آج حرم میں ایک بھی مردِ کامل کیوں نظر نہیں آتا۔ ان کا خیال ہے کہ آج ہمارے اندر جنیدؒ و بایزیدؒ جیسی ہستیاں باقی نہیں اور قوم کا معاملہ مُلا کے ہاتھ میں ہے۔

اے مسلماں اپنے دِل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم (ب ج:۳۲۵)

نہ اُٹھا پھر کوئی رومیؔ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گِلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی (ب ج :۳۰۳)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ مسلمان اگر شریعت محمدی ﷺ کی اتباع کریں تو ان کو جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے بلند مقامات مل سکتے ہیں۔حضرت بایزیدؒ اتباعِ شریعت مین یہاں تک محتاط تھے کہ آپ نے پوری عمر خربوزہ اس لیے نہ کھایا کہ وہ اس بات کی تحقیق نہ کر سکے کہ حضور ﷺ نے خربوزہ کھایا تھا یا نہیں کھایا اور اگر کھایا تو کس طریقے سے کھایا۔علامہؒ نے فرمایا۔

کاملِ بسطام در تقلیدِ فرد اجتناب از خور دنِ خربوزہ کرد (ار:۲۲)

(بسطام کے کامل شخص (حضرت بایزیدؒ) نے حضور ﷺ کی تقلید کی خاطر خربوزہ کھانے سے پرہیز کیا)

علامہ اقبالؒ جاوید نامے میں نئی نسل کو اسلامی جذبات سے لبریز پیغامات دیتے ہوئے ایک کامل مسلمان کے خواص اور نظریات پر طویل گفتگو کرتے ہیں جس میں طریقت کے اسرار اور رموز پر بھی گفتگو موجود ہے۔(طریقت کے دلدادہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ اِس پوری نظم کا مطالعہ کریں) اس گفتگو میں آپ نے اپنے بیٹے کے لیے ایک گھوڑے کی مثال بطور ایک مخفی راز کے پیش کی ہے۔اس مثال میں وہ ایک دینی خواہشات رکھنے والے سلطان مظفر کے گھوڑے کا ذکر کرتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ یہ گھوڑا خود اس سلطان کی طرح کے اوصاف کا حامل تھا اور جہاد میں بہت عجیب حرکات کو عمل میں لاتا۔یہ گھوڑا جنگ میں بہت تیز ہو جاتا اور راہ میں آنے والے پہاڑ کو بھی عبور کر لیتا۔فرماتے ہیں کہ سلطان مظفر اخلاص و عمل میں فرد فرید تھا کیونکہ اگر چہ وہ بادشاہ تھا مگر اس کا مقام اتنا بلند تھا جس طرح حضرت بایزیدؒ کا مقام تھا۔

سِرّے از اسرارِ دیں بر گویمت داستانے از مظفر گویمت

(میں تیرے سامنے اسرار دین کا ایک سِر بیان کرتا ہوں، اس کا تعلق سلطان مظفر کی داستان سے ہے)

اندر اخلاصِ عمل فردِ فرید بادشاہے با مقامِ بایزیدؒ

(وہ بادشاہ اخلاص عمل میں واحد اور قابل ذکر مثال تھا، وہ تھا تو بادشاہ لیکن اسے بایزید بسطامیؒ کا مقام حاصل تھا)(ج ن:۷۹۲)

علامہ اقبالؒ نے جاوید نامہ میں ارواحِ جمال الدینؒ اور سعید حلیم پاشاؒ کی زیارت کا فلک عطارد کے قریب ایک آسمان کے متعلق لکھا ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے نکلنے کے بعد کچھ دیر قیام فرمایا۔یہ روحانی دنیا کا ایک بلند مقام تھا جہاں زندگی کا نشان تو نہ تھا مگر اس مبارک مقام کے زائرین بلند مرتبت پاک

مرد ہوتے ہیں۔ علامہؒ نے ایک طرف تو حضرت فضیلؒ اور ابو سعیدؒ جیسے پاکباز مردوں کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے عارف ہستیوں کا موجود ہونا بیان کیا ہے۔ وہاں نماز کی امامت جمال الدین افغانیؒ نے کی۔ فرماتے ہیں کہ مشرق نے ان دو اشخاص سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا جن کی کاوش سے بہت سے بزرگوں کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک سید السادات جمال الدین افغانیؒ تھے جن کی گفتگو سے پتھر اور مٹی جیسے مردہ لوگ بھی زندہ ہو گئے۔ ان میں دوسرے ترک سالار حلیم پاشا تھے جو صاحب درد تھے اور جن کا مقام ان کے فکر کی طرح بلند تھا۔ علامہؒ نے فرمایا یہ وہ مقام تھا جس کے زائرین میں بہت بلند ہستیاں شامل ہوتی ہیں۔ ایک طرف تو فضیلؒ اور سعیدؒ جیسے بزرگ ہیں اور دوسری طرف عارف کامل حضرت جنیدؒ اور بایزیدؒ جیسی ہستیاں قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کا بیان اس بات کو ظاہر کرتا ہے یہ مقامات جو جنیدؒ و بایزیدؒ اور جمال الدین افغانیؒ کو ملے وہ بہت کم لوگوں کو ملتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

زائرانِ ایں مقامِ ارجمند پاک مرداں از مقاماتِ بلند

(اس مبارک مقام کے زائریں بلند مرتبت پاک مرد ہیں)

پاک مرداں چوں فضیلؒ و بو سعیدؒ عارفاں مثلِ جنیدؒ و بایزیدؒ

(ایک طرف فضیلؒ اور بوسعیدؒ جیسے پاک مرد ہیں اور دوسری طرف جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے عارف) (ج ن:۶۴۸)

علامہ اقبالؒ کے مذکورہ بالا اشعار سے حضرت جنیدؒ اور بایزیدؒ کے بلند مقامات کا علم ہوتا ہے اور آپؒ نے ان کے احوال کو اس لیے بیان کیا ہے کہ مسلمان ان کے احوال و اطوار سے استفادہ کریں اور ان کے نقوش پر چلنے کا عہد کریں۔

باب نمبر ۲

اولیائے کرامؒ اور پابندیٔ شریعت

طریقت پابندیٔ شریعت کے سوا کچھ نہیں

مولانائے رومؒ کا قول ہے کہ شریعت ایک شمع ہے جو راہ دکھاتی ہے اور شریعت کی راہ پر چلنے کو ہی طریقت کہتے ہیں اور اس راستے پر چلنے کے بعد وصل الٰہی کی منزلوں کو پانے کا نام حقیقت ہے۔ مولانا رومؒ کی یہ تشریح قرآن کریم اور احادیث کے مضامین سے ماخوذ ہے۔ مولانا رومیؒ نے خود ہی اپنی مثنوی میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی مثنوی فارسی زبان میں قرآن ہی کو بیان کرتی ہے۔ قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث مبارکہ کا ان حقائق سے تعلق ہونا ہماری تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ یہاں زیادہ تفصیل میں جانا مناسب نہیں ہوگا۔ صرف یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اصل طریقت شریعت کی شدت سے پیروی کرنے سے ہی ملتی ہے۔

زمانۂ ماضی اور عصر حاضر میں دشمنان اسلام نے اپنی تمام تر کوششیں مسلمانوں کو اپنے دین سے منحرف کرنے میں صرف کر دی ہیں اور سیدھے سادے مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی ہے کہ اسلام کا منشاء صرف طریقت کی راہ کو ہموار کرنا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ طریقت کے مقابلے میں نعوذ باللہ شریعت کا کوئی مقام نہیں۔ ایسے لوگوں نے یہ تاثرات دیئے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی طریقت پر چلنے کے بعد مسلمان پر ایک ایسا مقام بھی آ جاتا ہے جہاں شریعت کا اطلاق اس پر باقی نہیں رہتا۔ اس موضوع کو ہم اپنی تصنیف ''سنتِ مبارکہ'' میں کافی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہاں اس بات پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ مسلمان کو شریعت کی اتباع کے بغیر کسی حالت میں بھی چارہ نہیں اور جو شریعت کا کسی حد پر انکار کرتا ہے وہ لعنتی اور مردود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اسلام نافذ کرنے کے لئے مبعوث فرمایا گیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ محفوظ کرلیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی مدد سے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی مکمل اور صاف صاف وضاحت کردی گئی ہے یہاں تک کہ زندگی کے کسی موڑ پر انسان کو مذہب سے آزاد زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہر معاملے میں واضح راہنمائی پیش کرتی ہے اور یہ ساری کی ساری زندگی پابندی شریعت کے علاوہ کچھ نہیں۔

اسلامی زندگی کی ابتداء پابندی شریعت سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء بھی پابندی شریعت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ نماز، روزہ، زکوۃ اور دیگر ارکانِ اسلام کا منشاء دلوں کی کثافتوں کو دور کرنے کے بعد ایک راستہ متعین کرنا ہے اور جب تک قلب انسانی بارگاہ الٰہی کے جمال کا مشاہدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا اس وقت تک اور اس کے بعد بھی انسان اتباع شریعت سے یکسر انحراف نہیں کرسکتا۔ راہ سلوک میں ایک مسلمان کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبادات اور مجاہداتِ اسلام کو ادا کرنے کے بعد اپنا جمال دل کی آنکھوں سے اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے جو کہ حقیقی دیدار یعنی معراج کا لطف دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ شریعت کی پابندی میں اللہ تعالیٰ اور بندے میں رابطہ استوار کرنے کے طریقے اور حقائقِ الٰہی کے پردوں کو ہٹانے کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس طرح انسان دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ نماز اور روزہ کی بار بار مشق اس لئے کرائی جاتی ہے کہ انسان ہمہ وقت بلاواسطہ جمالِ الٰہی کے جلوے لوٹتا رہے۔ یہی قرب جمال الٰہی اور دوام قرب کی تمنا عباداتِ الٰہیہ کا مقصود ہے۔ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ نے فرمایا ہے۔

اَلتَّصَوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ بِلَا وَاسِطَۃٍ[۱] — تصوف بندے کے دل کا اللہ کے ساتھ بلاواسطہ تعلق قائم ہوجانے کا نام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ طریقت میرے اعمال ہیں، حقیقت میری باطنی کیفیت اور معرفت میرا راز ہے،[۲] چنانچہ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق طریقت کی دعوت حقیقت میں شریعت کی اتباع کے سوا کچھ نہیں۔ اتباع شریعت کے متعلق بہت سی احادیث میں تاکید کی گئی ہے۔

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ۳۲۵۔

۲ الشفاء، قاضی عیاض مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۱۵، دار المعرفہ، بیروت۔

طریقت کا مقصد شدت سے شریعت کی اتباع کرنا ہے

شریعت کی شدت سے اتباع کرنا طریقت کا مقصود ہے، لہٰذا طریقت کے راستے کو اختیار کرنے کی غایت میں عبادات کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی کوشش پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مشائخ عظام نے اس کو مسلمانوں کیلئے فرائض کے علوم کی طرح قرار دیا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں ہے کہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں جس نے فقہ کے بغیر تصوف کو حاصل کیا وہ زندیق ہوا، اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا، اور جس نے ان دونوں کو (فقہ اور تصوف) کو ملایا وہ محقق ہوا۔[1] جو لوگ شرعی احکام کی اتباع نہیں کرتے اور تصوف کے دعوے دار بنتے ہیں وہ جھوٹے اور دین کے چور ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا جس نے شریعت کے ایک فرض کو ترک کیا وہ شریعتِ مطہرہ کے دائرے سے خارج ہوا۔ ہماری تصنیف ''سنتِ مبارکہ'' میں مقامِ سنت، اتباعِ سنت، اور اطاعتِ سنت کے بارے میں بہت طویل تحریریں پیش کی گئی ہیں۔ مذکورہ کتاب میں ائمہ اسلام کے اقوال شریعت کی پابندی کی وضاحت میں بہت شدومد سے بیان کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اتباعِ شریعت کے بغیر مسلمان کو چارہ نہیں اور اس سے پہلے جس قدر مشائخ اور ائمہ اسلام گزر چکے ہیں سب نے پابندی شریعت کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ شریعت کی مخالفت میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ سب کچھ کفر ہے اور ایسے اقوال کے حامل تمام لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر اجماعِ اُمت ہے اور اجماعِ اُمت کا انکار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں متعدد بار اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ اہلِ طریقت میں سلسلہ نقشبندیہ تمام سلاسل سے اسی وجہ سے ممتاز ہے کہ اس میں شریعت کی اتباع کا سختی سے اہتمام کیا جاتا ہے۔ جو سلسلہ شریعت کے التزام کو ضروری خیال کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے اس کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ قربت حاصل ہو جاتی ہے۔

علمِ تصوف اصولِ کتاب اور سنت سے مقیّد ہے

اسلامی تصوف مسلمانوں کے ظاہر و باطن کو روح اسلام سے ہم آہنگ کرتا ہے اور اصلاح اخلاق،

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۲۔

تصفیہ باطن، بیداری قلب، تعمیر شخصیت، نفسانی بتوں کے خلاف جہاد، رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع مسلمانوں کے کردار و اخلاق کی تشکیل کرتا ہے۔ اس کتاب میں بزرگان دین اور مشائخ کبار نے طریقت کی جو تشریح اپنے اپنے وقت میں بیان کی ہے اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ قلمبند کر دی گئی ہے۔ صوفیائے متقدمین احکامِ قرآن اور سنتِ نبویہ ﷺ کے مطابق اپنی تمام تر توجیہاتِ نفسانی کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان کے ہاں غیر اسلامی افکار کو دوبارہ اختیار کرنے کی قطعاً کوئی رغبت نہیں پائی جاتی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ اور دیگر اکابرینِ اسلام نے اتباع سنت پر جو کلام پیش کیا ہے آپ اس کا مطالعہ ہماری تصنیف (سنت مبارکہ) میں ائمہ کرامؒ کے اقوال کے ابواب میں کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت عبدالوہاب شعرانیؒ اور حضرت عثمان بن علی الہجویریؒ کے اقوال نیچے نقل کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت جنید بغدادیؒ (۲۹۷ھ) سنت کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: i۔ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والوں کے سوا تمام لوگوں پر قرب الٰہی کے دروازے بند ہیں۔ ii۔ ہمارا مذہب اصول، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے مقید ہے۔ iii۔ ہمارا علمِ طریقت حدیثِ رسول ﷺ سے مضبوط ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر مجھ پر کوئی چیز سخت ترین نہ ہوئی سوائے علم دین اور اس کی اتباع کے (یعنی سوائے اتباعِ قرآن و سنت کے)۔ آپؒ نے اپنی پوری زندگی انہماک اور استغراق کے ساتھ اتباعِ رسول ﷺ میں گزار دی۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی صاحبِ کرامت بھی ہو تو اس کو اس وقت تک ولی تسلیم نہ کرو جب تک تم دیکھ نہ لو، کہ وہ اتباعِ شریعت پر قائم ہے یا نہیں۔

۳۔ حضرت عثمان بن علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا صوفی نہیں ہے جو شریعت اور طریقت میں فرق کرتا ہو اس لئے کہ طریقت بغیر شریعت کے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ آپؒ نے مزید فرمایا کہ جہنم میں خیمہ لگا کر بیٹھنا آسان ہے بہ نسبت اس بات کے کہ ایک مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

پابندی شریعت پر چند ائمہ اسلام کے اقوال

تمام ائمہ اسلام نے پابندی شریعت پر سختی سے عمل پیرا ہونے اور سنت مصطفوی ﷺ کی اتباع کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ درج ذیل مضمون میں چند جید ائمہ کے اقوال کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلام میں

شریعتِ اسلامی سے بہ یک مو انحراف کا اختیار سوائے معذور اشخاص کے کسی کو نہیں دیا۔ جو لوگ زیرِ بحث مضمون سے اختلاف رکھتے ہیں یہ صرف ان کی اپنی اختراع کے باعث ہے اور وہ پابندی شریعت سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہیں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند (ض ک:۵۲۶)

ا۔حضرت شیخ شبلیؒ کا قول مبارک

سید الطائفہ حضرت ابو القاسم جنید بن محمد بغدادیؒ (۲۹۷ھ) مشہور و معروف اولیاء کبار میں سے ہوئے ہیں، شیخ شبلیؒ نے انہی سے تربیت حاصل کی۔ فرماتے ہیں۔

(۱) اَلطُّرُقُ کُلُّهَا مَسْدُوْدَةٌ عَلَی الْخَلْقِ اِلَّا مَنِ اقْتَفٰی اَثَرَ الرَّسُوْلِ ﷺ [1]

رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والوں کے سوا تمام لوگوں پر قرب الٰہی کے راستے بند ہیں۔

(۲) مَنْ لَمْ یَحْفَظِ الْقُرْاٰنَ وَلَمْ یَکْتُبِ الْحَدِیْثَ لَایُقْتَدٰی بِهٖ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ لِاَنَّ عِلْمَنَا هٰذَا مُقَیَّدٌ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ [2]

جس شخص نے نہ قرآن مجید یاد کیا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو طریقت میں اس شخص کی پیروی نہیں کی جا سکتی، اس لئے کہ ہمارے اس علم طریقت میں کتاب و سنت کی قید پائی جاتی ہے۔

(۳) عِلْمُنَا هٰذَا مُقَیَّدٌ بِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ [3]

ہمارا علمِ طریقت حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے مضبوط ہوتا ہے۔

(۴) مَذْهَبُنَا هٰذَا مُقَیَّدٌ بِاُصُوْلِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ [4]

ہمارا مذہب اصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے مقید ہے۔

۲۔حضرت ابو بکر طمستانیؒ کا قول

ابو بکر طمستانیؒ کو صوفیاء کے پانچویں طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ علمُ الرِّجال کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھے۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] رسالہ قشیریہ، ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن، متوفی ۴۶۵ھ، صفحہ ۲۰، المکتبۃ الحسینیہ، مردان۔
[2] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۶۔ [3] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۶۔ [4] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۶۔

(ا) مَنِ اتَّبَعَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَهَاجَرَ اِلَى اللّٰهِ بِقَلْبِهٖ وَاتَّبَعَ آثَارَ الصَّحَبَةِ لَمْ تَسْبِقْهُ الصَّحَبَةُ اِلَّا بِكَوْنِهِمْ رَأَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ [1]

جس نے کتاب وسنت کی پیروی کی اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کی اور صحابہ ؓ کے نقش قدم پر چلا تو صحابہ ؓ اس سے صرف اس لئے افضل ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔

(ب) ہمارا طریقہ روز روشن کی طرح واضح ہے اور کتاب وسنت ہمارے درمیان موجود ہے۔ ہجرت اور صحبتِ نبوی ﷺ کی وجہ ہی سے صحابہ ؓ کا افضل ہونا بھی یقینی ہے لہٰذا ہم میں سے جو شخص کتاب وسنت کی پیروی کرے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دور ہو جائے اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے تو وہ سچا ہے اور صحیح راہ پر ہے۔ [2]

۳۔ حضرت ابوالقاسم قشیریؒ کا قول

امام قشیریؒ فرماتے ہیں:

(ا) صوفیاء کی ایک جماعت کا ہم نے (رسالہ قشیریہ میں) ذکر کر دیا ہے۔ ان کا ذکر کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ تمام کے تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کی تعظیم کی جائے۔ یہ لوگ طرح طرح کی ریاضتیں کرتے ہیں اور اتباع سنت پر کاربند رہتے ہیں۔ [3]

۴۔ حضرت ابوسلیمان درانیؒ کا قول

ابوسلیمان فرماتے ہیں:

رُبَمَا يَقَعُ فِىْ قَلْبِىْ النِّكَاتُ مِنْ نِّكَتِ الْقَوْمِ اَيَّامًا فَلَا اَقْبَلُ هٰذِهٖ اِلَّا بِشَاهِدَيْنِ عَادِلَيْنِ اَلْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ [4]

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکاتِ معرفت وارد ہوتے ہیں اور کئی دنوں تک رہتے ہیں مگر جب تک کتاب وسنت جیسے دو گواہ اس کی تائید نہیں کرتے میں انہیں قبول نہیں کرتا۔

---

[1] لواقح الانوار، جلد ا، صفحہ ۱۰۴۔ [2] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۳۱۔
[3] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۳۳۔ [4] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۶۔

۵۔حضرت سہل تستریؒ کا قول

ابومحمد سہل بن عبداللہ تستریؒ ائمہ صوفیاء میں سے ہوئے ہیں، پرہیزگاری میں یکتائے روزگار اور صاحبِ کرامات تھے، شیطان سے ان کا مناظرہ مشہور ہے۔ذوالنون مصریؒ سے ان کی ملاقات مکہ میں ہوئی جب کہ یہ وہاں حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔انہوں نے ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔فرماتے ہیں:

اُصُوْلُنَا سَبْعَةُ اَشْيَاءٍ اَلتَّمَسُّکُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَالْاِقْتِدَاءُ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَكْلُ الْحَلَالِ وَكَفُّ الْاَذٰى وَاجْتِنَابُ الْمَعَاصِىْ وَالتَّوْبَةُ وَاَدَاءُ الْحَقِّ [1]

ہمارے سات اصول ہیں: قرآن پر پابند رہنا، سنت نبوی کی اقتداء، اکل حلال، کسی کو دکھ نہ دینا، گناہوں سے پرہیز، توبہ اور رضائے حق۔

۶۔حضرت ابن عطاء آدمیؒ کا قول

ابوالعباس احمد بن محمد بن عطاء آدمیؒ صوفیاء کے کبار مشائخ میں سے تھے۔انہوں نے تصوف کے رنگ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔فرماتے ہیں:۔

مَنْ اَلْزَمَ نَفْسَهُ آدَابَ الشَّرِيْعَةِ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِنُوْرِ الْمَعْرِفَةِ وَلَا مَقَامَ اَشْرَفُ مِنْ مَقَامِ مُتَابِعَةِ الْحَبِيْبِ ﷺ فِى اَوَامِرِ الْاَفْعَالِ وَالْاَخْلَاقِ [2]

جس نے اپنے نفس پر آداب شریعت کا لحاظ رکھنا لازمی قرار دیا اللہ اس کے دل کو نور معرفت سے منور فرمائیں گے۔پیارے نبی ﷺ کے اوامر، افعال اور اخلاق کی تابعداری سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہوسکتا۔

۷۔شیخ احمد ملثمؒ کا قول

شیخ ابوالعباس احمد ملثمؒ مصر کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ان کے والد ممالکِ مشرق کے باشندے تھے، مگر انہوں نے سب کچھ چھوڑ کر طریق فقر اختیار کرلیا تھا۔انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے۔فرماتے ہیں۔

[1] طبقات الصوفیہ، محمد بن الحسین الأزدی، متوفی ۴۱۲ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔ [2] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۵۔

لَمْ یَکُنِ الْاَقْطَابُ اَقْطَابًا	نہ کوئی قطب، قطب بن سکا ہے اور نہ اوتاد
وَالْاَوْتَادُاَوْتَادًا وَالْاَوْلِیَاءُ اَوْلِیَاءَ اِلَّا	اوتاد اور نہ ولی، ولی جب تک اس نے
بِتَعْظِیْمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَمَعْرِفَتِھِمْ بِہٖ	رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی تعظیم نہیں کی
وَاِجْلَالِھِمْ بِشَرِیْعَتِہٖ وَقِیَامِھِمْ بِآدَابِہٖ [1]	اور اس کے احکام بجانہیں لائے۔

۸۔شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کا بیان

حضرت شاذلیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

(i) اِذَا عَارَضَ کَشْفُکَ الْکِتَابَ	جب تمہارا کشف کتاب وسنت کے خلاف ہو
وَالسُّنَّةَ فَتَمَسَّکْ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَةِ	تو تم کتاب وسنت پر پابند رہو اور کشف کو
وَدَعِ الْکَشْفَ [2]	چھوڑ دو۔

اور اپنے نفس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری حفاظت کی ضمانت کتاب وسنت میں رکھی ہے نہ کہ کشف، الہام اور مشاہدہ میں۔ مشائخ عظام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے عمل کی بنیاد کشف، الہام اور مشاہدہ پر رکھے مگر یہ کہ پہلے انہیں کتاب وسنت پر پیش کرے۔

(ii) مشائخ کا قول ہے کہ ''ایمان اور اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں جسے دونوں باتیں حاصل ہو جائیں اور پھر وہ کسی اور چیز کا مشتاق ہو تو وہ شخص مفتری اور کذاب ہے یا اسے اپنے علم میں صحیح بات معلوم کرنے میں غلطی لگی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ کے دربار میں حضوری کا شرف حاصل ہو اور وہ نیچے درجے کے لوگوں کے ساتھ رابطے کا خواہاں ہو''۔

۹۔ابراہیم دسوقیؒ کا قول

حضرت دسوقیؒ جب کسی مرید سے عہد لیتے تو ان الفاظ میں لیتے۔ ''اے فلاں! عبادت کے طریقہ میں کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت پر چلنا، نماز پڑھتے رہنا، زکوٰۃ ادا کیا کرنا، روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور تمام شرعی اوامر اور احادیث مرویہ کی تابعداری کرنا، قولاً، فعلاً اور اعتقاداً ہر طرح سے اللہ کی اطاعت میں لگے رہنا۔ اپنے نبی محمد ﷺ کے اخلاق کی پیروی کرنا، اگر اتنا نہ کرسکو تو کم از کم اپنے پیر کے

---

[1] الطبقات الکبریٰ، عبدالوہاب الشعرانی، جلد ۱، صفحہ ۱۶۰، بیروت۔ [2] الطبقات الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۲۱۶۔

اخلاق کی ہی پیروی کر لینا اور کہیں اس سے بھی نیچے گر گئے تو ہلاک ہو جاؤ گے،،۔[۱]

ذرا غور فرمائیں کس قدر واضح الفاظ میں کتاب وسنت کی پیروی کرنے کا عہد لیا جا رہا ہے ان امور کی پابندی کے باوجود اگر کسی سے بظاہر کوئی خلاف شریعت امر دکھائی دے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَلَا یُقْدَحُ فِیْ صَاحِبِ الْخِرْقَةِ	صاحب خرقہ پر صرف اس وقت عیب جوئی کی جا
اِلَّا اِنْ خَالَفَ صَرِیْحَ الْکِتَابِ	سکتی ہے جب وہ کتاب وسنت کے صریح احکام
وَالسُّنَّةِ اِخْتَارًا[۲]	کی خلاف ورزی کرے۔

۱۰۔امام شعرانیؒ کا قول

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں:

(ا) یاد رکھو کہ صوفیاء کا طریقہ کتاب وسنت کے مطابق ہے۔جس نے کتاب وسنت کے خلاف کیا وہ راہ مستقیم سے بھٹک گیا۔

(ب) ولی کے لئے کرامت کا ظاہر ہونا شرط نہیں، اگر شرط ہے تو یہ کہ وہ احکام خداوندی کی تابعداری کرے اور نواہی سے پرہیز کرے تا کہ اس کی حالت کتاب وسنت سے مطابقت کی وجہ سے پختہ ہو،لہٰذا جس شخص کا یہ حال ہوگا تو اس کی ولایت پر قرآن گواہ ہے۔[۳]

حضرت جنیدؒ کی اتباعِ سنت

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں جب تک ایک ہاتھ سے قرآن اور دوسرے سے سنت رسول ﷺ نہ پکڑلو اس وقت تک اس راستہ پر نہ چلو تا کہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرو اور نہ بدعت کی تاریکیوں میں مبتلا ہوسکو۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ درجہ مجھے قیل وقال اور جنگ وجدال سے نہیں ملا بلکہ بھوک، پیاس، ترک نیند اور ترک دنیا سے ملا ہے''۔روایات میں ہے کہ جب آپؒ کی آنکھ میں تکلیف ہوگئی تو طبیب نے کہا کہ اگر آنکھ کی صحت درکار ہے تو چند دن کے لئے آنکھ پر پانی نہ ڈالو تا کہ آنکھ کا آپریشن خراب نہ ہو جائے۔آپؒ نے

---

[۱] لواقح الانوار، جلد ا، صفحہ ۱۵۱۔　　[۲] الطبقات الکبریٰ، جلد ا، صفحہ ۱۷۹۔

[۳] الانوار القدسیہ، جلد ا، صفحہ ۳۸۔

فرمایا کہ پانی استعمال نہ کروں تو وضو کیسے کروں؟ مجھے نماز کا اور وضو کا ترک کرنا منظور نہیں۔ طبیب نے پھر وہی کہا اور چلا گیا۔ جب نماز کا وقت آیا تو آپؒ نے وضو کیا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو آنکھ اچھی ہوگئی۔ اسی وقت آواز آئی ''جنیدؒ تم نے میری رضا کے لئے آنکھ کا نقصان گوارا کیا اگر اس کے اجر میں تمام اہل دوزخ کی بخشش چاہتے ہو تو ہم تیار ہیں''۔ جب دوسری دفعہ طبیب آیا تو آنکھ کو درست پا کر سبب پوچھا تو آپؒ نے سب کچھ بیان کر دیا۔ وہ طبیب اسی وقت مسلمان ہو گیا اور کہا یہاں انسان کا کیا کام؟ یہ خالق کا علاج ہے''۔

آپؒ فرماتے تھے کہ جب تک کسی ولی اللہ کو شریعت کا پابند نہ دیکھ لو اس وقت تک اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ کے ساتھ پہچانا اور اللہ کے ماسوا کو اللہ کے نور کے ساتھ پہچانا۔ آپؒ نے عام مومنین، اولیاء، شہداء، صالحین، صدیقین اور اولوالعزم رسولوں کے متعلق فرمایا کہ جہاں ایک کی انتہا ہے دوسرے کی ابتداء ہے حتیٰ کہ جہاں اولوالعزم رسولوں کی انتہا ہے وہاں مصطفیٰ ﷺ کی ابتداء ہے مگر آپ ﷺ کی انتہا کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

حضرت مجددؒ کے پابندیٔ شریعت پر نظریات

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے پابندیٔ شریعت اور اس کی اہمیت پر جو خامہ آرائی فرمائی ہے اُسے قارئین کے سامنے بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت مجددؒ نے شرعی حلت و حرمت کے ثابت کرنے کے متعلق مکتوبات میں فرمایا ہے کہ احکامِ شرعیہ کے ثابت کرنے میں جو چیز معتبر ہے وہ کتاب اور سنت ہے۔ مجتہدین کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام شرعیہ کو ثابت کرنے والے ہیں اور ان چار دلیلوں کے سوا کوئی اور دلیل نہیں جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ الہام حلت اور حرمت کو ثابت نہیں کرتا۔ اس کو تسلیم کرنے میں ولایت خاصہ والے اور عام مومنین تقلید میں برابر ہیں (دونوں کو ماننا ضروری ہے) ولایت خاصہ والوں کو ان کا کشف اور الہام کوئی قربت نہیں بخشتے اور انہیں تقلید سے باہر نہیں لاتے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ اجتہادی احکام میں عام مومنین کی طرح تقلید میں برابر ہیں۔ اصحاب کشف و مجاہدات کی فضیلت دوسرے امور میں ہوتی ہے۔ یہ بزرگوار اربابِ تجلّیات اور ظہورات ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبے کی وجہ سے ماسوا اللہ تعالیٰ سے تعلق قطع کر چکے ہیں اور غیر اور غیریت کے دیکھنے اور جاننے سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اگر وہ کوئی سرمایہ رکھتے ہیں تو حق

تعالیٰ ان کا سرمایہ ہے۔ یہ واصل باللہ ہیں تو اسی سے، عالم میں رہ کر بے عالم ہیں، باخود ہوتے ہوئے بےخود ہیں، جیتے اور مرتے اسی کیلئے ہیں۔ وہ ہر ذرہ میں محبوبِ حقیقی کا مشاہدہ کرتے ہیں، اس راہ کے مبتدی ہر ذرے کو اللہ کے اسمائی وصفاتی کمالات کا جامع پاتے ہیں۔ ان کے منتہیوں کا کیا کہا جائے، یہ لوگ بےنشان ہیں، ان کا پہلا قدم ماسوا اللہ کا فراموش کرنا ہے اور دوسرا قدم انفس اور آفاق سے بھی باہر ان ہی کیلئے ہے۔ الہام اور کلام بھی ان ہی کے لئے مخصوص ہے، ان کے اکابر علوم و اسرار کو اصل سے بلاواسطہ اخذ کرتے ہیں۔ جس طرح مجتہد اپنے اجتہاد کے تابع ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ معارف اور مواجید میں اپنی فراست اور الہام کے تابع ہیں۔

باب نمبر۳

حضرات داتا گنج بخشؒ، جنیدؒ اور بایزیدؒ

کے نزدیک حضوری کا تصور

حضرت داتا گنج بخشؒ ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں کہ فنِ تصوف میں حضور سے مراد حضورِ دل ہے، ارادت اور یقین کے ساتھ۔ پس حضور سے مراد یقین کی دلالت وراہنمائی کے ساتھ حاضر ہونا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا غیبی حکم بندہ کیلئے عینی حکم کی طرح ہو جائے اور غیبت سے مراد دل کا اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے غائب ہونا ہے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو جائے اور اپنی غیبت سے بھی غائب ہو جائے تا کہ اپنی غیبت سے اپنی ذات کو نہ دیکھے کہ کس طرح ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ نسبتوں اور رسومات سے اعراض کرتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام حرام کا ارتکاب کرنے سے معصوم ہوتے ہیں۔ اپنی ذات سے غائب ہونا اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا خود سے غائب ہونا ہے۔ [۱] حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس سلسلہ میں کافی بحث کی ہے جس کو خوفِ طوالت کی وجہ سے زیادہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے کہ ایک جماعت حضور کو غیبت پر مقدم رکھتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مہربانیاں اور کمال حضور کے اندر ہیں اور غیبت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا ایک راستہ ہے اور جب بندہ منزل پر پہنچ جائے تو رابطہ اس کے لئے حاصل بن جاتا ہے۔ پس ہر وہ شخص جو اپنے آپ سے غائب ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے اور غیبت کا فائدہ حضور کے ساتھ حاصل ہوتا ہے لیکن غیبت بغیر حضور کے جنون اور بے خودی ہے، لہٰذا غیبت سے مقصود حضور کو حاصل کرنا ہے اور جب مقصود حاصل ہو جائے تو غیبت ساکت ہو جاتی ہے۔ حاضر وہ ہوتا ہے جس کے اندر برا یا اچھا چاہنے والا دل ہی نہ ہو۔ اس کو دنیا اور آخرت کی فکر نہ ہو اور اس کا آرام خواہشات کے ساتھ نہ ہو۔ [۲]

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۳۔ ۲ کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۵ تا ۴۹۶۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ کا ایک مرید حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملنے کیلئے گیا۔ جب اس نے آپ کے دروازے پر دستک دی اور پوچھا کہ کیا بایزیدؒ گھر میں ہیں؟ تو حضرت بایزیدؒ نے گھر کے اندر سے جواب دیا کہ بایزید کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور وہ کیا ہے؟ میں خود بایزیدؒ کو کافی مدت سے تلاش کر رہا ہوں لیکن اسے نہ پا سکا۔ جب مرید نے یہ واقعہ حضرت ذوالنون مصریؒ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا "اَخِیْ ذَھَبَ فِی الذّاھِبِیْنَ فِی اللّٰہِ" (یعنی بھائی بایزیدؒ جانے والوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں چلا گیا)۔ [1]

حضرت علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ جو اپنے آپ سے غائب نہیں وہ حاضر بحق نہیں ہو سکتا۔ مرزا غالب نے فرمایا کہ۔

ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

علامہ اقبالؒ نے بانگ درا میں فرمایا ہے۔

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبالؔ! اپنے آپ کو آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں (ب د:۱۰۷)

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت سے شناسا گہرا ہے مرے بحرِ خیالات کا پانی
مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبالؔ کو دیکھوں کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانی
اقبالؔ بھی اقبالؔ سے آگاہ نہیں ہے کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے (ب د:۶۰)

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ غیبت کا حاصل حضور ہے اور غیبت بے حضور بیکار ہے۔ غیبت حضور کیلئے ذریعہ ہے اور مقصود کے حاصل ہونے کے بعد ذریعۂ کار کی ضرورت نہیں رہتی یعنی غیبت کے بغیر حضور رہتا ہے۔ فرماتے ہیں "غائب وہ نہیں جو اپنے شہر سے غائب ہو بلکہ غائب وہ ہے جو اپنی مراد سے غائب ہو جائے یا ہر آرزو سے غائب ہو (یعنی اپنے آپ سے غائب ہو) حاضر وہ نہیں جس کی کوئی آرزو نہ ہو بلکہ حاضر وہ ہے جس کے دل میں دورنگی نہ ہو اور اس کی آرزو فقط ذاتِ باری تعالیٰ ہو"۔ فرماتے ہیں اہلِ حضور بارگاہِ الٰہی میں باریاب ہوتے ہیں۔ حضوری کا مقام دل ہے اور حضوری انسان کو فراموش ہونے نہیں دیتی اور حضوری یقین سے اس لئے بہتر ہے کہ یقین ایک آنی جانی چیز ہے یعنی یہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اہل یقین گویا آستانے

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۶ تا ۴۹۷۔

پر پڑے ہیں اور یقین مسلسل ہو تو حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔ حضور اور غیبت پر ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' اور ''حضورِ قلب'' میں کافی مواد شامل کر دیا گیا ہے۔

حضرت جنیدؒ سے مروی ہے کہ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک وقت مجھ پر ایسا ہوتا ہے کہ زمین و آسمان والے میری حیرت پر روتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں ان کی آرزوئے عنایت پر روتا ہوں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں ان سے باخبر ہوتا ہوں نہ اپنے سے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ یہ درجۂ کمال کی طرف اشارہ ہے اور یہی حضوری خاص ہے۔ ایک شخص حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کچھ مدت میرے ساتھ رہ تا کہ چند باتیں تجھ سے کروں۔ پھر فرمایا اے جواں مرد! تو مجھ سے کچھ ایسی چیز مانگ رہا ہے، مجھے دیر ہوگئی کہ وہی چیزیں میں طلب کر رہا ہوں بلکہ مجھے سالہا سال گزر گئے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک بار بنفسِ نفیس خود حاضر ہوسکوں مگر نہ ہوسکا۔ اب اس گھڑی تیرے ساتھ حاضر ہوسکا ہوں۔[1]

آدابِ طریقت اور رُموزِ طریقت

ایک دن حضرت بایزیدؒ نے اپنے پاؤں پھیلائے تو ایک مرید نے بھی پھیلا دیئے اور جب آپؒ نے پاؤں سمیٹے تو اس نے بھی سمیٹنے کی کوشش کی مگر اس کے پاؤں شل ہو کر رہ گئے اور موت تک یہ حالت رہی کیونکہ اس نے مرشد کے پاؤں پھیلانے کو ایک معمولی بات سمجھا تھا۔ ایک شخص جو آپ کی عظمت و کرامت کا منکر تھا اس نے کہا مجھے راہِ خداوندی سے آگاہ فرمائیں، آپ نے اس کی بد باطنی اور خباثت کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ فلاں پہاڑ پر میرا ایک دوست مقیم ہے، اس سے جا کر اپنی خواہش کا اظہار کرو، چنانچہ جب وہ شخص وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا مہیب قسم کا اژدھا بیٹھا ہوا تھا۔ یہ اس کو دیکھتے ہی مارے خوف کے بے ہوش ہوگیا اور جب ہوش میں آیا تو حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ بیان کیا۔ آپؒ نے کہا عجیب بات ہے کہ تم مخلوق سے تو اس قدر خائف ہو اور خالق کی ہیبت نے تمہارے قلب پر قطعاً کچھ اثر نہیں کیا۔ اس بنیاد پر مجھ سے رموزِ خداوندی معلوم کرنے آئے تھے۔ اسی طرح ایک عیسائی بھی آپ کی کرامات کو دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ ایسی کرامتیں تو میں بھی پیش کرسکتا ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ جب ایک مرتبہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو چونکہ آپ اس کی ہرزہ سرائی سے

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۷۔

واقف تھے اس لئے ایک لمبی آہ کھینچی کہ وہ غش کھا کر گرا اور تین روز اسی حالت میں گزر گئے حتیٰ کہ حوائج ضروریہ بھی کپڑوں ہی میں پوری کرتا رہا اور اس کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ پھر ہوش میں آنے کے بعد جب نہا دھو کر آپؒ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا بہت اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ ہاتھی کا بوجھ گدھے پر نہیں ڈالا جا سکتا۔

ایک مرتبہ لوگوں نے قحط سے عاجز آ کر آپؒ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے مراقبہ سے سر اُٹھا کر فرمایا کہ جا کر پرنالوں کو درست کرو، بارش ہونے والی ہے، چنانچہ کچھ ہی دیر بعد بارش شروع ہوئی اور ایک دن رات مسلسل برستی رہی۔ آپؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کو مقبولیت عطا فرماتا ہے اس پر ایک ایسا فرعون مقرر کر دیتا ہے جو ہمہ وقت اسے اذیت پہنچاتا رہتا ہے۔ فرمایا گفتگو، آواز اور حرکت سب پردے کے باہر کی چیزیں ہیں لیکن پردے میں سوائے ہیبت و رعب اور خموشی کے کچھ بھی نہیں اور بندے کو جس وقت تک قربِ الٰہی حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک باتیں کرتا ہے لیکن جب حضوری حاصل ہوتی ہے تو سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔ فرمایا عارف وہ ہے کہ جس کی نظر میں ہر برائی اچھائی میں تبدیل ہو جائے اور خداشناس بندہ جہنم کیلئے عذاب ہوتا ہے اور جو خداشناس نہ ہو اس کے لئے جہنم عذاب ہے۔ خداشناسی کی راہوں میں بہت سے وہ لوگ آتے ہیں جو دولتِ ایمان سے خالی ہو کر پلٹ جاتے ہیں۔ فرمایا نفسانی خواہشات چھوڑ دینا دراصل واصل الی اللہ ہو جانا ہے۔ فرمایا کہ اگر تمہارے سامنے پوری دنیا کی نعمتیں پیش کر دی جائیں تو بھی مسرور نہ ہونا، اور اگر اذیتیں پہنچیں تو مایوس مت ہونا، کیونکہ جس نے لفظ "کُن" سے تمام عالم بنا دیا ہے اس کے قبضہ قدرت سے کوئی شے خارج نہیں۔ فرمایا جو شخص خود کو بہتر اور اپنی عبادت کو مقبول تصور کرتا ہے اور اپنے نفس کو بدترین نفوس میں شمار نہیں کرتا، اس کا شمار کسی بھی قابل قدر جماعت میں نہیں ہوتا۔

ایک یہودی جو آپ کا پڑوسی تھا، وہ کہیں سفر میں چلا گیا اور افلاس کی وجہ سے اس کی بیوی چراغ تک روشن نہیں کر سکتی تھی اور تاریکی کی وجہ سے اس کا بچہ تمام رات روتا رہتا تھا چنانچہ آپؒ ہر رات اس کے ہاں چراغ رکھ آتے۔ جس وقت یہودی سفر سے واپس آیا تو اس کی بیوی نے تمام واقعہ سنایا جس کو سن کر اس نے کہا

یہ بات کس قدر افسوس ناک ہے کہ اتنا عظیم بزرگ ہمارا پڑوسی ہو اور ہم گمراہی میں زندگی گزاریں چنانچہ میاں بیوی دونوں آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت بایزیدؒ کی خودشناسی حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ خود کو اپنے مرتبہ کے مطابق ہی ظاہر کرنا چاہیے یا جس قدر خود کو ظاہر کرتا ہے وہ مرتبہ حاصل کرنا چاہیے۔ فرمایا عشاق کیلئے شوق ایسی راجدھانی ہے جس میں تختِ فراق بچھا ہوا ہے۔ شمشیرِ ہجر رکھی ہوئی ہے اور وصل ہجر کی آغوش میں ہے اور شمشیر ہجر سے ہر وقت ہزاروں سر کاٹے جا رہے ہیں، لیکن سات ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی شاخِ وصال کو کوئی بھی ہاتھ نہیں لگا سکا۔

بھوک: آپؒ نے فرمایا کہ بھوک ایک ایسا امر ہے جس سے رحمت کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

نصیحت آپؒ کے ایک ارادت مند نے سفر میں جانے سے قبل نصیحت کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں کسی بری عادت سے واسطہ پڑ جائے تو اس کو اچھی عادت میں تبدیل کرنے کی سعی کرنا اور جب تمہیں کوئی کچھ دینا چاہے تو پہلے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بعد میں دینے والے کا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کو تم پر مہربان کیا ہے اور جب ابتلاء میں پھنس جاؤ تو عجز سے کام لینا کیونکہ صبر کی تم میں طاقت نہیں ہے۔ فرمایا کہ جو ازروئے تکبر اشاروں کنایوں میں گفتگو کرتا ہے وہ خدا سے دور ہے اور جو مخلوق کی اذیت رسانی کو برداشت کرتا ہے اور مخلوق سے خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے وہ خدا سے بہت نزدیک ہے۔

سوالات و جوابات جب حضرت بایزیدؒ سے زہد کی تعریف پوچھی گئی تو فرمایا زہد کی کوئی تعریف نہیں ہے اور میں نے صرف تین یوم زہد کے عالم میں گزارے ہیں۔ ایک دن ازل میں، دوسرا دن آخرت میں اور تیسرا دن وہ ہے جو ان دونوں دنوں سے علیحدہ ہے۔ پھر ندا آئی کہ اے بایزیدؒ! یہ تیری قوت سے باہر ہے کہ تو ہمیں برداشت کر سکے۔ میں نے عرض کی میری بھی یہی خواہش ہے۔ ندا آئی کہ تیری خواہش پوری ہو گئی، فرمایا کہ میں اسی طرح راضی برضا ہوں کہ اگر کسی کو اعلیٰ علیین میں اور مجھ کو سجین میں ڈال دیا جائے تب بھی اپنی حالت پر خوش رہوں گا۔

تکبر طریقت کی راہ میں رکاوٹ ہے اور تکبر کا علاج

ایک شخص تیس سال تک آپؒ کی صحبت میں عبادت کرتا رہا اور ایک دن آپؒ سے عرض کیا کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی آپؒ کی تعلیم مجھ پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ آپؒ نے فرمایا کہ ایک ہی صورت

میں تیرے اوپر اثر ہوسکتا ہے لیکن وہ تجھے قابلِ قبول نہ ہوگی۔اس نے عرض کیا کہ میں آپؒ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔آپؒ نے فرمایا کہ داڑھی، مونچھ اور سر کے تمام بال منڈوا کر اور ایک کمبل اوڑھ کر ایک تھیلے میں اخروٹ بھر لے اور ایسی جگہ پر جا بیٹھ جہاں بہت سے لوگ تجھ سے واقف ہوں اور بچوں سے کہہ دے کہ جو بچہ مجھے ایک تھپڑ مارے گا میں اسکو ایک اخروٹ دوں گا۔بس یہی تیرا واحد علاج ہے، اسلئے کہ ابھی تک تو اپنے نفس پر قابو نہیں پا سکا۔اس نے جواب میں کہا کہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "آپ نے فرمایا یہ کلمات اگر کسی کافر کی زبان سے ادا ہوتے تو وہ مسلمان ہو جاتا لیکن تو اس لئے مشرک ہو گیا ہے کہ تو نے عظمتِ خداوندی کی بجائے اپنی عظمت کا اظہار کیا۔یہ سن کر اس نے عرض کیا کہ آپ کی بتائی ہوئی ترکیب میرے لئے قابلِ قبول نہیں۔آپؒ نے کہا کہ یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تو میری بات پر عمل نہیں کرے گا۔[1]

حضرت بایزیدؒ کا کتے سے سوال و جواب

ایک مرتبہ حضرت بایزیدؒ اپنے ارادت مندوں کے ہمراہ ایک تنگ گلی سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے ایک کتا آ گیا، چنانچہ آپ نے اور مریدین نے راستہ چھوڑ دیا۔وہ کتا نکلا اور چلا گیا۔اسی وقت کسی مرید نے پوچھا کہ جب خداوند تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو پھر آپ نے کتے کیلئے راستہ کیوں چھوڑ دیا؟ آپ کے اس عمل سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کتے کو ہم پر برتری حاصل ہے اور یہ بات خلافِ عقل بھی ہے اور خلافِ شرع بھی۔آپ نے جواب دیا کہ اس کتے نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ ازل میں مجھ کو کتا اور آپ کو سلطان العارفین کیوں بنایا گیا، اس میں میرا کیا قصور تھا اور آپ کی کیا فضیلت تھی؟ چنانچہ میں نے اس خیال سے کہ اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اس نے مجھے کتے پر فضیلت عطا کر دی اس لئے میں نے راستہ چھوڑ دیا۔پھر دوسری مرتبہ راستے میں کتا ملا تو آپ نے دامن سمیٹ لیا جس پر اس کتے نے عرض کیا کہ آپ نے دامن کیوں بچایا؟ اس لئے کہ اگر میں بھیگا ہوا نہیں ہوں تو مجھ سے ناپاکی کا خطرہ نہیں ہے اگر بھیگا ہوتا تو آپ اپنے کپڑے پاک کر سکتے تھے لیکن یہ تکبر ہے جس کا آپ نے مظاہرہ فرمایا یہ تو سات سمندروں کے پانی سے بھی صاف نہیں ہوسکتا۔آپؒ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے اس لئے کہ تیرا تو ظاہر نجس ہے اور میرا باطن، لہٰذا ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنا چاہیے تاکہ کچھ پاکیزگی میرے باطن کو بھی حاصل ہو جائے لیکن کتے نے کہا کہ ہم دونوں کا ایک ساتھ رہنا ممکن نہیں، کیونکہ میں مردود ہوں اور آپ مقبولِ بارگاہ۔دوسرا یہ کہ

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۳۔

میں دوسرے دن کیلئے ایک بھی ہڈی جمع نہیں کرتا اور آپ سال بھر کا غلہ جمع کر لیتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا صد حیف! جب میں کتے کے ہمراہ رہنے کے قابل نہیں تو پھر خدا کا قرب کیسے حاصل ہوسکتا ہے وہ پاک ہے اللہ تعالیٰ جو کہ بدترین مخلوق کی باتوں سے بہترین مخلوق کو درسِ عبرت دیتا ہے۔

جس کے پاس الطافِ خداوندی کی مسند ہو
تو اسے کسی مسند کی ضرورت نہیں

حضرت ذوالنونؒ نے حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں ایک جائے نماز ارسال کی تو آپؒ نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ مجھے اس کی حاجت نہیں۔ البتہ ایک مسند کی ضرورت ہے یعنی میں اب ایسا بے نیاز ہو چکا ہوں کہ مجھے نماز کیلئے مُصلےٰ کی ضرورت نہیں ہے۔ جب انہوں نے نفیس قسم کی مسند بھجوائی تو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ جس کے پاس الطافِ خداوندی کی مسند موجود ہو اس کو دنیوی مسند کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جب کہ آپ نہایت پریشان حال تھے۔ اگر مسند قبول کر لیتے تو مباح تھا لیکن از روئے تقویٰ دونوں چیزیں واپس کر دیں۔[۱]

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۲۔

باب نمبر ۴

حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ

کے چند محیّر العقول واقعات

جہاں حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کی روحانیات، تصرفات اور کمالات میں بہت سی مشترک قدریں نظر آتی ہیں وہاں ان حضرات کی زندگیوں میں کچھ ایسے محیر العقول واقعات بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن کی وجہ سے ان دونوں بزرگوں کی زندگیوں میں ہم آہنگی اور یکسانیت کے تاثرات پائے جاتے ہیں۔ یوں تو ہر بزرگ ہستی کی روحانی زندگی کے متعلق عجیب و غریب داستانیں منقول ہیں لیکن ان دونوں بزرگوں کی زندگیوں میں ایسی داستانوں کے علاوہ کچھ ایسی روایات بھی پائی جاتی ہیں کہ جو عام بزرگوں کی داستانوں سے قطعاً مختلف اور منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔ اس باب میں ان دونوں حضرات سے متعلق چند ایسی روایات نقل کی جا رہی ہیں کہ جن کے مطالعے کے بعد انسانی عقل ورطہ حیرت میں پڑ جاتی ہے اور روحانی دنیا میں ان کا منفرد مقام سامنے آتا ہے۔ غالباً ایسے منفرد واقعات کے رونما ہونے کے بعد ان دونوں حضرات کو روحانی دنیا میں ایک منفرد مقام بھی حاصل ہو گیا ہے اور یہی ان کی شہرت اور بقائے دوام کا باعث بنا ہے۔

حضرت جنیدؒ کے واقعات

ا۔ حضرت جنیدؒ کی آزمائش کا ایک رقّت آمیز واقعہ

جب حضرت جنیدؒ کی محبوبیت کا چرچا تمام اطراف میں پھیل گیا تو وہاں کے شاہی دربار سے منسلک علماء کو سخت تردد ہونے لگا اور سب نے مل کر اس وقت کے عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کے دربار میں حضرت جنیدؒ

کے خلاف طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں اور آپؒ پر یہ الزام لگایا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ خلیفہ نے ان سے کہا کہ وہ اپنے طریقے سے عبادت کر رہا ہے اس میں دخل دینا ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ انہوں نے بار بار خلیفہ کے کان بھرے کہ جنیدؒ سماع کرتا ہے، رقص بھی کرتا ہے اور لوگوں کو صوفی بننے کی تعلیم دیتا ہے، جو اسلام کے منافی باتیں ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ یہ انسان کا اپنا فعل ہے کہ وہ مسجد میں کھلے عام عبادت کرے یا گوشہ نشین ہو کر اپنے مالک کو یاد کرے۔ بار بار شکایات کے سلسلے نے خلیفہ کو بھی متزلزل کر دیا۔ علامہ اقبالؒ کا قول ہے کہ مسلمانوں کو نیکی کے کام میں یکجا ہونے کا حکم ہے جیسا قرآن میں آیا ہے "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص"، (نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کرو اور برے کاموں میں تعاون نہ کرو) (المائدہ: ۲) مگر یہاں برے کاموں میں تعاون کے لئے علامہ اقبالؒ کا شعر یاد آتا ہے جس میں انہوں نے اس حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ ملک کے تمام علماء کا نیکی میں متفق ہونا تو بعید از قیاس ہے لیکن وہ علامہ اقبالؒ کی مخالفت میں تو متحد اور متفق ہو گئے ہیں۔ آپؒ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ علماء جو اکثر متفق نہیں ہوتے ان کا علامہ اقبالؒ کی مخالفت میں یکجا ہونا بھی ایک حیرت کی بات ہے۔ آپؒ نے فرمایا۔

یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لئے　　　　کہ یک زبان ہیں فقیہان شہر میرے خلاف

(ب ج: ۳۷۰)

بار بار شکایت پر خلیفہ نے کہا کہ اچھا میں اس کا امتحان لیتا ہوں اور اگر وہ اس سے بچ نہ سکا تو ہماری سزا سے بھی بچ نہ سکے گا۔ خلیفہ نے ایک کنیز تین ہزار دینار میں خریدی تھی اور وہ حسن میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ خلیفہ نے اسے زبردست طریقے سے آراستہ کروا کے حضرت جنیدؒ کے پاس جانے کو کہا اور اسے سمجھا دیا کہ اسے یہ کہنا کہ میں اپنی بقیہ زندگی آپؒ کے قدموں میں گزار کر سعادت دارین حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ جب وہ عورت روانہ ہوئی تو خلیفہ نے اس کے ساتھ اپنا ایک معتمد شخص روانہ کیا تا کہ وہ خلیفہ کو پوری روداد سے آگاہ کرتا رہے۔

مذکورہ عورت نے تمام ڈرامائی الفاظ حضرت جنیدؒ کے سامنے تنہائی میں دہرائے تو آپؒ نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ جب وہ سب کچھ کہہ چکی اور یہ بھی کہ اسے آپؒ سے بہت عقیدت ہے اور اب وہ آپؒ کے ساتھ بقیہ زندگی گزارنا چاہتی ہے تو آپؒ نے ایک آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور ایک سرد آہ بھری۔ حضرت

جنیدؒ کا یہ رنگ وجلال دیکھ کر وہ عورت اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی۔

(یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اگر کسی بزرگ میں کچھ روحانیت ہو اور نیت بھی درست ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک بزرگ کی بیوی نے اپنے خاوند کو برا بھلا کہا تو اس بزرگ کا دل بہت غمزدہ ہوا اور رات کو جب اس کی بیوی سو رہی تھی تو اس بزرگ نے نماز تہجد کے بعد اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کیا تو دعا کی حالت میں ہی اس کی بیوی کو سخت ہارٹ اٹیک ہوا حتیٰ کہ وہ قریب المرگ ہو گئی۔ اس کے بعد بزرگ نے اس کی طرف از راہ کرم اپنی توجہ دی تو تھوڑی ہی دیر میں وہ تندرست ہو گئی)۔

جب خلیفہ کو کنیز کے مرنے کا علم ہوا تو وہ غضبناک ہو گیا اور علماء دربار نے اس کو مزید اکسایا تو خلیفہ نے کہا کہ اب جنیدؒ وہ دیکھیں گے جو انہیں دیکھنا چاہیے۔ خوشامدی مصاحبوں نے خلیفہ سے کہا کہ آپ کا جنیدؒ کے پاس جانا مناسب نہیں بلکہ جنیدؒ کو یہاں بلا کر باز پرس کریں لیکن خلیفہ نے کہا کہ ہم اپنی آنکھوں سے خود دیکھنا چاہتے ہیں کہ جنیدؒ کون ہے اور اس کی خانقاہ میں کیا ہوتا ہے۔ پورے محلے کو خلیفہ کی آمد کا علم ہو گیا لیکن حضرت جنیدؒ پورے اطمینان اور سکون سے اپنے کام میں مشغول رہے۔ جب خلیفہ مستنصر باللہ وہاں پہنچا تو آپؒ نے ایک عام مسلمان کی طرح اس کا استقبال کیا اور مزاج پرسی کی۔ بجائے اس کے کہ خلیفہ کچھ اور بات کرتا اس نے ایک دم یہ کہا ''یا شیخ! یہ کیا بات ہے کہ تم نے ایک محبوبہ دلنواز کو مار ڈالا اور اسے جلا کر راکھ کر دیا''۔ آپؒ نے بے نیازانہ لہجے میں کہا ''امیر المومنین! آپ کی یہ شفقت کیسی ہے کہ آپ کے کہنے پر میری چالیس سالہ ریاضت، مجاہدات اور بے خوابی کو وہ کنیز ایک لمحہ میں برباد کر ڈالتی اور لوگ تماشا دیکھتے''۔ حضرت جنیدؒ کی اس گفتگو پر خلیفہ عباسی سناٹے میں آ گیا۔ پھر آپؒ نے فرمایا ''اے امیر المومنین! کسی انسان میں طاقت نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو مار ڈالے''۔ پھر فرمایا کہ میں اس گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر جس کو پکارتا ہوں وہ خود نہیں چاہتا کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی عورت حائل ہو جائے۔ یہ سن کر خلیفہ اٹھ کر چلا گیا اور جب مخالفین نے پھر شکایت کی تو خلیفہ نہایت غصے ہوا اور کہا کہ جو شخص خود گمراہ نہیں ہوا وہ دوسروں کو کیسے گمراہ کر سکتا ہے؟ اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں میں خود انتقام لے لیتا ہے۔[1] راقم الحروف کے ایک دوست نے

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۰۶۔

ایک روایت بیان کی ہے کہ لاہور بورسٹل جیل کے ایک کونے پر ایک فقیر بیٹھا تھا اور اسے کھانسی آئی تو اس نے بلغم کو بائیں طرف تھوکا مگر اچانک ادھر سے ایک ہندو اور اس کی بیوی عمدہ ساڑھی پہنے ہوئے کونے سے نمودار ہوئی تو بلغم اس کی ساڑھی پر گر گیا۔ اس ہندو کو بہت غصہ آیا اور اس فقیر کے منہ پر زبردست طمانچہ کھینچ مارا۔ وہ ہندو ابھی دیوار کے دوسرے کونے پر پہنچا ہی تھا کہ اس کی بیوی گرمی میں سن سٹروک کے باعث زمین پر گری اور مر گئی۔ وہ ہندو سمجھ گیا کہ یہ بابا کوئی بزرگ ہے چنانچہ وہ بھاگتا ہوا آیا اور معافی مانگنے لگا تو اس فقیر نے کہا کہ اس میں کوئی بات نہیں، میں نے تمہاری محبوبہ پر تھوک گرایا تو تمہیں غصہ آ گیا اور تم نے مجھے مارا۔ مگر جب تم نے مجھے تھپڑ رسید کیا تو میرے اللہ کو غصہ آ گیا اور اس نے تمہاری بیوی کو مار دیا۔ میں بیچ میں کون ہوں؟

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا جمال دکھا دیتا تو کوئی دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتا

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت ان کے پاس اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی اور کہنے لگی کہ میرا شوہر مجھ پر سوکن لانا چاہتا ہے تو میں نے اس عورت سے کہا ''بی بی شریعت اسلامیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مرد کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بیک وقت چار شادیاں کر سکتا ہے۔ اگر شرعی حکم ایسا ہے تو ہم اس کو دوسری شادی کرنے سے کس طرح روک سکتے ہیں؟'' حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میری بات سن کر وہ عورت بولی ''آپؒ کا قول بجا ہے اور شریعت کا حکم بھی واقعی ایسا ہے لیکن اگر شریعت اجازت دیتی تو میں آپؒ کو اپنے حسن سے نقاب اٹھا کر آپ کو یہ بتا دیتی کہ جس شخص کی بیوی اس قدر حسین و جمیل ہو تو اس کے لئے ہرگز یہ روا نہیں کہ دوسری عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے''۔ اس عورت کے اس قول کو سنتے ہی حضرت جنید بغدادیؒ بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو آپؒ نے فرمایا ''اس عورت کا قول اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عین مطابق ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر میں اپنا حسن و جمال لوگوں کو دکھا دوں تو کوئی شخص دنیا اور اس کی دل فریبی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے''۔

۳۔ ڈھائی من کی مچھلی کا جال میں پھنسنا

حضرت جنیدؒ کے ایک مرید نے دریائے دجلہ میں مچھلی پکڑنے کے لئے کنڈی ڈالی تو اس شخص نے

کہا کہ دیکھنا اگر میں ولی اللہ کے رتبے پر فائز ہوں تو پورے ڈھائی من کی مچھلی اس میں پھنسے گی۔لوگوں نے دیکھا کہ جو مچھلی اس کی کنڈی میں پھنسی تو اس کا وزن بالکل ڈھائی من تھا۔حضرت جنیدؒ کو جب اپنے مرید کی اس کرامت کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسی کرامت کو ظاہر کرنے سے یہ بہتر تھا کہ اس مرید کو سانپ ڈس لیتا اور وہ مر جاتا۔فرمایا اپنی کرامت ظاہر کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی عورت اپنے حیض کے کپڑے لوگوں کو دکھادے۔

۴۔عاشق کے پیشاب سے بھی محبت ظاہر ہوتی ہے

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد سری سقطیؒ بیمار ہو گئے لیکن علاج کے باوجود شفا نہ ہوئی اور بیماری کا سبب بھی معلوم نہ ہو سکا۔ہمیں ایک طبیب حاذق کی خبر ملی۔ہم ان کے پاس قارورہ لے کر گئے تو طبیب نے اسے دیکھا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا پھر کہا یہ تو کسی عاشق کا پیشاب معلوم ہوتا ہے۔حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات سنتے ہی میں بے ہوش ہو گیا اور قارورہ میرے ہاتھ سے گر گیا۔پھر میں اپنے استاد کے پاس آیا اور اس کو اس حال کی خبر دی وہ مسکرائے اور فرمایا اللہ اسے خراب کرے وہ کیسا دانا ہے؟ میں نے عرض کی اے استاد! کیا پیشاب میں محبت ظاہر ہوتی ہے؟ کہا ہاں! اس حکیم نے اس کی شناخت کر لی۔

۵۔بزرگوں کی بدگمانی غیبت ہے

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں ایک بار میں کسی مسجد میں کسی کی نماز جنازہ کے لئے رکا ہوا تھا کہ ایک بوڑھے فقیر نے دست سوال دراز کیا۔میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ فقیر سچا ہوتا تو یوں سب کے آگے سوال نہ کرتا، بلکہ کسی ایک سے کچھ مانگ کر اپنی حاجت پوری کر لیتا۔اس کے بعد آپ نے میدان میں جنازہ پڑھا اور گھر واپس آئے تو دیکھا کہ ان کا دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔کچھ ہی دیر کے بعد آپ نے دیکھا کچھ لوگ عالم واقع میں (یعنی میری نیم خوابی کی حالت میں) میرے پاس آئے اور ایک شخص کی میت کو ایک تھالی میں رکھ کر میرے سامنے رکھا اور کہا کہ اس کا گوشت کھاؤ۔میں نے کہا کہ میں اس مردہ کو کیسے کھا سکتا ہوں۔کہا جس طرح مسجد میں بیٹھ کر کھایا تھا اسی طرح کھاؤ۔حضرت جنیدؒ اس واقعہ پر متعجب تھے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ وہی فقیر ہے کہ انہوں نے جس کے متعلق مسجد میں کچھ بدگمانی کی تھی۔درحقیقت ایسی بدگمانی غیبت میں شامل ہے کیونکہ غیبت سے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا

فَکَرِھْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝'' (اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بے شک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی ہے) اور (کسی کے عیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اور (اِن تمام معاملات میں) اللہ سے ڈرو بے شک اللہ توبہ کو بہت قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے) (الحجرات: ۱۲)

حضرت جنیدؒ نے دل میں کہا ''اگرچہ اس شخص کے متعلق میرے دل میں برا خیال گزرا تھا مگر یہ تو دل کی بات تھی جو زبان پر نہیں آئی''۔ فوراً ندائے غیب آئی ''جنیدؒ تم جس مرتبے کے انسان ہو اس کے دل میں اس قسم کا خیال گزرنا بھی ویسا ہی گناہ ہے جس طرح کوئی عام آدمی زبان سے کہہ دے'' یہ سن کر پر رقت طاری ہوگئی۔ اس حقیقت کا قرآن میں یوں ذکر آیا ہے۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْتُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ ط (البقرہ: ۲۸۴)

اور اگر تم وہ چیز ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا چھپاؤ تو اللہ اس کا محاسبہ کرنے والا ہے۔

کتابوں میں یہ واقعہ بہت تفصیل سے دیا گیا ہے مگر اس قدر مختصراً بیان کر دینا کافی ہے کہ حضرت جنیدؒ اس گناہ کی تلافی کے لئے اس فقیر کی تلاش میں نکل پڑے اور بہت سے مقامات پر تلاش کیا تا کہ اس سے معافی مانگ لی جائے۔ ایک روز وہ نہر کے کنارے پر اسے تلاش کر رہے تھے کہ وہ اس جگہ مل گیا جہاں سبزی فروش منڈی سے سبزی لا کر دھولیا کرتے تھے اور پھر اسے دکانوں پر لے جاتے تھے۔ آپؒ نے دیکھا کہ وہ بوڑھا وہاں پر گرے پڑے سبزی کے پتے چن رہا ہے تا کہ ان کو پکا کر اپنے کھانے کے کام میں لائے۔ حضرت جنیدؒ نے اس سے گفتگو شروع کی تو وہ شخص خود ہی کہنے لگا ''اچھا جاؤ آئندہ اپنے دل میں ایسا خیال کبھی نہ لانا'' حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میری طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔

۶۔ ابلیس کی حرکتوں کا اولیاء کو علم ہونا

حضرت جنیدؒ کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ آپؒ نے ابلیس کو خواب میں دیکھا کہ وہ آدمیوں کے سامنے ننگا پھر رہا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ ''تجھے لوگوں سے شرم نہیں آتی کہ تو اس طرح بے لباس ہو کر لوگوں کے سامنے ٹہل رہا ہے'' اس نے جواب دیا ''یہ لوگ انسان کب ہیں کہ میں ان سے شرم کروں'' حضرت جنیدؒ

نے فرمایا" کیا تیرے خیال میں یہ زمین انسانوں سے خالی ہوگئی ہے" شیطان نے جواب دیا کہ مجھے اسی بات کا غم ہے کہ ابھی دنیا میں کچھ انسان باقی ہیں جو مسجد شونیزیہ میں بیٹھے ہیں۔ ان ہی لوگوں نے میرے جسم کو زخموں سے بھر دیا ہے اور میرے دل کو خاک کر دیا ہے" یہ کہہ کر ابلیس غائب ہوگیا۔ یاد رہے کہ ایک حدیث میں اس بات کا ذکر آیا ہے ابلیس کہتا ہے کہ توبہ کرنے والے لوگوں نے تو میری کمر توڑ دی ہے۔ جب وہ توبہ کر لیتے ہیں تو ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور میری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرد فقیہہ (جو لوگوں کو نیک راہ پر لگاتا ہے) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔[1]

مذکورہ خواب دیکھنے کے بعد آپ جب آدھی رات کے قریب بیدار ہوئے تو لاحول پڑھی اور مسجد شونیزیہ کی طرف چل پڑے۔ دیکھا کہ کچھ لوگ استغراق کے عالم میں اپنے زانوؤں پر سر رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں جب حضرت جنیدؒ ان کے قریب گئے تو انہوں نے اس وقت سر اٹھا کر کہا اے جنیدؒ! اس خبیث نے جو کچھ تمہیں کہا تم نے اس کو سن لیا مگر اس مردود کی باتوں میں نہ آنا یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے ان درویشوں کے باخبر ہونے کا ماجرا دیکھا تو حیران رہ گئے اور معلوم ہوا کہ شیطان کیا کچھ کرتا رہتا ہے اور اللہ والوں کو کس طرح ان باتوں کی خبر مل جاتی ہے۔

۷۔ ایک فقیر کی توجہ حضرت جنیدؒ کو اپنی طرف کھینچ لائی

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں تہجد کے لئے اٹھا جب نماز کی نیت باندھنے کا ارادہ کیا تو مجھ پر نا قابل بیان اضطراب طاری ہوگیا۔ بجائے تہجد پڑھنے کے میں ذکر الٰہی میں مشغول ہوگیا تو تب بھی طبیعت میں بے قراری محسوس کرتا رہا۔ آخر کار میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا مگر بیقراری کی کیفیت ختم نہ ہوئی۔ پھر میں جا کر بستر پر لیٹ گیا لیکن کیفیت جوں کی توں رہی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس بے چینی کا سبب کیا ہے؟ آخر میں جوتے پہن کر گھر سے باہر نکل آیا اور کھلی فضا میں ٹہلنے لگا۔ گھر سے کچھ ہی دور گیا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص چوغے میں ملبوس اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے لیٹا ہوا ہے۔ میں دیکھ کر حیران ہوا کہ اس وقت یہ کون شخص ہے کہ جو پچھلے پہر یہاں لیٹا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے مجھے مخاطب ہو کر کہا" آگئے ہو ابوالقاسم! تم نے آتے آتے بہت دیر کر دی" حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اس آدمی

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۲۲، جلد ۱، صفحہ ۸۱۔

کی بات سن کر مجھ پر ایک عجیب سا رعب طاری ہو گیا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ "میں نے آپکے پاس آنے کا کوئی وعدہ تو نہیں کیا تھا کہ جس کی پابندی مجھ پر فرض ہوتی"۔

مذکورہ شخص نے حضرت جنیدؒ سے کہا "اے ابوالقاسم! آپ سچ کہتے ہیں مگر میں نے خداوند ذوالجلال کو جو دلوں کو حرکت دیتا ہے اور مقلب القلوب ہے یہ کہا تھا کہ آپ کے دل کو حرکت دے اور میری جانب بھیج دے"۔ حضرت جنیدؒ نے کہا "بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو آپ کی طرف مائل کر دیا ہے اور میں یہاں آ بھی گیا ہوں، اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں"۔ وہ شخص بولا "اے ابوالقاسم! میں ایک سوال کا جواب آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس سوال نے مجھے کئی دنوں سے پریشان کر رکھا ہے"۔ حضرت جنیدؒ نے پوچھا اب بتایئے سوال کیا ہے؟ اس نے کہا سوال یہ ہے کہ مرض نفس کب نفس کی دوا بن جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا "جب انسان اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے تو اس حالت میں مرض نفس اس کے نفس کا علاج بن جاتا ہے"۔ حضرت جنیدؒ کا یہ جواب سن کر وہ شخص اپنے دل کو مخاطب کر کے کہنے لگا "میں نے تجھے سات مرتبہ یہی جواب دیا تھا مگر تو نے میری بات نہیں مانی اور یہی کہتا رہا کہ جب تک جنیدؒ کی زبانی نہ سنوں گا اس وقت تک نہیں مانوں گا۔ اب تو تو نے سن لیا کہ جنیدؒ کیا کہتے ہیں؟" یہ کہہ کر وہ شخص تیز رفتاری کے ساتھ چلا گیا۔ آپؒ کھڑے سوچتے ہی رہے کہ وہ شخص کون تھا اور کہاں سے آیا تھا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے میں اسے نہیں جانتا تھا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کوئی صاحب توجہ کسی کی طرف توجہ کرے تو اس پر اس کا اثر لازمی طور پر ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے خود اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ گرمیوں کی دوپہر کو اپنے جاننے والے ایک مکینک کی دکان پر گیا تو وہ مکینک پنکھے کے نیچے خوب گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی نیند کا یہ عالم تھا کہ اس کو نیند سے بیدار کرنا بھی نامناسب معلوم ہو رہا تھا۔ یہ فقیر کچھ اخبارات کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا لیکن کافی دیر تک وہ شخص بیدار نہ ہوا۔ پھر راقم الحروف نے جونہی اس کی جانب روحانی توجہ کی تو وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اس فقیر کو وہاں موجود دیکھ کر شرم سے آنکھیں جھکا لیں۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کیا محسوس ہوا؟ تو کہنے لگا کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو قطعاً کوئی ہاتھ نہ لگایا گیا تھا اور وہ محض روحانی توجہ کی وجہ سے خود بخود بیدار ہو گیا۔ ایسے کام تو ہندو اور بدھ مت کے لامے بھی کر لیتے ہیں

بلکہ وہ تو با قاعدہ اپنا پیغام بھی دور دراز جگہوں پر بھیج دیتے ہیں اور کسی آنے والے کا نام بھی اچھی خاصی مسافت سے بتا دیتے ہیں۔ یہ وصف ان میں طویل عرصہ تک یوگ اور گیان کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے لیکن مومن کو بغیر یوگ اور گیان کے ہی ان باتوں پر عبور حاصل ہو جاتا ہے۔ ''من کی دنیا'' جو غلام جیلانی برق کی تصنیف ہے اس قسم کے بہت سے واقعات سے بھری پڑی ہے مگر مومن کی بات تو کافروں سے بہت اونچی ہوتی ہے۔

اس طرح حضرت جنیدؒ کے متعلق ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ ایک دن وہ (اپنے پیر بھائی) شیخ خیر نساجؒ کے گھر تشریف لے گئے اس وقت وہ اپنے گھر میں کسی کام کاج میں لگے ہوئے تھے۔ اچانک ان کے دل میں خیال آیا کہ حضرت جنیدؒ ان کے دروازے پر کھڑے ہیں لیکن ان کو یہ خیال ہوا کہ شاید یہ ان کا وہم ہے۔ اس وقت حضرت جنیدؒ دروازے پر واقعتاً کھڑے تھے مگر جب دوسری بار ان کو محسوس ہوا کہ حضرت وہاں کھڑے ہیں تو انہوں نے پھر اس خیال کو وہم سمجھ کر جھٹک دیا۔ تیسری بار پھر وہی خیال آیا تو بالآخر انہوں نے دروازے پر جا کر دیکھا تو واقعی حضرت جنیدؒ کو کھڑے پایا۔ جب حضرت جنیدؒ نے خیر نساجؒ کو دیکھا تو پوچھا کہ پہلی بار جب تمہارے ذہن میں خیال آیا تھا تو اس وقت کیوں نہیں آئے۔ حضرت شیخ خیر نساجؒ آپؒ کی قوت کشف پر حیران رہ گئے اور اکثر لوگوں کو کہتے تھے کہ اگرچہ بہت سے بزرگوں کو کشف حاصل ہے مگر جنیدؒ کی روحانیت کا کچھ عجیب عالم ہے۔

۸۔ حضرت جنیدؒ نے کچھ رقم حضرت نوریؒ کے لئے بھیجی تو انہوں نے رقم کا ایک مخصوص حصہ رکھ لیا اور باقی لوٹا دیا

ایک شخص نے ابوالحسن نوریؒ کو ہاتھ پھیلاتے ہوئے دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس نے یہ بات حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس جا کر بیان کی۔ تو آپؒ نے فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ انہوں نے خلق سے مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلائے ہوں گے وہ تو مخلوق کے لئے دعا کر رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خیر و برکت عطا فرمائے۔ یہ کہہ کر آپؒ نے فرمایا کہ ترازو لاؤ اور آپؒ نے ایک سو درہم تول کر ایک کوزے میں ڈال دیئے پھر اس میں بغیر گنے ایک مٹھی درہم مزید ڈال دیئے۔ درہم لے جانے والا شخص کہتا ہے کہ میں حیران تھا کہ انہوں نے تولنے کے بعد مٹھی بھر درہم اس میں کیوں ملائے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ ابوالحسن نوریؒ کو دے آؤ۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ کے لئے مذکورہ درہم لے جانے والا شخص روایت کرتا ہے کہ جب وہ درہم

حضرت ابوالحسن نوریؒ کو دے دیئے گئے تو انہوں نے تول کر ایک سو درہم نکالے اور مجھے کہا کہ یہ درہم جنیدؒ کو واپس دے دینا اور باقی (مٹھی بھر) درہم اپنے پاس رکھ لئے۔ حضرت نوریؒ نے اس شخص سے فرمایا کہ جنیدؒ بڑا سیانا ہے اس کی مرضی ہے کہ وہ دونوں طرف سے فائدے میں رہے۔ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ حضرت نوریؒ نے فرمایا کہ جو خدا کے لئے تھے وہ ہم نے رکھ لئے اور جو جنیدؒ کے لئے تھے ہم نے انہیں چھوڑ دیا۔ یہ سن کر وہ شخص بہت حیران ہوا اور حضرت جنیدؒ کو سب ماجرا سنایا۔ آپؒ نے فرمایا واللہ المستعان ''جو کچھ ان کے لئے تھا انہوں نے لے لیا اور جو کچھ میرا تھا اس کو مجھے لوٹا دیا''۔ راوی کہتا ہے کہ اب تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے کہا حضرت مجھے بھی بتا دیں کہ اس میں کیا راز ہے؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا سو درہم تو میں نے ثواب آخرت کے لئے دیئے تھے اور جو مٹھی بھر زائد تھے وہ میں نے حق تعالیٰ کے لئے ڈالے تھے۔ حضرت نوریؒ نے وہ قبول کر لئے جو حق تعالیٰ کے لئے تھے اور جو میرے ثواب آخرت کے لئے سو درہم تھے وہ مجھے واپس کر دیئے۔

۹۔ ایک مغنی (گانے والا) کو خرقہ ابدالیت کا پہنچانا

ایک مرتبہ حضرت جنیدؒ بغداد کی جامع مسجد میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا۔ اس نے وضو کر کے دو نفل ادا کئے اور مسجد میں لیٹ گیا۔ حضرت جنیدؒ کی اس پر دوبارہ نظر پڑی تو دیکھا کہ آپؒ کو اشارے کے ذریعے اپنے پاس بلا رہا تھا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب میں اس کے پاس گیا تو وہ کہنے لگا، میں آپؒ کی تعظیم میں کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہوں۔ حضرت نے فرمایا آپ اپنا کام بتایئے اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ وہ کہنے لگا ''اللہ سے ملاقات کا وقت آ گیا ہے'' اور اس کا لہجہ بہت پر شوق تھا۔ حضرت جنیدؒ کو بہت حیرت ہوئی کہ یہ شخص بہت صحت مند اور توانا نظر آ رہا تھا اور اس کے جسم اور چہرے پر موت کے اثرات تو قطعاً نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کے بعد اس نے حضرت جنیدؒ سے کہا ''ابوالقاسم! جب میں دنیا سے چلا جاؤں اور میری تجہیز و تکفین مکمل ہو جائے تو یہ میرا خرقہ چادر اور مشکیزہ ایک شخص کے حوالے کر دینا۔ حضرت جنیدؒ نے پوچھا کہ وہ شخص کون ہوگا اور میں اسے کیسے پہچانوں گا۔ اس شخص نے کہا ''اس سلسلے میں آپؒ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود تمہیں پہچان لے گا۔ وہ ایک نوجوان مغنی ہے۔ آپ میری امانت اسے دے دینا''۔ ایک مغنی کو خرقہ ملنے پر حضرت جنیدؒ حیران ہوئے تو اس نے کہا ''آپؒ کو حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ حق تعالیٰ ہمارے اندازوں سے زیادہ بے نیاز اور رحیم و کریم ہے۔ جس نے اس مغنی کو یہ رتبہ عطا فرمایا ہے''۔ ابھی

حضرت یہ گفتگو کر رہے تھے کہ اس نے بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

حضرت جنیدؒ ابھی اس شخص کی تکفین اور تدفین کے بعد مسجد میں لوٹے ہی تھے کہ ایک نوجوان آ گیا اور سلام کرنے کے بعد اپنی امانت آپؒ سے طلب کی۔ آپؒ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیسے پہچان لیا وہ جوان کہنے لگا "یہ بھی کوئی مشکل بات ہے۔ میں تو آپ کو لاکھوں کے مجمع میں بھی پہچان سکتا ہوں کہ شیخ جنیدؒ کون ہیں؟ آپؒ کا چہرہ مبارک ہی آپؒ کی پہچان ہے" حضرت نے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تمہاری امانت میرے پاس ہے۔ اس جوان نے کہا کہ میں چند درویشوں کی صحبت میں بیٹھا تھا کہ ہاتف غیبی نے صدا دی کہ شیخ جنیدؒ کے ہاں جاؤ اور اپنی امانت اس سے لے لو۔ اس شخص کی جگہ تم ابدال مقرر کر دیئے گئے ہو "اس مغنی نے غسل کیا اور وہ خرقہ پہن کر حضرت جنیدؒ کا شکریہ ادا کیا اور پھر ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا"۔ اس کے بعد حضرت جنیدؒ اللہ کے حکم پر اس کی حکمت کے رازوں کی بابت محوِ تفکر ہوئے۔ شاید ایسی ہی حکمت کے پیش نظر حافظ نے یہ شعر کہا ہے کہ

سرِّ خدا که عارف و سالک به کس نه گفت در حیرتم که باده فروش از کجا شنید

(وہ راز کہ جسے عارف و سالک نے کسی کو نہیں کہا، حیرت ہے کہ اسے ایک شراب فروش نے کہاں سے سن لیا؟)

اسی طرح حافظؒ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ جس نے غرور کیا وہ جنت میں جانے سے رہ گیا۔

زاهد غرور داشت و سلامت نه برد راه رند از رهِ نیاز به دارالسّلام رفت

(زاہد نے غرور کیا اور اس کی راہ سلامتی سے نہ کٹی، اور رند اپنی عاجزی سے جنت میں چلا گیا)

۱۰۔ حضرت جنیدؒ کے مرید نے بغیر کسی خرچے کے حج کر لیا

ابوعمر زجاجیؒ، حضرت جنیدؒ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ انکو حج کرنے کا شوق ہوا مگر ان کے پاس کوئی رقم نہ تھی۔ جب حاجی لوگ جانے لگے تو ابوعمرؒ، حضرت جنیدؒ کے پاس گئے اور اجازت طلب کی۔ آپؒ نے ایک درہم نکال کر اسے دیا اور کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو سفر میں تمہارے کام آئے گا۔ ابوعمرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بڑے سفر کئے تھے مگر اس سفر کی کیفیت یہ تھی کہ میں جہاں جاتا لوگ مجھے مہمان خصوصی کا درجہ دیتے اور مجھے اپنے سر پر بٹھاتے، بڑی عقیدت سے نذرانے اور تحائف پیش کرتے اور میں اس طرح کی خاطر مدارت پر حیران رہ جاتا۔

ابو عمرؒ کہتے ہیں کہ آپؒ کا عطا کردہ درہم خرچ کرنے کی نوبت ہی نہ آئی اور جب میں شیخ کے پاس حج کرنے کی سعادت کے بعد حاضر ہوا تو آپؒ نے فرمایا ''ابو عمر! تمہیں حج مبارک ہو۔ لاؤ میرا درہم مجھے واپس کر دو''۔

۱۱۔ایک خودسر مرید کو حضرت نے اس کا حقیقی مقام ظاہر کر دیا

حضرت جنیدؒ نے ایک دن وعظ کیا تو فرمایا جلوت میں رہا کرو کیونکہ خلوت زہر ہے۔ آپؒ کا ایک مرید بولا کہ میں اب ولی کامل ہو گیا ہوں۔ اب میرے لئے تنہائی نقصان دہ نہیں۔ وہ خواب میں جنت اور بہت سے اعلیٰ مقامات کی سیر کرتا اور لوگوں کو اپنے مشاہدات اور سیر کے واقعات سناتا۔ حضرت جنیدؒ نے اسے ایک دن اپنے پاس طلب کیا تو اس نے کہا کہ اب میں پیر کامل ہو گیا ہوں۔ جس کو ضرورت ہو وہ میرے پاس آئے۔ میں اس کو بھی جنت کی سیر کروا دونگا۔ حضرت جنیدؒ خود اس کے پاس چلے گئے لیکن اس نے ان کا کوئی ادب واحترام نہ کیا اور اپنے واقعات سنانے لگا۔ آپؒ نے فرمایا اب رات کو جب تمہیں فرشتے جنت میں لے جائیں تو وہاں لاحول پڑھ لینا۔ اس نے کہا کہ مجھے اس کی کیا ضرورت ہے؟ دوسری رات جب وہ جنت کی سیر کر رہا تھا تو غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے لاحول ولاقوۃ کا کلمہ نکل گیا اور اچانک اس نے دیکھا بجائے جنت کے اس کے سامنے مردار اور ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ بیدار ہو کر شیخ سے معافی کا طلب گار ہوا اور عرض کرنے لگا کہ اگر آپؒ میری راہنمائی نہ فرماتے تو شیطان وادی ظلمات میں لے جا کر مجھے ہلاک کر دیتا۔ بے شک تنہائی مرید کے لئے زہر ہے۔

۱۲۔آپؒ نے ایک عیسائی کے دل کی بات فراست قلبی سے سمجھ لی

جب حضرت جنیدؒ کا وعظ لوگوں نے سنا تو آپؒ کی شہرت ہوگئی اور اسی اثنا میں ایک عیسائی شخص مسلمانوں کے لباس میں آپؒ کے دربار میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ لوگ آپؒ کو شیخ زمانہ کہتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ تو لوگوں کا حسن ظن ہے اور اگر تم یہی بات کہنے آئے ہو تو اپنا وقت برباد نہ کرو۔ میں تو اللہ کا ایک بندہ ہوں مقام شیخ تو بہت بلند ہے جو میری پہنچ سے دور ہے۔ وہ شخص بولا کہ میں تو پیغمبر اسلام کی اس حدیث کی تفسیر سننے آیا ہوں کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ''[۱] (لوگو! مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ مذکورہ بالا عیسائی کی بات سن کر حضرت جنیدؒ نے اپنا سر جھکا لیا جیسے کہ آپؒ کسی خاص نکتے پر غور کر

[۱] سنن الترمذی، حدیث ۳۱۲۷، جلد ۵، صفحہ ۲۹۸۔

رہے ہوں۔ چند لمحات بعد آپؒ نے سر اٹھایا اور اس عیسائی نوجوان کو مخاطب کر کے فرمایا ''اسکا مطلب صرف اتنا ہے کہ تم اب مسلمان ہو جاؤ''۔ یہ بات سنتے ہی وہ آپکے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ حاضرین میں سے چند لوگوں نے پوچھا کہ تمہارا سوال تو کچھ اور تھا مگر حضرت جنیدؒ نے اس کا جواب کچھ اور ہی دیا۔ یہ کیا بات ہے؟ وہ شخص کہنے لگا کہ آپکا جواب بالکل درست تھا میں تو کئی روز سے اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ اسلام قبول کروں یا نہ کروں۔ میرا دل اسلام کی طرف کھنچتا تھا مگر میرے پاؤں میں آباؤ اجداد کی زنجیریں تھیں۔ اسی دوران میں نے یہ حدیث سنی اور حضرت کے پاس آیا۔ شیخ کے کشف باطنی کا یہ حال ہے کہ وہ میرے دل اور دماغ کی کشمکش سے آگاہ ہو گئے اور پھر مجھے یقین آ گیا کہ واقعتاً مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

۱۳۔فرشتوں سے بات چیت کرنا

ایک مرتبہ حضرت جنیدؒ نے خواب میں دیکھا کہ وہ وعظ کر رہے ہیں اور ایک فرشتہ آسمان سے اترا اور آپؒ کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ پھر اس فرشتے نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا ''جن کاموں کے ذریعے اللہ کے بندے قربت الٰہی حاصل کرتے ہیں، ان کاموں میں سے افضل کام کون سا ہے''۔ یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا ''وہ کام جو میزان میں بھی مخفی ہے اور کہنے میں بھی مخفی ہے تو وہ فرشتہ یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ خدا کی قسم! یہ وہ کلام ہے جو توفیق الٰہی کے بغیر زبان سے ادا نہیں ہو سکتا''۔ اسی طرح ایک بار حضرت جنیدؒ نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک نے پوچھا ''صدق کیا ہے''؟ آپؒ نے فرمایا 'عہد کو پورا کرنا ہی صدق ہے'' ان فرشتوں نے کہا ''سچ ہے'' اور پھر آسمان کی طرف پرواز کر کے چلے گئے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ الہامی خوابوں کا یہ سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا۔ آپؒ نے ایک بار خواب میں نورانی دربار دیکھا جس میں ہر طرف تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا گویا یہاں نور ہی نور تھا۔ آپؒ نے خیال کیا کہ وہ بارگاہ صمدیت میں حاضر ہیں۔ پھر ایک پر جلال آواز آئی جس سے مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا اور کہا ''ابوالقاسم! یہ باتیں جو تم کیا کرتے ہو، تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟ میں نے کہا ''میں تو صرف وہی کہتا ہوں جو سچ ہوتا ہے'' جواب ملا ''ابوالقاسم! تم سچ کہتے ہو''۔

راقم الحروف اپنی ایک تصنیف میں یہ بات تفصیل سے بیان کر چکا ہے کہ انسان فرشتوں کی آوازیں

سن کر سمجھ بھی سکتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ ایک بار بیت المقدس کے کسی حجرے میں اعتکاف فرما رہے تھے کہ دو فرشتے اس حجرے میں آ کر بیٹھ گئے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس میں کون بیٹھا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ حسن بصریؒ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ حسن بصریؒ کون ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا ''وہی جس نے کل بصرہ سے کھجوریں خریدی تھیں اور دوکاندار کی ایک کھجور لڑھک کر اس کی کھجوروں میں آ گری اور اس نے دیکھنے کے باوجود دوکاندار کو واپس نہیں کی''۔ دوسرے نے کہا ''اچھا! اچھا! میں سمجھ گیا''۔ یہ باتیں سن کر حضرت حسن بصریؒ دوبارہ اس دوکان پر گئے اور کچھ کھجوریں خرید کر ایک کھجور واپس دوکاندار کے ٹوکرے میں ڈال دی کچھ دنوں بعد پھر دو فرشتے آئے اور وہی سوال ایک دوسرے سے کرنے لگے تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا! یہ وہی حسن بصریؒ ہیں جس نے بغیر دام کے آنے والی کھجور دوکاندار کو واپس کر دی تھی۔

۱۴۔ حضرت جنیدؒ کے چند مزید محیرّ العقول واقعات

حضرت جنیدؒ سے متعلق کچھ محیّر العقول واقعات اوپر نقل کئے گئے ہیں مگر اس موضوع پر اور بھی بہت سے واقعات ذہن میں آ رہے ہیں اور ان سب کا یہاں ذکر کرنا آسان بات نہیں ہے البتہ چند واقعات کا خلاصہ نیچے بیان کیا جا رہا ہے۔ جن کا ذکر ہماری تصنیف ''حسن نماز'' میں صفحہ نمبر ۲۵۴ اور اس کے گردونواح میں کیا جا چکا ہے۔ تفصیل کے لئے مذکورہ کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

ایک جنگل میں چند ابدالوں کا اجتماع ہوا تو حضرت جنیدؒ نے اپنے مرید شیخ شبلیؒ کو حکم دیا کہ وہ وہاں حضرت جنیدؒ کے ساتھ موجود ابدالوں کی جماعت کی امامت کریں۔ دوران نماز شبلیؒ نے دیکھا کہ ان کے مریدوں میں سے کسی کی کشتی دریا میں غرق ہونے کو ہے تو آپ نے دوران نماز اپنا ہاتھ بڑھا کر کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ ان کے اس عمل کو جماعت میں موجود چند ابدالوں نے دیکھ لیا اور نماز کی نیت یہ کہہ کر توڑ دی کہ ہم ملاحوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس پر حضرت جنیدؒ جو اس جماعت میں شامل تھے نے فرمایا کہ اگر شبلیؒ نے نماز میں ملاحی کا عمل کیا ہے تو تم لوگ بھی نماز میں جاسوسی میں مبتلا ہوئے ہو۔ نماز پڑھنا تم میں سے کسی کو بھی نہیں آتا۔ آؤ! ہم نماز پڑھائیں چنانچہ جب آپؒ نے امام بن کر نیت کی تو سب نے دیکھا کہ آپؒ عرش پر مصلّٰی گزار رہے ہیں اور خانہ کعبہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا کمال نہیں۔ کمال انسانی کچھ اور ہے۔

مذکورہ واقعہ کو روایت کرنے کے بعد یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اس کے بعد تمام ابدال حضرت جنیدؒ کی قیام

گاہ پر آئے اور حضرت جنیدؒ نے حضرت شبلیؒ کو حکم دیا کہ مہمانوں کے لئے کھچڑی پکائیں۔ گھر میں لکڑی کم تھی اور حضرت شبلیؒ نے چولہے میں اپنی ٹانگ ڈال دی مگر کھچڑی پک نہ سکی تو حضرت جنیدؒ اندر تشریف لائے اور حضرت شبلیؒ سے تاخیر کی وجہ دریافت کی حضرت شبلی نے فرمایا کہ لکڑی کم ہے اور میری ٹانگ سے گرمی نہیں مل رہی۔ آپؒ نے فرمایا کہ چونکہ تمہاری ولایت ابراہیمی علیہ السلام ہے اس لئے تمہاری ٹانگ میں حرارت نہیں ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا تم ہٹ جاؤ! اب میں اپنی توجہ سے یہ کام کروں گا۔ یہ کہہ کر ہنڈیا کی طرف توجہ دی تو وہ فوراً پکنے لگی مگر جب یہ کھچڑی ان ابدالوں کے سامنے رکھی گئی تو انہوں نے اسے کھانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہمارا اتنا ظرف نہیں کہ ہم آپؒ کی توجہ سے پکی ہوئی کھچڑی کھا سکیں۔

منقول ہے کہ ایک عورت کا بچہ گم ہو گیا (دیکھیں صفحہ نمبر ۹۴/ حسن نماز) تو وہ آپؒ کے پاس دعا کے لئے آئی آپؒ نے اسے فرمایا کہ مائی صبر کرو، آپ کا بچہ گھر آ جائے گا۔ وہ عورت متعدد بار حضرت جنیدؒ کے پاس آئی اور آپؒ یہی فرماتے رہے۔ ''مائی صبر کرو'' آخر ایک دن اس عورت نے کہا کہ اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اب مجھ میں صبر کی طاقت نہیں رہی۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر ایسا معاملہ ہے تو جاؤ تمہارا بیٹا واپس آ چکا ہے۔ وہ عورت گھر گئی اور دیکھا کہ اس کا بیٹا واقعی گھر آ چکا تھا۔ اس عورت نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا کہ ان کو بیٹے کی آمد کی خبر کس طرح ملی؟ فرمایا اللہ کا فرمان ہے ''اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ'' (بے چین کی دعا کون سنتا ہے؟ جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو کون دور کرتا ہے؟) (النمل:۶۲)۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ جب میں نے تیرا حال دیکھا کہ تو بے چین ہو گئی ہے تو تیرے بیٹے کا آنا یقینی تھا۔[۱]

حضرت بایزیدؒ کے محیر العقول واقعات

ویسے تو حضرت بایزید بسطامیؒ کی روحانی حقائق پر مبنی گفتگو کا ہر گوشہ انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے لیکن آپؒ سے منسوب چند ایسی روایات مطالعہ میں آتی ہیں جن کو دیکھ کر انسان کی عقل متحیر رہ جاتی ہے کیونکہ ایسے واقعات جو آپؒ سے مروی ہیں عام بزرگوں کی زندگی میں نظر نہیں آتے۔ ایسے ہی حضرت جنید

[۱] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۱۱۔

بغدادیؒ سے متعلق کچھ روایات پڑھنے میں آئی ہیں جن کو دیکھ کر عام انسان حیرت میں آئے بغیر نہیں رہتا۔ لہٰذا اس کتاب میں ان کے متعلق بھی ایک ایسا ہی باب ترتیب دے دیا گیا ہے تاکہ ان دونوں بزرگوں میں قدر مشترک کا پایا جانا معلوم ہو سکے اور ان روایات عجیبہ سے عام لوگ بھی بہرہ ور ہو سکیں۔ ایسے واقعات کا مطالعہ کرنے سے نہ صرف ان دونوں بزرگوں کی خاص بزرگی اور کمالات تصرف کا علم ہوتا ہے بلکہ قارئین ان بزرگوں کی عظمت کو دیکھ کر حیران اور ششدر رہ جاتے ہیں اور ان کی روحانی بلندیوں سے بھی متعارف ہو سکتے ہیں اس قسم کے واقعات قارئین کی زندگی میں بھی روحانی انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔

اولیائے کرامؒ کی کرامات اگرچہ حیران کن نوعیت کی حامل ہوتی ہیں لیکن ان دونوں بزرگوں کی محیر العقول روایات کا انداز ہی کچھ ایسا ہے جو کہ عام انسان سوچ بھی نہیں سکتا اور ان کے مطالعہ کرنے والوں کے دلوں میں ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے جو قارئین کو ان بزرگوں جیسی زندگی گزارنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اگرچہ حضرات جنیدؒ اور بایزیدؒ کے عجوبہ روزگار میں بہت سے واقعات ملتے ہیں لیکن یہاں چند ایک واقعات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ا۔ حضرت کی خاص عبادت میں ملکوت کی سیر ہوتی اور یہ کہ خدا کے کہنے پر بھی آپ نے کچھ نہ مانگا

یحییٰ بن معاذؒ نقل کرتے ہیں کہ ایک رات انہوں نے دیکھا کہ بایزید بسطامیؒ نے ایک بہت طویل سجدہ کیا اور پھر اٹھے تو اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے اور اپنی مبہوت آنکھیں کھول کر تمام رات اسی طرح کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے رہے۔ فرماتے ہیں کہ میں ان کی باتیں سنتا رہا۔ جب انہوں نے مڑ کر مجھے دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ اپنے احوال کے متعلق مجھے بھی کچھ بتائیں۔ فرمایا تیرے حال کے متعلق جو بات ہے صرف وہی تجھے بتاتا ہوں۔ پھر فرمایا آج اللہ تعالیٰ نے مجھے ملکوت اسفل سے ملکوت اعلیٰ تک سب کچھ دکھایا اور پوچھا مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا بار خدایا! مجھے ان چیزوں میں سے جو تو نے مجھے دکھائی ہیں کچھ نہیں چاہیے، تب ارشاد ہوا ''بے شک تو میرا اور صرف میرا بندہ ہے''۔

۲۔ حضرت بایزیدؒ کی زیارت خدا کو ستر بار دیکھنے سے بہتر کس طرح ہے؟

امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''کیمیائے سعادت'' میں ایک واقعہ درج کیا ہے کہ ابوتراب نخشبیؒ کا ایک مرید انتہائی استغراق کی حالت میں رہتا تھا۔ ایک روز آپؒ نے فرمایا کہ بایزیدؒ کا دیدار عین روا ہے۔ مرید بولا کہ ہوگا مگر میں تو دیدار الٰہی میں مشغول ہوں۔ ایک دن پھر یہی بات ہوئی اور مرید نے کہا کہ میں تو ستر بار اللہ کا دیدار کر چکا ہوں، میں بایزیدؒ کے دیدار کو کیا کروں؟ ابوترابؒ نے فرمایا اگر تم ایک بار بایزیدؒ کو دیکھ لو تو وہ خدا کو ستر بار دیکھنے سے بہتر ہے۔ مرید یہ سن کر سناٹے میں آ گیا اور کہا کہ آپؒ نے یہ کیسے کہہ دیا؟ فرمایا کہ تو خدا کو اپنی بساط کے مطابق دیکھتا ہے اور اگر تم بایزیدؒ کو دیکھو گے تو خدا کو بایزیدؒ کی بساط کے مطابق جلوہ فرما پاؤ گے۔ مرید کو یہ بات سمجھ میں آ گئی اور کہا کہ چلیے ابھی چلیے۔ جب وہ اس ٹیلے پر پہنچے جہاں بایزیدؒ ایک حجرہ سے باہر نکل رہے تھے تو مرید نے ان کو دیکھا اور ایک نعرہ مارا اور اپنی جان دے دی۔ ابوترابؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ بایزیدؒ کی ایک نگاہ نے اسے مار ڈالا تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا نہیں! بلکہ یہ مرید اپنے قول میں سچا تھا اور اس کے اندر ایک راز پنہاں تھا جو اس پر اپنی قوت سے آشکار نہیں ہو رہا تھا۔ جب اس نے ہمیں دیکھا تو یہ راز آشکارا ہو گیا اور بیچارا چونکہ ضعیف تھا اس لئے اس کی تاب نہ لا سکا اور ہلاک ہو گیا۔

مذکورہ بالا واقعہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس مرید نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کے آئینے میں ستر بار دیکھا اور برداشت کرتا رہا کیونکہ اس کا آئینہ دل کچھ مکدر تھا جس میں انوار الٰہی آتے تو تھے لیکن مقدار میں اتنے کم تھے کہ وہ برداشت کر لیتا تھا، مگر جب اس نے حضرت بایزیدؒ کے زیادہ شفاف آئینے میں ان انوار کو دیکھا تو ان کی شدت اور قوت کو برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ کچھ مشائخ کا کہنا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول آخر زمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان لے لیتے تو تجلیات الٰہی کو برداشت کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرامؒ اپنے پیشواؤں کو ہر مرحلے میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

۳۔ حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ سے گفتگو

آپؒ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن آپؒ کے پیٹ میں درد ہوا تو کسی شخص کے پوچھنے پر آپؒ نے فرمایا کہ رات کو میں نے دودھ پی لیا تھا اس لئے پیٹ میں درد ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ کسی نے آپؒ کے وصال کے

بعد حضرت کو خواب میں دیکھا اور آپؒ کا حال پوچھا تو آپؒ نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لطف و کرم سے بخش دیا۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا جب میں خدا کے حضور پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ اے بایزیدؒ! ہمارے لئے کیا لائے ہو۔ آپؒ نے عرض کیا کہ الٰہی میں اس قابل کہاں کہ آپؒ کے لئے کچھ لاتا البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں نے ساری عمر کوئی شرک نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اُذْكُرْ لَيْلَةَ اللَّبَنِ" (دودھ والی رات یاد کرو) تو میں نے شرم سے اپنے سر کو جھکا لیا۔

۴۔ حضرت بایزیدؒ کے اشارے سے اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنس گئے

ایک مرتبہ حضرت بایزیدؒ کو یہ خیال ہوا کہ وہ بہت بڑے شیخ وقت ہو گئے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ میرا یہ جملہ فخر اور تکبر کا آئینہ دار ہے چنانچہ فوراً اس بات کو ذہن سے نکال دیا اور خراسان کا رخ کیا۔ آپؒ نے ایک منزل پر پہنچ کر دعا کی کہ اے اللہ! تو جب تک ایسے کامل بندے کو نہیں بھیجے گا جو مجھ کو میری حقیقت سے روشناس کرا سکے اس وقت تک یہیں پڑا رہوں گا۔ جب تین شب و روز اسی طرح گزر گئے تو چوتھے دن ایک شخص اونٹ پر آیا جس کو آپؒ نے ٹھہرنے کا اشارہ کیا لیکن اس اشارے کے ساتھ اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنستے چلے گئے اور جو اس پر سوار تھا اس نے خشمگین لہجہ میں کہا کہ اے بایزید! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی کھلی ہوئی آنکھ کو بند کرلوں اور بند آنکھ کو کھول دوں اور بایزید سمیت پورے بسطام کو غرق کردوں۔ یہ سن کر آپؒ کے ہوش اڑ گئے اور اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جس وقت تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس وقت میں یہاں سے تین ہزار میل دور تھا اور اس وقت میں سیدھا وہیں سے چلا آ رہا ہوں لہٰذا تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اپنے قلب کی نگرانی کرتے رہو یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا۔[۱] اس بزرگ نے یہ بھی کہا کہ یاد رکھو "فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ" (ہر علم والے سے اونچا ایک اور علم والا ہے) (یوسف:۷۶)۔

۵۔ نماز میں آپؒ کے بدن کا گوشت پھڑکنا

"المنتظم" میں عباس بن حمزہ (جو احمد بن حنبلؒ کے شاگرد تھے) کی روایت نقل کی گئی ہے کہ انہوں

[۱] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۱۔

نے ایک دفعہ ظہر کی نماز حضرت بایزید بسطامیؒ کی اقتداء میں ادا کی۔ جب آپؒ نے تکبیر تحریمہ کی ادائیگی کے لئے ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے جلال کے پیش نظر ہاتھ اٹھانے کی قدرت نہ رہی اور کندھے اور سینے کے درمیان والا گوشت کانپنے لگا یہاں تک کہ میں ان کی ہڈیوں کی کڑکڑاہٹ کی آواز کو سنتا تھا۔ اس حالت نے مجھے ہول زدہ کر دیا۔[1]

۶۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے درس میں کئی سال تک سر اٹھا کر نہ دیکھا

ایک دن آپؒ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بایزید! کتاب طاق سے اٹھا کر دے دو'' آپؒ نے عرض کیا ''کون سے طاق سے؟'' حضرت امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ایک عرصہ سے تم یہاں رہتے ہو اور ابھی تک تم کو طاق کا پتہ نہیں''۔ آپؒ نے عرض کیا ''مجھے اس سے کیا کام کہ آپؒ کی موجودگی میں سر اٹھاؤں''۔ حضرت امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر ایسا معاملہ ہے تو بسطام واپس جاؤ، تمہارا کام ختم ہو گیا ہے''۔ (آپ یہ سبق عالمِ واقع میں لیتے تھے کیونکہ دونوں کے زمانے میں کافی فرق ہے)۔

۷۔ آپؒ ۱۳ سال زانو پر سر رکھ کر بیٹھے رہے

حضرت عیسیٰ بسطامیؒ کا قول ہے ''میں تیرہ سال شیخ بایزیدؒ کی صحبت میں رہا مگر شیخ سے کوئی بات نہ سنی۔ آپؒ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ زانو پر سر رکھا ہوتا تھا کبھی کبھی سر مبارک اٹھاتے، ٹھنڈی آہ بھرتے اور پھر پہلی حالت پر لوٹ جاتے''۔

۸۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ انہیں بایزیدؒ سے اونچی باتیں کسی بزرگ میں نظر نہیں آئیں

مذکورہ بالا اور اس سے پہلے پیش کی گئی تحریر سے حضرت بایزیدؒ کے مقام کا علم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت بڑے بڑے اولیائے کرامؒ کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اور جب میں حضرت بایزیدؒ کے کلام کا مطالعہ کرتا ہوں تو دل کا یہ حال ہوتا ہے کہ حضرت بایزیدؒ کے بیان کردہ حقائق میرے دل

[1] المنتظم، عبدالرحمان ابن الجوزی، جلد ۵، صفحہ ۳، مطبوعہ، حیدر آباد دکن۔

کی گہرائیوں میں امڈ کر غلبہ حال کی صورت میں نظر آنے لگتے ہیں اور ان کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ بایزیدؒ کی باتوں سے اونچی باتیں کسی بزرگ میں نظر نہیں آتیں۔ ایک بار حضرت جنیدؒ نے اپنے اہلِ حلقہ سے کہا کہ انہوں نے حضرت بایزیدؒ کے متعلق جو باتیں بیان کی ہیں ان پر کان دھرو اور دیکھو کہ ان کی باتوں میں کتنے لعل اور رموز و نکات بھرے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ ان کے اکثر تذکرے اور اقوال انہوں نے قصداً بیان نہیں کیے کیونکہ ہر کس و ناکس کے سامنے اس قسم کے تذکروں کو بیان کرنا طریقت اور حمیت کے خلاف ہے۔ فرمایا نا اہل لوگوں کو ایسی باتیں بتانا خود اہانت مول لینا ہے جو مجھے گوارہ نہیں۔ جو شخص ان کے کلام سے آگاہ ہو یقیناً وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوگا کہ آپ کا تعلق کس برگزیدہ بندوں کے مقدس طبقے سے ہے۔

۹۔ حضرت بایزیدؒ کی عرش سے گفتگو پر وجد کا طاری ہونا

بعض روایات میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے مریدوں نے دیکھا کہ ایک دن آپؒ کی نماز کی جگہ کے قریب ایسا تازہ خون پڑا ہوا تھا جیسے بکرا ابھی ابھی ذبح کیا گیا ہو۔ آپؒ کے مریدوں نے آپؒ سے عرض کیا کہ حضرت رات کی کیفیت کچھ ہم کو بھی بتلایئے، شاید ہم کو بھی کچھ فائدہ پہنچے۔ آپؒ نے فرمایا کہ رات کو میں نے نماز کی نیت باندھی اور جب عرش الٰہی کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ عرش الٰہی ہانپ رہا تھا جیسے کہ جانور تھک کر ہانپنے لگتا ہے تو میں نے عرش سے پوچھا کہ میرے محبوب (یعنی رب العالمین) کا پتہ بتا کیونکہ ہم کو بتایا گیا ہے کہ ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' (یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے) (طٰہٰ: ۵)۔

عرش نے جواب دیا کہ اے بایزیدؒ! تم کو یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے مگر عرش سے یہ کہا گیا ہے کہ اللہ رب العالمین مومنین کے پاس ہے۔ عرش کی یہ بات سن کر مجھ پر وجد اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

۱۰۔ آپؒ کے قلب پر اللہ تعالیٰ کا نام اس طرح جاری تھا کہ اپنے تیس سالہ خادم کو نہ پہچانتے تھے

روایات میں ہے کہ ایک شخص حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں تیس سال تک مصروف رہا لیکن وہ جب بھی آپؒ کے سامنے آتا تو آپؒ پوچھتے کہ تیرا نام کیا ہے؟ آخر ایک دن اس شخص نے عرض کیا ''آپؒ مجھ سے مذاق کرتے ہیں کہ بار بار مجھ سے میرا نام پوچھتے ہیں''۔ فرمایا کہ مذاق نہیں کرتا بلکہ میرے قلب اور

روح پر اللہ کا نام اس طرح جاری وساری ہو جاتا ہے کہ اس کے نام کے سوا مجھے کسی کا نام یاد ہی نہیں رہتا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا وہ قول اس کتاب میں درج ہو چکا ہے کہ جب حضرت ذوالنون مصری کے مرید نے آپؒ کے گھر پر آواز دی "ھَلْ بَایَزِیْدُ فِی الْبَیْتِ" تو آپؒ نے فرمایا "مَافِی الْبَیْتِ اِلَّا اللّٰہُ" (گھر میں اللہ کے سوا کوئی نہیں) فرمایا کہ میں خود بایزیدؒ کی تلاش میں ہوں مگر ابھی تک اسے تلاش نہیں کر سکا۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت حبیب عجمیؒ کے متعلق بھی روایات میں آتا ہے کہ آپؒ کی خدمت میں ایک خادمہ تیس سال سے خدمت پر مامور تھی لیکن اس عرصہ میں آپؒ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ایک دن آپؒ نے پاس ہی کھڑی اپنی کنیز سے فرمایا کہ ذرا میری پردہ نشین کنیز کو بلانا تو کنیز نے عرض کیا کہ "حضور میں ہی آپکی کنیز ہوں اور تیس سال سے آپکی خدمت میں رہ رہی ہوں اور آپ ابھی تک مجھے پہچانتے نہیں" فرمایا تیس سال کی مدت میں مجھے یہ مجال نہ ہوئی کہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف دھیان کروں، اس وجہ سے آج کے دن تک میں تیری طرف متوجہ نہ ہو سکا۔[۱] آپؒ ہی کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ ایک دن آپؒ ایک گوشے میں تشریف فرما تھے اور کہہ رہے تھے کہ جس کا دل تجھ سے خوش نہیں اسے خوشی نہ ہو۔ جسے تجھ سے محبت نہیں اسے کسی سے محبت نہ ہو۔ آپؒ کا فرمان ہے کہ اس کے دل میں رضا ہے جس کے دل میں کسی قسم کا غبار نہ ہو۔

۱۱۔ حضرت بایزیدؒ کے مزید محیّر العقول واقعات

حضرت بایزید بسطامیؒ کے جو واقعات اوپر بیان ہوئے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات کتابوں میں دیکھنے کو آئے ہیں جن کو اس جگہ شامل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ آپؒ سے متعلق جو روایات اس کتاب میں مختلف ابواب میں درج کی گئی ہیں ان میں سے اکثر واقعات ایسے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد قارئین متحیر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو واقعات اوپر شامل کر دیئے گئے ہیں ان کے علاوہ چند مزید واقعات قارئین کی نظر کئے جا رہے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ مجاہدات شاقہ میں گزرا۔ آپؒ سے کسی نے پوچھا کہ اپنے مجاہدات کے بارے میں ہمیں کچھ بتلائیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ بڑے مجاہدات تو درکنار تم میرے معمولی مجاہدات کو سننے کی بھی تاب نہیں لا سکتے۔ عرض کیا گیا کہ کسی معمولی مجاہدے کا ذکر فرمائیں تو آپؒ نے فرمایا کہ میرا نفس ایک

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۴۲۔

عرصہ سے پلاؤ کھانے کی خواہش کر رہا تھا ایک مدت کے بعد میں نے اس سے کہا کہ میں پلاؤ تمہیں اس شرط پر کھلاتا ہوں کہ اس کے بعد مزید کسی چیز کی فرمائش نہ کرنا۔ میرے نفس نے اس شرط کو تسلیم کر لیا اور میں نے پلاؤ پکا کر اسے کہا کہ اسے خوب کھاؤ۔ پلاؤ کھانے کے بعد میرے نفس نے کہا پانی! میں نے کہا خبردار! تم نے معاہدہ توڑا ہے اور اب تمہیں پانی نہیں دوں گا۔ اس کے بعد ایک سال تک میں نے اپنے نفس کو پانی نہیں دیا۔

آپؒ سے پوچھا گیا کہ محبت کیا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا ''محبت یہ ہے کہ بندہ اپنی طرف سے بہت زیادہ عبادات کو معمولی سمجھے اور دوست کی تھوڑی سی عطا کو بہت زیادہ جانے''۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کی طرف سے تھوڑی عمر میں، تھوڑا سا سامان اور تھوڑی جگہ میں تھوڑے ذکر کو بہت بڑا سمجھا ہے اور فرمایا ہے ''وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ'' (اور اللہ کا ذکر بہت بڑی بات ہے) (عنکبوت: ۴۵)۔ انسان کو اپنی مختصر زندگی میں اللہ کی یاد اور اس کے ذکر کے لئے کچھ نہ کچھ تو وقت نکالنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔

کسی نے آپؒ سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا راز کی بات ہے ہم دیکھتے ہیں کہ آپؒ کے گھر میں بہت سی خوبصورت عورتوں کا اجتماع لگا رہتا ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا یہ عورتیں نہیں ہیں بلکہ آپ فرشتوں کے گروہوں کو دیکھتے ہیں جو میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کو علمی مسائل سمجھاتا رہتا ہوں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ عشاق اپنے حبیب کے پردے میں گم رہتے ہیں کیونکہ محبت صرف محبوب کے وجود کو ہی ثابت کرتی ہے اور اگر کسی کو اپنا یا کسی اور کا وجود نظر آئے تو یہ دوئی کا تقاضا ثابت کرتا ہے۔ آپؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں پہلی بار حج کو گیا تو فقط بیت اللہ ہی نظر آیا۔ میں سمجھ گیا کہ حج مقبول نہیں۔ دوسری مرتبہ حج کو گیا تو بیت اللہ کو دیکھا اور بیت اللہ والے کو بھی دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ حقیقت توحید ابھی منکشف نہیں ہوئی کیونکہ قدیم (یعنی اللہ کے ساتھ) حادث نظر آ رہا ہے۔ تیسری مرتبہ حج پر گیا تو تمام کا تمام جلوۂ خداوندی نظر آیا۔ نہ بیت اللہ تھا اور نہ کچھ اور۔ اس پر مجھے ندا آئی کہ اے بایزیدؒ! اگر تو خود کو نہ دیکھتا تو شرک نہ ہوتا۔ اب جبکہ تمام عالم کو اپنے ساتھ دیکھتا ہے تو یہ شرک ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی اور توبہ کرنے سے بھی توبہ کی کیونکہ توبہ کرنے والا اپنے وجود کو مان کر توبہ کرتا ہے اور اپنا وجود ثابت کرنا شرک ہے۔[1] حضرت بایزید بسطامیؒ کی کچھ مزید روحانی کیفیات اور محیر العقول کیفیات زیرِ نظر کتاب میں کئی مقامات پر بیان ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اس جگہ انہی واقعات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۲۷۔

باب نمبر ۵

اہل اللہ کے مجاہدات

(طریقت کی راہ کا مجاہدات سے بننا)

مجاہدے کے معانی

المجاھدۃ کا مادہ ''اَلْجُھْدُ'' اور جہاد ہے اور ابن اثیرؒ کے مطابق جہاد کے معنی تکلیف، مشقت اور کسی کام کو اس کی انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں۔ جہد کے معنی وسعت اور طاقت کے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ان دونوں کے معنی وسعت اور طاقت کے آتے ہیں۔ ابنِ فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جہاد کے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے لئے اپنی طاقت اور وسعت کو پورا پورا خرچ کرنا۔ جہاد کے معنی سخت زمین کے بھی آتے ہیں جس میں گھاس وغیرہ نہ ہو۔

لغت میں جہاد کا مفہوم

حسبِ ذیل الفاظ میں یہ بیان کیا گیا ہے:

اَلْجِھَادُ وَالْمُجَاھِدَۃُ اِسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِی مُدَافِعَةِ الْعَدُوِّ[1]

(یعنی دشمن سے بچاؤ کرنے کیلئے اپنی امکانی طاقت اور قوت کو صرف کر دینا جہاد اور مجاہدہ کہلاتا ہے)

قرآن کی ایک آیت میں انسان کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ہے یعنی ظاہری دشمنوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں اور ہوائے نفس یا شیطان کے وسوسوں کے خلاف برسرِ پیکار رہنا بھی جہاد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۸۷۔

جَاهِدُوْا اَهْوَاءَ كُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَ كُمْ ۱؎ (اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف بھی جہاد کرو جیسے تم اپنے ظاہری دشمنوں سے جہاد کرتے ہو)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ

اَنَا وُدِّ عَ فِیْ عَدَاوَةِ النَّفْسِ ۲؎ اگر مجھے ڈھونڈ نا ہو تو میں عداوتِ نفس میں رکھا گیا ہوں۔

جہاد کا مقصد یہ ہے کہ جہاد کسی ذاتی غرض و غایت، شان و شوکت کے حصول اور جاہ و منصب یا ناموری کے لئے نہ ہو بلکہ تمام جد و جہد کا مدعا اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ جہاد میں اگر کوئی ذاتی غرض شامل ہو جائے تو شریعت کی رُو سے یہ جہاد نہیں کہلائے گا۔

اسلام میں جہاد کی اہمیت

اسلام میں جہاد کی اہمیت کیا ہے؟ یہ سوال بہت طویل بیان کا محتاج ہے۔ جہاد کو جاری رکھنے کی ضرورت اس وقت تک ہے جب تک پورے عالم میں قوانینِ الٰہی کا نفاذ نہ ہو جائے۔ اسلام نے عملِ جہاد کے لئے کیا کیا احکامات تجویز فرمائے ہیں اور اس کے لئے مسلمانوں کو سخت تاکید کیوں فرمائی؟ یہ تمام گفتگو اس کتاب کی پہنچ سے باہر ہے۔ انشاء اللہ جہاد کے بیان کو پوری آب و تاب کے ساتھ کسی الگ تصنیف میں بیان کیا جائے گا۔ اس جگہ جہادِ اکبر (یعنی مجاہدۃ النفس) کے مطالب کو بیان کیا جا رہا ہے جو اس باب کے ساتھ مناسبت اور تعلق رکھتا ہے۔ یہی وہ جہاد ہے جس کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا: "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" ۳؎ (ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف آئے ہیں) مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں　　ماند زاں خصمے بتر در اندروں
(۱:۱۳۷۳)

(اے بزرگو! ہم نے ظاہری دشمن کو تو مار لیا، مگر ایک اس سے بڑا دشمن باطن میں رہ گیا ہے)

قَدْ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِيْم　　با نبیؐ اندر جہادِ اکبریم
(۱:۱۳۸۷)

(ہم جہادِ اصغر سے لوٹے ہیں اور اب، رسول ﷺ کے ساتھ جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا ہے)

۱؎ کشف المحجوب، صفحہ ۳۹۵۔

۲؎ کنز العمال، علاؤ الدین علی المتقی، متوفی ۹۷۵ھ، حدیث ۱۱۲۶۰، جلد ۴، صفحہ ۱۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

۳؎ کشف الخفاء، حدیث ۱۳۶۲، جلد ۱، صفحہ ۵۱۱۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں خوش آمدید ہو کہ تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہو۔ جہادِ اکبر یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرے۔ امام غزالیؒ نے اسے جزوِ اقوال صحابہ ؓ بھی کہا ہے اور یہ جزوِ حدیث بھی قرار پایا ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

"قَدِمْتُمْ خَيْرَ مَقْدَمٍ وَ قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ مُجَاهَدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ" [۱]

(تمہیں خوش آمدید ہو کہ تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہو یعنی انسان اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرے تو یہ جہادِ اکبر ہے)

جہاد کی بنیاد نفس کی مخالفت پر قائم ہے

انسان پر پابندئ نفس کا نفاذ اس وقت ہوا جب آدم علیہ السلام ابھی جنت میں تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد ان کو حکم ہوا "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ"، یعنی شجرِ خلد سے نہ کھانے کو کہا گیا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت بی بی حوا کے کہنے پر اس درخت کو چکھ لیا جس کی انہیں ممانعت کی گئی تھی۔ یہی وہ وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" (آدم علیہ السلام سے اپنے رب کی حکم عدولی ہوگئی سو وہ بامراد نہ ہوئے۔ (طٰہٰ :۱۲۱) غویٰ کا مطلب ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے راحت و آرام کی جگہ مشقت و محنت لکھ دی گئی، چونکہ آدم علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے، اس لئے ان سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ اس درخت کے قریب جائیں گے۔ ایک بڑے آدمی کی کسی چھوٹی سی لغزش یا صرف ترکِ اولیٰ پر بھی گرفت ہو جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے شجرِ خلد کو چکھا تو ان کا یہ عمل ان کے جنت سے نکالے جانے کا سبب بنا۔ مولانا رومیؒ نے اس بات کو یوں بیان فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ کے مترادف تھے اور آنکھ میں ایک چھوٹا سا بال بھی پہاڑ کی طرح بوجھل ہونے کی مثال رکھتا ہے چنانچہ یہ بال کوہِ عظیم کی طرح گراں بار محسوس ہوا۔ فرماتے ہیں۔

بود آدم دیدۂ نورِ قدیم — موئے در دیدۂ بود کوہ عظیم

(۱۸:۲)

(آدم علیہ السلام نورِ قدیم (یعنی اللہ تعالیٰ) کی آنکھ کی مانند تھے اور آنکھ میں بال کا آجانا کوہِ عظیم کی طرح (سخت ناگوار) معلوم ہوتا ہے)

---

[۱] کنز العمال، حدیث نمبر ۱۱۲۶۰، جلد ۴، صفحہ ۴۴۷۔

فرعون کو نفس کی مخالفت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار انعامات کا وعدہ

مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کہا ''خدا ہونے کا دعویٰ ترک کر دو اور اسلام قبول کر لو تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار انعامات عطا فرمائے جائیں گے وہ چار انعامات یہ ہیں (۱) صحتِ دائمی (۲) طویل عمر دی جائے گی اور مرو گے نہیں (۳) ہمیشہ جوان رہو گے اور بوڑھے نہ ہو گے (۴) تمام عمر بےفکر رہو گے یعنی کوئی فکر لاحق نہ ہوگی۔'' [۱] فرعون اس پیشکش پر رضامند ہو گیا اور ہامان کے ساتھ صلاح و مشورہ کے بعد فیصلہ کا ارادہ کیا۔ اس نے ہامان سے بات کی تو اس نے کہا کہ ''چھوڑو! ان باتوں کو آپ تو خود خدا ہیں'' چنانچہ اس نے اپنی نافرمانی اور سرکشی سے باز نہ آنے کا فیصلہ کر لیا۔

مذکورہ روایت سے اس بات کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے انعامات مخالفۃ النفس پر ہی منحصر ہیں۔ اس روایت سے ایک اور لطیف نکتہ آشکار ہوتا ہے کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ چار انعامات کا وعدہ موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے فرعون سے کیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا ہے کہ عام مسلمانوں میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرکشی کے عمل سے باز آ جاتا ہے اور اس کی فرمانبرداری میں لگ جاتا ہے تو اس کی کوشش کے مطابق مذکورہ چاروں انعامات میں سے اس کو بھی کافی حصہ ملتا ہے۔ ایسے لوگوں کی صحت اوروں کے مقابلے میں بہتر رہتی ہے، عمر میں برکت دی جاتی ہے یہ حقیقت ایک قرآنی آیت سے بھی واضح ہے) جوانی دیرپا رہتی ہے اور اولیائے کرام علیہم الرحمۃ نہ صرف عمر بھر بےفکر رہتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ غمگین نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اَلاَ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' (یاد رکھو اللہ کے ولیوں کو نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔) (یونس: ۶۲)

قرآن میں آیتِ مجاہدہ اور اس کی وضاحت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بلند ہمت لوگ ہمیں راضی کرنے کیلئے مجاہدات کا راستہ اختیار کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنی طرف آنے کی راہیں کھول دیتے ہیں اور پھر ہم ہر وقت ان کا دنیوی اور اُخروی

---

[۱] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۱۷۸۱۲، جلد ۴، صفحہ ۱۹۸۔

زندگی میں ساتھ دیتے ہیں۔ یہ معلوم ہونا کوئی مشکل بات نہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ کا ساتھ مل جائے تو پھر اس کی تمام مشکلات کس طرح حل ہو جاتی ہیں۔

''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ'' (العنکبوت:۶۹)	(اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں، ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے)

اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی راہ استوار کرنا اپنے اندر ایک کمال پیدا کرنا ہے جس کی راہ بہت کٹھن ہے۔ اس راہ میں نہایت جواں مردی سے قدم بڑھانا ضروری ہے۔ اللہ والے اس راستہ کو اپنی محبت کے باعث نہایت آسانی سے عبور کر جاتے ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ العنکبوت کی مذکورہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ہم انہیں ثواب کی راہ دکھا دیں گے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا جو لوگ توبہ کی کوشش کریں تو ہم ان کو اخلاص کی راہ دکھا دیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ جو طلبِ علم کی کوشش کریں گے، ہم انہیں عمل کی طاقت دے دیں گے۔ حضرت سعد بن عبداللہؒ نے فرمایا جو اقامتِ سنت کی کوشش کریں گے ہم انہیں جنت کی راہ دکھائیں گے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو لوگ ہماری رضا کے حصول کیلئے اور دینِ حق کی سربلندی کے لئے ظاہری و باطنی دشمنوں سے لڑتے رہیں گے ان کو ہم اپنی راہوں کی طرف آنے کی توفیق دیں گے یعنی ایک ایسی چیز تک رسائی دیں گے جو مطلوب تک پہنچا دے۔ سبل جمع ہے سبیل کی اور اس کی تشریح میں امام راغبؒ فرماتے ہیں۔ ''السبیل'' اصل میں اس راستے کو کہتے ہیں جو آسانی سے منزل تک پہنچا دے۔ یہاں سبل جمع کا صیغہ استعمال ہوا کیونکہ ہر بندے کا اپنے مولا سے راہِ نیاز اور رابطہ جدا جدا ہے۔[1]

مجاہدہ و مشاہدہ کا مفہوم اولیاء کرامؒ کے اقوال کی روشنی میں

حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ ہم چالیس سال سے آئینہ داری کرتے چلے آئے ہیں اور ہمارے آئینہ نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مطلب یہ ہے کہ اولیائے اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں نورِ فراست سے دیکھتے

[1] المفردات، جلد ا، صفحہ ۲۲۳

ہیں۔(نورِفراست پر ایک مفصل باب اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔)

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو کبھی اللہ تعالیٰ سے حجاب میں نہیں آتے۔ آپؒ کا قول ہے۔

"اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادَ الَوْ حَجَبُوْا عَنِ اللّٰهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَارْتَدُّوْا" [1]

(اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر پل بھر کے لئے دنیا و عقبیٰ میں اس کے جمال سے محجوب ہو جائیں تو وہ اپنے آپ کو مرتد سمجھتے ہیں) [1]

حضرت بایزید بسطامیؒ کے مذکورہ قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی زندگی دائمی مشاہدہ میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی حیات ان کے وصفِ مشاہدہ سے ہوتی ہے۔ اسی قول کے مطابق اہل مکاشفہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ والے حجاب میں آ جائیں تو ان کو مرتد فی الطریق سمجھا جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام حضوری سے بات کرتے ہیں اور صدیقین مشاہدے کے بعد گفتگو فرماتے ہیں۔

"کَلَامُ الْاَنْبِیَاءِ نَبَاءٌ عَنِ الْحُضُوْرِ وَ کَلَامُ الصِّدِّیْقِیْنَ اِشَارَةٌ عَنِ الْمُشَاهِدَةِ"

کلامِ انبیاء حضور کے ذریعہ ہوتا ہے یعنی جو فرماتے ہیں، آنکھوں دیکھا اور یقینی علم کے مطابق ہوتا ہے اور صدیقین کا کلام مشاہدے کی طرف اشارہ ہے۔

مشاہدہ پر اقوالِ مشائخ

اولیائے کرام علیہم الرحمۃ کی صحتِ خبر محض مشاہدہ پر ہوتی ہے جو نظر ناظر (دیکھنے والی آنکھ) سے ہوتا ہے۔ مشائخ کا قول ہے کہ مشاہدہ میں تخیل کا دخل ہوتا ہے اور نباً کی خبر آنکھوں دیکھی بات ہوتی ہے مگر اشارات محض تخیل اور استدلال سے وابستہ ہیں (حضور ﷺ کا بیت المقدس کی سیڑھیوں کے متعلق خبر دینا عین بیت المقدس کو دیکھنے سے عبارت تھا کیوں کہ اس وقت تمام حجابات درمیان سے اٹھا دیئے گئے تھے اور شرحِ صدر کے ذریعہ آپ ہر چیز کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے فرما رہے تھے جبکہ کسی ولی اللہ کا چھپی ہوئی چیز کو دیکھنا نورِفراست سے مشاہدہ کرنے سے تعلق رکھتا ہے)۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۵۶۔

حضرت داتا گنج بخش ؒ نے فرمایا کہ ذکر میں کسی غیر چیز کو یاد رکھنے والے ذاکرین ان لوگوں سے زیادہ غافل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے سرے سے غافل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو فراموش کر کے اس کا ذکر کرنا بڑے نقصان کی بات ہے۔ ذاکر حضورِ ذکر میں جب مشاہدہ حق کر لیتا ہے تو پھر ذکر ذکر نہیں رہتا بلکہ مشاہدہ ہو جاتا ہے اور جب ذاکر، حق سے غائب ہو جائے اور اپنے وجود سے مطلع ہو تو اگر چہ ذکر ہوتا ہے مگر اسے ذکر نہیں بلکہ غیبت کہتے ہیں اور یہی غفلت ہے۔

حضرت داتا گنج بخش ؒ لکھتے ہیں کہ حضرت سہلؒ نے مشاہدے کے لئے مجاہدے کو علت فرمایا ہے اور عرفانِ حق کے لئے مجاہدے کو خاص طور پر مؤثر قرار دیا ہے۔ حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ وہ حیاتِ دنیا جو طلب مشاہدہ میں ہو اس حیات اخروی سے بہتر ہے جو جزائے عمل کے لئے کی جائے۔ بغیر سنت اور مجاہدہ کے قربت میسر نہیں ہو سکتی اور انسان کو چاہیے کہ واصل بحق ہونے کی علت (یعنی مجاہدہ) میں اتنی کوشش کرے جتنی اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے کیونکہ مشاہدات، مجاہدات کی میراث ہوتے ہیں۔[۱]

اہل مشاہدہ دل میں ہی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دل پر ۳۶۰ بار نظر فرمائی ہے جبکہ خانہ کعبہ پر صرف ایک بار۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

حرم جز قبلۂ قلب و نظر نیست — طوافِ اُو طوافِ بام و در نیست

(کعبہ قلب ونظر کے قبلہ کے سوا کچھ نہیں، اس کا طواف صرف بام ودر کا ہی طواف نہیں)

میانِ ما و بیت اللہ رمزیست — کہ جبرائیل امین را ھم خبر نیست

(ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان ایک ایسی رمز ہے، کہ جس کی خبر جبرائیل علیہ السلام امین کو بھی نہیں ہوتی)

مجاہدات کا اثر نفس پر براہِ راست نظر آتا ہے۔ نفس کی اصلاح مجاہدات کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى (النزعت: ۴۱،۴۰)	اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ۳۹۶۔

اصلاح نفس کی اس اہمیت کے سبب راقم الحروف نے ایک مفصل کتاب ''تہذیبِ نفس'' کے نام سے ترتیب دی ہے۔

اولیائے کرام علیہم الرحمۃ کے مجاہدات کی غرض رذائل کو دور کرنا ہے

تمام اولیائے کرام علیہم الرحمۃ نے مجاہداتِ شاقہ کو اپنا شعار بنایا اور دینی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کئی کئی سال تک مجاہدات میں مصروف رہے کیونکہ خلوت نشینی راہِ طریقت کا ایک حصہ تصور کیا جاتا ہے اور اس کا مشروع ہونا سنتِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ کئی کئی دنوں تک غارِ حرا میں معتکف رہے۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس راتیں طور سینا پر گزارنا قرآن میں مذکور ہے۔ جو اولیائے کرام علیہم الرحمۃ سخت مجاہدات میں زندگی کا ایک حصہ گزار چکے ہوں، ان کا تصرف اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ ہر چیز ان سے ڈرنے لگتی ہے اور ان کا تصرف بقدر حیثیت روحانی، اطراف عالم پر جاری و ساری ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کچھ بزرگوں کو تقدیر مبرم میں تصرف کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

مجاہدے کی غرض و غایت اصلاحِ نفس ہے اور اخلاقِ رذیلہ اسی سے درست ہوتے ہیں۔ کچھ رذائل محنتِ شاقہ کے بعد بھی انسان میں موجود رہتے ہیں۔ ان کے لئے مزید مجاہدات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تکبر ایک ایسی بیماری ہے جس کا ختم کرنا سخت مجاہدات کے بعد بڑی مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ اصلاحِ نفس کے بعد ایک صوفی اپنے قلب سے مشورہ لے سکتا ہے کیونکہ جب تک قلب میں مجاہدات کے باعث نورانیت پیدا نہ ہو جائے تو وہ مشورہ قلب کا نہ ہوگا بلکہ نفس کا مشورہ سمجھا جائے گا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ کئی سالوں کی مشقت کے بعد میں نے آئینہ دل کا مشاہدہ کیا تو دیکھا کہ میرے اندر نفس کے ظاہری آثار موجود ہیں تو اس کو دور کرنے کے لئے میں نے مزید بارہ سال تک مجاہدہ کیا۔ پھر نظر کی تو وہ زنار موجود تھا تو میں نے اس کو توڑنے کے لئے مزید پانچ سال تک عمل کیا کہ کسی طرح یہ ختم ہو جائے۔ اس وقت مجھے کشف ہوا اور اس کے بعد میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو انہیں مردہ پایا۔ اس وقت میں نے جنازے کی چار تکبیریں ان پر پڑھیں۔

حضرت فرازؒ فرماتے ہیں کہ مجاہدے کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ (۱) فاقہ کے بغیر کھانا نہ کھائے۔ (۲) نیند غالب ہونے کے بغیر نہ سوئے۔ (۳) ضرورت کے بغیر نہ بولے۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ

نے چھ دشوار گزار منزلوں کا ذکر کیا ہے جن کے بغیر انسان صالحین کے مرتبے کو نہیں پہنچتا (اس کی تفصیل راقم الحروف کی تصنیف ''اسلام و روحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں دیکھیں جہاں مجاہدات پر دیگر مشائخ کے اقوال درج کئے گئے ہیں۔ مذکورہ کتاب میں حکمت مجاہدہ اور تہذیبِ نفس پر کافی مضامین لکھے گئے ہیں)۔

جب تک بندہ مجاہدے سے راہ بناتا ہے تو تفریق میں ہوتا ہے اور جب عنایت و ہدایت حق ہونے لگے تو مقامِ جمع میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خلقت کو اپنی دعوت میں جمع فرما کر ارشاد فرمایا:

''وَ اللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ'' (اللہ تعالیٰ تم کو بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف (یعنی جنت کی طرف) (یونس:۲۵)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے ساتھ تفریق کی اور فرمایا:

''وَ اللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' (اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف لے جاتا ہے) (النور:۴۶)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اپنی طرف بلایا اور پھر اپنی مشیت کا اظہار کیا کہ ان میں سے ایک گروہ کو تو ہدایت عطا کر کے دارالسلام کی طرف جمع کر دیا اور دوسرے گروہ کو دور کر دیا۔ گویا ایک گروہ کو عظمت عطا کر دی (یعنی جمع کی حالت) اور ایک گروہ کو آفت کی طرف مائل کر دیا (یعنی تفریق کر دی) اور بعض کو توفیق کے ساتھ مقبول کر لیا یعنی امر و نہی سے جمع بھی اور تفریق بھی کر دی۔ جو اللہ کی مراد ہے وہ رازوں کی حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع معلوم ہے جبکہ تفرقہ امر و نہی کو ظاہر رکھنا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام کی گردن نہ کٹنا، ابلیس کا سجدہ نہ کرنا اور آدم علیہ السلام کا دانہ کھانا مشیت الٰہی تھی۔ چنانچہ مشائخ کا قول ہے کہ

''اَلْجَمْعُ مَا جَمَعَ بِاَوْصَافِهٖ وَ التَّفْرِقَةُ مَا فَرَقَ بِاَفْعَالِهٖ''[1] (جمع وہ ہے جو اس کے اوصاف کے ساتھ جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اس کے افعال سے جدا ہو)

اس موضوع پر یعنی اللہ تعالیٰ کے جمع کئے ہوئے اوصاف اور تفریق کئے ہوئے اعمال میں بندے کو

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۵۰۰، ناشر الطاف نیروی۔

گفتگو کرنا منع ہے کیونکہ انسان کی عقل اس کے فہم سے قاصر ہے۔

''سرِ دلبراں'' میں ہے کہ مشاہدۂ حق میں بے خلق رہنا جمع ہے یعنی حق تعالیٰ میں اس درجہ کا محو ہونا کہ کسی کی خبر نہ ہو جمع کہلاتا ہے۔ جمع ضد ہے فرق کی۔ تفریق یہ ہے کہ بوجہ خلق کے کوئی حق تعالیٰ سے محجوب ہو جائے یعنی یہ کہ کوئی خلق کو ہی دیکھے اور حق کو ''مِنْ کُلِ الْوُجُوْہِ'' غیر جانے۔

جمع الجمع یہ ہے کہ اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے کہ خلق حق سے قائم ہے۔ اس مقام پر بندہ ہر چیز (جو موجود ہے) میں حق کا مشاہدہ کرتا ہے (یعنی ہر شے میں اللہ کو ہی دیکھتا ہے) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حق کو خلق سے اور خلق کو حق سے دیکھتا ہے۔ وہ حق اور خلق کو خلق میں دیکھتا ہے یعنی خلق کو خلق اور حق کو حق دیکھتا ہے۔ یہ مقام سب سے بلند ہے۔[1]

اسلام میں جہاد، رہبانیت کا بدل ہے

جہادِ زندگی کے لئے کچھ مذاہب نے سخت ریاضتیں، رہبانیت اور اذیت رسانی کی راہوں کو اختیار کیا مگر اسلام نے ان تمام غیر شرعی مشقتوں کی نفی کی ہے اور ایک ایسی شریعت کا نفاذ کیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے ان کو جہادِ زندگی میں کامیابی کی ضمانت فراہم کی ہے۔ ایک حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ عیسائیت میں خدا کو راضی کرنے کے لئے لوگ دنیا کو ترک کر کے رہبانیت کی زندگی اختیار کرتے ہیں لیکن دینِ اسلام میں رہبانیت کا بدل جہاد بتایا گیا ہے۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ اور حج کو بھی بہت سی غیر اسلامی باتوں کا بدل مقرر کیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حدیث کی ترجمانی یوں بیان فرمائی ۔

مصلحت در دینِ عیسیٰ غار و کوہ　　　مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ

(دینِ مسیح کی مصلحت غاروں میں گوشہ نشینی ہے، ہمارے دین کی مصلحت جہاد اور دبدبہ پیدا کرنا ہے)

آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت　　　جنگ را راھبانیٔ اسلام گفت

(ج ن:۴،۷۷)

(وہ رسول ﷺ جس نے قوموں کو رازِ عشق دیا، اس نے جہاد کو اسلام کی رہبانیت قرار دیا ہے)

قرآن وسنت کی افادیت پر ایک ضخیم مضمون ہماری تصنیف ''سنتِ مبارکہ'' میں شامل کر دیا گیا ہے جس میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اتباعِ سنت سے کیا کچھ ملتا ہے۔ اس کتاب میں مذکورہ مضمون نہایت

---

[1] سرِ دلبراں، سید محمد ذوقی، صفحہ ۱۲۸، ناشر محفل ذوقیہ، فیڈرل ایریا، کراچی۔

وضاحت سے لکھ دیا گیا ہے۔ انسان کی کامیاب زندگی کے لئے جو سب سے اہم بات ہے وہ شریعت کی اتباع ہے۔ جس سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور تمام اخلاقِ رذیلہ کا با آسانی علاج ہو جاتا ہے۔

انسان کو محنت اور مشقت میں پیدا کیا گیا جیسا کہ قرآن کی سورۂ البلد کی آیت نمبر ۴ مین آیا ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ" اور مجاہدۃ النفس میں مشقت سے کام ہوتا ہے۔

تخلیق آدم علیہ السلام کا اگر قرآن کے نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دنیا میں آنے کے بعد بنی نوع انسان کو مشقت میں ڈال دیا گیا اور اسی روز سے یہ قانونِ الٰہی بن گیا کہ اب تم اس دنیا میں مشقت کی زندگی بسر کرو اور میرے احکام کی پیروی کرو۔ جو لوگ دنیا کی زندگانی کو کامیابی سے گزار دیں گے تو ان کو پھر جنت عطا کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو یہ سبق ملا کہ تم دنیا میں اپنے کئے ہوئے اعمال اور کوشش و محنت کا ثمر پاؤ گے جیسا کہ درج ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (النجم:۳۹)	اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

قرآن میں انسان کو مشقت میں ڈالنے اور اس دنیا میں ان مشقتوں سے آزمائے جانے کا ذکر متعدد بار ملتا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ تمہارے پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے "لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اچھے اعمال کرتا ہے) (الملک:۲)

دوسرے مقام پر انسانوں کو مشقت میں ڈالنے کا ذکر فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (البلد:۴)	ہم نے انسان کو محنت اور مشقت میں پیدا کیا۔

اس مشقت بھری زندگی میں انسان کو کامیاب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور رُسل مبعوث فرمائے۔ اور لوگوں پر وقتاً فوقتاً احکامات نازل فرمائے تاکہ انسان اپنی مراد کو پہنچے۔ اسلامی شریعت اور منہاج کا یہی مقصد تھا کہ لوگوں کو نفسانی خواہشات کی اتباع کے ضرر سے بچایا جائے اور دوسرا مقصد انسان کو ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے سے روکنے یا مزاحمت کرنے والی قوت ابلیس اور شیطانیت کی مخالفت کرنے میں ہے۔ قرآن و حدیث نے ابلیسی قوتوں کی مخالفت کو جہاد قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتباعِ شریعت کو ایک ایسا رتبہ دیا ہے کہ اس میں جس قدر نفس کی اصلاح ہوتی ہے، وہ کسی اور عمل میں

نہیں پائی جاتی بلکہ ریاضتوں کا مقصد بھی یہی مجاہدۃ النفس ہے۔ راقم الحروف نے اپنی ایک کتاب ''تہذیبِ نفس''، تصنیف کی ہے جو نفس کی اصلاح کے لئے نہایت موزوں ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ایسی زندگی گزارنے کو ہی جہادِ اکبر سے تعبیر کیا ہے جو نفس کی بغاوت اور مشکلاتِ زندگی کو حل کرنے کی تجاویز پیش کرتا ہے۔ مگر ہمارے کچھ بے دین صوفیوں نے خود کو شریعت کی راہ سے الگ کرلیا ہے اور رہبانیت نُما زندگی کو اپنانے کی کوشش کی ہے جو صریحاً کفر پر دلالت کرتی ہے۔ ایسے بے دین صوفیوں کے متعلق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں　　بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ الست

فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور　　کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست

(ض ک، ۵۰۰)

مجاہدۃ النفس پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کے وعدے فرمائے ہیں

یہ مضمون بہت طوالت طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس سے جنگ آزما ہونے اور اس جنگ میں فتح حاصل کرنے والے کے لئے قرآن میں کیا کیا وعدے فرمائے ہیں۔ درج ذیل آیات کے مطالعے سے ان انعامات کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

(۱) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (النزعت:۴۰)

اور جو ڈرتا رہا ہوگا، اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (بری) خواہش سے یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

(۲) وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن:۴۶)

اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے۔

(۳) وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر:۹)

اور جن کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔

''کشف المحجوب'' میں ہے کہ داؤد علیہ السلام پر وحی فرمائی گئی ''یَا دَاوٗدَ عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّ وُدِّیْ فِیْ عَدَاوَتِھَا'' [1] (یعنی اے داؤد اپنے نفس سے دشمنی رکھ، اس لئے کہ میری دوستی اس کی عداوت میں ہے۔ تمام عبادات کا حاصل مخالفتِ نفس سے ہی ممکن ہے اور ان تمام عبادات کا اجر اسی مخالفت النفس پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ مخالفتِ نفس کا مزید مطالعہ مقصود ہو تو ہماری تصنیف ''تہذیبِ نفس'' کا مطالعہ فرمائیں۔

یہاں مناسب ہوگا کہ خواہشِ نفسانی (یعنی الھویٰ) کی تعریف بیان کی جائے۔ چند مشائخ اور ائمہ کی بیان کردہ تعریف ملاحظہ فرمائیں۔

عارف ربانی یعقوب چرخیؒ لفظِ ھویٰ کا معنیٰ کرتے ہیں ''اَلْھَوٰی'' ''میل کردن دل بآنچه نشاید'' یعنی دل کا کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جو ناروا ہو۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ''اَلْھَوٰی'' کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''اَلْھَوٰی اَلْاِنْھِدَامُ وَالسُّقُوْطُ مِنْ عُلُوِّ'' (ھویٰ، بلندی سے پستی کی طرف گرنا ہے)۔ آپؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''سُمِّیَ بِہٖ لِاَنَّہٗ یَھْوِیْ صَاحِبَہٗ فِی الدُّنْیَا اِلٰی کُلِّ دَاھِیَۃٍ وَفِی الْاٰخِرَۃِ اِلَی الْھَاوِیَۃِ'' یعنی ھویٰ کو ھویٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ انسان کو دنیا کے مصائب سے دوچار کرتی ہے اور آخرت میں ''ھَاوِیَہ'' (جہنم) میں پھینکتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہوائے نفس کے ترک کے کئی مراتب ہیں۔ سب سے نیچے والا درجہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی مخالفت سے اجتناب کیا جائے نیز سلف صالحین کے متفق علیہ عقائد کی مخالفت سے پرہیز کیا جائے۔ اس کا درمیانی درجہ یہ ہے کہ انسان کسی گناہ کا ارادہ کرے اور پھر قیامت کی حاضری کے خوف سے باز رہے اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے۔ [2]

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ فرماتے ہیں کہ نفس کی چالیس بڑی باریک ہوتی ہیں، کبھی تو وہ گناہوں کے ذریعے انسان کو اپنے رب سے دور کرتا ہے اور کبھی نیک اعمال میں ریا اور خود بینی کے جذبات کو ابھار کر انسان کو اپنے رب سے دور کرتا ہے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۸۷۔

[2] تفسیر مظہری، علامہ ثناء اللہ پانی پتی، جلد ۱۲، صفحہ ۲۹۵، دار الاشاعت، کراچی۔

حضرت شیخ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ ہوائے نفس کی دست درازیوں اور شب خون سے بچنے کا محفوظ ترین طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے شیخ کامل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھے، اس کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ [1]

حضرت یعقوب چرخیؒ نے اپنے شیخ خواجہ نقشبندؒ سے پوچھا کہ اگر کسی کو ایسا شیخِ کامل (جو وقتاً فوقتاً برائیوں سے آگاہ کرتا رہے) نصیب نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپؒ نے فرمایا کہ وہ کثرت سے استغفار کیا کرے یا ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ یہ استغفار پڑھے "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ" (میں اس اللہ سے استغفار چاہتا ہوں جو زندہ اور قائم ہے اور میں اس کی طرف توبہ کرتا ہوں)۔

حضرت امام بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں (۱) نفس کی وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے (۲) بخل اور کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے اور (۳) خود بینی کہ انسان اپنے نفس کو بہتر سمجھنے لگے۔ [2]

سخت کوشی دینِ الٰہی کا لازمی جزو ہے

کائنات کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک فطری قانون کو نافذ کیا ہے کہ جو شے اس دنیا میں اپنی بقاء کی خواہشمند ہے تو وہ اپنی اس خواہش کی ہرگز تکمیل نہ کر سکے گی جب تک کہ وہ اس خواہش کی تکمیل کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لائے۔ جو شے اپنی قوتوں اور قابلیتوں کے بل بوتے پر اپنی مخالف قوتوں پر غالب آنے کی اہلیت نہیں رکھتی، اس کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ سائنس دانوں نے اس قانونِ فطرت کو "اَلْجُھْدُ لِلْبَقَاءِ" (بقا کیلئے کوشش کرنا) کا نام دیا ہے۔ یہ قانون نہ صرف انسانوں کے لئے نافذ العمل ہے بلکہ ہر ذی روح کو اس قانون کی اتباع کے بغیر چارہ نہیں، حتیٰ کہ اقوام عالم کی تقدیر اس قانون سے وابستہ ہے۔ کمزور افراد اور اقوام کو طاقتور افراد اور اقوام کچل دیتی ہیں اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر دنیا بھر کو "نیو ورلڈ آرڈر" کی تعمیل پر مجبور کر دیتی ہیں۔

اس دنیا میں باوقار زندگی بسر کرنے کا صرف ان لوگوں کو ہی حق ہے جو اپنے حریفوں سے اپنی

---

[1] تفسیر مظہری، جلد ۱۲، صفحہ ۲۹۹۔

[2] شعب الایمان، احمد بن الحسین البیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، حدیث نمبر ۷۴۵، جلد ۱، صفحہ ۴۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ۔

صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے کلام میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے قوانینِ الٰہی کو لوگوں کے سامنے مؤثر الفاظ میں پیش کیا اور ان کو باقی قوموں کے مقابلے میں لا کھڑا کرنے کی مسلسل جدوجہد کی۔ مذکورہ حقیقت کو علامہ اقبالؒ نے سہل انداز میں حسب ذیل اشعار کے ذریعے ''بانگِ درا'' میں مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ کمزوری اور ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا مُعری　　پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات
اِک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا　　شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات
یہ خوانِ تردتازہ مُعری نے جو دیکھا　　کہنے لگا وہ صاحبِ غفران و لزومات
اے مرغکِ بیچارہ ذرا یہ تو بتا تو　　تیرا وہ گناہ کیا تھا، یہ ہے جس کی مکافات!
افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو　　دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے　　ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

(ب ج:۴۴۹)

علامہ اقبالؒ نے اپنے مذکورہ کلام میں قانونِ فطرت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور تیتر کی مثال سے آپؒ نے مسلمانوں پر واضح کر دیا کہ ''ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات''۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور اُسوۂ رسول ﷺ کی بہت سی روایات میں بھی اس بات کا سبق دیا گیا ہے کہ مسلمان اگر مطلوبہ معیار کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی زندگی میں محنت، مشقت، جانفشانی اور مستقل مزاجی سے کام لیں۔ سخت کوشی پر ''عبادت سے قوت برداشت پیدا ہوتی ہے'' کے عنوان سے ایک مضمون ہماری تصنیف ''حُسنِ نماز'' میں لکھ دیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر یہ بات لازم کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالاتے رہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مسلسل جدوجہد، مستقل مزاجی اور اپنے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کو عمل میں لاتے ہوئے اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے کام لیتے رہیں۔ احکام شرعیہ میں سستی، کاہلی اور تن آسانی کو کامیاب زندگی کے لئے زہر قاتل قرار دیا گیا ہے۔ ان تمام قوانین الٰہی کے مجموعے کو اسلام نے اتباعِ شریعت کا نام دیا ہے۔

علامہ اقبالؒ کا پورا کلام ہی مسلمانوں کی اصلاح، رفعتِ پرواز اور بلند نظری پر ابھارنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ آپؒ کے کلام کا مکمل احاطہ کرنا تو اس تحریر میں ممکن نہیں البتہ آپؒ کے کلام کا کچھ حصہ بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے اور اگر کسی کا مقصود یہ ہو کہ آپؒ نے مسلمانوں کے ارتقا کے لئے کیا کچھ لکھا ہے تو اس کے

لئے یہ عرض ہے کہ وہ آپؒ کے پورے کلام کا مطالعہ کرے۔ یہاں قارئین کی سہولت کے لئے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ آپؒ کے کلام کا راقم الحروف کی مختلف کتب میں بالخصوص ''حضورِ قلب'' اور ''حسنِ نماز'' میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا ہے کہ

در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات　　　لذت تخلیق قانونِ حیات
(ا ر:۴۹)

(زندگی کا راز عمل میں ہی پوشیدہ ہے، تخلیق کی لذت کو حاصل کرنا ہی کامیاب زندگی کا قانون ہے)

خیز و خلاقِ جہان تازہ شو　　　شعلہ در بر کن خلیلؑ آوازہ شو

(اٹھ اور ہمت سے ایک نئی دنیا کا خالق بن، سینے میں شعلہ عشق اٹھا اور خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح نعرہ لگا)

باجہان نامساعد ساختن　　　ہست در میداں سپر انداختن

(ناموافق دنیا سے موافقت پیدا کرنا، گویا میدانِ جنگ میں ڈھال ہاتھ سے ڈال دینا ہے)

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار　　　با مزاجِ اُو بسازد روزگار

(ایسا انسان جو خوددار بھی ہے اور پختہ کار بھی، زمانہ اس کے مزاج کے مطابق موافقت پیدا کر لیتا ہے)

گر نہ سازد بامزاجِ اُو جہاں　　　می شود جنگ آزما با آسمان

(اگر دنیا اس کے مزاج کے ساتھ موافقت نہ کرے، تو وہ آسمان (تقدیر) سے جنگ آزما ہوتا ہے)

گردشِ ایام را برہم زند!　　　چرخِ نیلی فام را برہم زند!

(وہ گردشِ ایام کو درہم برہم کر دیتا ہے، اور چرخ نیلی فام (آسمان) کا بھی شیرازہ بکھیر دیتا ہے)

می کند از قوتِ خود آشکار　　　روزگارِ نو کہ باشد سازگار

(وہ اپنی قوتِ تسخیر سے (ایک نئی دنیا) بناتا ہے، وہ نئی دنیا جو اس کے حسبِ منشا سازگار ہو)

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست　　　ہمچو مرداں جاں سپردن زند گیست
(ا ر:۴۹)

(اگر دنیا میں جوانمردوں کی طرح زندہ نہیں رہ سکتا، تو پھر بہادروں کی مانند جان دے دینا ہی زندگی ہے)

مذکورہ بالا اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے اپنی پوری زندگی کو مجاہداتِ شاقہ کی نذر کرنا اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور جب صوفیوں نے ان اشارات کو دیکھا تو اپنی زندگی کو مسلسل جدوجہد اور مجاہدات میں گزار کر قربِ الٰہی حاصل کیا اور پوری کائنات کو اپنے بازوؤں کے نیچے مسخر کر لیا۔

علامہؒ نے فرمایا ہے کہ ایسی قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلمان کو چیتے کی آنکھ اور ایک بیدار دل رکھنے کی ضرورت ہے اور اگر وہ واقعی مسلمان ہے تو اپنی قوت کو بڑی بڑی مہمات سے آزماتا ہے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح شعلوں کی زندگی سے بھی ٹکرا جاتا ہے۔ ان مصائب سے وہ خود کو محفوظ رکھنا پسند نہیں کرتا۔ مسلمان کا شیوہ ہے کہ وہ آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے۔ اس میں اس کی کامیابی کا راز مخفی ہے۔ زندگی مسلمان کے لئے میدانِ جنگ ہے۔ یہاں رقص اور سرود سے دل کو بہلانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ضرب کلیم میں ہے ۔

میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ		یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جل ترنگ		خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات

(ض ب:۴۷۲)

زورِ خود را از مہماتِ عظیم		آزماید صاحبِ قلبِ سلیم

(ایک زندہ و بیدار دل رکھنے والا شخص، اپنی قوت وتوانائی کو بڑی بڑی مہمات سے آزماتا ہے)

چوں خلیلؑ از شعلہ گل چیدن خوش است		عشق با دشوار ورزیدن خوش است

(دشوارالحصول چیزوں سے عشق رکھنا ہی مستحب ہے، اور خلیل اللہ علیہ السلام کی مانند شعلوں سے پھول چننا ہی اچھا لگتا ہے)

گردد از مشکل پسندی آشکار		ممکنات قوتِ مردانِ کار

(از:۴۹)

(صاحب عزم و ہمت مردوں کی زندگی کے امکانات، صرف مشکل پسندی ہی سے نمایاں ہوا کرتے ہیں)

اسرار و رموز کے ان تمام اشعار میں عمل اور اس کی معجز نما قوتِ تسخیر کی نہایت متوازن اور مبنی برحقیقت تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔ علامہ اقبالؒ ''بانگ درا'' کے ایک شعر میں فرماتے ہیں ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی		یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(ب د:۲۴۷)

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ عاقبت میں تو جنت وجہنم یا جزا وسزا انسان کے اندازِ عمل پر مرتب ہوں گے ہی لیکن حیاتِ دنیوی کو بھی جنت یا جہنم بنا لینا انسان کے اپنے اندازِ فکر وعمل پر منحصر ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی متعدد آیات میں بھی عملِ صالح کی پے در پے تاکید کی گئی ہے اور اسے فرد وملت کی تمام دنیوی واخروی سعادتوں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے علامہ اقبالؒ کا فلسفۂ جدوجہد یا تلقین سعیٔ پیہم سراسر تعلیماتِ قرآن

پرمبنی ہے۔ ہماری تصنیف ’’حسن نماز‘‘ میں ایک مکمل باب ’’عبادت سے قوت برداشت پیدا ہوتی ہے‘‘ کے نام سے لکھ دیا گیا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل اور ابدی قانون ہے کہ کسی بھی فرد وملت کے کردار اور حیاتِ انفرادی و اجتماعی میں کوئی خاطر خواہ اور صحت مند تغیر پیدا نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ ایسے تغیر وانقلاب کے لئے اس کے دل میں جذبہ وولولہ نہ ہو، جرأت مندانہ اقدام نہ ہوں اور پھر وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے خلوص اور عزم واستقامت سے جدوجہد نہ کرے۔ ملاحظہ ہو کہ یہ قانونِ فطرت قرآن کی درج ذیل آیت میں واضح نظر آتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط (الرعد:۱۱) اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو ہرگز نہیں بدلتا تاوقتیکہ وہ قوم خود اپنی حالت کو بدلنے کیلئے جدوجہد نہ کرے۔

قرآن نے مسلمانوں کو ایک عظیم قانون سکھایا ہے اور وہ یہ کہ جب بھی تمہیں کوئی مصیبت یا مشکل درپیش ہو تو صبر اور نماز سے کام لو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ:۱۵۳) اے ایمان والو! صبر اور صلوٰۃ سے مدد طلب کرو۔

مذکورہ آیت میں صبر سے مراد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا مراد نہیں بلکہ نہایت دشوار گزاری کے وقت استقامت اور مردانگی کے ساتھ ڈٹے رہنا ہے، یعنی حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہی صبر کی علامت ہے۔ اسی طرح مسلمان کو نماز صبر کے ساتھ دینی قوانین سے وابستگی کا ہونا سکھاتی ہے، یہی راستہ اپنانا صبر اور صلوٰۃ سے کام لینا ہے۔ اس اسلامی قوتِ تسخیر کا پیدا کرنا مسلمان کو زمان ومکاں کی قیود سے آزاد اور بالاتر کرنے میں مدد دیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے قانون فطرت کو یوں بیان کیا ہے۔

یہی آئین قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوبِ فطرت ہے

نیز علامہؒ کی نظم ’’زندگی‘‘ کے زیرِ عنوان تمام اشعار میں زندگی کا یہی رجحان یعنی سخت کوشی و جفاطلبی کا ہر حالت میں موجود ہونا بیان کیا گیا ہے اور اس کی قوتِ تسخیر کو زمان ومکاں کی قیود سے آزاد و بالاقرار دیا گیا ہے۔

بر تر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے سرِ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو
(ب د:۲۵۸)

اولیائے کرامؒ اور توفیقِ مجاہدہ

علامہ جوہریؒ نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دینے کا تذکرہ کرتا ہے (اور "وَفَقَّهٗ لَهَا" کا اشارہ کرتا ہے) تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جو شخص نیک کام کی ابتدا کرے تو اسے مزید عمل کی توفیق دے دی جاتی ہے اور ایسا شوق دے دیا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ کام آسان ہو جاتا ہے[1] چنانچہ جو کام اللہ کے لئے کیا جائے تو اس کام کے کرنے میں بندے کو قطعاً تکلیف نہیں ہوتی۔ جب کوئی شخص فاقہ سے وقت گزارتا ہے تو اس کا یہ فاقہ روزے کی نسبت بہت مشکل ہو جاتا ہے چونکہ روزے میں اللہ کی طرف سے صبر دے دیا جاتا ہے اور اس طرح روزہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ توفیقِ عمل اللہ کی جانب سے عطا ہوا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کو اچھے کاموں کے لئے توفیق عطا کر دیتا ہے۔ امورِ خیر وہ اچھے کام ہیں جن کو کتاب وسنت اور اجماعِ امت مستحسن قرار دے۔ "کشف المحجوب" میں ہے کہ جو شخص نیکی میں پیش قدمی کرتا ہے اور اطاعت کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو توفیق الٰہی اس کا مقدر بنتی ہے۔

مذکورہ بالا مضمون کو کافی طویل بحث کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں کہ ان تمام باتوں کی حقیقت یہ ہے کہ مجاہدہ مشاہدے میں توفیق الٰہی کی بجائے ہے (یعنی مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب مجاہدہ کیا جائے) اور جب حصولِ اطاعت بغیر توفیق الٰہی محال ہے تو توفیق بھی بغیر اطاعت محال ہوگی (یعنی اطاعت کی کوشش کرو گے تو پھر کہیں جا کر حصولِ اطاعت ملے گی)۔ فرماتے ہیں کہ جب مشاہدہ بلا مجاہدہ موجود نہیں تو بے

[1] مختار الصحاح، محمد بن ابی بکر الجوہری، جلد ۱، صفحہ ۳۴۵، مکتبہ لبنان، بیروت۔

مجاہدہ، مشاہدہ بھی محال ہوگا (مراد یہ ہے مشاہدہ اس وقت حاصل ہوگا جب اس کیلئے کوشش کرو گے)۔[1]

عبادت و ریاضت میں اگر آدمی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی توفیق سے نواز دیتا ہے جس سے نفس کی مخالفت کم ہو جاتی ہے اور دل عبادت میں کیف و سرور محسوس کرنے لگتا ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ابو موسیٰؒ نے حضرت بایزیدؒ سے پوچھا کہ آپؒ نے طریقت میں مشکل کام کیا دیکھا۔ فرمایا ''میں مدتوں اپنے نفس کو خدا کی بارگاہ میں لے جاتا تو وہ روئے جاتا تھا مگر جب توفیقِ الٰہی شامل ہوئی تو اب میں اسے لے جاتا ہوں اور وہ ہنسی خوشی چلا جاتا ہے۔''

حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ اور دیگر مشائخ کے چند مجاہدات

جیسے کہ پہلے بیان ہوا ہے مجاہدات کا اختیار کرنا روحانی دنیا کے واجبات میں سے ہے۔ جتنا زیادہ مجاہدہ ہوگا، اسی قدر روحانی کمالات میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ مجاہدات کے لئے ایک ضروری نکتہ یہ بھی ہے کہ مجاہدات میں نیت، اخلاص، جذبۂ پرواز اور خیالات کی بلندی کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس سلسلے میں ایک الگ تحریر اسی کتاب میں پیش کی گئی ہے جس کے اندر مجاہدات میں کمال حاصل کرنے کے چند نسخے تجویز کئے گئے ہیں۔

حضراتِ جنیدؒ و بایزیدؒ کے مجاہدات کا بہت شہرہ ہے، تبھی تو ان دونوں ناموں کو بلندی حاصل ہوئی۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال تک جنگلوں میں اپنے نفس کے حق میں لوہار بنا رہا اور نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدہ کی آگ میں گرم کر کے ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا۔ آخر کار میں نے اسے آئینہ بنالیا۔ پانچ سال آئینہ بنانے میں صرف ہوگئے۔ طرح طرح کی ریاضتوں سے اس آئینے کو صیقل کیا۔ پھر ایک سال اس کو اغیار کی نظر سے دیکھا تو پھر بھی اس کو غرور، اطاعت کے بھروسے اور عمل کی خود پسندی میں مبتلا دیکھا۔ پانچ سال مزید کوشش کرنے کے بعد پھر جب دیکھا تو یہ مردہ تھا، چنانچہ چار تکبیر جنازہ پڑھ کر اس سے فارغ ہوا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے، ''میں نے دس برس دل کے دروازے پر بیٹھ کر دل کی حفاظت کی۔ پھر دس برس تک میرا دل میری نگرانی کرتا رہا۔ اب بیس برس ہوگئے ہیں کہ نہ میں دل کی خبر رکھتا ہوں اور نہ دل میری خبر رکھتا ہے۔ اس حالت کو تیس سال ہوگئے ہیں کہ ہر طرف حق تعالیٰ کو ہی دیکھتا ہوں، اس کے سوا باقی کچھ دکھائی نہیں دیتا مگر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔''

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۰۱۔

حضرت جنیدؒ وظائف اور عبادات ومجاہدات کا وہ رنگ پیش کرتے تھے کہ جس کے باعث آپؒ کو وہ مقام نصیب ہوا جو آپؒ ہی کا حصہ تھا۔ مجاہدات کو اس طریقے سے ادا کرنا کہ جوان کا حق ہو تو ایسے مجاہدات رنگ لاتے ہیں۔ نماز میں جو معیار ایک ولی سے مطلوب ہے تو اس حالت میں ہی ادا کی گئی نماز پوری افادیت کی حامل ہوگی۔ ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' کے صفحہ ۵۵۷ تا ۵۵۹ نماز کے باطنی شرائط جو حضرت داتا گنج بخشؒ کے الفاظ میں لکھے گئے ہیں، کا مطالعہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ مشائخ عظام اس قدر بلند مراتب پر کس طرح فائز ہوئے۔

''کشف المحجوب''، میں مشائخ میں سے ایک کا قول نقل کیا گیا ہے کہ نماز کے لئے چار باتیں ضروری ہیں ان کے بغیر نماز میں خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا۔ وہ چار باتیں حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) فناءالنفس　　(۲) صفاءالسر

(۳) ذہابِ طبع　　(۴) مشاہدۂ کمال

جب خواطر جمع ہو جاتے ہیں تو ولایت نفس تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے کہ ان کا وجود جو تفریق میں ہوتا ہے، عبادت میں نہیں آتا۔ جب طبیعت رفع ہو جائے (اپنی عادت سے نکل جائے) تو اثباتِ حلال حاصل ہوتا ہے کیونکہ اثباتِ حلالِ حق زوالِ غیر کے بغیر ممکن نہیں اور صفاء السر بغیر محبت کے نہیں ہوسکتا اور کمالِ مشاہدہ بغیر صفاء السر ممکن نہیں ہے۔[1]

حضرت جنیدؒ جب ضعیف ہو گئے تو جوانی کے اوراد میں سے ایک ورد بھی ترک نہ کیا۔ لوگوں نے عرض کیا حضور آپؒ ضعیف ہو گئے ہیں لہٰذا بعض عباداتِ نافلہ ترک فرما دیجئے۔ فرمایا جو چیزیں ابتدا میں اللہ کے فضل سے حاصل کیں، محال ہے کہ اب انتہا میں چھوڑ دوں۔ مروی ہے کہ حسین بن منصورؒ رات دن میں چار سو رکعت فرائضِ مقررہ کی طرح ادا فرماتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اتنی محنت آپؒ کیوں کرتے ہیں، حالانکہ آپؒ تو مقربِ خاص ہیں۔ فرمایا یہ تمام رنج و راحت تمہارے حال میں ہے اور جو فانی الصفت ہو گیا، اس پر رنج و راحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ کاہلی اور سستی کا نام کمال نہیں اور عرض کو طلب کہنا صحیح نہیں ہے۔[2]

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۵۹۵۔

[2] پیر عبد اللطیف خانؒ، اس کتاب کے مصنف، نے بھی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کے استفسار کے باوجود اپنے وظائف اسی طرح جاری رکھے۔ آپؒ کو جب کہا جاتا تو آپؒ حضرت جنیدؒ کی یہ بات بیان فرماتے۔ آپؒ کی زندگی پر ایک کتاب لکھی جا رہی ہے جو شائقینِ تصوف کے لئے انشاء اللہ جلد دستیاب ہو جائے گی۔

یہ بات مشہور ہے کہ فرشتے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں اوران کا اکل وشرب (کھانا و پینا) بھی عبادت ہے۔ان کی غذا بھی عبادت ہے،اس لئے کہ وہ روحانی ہیں اوران کا نفس نہیں ہے جوانہیں اطاعت سے منحرف کرے کیونکہ مانع عبادات نفس ہوتا ہے۔جس قدر وہ حقیر کر دیا جائے بندگی کا راستہ اتنا ہی آسان ہوجاتا ہے۔ جب نفس فانی ہو جاتا ہے تو بندہ کی غذا اوراس کا مشروب صرف عبادت ہو جاتی ہے۔فرشتوں میں فنائے نفس کی وجہ سے عبادت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔مجاہدات میں بھی نفس کا فرشتوں کی طرح ختم ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے کچھ مجاہدات

حضرت بایزیدؒ نے بچپن میں سورۂ لقمان کی آیت ۱۴ مکتب میں پڑھی کہ "اُشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ" (یعنی شکر کر میرا اور اپنے والدین کا)۔آپؒ نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ میں دو گھروں سے تعلق نہیں نباہ سکتا،لہٰذا آپؒ خدا سے مجھ کو اپنے لئے مانگ لیجئے تا کہ میں بالکل آپؒ ہی کا ہو جاؤں یا پھر آپؒ مجھے اللہ تعالیٰ کو سونپ دیں کہ اُسی کا ہو رہوں۔اس پر آپؒ کی والدہ نے کہا کہ میں نے تجھے اپنا حق بخش دیا اور راہِ خدا کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر آپؒ بسطام سے نکل پڑے اور تیس سال تک بادیۂ شام میں ریاضت و مجاہدہ میں گزارے۔

منقول ہے کہ کسی نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا"شیخ آپؒ کو یہ بلند درجات کیسے حاصل ہوئے" فرمایا کہ میں چالیس سال تک اپنے پیر و مرشد کے دوازے پر کھڑا رہا ہوں تب کہیں جا کر اس چشمۂ کرم نے مجھے سرفراز فرمایا۔

ایک موقع پر حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ جب میں اس حقیقت سے آگاہ ہوا کہ کلام وہ ہے جو دل سے ہوتو میں نے تیس سال کی نمازیں دوبارہ پڑھیں۔اس کے بعد تیس سال تک پھر التزام کیا کہ جس وقت نماز میں دنیا کا خیال آجاتا تو میں اس نماز کو دوبارہ پڑھتا اور آخرت کا تصور آجاتا تو سجدۂ سہو کرتا تھا۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈا مگر جب تک مصیبت کے ہاتھ سے نہ ڈھونڈا نہ ملا اور میں تمام قدموں سے اس کی طرف گیا لیکن جب تک دل کے قدموں سے نہ گیا،منزل پر نہ پہنچ سکا۔آپؒ نے فرمایا کہ تیس سال تک میں نے سخت مجاہدات کئے ہیں مگر میں نے علم و عمل

سے زیادہ شدید کسی چیز کو نہ پایا۔ آپؒ نے شریعت کی اتباع پر سخت تاکید فرمائی ہے۔ آپؒ نے فرمایا جب تک دل میں تکبر ہے، ایسا شخص کبھی قربِ الٰہی کی بو تک بھی نہیں پا سکتا اور کمالاتِ تصوف تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔ فرمایا ہر کام میں جو اپنے دل سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اسی حالت میں درست ہے جب نفس کی شرارتوں سے محفوظ ہو ورنہ یہ مشورہ دل کا نہیں بلکہ نفس کا ہوگا۔

''سبع سنابل'' میں روایت نقل ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ میں نے چالیس سال ریاضت کے بعد اسی ہزار پردے اٹھائے اور گڑگڑایا کہ اب مجھے راہ بتائی جائے۔ خطاب ہوا کہ اس ٹوٹے ہوئے پیالے اور پوستین کے ٹکڑے کے ہوتے ہوئے تمہیں راہ نہیں مل سکتی (جو کچھ رکھتے ہو، اسے پھینک دو) میں نے فوراً انہیں پھینک دیا۔ ندا آئی اے بایزیدؒ! اب ان مدعیانِ فقر سے کہہ دو کہ بایزید نے چالیس سال کی ریاضت کے باوجود جب تک ٹوٹا ہوا پیالہ اور پوستین کا ٹکڑا نہ پھینک دیا، اسے کوئی ثمر نہ ملا۔ مدعیانِ فقر تم تعلقاتِ دنیا سے بندھے ہونے کے باوجود فقر کے مدعی ہو اور تم نے طریقت کو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کا بہانہ اور جال بنا رکھا ہے۔ تم ہرگز کوئی پھل نہ پا سکو گے۔ کہا جاتا ہے کہ جب سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کی زبان پر دنیا کا ذکر آ جاتا تو آپؒ وضو کرتے اور اگر جنت کا ذکر آ جاتا تو غسل فرماتے۔ لوگوں نے جب سبب پوچھا تو فرمایا کہ دنیا محدث (قدیم کا الٹ) ہے، لہٰذا اس کا ذکر حدث ہوا اور حدث لاحق ہو جائے تو وضو کرنا چاہیے اور جنت خواہشات کے پورا کرنے کی جگہ ہے تو اس کا ذکر موجبِ جنابت ہوا اور جنابت سے غسل ہی کرنا چاہیے۔

حضرت بایزیدؒ کا جذب و محبت اور مجاہدات

حضرت فریدالدین عطارؒ لکھتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ آتشِ محبت میں غرق تھے، آپؒ تن کو ہمیشہ مجاہدہ اور دل کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے۔ اپنے اس حال میں وہ اس طرح مناجات کرتے تھے۔

''اے باری تعالیٰ! کب تک میرے اور تیرے درمیان ''من'' اور ''تو'' رہے گا۔ اس من کو درمیان سے اٹھا لے تاکہ میرا من تجھ سے ہو اور میں کچھ نہ رہوں۔ الٰہی! جب تک میں تیرے ساتھ ہوں، سب سے زیادہ ہوں اور جب اپنے ساتھ ہوں تو سب سے کم ہوں۔ الٰہی! مجھے زُہد درکار نہیں اور نہ ہی مجھے امام بننے کی ضرورت ہے۔ اگر تو مجھے اہلِ خیر میں سے کرنا چاہتا ہے تو اپنے دوستوں کے درجے تک پہنچا دے۔ پالنے والے! میں تجھی پر ناز کرتا ہوں۔ الٰہی! فطرتِ دل پر تیرے الہام کتنے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔'' آپؒ کی یہ کیفیت اس زمانے کی بات ہے جب عقلیت کا دور دورہ تھا اور معتزلہ کے افکار رائج تھے۔

حضرت بایزیدؒ کا قبروں پر مجاورت کرنا

حضرت داتا گنج بخشؒ ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں کہ وہ خود بھی بہت سے مزاروں پر حاضری دیتے رہے ہیں اور دیگر کئی مشائخ کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ ایک دفعہ ایسا مسئلہ پیش آیا اور میں نے اس امید پر بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ مسئلہ حل ہو جائے مگر حل نہ ہوا۔ اولیائے کرامؒ کے بہت سے روحانی مسائل ایسے حل طلب ہوتے ہیں جن کو وہ اولیائے کرامؒ کے مزارات پر حاضری دینے کے دوران ان کی ارواح مبارکہ کی مدد سے حل کر لیتے ہیں۔ یاد رہے کہ اولیائے کرام کے مزارات پر ایسے معاملات کو حل کرنے میں اس لئے مدد ملتی ہے کہ ان مزارات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور بزرگانِ دین کی ارواح کو فتوح نصیب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے معاملات کا حل ہونا کوئی مشکل بات نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اولیائے کرام نے وفات شدگان کے مزارات پر چلہ کشی کی ہے جن میں سے سب سے مشہور چلہ حضرت معین الدین چشتیؒ کا ہے، جو انہوں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر مکمل کیا اور اپنی مراد کو حاصل کیا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کے قریب چلہ کیا اور ان کا حجرہ ابھی تک ٹبہ بابا فریدؒ کے نام سے لاہور میں (سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے آفس کے قریب) واقع ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک روحانی مسئلہ درپیش ہوا تو میں حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ کے مزار مبارک پر اس وقت تک مجاور بنا رہا جب تک وہ حل نہ ہوا۔ آخر وہ مسئلہ حل ہو گیا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پھر ایک ایسا حل طلب مسئلہ درپیش ہوا تو میں نے پھر حضرت بایزیدؒ کے مزار کا قصد کیا اور تین بار مزار پاک کی مجاورت کی تا کہ مسئلہ حل ہو مگر حل نہ ہوا۔ ہر روز تین بار غسل کرتا اور اکتیس بار وضو کرتا اور اسی امید میں رہا کہ اس معاملہ کا کشف حاصل ہو جائے مگر قطعاً انکشاف نہ ہوا۔ آخر میں اٹھا اور خراساں کا سفر اختیار کیا۔ اس شہر میں ایک شب اس علاقہ کے ایک گاؤں کمس نامی میں اترا۔ وہاں ایک خانقاہ تھی اور اس خانقاہ پر متصوفین کی جماعت موجود تھی۔ میں نے ٹاٹ کا کرتہ پہنا ہوا تھا اور بہت تھکا ہوا تھا۔ میرے پاس سامانِ رسد میں سے کچھ نہ تھا سوائے ایک عصا اور ایک کوزہ کے (یعنی ایک

ہاتھ کی لکڑی اور چمڑے کے لوٹے) کے۔حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ خانقاہ پر موجود صوفیوں کی نظر میں، میں بہت حقیر نظر آیا۔اس جماعت میں میرا جاننے والا کوئی نہ تھا۔انہوں نے مجھے دیکھ کر عام رسم کے مطابق آپس میں گفتگو کی کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی تھی جو انہوں نے کہی۔ میں فی الواقع ان میں سے نہیں تھا لیکن میرے لئے ضروری تھا کہ اس شب اسی جگہ رہوں۔ مجھے انہوں نے ایک بالا خانہ پر بٹھا دیا اور خود اس سے اونچے بالا خانے میں بیٹھ گئے۔ان صوفیوں نے ایک سوکھی روٹی مجھ پر پھینک دی جو باسی ہو کر سبز رنگ کی ہو چکی تھی۔ میں اس اعلیٰ کھانے کی بو سونگھ رہا تھا جو وہ خود کھا رہے تھے اور میرے ساتھ طنزاً باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ جب وہ بالا خانے پر کھانے سے فارغ ہوئے تو خربوزہ کھانے لگے اور اس کے چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے، اس لئے کہ میں ان کی نظروں میں بہت حقیر تھا۔آخر میں نے اپنے دل میں کہا ''الٰہی !اگر یہ لوگ وہ ہیں جو تیرے دوست ہیں تو جامۂ دوست انہیں کیوں مل گیا یا مجھے ان سے علیحدہ نہ کیا ہوتا'' غرضیکہ جس قدر ان کی طعن و تشنیع مجھ پر زیادہ ہوتی جاتی تھی، میرا دل اندر سے بہت خوش ہو رہا تھا حتیٰ کہ ان کی طعن و تشنیع کے بوجھ سے مجھ پر میرا واقعہ حل ہو گیا (کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب خربوزے کے چھلکوں میں سے ایک چھلکا ان کے سر پر لگا تو اسی وقت ان کا مسئلہ حل ہو گیا) حضرت عثمان بن علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مشائخ میں ان جاہلوں کو کس لئے رکھا ہوا ہے اور مشائخ ان کا بوجھ کیوں اٹھائے ہوئے ہیں۔[1] راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس واقعہ کا حل ہونا حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پر حاضری کے باعث ہی نمودار ہوا تھا کیوں کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ واقعہ ان کے مزار پر ہی حل ہو جاتا۔آخر کبھی معاملہ حل ہونے میں کچھ وقت بھی درکار ہوتا ہے۔ اس واقعہ کا بعد میں حل ہونا بھی ان کے ہی لطف و کرم کے باعث ہوا۔

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ جس کام کو میں سب کاموں سے مؤخر جانتا تھا وہ مقدم نکلا یعنی والدہ کی رضامندی اور جس چیز کو میں مجاہدات و ریاضاتِ شاقہ میں تلاش کرتا پھرتا تھا وہ میں نے گھر میں آسانی سے حاصل کر لی یعنی ایک دن والدہ نے پانی طلب کیا، میں کوزہ میں پانی لینے گیا مگر نہ ملا۔ پھر صراحی کو دیکھا پانی وہاں بھی نہ تھا، چنانچہ نہر پر جا کر پانی لایا۔میری واپسی تک والدہ سو گئی تھیں۔ میں اسی طرح کوزہ لئے کھڑا رہا۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۱۶۳ تا ۱۶۴۔

سخت سردی کے باعث کوزہ میں پانی جم گیا۔ جب والدہ بیدار ہوئیں تو انہوں نے مجھ کو یوں کھڑے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا شاید آپ بیدار ہوں اور پانی طلب کریں میں اس ڈر کی وجہ سے کھڑا رہا کہ مبادا آپ کی آنکھ کھلے اور آپ پانی طلب کریں۔ یہ سن کر والدہ نے پانی پیا اور میرے حق میں دعا کی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ آپؒ کو عبادت میں کچھ لطف نہ آیا۔ آپؒ نے خادم سے فرمایا دیکھ گھر میں کیا چیز ہے۔ اس نے دیکھا تو ایک انگور کا خوشہ نظر آیا۔ فرمایا کسی کو دے دو کیوں کہ ہمارا گھر بنیئے کی دکان نہیں ہے۔ اس کے بعد آپؒ کو عبادت میں مزہ آنے لگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؒ کا ایک آتش پرست ہمسایہ تھا، جس کا ایک شیر خوار بچہ بھی تھا۔ وہ بچہ تمام رات تاریکی کی وجہ سے روتا رہتا تھا۔ آپؒ ہر روز چراغ اٹھا کر اس کے گھر کی طرف لے جاتے بچہ خاموش ہو جاتا۔ جب وہ آتش پرست اپنے سفر سے واپس آیا تو اس بچے کی ماں نے شیخ کی نسبت سارا حال عرض کیا۔ اس نے کہا افسوس ہے جب شیخ کی طرف سے روشنی پہنچ گئی تو پھر اپنے آپ کو غفلت کی تاریکی میں کیوں رکھیں۔ اس کے بعد آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر دونوں مسلمان ہو گئے۔[1]

ایک مرتبہ آپؒ اپنے ارادت مندوں کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ اچانک مریدوں سے فرمایا کہ خدا کا ایک دوست آ رہا ہے۔ چل کر اس کا استقبال کرنا چاہیے جب سب لوگ باہر نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم ہرویؒ ہیں جو خچر پر سوار چلے آ رہے ہیں۔ حضرت بایزیدؒ نے ان سے کہا کہ مجھے آپؒ کے استقبال کا "مِنْ جَانِبِ اللّٰہِ" حکم ملا ہے اور یہ بھی حکم ہے کہ اس کی بارگاہ میں، میں آپؒ کو اپنا شفیع بنالوں۔ یہ سن کر انہوں نے جواب دیا کہ اگر پہلی شفاعت تمہیں اور آخری شفاعت مجھے عطا کی جائے تب بھی حضور اکرم ﷺ کی شفاعت کے مقابلہ میں اس کا مرتبہ ایک مشتِ خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد دستر خوان بچھا جس پر انواع و اقسام کے لذیذ و مرغن کھانے چنے ہوئے تھے۔ آپؒ نے حضرت ابراہیم ہرویؒ کے ہمراہ کھانا کھایا لیکن حضرت ابراہیم ہرویؒ کے قلب میں یہ خیال گزرا کہ حضرت بایزیدؒ جیسے شیخ دوراں کو ایسے کھانوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ حضرت بایزیدؒ کو آپؒ کی اس نیت کا اندازہ ہو گیا تو آپؒ نے ان کو کھانے کے بعد اپنے ہمراہ ایک کونے میں لے جا کر دیوار پر ہاتھ مارا تو ایک ایسا دروازہ نمودار ہوا جس کے سامنے بہت بڑا دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ حضرت بایزیدؒ نے ان سے کہا کہ چلیئے ہم دونوں اس میں غسل کرتے ہیں لیکن انہوں نے کہا

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۵۔

کہ خدا نے یہ مرتبہ مجھے عطا نہیں کیا۔ یہ جواب سن کر آپؒ نے ان سے کہا کہ جَو کی روٹی جو تمہاری غذا ہے، وہ تو وہ جو ہے جن کو جانور کھاتے ہیں اور لید کر دیتے ہیں لیکن تم اس کے باوجود بھی یہ تصور کرتے ہو کہ عمدہ اور لذیذ کھانا کھانے والا کبھی اہلِ تقویٰ نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم ہرویؒ بہت زیادہ نادم ہوئے اور معافی طلب کی۔

حضرت بایزیدؒ کا قول کہ مجاہدات کی غرض وغایت یقین کی تکمیل کرنا ہے

یہ امر مُسَلَّم ہے کہ شریعت کی اتباع اور طریقت کی ریاضتوں کو اپنانے کا منشا صرف یہ ہے کہ مسلمان تہذیب کے دائرے میں داخل ہو جائے اور اس کے دل میں یقین پیدا ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے کہا آپؒ اپنے تیس برس کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا حال ہمیں بھی بتائیں۔ فرمایا کہ میری ادنیٰ ریاضتوں کا تم یقین نہیں کرو گے اور اگر اعلیٰ ریاضتوں کی کیفیت بیان کر دوں تو تم سن نہیں سکو گے۔ لوگوں نے کہا کہ اپنی کوئی ادنیٰ ریاضت ہی بیان فرمائیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے نفس نے پلاؤ کھانے کی خواہش ظاہر کی لیکن میں اس کی مخالفت کرتا رہا۔ جب نفس نے بہت مجبور کیا تو میں نے کہا اچھا تیری خواہش پوری کیے دیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ اور کوئی خواہش نہ کرو گے۔ جب نفس نے مان لیا تو میں نے پلاؤ پکوایا اور کہا اب خوب کھا، جتنی تیری مرضی ہے۔ پلاؤ کھانے کے بعد نفس نے کہا ''پانی'' میں نے کہا خبردار! اب کوئی خواہش نہ کرنا، تیرے ساتھ شرط طے ہوئی تھی، چنانچہ میں نے سال بھر اس کو پانی نہ دیا۔

اس کے بعد مزید کچھ ریاضتوں کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ ان ریاضتوں کے بعد مجھے "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" کا یقین ہوا (یعنی ہم اس (انسان) سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) (ق:۱۶)۔ فرمایا اگر شروع سے ہی میں اس بات کا یقین کر لیتا تو تیس سال کی مدت تک اس قدر سخت مجاہدات نہ کرنے پڑتے۔

مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس کا "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" پر یقین ہو، اس کا کام فوراً ہو جاتا ہے۔ مراقبہ بھی جب ہی ہو سکتا ہے کہ یقین پورا ہو۔ اگر یقین ہو تو تمام پردے بھی مراقبہ میں اٹھ جاتے ہیں اور ہم کلامی بھی نصیب ہوتی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ کلام، اللہ کی صفت ہے اور اس کی صفات میں تعطل نہیں یعنی اس کا کلام ہر وقت جاری رہتا ہے۔ اس میں شک نہ ہو تو پردے اٹھ جاتے ہیں اور اللہ سے بات ہو

جاتی ہے۔حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ" (میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق معاملہ کرتا ہوں) ۱۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا اس سے گمان رکھو گے، ویسا ہی وہ سلوک کرے گا۔گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہہ کر بندے کی ڈھارس بندھا دی کہ وہ جو چاہے اللہ سے منوا لے۔اس میں بھی انسان کا یقینِ کامل ہونا ضروری ہے چنانچہ یقین مجاہدات سے پیدا ہوتا ہے اور اگر یقینِ کامل ہو تو بندے کا ہر کام اللہ تعالیٰ پورا فرما دیتا ہے۔

صاحبِ یقین کی خصوصیات

صاحب یقین کو اپنے اعمال کے ارتقائی منازل، اس کے مختلف پہلوؤں، معیار کی پختگی کا احساس اور علم ہو جاتا ہے چنانچہ وہ جو بھی عمل کرتا ہے اس کی قبولیت کے بلند مقام سے آگاہ ہو جاتا ہے۔اگر اس کے عمل میں کچھ کمی رہ جائے تو وہ اسے بلندی کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اس کے اعمال مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہوں تو وہ خود کو تکبّر کی آفت سے محفوظ کر لیتا ہے۔اس حقیقت کو معلوم کر لینا چاہیے کہ تمام اعمالِ شرعیہ میں کچھ اغراض ومقاصد ضرور ہوتے ہیں اور اہلِ یقین ہر عمل کے نصب العین کو اپنے سامنے رکھ کر اپنے اعمال کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔نماز، روزہ اور حج وزکوٰۃ میں رکھے گئے اغراض ومقاصد اگر عبادت گزار کو کما حقہ پہنچ نہ سکیں تو اس کی وہ عبادت معیارِ شرعی سے گر جاتی ہے اور وہ عمل اس عبادت کی روح رواں سے یقیناً محروم رہ جاتا ہے۔وہ عبادات اور اعمال جن میں ان عبادات کے مخفی مقاصد حاصل نہ ہو سکتے ہوں، نہ تو بارگاہِ الٰہی میں قبول کیے جاتے ہیں اور نہ ہی اس عابد کو ایسی عبادت کے ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں۔جن قوموں کو مقاصدِ اعمال کی خبر نہیں رہتی، وہ فقط رسمی عبادات کا بارِ گراں اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ ایسی قومیں شرعی عبادات کو ادا کرنے کی سعادت بھی کھو بیٹھتی ہیں اور بالآخر تباہی کے گڑھے میں جا گرتی ہیں۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

یقینِ محکم، عملِ پیہم محبت فاتحِ عالم　　جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(ب د:۲۷۲)

یقین پیدا کر اے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے　　وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

(ب ج:۳۵۱)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ یقین ایک نور ہے جو پردہ کھلنے کے بعد مومن کے قلب پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور اشیاء کی حقیقت کو کھول دیتا ہے۔یقین ہی مردِ مومن کی شمشیر ہے اور ضمیرِ حیات یقین سے ہی پُرسوز ہے۔

۱ صحیح بخاری، حدیث ۷۰۶۹، جلد ۶، صفحہ ۲۶۹۴۔

یقین کو انسان کے جسم میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے رزق کی کمی کا خوف جاتا رہتا ہے۔ اگر یقین کی مزید وضاحت درکار ہو تو ہماری کتاب ''حُسنِ نماز'' کا مطالعہ فرمائیں جہاں یقین پر تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک مضمون شامل کر دیا گیا ہے۔

یقین پر مشائخ کے مزید اقوال

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: ''اَلْیَقِیْنُ اِرْتِفَاعُ الشَّکِ'' [۱] (یعنی یقین شک کا اٹھ جانا ہے)۔ بندہ اگر کسی شئے پر مذبذب ہے تو اس کا حال بھی مذبذب ہوتا ہے۔ باطن میں کسی چیز کے قرار پکڑنے سے اس کا ظاہر ساکن ہو جاتا ہے اور ظاہر کا متغیر ہونا شکِ باطن کی دلیل ہے اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید پر یقین ہوگا تو اس کا ظاہر رنج سے سکون میں ہوگا۔ ظاہر میں شک ہو تو باطن میں رنج ہوتا ہے۔ جو چیز ساکن ہو تو گرنے سے محفوظ ہوگی اور جو چیز متحرک ہو تو اس کا گرنا یقینی ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ و یقین　　تا ابد باقی بود بر عابدین
(۶:۱۲۷۴)

(صدق، تقویٰ اور یقین کا رنگ، عابد لوگوں پر ہمیشہ باقی رہتا ہے)

رنگِ شک و رنگِ کفران و نفاق　　تا ابد باقی بود بر جانِ عاق
(۶:۱۳۷۴)

(شک، کفر و نفاق کا رنگ، نافرمانوں کی جانوں پر ہمیشہ باقی رہتا ہے)

هر که محجوب است اُو خود کور است　　مرد آں باشد که بیروں از شک است
(۵:۳۳۴۴)

(جو بھی محجوب ہے وہ خود اندھا ہے، مرد وہی ہوتا ہے جو شک و شبہ سے باہر ہو)

مجاہدات سے یقین اور یقین سے معرفت کا حاصل ہونا

مجاہدات سے یقین پیدا ہونے کا ذکر تو پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں کہ بندہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرتوں کا مکمل احساس ہو اور اگر ایسا ہو تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ اس پر شاہد ہے اور اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ایسے یقین کے بعد اس کی عقل کامل

[۱] التعرف، محمد الکلاباذی، متوفی ۳۸۰ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

اور عزم درست ہو جائے گا اور اسے محاسبہ کا مرتبہ مل جائے گا۔ نیز اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے گی۔ اس کے ہر عمل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے گا اور وہ اللہ کے ساتھ رہے گا۔ اس کے دل کی نگرانی کی جائے گی اور وہ لاحاصل مقاصد سے الگ ہو جائے گا۔ جب اسے اللہ کا قرب حاصل ہو گا تو اسے اللہ سے شرم محسوس ہو گی اور وہ پسندیدہ اعمال بجالائے گا اور اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو گی جس سے اللہ تعالیٰ کی آگہی کا خیال پہلے سے اس کے دل میں موجود نہ ہو۔

تادیبِ نفس کے لئے حضرت بایزیدؒ کا نسخہ

''تربیتِ عُشّاق'' میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے اپنے نفس کا معائنہ کیا تو اسے بہت موٹا پایا۔ آپؒ نے فرمایا ''اے نفس! میں تو تمہیں بہت کم کھانا کھلاتا ہوں، کم سُلاتا ہوں اور تمہاری کوئی خواہش پوری نہیں کرتا، پھر تم اتنے موٹے کیوں ہو گئے ہو؟'' اس نے جواب دیا کہ ''اس یاقوتی کی بدولت جو مجھے مل جاتی ہے (میں موٹا ہو جاتا ہوں)۔'' آپؒ نے پوچھا کون سی یاقوتی؟ اس نے کہا وہی کہ جب آپؒ بازار جاتے ہیں تو سب لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، عزت کرتے ہیں، ہاتھ چومتے ہیں، بس اس میں اپنا کام بن جاتا ہے۔ فرمایا ''اچھا یہ بات ہے۔'' رمضان کے مہینے میں نفس کے علاج کے لئے آپؒ نے روٹی کا ایک ٹکڑا منہ میں لے کر چبانا شروع کر دیا تو لوگوں میں بدظنی پھیل گئی اور باتیں بننے لگیں۔ بہت سے لوگوں نے نفرت شروع کر دی۔ پھر آپؒ نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ نفس بہت نحیف ہو گیا ہے۔[1]

اس نوعیت کے واقعات ''نفس اور اس کی آفات'' کے عنوان سے راقم الحروف کی کتاب ''تہذیبِ نفس'' میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں، وہاں مطالعہ فرمائیں۔ ان باتوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے ایمان کو صحیح کرے، پھر دوسرے اعتقادات کی طرف توجہ کرے۔ اس کی حقیقت صحیح العقیدہ بزرگوں سے اور عقیدے پر لکھی گئی کتب سے معلوم ہو سکتی ہے۔ عقائد کی درستگی کے بعد عبادات کی طرف آنا ضروری ہے تاکہ فرائض اور سنن کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو، اپنی ان عبادات کے اثر کو گاہے گاہے آزمانا بھی ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ عبادات اپنی صحیح صورت میں ادا ہو رہی ہیں یا صرف رسمی صورت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر مطلوبہ اثرات اس میں پائے جاتے ہیں تو نماز درست ہے ورنہ اس کی فکر کی جائے اور درستی نماز کے لئے متعلقہ تجاویز کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ خامی کہاں رہ گئی ہے۔ اگر

[1] تربیۃ العشاق، ملفوظات سید محمد ذوقی، جلد ۱، صفحہ ۷۸۰، ناشر محفل ذوقیہ، ناظم آباد کراچی۔

یہ بات نہ سمجھ آئے تو شیخِ کامل سے رجوع کریں اور جو وہ رائے دیں اس پر عمل کریں۔

عبادات بجالانے کے بعد کچھ مزید مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ مقامات میں بلندی پیدا ہو اور پھر یہ مجاہدات بھی کسی کامل شیخ کی نگرانی میں ہونے چاہئیں، تاکہ وہ بوقتِ ضرورت اصلاح کرتے رہیں۔ ایک شخص حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ جناب میں گزشتہ تیس سال سے مجاہدات اور ریاضات میں بہت کوشش کر رہا ہوں اور آپؒ کی تمام باتوں پر اعتقاد بھی رکھتا ہوں مگر جو کمالات اور کیفیات آپؒ کی ذات سے ظاہر ہوتی ہیں مجھے میسر نہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر تم اس طرح تیس سال تو کیا تیس سو سال بھی عبادت کرتے رہو تب بھی تمہارے اندر بزرگوں جیسے کوائف پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس نے دریافت کیا ''تو پھر اس کا علاج کیا ہے؟'' آپؒ نے فرمایا اس کا علاج تم نہیں کر سکتے۔ تمہارے لئے مشکل ہے۔ اس کے اصرار پر حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ بازار جاؤ اور اپنے بال منڈوا کر ایک تھیلے میں بہت سے اخروٹ بھر لو اور اپنے محلے میں جہاں تمہیں سب جانتے ہیں، چلے جاؤ اور بچوں کو اکٹھا کر کے کہو کہ جو مجھے ایک تھپڑ مارے گا، اس کو ایک اخروٹ ملے گا اور جو دو تھپڑ مارے گا، اس کو دو اخروٹ ملیں گے۔ اس نے کہا کہ یہ تو بہت مشکل بات ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے تجھے نہ کہا تھا کہ تم اس کا علاج نہیں کر سکو گے۔[1]

امام احمد بن حنبلؒ علم اور اجتہاد کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود حضرت بشر حافیؒ کی رکاب کے ساتھ خادمانہ طریقے پر چلتے تھے۔ لوگوں نے اس ادب و احترام کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ ''بشر کو خدا کی معرفت مجھ سے زیادہ حاصل ہے۔''

منقول ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنی زندگی کے آخری دو سال اس مقصد کی تکمیل کے لئے حضرت بہلول داناؒ کے ساتھ صرف کئے اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا: ''لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَکَ النُّعْمَانُ'' (اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتے)۔ حضرت امام اعظمؒ اجتہاد و استنباط اور عبادات میں اتنا اونچا درجہ رکھتے ہوئے بھی بہلول داناؒ کی صحبت کی طرف مائل ہوئے۔ (تلخیص خواجہ سرہندیؒ) کچھ لوگوں نے اس قول کو حضرت بہلول داناؒ کی بجائے حضرت امام جعفر صادقؒ کے متعلق لکھا ہے۔

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۳۔

خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ کمال ایمان کی مقدار کے مطابق ہی قبولیتِ اعمال ہے اور کمالِ اخلاص کی مقدار کے مطابق اعمال میں نورانیت ہوتی ہے۔ جتنا ایمان کامل تر ہوگا، اعمال کی قبولیت اسی قدر زیادہ ہوگی اور جس قدر اخلاص کمال پر ہوگا، اعمال میں نورانیت بھی اسی قدر کمال پر ہوگی۔ کمالِ ایمان اور کمالِ اخلاص کے ساتھ معرفت وابستہ ہے، اور معرفت فنا کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ جو فنا میں کامل تر ہوگا، ایمان میں راسخ تر ہوگا۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان پوری اُمت کے ایمان پر راجح ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اُمت میں فنا کی نسبت میں بھی کامل ترین فرد تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمام اُمت کا ایمان اگر ایک پلڑے میں ڈال دیا جائے، تب بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان ان سب سے بھاری اور وزنی ہوگا۔ جس کو اس قسم کی معرفت حاصل ہے وہ مبارک باد کے لائق ہے اور اس نے مقصودِ آفرینش کو پورا کر دیا۔ قرآن کی آیت ”وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ“ (ہم نے جن اور اِنس کو اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے یعنی معرفت حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا) (الذریت:۵۶) سے مراد فرما لیتے ہیں کہ جس کو یہ معرفت حاصل نہیں ہوئی، اس کو اس کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہیے اور فانی چیزوں اور لایعنی کاموں کو زیادہ اہمیت نہ دے۔ حضور ﷺ جو درجۂ عبادت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں، اس معرفت بیکراں کو دیکھ کر فرماتے ہیں ”وَمَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ“[1] (اے خدا ہم نے تیری معرفت کا حق ادا نہیں کیا)۔ کسی نے کہا ہے کہ عقل تو صرف دنیا کے گرد چکر لگاتی ہے اور جب خالقِ دنیا کی طرف نظر اٹھاتی ہے تو پگھل جاتی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ معرفت دو قسم کی ہے، ایک معرفت تَعَرُّف اور دوسری معرفت تَعْرِیف۔ تَعَرُّف کے معنیٰ ہیں کہ اللہ خود اپنی ذات کی تعریف کرے اور پھر اشیاء سے متعارف کرا دے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ”لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ“ (میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا) (الانعام:۷۶) اور معرفتِ تَعْرِیف کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے آثار آفاق اور خود ان کی جانوں میں دکھا دے اور بتا دے کہ ان کا خالق میں ہوں جیسے فرمایا: ”سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ“ (ہم دکھائیں گے اپنی نشانیاں ان کو آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں میں) (حم السجدۃ:۵۳) اسی طرح

[1] روح المعانی، السید محمود آلوسی، متوفی ۱۲۷۰ھ، جلد۴، صفحہ۷۹۔

اونٹ کی تخلیق کے لیے فرمایا: "اَفَلاَ یَنظُرُونَ اِلَی الْاِبِلِ کَیفَ خُلِقَتْ" (کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے پیدا کیا گیا) (سورۂ الغاشیہ: ۱۷) اس کے علاوہ سورۃ النساء میں فرمایا گیا "اَفَلاَ یَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ" (یہ لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے) (النساء: ۸۲) سورۃ الاعراف میں فرمایا "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) (الاعراف: ۱۷۲) یہ کیا خوب بات ہے کہ علم معرفت سے ثابت ہوتا ہے اور عقل علم سے، مگر معرفت بذات خود اللہ کی عطا سے ملتی ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ ظاہری صورت کے مطابق اشیاء کا واضح ہو جانا علم ہے اور ان کے باطن کے کھل جانے پر اشیاء کا واضح ہو جانا معرفت ہے۔ گویا علم کا لفظ عام لوگوں کے لئے ہے اور معرفت کے ساتھ خاص لوگ مخصوص ہیں۔

ابو سعید فرازؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ ہم اللہ کو پالینے سے پہلے اللہ کا علم حاصل کریں اور اللہ کو پالینے کے بعد علم باللہ حاصل کریں یعنی علم باللہ معرفت باللہ سے زیادہ مخفی ہے، گویا جس کی معرفت حاصل کرنا مطلوب ہو اس کی حقیقت کو پالینا ہی معرفت حاصل کرنا ہے۔ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ معرفت گناہ کرنے کے ارادے کے ساتھ ہی جلالِ خداوندی سے شرمسار ہو جاتے ہیں اور گناہ سے رک جاتے ہیں۔ یہی معرفت کی پہچان ہے۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ جب حق ظاہر ہو، مخلوق فنا ہو جائے، حواس جاتے رہیں تو مشاہدۂ حق شروع ہوتا ہے۔ حضرت سہیلؒ فرماتے ہیں کہ جن کو اللہ کی معرفت حاصل ہے، وہ اصحابِ اعراف کی طرح ہیں (سورہ اعراف والے) جو اعراف پر کھڑے ہر ایک کو پہچانتے ہیں۔ "وَ عَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰھُمْ" (اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے) (اعراف: ۴۶) اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اہلِ معرفت احکامِ الٰہی کے پابند اور اس کے حقوق کو ادا کرنے والے لوگ ہیں۔

نماز میں خشوع و خضوع ذاتی محنت و مجاہدہ پر منحصر ہے

حدیث میں اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ لوگوں کے اعمال ان کی عقل اور شخصیت کے مطابق ہوتے ہیں چنانچہ کسی کی نماز کا اچھا یا بہت اچھا ہونا اس کی شخصیت پر منحصر ہے۔ حضرت جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ کی نمازوں اور دینی اشغال میں کمال حاصل کرنے کی مثال دی جاتی ہے کیونکہ ان حضرات نے ابتدائے عمر سے

اخیر عمر تک نہایت محنت، مشقت اور جانفشانی سے دین کو سیکھا اور پھر اس کے احکامات پر عمل کیا۔ ان کے مقابلے میں اگر آج کے کسی نوجوان کو دیکھا جائے تو دونوں کے دین میں بے تحاشا فرق نظر آئے گا۔ یہ اس لئے کہ آج کا آزاد جوان جو بھول کر بھی دین کا کوئی حرف سیکھنا پسند نہیں کرتا وہ جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ کی نماز کہاں اور کب سیکھنے کے لئے تیار ہوگا۔ اگر وہ نماز پڑھے بھی تو بمشکل نماز کی صورت ہی بنائے گا۔ حقیقی نماز پڑھنے کی توفیق تو خال خال لوگوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ اس بات میں مبالغہ نہیں کہ آج تمام دنیا بھر میں مسلمانوں کی صرف ۹۵ فیصد سے زیادہ آبادی نمازی نہیں۔

مندرجہ بالا گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم نماز کو نماز کے طور پر ہی ادا کرنا چاہتے ہیں تو نماز کے آداب سیکھنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں یہاں مکمل تفصیل دے دی گئی ہے۔ اسے پڑھیں، اس کے خلاصہ کو ذہن میں رکھیں بلکہ ایک کاپی میں اس کے لطیف اشارات کو یادداشت کی صورت میں اختصار سے لکھ لیں۔ انہیں بار بار پڑھیں اور اپنائیں۔ اگر کمی رہ جائے تو اس وقت تک کوشش کو نہ چھوڑیں جب تک نماز میں وہ تمام باتیں پیدا نہ ہو جائیں جو اس کتاب میں مذکور ہیں۔ اس کے دسویں یا بیسویں حصے پر راضی نہیں ہونا چاہیے بلکہ مکمل طور پر اپنانے کی کوشش کریں، خواہ قسطوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مواد جو دیا جا رہا ہے، برسوں کی محنت سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کے پڑھنے اور عمل کی طاقت بخشے۔ "وَ مَا التَّوفِیْقُ اِلَّابِاللّٰہِ"۔

حضرت سہیل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ بندہ تکمیلِ فرائض کے لئے سنتوں کا محتاج ہے (فرض میں کمی سنتوں کی ادائیگی سے پوری کی جاتی ہے) اور تکمیلِ سنت کے لئے نوافل کا اور نوافل کی تکمیل کے لئے آداب کا محتاج ہے اور ادب میں نماز کے ادب میں سے ایک چیز ترکِ دنیا ہے۔ جب تک نماز میں دنیا کے خیالات ترک نہ کرے، اس کے آداب پورے نہیں ہوتے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک خالص (خلاصہ) یا نچوڑ ہوتا ہے اور برگزیدہ ہونے کا باعث ہوتا ہے، ایسے ہی نماز کا "صفوہ" تکبیرِ اولیٰ ہے کیونکہ وہ محل نیت ہے۔

مجاہدات کی کامیابی کے چند نکات

عالم اسلام میں بہت سے ایسے بزرگ ہو گزرے ہیں جن کے نام افقِ روحانیت پر ہمیشہ کے لئے چمکتے رہیں گے، اور کچھ ایسے بزرگ بھی ہیں جن کی شہرت ان کے گرد و نواح کے علاقوں تک ہی محدود رہی ہے۔ ان دونوں کی منزلوں میں اس قدر واضح فرق ہے جو عام آدمی بھی محسوس کر سکتا ہے۔ اس تحریر کے اندر

روحانیت کے اس قسم کے فرق کے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

راقم الحروف نے اپنی کتاب ''حُسنِ نماز'' میں ایک حدیث بیان کی جس میں حضور ﷺ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ اعمال کی بلندی ان اعمال کے کرنے والوں کی عقلوں پر انحصار کرتی ہے۔[۱] آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک شخص ایک عمل کرتا ہے تو اس کو اس عمل کا اَجر ایک رائی کے برابر ملتا ہے جبکہ ایک دوسرا شخص وہی عمل کرتا ہے تو اسے اس کا اجر پہاڑ کے برابر مل جاتا ہے۔ اجر میں یہ فرق ان کی عقلوں کے فرق پر مدار کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس فرق کو یوں بیان فرمایا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن — مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
(ب ج: ۴۴۸)

مذکورہ بالا فرق علامہ اقبالؒ کے دونوں اشعار سے واضح ہو جاتا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ مُلّا اور مجاہد کی اذان میں فرق کیوں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فرق ان کی شخصیتوں کی بلندی کے فرق پر موقوف ہے۔ علامہؒ نے ایک اور جگہ فرمایا۔

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی — اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے — دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب
(ب ج: ۳۲۹)

شخصیتوں کے فرق کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبالؒ نے قرشی کو ایک خط میں لکھا تھا کہ وہ قرآن پر ایک کتاب لکھنا چاہتے ہیں۔ آپؒ نے لکھا کہ وہ یہ شیخی کے طور پر نہیں کہہ رہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ایسی کتاب کو ان کے سوا اور کوئی نہیں لکھ سکتا تھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ وہ اس کتاب کو لکھنے سے اس لئے معذور تھے کہ ان کی صحت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی اور ان کے مالی احوال بھی اس کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر علامہؒ ایسی کتاب لکھ دیتے تو واقعی یہ اسلامی لٹریچر میں ایک بے مثل اور ناقابلِ فراموش تحریر ہوتی۔ یہ سب اس لئے ممکن تھا کہ علامہ اقبالؒ ایسی صلاحیتوں کے مالک تھے کہ اس زمانے میں ان کی کوئی ہمسری نہ کر سکتا تھا۔ علامہ اقبالؒ کے کلام میں جو منفرد قسم کے اشارات ملتے ہیں، وہ کسی اور شاعر کے کلام میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں موجود خصوصیات اور اس پر مرتب شدہ اثرات کو خود

[۱] مسند الحارث، الحارث بن ابی اسامہ، متوفی ۲۸۲ھ، حدیث ۸۱۴، جلد ۲، صفحہ ۸۰۲، مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ، المدینۃ المنورہ۔

ہی بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ انہوں نے جس انداز سے خدمتِ اسلام میں حصہ لیا ہے، وہ اپنے منہ بولتا ثبوت پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا تمام کلام ان کی شخصیت میں موجود عناصر ذہنی قابلیتوں کے باعث تھا۔

راقم الحروف نے ان تمام نکات کا جائزہ لینے کے بعد یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ مجاہداتِ روحانیہ میں کام آنے والے کچھ عناصر اس نوعیت سے تعلق رکھتے ہیں کہ اگر کوئی ان کی طرف توجہ دے تو مجاہدات کا معیار بہت عروج تک پہنچ سکتا ہے مگر ان عناصر کو اپنانے کی قوت اللہ تعالیٰ سے عطا کردہ صلاحیتوں پر موقوف ہے اور وہ ہر کسی کا مقدر نہیں بن سکتی۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ محنت اور مشقت سے ان عناصر کو کافی حد تک اپنا سکتے ہیں لیکن زیادہ تر اس معاملے میں وھبی قوتوں کا اثر پایا جاتا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ جنیدؒ و بایزیدؒ کی سی شخصیت پیدا کر لینا ہر فرد کے بس سے باہر ہے۔ آپ بھی درج ذیل اہم عناصر اور نکات کو ملاحظہ فرمائیں شاید آپ اپنا کوئی مقام پیدا کر سکیں۔ کسی نے فرمایا ہے کہ بایزید بسطامیؒ بننا کوئی ناممکن بات نہیں۔ جو بھی کوشش کرے وہ بایزید بسطامیؒ بن سکتا ہے۔

تو مگو اندر جہاں یک بایزیدؒ بود و بس ہر کہ واصل شد ز جاناں بایزید ے دیگر است

(تم یہ نہ کہو کہ دنیا میں صرف ایک بایزیدؒ ہو گزرا، جو بھی اللہ تعالیٰ سے واصل ہو گیا وہ بھی ایک بایزیدؒ ہے)

وہ عناصر جن سے روحانی مجاہدات میں ایک معیار قائم ہو سکتا ہے حسبِ ذیل ہیں۔

ا۔ **کسی مقصد کی لگن کا ہونا**۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ لوگوں کو دین اسلام اور اس کی ضروریات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی طرف قطعاً کوئی رجحان نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو مجاہدات کی معرفت تو کُجا عام مسائل سے بھی آگہی کا ہونا ممکن نہیں۔ لوگوں میں دینی ذوق ہونے کا مشاہدہ کرنے کے لیے ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ چند لوگوں کو نماز میں پڑھی جانے والی سورۂ فاتحہ بھی یاد نہیں اور وہ اسے یاد کرنا بھی ضروری خیال نہیں کرتے مگر دوسری طرف خال خال ایسے بندے بھی نظر آتے ہیں کہ جو پورے انہاک کے ساتھ روحانی دنیا کی تلاش میں سرگرم ہیں۔ مؤخر الذکر کو اگر کوئی راہنما میسر آ جائے تو بہت بلندی کی منزلیں طے کر سکتے ہیں لیکن اولُ الذّکر لوگوں کی اصلاح صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ مبلغین اسلام ان کے گرد اپنا دائرہ قائم کر کے ان لوگوں کے ذہنوں کو بدل ڈالیں۔ راقم الحروف ان دونوں قسم کے لوگوں پر توجہ دینے کا ذمہ اپنے سر پر اٹھائے ہوئے ہے۔ پہلی قسم کے لئے اگر بے نمازیوں کو نماز یاد کرانے میں بہت سے لوگ مدد کریں تو اس کام

کی تکمیل ہوسکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ علماٗ اور مشائخ کو اس میں حصہ لینا ضروری ہے کیونکہ یہ دو چار آدمیوں کے بس کی بات نہیں۔ اگر حکومت اجتماعی صورت میں لوگوں کی اصلاح کا انتظام کرے تو یہ بات سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوسکتی ہے۔ مذکورہ بالا دونوں قسموں کے درمیان میں بھی بہت سے دیگر اقسام کے لوگ بھی ہیں جن کے لئے مشورہ یہ ہے کہ وہ مشائخ کے پاس بیٹھیں اور اپنے ذوق میں اضافہ کرتے رہیں۔ عام مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ دین کی طرف اپنی توجہات کو بڑھائیں اور جنیدؒ و بایزیدؒ کی راہوں پر چلنے کی تمنا پیدا کریں۔ اس سلسلے میں ان کے لئے مشائخ کی صحبت اور مطالعۂ کتب بہت ضروری ہے (راقم الحروف کی تصانیف کا مطالعہ اس قسم کے ذوق وشوق کو پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں کیونکہ ان میں ہر قسم کا دینی علم آسان طرز پر بیان کر دیا گیا ہے)۔

۲۔ مشائخ کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا۔ اگر دل میں بزرگ بننے کا ذوق اور جذبہ پیدا ہو جائے تو اس کی پرورش کے لئے مشائخِ کرام کے فرمودات اور تصانیف کا مطالعہ کرنا بہت نفع مند ثابت ہوسکتا ہے۔ راقم الحروف کا شعر اسی بات کو واضح کر رہا ہے۔

واصلوں نے کس طرح پائے مقام ان کے ملفوظات کو دیکھا کریں
رؤیتِ حق چاہتے ہیں جو لطیفؔ فخرِ موجودات کو دیکھا کریں

قرآن میں ہے ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ'' (اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں) (فاطر: ۲۸) اس آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ علماء کو ہی ولایت کے اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ مشائخ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ولی نہیں بناتا جب تک کہ اسے علم عطا نہیں کر دیتا، چنانچہ جو لوگ ولایت کی بلند و بالا سیڑھیوں پر چڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے علم اور اس کے مجاہداتِ طریقت کرنا ضروری ہیں۔ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جو مہذب انسان کے لیے واجب ہے خواہ وہ کتابوں سے اخذ کیا جائے یا نظروں سے۔ اس کتاب کی غرضِ تالیف کے عنوان سے جو مضمون لکھا گیا ہے اس میں صحبتِ صالحین کے متعلق جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کے مطالعہ سے یہ نکتہ کھل جاتا ہے۔

۳۔ ہمت و حوصلہ کی بلند پروازی۔ جو لوگ بلند روحانی مقامات پر فائز ہوتے ہیں ان کی زندگیوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تمام مشائخِ کرام نہایت بلند خیال، مقاماتِ ولایت کی بلند منازل پر رسیدہ اور

اعلیٰ شخصیتوں کے حامل تھے۔ جو لوگ جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے مقامات پر پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ ایسے اعمال کی بنیاد اسی ہمت و حوصلہ پر رکھیں کیونکہ اگر خیالات میں وہ مطلوبہ رفعت نہ ہوگی تو اس مقام تک رسائی بھی نہ ہو سکے گی۔ حضرت امیر معاویہ ﷜ اپنی فوج کی صف آرائی کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے کہ بڑے کاموں کی تکمیل کے لئے بڑی ہمت، صلاحیت اور بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ اس مہم کے لئے تیار نہیں، وہ کسی شمار میں نہیں آ سکتے بلکہ وہ تو محض اس کمینی دنیا کی کمین گاہوں پر گرے پڑے رہتے ہیں۔ ہماری تصنیف ''رابطۂ شیخ'' میں ایک مضمون پیش کیا گیا ہے کہ اقبال کو اقبال کس چیز نے بنایا۔ اس سلسلے میں جامعۃ الازہر کے ایک سیمینار کا اقتباس اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے جس میں تجزیہ نگار نے لکھا ہے کہ علامہ اقبالؒ کی شخصیت میں پانچ مخفی تخلیقی عناصر موجود تھے ان تخلیقی عناصر کی وجہ سے آپؒ نے جامعیت، بلند نگاہی، بلند فکری، درد و سوز، کشش و جاذبیت جیسے کمالات حاصل کر لئے تھے۔ تجزیہ نگار کے مطابق وہ تخلیقی عناصر حسب ذیل ہیں جن کی مختصر وضاحت ہم نے ''رابطۂ شیخ'' میں کر دی ہے۔

۱۔ ایمان و یقین کی طاقت (علامہؒ میں موجود تھی)

۲۔ مسلمانوں کی عظیم کتاب ''قرآن مجید'' سے تمسّک

۳۔ عرفانِ نفس (علامہؒ نے کس طرح حاصل کیا)

۴۔ شب خیزی اور نالۂ سحر گاہی (یہ وصف آپ میں موجود تھا)

۵۔ کسی کردار ساز شخصیت سے رابطۂ کامل ہونا (جن کے ساتھ آپ مربوط تھے)

مذکورہ پانچوں عناصر پر غور کرنا ہر سالک کے لئے اشد ضروری ہے۔ ان سب کی تفصیل اس جگہ بیان نہیں کی جا سکتی لیکن قارئین کو فکری دعوت دی جا رہی ہے۔

۴۔ اخلاصِ نیت کے ساتھ ابتدا تا انتہا سلوک طے کرنا۔ جہاں خلوص نہ ہو تو وہاں ریاکاری اور تصنّع کا دخل ہوتا ہے اور سلوک کی راہ کا طے ہونا صرف نچلے درجے تک ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

(ب ج: ۳۲۱)

گرچہ ہے دلکشا بہت حُسنِ فرنگ کی بہار طائرِ بلند بال دانہ و دام سے گزر

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

(ب ج:۳۲۱)

اسی کتاب میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے خلوص کی وضاحت تصوف کے باب میں گزر چکی ہے جس سے خلوص کے مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک حدیث میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ کچھ لوگ بغیر حساب کتاب کے اور بغیر پل صراط پر گزرنے کے براق پر سوار ہو کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور جب فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ تم کون لوگ ہو اور کیا عمل کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ہم اُمت محمدیہ ﷺ سے ہیں اور ہمارا حال یہ تھا کہ ہم کو جو کچھ خدا نے دیا تھا اس پر راضی تھے اور ہم جو ظاہر میں نظر آتے تھے اندر سے بھی ویسے ہی تھے [۱] (یعنی وہ با اخلاص مسلمان تھے جن کی شان اس طرح بیان کی گئی ہے)۔

۵۔ محنت شاقہ کے ساتھ رجوع کرنا۔ مجاہدات میں کامیابی کا انحصار روحانی مشقوں (ذکر و اذکار، مراقبہ اور وظائف کی پابندی) میں پورے انہماک سے مصروف ہونے میں ہے۔ جب تک مطلوبہ معیار (جو اس راہ کے لئے مقرر ہے) پر استقامت سے روحانی اشغال نہ کئے جائیں مجاہدات کی سیڑھی پر چڑھنا ممکن نہیں۔

وہ سالکینِ راہِ طریقت جو بالغ نظری سے اس راہ کو عبور کرنے کا خیال کرتے ہیں، جب تک ان کے عمل میں خلوص نہ ہوگا یہ سفر سلامتی سے نہ کٹ سکے گا۔ خلوص سے مراد یہ ہے کہ سالک راہِ طریقت پر فقط اللہ کی خوشنودی کے لئے استقامت سے ڈٹا رہے۔ اس کے سلوک کا مقصود اگر حصولِ دنیا، جاہ و جلال اور مال و متاع کا سودا ہو تو اس کی مراد حصولِ دنیا تک ہی محدود رہے گی اور وہ سلوک کی کوئی منزل بھی طے نہ کر سکے گا۔ انسان کا ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے ہی ہونا چاہیے، ورنہ خاردار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہوگی۔

۶۔ سجدوں اور درودوں سے فریب نہ دو انسان لاشعوری طور پر کچھ ایسے کام کر جاتا ہے جس میں اسے یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہا ہے اور کئی بار تو ایسا ہوتا ہے کہ انسان خدا کو خود سے چھوٹا سمجھتا ہے۔ حضرت سلیمان تونسویؒ نے ایک عالمِ دین کو نصیحت کی کہ مولانا خدا کو اپنے سے چھوٹا نہ

[۱] صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، متوفی ۲۶۱، حدیث ۲۲۰، جلد ۱، صفحہ ۱۹۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

سمجھنا اور اس بات کو انہوں نے اس طرح سچ ثابت کیا کہ جب حضرت تونسویؒ نے مولانا کو ایک باسی کھانا اور ایک تازہ لذیذ کھانا بھیجا تو انہوں نے باسی کھانا اس فقیر کو اللہ کے نام پر دیا جس نے دروازے پر صدا لگائی اور اچھا کھانا خود کھالیا۔ اس عالم نے اللہ کے نام پر باسی کھانا دے کر خود کو خدا سے افضل ثابت کر دیا۔ اللہ کو دھوکہ دینے کی مثال یہ بھی ہے کہ انسان کے ظاہر اور باطن میں مناسبت نہ ہو کیونکہ عموماً اس کے ظاہر اور باطن میں اچھا خاصا اختلاف نظر آتا ہے یعنی اصل میں کچھ اور مگر دکھانے میں کچھ اور ہوتا ہے۔ حضرت بلھے شاہؒ نے فرمایا ہے ۔

پڑھ پڑھ مسئلے پیا سناویں کھانا شک شبھے دا کھاویں
دسیں ہور تے ہور کماویں اندر کھوٹ باہر سُچیار
علموں بس کریں او یار

علامہ اقبالؒ نے بھی اس سلسلے میں بہت کلام فرمایا ہے۔ آپؒ نے مشورہ دیا ہے ''یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ'' اکثر لوگ بندۂ خدا ہونے کی بجائے بندۂ زمانہ ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ غالب کا ایک فارسی کا شعر انسان کی دھوکا دہی کی خوب غمازی کرتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اس قوم میں ہرگز شامل نہ ہونا کہ جو اللہ تعالیٰ کو اپنے سجدے سے دھوکا دیتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کو درود پڑھ پڑھ کر دھوکا دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں ۔

زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند حق را بسجودے و نبی را بہ درودے
(ہرگز اس قوم میں نہ ہو جانا کہ جو دھوکہ دیتی ہے، خدا کو اپنے سجدوں سے اور نبی ﷺ کو درود پڑھ پڑھ کر)

مذکورہ شعر میں اللہ کو سجدے سے دھوکا دینے سے مراد یہ ہے کہ سجدہ تو اس لئے کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خدائی کو تسلیم کیا جائے اور خود کو بندہ تسلیم کرے لیکن جو شخص خود کو ہی خدا سمجھ لے تو وہ شخص خدا کو دھوکا دیتا ہے۔ تکبّر کرنا اور عاجزی کا اظہار نہ کرنا دھوکا دہی کے سوا اور کیا ہے۔ ایسے سجدے کرنا جس سے حقیقت میں سجدہ کہلانے کا حق نہ ادا ہو سکے تو وہ سجدہ نہیں بلکہ دھوکہ بازی ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے کسی نے پوچھا کہ ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ ہم خدا، قرآن آخرت اور موت وغیرہ کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان چیزوں سے ڈرتے نہیں۔ خدا کو خدا مانتے ہیں لیکن اس کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ سب خدا کو

دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ وہ لوگ جو خدا اور آخرت کی باتوں سے نہیں ڈرتے، وہ اپنی ارادت میں خدا کے ساتھ کبھی وفاداری کا اظہار نہیں کر سکتے اور نہ ہی روحانی دنیا میں مجاہدات کو کامیاب طریقوں سے اپنا سکتے ہیں۔ ایک سالک کا سجدہ اگر خدا کے لئے نہیں تو اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ وہ بظاہر سجدہ تو خدا کو کر رہا ہے مگر اس کے دل میں نفسانی خواہشات اور خیالات پرورش پا رہے ہیں۔ جو شخص نبی ﷺ پر درود پڑھتا ہے مگر اس کا دل حضور ﷺ کے روضہ پر "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ" کے مصداق حاضر نہیں تو وہ نبی ﷺ کو دھوکا دے رہا ہے حالانکہ اسے درود پڑھتے وقت یہ سوچنا چاہیے کہ میں درود پڑھ رہا ہوں اور میرے سامنے حضور ﷺ کا روضہ مبارک ہے جس کے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اور فرشتے درود پڑھ رہے ہیں اور دوسری طرف ایمان والے درود پڑھ رہے ہیں۔ ایسا درود شریف پڑھنے والے کی کیفیت میں یہ انداز نہ ہو تو سمجھ لیں کہ وہ سجدوں اور درودوں سے خدا اور رسول ﷺ کو دھوکا دے رہا ہے۔ ایسے لوگ عبادات اور مجاہدات کے لائق نہیں۔ حضرت اسمٰعیلؒ کرمانوالے فرمایا کرتے تھے کہ معلوم نہیں کہ تم کس طرح درود پڑھتے ہو میں تو جس کام کے لیے ایک بار درود پڑھتا ہوں تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

۷۔ "لا" کے نیچے ہر چیز کی نفی کرے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اولیائے کرام ہر چیز کی "لا" کے نیچے نفی کرتے ہیں۔ آپؒ کی مراد یہ ہے کہ نفس کی طرف سے جو بھی مزاحمت ہوتی ہے، اسے "لا" کے ذریعے نفی کر سکتے ہیں اور وہ خیالات جو رذائل سے تعلق رکھتے ہیں، ان کو بھی نفی کیا جاتا ہے کیونکہ جب تک ان تمام چیزوں کی نفی نہ ہو تو مجاہدات کا کامیابی کے ساتھ جاری کرنا ممکن نہیں۔ اس طرح کے لوگوں سے مشاہدہ بھی نہیں ہو سکے گا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً" (سب کچھ چھوڑ کر اللہ سے لو لگا لو) (المزمل: ۸)۔ جب سالک کو توجہ الی اللہ حاصل ہو اور اطاعت کا مطلوب بھی اللہ ہی ہو تو طالب جدھر بھی توجہ کرے گا تو وہ اسی جانب رب تعالیٰ کو پائے گا۔ یہ اس لیے کہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری تلاش کے لئے جدھر بھی توجہ کرو گے تو تمہیں میرا ہی چہرہ نظر آئے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (تم جدھر بھی منہ کرو گے تو اُدھر تم میرے چہرے کو پاؤ گے) (البقرہ: ۱۱۵)

۸۔ **سالک کا اللہ کے ساتھ صلح کر لینا**۔ اللہ تعالیٰ سے صلح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ راہِ سلوک کی ابتدا اس طرح کرے کہ اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکمل ہم رنگی اور مطابقت حاصل ہو جائے یعنی بندے کی رضا اللہ کی رضا کے تابع ہو جائے۔ اس طرح کرنے سے بندے کی ہر مرضی خدا کی مرضی کے ساتھ ہو جاتی ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو بس یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہو گیا اور بندہ اللہ سے راضی ہو گیا۔ سالک ہر مصیبت کو اللہ کی رضا سمجھتا ہے اور اس پر شاکر و صابر رہتا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بھی بندے سے راضی ہو جاتا ہے۔ تصوف کی بہت سی کتب میں بہت سے مشائخ کے اقوال درج ہیں کہ جب سے انہوں نے اللہ سے صلح کر لی تو دنیا کی ہر شے نے ان سے صلح کر لی اور یہ بھی کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے تو ہر شے اس سے ڈرتی ہے۔ کوئی شخص نماز میں دنیاوی خیالات کی طرف توجہ دے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے پیشِ نظر خدا سے زیادہ دنیا کی اہمیت ہے۔ اسی حقیقت کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی دعا میں یوں اظہار فرمایا "وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ" (الٰہی! مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پوجا سے محفوظ فرما) (الابراہیم: ۳۵)۔ نبی کے بیٹوں کا بت پرستی میں مبتلا ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ اس دعا میں بتوں کی پوجا سے مراد سونے چاندی کے بتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ سالکِ راہِ طریقت کو اس راہ پر چلنے سے پہلے اپنی ذات سے ان تمام رذائل کو دور کرنا چاہیے جن کے ہوتے ہوئے راہِ طریقت میں ایک قدم بھی اٹھایا نہیں جا سکتا۔ حضراتِ اولیائے کرامؒ نے اپنی خواہشاتِ نفسانیہ اور رذائل کے خاتمے کے بعد مجاہدات میں قدم رکھا یعنی پہلے شریعت کی اتباع کی اور پھر طریقت پر عمل کیا لہٰذا اپنے ان اوصاف کے باعث ان کو مجاہدات میں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اولیاء کرامؒ کی ریاضت، مجاہدات اور خواہشات نفسانیہ پر قابو پانے کا تذکرہ بہت طویل ہے لیکن یہ جگہ اس قدر طوالت کی متحمل نہیں۔

خلاصۂ تحریر۔ یہ ہے کہ جب سالک مذکورہ نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے مجاہدات کے عمل کو اختیار کرے گا تو یقیناً اس کے نتائج بہت حوصلہ افزا، مثبت اور معنیٰ خیز ہوں گے۔ اگر سالک دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر مجاہدوں میں مصروف ہو جائے تو مجاہدوں کا رنگ اور ہی ہو جاتا ہے۔ دنیا کو چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ دنیا ہاتھوں

میں رہے مگر دل دنیا سے خالی رہے۔ایسے لوگوں کو بہت جلد عروج حاصل ہو جاتا ہے۔اس سلسلے میں علامہ اقبالؒ کے کلام کو شامل کر دیا جاتا تو کچھ اور بات ہوتی مگر اس جگہ اس کی گنجائش نہیں ہے۔جب تک سالک رذائل سے پاک نہ ہو جائے اور دیگر آفاتِ نفس سے آزاد نہ ہو جائے تو لوازماتِ طریقت پورے نہ ہونے کے باعث مجاہدات میں کامیابیاں حاصل نہیں ہو سکتیں۔''امداد السلوک'' میں ہے کہ مجاہدات میں قدم رکھنے سے پہلے کسی مرشدِ کامل کی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ سالک کے گمراہ ہونے اور شیطان کے دھوکے میں آ کر تمام مجاہدات کی مشقت کے ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔اپنی من مانی سے راہ پر چلنے والے عابدوں اور خود پرستوں کے کچھ ہاتھ نہیں آتا کیونکہ شیطان کسی مرحلے پر بھی ان کی عبادت کو ضائع کر سکتا ہے۔[1]

[1] امداد السلوک، قطب الدین دمشقی، جلد ۱، صفحہ ۵۶ تا ۵۷، ادارہ اسلامیات، انار کلی، لاہور۔

باب نمبر ٦

اولیائے کرامؒ کی قوتِ مشاہدہ

(مشاہدات، مجاہدات کی وراثت ہیں)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اس نہج پر فرمائی ہے کہ کائنات کی ہر شے کو ایک ظاہری اور ایک باطنی صورت عطا فرمائی ہے۔ ظاہر کو خلق کہا جاتا ہے اور باطن کو ملکوت سے نسبت ہے۔ ظاہر کو بصارت سے دیکھا جاتا ہے اور باطن کو بصیرت سے۔ آنکھ سے دیکھنا بصارت کہلاتا ہے۔ بصارت سے صرف صورت محسوسہ کا ہی احساس ہوتا ہے۔ بصیرت دل کی وہ بینائی ہے جو نور قدس سے روشنی حاصل کرتی ہے اور جس سے حقائق اشیاء اور ظاہر کو باطن پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اہلِ عقل، ظاہری خلق کو اور خالقِ ہستی کو دلائل کے ذریعے پہچانتے ہیں۔ مگر اہلِ قلب ملکوت کے ذریعے عالمِ غیب کا شہود یعنی مشاہدہ کرتے ہیں۔ جس سے ان کو ایقان والا بلکہ عیان والا ایمان نصیب ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ	(اور اسی طرح ہم نے دکھادی ابراہیم علیہ السلام کو
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ	آسمانوں اور زمین کی پوری بادشاہی تا کہ وہ
الْمُوْقِنِيْنَ ٥ (الانعام: ۷۵)	یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں)

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے ”نُرِیْ“ کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم نے دکھادی۔ یہ رؤیت بصر سے تھی یا بصیرت سے یعنی صرف آنکھوں نے دیکھا تھا یا دل کو بھی اس کا عرفان یا علم نصیب ہوا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ پردہ اٹھ گیا تھا اور عرش سے تحت الثریٰ تک ہر چیز نظر آنے لگی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آسمان اور

زمین کی تمام اشیاء کی حقیقت پر آ گاہی بخش دی گئی تھی تا کہ کائنات کی ان تمام چیزوں سے مطلع ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، علم، قدرت اور حکمت کے بارے میں عین الیقین کے مرتبۂ علیا پر فائز ہو جائیں۔[۱]
امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام انسان بھی کائنات کے بعض اسرار پر آ گاہ ہوتے ہیں لیکن اس عالم خلق کی ہر چیز میں خواہ جنس ہو یا نوع یا صنف ہو یا تشخص، حکمت الٰہی کے آثار پائے جاتے ہیں، ان سے جس طرح اکابر انبیاء کرام علیہم السلام آ گاہ ہوتے ہیں وہ آ گاہی کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی۔[۲]

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حقائقِ اشیاء کا اتنا علم ارزانی فرما دیا گیا تھا تو تعجب ہے ان لوگوں کی کم نگاہی پر جو نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ نر کھجور سے مادہ کھجور کس طرح بار آور ہوتی ہے۔[۳]

مذکورہ آیت اور دیگر بہت سی احادیث مبارکہ سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ایک خاص قوت مشاہدہ عطا کی ہے جس سے وہ لوح محفوظ، عرش عظیم، اور تحت الثریٰ تک کی مخفی اشیاء کو ملاحظہ کر لیتے ہیں۔

اولیاء کرام کی قوتِ مشاہدہ

یقین اور مجاہدے سے پیدا ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو ایسی قوتوں سے نوازا ہے جس کے دروازے تمام مخلوق پر بند کر رکھے ہیں۔ اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے جو مختلف قوتیں عطا کی ہیں ان سب کو مجموعی طور پر تصرفات اولیاء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ زیر نظر عنوان ''مشاہدہ'' ان تمام قوتوں میں سے ایک ایسی قوت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اولیائے کرام کو مغیبات اور پوشیدہ رازوں کو کشف کرنے کی طاقت عطا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اور اپنی قدرتوں کے تمام خزانوں کو مخلوقات سے چھپا کر رکھا ہے اور اس بات کا اعلان کیا ہے کہ میرے مخفی خزانوں کو صرف وہی لوگ پا سکیں گے جو مجاہدات کے ذریعے مجھ تک پہنچ چکے ہیں۔ اس حقیقت کا اشارہ قرآن

۱۔ تفسیر القرطبی، محمد بن احمد القرطبی، جلد ۷، صفحہ ۲۳، دار الشعب، القاہرہ۔
۲۔ تفسیر الکبیر، امام فخر الدین الرازی، متوفی ۶۰۴ھ، جلد ۱۳، صفحہ ۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
۳۔ تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ، جلد ۱، صفحہ ۵۷۳۔ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور۔

کریم کی ابتدائی آیات میں ''یُؤمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' کے الفاظ میں جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس آیت اور دیگر بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ قرآن کریم سے صرف وہ لوگ استفادہ کر سکیں گے جو اس کے اسرار کو بن دیکھے تسلیم کر لیتے ہیں۔ روحانی دنیا غیب کی سی کیفیت رکھتی ہے کیونکہ برزخ، جنت، دوزخ اور آخرت اور ان سے منسلک تمام امور کو ظاہر کی آنکھ سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ وہ لوگ جو قلب سلیم سے کام لیتے ہوئے روحانی دنیا کو تسلیم کر لیتے ہیں وہ اپنی قوتِ ایمان اور مجاہدے سے تمام مغیبات کا پردہ چاک کر دیتے ہیں اور ان آخرت کی چیزوں کو اس طرح ملاحظہ کرتے ہیں جیسے کوئی آنکھوں دیکھی چیز ہو۔ پاک ہے اللہ کی ذات جس نے اپنے تمام اسرار و رموز کو اپنے بندوں پر فاش کر دیا اور سینہ کائنات کے مخفی اسرار ان کے سامنے افشا کر دیئے۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر اہل دنیا مغیبات الٰہی ''یعنی جنت و دوزخ وغیرہ'' کا ایک لمحے کے لئے مشاہدہ کر لیں تو ان کا مشاہدہ کرنے والے لوگ دنیا کی طرف ہرگز رجوع نہ کریں گے اور مرتے دم تک عبادت ہی میں اپنے دھیان کو مرکوز رکھیں گے۔[۱] احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ کفار جب ملک الموت کو دیکھتے ہیں تو اسلام قبول کرنے کی خواہش کرتے ہیں لیکن ان کا ایسا ایمان قبول نہیں کیا جاتا۔

ایک حدیث میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ عجب ایمان کس کا ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ فرشتوں کا ایمان سب سے زیادہ عجب ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں کا ایمان کس طرح عجب ہو سکتا ہے جبکہ وہ تمام مغیبات اور تجلیات عریاں کو خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ پھر ہمارا ایمان عجب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ایمان بھی کیسے عجب ہو سکتا ہے جبکہ میں خود تمہارے درمیان موجود ہوں (اور تم میرے تمام معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو)۔ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو عجب ایمان حاصل ہے جن کے پاس سوائے قرآن اور حدیث کے کوئی چیز موجود نہ ہوگی (یعنی آپ کے بعد کا زمانہ)۔ اس روایت کے بعد ایک اور حدیث قابل غور ہے کہ اگر کوئی شخص ایک لمحہ بھر کیلئے جنت یا دوزخ کو ملاحظہ کرے تو وہ اس دنیا میں کاروبارِ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ ان روایات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں مشاہدہ حاصل ہو گیا وہاں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

---

۱ صحیح بخاری، حدیث ۶۰۴۵، جلد ۵، صفحہ ۲۳۵۳۔

قرآن کریم میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارات ملتے ہیں کہ مشاہدہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر یقین کامل ہوجاتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۶۰ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول موجود ہے۔

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط	اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کس طرح
قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ	مردوں کو زندہ کرے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں
لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً	عرض کی کیوں نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے
مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْ هُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ	دل کو قرار آجائے تو فرمایا کہ چار پرندے پکڑ و پھر
اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءً	مانوس کرلو انہیں اپنے ساتھ پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا
اثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ط	ہر پہاڑ پر پھینک دو اور پھر انہیں اپنی طرف بلاؤ تو
(البقرہ:۲۶۰)	وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے

مذکورہ آیت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس بات پر ایمان حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے مرنے کے بعد زندہ ہونے کا مشاہدہ کیا تو ان کو اس پر یقین کامل ہوگیا، اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق بھی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۹ میں بیان کیا گیا جس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ اب مجھے علم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔

لفظ الشہادۃ کی تحقیق

"اَلشَّهَادَةُ" کے معنٰی کسی چیز کا کامل یقین کے ساتھ مشاہدہ کرنے کے ہیں، خواہ بصر (بصارت) سے ہو یا بصیرت سے ہو۔ عام طور پر یہ لفظ حاضر ہونے کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ [۱] امام راغبؒ لکھتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ شہود کے معنٰی صرف حاضر ہونے کے ساتھ مشاہدہ کیا جائے۔ [۲] اور اس کے برعکس غیب کا ادراک نہ تو ظاہری حواس سے ہوسکتا ہے اور نہ بصارت سے۔ شہادت سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں لوگ ظاہری آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ لغت میں شہادت کے معنٰی کسی جگہ پر حاضر ہونے کے ہیں۔ اولوالعلم کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ وہ مخلوق کے رموز اور اسرار پر مطلع ہوتے ہیں اور ان کا اقرار کرتے ہیں اور ایسی شہادت اہل علم کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور عام لوگ

---

[۱] التعاریف، عبدالرؤف مناوی، متوفی ۱۰۳۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۴۳۹، دارالفکر، بیروت۔

[۲] المفردات، ابوالقاسم الحسین بن محمد، متوفی ۵۰۲ھ، جلد ۱، صفحہ ۲۶۸، دارالمعرفہ، لبنان۔

ایسی شہادت سے کوسوں دور ہیں۔قرآن مجید میں جب کسی چیز کی قسم کھائی گئی ہے تو اس سے مراد اس شے کا گواہ ہونا لیا جاتا ہے چنانچہ شہادت کے معنیٰ گواہ ہونے کے آتے ہیں۔حضور ﷺ کو سورۃ الاحزاب میں شاہد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔جس سے مراد کوئی خاص بات پر شہادت دینے والے نہیں بلکہ آپ ﷺ کی شہادت وسیع المقصود ہے۔علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ گواہی دیں گے اپنی امت پر کیونکہ آپ ﷺ اپنی امت کے اعمال پر گواہ ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو لوگوں کے اعمال پر آگاہ فرما دیا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ان کو دیکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کو شاہد کہا گیا ہے۔[1] قرآن میں اس حقیقت کا بھی بیان ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت کو اُمتِ وسطیٰ کہا گیا ہے اور یہ اُمت دوسری اُمتوں پر بھی گواہ مقرر کی گئی ہے (البقرہ:۱۴۳)۔مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

در نظر بودش مقامات العباد   زاں سبب نامش خدا شاهد نهاد

(۲۸۶۶:۲)

(بندوں کے مقامات حضور ﷺ کی نگاہ میں تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اسم مبارک شاہد رکھا)

گرچه هر غیب خدا مارا نمود   دل درآں لحظه بحق مشغول بود

(۴۹۳۲:۳)

(اگر چہ ہر غیب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مطلع فرمایا، لیکن اسوقت (موزہ میں سانپ نہ دیکھا) میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول تھا)

غیب اور شہادت کا باہم تعلق

راقم الحروف کی کتاب ''سرمایہء ملت'' میں جو عنقریب شائع ہونے والی ہے، اس حقیقت پر بحث کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علمِ غیب عطا فرمایا ہے۔یہاں پر اس نقطے کو زیر بحث نہ لایا جائے گا البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق عالم الغیب والشہادۃ ہونے کا ذکر قرآن میں متعدد بار فرمایا ہے۔یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اصول کو واضح کیا ہے کہ جب دو باتوں کا ذکر آئے تو جس کا ذکر پہلے کیا جائے وہ تخلیق میں اول ہوتی ہے یا وہ چیز دوسری چیز سے زیادہ ضروری ہونے کے باعث پہلے بیان کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ اول الذکر شئے دوسری شئے سے اہم اور افضل ہوا کرتی ہے

[1] تفسیر روح المعانی، جلد ۵، صفحہ ۳۳ تا ۳۴۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس کو مقدم کیا جاتا ہے۔ عالم الغیب والشہادت کی ترتیب میں غیب کو مقدم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حاضر چیز کو جاننے کے لئے غیب کا جاننا ضروری ہوتا ہے ورنہ مشہود کا جاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ لفظ ''کُنْ'' کا تعلق غیب سے ہے اور ''فَیَکُوْنَ'' کا تعلق شہود سے۔ اس کائنات کو غیوب سے شہود میں آنے میں شہود مؤخر ہے۔ آصف بن برخیاؒ کو تخت بلقیس کے لانے کے لئے اس تخت کا غائبانہ طور پر پہلے علم ہوا تبھی تو وہ اس کو حاضر کر سکے۔ اسی طرح قرآن پر ایمان لانے کے لئے اس پر ایمان بالغیب کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتو اسے غیب سے علم دیا جاتا ہے کہ وہ ماں کا دودھ پیئے اور اس علم کے بعد وہ دودھ پیتا ہے۔ ان مثالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ جب تک غیب کا علم نہ ہو تو شہادت کا علم ممکن نہیں۔ غالب کا یہ شعر بھی غیب سے شہود میں آنے کا اشارہ کرتا ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں ۔۔۔ غالب سریر نامہ نوائے سروش ہے

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو علم غیب بھی عطا فرمایا ہے

یہ بات قابل غور ہے کہ جو علم علماء کے پاس ہے وہ اللہ کے علم کا پرتو یعنی مظہر ہے۔ کیونکہ اس کے ہر علم کی مظہریت ملتی ہے۔ علم بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس نے جتنا چاہا انبیاء اور اولیاء کو دیا۔ آیۃ الکرسی میں بھی اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا مگر جتنا علم وہ کسی پر چاہے کھول دیتا ہے۔ ''وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَاشَآءَ'' (اللہ تعالیٰ پہلے جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے سب کو جانتا ہے اور وہ (لوگ) کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے اس (اللہ) کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے) (البقرہ: ۲۵۵)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کرسی سے مراد اللہ کا علم ہے اور عربی میں لوگ کاپی کو کراسۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں علم منضبط کیا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو (جو غیب کی حیثیت رکھتا ہے) اس نے خود اپنے بندوں پر بطور اپنے علم کے مظہر ہونے کے شہادت کے رنگ میں مشہود کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

درون سینہ آدم چہ نور است ۔۔۔ چہ نور است ایں کہ غیب او حضور است

(انسان کے سینے میں یہ کیا نور رکھا گیا ہے، یہ نور کیسا ہے کہ اس کے مغیبات بھی حضور کی طرح ہیں)

گہے نارش زبرھان و دلیل است ۔۔۔ گہے نورش ز جانِ جبریل است

(زع: ۵۴۰)

(کبھی اس کے دل میں برہان ودلیل کی آگ ہوتی ہے، کبھی اس کے نور میں جبرائیل جیسی روح ہوتی ہے)

چه نورے جاں فروزے سینه تابے نیرزد باشعاعش آفتابے
(ز ع:۵۴۰)

(یہ نور کیا ہے جوروح افزاء ہے اور سینہ گرمادیتا ہے، اس کی ایک شعاع کے سامنے سورج بھی ہیچ ہے)

مرد حق از آسماں افتد چو برق هیزم او شهر و دشت و غرب و شرق
(ج ن:۷۹۵)

(مردخداتو آسمان سے بجلی کی طرح جھپٹتا ہے، شہروصحرااور شرق وغرب اس کا ایندھن بن جاتے ہیں)

غیب کومعلوم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فراست کا نور عطافرماتا ہے

مذکورہ اشعار میں آدم کے سینے میں جس نور کا ذکر کیا گیا ہے وہ نور وہی نور تو ہے جس کا ذکر فراستِ مومن کے باب میں کیا گیا ہے۔ یہ وہ نور ہے جس کے سبب غیب بھی حضور (یعنی شہود) کا درجہ رکھتا ہے۔ مومن کبھی دلائل کی مدد سے استدلال قائم کرتا اور کبھی وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نور کی طرح غیب کی باتوں کو شہود کی مانند دیکھتا ہے۔ غرضیکہ اس گرفت میں تمام زمین وآسمان ایک ذرے کی طرح سامنے آجاتے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط" (تمہارے لئے زمین اور آسمان کی ہر شئے مسخر کردی گئی ہے) (الجاثیہ:۱۳)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے مردمومن کی آنکھ لوح وقلم پر رہتی ہے اور تمام کائنات اس کے سامنے ایسے ہی رہتی ہے جیسے ہتھیلی پر تل، بلکہ عزرائیل علیہ السلام دنیائے فانی کے اُن اشخاص کو دن میں ایک وقت میں کئی بار دیکھتے ہیں جن کی روح قبض کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "يَاسَارِيَةُ الْجَبَلَ" [1] جب کہا ان کی یہ بات مشاہدہ کرنے کے بغیر کب ممکن ہوسکتی ہے؟ اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مومن کے لئے غیب بھی حضور کی صورت رکھتا ہے۔

انسانوں نے ہی کلیم اللہ علیہ السلام، مسیح اللہ علیہ السلام، خلیل اللہ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رتبہ حاصل کیا ہے۔ بندۂ مومن ہی چلتا پھرتا قرآن بن جاتا ہے حتی کہ وہ جبرائیل علیہ السلام معنوی بھی بن جاتا ہے اور اہتمام کائنات کے لائق بن جاتا ہے۔

---

[1] کنزالعمال، حدیث ۳۵۷۸۸، جلد۱۲، صفحہ۵۹۴۔

ماهنوز اندر ظلامِ کائنات　　　　او شریکِ اهتمامِ کائنات

(ہم تو ابھی کائنات کے اندھیروں میں ہیں، لیکن بندۂ مومن کائنات کا اہتمام کرتا ہے)

او کلیمؑ او مسیحؑ و او خلیلؑ　　　　او محمدؐ، او کتاب، او جبرئیلؑ

(انسان کلیم علیہ السلام، مسیح علیہ السلام اور خلیل علیہ السلام بھی بنتا ہے اور محمد ﷺ، قرآن اور جبرائیل علیہ السلام بھی بنتا ہے)

آفتابِ کائناتِ اهلِ دل　　　　از شعاع او حیاتِ اهلِ دل

(اہل دل کائنات کے آفتاب ہیں، اس کی شعاع سے اہل دل کی زندگی وابستہ ہے) (ج ن: ۷۹۵)

معنیٰ جبریلؑ و قرآن است او　　　　فطرة اللّٰه را نگهبان است او

(مومن ہی معنوی جبرائیل علیہ السلام اور قرآن ہے، فطرت الٰہی کا وہ نگہبان بھی بنتا ہے) (پ ک: ۸۰۸)

هر که از سرّ نبی گیرد نصیب　　　　هم به جبریلِؑ امین گردد قریب

(جس کو سِرّ نبی کا کچھ حصہ ملتا ہے تو وہ جبرائیل امینؑ کی طرح مقرب بن جاتا ہے) (پ ک: ۸۲۸)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ مومن کی حد کا تعین ہو ہی نہیں سکتا اس کی پرواز تو ہر مقام پر ہوتی ہے۔

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے　　　　مومن کا مقام ہر کہیں ہے

(ب ج: ۳۹۵)

زیرِ بحث موضوع پر اگر علامہ اقبالؒ کا کلام پیش کیا جائے تو اس پر ایک بہت طویل تحریر لکھی جا سکتی ہے۔ مشاہدہ اور حضور ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ جہاں حضور ہو گا وہاں مشاہدہ بھی ہو گا۔ علامہ اقبالؒ نے غیب و حضور سے متعلق بہت کلام کیا ہے، جس کا ذکر ہماری تصنیف ''حضورِ قلب'' کے ابواب میں ہو چکا ہے۔

اہلِ اللہ کا ایمان قوتِ مشاہدہ تک پہنچ چکا ہوتا ہے

مشاہدہ حق کے موضوع پر ایک طویل گفتگو ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں شامل کر دی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا مطلوب ہے کہ جب دنیا میں ارادت (طریقت) کامل ہو جائے تو مشاہدہ ہو جاتا ہے اور جب مشاہدہ ہو جائے تو دنیا اور عقبیٰ یکساں ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حجابات اٹھا دیئے جائیں تب بھی ہمارے ایمان میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہو گا کیونکہ وہ پہلے ہی مقام مشاہدہ پر تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب فرمایا ''رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی'' (الٰہی مجھے اس بات کا مشاہدہ کروائیں کہ آپ مردے کو کس طرح زندہ کرتے ہیں) (البقرہ: ۲۶۰)۔ تو اس گفتگو سے یقین کی پختگی مراد تھی جس سے ان کے دل کو اطمینان حاصل ہو سکے۔ جب کفار اپنی یقینی آنکھ سے ملک

الموت کو دیکھ لیتے ہیں تو ان کا خدا پر یقین پختہ ہو جاتا ہے لیکن اس وقت ان کا اسلام لانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں۔ اللہ والوں کا ایمان چونکہ پہلے سے ہی مقام مشاہدہ پر پہنچ چکا ہوتا ہے اس لئے حجابات کے رفع ہونے کے بعد ان کے ایمان میں چنداں اضافہ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہمیں معراج کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم:۱۷) آپ ﷺ نے کسی چیز کی طرف آنکھ نہ کھولی اور نہ حد سے (اَیْ مِنْ شِدَّةِ شَوْقِهٖ اِلَی اللّٰهِ) [۱] متجاوز ہوئے (یعنی اللہ کے لئے شدت شوق کے باعث)

جب دوست نے موجودات سے آنکھ بند کروا دی تو موجد (یعنی اللہ تعالیٰ) کو دیکھ لیا اور فرمایا "لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی" (یقیناً (محمد ﷺ نے) دیکھ لیا اپنے رب کی بڑی نشانیوں کو)(النجم:۱۸)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور:۳۰) آپ ﷺ حکم دیجئے مومنوں کو کہ وہ نیچی (اَیْ اَبْصَارُ الْعُیُوْنِ مِنَ الشَّهَوَاتِ وَ رکھیں اپنی نگاہیں (یعنی سر کی آنکھیں شہوات اَبْصَارُ الْقُلُوْبِ عَنِ الْمَخْلُوْقَاتِ) سے اور دل کی آنکھیں مخلوقات سے)۔

مذکورہ آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو سر کی آنکھوں کو مجاہدات کے باعث شہوتوں سے بند رکھے تو وہ ضرور حق کو سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اولیاء کبار کا قول ہے کہ "فَمَنْ کَانَ اَخْلَصُ مُجَاهِدَةً فَهُوَ اَصْدَقُ مُشَاهِدَةً" (یعنی جو مجاہدے میں مخلص ہوتا ہے وہ مشاہدے میں سچا ہوتا ہے)[۲] حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں "مَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَیْنٍ لَا یَهْتَدِیْ طُوْلَ عُمْرِهٖ" [۳](یعنی جو شخص اللہ سے ایک پل آنکھ بند کرے وہ تمام عمر ہدایت نہیں پاتا کیونکہ غیر کی طرف مائل ہونا غیر کی طرف جانا ہے اور جو غیر کی طرف گیا وہ ہلاک ہوا)۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس کی بناء پر اہل مشاہدہ حیات اسے کہتے ہیں جو مشاہدے میں بسر ہو

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ۶۵۲۔

۲ کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۳۔

۳ التعرف، جلد ۱، صفحہ ۶۳۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت بایزیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپؒ کی عمر کتنی ہے؟ تو فرمایا چار سال۔ جب لوگوں نے کہا کہ یہ کس طرح ممکن ہے تو فرمایا کہ ۷۰ سال میں دنیا کے حجاب میں رہا اور ۴ سال سے مشاہدے میں ہوں چنانچہ حجاب کے زمانے کی عمر زندگی نہیں تھی۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ فرمائے کہ مجھے دیکھ تو میں کبھی نہ دیکھوں کیونکہ دوستی میں آنکھ غیر اور بیگانہ ہوتی ہے اور یہ غیریت مجھے دیدار سے روکتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں بلا واسطۂ چشم اللہ کو دیکھتا ہوں اور کسی واسطے کو درمیان میں نہیں رکھتا۔[۱]

حضرت جنیدؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپؒ چاہتے ہیں کہ آپ اللہ کو دیکھیں؟ فرمایا نہیں چاہتا۔ عرض کیا گیا کہ کیوں؟ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تو نہ دیکھ سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ چاہا تو دیکھ لیا۔ فرمایا ہماری خواہش ہی دیدارِ حق کے لئے حجاب اعظم ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب دنیا میں ارادت کامل ہو جائے تو مشاہدہ ہو جاتا ہے اور جب مشاہدہ کامل ہو جائے تو دنیا اور عقبیٰ یکساں ہو جاتے ہیں۔[۲] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج میں فرمایا "لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ"[۳] (یعنی اے الٰہی! میں تیری ثناء کو بیان نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثناء خود بیان کی)۔ دیدارِ الٰہی سے متعلق ایک وسیع گفتگو انشاءاللہ ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں شامل کر دی گئی ہے۔

اولیاء کرام مشاہدہ کے ساتھ مخصوص ہیں

ریاضت اور ذکر و اذکار کی آخری منزل مشاہدہ حق ہے اور اس دنیائے فانی میں اولیاء کرامؒ کو حقائقِ اشیاء کا مشاہدہ دل کی آنکھوں سے نصیب ہوتا ہے۔ مشاہدات کی یہ منزل مجاہدات کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ اس تحریر کی غرض و غایت یہ ہے کہ قارئین کو اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ مشاہدہ کی تعریف کیا ہے اور اس کا حصول کن امور پر منحصر ہے۔

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۴۔

۲ کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۵۔

۳ مصنف ابن ابی شیبہ، محمد ابن ابی شیبہ، حدیث ۶۹۴۳، جلد ۲، صفحہ ۹۹، مکتبہ الرشید، الریاض۔

مشاہدہ

مشاہدہ سے مراد ان واردات غیبیہ کا معائنہ ہوتا ہے جو دل پر وارد ہوتی ہیں۔ یہ واردات چونکہ جلدی گزر جاتی ہیں اور قرار نہیں پکڑتیں اس لئے ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ مگر جو ان کی وجہ سے صفت قبض یا بسط پیدا ہوتی ہے اس سے اسے معلوم کر لیتے ہیں۔ قبض میں صفت جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بسط میں صفت جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (قبض اور بسط کی وضاحت حضرت جنیدؒ کے بیان کے بعد تصوف کی اصطلاحات کے باب میں ملاحظہ فرمائیں)

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ یہ ہے کہ تم حق تعالیٰ کے وجود میں اپنے آپ کو کھو دینے اور فنا کر دینے کے ساتھ مشاہدہ کرو۔[1] ''کتاب اللمع'' میں ہے کہ قدرت حق کی نشانیاں دیکھ کر طاقتِ نورِ حق کا پیدا ہونا اور باہم قریب آنے کا نام مشاہدہ ہے۔ مکاشفہ اور مشاہدہ دونوں معنیٰ میں ایک دوسرے کے قریب ہیں مگر کشف معنیٰ کے اعتبار سے زیادہ مکمل ہے۔ کتاب اللمع میں مشاہدہ کی تعریف کرتے ہوئے شیخ ابونصر سراجؒ لکھتے ہیں کہ مشاہدہ قدرت حق کی نشانیاں دیکھ کر قلب میں حضور حق کا پیدا ہونا اور باہم قریب آنے کا نام ہے۔

عمرو بن عثمان مکیؒ نے کہا مشاہدہ کا آغاز یہ ہے کہ زوائد یقین، کو اشف حضور کے ساتھ چمکتے ہیں اور وہ غیب کے ڈھانپ لینے سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ الغرض مشاہدہ دوام محاضرہ کو کہتے ہیں اسے قلب طلب کرتا ہے جب اسے غیوب ڈھانپ لیتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کے مذکورہ بیان کی آپ خود ہی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اِنَّ اِبْلِیْسَ لَمْ یَنَلْ مُشَاهَدَةً فِیْ طَاعَتِهٖ وَاٰدَمُ لَمْ یَنْفَدْ مُشَاهَدَةً فِیْ مَعْصِیَتِهٖ	شیطان اپنی (بے حد و حساب) طاعت میں بھی مشاہدہ حق نہیں پا سکا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش میں بھی خدا کے مشاہدہ کو ہرگز نہیں کھویا۔

سر دلبراں میں ہے ''مشاہدہ اسماء وصفات کی جہت سے حق کا مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں اس میں تجلی یا تجلیات کا ہونا مراد لیا جاتا ہے'' (یعنی اس سے اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء وصفات کے رنگ میں مشاہدہ کرنا یا اس

[1] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۴۳۔

کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے کی طرف اشارہ ہے)۔[۱]

قرآن میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ" (بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے حاضر اور متوجہ ہو)(شہید سے مراد حاضر ہے)(ق:۳۷)۔

اولیائے کرامؒ میں سے ایک کا قول ہے کہ اے خدائے بزرگ! جب تیرا جمال میری نگاہوں میں ہے، تیری محبت میرے دل میں اور تیرا ذکر میرے لبوں پر ہے تو پھر تو کہاں غائب ہو سکے گا۔ مشاہدہ میں احوالِ قبض اور بسط وارد ہونے سے یہ مراد ہے کہ حال میں سالک کے دل پر بغیر تصنع، اکتساب اور اجتلاب (دل میں لانے) کے وارد ہوتے ہیں مثلاً خوشی یا غمی، تلقین یا بسط (بندھا ہوا) وغیرہ۔ حال جب دائم ہوا اور ملکہ بن جائے تو اسے مقام کہتے ہیں۔ پس احوالِ مواھب (عطائیں اور بخششیں ہیں) اور مقامات مکاسب کسب سے متعلق ہیں۔ واردات میں سے ایک چیز خاطر بھی ہے۔ خاطر وہ کلام یا خطاب ہے جو کہ دل پر وارد ہو یا وہ وارد ہے جس میں بندہ کے کسب وقصد اور علم وارادہ کو دخل نہ ہو۔ خاطر جو خطاب ہو اس کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ خاطر ربانی (جو اللہ کی طرف سے دل میں القاء ہو)

۲۔ خاطر ملکی (جو فرشتہ کے القاء سے ہو) اسے الہام بھی کہتے ہیں۔

۳۔ خاطر نفسانی (جو نفس کی طرف سے ہو) اسے ھاجس بھی کہتے ہیں، (ھاجس کی جمع ھواجس ہے)۔

۴۔ خاطر شیطانی (جو شیطان کے القاء سے ہو) اسے وسواس بھی کہتے ہیں۔[۲]

حدیث جبرائیل مشاہدہ کی طرف اشارہ کرتی ہے

حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا روزہ، ماسوا اللہ کی نفی اور ہماری نماز مقام مشاہدہ میں ہوتی ہے۔ مشاہدہ اسی وقت ممکن ہے جب نماز کو اس طریقہ سے پڑھا جائے جس کا ذکر حدیث جبرائیل میں ہے یعنی "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاکَ"[۳] (تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یہ سمجھ لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے)۔ پہلی صورت (کہ تو

[۱] سر دلبراں، جلد ا، صفحہ ۳۰۵۔

[۲] امداد السلوک، جلد ا، صفحہ ۱۲۵۔

[۳] صحیح بخاری، حدیث ۴۴۹۹، جلد ۴، صفحہ ۱۷۹۳۔

خداوند تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے) مشاہدہ ہے اور دوسری صورت (خداوند تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے) مراقبہ ہے۔

حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ ہم چالیس سال سے آئینہ داری کرتے آئے ہیں اور ہمارے آئینہ نے کبھی غلطی نہیں کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اولیاء اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں نورِ فراست سے دیکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر ہی دیکھتے ہیں۔

صحتِ یقین سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جب مشاہدہ ہو جائے تو یقین کامل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اے الٰہی! تو مردے کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس بات پر ایمان نہیں رکھتا، آپ نے عرض کی ہاں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن اپنے دل کے اطمینان کے لئے یہ بات پوچھی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندوں کو پکڑو پھر اُنہیں اپنے ساتھ مانوس کرو پھر ان کا قیمہ کر کے مختلف پہاڑوں پر پھینک دو اور پھر انہیں اپنی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری طرف بھاگے ہوئے آئیں گے (البقرہ: ۲۶۰)۔

اس طرح مشاہدہ کر لینے سے آپ کے دل کو یقین حاصل ہو گیا۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو کئی مقامات پر واضح کیا گیا ہے کہ یقین سے ہی ایمان پختہ ہوتا ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام کی روح ایک سو سال کے عرصے کے لئے قبض کر لی گئی تو آپ علیہ السلام کو اور اس وقت کے لوگوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو اور ان کے گدھے کو زندہ کر دیا گیا اور ان کا کھانا اس طویل مدت کے بعد بھی تازہ رہا۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۹ میں ہے۔

محمد بن واسعؒ ہر شئے کو دیکھنے کے بعد اس میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ یقین کے ساتھ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں "مَارَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ اِلَّا رَأَيْتُ فَاِنَّهٗ مِنْهُ اَىْ بِصِحَّةِ الْيَقِيْنِ"[1] (میں نے کسی چیز کو کبھی نہ دیکھا مگر اس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا صحت یقین کے ساتھ)۔

جب محبانِ الٰہی عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کو اسیر سلطان دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہر کام کے پیچھے فاعل حقیقی کی قدرت کام کر رہی ہے۔ یعنی وہ مخلوق کو نہیں بلکہ خالق کو دیکھتے ہیں۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۱۵۶۔

"مَارَأَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا اللّٰهَ اَیْ بِغَلْبَةِ الْمَحَبَّةِ وَ غِلْیَانُ الْمُشَاهَدَةِ" [1] (میں نے کوئی چیز کبھی نہ دیکھی مگر اللہ تعالیٰ کو دیکھا یعنی محبت کے غلبہ اور جوش مشاہدہ کی بنا پر)۔ مذکورہ کلام کا مطلب یہ ہے کہ عام انسان تو ہر چیز کو سرسری نظر سے دیکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے بندے چشمِ حق بین سے فاعلِ حقیقی کو اس میں کارگر ہوتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح دیکھنے سے غیر کی گنجائش نہیں رہتی اور غیر کی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ جو کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ غیر کو نہیں دیکھتا۔

غیر پر نظر جانا مشاہدہ کے منافی ہے

غیر پر نظر نہ جانے کی اعلیٰ ترین مثال کا ذکر قرآن میں حضور ﷺ کے واقعہ معراج کے بیان میں موجود ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (النجم:۱۷) (اَیْ مِنْ شِدَّةِ شَوْقِهٖ اِلَی اللّٰهِ) (یعنی اللہ کے حضور پہنچنے کے بعد آپ ﷺ نے کسی چیز کی طرف آنکھ نہ کھولی اور نہ حد سے متجاوز ہوئے)۔ مشائخ عظامؒ کا قول ہے کہ جب دوست نے موجودات سے آنکھ بند کروا دی تو آپ ﷺ نے موجد کو دیکھ لیا اور کہا "لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی" (دیکھ لیا (محمد ﷺ) نے اپنے ربّ کی بڑی نشانیوں کو) (النجم:۱۸)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا "قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ" (النور:۳۰) (اَیْ اَبْصَارُ الْعُیُوْنِ مِنَ الشَّهْوَةِ وَاَبْصَارُ الْقُلُوْبِ عَنِ الْمَخْلُوْقَاتِ) مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ مومنوں سے کہہ دیں کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں یعنی سَر کی آنکھوں کو شہوات سے بند رکھیں اور دل کی آنکھوں کو مخلوقات کو دیکھنے سے بند رکھیں۔ اس آیت کی مذکورہ تشریح سے ظاہر ہوا کہ جو سَر کی آنکھوں کو شہوتوں سے بند رکھے گا تو وہ ضرور حق تعالیٰ کو دل کی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

مشاہدہ بقدر استطاعت ہوتا ہے

قرآن پاک اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہر طرف بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ کبھی یہ فرمایا گیا ہے کہ "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا) (النور:۳۵)۔ کہیں یہ فرمایا "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (تم جہاں کہیں بھی جاؤ تو اللہ کو ضرور پاؤ گے) (البقرہ:۱۱۵)۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۵۲۔

ان تجلّیات کو دیکھنا انسان کی استطاعت پر منحصر ہے جو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے، وہ تجلّیات کو اپنے اندر سمو لیتا ہے اور وہ اللہ کے نور کو حاصل کر لیتا ہے اور اس کا حصول اس کے قرب کی علامت ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مرد مومن اور فقیر کامل کے لئے کلیم کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے آپکا مقصد یہ ہے کہ جو شخص کلیم اللہ کی طرح حق کا پیغام دے وہ بھی کلیم ہی کا کام کرتا ہے۔ مصلح شخص کو بھی علامہؒ نے کلیم کے لفظ سے نوازا ہے۔ علامہؒ نے جہاں کلیم کا لفظ استعمال کیا تو اس سے ان کی مراد تنہائی میں راز و نیاز کے شغل میں مشغول ہونا ہے جو صرف عبادت گزاروں کے لئے ہی ممکن ہے۔ انسان اپنے احساس و ادراک سے اشیائے کائنات میں کچھ جلوؤں کا مطالعہ کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے قرب کے جلوے نہ ہوں تو دنیا کی کسی چیز کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قرب کے باعث دنیا کی ہر چیز کو اپنا وجود حاصل ہوا ہے۔ جس کا ذکر "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) (ق:۱۶) میں ہوا ہے۔ یہ قرب اگر کائنات کے ہر ذرے کو میسر نہ ہوتا تو اس کا قائم رہنا محال ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے ان جلوؤں کا دیدار کرنا ہی مشاہدہ کہلاتا ہے۔ اگرچہ مشاہدہ کر لینا ہی بزرگی کی علامت نہیں لیکن تقریباً تمام اولیائے کرام کو مشاہدہ کی صفت سے نوازا گیا ہے۔ تجلیات کا مشاہدہ کرنا، مشاہدہ کرنے والے کے ظرف پر منحصر ہے۔ اس مشاہدے کی مثال اس طرح سے دی جا سکتی ہے جیسے کہ سورج کو کسی رنگ دار شیشے میں دیکھنا کسی تکلیف کا باعث نہیں بنتا لیکن سورج کی تیز شعاعوں کی تمازت کو عام شیشے میں دیکھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس سے دیکھنے والے کی آنکھوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ سورج کی تجلّیات کو سیاہ رنگ کے شیشے میں ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان جب اللہ تعالیٰ کے انوار کو دیکھتا ہے تو اس کا یہ دیکھنا اس بات پر انحصار کرتا ہے کہ وہ شیشہ جس میں وہ یہ انوار دیکھ رہا ہے اس میں تمازت کو جذب کرنے کی کتنی طاقت موجود ہے۔ ابوتراب نخشبیؒ کا مرید اپنے دل کے کند شیشہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا تھا لیکن جس وقت اس نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے شیشہ میں مشاہدہ یا دیدار کیا تو برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ بعض مشائخ کا یہ کہنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اپنے شیشہ میں دیکھا تو برداشت نہ کر سکے اور بیہوش ہو گئے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیچ میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے تو تجلّیات الٰہیہ کا دیدار کر سکتے تھے۔

موسیٰ زهوش رفت بیک پر تو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

(موسیٰ علیہ السلام ایک صفاتی جلوہ دیکھ کر ہوش کھو بیٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتِ حق کو تبسم کی حالت میں دیکھا)

ایک مرید نے ستر بار اللہ تعالیٰ کو دیکھا مگر

حضرت بایزیدؒ کو دیکھا تو جاں بحق ہو گیا

حضرت ابوتراب نخشبیؒ کی عادت تھی کہ کسی نہ کسی بزرگ کو اپنے گھر میں مہمان رکھتے اور اس کی خاطر تواضع میں کسر نہ اٹھا رکھتے۔ اس بزرگ کے قیام کے دوران روحانی معاملات پر گفتگو فرماتے۔ کچھ اس سے سنتے اور کچھ انہیں سناتے۔ اس قصے کو حضرت فریدالدین عطارؒ یوں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوترابؒ کا ایک مرید اپنی ریاضت کے اعتبار سے بہت بلند تھا۔ اس نے آپؒ کے ہاں قیام کیا تو ایک روز آپؒ نے اس بزرگ سے فرمایا کہ کیا تم نے حضرت بایزیدؒ کو دیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد پھر یہی سوال کیا تو اس نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت ابوتراب نخشبیؒ ہر مرتبہ یہ فرماتے تھے کہ اگر تم بایزیدؒ کی زیارت کر لیتے تو یہ تمہارے لئے زیادہ سودمند ہوتی۔ ایک روز بزرگ طیش میں آ کر کہنے لگے کہ آپ بایزیدؒ کی زیارت کی بات کرتے ہیں لیکن میں تو اللہ تعالیٰ کو ایک دن میں ستر مرتبہ دیکھتا ہوں۔ بایزیدؒ کی زیارت سے بھلا مجھے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ حضرت ابوترابؒ کہتے ہیں کہ مجھے بھی غصہ آ گیا اور میں نے اسے کہا کہ تمہارے لئے دن میں سو بار اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے بہتر ہے کہ تم ایک بار بایزیدؒ کی زیارت کر لیتے۔ اس بزرگ نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کی زیارت سے بایزیدؒ کی زیارت زیادہ سودمند ہو۔ حضرت ابوترابؒ نے فرمایا کہ ابھی تک تو تو نے اپنے پیمانے کے مطابق خدا کا دیدار کیا ہے لیکن ان کی توجہ کے بعد اللہ کا ایسا دیدار ہو گا جس طرح دیدار کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مختلف طریقوں سے دیدار کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ محشر میں ایک خاص تجلی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ڈالے گا اور ایک تجلی پوری مخلوق پر۔ یہ سننے کے بعد اس مرید کے قلب میں حضرت بایزیدؒ کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا اور اپنے مرشد کے ہمراہ جس وقت آپکے مکان پر پہنچا تو آپ کہیں سے پانی بھرنے گئے ہوئے تھے اور جب یہ دونوں ان کی تلاش میں چلے تو دیکھا کہ ایک ہاتھ میں گھڑا اور ایک ہاتھ میں پوستین لٹکائے چلے آ رہے ہیں لیکن اس مرید پر آپ کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ لرزہ براندام ہو کر زمین پر گر پڑا اور وہیں دم نکل گیا۔ جب حضرت ابوترابؒ نے کہا کہ آپ نے تو ایک ہی نظر میں اس کا کام ختم کر دیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ اس کے اندر کشف کا ایک

خاص مقام باقی رہ گیا تھا جو اس کو تمام عمر حاصل نہ ہوا تھا مگر اس وقت اس کو وہ مقام حاصل ہوا لیکن وہ برداشت نہ کرتے ہوئے جاں بحق ہو گیا جس طرح مصر کی عورتیں حسن یوسف علیہ السلام کی تاب نہ لا کر اپنی انگلیاں تراش بیٹھی تھیں۔[1]

مشاہدات میں انس محسوس کرنا مرید کے لئے مضر ہے

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ انسان کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں امر یہ ہے کہ وہ ان امور پر جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کے باطن کی طرف ڈالے جاتے ہیں ان میں انس محسوس کرے یعنی ان مشاہدات پر خوشی کا اظہار کرے۔ کیا یہ بات کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اسے اپنا قرب عطا کیا اور اسے اپنے ہم جنسوں سے ممتاز کر دیا۔ ان امور یعنی مکاشفاتِ حقیقی سے اعراض کر کے اگر کوئی مکاشفات عامہ یعنی دنیا کے کاموں کے مکاشفے کی طرف توجہ کرے تو اسے مکاشفاتِ حقیقی سے ہٹا دیا جاتا ہے اور اس کی روحانی ترقی رک جاتی ہے۔[2]

راقم الحروف کا خیال ہے کہ لوگوں پر اپنے مکاشفات ظاہر کرنے کیلئے مکاشفات کی طرف دھیان دینا ریاکاری سے کم نہیں اور پھر بزرگی کی علامت مکاشفات کا ظاہر کرنا نہیں بلکہ تکلفات شرعیہ پر عمل کرنا اور مجاہدات کی طرف توجہ دینا ہے جیسا کہ تمام مشائخ کا وطیرہ رہا ہے۔ مکاشفات کا ظاہر کرنا کرامات کے ظاہر کرنے کے برابر ہے اور کرامت کا ظاہر کرنا تصوف کی دنیا میں معیوب تصور کیا جاتا ہے۔

کچھ لوگ مشاہدے میں رکھے جاتے ہیں
اور کچھ مجاہدے میں رکھے جاتے ہیں

حضرت داتا گنج بخشؒ نے سفر کے آداب کے باب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالفارسؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز وہ حضرت ابوسعید بن ابوالخیر فضل اللہؒ کی زیارت کے لئے نکلے تو ان کو ایک تخت پوش پر اس طرح آرام کرتے ہوئے پایا کہ تین چار گاؤ تکیے ان کے اردگرد تھے اور ایک تکیہ ان کے پاؤں کے نیچے تھا۔ انہوں نے حضرت ابوسعیدؒ کی کیفیت دیکھ کر دل میں یہ خیال کیا کہ میں تو اس قدر میلی کچیلی کمبلی میں ملبوس ہوں اور

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۲۔

[2] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۴۳۔

اس قدر مجاہدات کرتا ہوں اور یہ بزرگ کس قدر آرام کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

حضرت ابوسعیدؒ نے ان کے غرور آمیز خیالات پر اطلاع پاتے ہوئے کہا کہ اے ابومسلم! تم نے کس کتاب میں یہ پڑھا ہے کہ ایک ولی اللہ مغرور بھی ہوسکتا ہے۔ فرمایا کہ میں نے تو کائنات میں حق ہی حق کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مشاہدے میں رکھا اور تم نے غرور کیا اس نے تمہیں نیچے رکھا اور مجاہدے میں لگا دیا۔ (یہ واقعہ حضرت جنیدؒ کے ابواب میں سے صحبت کے باب میں بھی دیا گیا ہے)۔ حضرت ابوالفارسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی اور حضرت ابوسعیدؒ نے میری توبہ کو قبول کیا اور میں نے ان سے رخصت ہونے کی اجازت مانگی کیونکہ میں زیادہ دنوں تک ان کی زیارت کی تاب نہیں لاسکتا تھا۔ اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف مجاہدات کو دیکھ کر فخر کیا تو اسے ان مجاہدات سے درجات نہیں ملے۔ اگر درویش مجاہدات کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی بلند ہوگیا ہو اور ان کے ساتھ اس کو مشاہدات کا مقام میسر ہو تو وہ صرف مجاہدات کرنے والوں سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ کسی روحانی معاملے میں غرور کرنا تو سالک کو تباہ کر دیتا ہے۔ [1]

مشاہدہ کی مزے دار بحث

حضرت بایزیدؒ خود فرماتے ہیں خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر بہشت بریں بھی اپنی تمام تر زینتوں (خوبصورتیوں) کے باوجود، دیدار خداوندی کی راہ میں حائل ہو جائے تو وہ بہشت میں بھی اس طرح فریاد اور نالہ وفغاں کو بلند کریں گے کہ ساتوں طبق کے لوگ ان کے گریہ وفغاں کو سن کر اپنا عذاب بھول جائیں گے۔ [2]

شرح تعرف میں حضرت بایزیدؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بہشت میں مجھے چشمِ زدن کے لئے بھی اپنے دیدار پُر انوار سے محجوب کر دیں تو میں اس طرح نالہ وفریاد کروں گا کہ جنوں کو بھی مجھ پر ترس آجائے۔ مشائخ کا قول ہے کہ ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ جنت کا طبقہ (جس کو صوفیاء کرام ''عالَم ہُو'' کہتے ہیں) اس میں کوئی باغ و بہار اور دودھ کی نہریں نہیں لیکن اس میں ہر وقت اللہ تعالیٰ ہنستا ہوا نظر آئے گا۔ غالباً یہ اس لئے ہے کہ وہاں کے لوگوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے اور کچھ درکار نہیں ہوگا۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۸۳۔

[2] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۴۳۔

راقم الحروف نے ''نزہۃ المجالس'' میں ایک ایسی روایت کا مطالعہ کیا ہے کہ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب قیامت کے روز تمام لوگوں کو جنت اور دوزخ میں جانے کا فیصلہ سنا دیا جائے گا تو عاشقان الٰہی کی ایک جماعت جنت میں جانے سے انکار کر دے گی اور فرشتے انہیں جنت کی طرف جانے کو کہیں گے مگر وہ یہ کہیں گے ہم یہاں سے اسوقت تک نہیں ہلیں گے جب تک کہ اپنے محبوب حقیقی کا دیدار نہ کر لیں۔ فرشتے ان کو زنجیروں سے جنت کی طرف کھینچیں گے مگر وہ ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکیں گے۔ اس منظر کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہیں گے اے فرشتو! ان لوگوں کو تم اپنی جگہ سے ہلا نہ سکو گے۔ ان سے یہ کہو کہ اللہ کا دیدار جنت میں ہوگا۔ یہ اعلان سن کر وہ لوگ فوراً جنت کی طرف لپکیں گے۔

حضرت سری سقطیؒ کا یہ قول اس کتاب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی تو اپنی طرف سے جو بھی عذاب دے مجھے گوارا ہے مگر حجاب کے عذاب میں مبتلا نہ کرنا کیونکہ حجاب نہ ہو تو تیرے عذاب کو تیرے ذکر اور مشاہدے کے ذریعے برداشت کرنا آسان ہے اور اگر حجاب ہے تو تیرا کرم بھی عذاب سے کم نہیں۔ فرماتے ہیں کہ جہنم کا عذاب اسی لئے عذاب ہے کہ وہاں تیرا دیدار نہیں اور اگر جہنم میں تیرا دیدار ہو تو اہل جہنم کبھی جنت کی خواہش نہ کریں۔[1]

احوال اہلِ مشاہدہ

احوالِ اہلِ مشاہدہ تین طرح کے ہیں۔ پہلے حال پر فائز لوگ اصاغر (صغیر کی جمع) کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں ابوبکر واسطیؒ نے کہا کہ وہ اشیاء کو عبرت و فکر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دوسرے حال پر جو لوگ فائز ہوتے ہیں وہ درمیانی درجے والے کہلاتے ہیں۔ ان کی حالت وہی ہوتی ہے جس کی طرف ابوسعید خرازؒ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جملہ مخلوقات اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اسی کی ملکیت ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اور بندے کے مابین مشاہدے کا تعلق استوار ہوتا ہے تو اس کے وہم و خیال میں بھی ماسوا اللہ کے کچھ نہیں ہوتا۔ اہل مشاہدہ کے تیسرے حال کے لوگوں کے متعلق عمرو بن عثمان مکیؒ نے اپنی تصنیف ''کتاب المشاہدہ'' میں لکھا ہے کہ عارفین کے قلوب حق تعالیٰ کا مشاہدہ اس حال میں کرتے ہیں کہ فقط حق ظاہر ہوتا ہے اور خلق مخفی۔ گویا وہ ہر شئے میں اسی کو دیکھتے ہیں اور جملہ کائنات کا اسی کی آنکھ سے مشاہدہ

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۲۰۔

کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ بیک وقت حاضر بھی ہوتے ہیں اور غائب بھی۔ دونوں حالتوں میں صرف اللہ ہی کو موجود پاتے ہیں الغرض وہ اللہ کو ظاہراً و باطناً اور اولاً و آخراً دیکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربّ العزت ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج — وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور

وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (الحدید: ۳) — وہی سب کچھ جانتا ہے

مختصراً یہ کہ مشاہدہ ایک بلند کیفیت اور حقائق یقین کی ایک نورانی کرن ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ متاخرین میں سے کچھ لوگ فرماتے ہیں "ثَلَاثَةٌ مِنْ عَجَائِبِ الدُّنْيَا اِشَارَاتُ الشِّبْلِىِّ وَنِكَاتُ الْمُرْتَعِشِ وَحِكَايَاتُ الْجَعْفَرِ" (عجائبات عالم میں تین چیزیں ہیں حضرت شبلی کے اشارات، مرتعش کے نکات اور حضرت جعفر کی حکایتیں)۔

حضرت شبلیؒ قوم کے بہت بڑے لوگوں میں سے تھے ارباب طریقت میں سادات طریقت سے شمار کئے گئے ہیں۔ ابتداء میں خلیفہ وقت کے داروغۂ ڈیوڑھی تھے۔ حضرت خیر نساجؒ کی مجلس میں آپؒ تائب ہوئے اور تعلق بیعت حضرت جنید بغدادیؒ سے کیا اور بہت سے مشائخ کرام کی زیارت سے سُرخرو ہوئے حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ بھی تھے۔

عبادات کی مشقت سے مشاہدے کا دروازہ کھلتا ہے

اہل یورپ نے روحانیات پر بہت تحقیق کی ہے اور اب تک انگلینڈ میں اس موضوع پر تقریباً ۷۵۰ یا اس سے بھی زائد کتب تحریر کی جاچکی ہیں۔ ان کا یہ قول ہے کہ دل میں ایک نہایت باریک سوراخ ہوتا ہے جو روحانی محنت اور مشقت سے کھل جاتا ہے اور جب یہ سوراخ کھل جائے تو انسان کا تعلق عالم بالا سے ہو جاتا ہے۔ اہل اسلام اس کو دل کی آنکھ کا نام دیتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ "اَلشِّفَاء" میں لکھتے ہیں کہ میں نے روایات میں دیکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کے دل کو چار مرتبہ چاک کیا ہے اور میں نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ عام انسان کے دِل میں ایک آنکھ ہوتی ہے مگر حضور ﷺ کے دل میں دو آنکھیں ہیں۔[1] مشائخ کرام کا قول ہے کہ دو آنکھیں اس لئے تھیں کہ آپ ﷺ جس طرح اپنے سامنے چیزوں کو دیکھتے تھے اسی طرح اپنے پیچھے بھی ہر چیز کا مشاہدہ

[1] فتح الباری، احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، جلد ۱۳، صفحہ ۴۸۱، دار المعرفہ، بیروت۔

کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ خواب کی حالت میں اس آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہوں۔ اولیائے کرام کا قول ہے کہ ذکر واذکار کی محنت شاقہ کے بعد انسان کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ شاید اہلِ یورپ نے مسلمانوں سے یہ قول سن کر دل میں ایک سوراخ ہونے کی بات کہی ہو۔

عبادات میں مشقت کی بناپر مشاہدہ کی عمارت استوار ہے

درج ذیل حدیث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پیٹ کو بھوکا رکھنے، حرص کو چھوڑنے، بدن کو ضرورت کے علاوہ ننگا رکھنے، امیدوں کو کم کرنے، جگروں کو پیاسا رکھنے اور دل سے دنیا کو چھوڑ دینے سے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے دل کی آنکھوں سے حقائق کو دیکھ سکتا ہے (اور یہی مشاہدہ ہے)۔ یہ حدیث کشف المحجوب میں بھی بیان کی گئی ہے۔

جِیْعُوا بُطُوْنَکُمْ وَدَعُوا لْحِرْصَ وَاَعِرُّوْا	اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھو، حرص چھوڑ دو، بدن ننگے
اَجْسَامَکُمْ وَقَصِّرُوا الْاَمَلَ وَاظْمَئُوْا	رکھو، امیدیں کم کرو، اپنے جگروں کو پیاسا رکھو،
اَکْبَادَکُمْ دَعُوْا الدُّنْیَا لَعَلَّکُمْ تَرَوْنَ اللّٰهَ	دنیا کو چھوڑ دو تا کہ تم اللہ کو دل کی آنکھوں سے
بِقُلُوْبِکُمْ	دیکھ سکو۔[1]

عبادات میں مشقت اٹھانے سے دل زندہ ہو جاتا ہے اور معرفت الٰہی کے قابل ہو جاتا ہے۔ ایسی حیاتِ قلب میں مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے جو گفتگو کی وہ نیچے بیان کی جارہی ہے۔

یَا دَاوٗدُ اَتَدْرِیْ مَامَعْرِفَتِیْ	اے داؤد! کیا تم جانتے ہو کہ میری معرفت کیا ہے؟
قَالَ لَا قَالَ هِیَ حَیٰوۃُ الْقَلْبِ	جواب دیا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ دل کا زندہ
فِیْ مُشَاهِدَتِیْ	رہنا ہے میرے مشاہدہ میں۔[2]

یہ بحث کہ مشاہدے کا سبب مجاہدات ہیں یا مشاہدات کے بعد مجاہدات ہوتے ہیں

حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''کشف المحجوب'' میں زیر نظر موضوع پر بہت طویل گفتگو کی ہے آپ

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۵۰۔

[2] کشف المحجوب، صفحہ ۶۵۱۔

نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(۱) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت: ۶۹) (وہ لوگ جنہوں نے ہمارے معاملہ میں مجاہدہ کیا بے شک ہم انہیں اپنی راہیں دکھادیں گے)

(۲) يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط (النور: ۳۵) (اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے)

آپؒ نے یہ احادیث بھی نقل فرمائی ہیں۔

(۱) اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِي اللّٰهِ [۱] مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

(۲) رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ قَالَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ [۲] ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہیں پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ جہاد اکبر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نفس کے ساتھ جہاد کرنا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیات اور احادیث کے پیش نظر صوفیاء کرام نے مجاہدات کو اختیار کیا جیسا کہ اوپر پیٹ کو بھوکا رکھنے اور جگر کو پیاسا رکھنے والی حدیث میں بیان ہوا۔ چنانچہ حضرت سہل بن عبداللہ پندرہ روز کے بعد کھانا کھاتے تھے اور اس قدر قلیل غذا کے باوجود آپ کی عمر مبارک بہت طویل تھی۔

وہ صوفیہ جو مجاہدے کو مشاہدوں کا سبب سمجھتے ہیں

کچھ بزرگانِ دین کا قول ہے "اَلْمُشَاهَدَاتُ مَوَارِيْثُ الْمُجَاهِدَاتِ" [۳] (یعنی مشاہدے، مجاہدوں کی میراث ہیں)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "مَنْ جَدَّ وَجَدَ" (یعنی جس نے کوشش کی اس نے پالیا)۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حُصولِ قرب وصلِ مطلوب اور عاقبت کی طرف سے بے فکر کئے جانے اور معصومیت اور

---

۱ صحیح ابن حبان، محمد بن حبان، متوفی ۳۵۴ھ، حدیث ۴۷۰۶، جلد ۱۱، صفحہ ۵۔ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۱۴ھ۔

۲ احیاء العلوم، محمد بن محمد الغزالی، متوفی ۵۰۵ھ، جلد ۳، صفحہ ۶۶، دالمعرفہ، بیروت۔

۳ کشف المحجوب، صفحہ ۳۹۶۔

پاکدامنی ثابت ہونے کے باوجود دن بھر عبادتیں اور راتوں کی بیداریاں اس قدر زیادہ فرمائیں جو کہ مجاہدہ سے بھی آگے بڑھ گئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوئی "طٰہٰo مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی" (یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ اپنے آپ کو اس قدر مشقت میں ڈال دیں) (طٰہٰ:۱۔۲)۔ اس تجویز کے تسلسل میں سورۃ المزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا" (اے کملی اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کرو مگر کم) (المزمل:۱۔۲)

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جب آپ ﷺ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں پتھر اٹھا رہے تھے تو حضرت ابو ہریرۃؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ خدمت آپ میرے سپرد کردیں (کیونکہ پتھر اٹھانے میں آپ ﷺ کو تکلیف ہو رہی تھی) تو آپ ﷺ نے فرمایا "خُذۡ غَیۡرَهَا فَاِنَّهٗ لَا عَیۡشَ اِلَّا عَیۡشَ الۡاٰخِرَةِ" [۱] (یعنی تم دوسرے پتھر اٹھاؤ کیونکہ دنیا کا آرام کچھ نہیں آرام تو آخرت کا ہے)۔ یہ دنیا مقامِ مشقت اور ریاضت ہے۔

وہ صوفیاء جو مجاہدے کو مشاہدے کا سبب نہیں سمجھتے حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا ایک دوسری جماعت ایسی بھی ہے جو ریاضت (مجاہدات کو) اللہ کے قرب کا سبب نہیں مانتی۔ ان کی دلیل یہ ہے "وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا" (العنکبوت:۶۹) کا مطلب یہ ہے کہ "وَالَّذِیۡنَ هَدَیۡنَا هُمۡ سُبُلَنَا جَاهَدُوۡا فِیۡنَا" (جن کو ہم نے راہ دکھائی انہوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا)۔ ان کا قول یہ ہے کہ جن کو مشاہدات حاصل ہو جائیں وہ خواہ مخواہ مجاہدات پر آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے "اگر لوگ جنت یا دوزخ کا نظارہ ایک لحہ بھر کے لئے کرلیں تو وہ اس مشاہدہ کے بعد ہمہ وقت عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کے کاروبار چھوڑ دیں"۔ [۲] ایسے لوگ حسب ذیل دلائل بھی اپنے بیان کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں کہ اپنے عمل سے کوئی نجات نہیں پا سکتا جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل، حدیث ۸۹۳۸، جلد ۲، صفحہ ۳۸۱۔

۲۔ صحیح ابن حبان، حدیث ۸۵۷، جلد ۳، صفحہ ۱۳۹۔

(۱) لَنْ یَّنْجُوَ اَحَدُکُمْ بِعَمَلِهٖ	تم میں سے کوئی اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پا سکتا
قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْتَ	صحابہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی نہیں
قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ	آپ ﷺ نے فرمایا اور میں بھی اس وقت تک نجات
اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ [۱]	نہیں پا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل
	سے ڈھانپ نہ لیں۔

قرآن مجید میں فرمان باری ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے تو ہدایت ملتی ہے جیسے فرمایا:

(۲) فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ	پس جس (خوش نصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ
یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ج	کہ ہدایت دے اسے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام
(الانعام:۱۲۵)	کے لئے۔
(۳) تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ	اللہ تعالیٰ جسے چاہے ملک عطا کرتا ہے اور جسے چاہے اس
تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ	سے ملک چھین لیتا ہے۔
تَشَآءُ (آل عمران:۲۶)	

مجاہدے سے راہ بنانے والوں کو توفیقِ اطاعت اور مشاہدہ عطا کیا جاتا ہے

بحث کا فیصلہ: ایک جماعت کے لوگ مذکورہ آیات اور احادیث کی رو سے مجاہدہ کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر مجاہدہ ہی قرب کا ذریعہ ہوتا تو ابلیس مردود نہ ہوتا۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جن کا ایمان قوی ہے وہی مقرب الی اللہ ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا گفتگو کو سمیٹتے ہوئے حضرت داتا گنج بخشؒ کہتے ہیں کہ ایک گروہ کہتا ہے "مَنْ طَلَبَ وَجَدَ" (یعنی جس نے طلب کیا اس نے پالیا) اور دوسرا گروہ کہتا ہے "مَنْ وَجَدَ طَلَبَ" (یعنی جس نے پالیا اس نے طلب کیا) مگر آپؒ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ مجاہدہ اسی وقت ہوتا ہے جب توفیق اطاعت کسی کو ملے یعنی مجاہدہ اللہ کی توفیق دینے سے ہوتا ہے اور مشاہدہ عطاء الٰہی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ

---

[۱] صحیح مسلم، حدیث ۲۸۱۶، جلد ۴، صفحہ ۲۱۵۹۔

جب اطاعت بے توفیق محال ہے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق بھی بغیر اطاعت کے محال ہوگی یعنی اطاعت کرو گے تو توفیق ملے گی کیونکہ بعض اوقات مشاہدے سے بھی مجاہدہ نہیں ہوتا۔ ۱

راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ عام لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن لوگوں کی بہت ہی کم تعداد ایسی ہے جو ان مشاہدات سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بے حد و بے شمار لوگوں کی نظروں میں آتی ہیں لیکن باوجود ان سب نشانیوں کا مشاہدہ کرنے کے کتنے لوگ ہیں جو مجاہدات یا عبادات کی طرف مشغول ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے کہ بہت کم لوگ مشاہدوں کے بعد مجاہدات کرتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اس بات کی دلیل یوں بھی پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کفار پر اگر ہم فرشتے بھی نازل کر دیں اور مردے بھی ان سے باتیں کرنے لگیں اور سب چیزیں ان پر ظاہر بھی ہو جائیں تب بھی جب تک ہم نہ چاہیں تو وہ ایمان نہ لائیں گے کیونکہ ایمان لانا ہماری رضا سے ہے نہ کہ مشاہدہ کے باعث۔ اس کے بعد آپؒ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ (البقرہ:۶)	وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ ﷺ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رسیدہ آسودہ ہوتا ہے۔ یعنی منزل پر پہنچ جانے والا اگرچہ آسودہ یا آرام میں ہوتا ہے تب بھی بے فکر نہ ہوگا۔ کیونکہ طالب پر آسودگی یا آرام درست نہیں۔ اس کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا ہی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے "مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ" ۲ (یعنی جس کے دو دن ایک جیسے ہو گئے وہ نقصان میں ہے)۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کل سے آج زیادہ بہتر ہونا چاہیے اور ترقی کرنا لازمی ہے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا" ۳ (استقامت کرو اور شمار مت کرو)۔ ان سب باتوں سے مجاہدات کا ہونا لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ مجاہدہ سے گھوڑے کے اندر جو صفت اطاعت پوشیدہ ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے ریاضت سبب بنتی ہے۔

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ۱۰۴۔

۲ کشف الخفاء، حدیث ۲۳۰۶، جلد ۲، صفحہ ۳۰۵۔

۳ سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۷۷، جلد ۱، صفحہ ۱۰۱۔

یہی وجہ ہے کہ گھوڑا مشقت میں پھرائے جانے کے بغیر اپنی صفت باطنی ظاہر نہیں ہونے دیتا لیکن گدھے میں یہ صفت نہیں اس لئے گدھے کا عین بدل کر اسے گھوڑا نہیں بنایا جا سکتا۔

جب ذاکر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا

اس صورت میں ذکر نہیں بلکہ مشاہدہ ہوگا

حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت ابوبکر محمد بن موسی واسطیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اس کے ذکر میں مشغولیت کی وجہ سے زیادہ تر ان لوگوں سے غافل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہوئے بھی اللہ کی یاد سے غافل ہیں۔ جو لوگ ذکر حقیقی میں مشغول نہ ہوں ان کو اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا کہ ظاہری طور پر ذکر کرنے والوں کو ہوتا ہے جو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے بھی ذکر سے غافل ہیں (یعنی گو ظاہری طور پر ذکر کرتے ہیں لیکن ان کا باطن ذکر میں نہیں ہوتا اور وہ خدا سے دور ہوتے ہیں)۔ مراد یہ ہے کہ جب کوئی دلی طور پر حاضر نہ ہو تو یہ غفلت کے زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس غیبت کے جو بغیر گمان کے ہے کیونکہ گمان میں ہی ہلاکت ہے۔ جہاں گمان زیادہ ہوگا وہاں معنیٰ وحقیقت کم ہوتے ہیں۔ جہاں معنیٰ وحقیقت زیادہ ہوتے ہیں وہاں گمان کم ہوتا ہے۔ گمان اس وقت ہوتا ہے جب عقل کا غلبہ ہو اور عقل کا غلبہ نفس کی ہمت سے ہوتا ہے۔ خالص ذکر یا تو غائب ہونے کی صورت میں ہوگا یا حاضر ہونے کی صورت میں۔ جب غائب اپنی ذات سے غائب ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا۔ اس صورت میں اس کا ذکر نہیں ہوگا بلکہ مشاہدہ ہوگا۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ سے غائب ہوگا تو وہ اپنی ذات میں حاضر ہوگا لہٰذا ایسے آدمی کا ذکر نہیں بلکہ وہ اللہ سے غائب ہوگا اور غیب ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

مذکورہ بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر سالک حضوری کا خود خیال کرے تو صوفی غفلت کے نزدیک ہے اس لئے کہ طالب حق کے لئے اپنی طرف سے خواہش کرنا ہلاکت ہے کیونکہ اگر اس راہ میں گمان زیادہ ہو جائے تو معنیٰ کم ہو جاتے ہیں اور اگر معنیٰ زیادہ ہو جائیں تو گمان کم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت صوفی کو گمان تب ہوتا ہے جب عقل کے ساتھ وہ متہم ہو اور جب تک عقل کے ساتھ متہم ہے تو ارادۂ نفسانی لازمی ہے اور یہاں ہمت کو تہمت اور ارادے سے کوئی تقرب کی منزل حاصل نہیں ہوتی اور جسے حقیقتاً ذکر کہتے ہیں وہ یا تو حال غیبت میں ہوتا ہے یا مقام حضور میں اور جب ذاکر مشاہدۂ حق کر لیتا ہے تو پھر ذکر نہیں رہتا بلکہ مشاہدہ ہوتا ہے

اور جب غائب از حق ہو اور اپنے وجود سے مطلع ہو تو اگر چہ ذکر ہوتا ہے مگر اسے ذکر نہیں کہتے بلکہ وہ غیبت ہے اور غیبت در حقیقت غفلت ہے۔

مشاہدہ حق میں غیر کی طرف دیکھنا محال ہے
اور جو غیر کو دیکھے اسے مشاہدہ نہ ہوگا

حضرت ابو علی جرجانیؒ کا قول ہے "اَلْوَلِیُّ هُوَ فَانٍ فِیْ حَالِهٖ وَبَاقٍ فِیْ مُشَاهَدَةِ حَقٍ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ عَنْ نَفْسِهٖ اَخْبَارٌ وَلَا مَعَ غَیْرِ اللّٰهِ قَرَارٌ"[1] (یعنی ولی وہ ہے جو اپنے حال سے فانی اور مشاہدہ حق کے ساتھ باقی ہو۔ اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے حال کی کچھ خبر لے سکے اور وہ ذات حق کے سوا کسی سے آرام نہیں پاتا)

فرماتے ہیں کہ بندہ اپنے حال میں ہو تو کسی کو اپنی خبر نہیں دے گا اور جب وہ اپنے حال سے خبر نہیں دے سکتا اور ویسے بھی اپنے حال کی خبر کسی غیر کو دینا راز محبوب کو کسی غیر کے سامنے کھولنے کے برابر ہے اور یہ محبت کے لئے محال ہے۔ جب کوئی ولی غیر کو دیکھے تو مشاہدۂ جمالِ یار نہیں ہوتا۔ جب رؤیت غیر نہ ہو تو خلق کے ساتھ قرار نہیں پکڑے گا۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ مجاہدات طریقت میں ضروری ہیں لیکن ان مجاہدات کو بنظرِ تفاخر دیکھنا سالک کے زوال کا باعث بنتا ہے چنانچہ مجاہدہ نفس کے باب میں حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ اہلِ طریقت کے لئے بالاتفاق مجاہدہ اور ریاضت لازمی امر ہے مگر مجاہدہ میں رؤیت مجاہدہ آفت ہے (یعنی اپنے مجاہدات کو دیکھ کر فخر محسوس کرنا آفت ہے اور زوال کا باعث ہے)۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مجاہدہ کی نفی کرتے ہیں وہ حقیقتاً مجاہدہ کی نفی نہیں کرتے بلکہ رؤیت مجاہدہ کی نفی کرتے ہیں تاکہ تکبر اور نخوت پیدا نہ ہو۔ مجاہدہ بندے کا فعل ہے اور مشاہدہ کا حصول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک خدا کی عطا نہ ہو بندے کا فعل کوئی قیمت نہیں رکھتا خواہ کتنا ہی مجاہدہ کر لے۔ جو لوگ فضل حق کو نہیں مانتے اور اپنے عمل کی تعلّی (شیخی) مار رہے ہیں وہ کچھ نہیں پا سکتے۔[2]

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۲۷، الطاف نیاروی۔
[2] کشف المحجوب، صفحہ ۴۰۱ تا ۴۰۲ الطاف نیروی۔

جس کو مشاہدہ حاصل نہیں اس کا اندھا ہو جانا بہتر ہے

مثنوی مولانائے رومؒ دفتر سوم میں مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اندھے شخص کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ امامت کے لئے آگے بڑھے کیونکہ اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگرچہ وہ اندھا حافظ قرآن اور فقیہہ ہی کیوں نہ ہو مگر اس صورت میں جبکہ بینا شخص علم و عمل میں اس سے بہتر موجود ہو۔ اگر بینا عالم فاضل ہو تو وہ امامت کرائے۔[1] آپؒ نے فرمایا ایسے اندھے کے مقابلے میں روشن چشم بہتر ہے خواہ وہ اس سے کم پڑھا ہی ہو کیونکہ اندھا اپنے جسم اور لباس پر گندگی کو نہیں دیکھ سکتا۔ نجاست سے بچاؤ اور پرہیز آنکھ اور دید کی بناء پر ہی کیا جاسکتا ہے اور بینائی نہ ہونے کی وجہ سے گندگی کو دیکھا نہیں جاسکتا۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ خدا کرے کسی مومن کی آنکھ اندھی نہ ہو۔

مثنوی میں مولانائے رومؒ ظاہری نابینا شخص کے متعلق شریعت کے فیصلے کے بعد فرماتے ہیں کہ ظاہری اندھا ہونا کوئی اتنی بری بات نہیں جتنا کہ باطنی طور پر اندھا ہونا برا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ باطنی اندھا ہونا برائی کی کان ہے کیونکہ ظاہری اندھے کی نجاست کو دھویا جاسکتا ہے جبکہ باطنی اندھے کی نجاست کا دھونا ناممکن ہے (باطنی نجاست تو عموماً بڑھتی ہی رہتی ہے اور اس نجاست کو دور کرنے کا علاج صرف آنکھوں کا پانی ہے (گریہ وزاری کے سوا یہ ممکن نہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے کافر کو نجس کہا ہے اور اس کی نجاست ظاہری نہیں ہے بلکہ اس کے اخلاق اور دین میں کمی کی وجہ سے ہے۔ مولاناؒ نے لکھا کہ ظاہری نجاست کی بدبو تو بیس قدم تک ہوتی ہے مگر باطنی نجاست کی بدبو شہر رے (RAY) سے شام تک نہیں جاتی بلکہ پوری دنیا پر پھیل جاتی ہے مذکورہ دلائل کی بناء پر مولانا رومیؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ جسے باطن کے خراب ہونے کی وجہ سے مشاہدہ حق حاصل نہیں تو اس کا اندھا ہو جانا ہی بہتر ہے۔

وظائف میں رقّتِ قلب حاصل ہو تو اس کے اثر سے مشاہدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خواہ کسی نام سے پکارا جائے مگر پکارنے کا انداز درست ہونا

[1] بہارِ شریعت، محمد امجد علی اعظمی، متوفی ۱۳۶۷ھ، جلد ۱، صفحہ ۶۱، حصہ سوم، ناشر خالد بک ڈپو۔

چاہیے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے شیخ کی محبت کو دل میں جگہ دی جائے کیونکہ اس کے ساتھ محبت و عقیدت اور رابطہ نہ ہو تو خار دار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ دل میں بے چینی اور اضطراب کی حالت طاری کی جائے تو سالک کی بات بہت جلد سنی جاتی ہے۔ کبھی آہ و زاری اور گریہ طاری ہو جائے تو فوراً اجابت ہو جاتی ہے۔ اولیائے کرام کی محبت سے بہت جلد فتوحات حاصل ہو جاتی ہیں۔ صوفیاء کا قول یہ ہے کہ سالک کا رزق حلال ہو، اس کے دل میں سوز و گداز ہو، وظائف کی ادائیگی میں صدق اور عجز و نیاز ہو تو سمجھ لو کہ سالک نے اللہ کو اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اگر یہ توفیق میسر ہو تو رقت قلب خدا کی طرف سے مل جاتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ فقط میلان قلب دیکھتا ہے اور اگر سالک یہ کیفیت حاصل کر لے تو بیک وقت وظیفہ کا سبب اور اس کے اثر سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس میں زمانی تقدم و تأخر نہیں ہوتا۔ وظائف کے اثر سے مشاہدہ کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہے۔ وہ ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا سنتا ہے اور ان کی پکار کا جواب دیتا ہے بلکہ اگر ان کا ایک بار اللہ کہنا قبول نہ ہو تو ان کو دوسری بار اللہ کہنے کی توفیق نہیں دی جاتی۔ حضور حق رکھنے والوں کو مشاہدہ سے نوازا جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جو اپنے آپ سے غائب ہوگا وہ لامحالہ حق تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا۔[1] جیسے مولانائے رومؒ نے فرمایا کہ حضوری والے کو خود اپنا پتہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو بالآخر مشاہدہ کی دولت سے نوازا دیا جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ذوالنون مصریؒ کے مرید جب بایزید بسطامیؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور ان کے دروازے پر دستک دی تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تم کون ہو؟ کسے چاہتے ہو؟ مرید نے عرض کیا بایزیدؒ کو۔ آپؒ نے فرمایا وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ مجھے مدت ہوگئی کہ میں بایزیدؒ کو ڈھونڈ رہا ہوں اس کو اب تک نہیں پایا۔ جب وہ مرید ذوالنون مصریؒ کے پاس واپس آیا اور بایزیدؒ کا حال سنایا تو آپؒ نے فرمایا

اَخِیْ ذَھَبَ فِیْ الذَّاھِبِیْنَ فِیْ اللّٰہِ[2]	بھائی بایزیدؒ جانے والوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں چلا گیا۔

مرزا غالب نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۳۔
[2] کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۷۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

حضرت عثمان بن علی ہجویریؒ فرماتے ہیں ''جو اپنے سے غائب نہیں وہ حاضر بحق نہیں ہو سکتا اور جو بارگاہِ حق میں حاضر ہو وہ غائب اور یقیناً غائب ہے''۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ہم پر ایسا ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان والے میری حیرت پر روتے ہیں اور پھر ایسا وقت آیا کہ مجھے ان کی غیبت پر رونا پڑا اور کبھی مجھے نہ ان کی خبر ہوتی ہے نہ اپنی۔ حضرت علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضوری کی طرف عمدہ اشارہ ہے۔[1]

قرآن مجید میں آدم علیہ السلام کے لئے کچھ کلمات کا تجویز کیا جانا ایک معقول ثبوت مہیا کرتا ہے جس کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیت ۳۷ میں ہے ''فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ'' اور سورۃ الدھر کی آیت نمبر ۷ ''يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ'' میں عبادات غیر واجبہ کو اپنے اوپر واجب کرنے کا ذکر ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کچھ دعائیہ کلمات تلقین فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی انہیں کچھ پڑھنے کے لئے بتایا جائے تو انہیں کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے پڑھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے کہا یہ تو ساری مخلوق پڑھتی ہے پروردگار مجھے کوئی خاص چیز بتلائیے۔ ارشاد ہوا یہی پڑھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام تم اس کلمے کی عظمت کو جانتے ہو کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور یہ کلمہ دوسرے پلڑے میں تو یہ کلمہ بھاری ہوگا۔[2] سورۃ المزمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کے اکثر حصے میں قیام کرنا انہی مجاہدات کی طرف دلالت کرتا ہے۔ درود شریف کے پڑھنے کا قرآن مجید میں حکم ہے۔ مشائخ کرام جانتے ہیں جو شخص درود و ذکر کے علاوہ دیگر اوراد کا ورد نہیں کرتا تو وہ مجاہدات نہیں کرتا تو اسے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے کلام میں فرمایا کہ

عطارؒ ہو، رومیؒ ہو، رازیؒ ہو، غزالیؒ ہو
کچھ ہاتھ آتا نہیں بے آہِ سحر گاہی

(ب ج: ۳۴۸)

وظائف بھی مجاہدات کا حصہ ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کا معمول رہا ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ کی یاد میں محو رہتے ہیں اور امور دنیا

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۸۔

[2] صحیح ابن حبان، حدیث ۶۲۱۸، جلد ۱۴، صفحہ ۱۰۲۔

کے اندر ہوتے ہوئے بھی یادالٰہی سے غافل نہیں رہتے۔ اللہ والوں کا طریقہ کچھ یوں چلا آتا ہے کہ ابتدائی ایام میں حصول روحانیت کے لئے کچھ عرصہ پہاڑوں، غاروں یا مسجدوں میں ''وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا'' (المزمل: ۷۳) کے مصداق معتکف رہتے ہیں۔ اسلام میں اعتکاف کا منشاء بھی یہی خلوت نشینی اور خدا کی طرف یکسوئی حاصل کرنا ہے۔ آج بھی اولیاء کرامؒ اپنے لئے ابتدائی ایام میں کچھ وظائف کی مدد سے خدا کی یاد کے قیمتی موتی اکٹھے کرتے ہیں اور اس طرح کچھ عرصے کے بعد ان کا قلبی میلان اور رجحان ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ ہمہ وقت خدا کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ کارات کے اکثر حصے میں عبادات میں کثرت کرنا کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ تحریر وظائف یا اوراد کے متعلق تفصیلی گفتگو کی متحمل نہیں۔ اس قسم کے مضامین کافی ضخامت کے ساتھ ہماری کتاب ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت جنیدؒ جب ضعیف ہو گئے تو جوانی کے اوراد میں سے ایک ورد بھی نہ چھوڑا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ عبادات نافلہ ہیں اب انہیں ترک کر دیں۔ فرمایا کہ جو چیز ابتدائی ایام میں مَیں نے اللہ کے فضل سے حاصل کی، یہ محال ہے کہ اب اسے ترک کر دوں۔ یہ عبادت آخر کار بزرگوں کے لئے خوراک بن جاتی ہے جیسے فرشتوں کی غذا عبادت ہے۔ فرشتہ صفت انسانوں کی بھی یہی غذا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک عورت کو دیکھا کہ نماز کی حالت میں بچھو نے اس کو ۴۰ جگہ پر ڈنگ مارا لیکن اس نے نماز ترک نہ کی کیونکہ وہ اللہ کے کام میں اپنا کام کرنا مناسب نہ سمجھتی تھی۔

باب نمبر ۷

طلب سچی ہو تو ہدایت کی راہ ضرور ملتی ہے

(اس بات کی وضاحت کہ طالب کو صحیح راہ کیسے ملتی ہے)

عموماً لوگوں کی نیت سچی نہیں ہوتی

معترض کبھی اس بات کو نہیں مانتا جس پر وہ ڈٹ گیا ہو۔ اس کا ڈٹ جانا ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہو، اس کے والدین کی غلط راہ پر چلنے کی سخت ہدایات کے باعث ہو یا کسی ایسے استاد کی شاگردی سے ہو جس کے ارادوں میں غلط باتوں کی پختگی آ گئی ہو یا جس کی شخصیت سے معترض انتہائی درجہ متاثر ہو چکا ہو۔ ایسے شخص کو ہم متعصب یا آمادہ بہ ضد کہیں گے۔ وہ اپنی آزادیٔ افکار سے کبھی نہیں سوچتا بلکہ اس کی قسمت میں منفی راہنمائی اثر کر چکی ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو (اِلّا ماشاءاللہ) کوئی بھی آمادہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تو مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر کا مجسمہ بن چکا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ، وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (الانعام: ۱۲۵)

جس (خوش قسمت) کیلئے اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اسے ہدایت دے تو اللہ تعالیٰ اس کا سینہ اسلام کیلئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس (بدنصیب) کیلئے اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے تو اسکے سینے کو بہت تنگ کر دیتا ہے، گویا کہ وہ زبردستی آسمان کی طرف چڑھ رہا ہے۔

اگر چہ یہ آیت اسلام کے قبول نہ کرنے والوں کے لئے ہے مگر صحیح اسلام کو تسلیم نہ کرنے والے اور

اپنی ضد پر قائم رہنے والوں کا بھی اس سے تعلق ہے کہ وہ اسلام کی اصلی صورت کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ (اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو کیا وہ مسلمان کہلا سکتا ہے؟ جو رسول اللہ ﷺ کی عزت اور توقیر کا قائل نہیں اس کے اسلام کو آپ کیا کہیں گے؟) لوگ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جس سے ایک عام مسلمان کو بھی شرم آجاتی ہے اور ایسی غلط باتیں کہنے والے خود کو بہت پکا مسلمان بھی سمجھتے ہیں۔ یہاں مثالیں اس لئے نہیں دی جارہی ہیں کہ یہ بیان مباحثہ میں تبدیل ہو جائے گا اور یہ تحریر تو حقیقتاً ایسے لوگوں کے لئے لکھی جارہی ہیں جو ابھی ہٹ دھرمی کی حد تک نہیں پہنچے اور صحیح راستہ ڈھونڈنے کی تلاش میں ہیں۔ یہی لوگ خلوص نیت اور سچی طلب والے ہیں۔

خلوصِ نیت سے کیا مراد ہے؟ اس کی ایک مثال

خلوص نیت یا سچی نیت یہ ہے کہ انسان کسی سے تعصب کی حد تک متاثر ہو کر اس عقیدے پر رک نہ گیا ہو۔ اپنی طلب میں سچا وہ شخص ہے جو چاہتا ہو کہ مجھے صحیح راستہ مل جائے اگرچہ اس کے ماں، باپ اور استاد کسی بھی عقیدے کے حامی ہوں۔ جو شخص اللہ کو راضی کرنے کا طریقہ ڈھونڈنا چاہتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے متعصب دوست یا رشتے دار کے تعصب کی ذرہ برابر پرواہ نہ کرے۔

مثال:۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی داستان تو بہت طویل ہے مگر اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سمجھ لیں کہ وہ ایران کے شاہی خاندان کے فرد تھے اور ان کا خاندان آتش پرست (آگ کی پوجا کرنیوالا) تھا انہوں نے اپنے مذہبی راہنماؤں سے پوچھا کہ مجھے بتاؤ کہ خدا کیا ہے؟ انہوں نے یہی کہا کہ آگ خدا ہے۔ فرمایا یہ خدا کیسے ہوسکتی ہے، اس پر پانی ڈال دو تو یہ بجھ جاتی ہے۔ بہت سے دیگر مذہبی راہنماؤں سے بات چیت کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں روم کے پوپ کے پاس بھیج دیا گیا۔ ان کی گفتگو سے پوپ سمجھ گیا کہ یہ طالب صادق ہے۔ اس نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ فلاں وقت مکہ میں اللہ کے ایک رسول ﷺ مبعوث ہوں گے اور وہ ہی آپ رضی اللہ عنہ کی راہنمائی کر سکیں گے۔ چنانچہ ان کو ایک قافلے کے ساتھ مکہ روانہ کر دیا گیا اور پوپ نے حضور ﷺ کی تین نشانیاں بیان کیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کو معراج حاصل ہوگی مگر اس کے باوجود وہ بوڑھوں کا بوجھ خود اٹھائیں گے۔ دوسری بات یہ کہ وہ صدقہ قبول نہیں کریں گے بلکہ ہدیہ قبول کرلیں گے۔ تیسری نشانی یہ ہوگی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے سینوں پر مہر نبوت جلی حروف میں ابھری ہوئی نظر آتی رہی ہے مگر آپ ﷺ

چونکہ آخری نبی ہوں گے اس لئے آپ ﷺ کی مہر نبوت کمر شریف پر ہوگی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قافلہ یہودیوں نے لوٹ لیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو یہودی تہوار یعنی نوروز کے موقعہ پر قربانی کا بکرا بنانے کے لئے تجویز کیا گیا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت تھے مگر جس چودھری کے گھر کے کمرے میں آپ رضی اللہ عنہ بند کئے گئے تھے اس کی لڑکی ان پر عاشق ہوگئی اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتادیا کہ فلاں روز تمہیں ذبح کیا جائے گا لہٰذا تم اپنی جان بچا کر بھاگ جاؤ۔ اس لڑکی نے آپ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور دوسرے دن ہی صبح گھوڑ سوار آپ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ہر طرف کو ہولئے مگر آپ رضی اللہ عنہ نے خدا سے مدد طلب کی اور دعا کی "یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ" (اے (اللہ) جو دلوں اور آنکھوں کو پھیر دینے والا ہے) چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کو کوئی شخص نہ دیکھ سکا اور چھپ کر راتوں کو سفر کرتے ہوئے مکہ معظّمہ کے قریب پکڑ لئے گئے اور غلام بنا کر بیچ دیئے گئے۔ ایک یہودی نے خرید کر انہیں باغ کا مالی بنالیا اور روٹی کپڑا کے عوض آپ رضی اللہ عنہ نے نو سال خدمت انجام دی۔

جب حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو معراج کے بعد آپ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تینوں نشانیاں دیکھنے کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مولانائے رومؒ نے مثنوی میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے یہودی کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور بہت زیادہ سونے کے عوض آپ کو خرید لیا۔ اس یہودی نے کہا کہ تم نے معمولی شخص کے لئے اتنا سونا دے دیا ہے۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ نے کیسی عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں اس کی قدر و قیمت کا علم نہیں۔ ان کا مول تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ یہودی یہ باتیں سن کر بدل گیا اور کہا کہ ان کو اس وقت آزاد کروں گا کہ مطلوبہ سونے کی مقدار فراہم کرنے کے باوجود سلمان فارسی ایک سو کھجور کے درخت لگائے اور جب اس درخت کو کھجوریں لگنی شروع ہو جائیں گی تو اس وقت ان کو آزاد کیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے اس یہودی کی یہ شرط بھی قبول فرمالی اور دوسرے روز ایک سو کھجوروں کی پنیری لے کر گئے اور اس کے باغ میں ایک سو درخت لگا دیئے گئے۔ جن پر اگلے سال ہی کھجوریں لگنا شروع ہوگئیں۔ اس طرح حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو آزاد کروالیا گیا۔ وہ باغ جہاں یہ کھجوریں لگائی گئیں ہیں آج بھی مکہ معظّمہ میں محفوظ حالت میں موجود ہے اور راقم الحروف نے اس جگہ کی زیارت بھی کی ہے۔

اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود یہودیوں کی قید میں رہے۔ وہاں آپ رضی اللہ عنہ کو روزانہ پندرہ کوڑے لگائے جاتے اور پھر غلام ہو کر ایک

اور یہودی کے پاس فروخت ہوئے اور یہاں نو سال اس کی خدمت میں رہے اور پھر اسلام قبول کیا۔ یہ تھی آپ ﷺ کی سچی طلب۔ (ابھی اس قصے کو بہت کوتاہ کر دیا گیا ہے ورنہ آپ ﷺ کی راہ میں آنے والی مشکلات اس سے بھی زیادہ تھیں) کیا آج کوئی شخص ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے دین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس قدر مشکلات میں گرفتار ہو کر سچائی کی طلب میں مصائب برداشت کرے؟

قارئین کی اطلاع کے لئے یہ عرض کی جاتی ہے کہ حضرت سلمان فارسی ﷺ کے ساتھ ہی یہ معاملات پیش نہیں آئے بلکہ حضور ﷺ کے بہت سے دیگر صحابہ کرام ﷺ نے ایسی سچی طلب کے لئے جانیں بھی دے دیں۔ ان میں حضرت بلال ﷺ کا اسلام کی خاطر تکالیف اٹھانے کا قصہ تو سب نے ہی مڈل اسکول کی کتابوں میں مطالعہ کیا ہوگا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی تلاش کرنے کا لوگوں کو سبق دیا اور آپ نے پہلے ستاروں، چاند اور سورج کو خدا تسلیم کرنے کی نفی کی اور پھر آپ نے لوگوں کو ایک خدا کو ماننے کا اعلان کیا۔ قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ چاند اور سورج وغیرہ سب غروب ہو جاتے ہیں تو پھر ان سب کا "لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" (یعنی میں ڈوب جانے والوں کو خدا تسلیم نہیں کرتا) کہہ کر تمام خداؤں کی نفی کی۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

علم مسلم کامل از سوز دل است ‌ ‌ معنی اسلام ترک آفل است

(مومن کا دل سوز دل سے کامل ہوتا ہے، اسلام کے معنیٰ یہ ہیں کہ ڈوبنے والوں کو ترک کر دیا جائے)

چوں زبند آفل ابراھیمؑ رُست ‌ ‌ درمیان شعلہ ھانیکو نشست

(ار:۶۸)

(جب ابراہیم علیہ السلام ڈوب جانے والوں کے چکر سے چھٹ گئے تو شعلوں میں بھی آرام سے بیٹھے رہے)

نیت کی درستی رنگ لاتی ہے

جن بزرگوں اور صلحائے امتؒ نے دین کی خدمت دنیاوی اغراض سے بالاتر ہو کر انجام دی، ان کا نام رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ اگرچہ ابولہب کا نام بھی زبانوں پر آتا ہے لیکن اس کا نام برے معنوں اور ناپسندیدہ مثالوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ مرنے کے بعد اب بھی مشہور ہیں لیکن ان کو اولیائے اُمت تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مہاتما گاندھی اور دیگر کچھ لوگ بھی بہت مشہور ہیں لیکن ان کے نام امام غزالیؒ اور قائداعظمؒ جیسے لوگوں کے ہم وزن نہیں۔ علامہ اقبالؒ کا نام بھی اپنی خدمات اور نیک نیتی

کے باعث ابھی تک زندہ ہے۔ ان کے نام پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور انکے نام پر بہت سے اسکول اور یونیورسٹیاں ملک میں اور ملک کے باہر کام کر رہی ہیں۔ کوئی امیر، وزیر اور کبیر جب تک کرسی پر رہتا ہے ان کی آؤ بھگت رہتی ہے مگر کچھ عرصے کے بعد ان کے نام مٹ جاتے ہیں۔ سکندر حیات کی قبر شاہی مسجد میں سیاست کی بنا پر بنی مگر وہاں کوئی شخص حاضری کے لئے نہیں جاتا البتہ حضرت داتا گنج بخشؒ، معین الدین چشتیؒ اور علامہ اقبالؒ وغیرہ کی قبریں زندہ ہیں، جہاں دن رات زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ ان کی قبروں کا زندہ ہونا ان کی سچی نیت کے ثمرات ہیں اور اللہ کا وعدہ ہر خدمت گزار کے لئے ہے مگر جو لوگ اپنی شہرت کے لئے دنیا میں فساد پیدا کرتے ہیں ان کو آخرت میں بھی عذاب ہوتا ہے اور دنیا میں سوائے چند لوگوں کے ان کی عزت نہیں کرتے۔ آخر کار یہ ماننا ہوگا کہ مُفسدینِ اُمت کے لئے نہ تو دنیا میں عزت ہے اور نہ ہی آخرت میں کیونکہ وہ جان بوجھ کر عمر بھر تفرقہ آرائی میں غرق رہے۔ صحیح اعتقادات والے اس زمرہ میں شامل نہیں۔

صحیح راستہ تلاش کرنے کے لئے ایک ٹانگ اُٹھانے کی مثال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ حضرت یہ فرمائیں کہ قدر (جس کام پر ہم قدرت رکھتے ہیں) اور جبر (جس کام کے لئے ہم مجبور ہیں) کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اٹھ کر کھڑا ہو جا۔ وہ کھڑا ہو گیا پھر فرمایا کہ ایک ٹانگ اٹھا لو۔ اس نے ایک ٹانگ اٹھا لی۔ پھر فرمایا کہ دوسری ٹانگ بھی اٹھا لے۔ کہنے لگا کہ اس کا اٹھانا ممکن نہیں۔ فرمایا پہلی ٹانگ کا اٹھانا قدر (یعنی تیری طاقت میں تھا) اور دوسری ٹانگ نہ اٹھا سکنا جبر (یعنی جس کے نہ اٹھانے پر تو قاصر) ہے۔ اس روایت کو ہم نے بہت پہلے سنا مگر معاملہ حل نہ ہو سکا۔ بہت تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ قدر وہ چیز ہے کہ جس کے لئے انسان صحیح سمت میں معاملات کے لیے کوشش کرے تو اس کو حاصل کر سکتا ہے مگر جبر انسان کے بس سے باہر کی بات ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف قدر کے متعلق سوال کرے گا اور جبر کے لئے انسان کو معذور تصور کیا جائے گا (بشرطیکہ یہ کام ماموراتِ اسلام کا نہ ہو کیونکہ ایسے کاموں کے لئے انسان مکلف ہے اور قدرت دیا گیا ہے۔ شریعت کے کاموں میں کوئی مفر مکر نہیں چل سکتا تاوقتیکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو) راقم الحروف نے اس ٹانگ اٹھانے والی بات پر بہت سوچ و بچار کیا اور آخر اس انجام کو پہنچا کہ انسان کے ذمے حسب ذیل واجبات ہیں۔

(۱) کسی کام کو دیکھنے اور کرنے کے لئے پہلے تو اس کا جواز تلاش کرے پھر اس پر عمل کرنے کے لئے کوشش کرے۔ مثال کے طور پر یہ دیکھنا کہ مذاہب میں سے مسلمان کا مذہب درست ہے یا سکھ، عیسائی، یہودی، پرویزی، مرزائی وغیرہ کا مذہب درست ہے۔ یہاں عقل سلیم سے کام لے تو معلوم ہو جائے گا کہ تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام ہی دینِ فطرت ہے اور اس کے علاوہ کسی بھی دین کو ہم دین الٰہی کہہ نہیں سکتے کیونکہ اس کی پہچان واضح ہے۔ ڈاکٹر بوکائیل ماضی قریب کے زمانے کا ایک سائنسدان تھا جس کو فرعون کی ممی کی بیماریاں جو اس میں پیدا ہو چکی تھیں دور کرنے کے لئے متعین کیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ قرآن میں فرعون کی لاش کو محفوظ کرنے کا ذکر ہے چنانچہ اس نے عربی سیکھی، قرآن پڑھا، غور کیا تو ایک کتاب لکھی جس کا نام اس نے ''بائبل، قرآن اور سائنس رکھا'' اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ قرآن نے میڈیکل سائنس، پودوں اور نباتات کے متعلق جو انکشافات چودہ سو سال پہلے کئے تھے اسے آج کی سائنس تسلیم کرتی ہے جب کہ بائبل میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ انگریز کے دماغ میں اگر کسی بات کی حقانیت نظر آ جائے تو وہ اس کو قبول کرنے میں قطعاً کوئی تامل نہیں کرے گا اور اسے فوراً تسلیم کر لے گا مگر ڈھیٹ قسم کے مسلمان کو اگر کوئی کہہ دے کہ فلاں کام ترک کر دو جس پر مسلمان قوم کا اجماع ہے اور حقیقتاً ایک متروک سنت ہے تو وہ کہے گا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہوں مگر یہ کام ترک نہیں کروں گا (ایسے شخصوں سے اگر پالا پڑے تو ان کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے) چنانچہ جب دلائل اور حقائق کے مطالعہ سے ایک چیز کی حقانیت معلوم ہو جائے تو اسے تسلیم کر لینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ ایسے بندے کی مثال ایسی ہے کہ جس نے گویا اپنی ٹانگ اٹھائی یعنی اس نے کسی مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کی تو سمجھو کہ اللہ نے اس کی راہنمائی کر دی۔

(۲) دوسری بات یوں ہے کہ ایک کم نظر اور کم حوصلہ شخص اسلام کی حقانیت کو سمجھ نہیں سکتا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوشش کے باوجود صدق دل سے اس بات کو اللہ پر چھوڑ دے اور بار بار دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں اسکی راہنمائی کرے اور جو صحیح راستہ ہے اس پر اس کے دل و دماغ کو کشادہ کر دے۔ راقم الحروف کا تجربہ ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی ضرور راہنمائی کر دیتا ہے خواہ اس کو کچھ دیر ہی کیوں نہ لگے اور اگر اس کی موت پہلے مذہب (کفر) پر آ جائے تو اس کو اللہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا اور اس کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔ (جو توبہ کے راستے پر نکل پڑا تو اس کا شمار توبہ کرنے

والوں میں ہوگا (دیکھئے سورہ النساء آیت نمبر ۷۰)

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ بندہ یہ کہے کہ میرے باپ دادا ہندو ہیں اور وہ صحیح راستے پر ہیں لہٰذا ہمیں غور کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ وہ اس بات پر مطمئن ہے کہ ہمارا دین صحیح ہے کسی سوچ و بچار کی ضرورت نہیں، تو ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ مدد نہیں فرمائے گا بلکہ اس کے لیے یہ حکم ہوگا کہ جاؤ جہنم میں، ہمیں تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ عربی اقوال میں سے ہے کہ (اَلرَّاضِیُ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ) (جو اپنے نقصان پر راضی ہے تو اس کا مستحق نہیں کہ اس پر کوئی کرم کی نظر کی جائے) ایسے شخص کو ہدایت نہیں دی جاتی اور وہ کفر پر ہی مرجاتا ہے (یعنی اس نے وہ ٹانگ نہیں اٹھائی جو وہ اٹھا سکتا تھا چنانچہ محروم رہا)۔

(۴) ٹانگ اٹھانے والی چوتھی بات کو سمجھنا اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ جب یہ دیکھتا ہے کہ اس کی نیت درست ہے تو اس کی نیت کے برابر اجر دے کر اسے اسلام کی راہ دکھا دیتا ہے اور جو اس طرف آنا ہی نہیں چاہتا اس کا انجام ہدایت پر نہیں ہوتا۔

اگر آپ بہ نظرِ غور دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی درگاہ سے دھتکارنا نہیں چاہتا لیکن جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس بندے نے صحیح راہ تلاش کرنے کی تمنا ہی نہیں کی اور اس نے ہماری بارگاہ میں اس معاملے میں دعا ہی نہیں کی تو ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ پیچیدہ معاملات کے متعلق کچھ نہیں سمجھ سکتے تو کم از کم نیت کی درستی کے ساتھ انہیں اللہ کے کرم اور مدد کیلئے دعا اور خواہش تو کرنا چاہیے۔ یہی خواہش کرنا اس کے ٹانگ اٹھانے کے عمل کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان کے متعلق خواہش بھی نہ کرے تو اس کو اگر ایمان کی دولت نہ مل سکے تو یہ اللہ کی طرف سے کوئی زیادتی یا ظلم نہیں کہ وہ کفر پر ہی مرجائے۔ اس کو واقعتاً جہنم میں جانا چاہیے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَمَا یُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِیْنَ" (وہ اس سے فاسق لوگوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا) (البقرہ:۲۶)

(۵) اوپر بیان کی گئی مثال تو صرف کفر اور اسلام کے متعلق تھی۔ اسی طرح بندے کا عام مسائل کے لئے فکر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہنا کہ اسلام میں طریقت درست ہے یا غلط یا یہ کہنا کہ موجودہ اسلامی فرقوں میں سے کون سا فرقہ صحیح ہے۔ اگر انسان اس طرح کوشش کرے جو اوپر بیان کی گئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ صحیح راستہ نہ مل سکے اور جو یہ کوشش نہ کرے تو اس نے ٹانگ اٹھانے والا کام کیا

ہی نہیں چنانچہ محروم رہا۔

راقم الحروف کی ایک سفر میں ایک امریکہ میں رہنے والے پاکستانی سے ملاقات ہوئی۔ راقم الحروف اس سفر کے دوران اپنی کتابوں پر کام کر رہا تھا اور وہ شخص بڑے غور سے کتابوں کی طرف نظر جمائے ہوئے تھا۔ بالآخر اس نے گفتگو شروع کی جس میں غلط عقائد کی بو آ رہی تھی۔ راقم الحروف نے اسے کہا کہ تم یا تو فلاں یا فلاں فرقے سے تعلق رکھتے ہو لیکن حق بات کو ظاہر کرنے کے لیے وہ مان گیا۔ اس حقیقت کے انکشاف پر راقم الحروف کو اس کے ساتھ گفتگو کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کی راہنمائی کر دی گئی اور جو اوپر بیان ہوا ہے سمجھا دیا گیا، مگر اس نے ان باتوں کو بھی نہ مانا اور غلط گفتگو کرنے لگا بالکل اس طرح جیسے ڈھیٹ یا ضدی انسان بحث کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا گیا کیونکہ اس کی قسمت میں ٹانگ اٹھانے کا جذبہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

اگر اس راز کو ابو جہل سمجھ جاتا تو اس کی حالت ہی کچھ اور ہوتی مگر مشیّتِ الٰہی یہ ہے کہ وہ زبردستی کسی پر کوئی مذہب یا عقیدہ ٹھونس نہیں دیتا۔ جس کو اتنی خواہش بھی نہیں کہ وہ معاملے پر غور کرے اور خدا کے سامنے اپنی التجا پیش کرے تو وہ رحم کا حقدار نہیں۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں ۔

رب انہاں نوں ملدا باھُو

نیتاں جنہاں دیاں سچیاں ھُو

راقم الحروف کی توحید اور شرک پر اپنی تحقیق

توحید کی بات جہاں تک سمجھ میں آتی ہے اس کا مطلب ایک خدا یعنی وحدت کا تاثر پایا جانا ہے۔ وحدت کو ہم انگریزی زبان میں UNITY کہیں گے اور اس کے برعکس عیسائیوں کا عقیدہ TRINITY یعنی تین خداؤں کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی منشاء توحید سے مراد یہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ اس کا دین بھی ایک ہے (یعنی اسلام) اور اس نے اپنے کلام کو بھی لاتعداد ہونے کے باوجود ایک ہی سانچہ کی شکل میں رکھا ہے یعنی قرآن (یہی وہ کلام ہے جو تاقیامت بدلا نہیں جائے گا) اس دنیا میں بہت سے گھر اللہ کے نام سے منسوب ہیں لیکن بیت اللہ کی شکل ایک ہی مخصوص گھر کا نمونہ بنا کر رکھا گیا۔ مسجدیں بہت ہیں مگر محبوب ترین مسجد خانہ کعبہ اور مسجد نبوی ﷺ

ہیں ۔شہر بہت ہیں مگر محبوب ترین شہر مکہ کو قرار دیا۔ زبانیں بہت سی ہیں لیکن ان سب کو لفظ عجم سے تعبیر کیا۔ گویا اور زبانیں تو ہیں مگر یہ لوگ زبانیں رکھتے ہوئے بھی بے زبان اور گونگے ہیں ۔عربی زبان کو درجہ اس لئے ملا کہ یہ قرآن کی زبان ہے، آخرت کی زبان ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی زبان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ زبان اس قدر پسند ہے کہ عرب والوں کی بھی یہی زبان ہے اور جنت والوں کی بھی یہی زبان ہے۔ فرشتے بھی اسی زبان کو بولتے ہیں لہٰذا یہ زبان منفرد اور ایک ہی ہے۔ اسی منفرد انداز کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ مسلمان بھی ایک ہی ہو جائیں اور ان کا طریقہ زندگی، انداز بیاں، انداز گفتگو، کردار اور شعار بھی ایک ہی سانچے میں ڈھل جائیں ۔اس معیار کو قائم رکھنے کے لیے اس نے زندگی کا ایک نمونہ سب کے لئے متعین کر دیا اور وہ ہے رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ۔ توحید کا منشاء یہی ہے کہ سب ایک ہی رنگ میں ڈھل جائیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(ب د:۲۰۲)

مگر افسوس کہ مسلمان نئے انداز میں ڈھل گئے ، نئے فرقے تخلیق کر لئے اور اسلام کے تمام اصولوں کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر شیطانی رخنہ اندازیوں کے ساتھ سمجھوتا کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں اور اس طرح دنیا بھر میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں ۔علامہ اقبالؒ نے قرآن کی بہت سی آیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ بالا اشعار کے ذریعے مسلمانوں کو توحید کے معنوں سے آشنا کیا۔ قرآن نے اس بات کی تصدیق بہت سی آیتوں سے کی ہے کہ مسلمان یکجا اور یک گام ہو جائیں۔ اگر آیتوں کا شمار کیا جائے تو مضمون طویل ہو جائے گا۔ درج ذیل چار آیات پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔

(۱) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:۱۰۳) اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقہ نہ ڈالو۔

(۲) وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال:۴۶)　آپس میں نہ جھگڑو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

(۳) كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ (النساء:۱۳۵)　انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ۔

(۴) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا (النساء:۱۰۶)　(اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے (بھی) آؤ)

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام ؓ کا شعار بھی ایک ہی تھا یعنی اسلامی لشکر کے جرنیل جس کام کو کرتے پورا لشکر اسی رنگ میں رنگا جاتا۔ کردار کا معیار سب کا ایک ہی تھا۔ سوچ بھی سب کی ایک ہی تھی گویا ہر شخص پر اُسوۂ حسنہ کی مہر چسپاں تھی۔ اس اعتبار سے علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ کبھی زمانے میں توحید کی مذکورہ قوت زندہ تھی اور آج توحید کیا ہے کہ لوگوں کے قیل وقال اور علم الکلام کا ایک ڈھونگ رہ گیا ہے اور تمام دنیا کو شرک اور کفر کے فتووں سے لتاڑ دیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر مطلوبہ توحید کی روشنی سے ہمارے کردار اور افکار کی ظلمت ختم نہ ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عالم اسلام خود اپنے مقام سے بھی آگاہ نہیں۔ اس حال میں توحید کی حقیقت ایک مخفی راز کی طرح قرآن اور کتابوں میں دبی پڑی ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونے والا کوئی نہیں۔ اس کے بعد علامہؒ نے ایک بہت مزے کی بات لکھی ہے (جس کو راقم الحروف نے اس مضمون میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے) کہ اس بات پر افسوس ہے کہ ہمارے مُلا اور فقیہہ اس راز سے واقف نہیں کہ وحدتِ افکار (Unity of thought) جس کو پہلے بیان کیا گیا ہے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وحدتِ کردار (Unity of Action) نہ ہو یعنی جب تک اسلام کے مقصد توحید کی اصل ضروریات کو سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا جائے تو یہ ہرگز توحید نہ کہلائے گی۔ افسوس ہے کہ ہمارے کچھ علماء اس بات کا احساس نہیں کرتے کہ توحید کیا ہے اور معمولی سی بات کو توحید کے خلاف سمجھ کر فتویٰ ٹھونک دیتے ہیں۔ توحید کو سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل کام ہے کیونکہ اس میں خود کو اور پوری قوم کو اس توحید کی سطح پر لانا علماء اور امراء کا کام ہے جو ابتدائی مراحل کی حد تک بھی نہیں سمجھائی گئی ہے۔ علامہؒ نے انہی خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے ۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی — آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علمِ کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو — خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
آہ اس راز سے واقف ہے نہ مُلا نہ فقیہہ — وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام
(ض ک: ۴۸۷)

قرآن کی سورۂ اخلاص میں جو فرمایا گیا ہے کہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" (آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے)۔اس کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ سب مسلمان ایک ہی خیال پر مجتمع ہو جائیں جو ایک سوچے دوسرا اسے دیکھے اور پرکھے۔قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے رنگ میں رنگے جاؤ۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ:۱۳۸) — (ہم پر) اللہ کا رنگ چڑھا اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ کے رنگ سے۔

اسلام میں وحدت کے تصور سے صرف یہ بات ہی متصور نہیں کہ مسلمان ایک خدا کی پوجا کریں اسی کو مانیں بلکہ اس کے علاوہ وحدتِ خیال، وحدتِ فکر، وحدتِ کردار اور وحدتِ نظریات کا بھی توحید میں بہت بڑا حصہ ہے۔مسلمانوں کے عمل اور سوچ میں اگر اختلاف وافتراق ہو تو وہ یگانگت اور مماثلت سے خارج اور تفرقہ یا نفاق کا شکار ہو جائیں گے۔قرونِ اولیٰ کے مسلمان سب ہی ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات خواب دیکھا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد حضور ﷺ مسجد نبوی میں ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے تو ایک عورت نے کھجوروں کا بھرا ہوا ایک ٹوکرہ لا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور آپ ﷺ نے سب کو دو دو کھجوریں تقسیم فرما دیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کھجوریں نوش کیں اور وہ کجھوریں اس قدر لذیذ تھیں کہ میں نے آپ ﷺ سے مزید دو کھجوروں کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب کے حصے میں دو کھجوریں ہی آسکتی ہیں۔حضرت عمر ﷺ جب صبح کو بیدار ہوئے اور فجر کی نماز کے بعد بعینہٖ یہی واقعہ پیش آیا اور مسجدِ نبوی ﷺ میں نماز کے بعد ایک عورت کھجوروں کا ٹوکرہ لائی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب کو دو دو کھجوریں تقسیم فرمائیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کھجوروں کا سوال کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کیا رات کو خواب میں حضور ﷺ نے تمہیں دو سے زیادہ کھجوریں عطا فرمائی تھیں، جواب

تم مجھ سے مزید کھجوروں کا سوال کررہے ہو"۔ یہ تھا انکی وحدتِ فکر کا حال۔ افسوس ہے کہ آج مسلمانوں میں یہ ہم آہنگی مفقود ہوگئی ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں ۔

سرزمین اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے — وصل کیسا؟ یاں تو اک قربِ فراق انگیز ہے
بدلے یک رنگی کے یہ نا آشنائی ہے غضب — ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب
لذت قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں — اختلاطِ موج و ساحل سے گھبراتا ہوں میں

(ب د:۵۲)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جب دنیا کے لوگ آداب بود و باش اور تہذیب انسانیت سے نابلد تھے، اس وقت اسلام نے تمام اہل دنیا کو اخوت، محبت اور خلوص کا سبق سکھایا اور پابند ملت اسلامیہ کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ اگر کوئی قوم ایمان، کمال انسانیت اور اخوت کا ارادہ رکھتی ہے تو اسے اخلاق و کردار مصطفوی ﷺ کو اپنانا ہوگا اور بولہبی کے اصولوں سے دور رہنا ہوگا کیونکہ جو لوگ اس کے بین بین رہنا پسند کرتے ہیں، ان کو سوائے منافقت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ آپؒ نے ضرب کلیم میں امرائے عرب کے عنوان سے لکھا ہے کہ

یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو
وصال مصطفویؐ افتراق بو لہبی

(ض ک:۵۲۵)

مذکورہ بالا حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ یار لوگ توحید کے نام پر سب کچھ کہتے ہیں مگر ان میں توحید کی رمق تک نہیں ملتی اور ذرا ذرا سی بات کو شرک کہہ دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس نافہمی سے محفوظ فرمائے تاکہ مسلمان اوج بلند پر فائز ہوسکیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ طاقت جو شرک کے نام پر مسلمانوں کی باہمی جنگ و جدال میں صرف کی جاتی ہے اسے مسلمانوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے صرف کرنا چاہیے۔ افسوس کا مقام ہے کہ پوری کی پوری قوم (ماسوائے پانچ یا چھ فیصد کے) بے نمازی کے حال میں ہے اور بے دینی میں ڈوبی ہوئی ہے اور ہم شرک کے جھگڑوں میں وقت ضائع کرتے ہیں اگر واقعی تم ان باتوں کو شرک سمجھتے ہو تو پہلے ان کو دین کی راہ پر تو لا کر کھڑا کردو۔ بعد میں یہ باریک باتیں ان کو سمجھائی جائیں۔ راقم الحروف کے

پاس کوئی ملاقاتی آتا ہے تو اسے نماز روزے کی تلقین کی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص سینما دیکھتا ہے لیکن انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ شخص نماز شروع کر دے گا تو خود بخود سینما دیکھنا بھی چھوڑ دے گا۔ طریقہ تعلیم جب تک دل کو نہ بدل سکے تو وہ آپس میں سوائے شرک اور کفر کی لاٹھی چلانے کے اور کیا کرے گا۔

صحیح راستہ حاصل کرنے کا کامل طریقہ

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ صحیح راستہ تلاش کرنے کے لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ بندے کی نیت سچی ہو اور وہ راہ حق کے سوا اپنے آباء واجداد کے تعصب سے متاثر نہ ہو۔ ہر فرقے اور ہر مسئلہ کا حل انسان کے سامنے فوراً آ جاتا ہے بشرطیکہ اس پر کسی کا دباؤ نہ ہو۔ وہ غور وفکر کرے تو اس کے بعد اسے کوئی نہ کوئی راہ نظر آ جائے گی۔ پھر اس عقیدے کو وہ استدلال کے ذریعے زیر تحقیق لائے۔

راقم الحروف نے توحید اور شرک پر ایک تحقیق پر مبنی مضمون اس کتاب میں ہی ایک الگ مضمون کی حیثیت سے بیان کر دیا ہے جس میں چند ایک نکات دیئے گئے ہیں اور ان کے مطالعہ کے بعد صحیح رائے کا حل آسانی سے ہاتھ آ جاتا ہے بشرطیکہ تعصب سے کام نہ لیا جائے۔ مذہب کے عقائد کے معاملات اپنے دماغ سے سوچ و بچار کی مدد سے کئے جائیں تو ضمیر کی آواز پکار پکار کر صحیح راستے کا تعین کر دے گی۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

(ب ج: ۳۲۵)

آج تک مسلمانوں کے عقائد میں جو رخنہ اندازی کی گئی ہے وہ دوسرے مذاہب یا فرقوں کے افراد کے قائم کردہ غلط تاثرات سے وجود میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آئینہ دل ایک ایسا آئینہ بنایا ہے جس کی مدد سے سب معاملے حل ہو جاتے ہیں لیکن عام آدمی کا یہ آئینہ ذکر وفکر اور عبادات کی کمی کی وجہ سے کام نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں کوشش جاری رکھی جائے اور اللہ سے ہدایت کی دعا کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا کرتا ہے جو اپنی کوشش کو پورے انہماک سے جاری رکھیں اور اس کی طرف متوجہ رہیں۔ کبھی نہ کبھی تو پردہ اٹھ ہی جائے گا۔

باب نمبر ۸

اولیائے کرام کے حقیقی مقامات کا اندازہ

قارئین کو شاید اس بات کا بخوبی علم ہوگا کہ کسی ولی کا مقام معلوم کرنا تو بڑی بات ہے عام لوگ تو بزرگوں کی روحانی اور حقیقی شکلوں کو دیکھنے کی بھی تاب نہیں لا سکتے۔ اس بات کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ ''تفسیر مظہری'' میں فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے آج تک کسی فرشتے کو اس کی اصل شکل میں نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی انسان کی اتنی طاقت ہے کہ کسی فرشتے کو دیکھ سکے اور اگر دیکھے تو مر جائے۔ فرشتے تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس انسانی شکل میں آئے سوائے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ اپنی اصلی شکل میں دیکھا ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور فرشتوں کو ظاہری اور باطنی صورتیں عطا کی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل صورت کو کسی نے نہیں دیکھا

مفتی احمد یار خان نعیمیؒ ''تفسیر نعیمی'' میں لکھتے ہیں کہ فقیر کا یہ خیال ہے کہ (جب کسی فرشتے کی اصل شکل کو کوئی دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی اور نورانی صورت بھی کوئی انسان نہیں دیکھ سکتا (راقم الحروف نے اس بحث کو مزید تفصیل کے ساتھ اپنی تصنیف ''اسلام اور روحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں بیان کیا ہے) بنابریں جب ایک فرشتے کی اصل شکل ہر خاص و عام نہیں دیکھ سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیقی اور حقیقی رفعتوں کو کون پہچان سکے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے صدیق! تمہارے نبی کے مقام کو خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بحث کی گنجائش نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کے متعلق کوئی یہ کہہ سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تھے؟ کچھ کم عقل لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے متعلق بحث کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تھے یا نور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فلاں چیز کا علم تھا یا نہیں تھا۔

مرزا غالب نے اپنے ایک شعر میں کس قدر عقلمندی کی بات کہی ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

غالب ثنائے خواجه به یزداں گزاشتیم کآں ذات پاك مرتبه دان محمدؐ است

(غالب ہم حضور ﷺ کی ثنا کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں کیونکہ وہی ذات آپ ﷺ کے مرتبے سے واقفیت رکھتی ہے)

مولانا رومیؒ نے ایک شعر میں تمام جھگڑے کو ختم کر دیا کہ لوگ جبرائیل علیہ السلام کو تو نوری کہتے ہیں لیکن حضور ﷺ ایک ایسے بشر تھے جن میں ہزاروں جبرائیل علیہ السلام سما سکتے ہیں۔

اے ہزاراں جبرائیلؑ اندر بشر بہرِ حق سوئے غریباں یک نظر

(اے حضور ﷺ آپ وہ بشر ہیں کہ جس میں ہزاروں جبرائیل علیہ السلام سما جائیں۔ خدا کے لئے ہماری طرف ایک نظر فرمائیں)

حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

(ب ج:۳۱۹)

(اس سلسلہ میں علامہ اقبالؒ کے مزید اشعار کو ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' میں شامل کیا ہے)

صوفیائے کرام کا یہ خیال ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ اپنی اصلی اور نوری شکل میں تھے اور معراج کو اسی لئے خفیہ رکھا گیا ہے کہ اس شکل کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔

اولیائے کرامؒ کی بدلتی ہوئی تجلّیات

جب حسن جلوہ افروز ہوتا ہے تو اپنی تجلیات چاروں طرف بکھیرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہر روز اور ہر لحہ مختلف انداز سے وارد ہوتی ہیں اور اس کی تجلیات خاص کو تو کوئی عام شخص برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ اس کی تجلیات زمین پر ستر ہزار پردوں سے چھن کر آتی ہیں تو کیا کوئی انسان ان تجلیات کو برداشت کر سکتا ہے اور اگر اس کی تجلیات کے درمیان سے ایک پردہ بھی کم ہو جائے تو دنیا میں کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی اور ان کی تاب نہ لاتے ہوئے ہر شئے جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے۔ اسی طرح اللہ کے خاص بندوں اور پیغمبروں کی تجلیات بھی بدلتی رہتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے مستفید ہوتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَفِيْ شَاْنٍ'' (ہر روز وہ ایک نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے) (سورۃ الرحمٰن:۲۹)۔

منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی مختلف تجلیاں تھیں اور ہر وقت ان میں تغیر و تبدل آتا رہتا تھا، مثلاً چاہِ کنعان میں پھینکنے کے وقت، قافلہ والوں کے نو درہم میں آپ علیہ السلام کو خریدنے کے وقت، مصر میں لاکھوں دراہم میں بیچے جانے کے وقت، مصری عورتوں کے دیکھنے کے وقت (جب انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں)، قحط مصر کے وقت (جب بھوکے مصری آپ علیہ السلام کو دیکھ لیتے تو ان کو دو ماہ تک کوئی بھوک اور پیاس نہ رہتی) غرضیکہ ہر آن آپ علیہ السلام کی تجلیات میں فرق ہوتا۔ منقول ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے زنانِ مصر کے سامنے اپنا رخِ انور ظاہر کیا تو وہ آپ علیہ السلام کے اس خاص جمال کی تاب نہ لاسکیں اور بے خود ہوکر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ کا پرتو بھی مخلوق پر اپنا اثر رکھتا ہے چنانچہ کائنات کی مختلف اشیاء مختلف وقتوں میں مختلف شان رکھتی ہیں۔ سورج کو دیکھئے صبح ضحیٰ، دوپہر، شام، بوقت غروب اور مختلف موسموں میں مختلف جلوے پیش کرتا ہے۔

سائنسدان کہتے ہیں کہ کچھ تجلیات ایسی ہیں کہ جو نظر آجاتی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کو کوئی خاص نظریں ہی دیکھ سکتی ہیں۔ اگر سائنس کے نظریہ سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ انسانی آنکھ صرف ایک خاص قسم کی Wave Length (لہروں کی لمبائی) کو ہی دیکھ سکتی ہیں۔ کچھ جانور (مثلاً بلی اور چمگادڑ وغیرہ) ایسی روشنی کو بھی دیکھ سکتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے۔ کچھ مخصوص آلات ایسے ہیں (مثلاً کیمرہ اور خاص سکرینیں) جو مخصوص روشنیوں کو محسوس کر سکتے ہیں۔ کچھ ایسی روشنیاں ہیں جو بہت طاقتور آلات سے بھی نہیں دیکھی جاسکتیں۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ صفاتی جلوؤں کے انداز ایسے ہیں جن کو ہر انسان اور ہر جانور بھی دیکھ سکتا ہے مگر کچھ انداز ایسے ہیں کہ جن کو عام انبیاء علیہم السلام بھی نہیں دیکھ سکتے۔

تفسیرِ نعیمی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فرش پر جلوہ فگن ہوتے تو ان کی تجلی اور طرح کی ہوتی تھی جن کو مومن و کافر، چھوٹے و بڑے اور خاص و عام لوگ دیکھ سکتے تھے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجلیات کو صرف فرشتے اور انبیاء علیہم السلام ہی دیکھ سکتے تھے۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کی بلندیوں سے آگے گئے تو تجلی اور قسم کی تھی جس کو جبرائیل علیہ السلام بھی نہ دیکھ سکتے تھے اور صرف اللہ رب العزت ہی دیکھ سکتے تھے ان تجلیوں کو جبرائیل علیہ السلام دیکھ لیتے تو فروغ تجلی سے ان کے پر جل جاتے۔ اسی طرح جب ہم خوش ہوتے ہیں تو چہرے کا رنگ اور ہوتا ہے اور جب غصے میں ہوتے ہیں تو چہرے کے تیور بدل جاتے ہیں۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی شکلوں میں زبردست تغیرات ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجلیات بھی بدلتی رہتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد کی حضور ﷺ سے تصدیق کہ آپ ﷺ کی اصلی صورت سوائے اللہ کے کسی نے نہیں دیکھی

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ''انفاس العارفین'' میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ملیح ہوں (ملاحت، یعنی نمکین حُسن جس سے عشاق کا جی نہیں بھرا کرتا) اور میرے بھائی یوسف علیہ السلام صبیح (بے قرار اور مضطرب کر دینے والا حسن رکھتے) تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ یوسف علیہ السلام جب لباسِ فاخرہ پہن کر جلوہ گر ہوتے تو آپ علیہ السلام کے جمال کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگ جاں بحق ہو جاتے لیکن سید المرسلین ﷺ کے متعلق ایسی کوئی روایت نہیں ملتی حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا۔ حضرت شاہ ولیؒ اللہ لکھتے ہیں کہ میرے والد ماجد فرماتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چشمِ حقیقت سے دیکھا اور جب اس نکتے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور کر رکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر میرا حسن ظاہر ہوتا تو ہر شخص وہی کرتا جو یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والے کرتے تھے۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے اثر کا کیا مطلب ہے جو انہوں نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو ایک یا دو بار دیکھا ہے یعنی ان کی استعداد کے مطابق آپ کے جمال کا کچھ حصّہ ان پر ظاہر ہوا ہوگا۔[1]

طریقت کے مقامات خدائے تعالیٰ کی محبت سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں

اگر اولیائے کرامؒ کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنا مقصود ہو تو ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت اور فکر اقبال'' میں مقامات اولیاء کے علاوہ مقام آدم کا مطالعہ فرمائیں جس میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو مقام حضرت آدم علیہ السلام اور عام بزرگوں اور اولیائے کرام کو عطا کیا ہے وہ فرشتوں سے کہیں بلند و بالا ہے ورنہ فرشتوں کے بعد آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کیا جاتا، جیسا کہ قرآن میں بھی فرمایا ہے کہ جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنائے جانے پر اعتراض کیا کہ انسان تو دنیا میں خون ریزیاں کرے

---

[1] انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، جلد ۱، صفحہ ۲۷، مطبوعہ ملتان۔

گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ" (میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) (البقرہ: ۳۰) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا ہے اور مسجود ساجد سے لامحالہ بہتر ہوتا ہے۔ تخلیق آدم علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنوں کو عبادت سے آگے ترقی نہیں دی اور ان کا مرتبہ مقام بندگی سے آگے نہیں بڑھایا اور اسی لئے جو فرشتہ جس درجے پر پیدا ہوتا ہے وہ اسی درجے پر ہمیشہ رہتا ہے جبکہ انسانوں کے درجے مخالفتِ نفس کے باعث روز بروز بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ جب تک وہ مخالفتِ نفس میں قیام کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مقامات کی بلندی نفس کی مخالفت میں رکھی گئی ہے (اس سلسلے میں ہماری تصنیف، ''تہذیبِ نفس'' کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ کتاب تزکیہ نفس کی غرض سے لکھی گئی ہے) علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ فرشتوں اور جنوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا اور نہ ہی کسی کو شرفِ محبوبیت بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو روح اللہ، کلیم اللہ، ذبیح اللہ اور خلیل اللہ علیہم السلام کہہ کر نہیں پکارا۔

مذکورہ بالا گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ مقامات عطا فرمائے تو لازم ہے کہ انسانوں کا امتحان لیا جائے تاکہ وہ اپنے منصبِ انسانیت میں کہاں تک پورا اُترتا ہے۔ ان مقامات کو حاصل کرنے کے لئے انسان کو مجاہدات اور آزمائشوں کے لئے تیار رہنا چاہئے اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے لئے محبت اور عقیدت کا اظہار کرنا چاہیے جو اہل طریقت کا خاصہ ہے۔ حضرات جنیدؒ اور بایزیدؒ کے علاوہ جتنے بھی بزرگ ہو گزرے ہیں ان سب نے ان مجاہدات اور عقیدت کے ذریعے اپنے مقامات حاصل کئے اور اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ جو بھی حضرت بایزیدؒ کی طرح منازلِ سلوک طے کرے گا وہی بایزیدؒ بن سکتا ہے۔

تو مگو اندر جہاں یک بایزیدے بود و بس ہر کہ واصل شد ز جاناں بایزیدؒ دیگر است

(تم یہ نہ کہو کہ دنیا میں صرف ایک ہی بایزیدؒ ہوا ہے جو بھی واصل بحق ہو گیا وہ بھی ایک بایزیدؒ ہے)

مذکورہ گفتگو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی بزرگ یا ولی اللہ کا ظاہری طور پر مقام تو معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے حقیقی مقام کا معلوم کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ"[۱] بھی یہی معنی ظاہر کرتا ہے۔ اب ہم دونوں حضرات جنیدؒ اور بایزیدؒ کے

[۱] فیض القدیر، عبدالرؤف المناوی، حدیث ۲۱۰۷، جلد ۲، صفحہ ۴۱۰، المکتبۃ التجاریہ، مصر، ۱۳۵۶ھ۔

مقامات اور بلندی درجات کے متعلق اولیائے عظام اور مشائخ کرامؒ کے اقوال پر غور کرتے ہیں اور ان کے روحانی کمالات کا ممکنہ حد تک جائزہ لیتے ہیں۔

ولی کو ولایت کیسے ملتی ہے؟

آج تک جتنے بھی بڑے بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں اگر ہم ان کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو کم و بیش ہر بزرگ میں کچھ خصوصیات مشترک نظر آئیں گی۔ راقم الحروف نے کافی بزرگوں کے شب و روز کا مطالعہ کیا ہے اور محققانہ انداز میں طریقت کی منازل کو طے کرنے پر غور کرتے ہوئے راہ طریقت سے منسلک ہونے کے خواہش مندوں کے لئے کچھ راہنما اصول تجویز کئے ہیں۔ ان اصولوں کو بطور کلید اور یادداشت کے حسب ذیل چند نکات کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ اس راہ پر چلنے والوں کو خاطر خواہ راہنمائی حاصل ہو سکے۔

درجِ ذیل نکات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علم طریقت ان ہی نکات کے ساتھ منسلک ہے جن کا بیان نیچے کیا جارہا ہے کچھ بزرگوں نے ان ہی باتوں کو کچھ دیگر الفاظ میں سمو دیا ہے لیکن وہ تمام اصول زیر نظر نکات میں ہی تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ یہ تمام اصول راقم الحروف نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی زندگی کا گہرا روحانی اور وجدانی مطالعہ کرنے کے بعد لکھے ہیں اور پھر یہ دیکھا کہ یہ اصول تقریباً تمام بزرگوں کی طرز زندگی میں بھی کم و بیش پائے جاتے ہیں۔ وہ نکات حسب ذیل ہیں اور اس مضمون میں ہر نکتہ کی مختصر سی تشریح بھی کی جارہی ہے تاکہ ہر نوخیز سالک کے ذہن میں یہ نکات آسانی سے اتر سکیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ جو شخص ان اصولوں پر عمل پیرا ہوگا وہ اپنی ہمت کے مطابق کسی نہ کسی اونچے مقام پر پہنچ سکتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقُ۔

۱۔ فقر کو خلوص نیت سے اختیار کرنا۔

۲۔ شریعت کی پاسداری اور مجاہدات کا اختیار کرنا۔

۳۔ علم فقہ اور طریقت کے دروازوں کا کھلنا۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنا حسب و نسب قائم کرنا۔

۵۔ طریقت کی دنیا میں دوسرا جنم۔

۶۔ اپنی تمام مرادوں سے دستبردار ہونا۔

۷۔ اپنے نفس کے گھوڑے پر سواری کرنا۔

۸۔ اپنے شیخ سے رشتہ استوار کرنا۔

۹۔ اپنی مرضی کو اللہ کی رضا کے مطابق ڈھالنا۔

۱۰۔ مشائخِ سلسلہ سے توجہ لینے کی استطاعت پیدا کرنا۔

روحانیت میں کسی شخص کا بلند مقام حاصل کرنے کے لئے اس کی روح کی کیفیت اور مزاج معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ روز الست جب اللہ تعالیٰ نے روحوں سے یہ وعدہ لیا کہ "اَ لَسْتُ بِرَبِّکُمْ" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) (اعراف: ۱۷۲) تو جن روحوں نے خوشی سے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا وہ نیک لوگوں کی روحوں میں شامل کر لی گئیں اور جن روحوں نے ناراضگی اور برہمی سے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا وہ کافروں اور بدکاروں کی روحیں بن گئیں۔ ہر روح اس دنیا میں آ کر اسی طرح کا برتاؤ کرنے لگی جس انداز سے اس نے ربوبیت کا اقرار کیا تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کا اس دنیا میں رجحان اسی طرف ہے جس طرف اس نے روز الست میں ایک خاص رویہ اختیار کیا تھا۔ کسی کا مزاج نیک چیزوں اور صالح کاموں کی طرف رجوع رکھتا ہے اور کوئی روح سینما، تماشہ اور برائی کی طرف رغبت رکھتی ہے۔ راقم الحروف کو اس بات کا اچھی طرح تجربہ ہے کہ اس کی کتاب "حسنِ نماز" (جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے) کو جب مختلف لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تو ہر شخص کا ایک مخصوص انداز ظاہر ہوا۔ کسی نے دو چار صفحات پر نظر ڈالی اور کتاب بند کر کے رکھ دی اور کسی نے اس سے اس قدر لگاؤ ظاہر کیا کہ اسے خرید کر ذوق وشوق کے اظہار کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بغیر چین نہ پایا اور لوگوں کو بھی اس کے مطالعہ کے لئے راغب کیا۔

مذکورہ کتاب کو دیکھنے کے بعد مختلف لوگوں کے دلوں میں جو کیفیات پیدا ہوئیں، ہر ایک کے اپنے انداز میں رونما ہوئیں۔ گویا ہر شخص نے اپنے مزاج کے مطابق ردعمل کا اظہار کیا اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے انداز بھی جداگانہ نظر آئے۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد کوئی شخص تو دل و جان سے روحانیت پر عاشق ہو گیا تو وہ بایزید بسطامیؒ کی راہ پر چلنے کا عزم کرنے لگا اور کسی نے یہ سب دیکھ کر منہ موڑ لیا اور برے کاموں میں لگ گیا۔ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ ایسے اشخاص کبھی سنجیدگی سے اس طرف سوچا ہی نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی طرف قدم اٹھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ راہ پر اس لئے نہیں آئے کہ ان کو کسی نیک (مردِ کامل) کی صحبت میسر نہ آئی۔ اب یہ بھی

سن لیجئے کہ نیک صحبت تو ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے جبکہ دل اس طرف مائل ہو۔ دل اس لئے مائل نہیں ہوتا کہ وہ بری سوسائٹی میں بیٹھتا رہا، لہٰذا اس راہ پر آنے کیلئے سب سے پہلے دل میں طریقت کی طرف میلان ہونا ضروری ہے (راقم الحروف کی کتاب ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' میں میلان طبع پر ایک باب لکھا گیا ہے) اس تحریر کا مطالعہ ضروری ہے اور پھر جب اپنی جان کو اس روحانی دنیا میں ڈال دیں گے تو خود بخود طبیعت اس طرف مائل ہو جائے گی۔ اس کے بعد سختی سے مذکورہ بالا نکات پر عمل کی کوشش شروع کر دی جائے تو کام بن جائے گا۔ طریقت میں کسی مرد کامل کی صحبت ضروری ہوتی ہے۔ اب ہم مذکورہ نکات کا بیان شروع کرتے ہیں۔

ا۔ فقر کو خلوص نیت سے اختیار کرنا

ہماری تصنیف ''حسن نماز'' اور ''اسلام اور روحانیت اور فکر اقبالؒ'' میں خلوص نیت پر کافی کلام گزر چکا ہے۔ یہاں اس کو دہرانا مناسب نہیں۔ سالک کو خلوص نیت کا علم ہونا ضروری ہے۔ خلوص کا مقصود یہ ہے کہ ہر کام کو خدا کی خوشنودی اور رضا کے لئے کیا جائے ورنہ اس عبادت میں ریا شامل ہو جائے گی یعنی بندے کا قیام وقعود کھانا و پینا، بولنا اور چپ رہنا وغیرہ ہر کام اللہ ہی کے لئے ہو۔ حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ اعمال میں سے محبوب ترین عمل وہ ہے جس میں اخلاص ہو۔ گویا عمل کا خدا کے لئے ہونا عبادت ہے۔ اس میں مدحِ عوام یا ریا کا شائبہ نہ ہو۔ اگر اخلاص کا علم نہ ہو تو اس کا سیکھنا ضروری ہے۔ اخلاص والا عمل تھوڑا بھی ہو تو کافی ہوتا ہے۔ اخلاص چونکہ دل سے ہوتا ہے اس لئے اس کو نہ تو فرشتے لکھتے ہیں اور نہ شیطان بگاڑ سکتا ہے اور نہ ہی لوگوں کو اس کی اطلاع ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر مشائخ کبار گزر چکے ہیں ان کے دلوں میں دنیا اور اس کی شان شوکت کی قطعاً کوئی تمنا نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کا نام رہتی دنیا تک زندہ ہے اور رہے گا۔

''احیاء العلوم'' میں ابلیس کا قول ہے کہ اس کا ایسے آدمی پر قابو نہیں ہوتا جو خالص اللہ کی رضا کے لئے کام کر رہا ہو اور جو آدمی اپنی خواہش کے مطابق عمل کر رہا ہو تو وہ مجھ سے کیا مقابلہ کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ (بنی اسرائیل:۶۵)	بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا (یعنی شیطان کا) کوئی زور نہیں ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ظاہر اور باطن کی یکسانیت کا نام اخلاص ہے۔

جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک چیز میں کوئی نہ کوئی امتیازی بات ہوتی ہے اور نماز کی امتیازی

بات تکبیر اولیٰ ہے کیونکہ وہ نیت اور ابتدائے نماز کا محل ہے۔ایک حدیث کے مطابق مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر قرار دی گئی ہے۔[۱] اس لئے تکبیر کو امتیازی حیثیت ملی۔

شیخ ابوسراجؒ فرماتے ہیں کہ شیخ سالمؒ کا قول ہے کہ نیت اللہ کے ساتھ، اللہ کے واسطے اور اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور نیت کے بعد جو آفتیں نماز میں داخل ہوتی ہیں وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیطان کی آفتیں خواہ کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، نیت کی ہم وزن نہیں ہوسکتیں کیونکہ وہ اللہ کے واسطے اور اللہ کے ساتھ ہے۔اسی لئے کہا گیا کہ "نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ"[۲] (یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) [۲]۔راہ طریقت میں بھی جب تک سالک خلوص نیت سے حاضر نہ ہو تو اسے بلند مقامات کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

(ب ج:۳۲۱)

۲۔شریعت کی پاسداری اور مشقت اور مجاہدات کا بار اٹھانا

حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے ۳۰ سال تک سخت مجاہدات کئے جن کا اثر یہ ہوا کہ مجھے قرآن کی آیت "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں) (ق:۱۶) پر یقین ہوگیا۔فرماتے ہیں کہ اگر پہلے ہی میرا یقین اس قدر ہوتا تو ان مجاہدات کی ضرورت نہ ہوتی۔آپؒ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ گویا مجاہدات سے یقین ہی پیدا ہوتا ہے۔یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص نے کسی خطیب مسجد سے سنا کہ "بسم اللہ" پڑھ کر اگر کوئی دریا میں قدم رکھ دے تو وہ پانی کی سطح پر پیدل چل سکتا ہے۔وعظ سننے والا تو اپنے یقین کے باعث دریا پار کر گیا جبکہ خطیب صاحب خود ایسا نہ کر سکے کیونکہ ان کو اپنی بیان کردہ بات پر یقین نہ تھا۔

منقول ہے کہ حضرت حسن بصریؒ دریا کے کنارے کشتی کا انتظار کر رہے تھے کہ اتنی دیر میں حضرت حبیب عجمیؒ آگئے اور بغیر کشتی کے دریا پر چلنے لگے۔حضرت حسن بصریؒ سے کہا کہ کیا تمہیں یقین نہیں؟ اس بات پر حضرت حسن بصریؒ نے کہا کیا تمہیں علم نہیں ہے؟ غرض کہ خواجہ حبیب عجمیؒ بغیر کشتی کے دریا پار کر گئے اور خواجہ حسن بصریؒ کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے۔حضرت حسن بصریؒ جیسے لوگ اسباب پر نظر رکھتے ہیں

---

[۱] المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد الطبرانی، متوفی ۳۶۰، حدیث ۵۹۴۲، جلد ۶، صفحہ ۱۸۵، مکتبۃ الزہراء، الموصل، ۱۴۰۴ھ۔

[۲] مسند الشہاب، محمد بن سلامہ القضاعی، متوفی ۴۵۴ھ، حدیث ۱۴۸، جلد ۱، صفحہ ۱۱۹، موسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۷ھ۔

اور بلا ضرورت اس سے باہر قدم نہیں رکھتے تا کہ لوگوں کو ان سے تعلیم حاصل ہو سکے۔

سالکین راہِ طریقت کی اسباب پر نظر ہوا کرتی ہے مگر سلوک کی تمام منزلیں طے ہو جائیں تو پھر اسباب سے نگاہ اٹھ کر مسبب الاسباب پر آجاتی ہے اور ایسے شخص سے تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں لیکن اس میں یہ بات ہے کہ اس سے پہلے سخت محنت کرنا پڑتی ہے اور اسباب کو اختیار کرنا سنت رسول ﷺ ہے۔

اگر سالکِ راہِ طریقت کو شیخ کی روحانیت پر یقین ہو جائے اور جو اوراد اور وظائف شیخ مقرر کرے ان پر عمل پیرا بھی ہو جائے تو مذکورہ مقام حاصل ہو جاتا ہے اگر محنت اور مشقت نہ کریگا تو اس مقام کا ملنا دشوار ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مرشد کی ایک نظر سے مرید اس قابل ہو جاتا ہے کہ بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے مگر ہر مرید اس قابل نہیں ہوتا کہ مرشد کی نظر اس پر کام کر سکے اور اگر ایسا ہوتا تو ایک شیخ کے پچاس لاکھ مریدوں میں تو سب ہی فائز المراد ہو جاتے مگر دیکھا گیا ہے کہ اتنے مریدوں میں سے کوئی دس بیس ہی پار لگتے ہیں۔ نظر دوڑا کر دیکھیں کہ کس شیخ کے کتنے مرید ہیں جو اپنے پیر کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔ جو لوگ صرف اپنے مرشد کی نظروں سے پار لگنا چاہتے ہیں وہ کام چور ہیں اور کام چور مراد کو نہیں پہنچتے۔ ہاں اگر عقیدت مند ہیں تو وہ کبھی نہ کبھی اپنی عقیدت کی وجہ سے مراد پا لیتے ہیں۔ آج تک جتنے بزرگ ہو گزرے ہیں سب نے خوب ریاضت و مشقت کے بعد روحانیت میں مقام حاصل کیے۔ یہ الگ بات ہے کہ نظر سے کام آسان ہو جاتا ہے مگر نظر بھی وہاں کام دیتی ہے جہاں زمین زرخیز ہو۔

حضرت باقی باللہؒ کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ ایک رات ان کے ہاں کچھ مہمان آگئے تو آپؒ نے اپنے احباب سے فرمایا کہ ہے کوئی جو ہمارے مہمانوں کو کھانا کھلائے۔ فرمایا کوئی ایسا ہو تو ہم اس کو خوش کریں گے۔ آپؒ کے باورچی نے تھوڑی ہی دیر میں کھانا پکا کر آپؒ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ کھانا دیکھ کر آپؒ بہت خوش ہوئے اور دوسرے دن آپؒ نے باورچی سے پوچھا مانگو کیا مانگتے ہو؟ باورچی نے کہا کہ جناب اپنے جیسا ہی کر دیں۔ فرمایا تم اس قدر روحانی کیفیت کو برداشت نہیں کر سکو گے مگر اس نے بار بار اسی بات پر اصرار کیا۔ آخر جب وہ نہ مانا تو آپؒ نے اس کو اپنے گلے سے لگا کر جب الگ کیا تو دونوں میں کوئی فرق نہ نظر آتا تھا، سوائے اس کے کہ حضرت تو باہوش و حواس تھے مگر وہ دیوانہ ہو کر ھوحق کی ضربیں لگاتا ہوا جنگلوں کی طرف نکل گیا۔

سب بزرگوں کا یہی خیال ہے کہ سلوک ہلکے پھلکے معیار اور شوق سے شروع کرے اور رفتہ رفتہ مجاہدات کو بڑھا کر مطلوبہ معیار پر لے آئے۔ ایسا کرنے سے قوتِ برداشت اور جذب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ایک دم تیزی سے کام کرنے والے اس دوڑ میں رہ جاتے ہیں۔ طریقت میں اس بات کو کافی اہمیت دی جاتی ہے کہ "اَلْاِسْتِقَامَةُ خَیْرٌ مِّنْ کَرَامَةٍ" (مستقل مزاج ہوکر قائم رہنا بہت سی جلدی میں پیدا ہونے والی کرامات سے بہتر ہے)۔ ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا"[1] (کاموں میں سب سے بہتر وہ کام ہیں جو اوسط درجے پر کئے جائیں)۔ یعنی افراط اور تفریط میں نہ پڑے۔ اپنی کتاب ''بیعت کی تشکیل اور تربیت'' میں ہم یہ لکھ آئے ہیں کہ لیبیا میں ہم نے ایک طویل لیکچر طریقت پر دیا تو وہاں پر ایک پاکستانی شخص ذکر واذکار اور دیگر امور میں ہر رات کو چھ سات گھنٹے مشغول رہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر دس روز میں ہی ملکوت کے دروازے کھل گئے اور وہ بہت سی روحانی اشیاء کا مشاہدہ کرنے لگا۔ جب وہ ڈھونڈتا ہوا راقم الحروف کے پاس پہنچا تو اسے ذکر واذکار میں اعتدال قائم کرنے کو کہا گیا مگر چونکہ اس وقت وہ مرید نہ تھا اور ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتا تھا اس لئے وہ اپنے معمول سے باز نہ آیا۔ آخرکار وہ دو تین ماہ کے بعد بیمار ہوکر ہسپتال میں داخل ہوگیا۔ صحت مند ہونے کے بعد اس نے لوگوں کے سمجھانے پر بیعت کی اور پھر اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔

حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی سوانح اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ آپؒ نے اس قدر ریاضت کی اور مجاہدات میں مشغول رہے کہ جس کی مثال شاید ہی ملتی ہو۔ آپؒ کو روحانی دنیا میں جو مقام ملا اس سے ہر کوئی بخوبی واقف ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے مجاہدات بھی بہت مشہور ہیں (جن کا کچھ ذکر اس کتاب میں آئے گا) منقول ہے کہ بشر حافیؒ کو کہا گیا کہ آپؒ راتوں کو اتنا قیام کرتے ہیں کہ آپؒ آرام کر نہیں پاتے۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاؤں مبارک ورم کر جاتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے (ناکردہ) گناہ بھی معاف کر دیئے تھے تو میں کیسے سو سکتا ہوں؟ جب کہ مجھے علم نہیں کہ اللہ نے میرا ایک بھی گناہ معاف کیا ہے یا نہیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ راقم الحروف کی کتاب ''حسن نماز'' میں شب بیداری اور قیام اللیل پر لکھے گئے پانچ ابواب (ص ۷۳۰ تا ۷۹۳) ملاحظہ فرمائیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ تمام بزرگوں نے قیام اللیل اور

---

[1] شعب الایمان، حدیث ۳۸۸۸، جلد ۳، صفحہ ۴۰۲۔

مجاہدات کی طرف پوری شدومد سے توجہ دی ہے۔اس سے زیادہ اس سلسلے میں لکھنا ضروری نہیں۔

۳۔علم فقہ اور طریقت کے دروازوں کو کھولنا

اس بحث کو ہم اپنی تصنیف ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ''میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں اور ہماری تصنیف ''سرمایۂ ملت''میں مسلمان کے علمی نصاب میں اس موضوع پر کافی تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔اس بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔جس میں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ[1] — ہر مسلمان مرد (اور عورت) پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔

مذکورہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر تمام فرائض اور واجبات کا علم حاصل کرنا مسلمان کے لئے اس لئے فرض ہے کہ وہ اس وقت تک ان عبادات کو ادا کرنے کا اہل نہیں ہوسکتا جب تک ان مسائل کا اسے علم نہ ہو۔مثال کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز میں اگر کسی فرض کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے یا کوئی واجب ترک ہو جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جاتی ہے ورنہ وہ نماز واجب الاعادہ ہے (یعنی اس کا پھر سے پڑھنا ضروری ہوگا) یہ وہ مقام ہے کہ اگر کسی مسلمان کو یہ معلوم ہی نہیں کہ نماز کے کون کون سے (سات) فرائض ہیں اور نماز میں کون کون سے (۲۲) واجبات ہیں تو اس کو کیا علم ہوگا کہ کون سی غلطی ہونے پر نماز فاسد ہو جاتی ہے اور کون سی غلطی کے بعد سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ ان ضروری مسائل کا علم حاصل کرنے پر شریعت نے بہت زور دیا ہے اور ان کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔

حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے۔

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَالِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلٰى اِبْنِ آدَمَ[2] — علم دو طرح کے ہیں پس ایک علم دل میں ہے جو علم نافع ہے اور دوسرا علم زبان پر ہے جو اللہ کی ابن آدم پر حجت اور دلیل ہے۔

علمائے محققین نے لکھا ہے کہ شریعت کا علم حاصل کرنا ایسے ہے جس طرح کسی نے دین کی روشنی

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۲۴، جلد۱، صفحہ۸۱۔

[2] سنن الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، متوفی ۲۵۵ھ، حدیث ۳۶۴، جلد۱، صفحہ۱۱۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

حاصل کر لی اور اپنے راستے کو معلوم کر لیا۔ اب اس راستے کو معلوم کرنے کے بعد اس پر چلنا علم طریقت ہے چونکہ شریعت کا علم حاصل کرنا ضروری ہے تو اس علم کو حاصل کر کے اس پر چلنا بھی واجب ہوا۔ جب یہ دونوں علم حاصل ہو گئے اور ان پر عمل کرنا حاصل ہو گیا تو خدا کا وصل بھی حاصل ہو جائے گا جس کو حقیقت کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طریقت کا علم سیکھنا واجب ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے کہ جس نے اہل تصوف کی دعوت سنی اور اسے نہ مانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غافلین میں لکھا جاتا ہے۔ طریقت کے علم کے ساتھ ہی فقہ کا علم مضبوط ہوتا ہے اور عبادت کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی علوم فرض ہیں اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے آپؒ نے اس علم کو علمِ احوال القلب کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ اس علم سے ہم احوال قلب بدلتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ علم ایک کیفیت پیدا کرتا ہے اور اعمال کیفیات سے ہی صادر ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس نے فقہ کے بغیر تصوف کو حاصل کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے تصوف سیکھنے کے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے ان دونوں (یعنی فقہ اور تصوف) کو ملایا وہ محقق ہوا چنانچہ جو لوگ شرعی احکام کی اتباع نہیں کرتے اور اپنے آپؒ کو تصوف کے راہی کہلاتے ہیں وہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے نزدیک اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں اور دین کے چور ہیں ان سے بچنا ضروری ہے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم سے شریعت اٹھ گئی ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ جو فقہ کا علم حاصل کرنے کے بعد طریقت کی راہ پر چلے وہ اولیائے کرام و مشائخ عظام میں سے ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص عالم نہ ہو اور ولی اللہ بن جائے۔ علم سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس نے ضرور کسی مدرسے سے تحصیل علم کیا ہو۔ آئن سٹائن کسی مدرسے سے تعلیم یافتہ نہ تھا بلکہ اس کو پرائمری سکول میں داخلہ اس لئے نہیں دیا گیا تھا کہ وہ پرائمری اسکول کے داخلے کے امتحان میں فیل ہو گیا تھا۔ داخلہ نہ ملنے پر اسے طیش آ گیا اور اس نے گھر پر محنت کرنا شروع کی اور پھر اس کے علم کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے حساب کے پروفیسر اس سے حساب کے مسئلے سیکھنے کو آتے تھے۔ اسی طرح کا ایک روحانی واقعہ بھی یاد آتا ہے جو پیر محمد حسنؒ نے ''خزینۂ معارف'' کے مقدمے میں لکھا ہے کہ حضرت ابن حجر عسقلانیؒ

(جو مصر کی یونیورسٹی کے صدر مدرس تھے) ان کا گزر ایک بازار سے ہوا اور ان کی مخالف سمت سے حضرت فرغلؒ (جو مصر میں کسی کام سے آئے ہوئے تھے) آرہے تھے۔ جب انہوں نے احمد فرغلؒ کو معمولی سے لباس میں آتے ہوئے دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص اپنے آپ کو ولی سمجھ رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسے جاہلوں کو ولایت نہیں دیتا۔ جب دونوں بالکل آمنے سامنے آگئے تو حضرت احمد فرغلؒ نے حضرت ابن حجر عسقلانیؒ کا گریبان پکڑا ان کے چہرے پر تھپڑ مارتے گئے اور یہ کہتے گئے "بَلْ اِتَّخَذَنِیْ وَعَلَّمَنِیْ" (یعنی اس نے مجھے ولی بنایا ہے اور علم بھی دیا ہے)۔ حضرت ابن حجرؒ تھپڑ کھاتے گئے اور کچھ منہ سے کہہ نہ سکے [1]۔ ایک ایسا ہی واقعہ راقم الحروف کو لیبیا میں پیش آیا جس کو اس نے اپنے بہت سے احباب کو بیان بھی کیا ہے وہ واقعہ نیچے بیان کیا جارہا ہے۔

لیبیا میں جب راقم الحروف محکمہ موسمیات میں رئیس مکتب تبوعات (Incharge forecasting office) تھا تو ایک شخص جو وزیر اوقاف کے بیٹے عود عیزی بہت عالم فاضل اور تین ہزار کتب کی لائبریری کے مالک تھے۔ موصوف سے اکثر ہی ہماری روحانی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہتی تھی ایک دن راقم الحروف کو فرمانے لگے کہ آپ نے علمی کتابوں سے خزانہ حاصل نہیں کیا جو طریقت کے لئے ضروری ہے راقم الحروف نے اس کو جواب دیا کہ نہیں ہم نے جو علم ضروری ہے وہ حاصل کیا ہے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں (یہ گفتگو عربی میں ہورہی تھی کیونکہ وہ انگریزی اچھی طرح نہ سمجھتے تھے) اس بات پر وہ کہنے لگے "لا ...... لا ......" علم الکتب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس موضوع پر دو گھنٹے گفتگو ہوتی رہی اور ان پر تمام حقیقت حال کو واضح کیا، یہاں تک کہ حضرت بلھے شاہ کا کلام "علموں بس کریں اویار۔ اساں ہکو الف درکار" عربی میں ترجمہ کر کے انہیں سنایا۔ حضرت احمد فرغلؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ کا قصہ اور دیگر واقعات جو "العلم حجاب الاکبر" سے متعلق تھے سنائے تو آخر وہ مان گئے کہ وہ علم جو ضروری ہو اس کا جاننا لازم ہے اور یہاں تک معتقد ہو گئے کہ مجھے انہوں نے اپنا استاد ہونا تسلیم کرلیا اور کہا کہ تم میرے بھی استاد ہو! میرے لئے دعا کرو کیونکہ میرے شیخ مجھے یہی کہتے ہیں کہ جب میں کتابی علم میں گھس جاتا ہوں تو میری روحانیت پیچھے کو لوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد اس نے راقم الحروف کو اپنے علاقے کے لوگوں کو بیعت کرنے کا طریقہ بتایا اور راقم الحروف نے بھی اپنے ہاں مروجہ طریقہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر بتایا تو فوراً اپنے ساتھی کو عربی میں کہنے لگے کہ جب

[1] خزینہ معارف، صفحہ ۵۱۔

اس نے میرا ہاتھ پکڑا ہے تو میرے تمام جسم میں بجلی کا سا کرنٹ محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد کبھی کبھار وہ اپنی لائبریری میں بلاتے تو پرانے بزرگوں کے متعلق گفتگو ہوتی تو راقم الحروف کی مشاہداتی گفتگو کو سن کر بہت حیران ہوتے۔

مذکورہ تمام گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صوفی کے لئے علم کا حاصل کرنا بہت ضروری بات ہے۔ جب کوئی صوفیوں کے مجمع میں بیٹھا ہو تو اکثر سوال جواب ہوتے ہیں اور اگر عالم نہ ہو تو وہ لوگ اپنی مجلس میں ایسے لوگوں کو قبول نہیں کرتے اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ ان کو علم طریقت سے آگہی نہیں اور جس کو علم طریقت سے آگہی نہیں تو وہ طریقت کو کیا سمجھ سکے گا۔ کم از کم چیدہ چیدہ علوم سے آشنائی تو ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (اللہ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں) (فاطر: ۲۸) اس سے ظاہر ہوا کہ جس پر علم کے دروازے نہیں کھلتے اس پر ولایت کے دروازے بھی نہیں کھلتے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبت قائم کرنا

جب تک رسول اللہ ﷺ سے نسبت قائم نہ ہو روحانی معاملات کا درست ہونا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ تمام بلند پایہ مشائخ کا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے شجرہ نسب ملتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کو دونوں نسبتیں یعنی حسنی اور حسینی ہونے کی سعادت حاصل تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص نو مسلم ہو یا کسی عجمی خاندان سے اس کا تعلق ہو اور اسے یہ نسبت حاصل نہ ہو تو اس میں اس کی کیا خطا ہے۔ مزہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر بھی حضور ﷺ کی نسبت کے دروازے بند نہیں کئے۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا "اَلسَّلْمَانُ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ"۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "كُلُّ تَقِيٍ وَنَقِيٍ مِنْ اَهْلِیْ" (یعنی ہر متقی اور نیک شخص میرے اہل بیت سے ہے)۔[1] ایک حدیث میں یہ مفہوم موجود ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ! اگر وہ (دمشق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) مجھ سے محبت کرتے ہیں تو وہ مجھ سے بہت نزدیک ہیں اور وہ (جو میرے بہت نزدیک ہیں) اگر مجھ سے محبت نہیں کرتے تو مجھ سے بہت دور ہیں۔

راقم الحروف کا ایک واقعہ بہت دلچسپی کا حامل ہے کہ سعودی عرب کے شہر جدہ میں ہماری گاڑی کسی

[1] المعجم الصغیر، سلیمان بن احمد الطبرانی، متوفی ۳۶۰، حدیث ۳۱۸، جلد ۱، صفحہ ۱۹۹، مکتبۃ الاسلامی، بیروت۔

جگہ مصروف تھی تو ہم نے گھر آنے کے لئے ایک ٹیکسی پکڑی اور ٹیکسی ڈرائیور نے راقم الحروف سے سوال کیا کہ "اَنْتَ بَاکِسْتَانِی" میں نے اسے جواب دیا "لَا اَنَا عَرَبِیٌّ" تو اس پر اس نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم پاکستانی ہوتے ہوئے خود کو عربی کہتے ہو۔ میں نے جواب دیا "وَاللّٰہِ لَاشَرْقِیٌّ وَلَا غَرْبِیٌّ اَنَا عَرَبِیٌّ" وہ بہت خوش ہوا اور اس کی وضاحت طلب کی۔ اس کو میں نے سمجھایا کہ تم نے قرآن پڑھا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ" (پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی، اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے) (الحج: ۷۵)۔ پھر اسے بتایا گیا "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" (تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں) (الحجرات: ۱۰) اس نسبت سے ہم سب عربی نسل سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" [1] (یعنی انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے، جس سے اس کو محبت ہو)۔ اس کے علاوہ حضرت ثوبان کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب وہ حضور ﷺ کو دیکھ نہ پاتے تو بے چین ہو جاتے ایک دن اسی غم سے ان کا رنگ زرد ہو گیا اور بارگاہِ مصطفےٰ ﷺ میں عرض کرنے لگے کہ اس دنیا میں تو ہم جب چاہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو اپنے گاؤں سے آ کر دیکھ لیتے ہیں لیکن مرنے کے بعد ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان درجات کے فرق کے باعث بہت فاصلے ہوں گے، وہاں آپ ﷺ کو کس طرح دیکھ سکیں گے۔ اس پر سورہ النساء کی آیت نمبر ۶۹ نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ (فاصلوں کے باوجود) اگر اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں تو انہیں ایسے انعامات دیئے جائیں گے کہ ان کو آخرت میں آپ ﷺ کی معیت حاصل ہوگی۔ لہٰذا جس کو یہاں آپ کی محبت اور اطاعت سے معیت مل گئی تو اس کو آخرت میں بھی معیت حاصل ہوگی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں (اور اطاعت میں عقیدت اور محبت بھی شامل ہے) تو ان کو رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت ہونے کا شرف مل جاتا ہے اور یہ ہر وہ شخص حاصل کر سکتا ہے جو آپ ﷺ کی نسبت حاصل کرنا چاہتا ہے راقم الحروف کا ایک شعر ہے کہ

ملا مسلمان کو ہے شرفِ اہلِ بیت قربت سے
ملا کرتی ہے اہلِ عشق کو نسبت کی فرزندی

علامہ اقبالؒ نے بھی اسی اعتبار سے فرمایا ہے۔

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۸۱۶، جلد ۵، صفحہ ۲۲۸۳۔

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے میری ۔ نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

(ب د:۱۷۱)

مذکورہ گفتگو سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جن کو رسول اللہ ﷺ کی نسبت حاصل ہو جائے تو یہ بہت بڑی سعادت ہے۔اس کی تھوڑی عبادت بھی بغیر محبت کے زیادہ عبادت سے بہتر اور افضل ہے۔طریقت میں ایسے لوگوں کو جو حضور ﷺ سے محبت رکھتے ہیں زیادہ قرب اور بلند مقامات نصیب ہو جاتے ہیں۔حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں''طلب وشوق اور درد و پیاس حصول مطلوب کی بشارت دیتی ہے اور مقصود کو پانے کا مقدمہ اور سبب ہے''۔ایک مکتوب میں آپؒ فرماتے ہیں کہ روحانی معاملے میں غم کرنے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ دو چیزوں میں فتور نہ آ گیا ہو۔ایک تو حضور ﷺ کی متابعت میں اور دوسرے اپنے شیخ کی محبت اور اخلاص میں۔ان دونوں چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں بھی پیدا ہو جائیں تب بھی ڈر کی بات نہیں۔ان دونوں پر مدارِ کار اور مدارِ نجات ہے،اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کریں گے اور اگر ''اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ'' ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی ہی خرابی ہے اور اگر کسی کو ان دونوں نقائص کی موجودگی میں حضوری کا مقام نصیب ہو یا جمعیت کی حالت میں ہو تو بھی یہ استدراج ہے۔

۵۔طریقت کی دنیا میں دوسرا جنم لینا

طریقت کی دنیا میں دوسرا جنم لینے سے مراد یہ ہے کہ عالم ملکوت سے اپنے تعلق کو قائم کیا جائے کیونکہ جب تک عالم ملکوت سے فیض رسانی کا سلسلہ جاری نہ ہو تو عوالم بالا کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ حصول معرفت سالک کے لئے نہایت ضروری امر ہے۔مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب تک معرفت الٰہی حاصل نہ ہو اس وقت تک خدا کے گھر کی زیارت فرض نہیں ہوتی۔حضرت بایزید بسطامیؒ کے حج کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ حج کو گھر سے نکلے تو ایک شیخِ طریقت نے پوچھا''اے بایزیدؒ! کہاں کا ارادہ ہے؟'' اس پر آپؒ نے سفر حج کا ذکر کیا تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ حج کے سفر کے لئے کتنی رقم لے کر جا رہے ہو۔ آپؒ نے اپنی رقم کے متعلق اطلاع دی تو شیخ نے فرمایا کہ یہ رقم مجھے دے دو اور میرے گرد طواف کر لو تمہارا حج ہو جائے گا۔شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت تم حج کے قابل نہیں ہو۔حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ اس وقت وہ واقعی حج کے قابل نہ تھے اور مجھے اس شیخ کی صحبت سے بہت فائدہ ہوا۔

مذکورہ معرفت حاصل کرنے کے لئے شیخ کی صحبت کی ضرورت اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ شیخ کا

تعلق عالمِ ملکوت سے ہوتا ہے تو اس کی وساطت سے مرید کو بھی عالمِ ملکوت سے تعلق قائم ہو جاتا ہے روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ جس کی ولادت دو دفعہ نہ ہوئی ہو وہ ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتا یعنی ایک ولادت مادری اور دوسری عالم ملکوت کی روحانی دنیا میں۔ جیسے ایک بچہ دنیا میں آتا ہے تو اس دنیا کو سمجھنے کے لئے اس کو کچھ وقت درکار ہوتا ہے اسی طرح آخرت کی دنیا میں جب انسان جاتا ہے تو ایک بچے کی طرح ہوتا ہے۔

۶۔اپنی تمام مرادوں سے دست بردار ہونا

محبت ایک وقت میں ایک سے ہی ہو سکتی ہے۔ طالب مولا کا دل دنیا کی محبت سے چٹکیاں لینے لگے تو اس سے مولا کی دوستی کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی میرے دل کو دنیا کی محبت سے خالی رکھنا مگر میرے ہاتھوں کو دنیا سے خالی نہ رکھنا۔ بعض اوقات دنیا کے مال کی کمی پریشان حال کر دے تو انسان کا کفر میں گرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ مولانا رومیؒ نے ایک حدیث اپنے اشعار میں لکھی ہے وہ حدیث اور شعر حسب ذیل ہے۔

صوفیاں درویش بودند و فقیر   کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا یَبِیْر

(خاقھی) صوفی نادار محتاج تھے اور (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے) محتاجی قریب ہے کہ ایک بڑا کفر بن جائے۔ یہ مضمون اس حدیث سے ماخوذ ہے "کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَکُوْنَ کُفْرًا"۔[1]

جوع خود سلطان داروہاست ہین   جوع برجان نہ چنیں خوارش مبین

(بھوک تو تمام دواؤں کی سردار ہے، بھوک کو جان کے ساتھ رکھو اس کو ایسی ناچیز نہ سمجھو)

جوع رزق جان خاصان خداست   کے زبون ہمچو تو گیج گداست

(بھوک خاصان خدا کی روح کا رزق ہے تجھ جیسے نالائق بھکاری کی تابع کب ہے)

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جو کچھ محبت دنیا کے متعلق لکھا ہے اسے ہم اپنی تصنیف "اسلام اور روحانیت" میں "دنیائے دنی" کے باب میں لکھ چکے ہیں۔ ہماری تصنیف نشان منزل میں "حقیقت دنیا حضرت مجدد کی نظر میں" کے عنوان سے اور حضور قلب میں "فساد قلب کے باب میں دنیا کی محبت کے نقصانات

---

[1] شعب الایمان، حدیث ۶۶۱۲، جلد ۵، صفحہ ۲۶۷۔

کو کافی تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ان ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ جب تک ایک صوفی دنیا اور دنیا کی دولت کو بکری کی مینگنیوں کی حیثیت نہیں دیتا اس وقت تک وہ اپنے فقر کا سچا دعویدار تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' کے تقریباً ۴۵۰ صفحات فقر اور درویش کی پہچان میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ان تمام ابواب کے مطالعے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ ایک صوفی منش انسان کو اپنی دنیا کی تمام خواہشات سے الوداع کہنے کے بغیر چارہ نہیں۔حضرت خضر علیہ السلام کا قول ہے کہ جو شخص کل کی فکر میں کچھ بچا کر رکھ لیتا ہے،ہم اس کے پاس نہیں جاتے۔علامہ اقبالؒ نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ مسلمان کی بیماری صرف مذہب سے دوری ہے غربت کی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل نہیں ہوا۔

اگر جواں ہوں میری قوم کے جسور و غیور — قلندری میری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے — زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا — قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

(ض ک:۴۸۲)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری قوم کی تباہی نہیں ہو گی مگر جب وہ موت اور غربت سے ڈرنے لگیں گے چنانچہ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا فرمایا تو کہا اے دنیا! جو میری فرمانبرداری کرے،تو تُو اس کی فرمانبردار ہو جا اور جو تیرے پیچھے بھاگے تو تُو ان کو تھکا دے۔بنا بریں! ایک سالک کا اسی بات میں فائدہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کی سب رنگینیاں بھلا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع میں لگ جائے پھر تمام دنیا اس کے قدموں میں چلی آئے گی۔

۷۔نفس کے گھوڑے پر سواری کرنا

نفس کے مبادیات،مقتضیات اور منہیات پر اگر بات کی جائے تو ایک کتاب کی ضخامت مطلوب ہو گی چنانچہ راقم الحروف نے نفس کی اہمیت اور مفسدات کے پیش نظر تقریباً ۶۰۸ صفحات پر مشتمل ایک کتاب ''تہذیبِ نفس'' کے عنوان سے لکھ دی ہے جو طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔انشاء اللہ اس کتاب کی طباعت کے ساتھ ساتھ ہی وہ کتاب شائقین علم وعرفان کے ہاتھوں میں آ جائے گی۔

نفس بذات خود ایک ایسی چیز ہے جس میں تمام اجزائے خبث کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں اور اس کے خبث ذاتی یعنی اس کی اصل کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔جتنا اس کو دباؤ گے اتنا ہی ابھرے گا۔جتنا اس کو مارو گے

اتنا ہی قوی اور طاقتور ہوتا جائے گا۔ اس کی فطرت روح کی نقیض (الٹ) ہے۔ روح جن باتوں سے طاقتور ہوتی ہے نفس ان سے کمزور ہو جاتا ہے اور جن چیزوں سے روح کمزور ہوتی ہے نفس طاقتور ہو جاتا ہے۔ اس کی اصلاح مقصود ہو تو اسے متدین، مہذب اور مترتب (تربیت دیا ہوا) کیا جا سکتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو پورا اسلام اسی نفس کو تہذیب دینے کے گرد گھومتا ہے۔

نفس کے برعکس انسان کا دل نورِ الٰہی، ایقانی اور وجدانی صفت پر پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کا دل ذرا سی برائی، مفسدات اور بدکاری کے ساتھ سیاہ اور داغدار ہو جاتا ہے لیکن توبہ اور دینی مامورات کے بجالانے سے (یعنی نماز، روزہ اور ذکرِ الٰہی سے) اس کی سیاہی ختم ہو جاتی ہے اور یہ پھر ایک بار اپنی نورانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ روحِ انسانی جب روحِ حیوانی کے ساتھ ملتی ہے تو نفس ان دونوں کے ملاپ سے پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے "وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا" (قسم ہے نفس کی اور اس چیز کی جو اس کا تسویہ کرے) (الشمس: ۷)۔ لہٰذا اسلام نے شریعت اور شرعی امور کو نفس کی اصلاح کے لئے تجویز کیا ہے دوسرے مذاہب میں لوگ نفس کو مارنے کی فکر کرتے ہیں لیکن یہ اللہ کی مخلوق ہے اس کو کوئی شخص مارنے کی طاقت نہیں رکھتا اور جو اسے مارتے ہیں ان کا نفس اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اسلام نے شرعی اُمور کو ترتیب دے کر اسے مہذب کرنے، سدھارنے کی کوشش کی ہے۔ جس طرح باغی گھوڑوں کو مشقت کے ساتھ تربیت دے دی جائے تو وہ بڑے بڑے کام کرنے لگتے ہیں۔ جس طرح سدھایا ہوا گھوڑا بھاگتا اور دوڑتا، رقص کرتا، لمبی چھلانگیں لگاتا، رکاوٹوں کو چھلانگ کر پار کرتا اور زمین پر چابک گر جائے تو اپنے منہ سے اٹھا کر چابک مارنے والے سوار کے ہاتھ میں دے دیتا ہے، اسی طرح نفس کی اگر تربیت ہو جائے تو یہ انسان کو تمام روحانی اُمور کے کرنے کے قابل بنا دیتا ہے، یہاں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ وہ تمام بزرگ جو کمالات اور تصرفات کے مالک بنتے ہیں وہ نفس کی تربیت کے بعد ہی بنتے ہیں۔

ہم اگر انسان کی تخلیق پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا جس میں سے فرشتے اور جنات سب سے افضل مخلوق تھی۔ فرشتوں میں خیرِ محض تھا اور جنات میں زیادہ شر اور خیر کم تھی چنانچہ فرشتوں کو ہی سب سے اعلیٰ مخلوق شمار کیا جاتا تھا مگر فرشتوں میں کوئی مزے کی بات نظر نہ آتی تھی کیونکہ وہ صرف نیکی پر قادر تھے اور برائی پر انہیں دسترس نہ دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مخلوق نفس کے شر سے آزاد تھی اس

لئے ان کی زندگی میں کچھ رونق، جولانی، ہماہمی اور بھاگ دوڑ، شور شرابا، ذوق و شوق اور عشق و محبت والی کوئی بات نہ تھی۔ علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام کسی شے کا ذکر کرتے ہوئے عاشق کے پاس سے گزرتے ہیں تو اپنا سینہ کھول کر گزرتے ہیں کہ شاید اس کے سینے سے کوئی چنگاری ان کے سینے میں آ جائے لیکن وہ اس چنگاری سے محروم ہی رہتے ہیں۔ آپؒ جو فرماتے ہیں اس شعر کا ترجمہ یہی ہے۔

سینہ کشادہ جبرئیل از بر عاشقاں گزشت تا شررِ باو فتد آتش آرزوئے تو

(زع:۴۱۹)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جبرائیل امین اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہیں کہ الٰہی مجھے وہ تجلیات اور انوار دیکھنے کی تمنا نہیں ہے جو میں رات دن دیکھتا ہوں بلکہ مجھے تو آپ وہ سوز و درد اور غم عطا فرمادیں جو آپ نے انسان کو دیا ہے (انہیں شاید معلوم نہیں انسان اس سوز و غم اور مفلسی سے گھبراتا اور دور بھاگتا ہے) راقم الحروف نے بارہ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ''مقام آدم'' کے نام سے لکھا ہے اور ''اسلام اور روحانیت و فکر اقبالؒ'' نامی اپنی تصنیف میں اس کو شامل کر دیا ہے۔ جس شخص کو یہ سب کچھ معلوم کرنا ہو کہ انسان اور فرشتے میں کیا فرق ہے اور انسان کو کیا کیا فضیلتیں حاصل ہیں وہ اس کتابچہ کا مطالعہ کرے۔

فرشتوں کی زندگی بالکل روکھی سوکھی، پھسپھسی اور ذوق و شوق کے نہ ہونے کی وجہ سے رنگین نہ تھی اور زندگی (جس کو زندگی کہا جا سکے) ویسے رنگ اس میں نظر نہ آتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا تا کہ اس میں زندگی کی تمام رونقیں اور صلاحیتیں نظر آئیں۔ فرشتے چونکہ گناہ نہیں کرتے تھے اس لئے ہر فرشتہ جس درجے پر پیدا ہوتا اسی پر ہمیشہ رہتا، گویا درجات کی بلندی فرشتوں میں نظر نہیں آ سکتی۔ انسان میں جو فالتو مشین لگائی گئی وہ نفس کی مزاحمت تھی اور جب بھی کوئی انسان نفس سے مزاحمت کرتا ہے تو اس کے درجے بلند ہو جاتے ہیں (یاد رہے کہ انسان کے درجے جب وہ مر جاتا ہے اور عمل کرنے کی پابندی ختم ہو جاتی ہے تب بھی اس کے درجات بلند ہوتے رہتے ہیں بشرطیکہ وہ زندگی میں ایسے مقام حاصل کرنے کی سعی کرتا رہا ہو)۔ رشوت لینا حرام ہے اور اگر کوئی رشوت لے سکنے کے باوجود نہ لیتا ہو تو اس کے درجات بلند ہوں گے۔ اسی طرح شراب، جوا، زنا، بلیک میل کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود ان افعال بد سے بچتا رہے تو پھر مخالفت نفس پر درجات بلند ہو جاتے ہیں۔ یہ بات فرشتوں میں مفقود ہے کیونکہ ان کو نہ تو بیوی بچوں کی مشکل ہے اور نہ ہی ان کی زندگی میں نفس کا ادغام ہے لہٰذا درجات کا بلند نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

مذکورہ بالا باتوں سے معلوم ہوا کہ انسان کے درجات کی بلندی نفس کی مخالفت میں رکھی گئی ہے اور اس میں جتنے کمالات ظاہر ہوتے ہیں وہ نفس کی مخالفت کے باعث ہی ہوتے ہیں چنانچہ جس قدر مخالفت زیادہ ہوگی اسی قدر بلندی درجات میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، تصرف بھی بڑھتا جائے گا اور بالآخر وہ اپنے خدا کو پا لینے کے قابل ہو جائے گا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ الٰہی! میں تجھے کیسے پا سکتا ہوں تو فرمایا کہ اپنے نفس کو چھوڑ کر چلے آؤ کیونکہ میں نفس کی مخالفت میں ہی رکھا گیا ہوں "اَنَا وُدِّیَ فِیْ مُخَالَفَةِ النَّفْسِ"۔[1]

جو شخص مقامات کی بلندی میں اضافہ چاہتا ہے اسے چاہیے کہ نفس کو مشقت میں ڈال کر نفس کی اصلاح کرے اور پھر اس گھوڑے پر جہاں چاہے سیر کرے یا تصرف کرے۔

۸۔ اپنے شیخ سے رشتہ استوار کرنا

(جو موت کے بعد بھی نہ ٹوٹے)

شیخ سے رشتہ استوار ہونا طریقت میں بہت اہم مقام رکھتا ہے۔ اگر شیخ کے ساتھ رشتہ استوار نہیں تو اس سے مراد یہ لی جائے گی کہ مرید کو شیخ سے بہت کم لگاؤ ہے اور کم لگاؤ صرف اسی وقت ہوگا جب مرید شیخ کی ہر بات سے اتفاق نہ رکھتا ہو بلکہ اس کے نظریات میں اختلاف پایا جاتا ہو۔ اصل بات تو یوں ہے کہ کسی شخص کا شیخ سے بیعت کرنے سے پہلے اس کو ان تمام امور پر غور کر لینا ضروری ہے کہ کیا وہ اس شیخ کی ہر ادا کو پسند کرتا ہے یا نہیں اور اگر وہ پوری طرح مطمئن نہیں تو بیعت کرنا بامقصد ثابت نہ ہوگا۔ جب بیعت ہو جائے تو پھر شیخ کا ہر فعل اگر مرید کی نظر میں مستحسن نہیں تو اس کا فائدہ بھی اسی اندازے کے مطابق کم ہوگا۔ ایسے شیخ سے بیعت کرنا درست نہیں جہاں اختلاف رائے ہو اور مرید اپنی رائے کو شیخ کی رائے پر فوقیت دیتا ہو (یہ حقیقت ہے کہ زیادہ تر مرید اسی نوع سے تعلق رکھتے ہیں کہ خود کو اپنے شیخ سے اعلیٰ اور ارفع سمجھتے ہیں) اگر معاملہ اختلاف پر مبنی ہے تو مرید کو چاہیے کہ اپنی بیعت کے ابتدائی مراحل میں اپنی رائے کو شیخ کی رائے کی موافقت میں لے آئے ورنہ بیعت کا قطع کر دینا بہتر ہوتا ہے مگر ایسے مرید کا کسی دوسرے شیخ سے امید وابستہ رکھنا عموماً دور کی بات ہوتی ہے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۸۷۔

رشتہ شیخ کو استوار رکھنے کے سلسلے میں راقم الحروف نے ایک بہت مفصل کتاب ''رابطہ شیخ'' کے نام سے تالیف کی ہے جس کی موجودگی میں یہاں اس موضوع پر گفتگو کرنا مناسب نہیں، لہٰذا شائقین اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔ شیخ کے انتقال کر جانے کے بعد یہ بات ضروری ہے کہ مرید کو شیخ سے اسی طرح فیض ملتا رہے جس طرح وہ اس کی زندگی میں حاصل کیا کرتا تھا۔ مرنے کے بعد صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ شیخ سے بالمشافہ گفتگو کی بجائے مراقبے میں گفتگو کی جائے۔ مراقبہ کی حالت میں شیخ کو سامنے رکھ کر سوال جواب کئے جائیں تو یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور شیخ سے فیض بھی ملتا ہے۔ یہ بات ضروری ہے کہ شیخ کے انتقال سے پہلے ہی یہ سلسلہ جاری ہو جائے اور ضرورت ہو تو اپنے شیخ سے اس کی تربیت حاصل کرے یا کسی صاحب طریقت سے اس امر پر وضاحت طلب کرے۔ شیخ کی زندگی میں اس سے مرید کے بہت سے پیغام آتے جاتے ہیں اور اس پیغام رسانی کے کام کو آزمالینا چاہیے۔ عقلمندوں کے لئے یہ اشارات کافی ہیں۔ جو ان اشارات پر اکتفا نہیں کر سکتا اس کے لئے زیادہ کلام بھی خاردار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔

باب نمبر ۹

لوگوں میں روحانیت کی بانٹ

بلند مرتبہ بزرگوں کی زندگی میں کچھ علامات ضرور پائی جاتی ہیں۔ عام طور پر مشائخ کرام روحانی مقامات کو مشقت، زہد وتقویٰ اور سخت مجاہدات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپؒ نے جس قدر سخت مجاہدات اپنے ابتدائی زمانہ میں کئے اور زمانۂ تکمیلِ ولایت تک کرتے رہے، اس قدر سخت مجاہدات شاید ہی کسی بزرگ نے اپنے لئے مخصوص کئے ہوں۔ اس کے برعکس کچھ بزرگ ایسے بھی ہوگزرے ہیں جن کو پیدائشی طور پر ولایت اور بلند مرتبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کر دی جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ، اپنی پیدائش سے پہلے ہی اس مقام پر فائز تھے جو آپؓ اپنی حیات میں رکھتے تھے۔ (مکتوبات ربانی، مکتوب نمبر ۱۲۸ حصہ دوم دفتر سوم) عام طور پر یہ مقام ان کیلئے خاص تھا جو روحانی سلسلہ میں سخت مجاہدات کرتے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوگزرے ہیں کہ جن کو پیدا ہونے سے پہلے کچھ فرائض انجام دینے کا شرف حاصل تھا مگر ایسے لوگوں کا تذکرہ ہم نے اپنی تصنیف ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' میں کر دیا ہے۔

جو کچھ کہا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عادت ہے جس کو اللہ تعالیٰ ولایت دینے کے لئے اپنائے ہوئے ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے کسی فعل سے اتنا راضی ہو جاتا ہے کہ اسے وہ خاص مقام عطا کر دیتا ہے جو دوسروں کو مجاہدات سے بھی عطا نہیں کرتا۔ اس نوعیت کی ولایت کی تفصیل نیچے بیان کی جارہی ہے۔ انشاء اللہ نیچے یہ بھی بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ کون سی قسم کی روحیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فیضانِ خاص کے لئے چن لیتا ہے۔ اس جگہ یہ بات بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ راقم الحروف نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ بہت سے سالکین راہ طریقت ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو طریقت راس نہیں آتی اور ان کو

اوائلِ طریقت میں، ہی واضح کر دیا جاتا ہے کہ تمہیں طریقت قبول نہیں کرتی اس لئے اس دردسری میں نہ پڑو اور اگر اس طرف لگے رہو گے تو سخت مجاہدات کے باوجود تم طریقت کے میدان میں نہ پہنچ سکو گے۔ ان دونوں اقسام کے سالکین کا ذکر بھی نیچے کیا جائے گا انشاءاللہ۔

قرآن مجید میں ''سورۃ الواقعہ'' کی آیات ۴۱ اور ۸۸ میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی مقربین، اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال۔ مقربین تو اللہ تعالیٰ کے وہ مقرب بندے ہیں جو ہر زمانے میں ہوں گے (پہلے زمانے میں بہت زیادہ ہونگے اور آخری زمانے میں کم) اصحاب الیمین داہنے ہاتھ والے بزرگوں کو کہا جاتا ہے جو پہلے زمانے میں بہت تھے اور آخری زمانے میں بھی بہت ہوں گے۔ ان تمام اقسام کے علاوہ اولیائے کرامؒ کے درجے بھی ہیں جو ولایت کے باب میں ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں بلندیِ مقامات کے ان اصولوں کے متعلق بات ہو رہی ہے جن کے اعتبار سے اولیاءؒ کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

مقامات اولیاء کے حصول کے لئے مذکورہ بالا تمام سالکین کو چند اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اولیائے کرامؒ کی مندرجہ ذیل اقسام کے علاوہ کچھ اور اقسام بھی ہیں لیکن اس وقت ہم عمومیت کلام پر ان اقسام کو محدود کر رہے ہیں۔

(۱) ''سورۃ الواقعہ'' میں لوگوں کی تین اقسام کی گئی ہیں، مقربین، اصحاب یمین اور اصحاب شمال (یہ آخری قسم کے لوگ جہنمی ہیں)۔

(۲) وہ اولیاءؒ جو پیدائش سے پہلے ہی بلند مقام رکھتے ہیں۔

(۳) وہ اولیاءؒ جو پیدائشی طور پر ولی ہوتے ہیں۔

(۴) وہ اولیاءؒ وعطائے الٰہی سے مقام پا لیتے ہیں۔

(۵) وہ اولیاءؒ وکسی مخصوص عمل کے سبب بلند رتبے پر پہنچ جاتے ہیں۔

(۶) وہ اولیاءؒ وسخت مجاہدات اور مشقت سے بلند مرتبے پر پہنچتے ہیں۔

(۷) وہ لوگ جو کسی بزرگ کی ایک نظر سے ہی بلند مرتبہ پا لیتے ہیں۔

(۸) وہ اولیاءؒ جو اولیائے کرامؒ کی خدمت میں رہنے سے ہی مقام پا لیتے ہیں۔

(۹) وہ اولیاءؒ جن پر خدا کو ترس آ جائے تو ان کا کام بن جائے۔

(۱۰) وہ لوگ جن کو طریقت قبول نہیں کرتی۔

(۱۱) وہ لوگ جو محنت ہی نہیں کرتے اور تمام عمر محروم رہتے ہیں۔

(۱۲) وہ لوگ جو محنت بھی کریں تو کچھ مقام نہیں ملتا۔

(۱۳) وہ لوگ جن کی عبادت یا عادات میں اصلاح کر دی جائے تو مقام مل جاتا ہے۔

(۱۴) وہ غیر مذہب لوگ جو سخت مجاہداتِ بدنی کریں تو کچھ معمولی تصرف یعنی استدراج حاصل ہو جاتا ہے۔

(۱۵) وہ غیر مذہب لوگ جن کی محنت اور مشقت کو ضائع نہیں کیا جاتا اور آخرت کی سزا میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

ا۔ سورۃ الواقعہ میں بیان کردہ لوگوں کے گروہ

سورۃ الواقعہ میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے اور ان کے مقامات کی بھی وضاحت فرمائی ہے وہ تین گروہ حسب ذیل ہیں۔

i۔ مقربین وہ لوگ جو اولین اور آخرین میں نیک ہوں گے ان کے بارے میں مفسرین کی رائے ہے کہ یہ نیک لوگ جن کو سابقین یا مقربین کہا گیا ہے یہ اگلوں میں سے بہت زیادہ اور پچھلے لوگوں میں سے بہت کم ہوں گے۔ اگلوں سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جو زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے رسول پاک سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک تک کے لوگوں کا ہے جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے لیکن یہ قول نہایت ضعیف ہے اگرچہ اس کے وجوہِ ضعف کے جواب میں بہت سی توجیحات بیان ہوئی ہیں۔ قول صحیح تفسیر میں یہ ہے کہ اگلوں سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پہلے لوگ مہاجرین اور انصار مراد ہیں جو سابقین اولین کہلاتے ہیں اور پچھلوں سے ان کے بعد والے مراد ہیں۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حدیث مرفوع میں ہے کہ اولین اور آخرین اسی امت کے پہلے اور آخری ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں گروہ میری امت کے ہیں۔

ii۔ اصحابِ یمین وہ لوگ جن کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور نعمتوں میں ہوں گے۔ یہ اصحاب الیمین کہلاتے ہیں۔

iii۔ اصحابِ شمال　وہ لوگ جن کو ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ شقی لوگ ہیں اور یہ اصحاب الشمال ہیں۔

۲۔ وجود میں آنے سے پہلے بلند مقام رکھنے والے اولیاءؒ

یوں تو ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ اپنی پیدائش سے پہلے ہی کچھ لوگوں کو بلند مقامات مل جاتے ہیں۔ خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی پیدائش سے پہلے بھی نبی تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "کُنتُ نَبِیًّاوَّ آدمُ بَیْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ"[1] (یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا کہ جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے) (یہ تفصیل طویل ہے مگر اس جگہ اختصار سے کام لیا جا رہا ہے)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام غزالیؒ کے پیدا ہونے سے پہلے کے واقعات ملتے ہیں۔ بابا آبریزؒ نے تو حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں پانی ڈالنے کی خدمت انجام دی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوب نمبر ۱۲۳ دفتر سوم حصہ دوم میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں میرے خیال میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) وجود عنصری یعنی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجاء و ماویٰ تھے جیسے کہ وجود عنصری کے بعد ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض پہنچتا ہے انہی کے وسیلے سے پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ کا آخری نقطہ یہی ہیں اور اس مقام کا مرکز انہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا دور تمام ہوا تو یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بارہ (۱۲) اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب و تفصیل وار آیا۔ ان بزرگوں کے زمانے میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرمانے کے بعد جس کسی کو فیض پہنچتا رہا انہی بزرگواروں کے واسطہ اور حیلہ سے ہی پہنچتا رہا گو وہ اپنے زمانہ کے اقطاب و نجباء ہی نہ ہوئے ہوں لیکن سب کا ملجا و ماویٰ یہی بزرگوار ہوئے ہیں کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نوبت آ پہنچی اور منصبِ مذکور اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ شیخ قدس سرہ کے سوا اور کوئی شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں تمام اقطاب و نجباء کو فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ ہی کے وسیلہ شریف سے ممکن ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز شیخ عبد

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۶۰۹، جلد ۵، صفحہ ۵۸۵۔

القادر جیلانیؒ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ''پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے کناروں پر رہے گا اور غروب نہ ہوگا''۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا   اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ[1]

۳۔ وہ اولیائے کرامؒ جو پیدائشی طور پر ولی ہوتے ہیں

کچھ ایسی ارواح بھی ہو گزری ہیں کہ جو ماں کے پیٹ میں بھی ولی اللہ کے زمرے میں شامل ہوتی ہیں۔ ایسے اولیاء کرامؒ کو بعض صاحبِ بصیرت لوگ پیدائش کے وقت یا کچھ دیر بعد ہی پہچان لیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو آپ علیہ السلام نے مہد میں (یعنی پیدائش کے کچھ دیر بعد) ہی فرما دیا کہ میں اللہ کا نبی ہوں جیسے قرآن حکیم میں ہے ''اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا'' (کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں دینے والا نبی بنایا) (المریم: ۳۰) حضرات اولیائے کرامؒ میں سے بہت سے اولیائے کرامؒ ایسے بھی ہیں کہ جن کا شمار روز ازل سے ہی اولیاء اللہؒ کی صف میں کیا گیا ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ ماں کے پیٹ میں ولی اللہ تھے۔ روایات میں ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جب پیدا ہوئے تو رمضان المبارک میں سحری سے افطار تک ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے بلکہ آپؒ کی والدہ ماجدہ رمضان کے چاند کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اس بات پر کرتی تھیں کہ ان کے بیٹے نے اوقات روزہ میں دودھ پیا ہے یا نہیں پیا۔ ایسے کئی بزرگوں کی مثالیں ملتی ہیں کہ جو مادرزاد ولی تھے۔

محکمہ موسمیات کے ایک افسر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ چار پانچ سال کے بچے تھے تو ایک بزرگ نے انہیں بچوں میں کھیلتے ہوئے دیکھا تو لوگوں سے کہا کہ یہ بچہ بہت بڑا بزرگ ہوگا اور بہت بڑا افسر بھی ہوگا (یہ ہندوستان کے دور کی بات ہے) پاکستان کے بننے کے بعد ان کو ایسا ہی پایا گیا اور اس بزرگ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔

۴۔ وہ اولیاءؒ و عطائے الٰہی سے ہی مقام پا لیتے ہیں

زیرِ نظر کتاب ''حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے محیر العقول واقعات''، کے باب میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک مغنی (گویئے) کو اللہ تعالیٰ نے بیٹھے بٹھائے ابدال کے عہدے پر فائز کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ

[1] مرآۃ الجنان، جلد ۳، صفحہ ۳۵۰۔

جب کسی کی کوئی بات پسند کرلیں تو اس کو ولی اللہ بنا دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے کسی ولی کو حکم ہوتا ہے کہ فلاں کو ولی بنا دیا جائے۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کوئی ولی اللہ کسی شخص کو سینے سے لگالیتا ہے اور اس کو سینے سے ہٹانے سے پہلے ہی وہ ولی اللہ بنا دیا جاتا ہے۔ ایسے واقعات لاتعداد ہیں۔

۵۔ وہ اولیاءؒ جو کسی ایک عمل کے سبب بلند مرتبے پر پہنچ جاتے ہیں

حضرت جنید بغدادیؒ کو (جن کے متعلق یہ کتاب حضرت بایزید بسطامیؒ کے نام کے ساتھ ملا کر لکھی گئی ہے) سید الطائفہ محض ایک عمل کے باعث بنا دیا گیا۔ اسی طرح حضرت بایزید بسطامیؒ بھی فرماتے ہیں کہ وہ ایک عمل کے سبب اس مقام پر پہنچے جس پر تم انہیں دیکھتے ہو۔

حضرت جنیدؒ جوانی کے ابتدائی حصہ میں شاہی پہلوان کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کے زمانے میں ایک سید زادہ بہت غربت کے عالم میں زندگی گزار رہا تھا۔ سید زادے کو ایک ترکیب سوجھی کہ اگر وہ شاہی پہلوان سے کشتی جیت جائیں تو انہیں اچھا خاصا انعام مل جائے گا۔ جب اس کشتی کا اعلان ہوا تو بہت سے لوگ کشتی دیکھنے کے لئے آئے کیونکہ عوام میں حضرت جنیدؒ کے مقابلے میں ایک نہایت دبلے پتلے پہلوان کا کشتی کے لئے میدان میں آنا ایک نہایت عجیب سی بات محسوس کی جارہی تھی۔ جب مقابلہ شروع ہوا تو ایک دو ہاتھ مارنے کے بعد سید زادے نے حضرت جنیدؒ کے کان میں کہہ دیا ''میں سید زادہ ہوں میرا خیال رکھنا'' سید زادے کی یہ بات سنتے ہی حضرت جنیدؒ فوراً چت لیٹ گئے اور وہ سید زادہ آپؒ کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ دنگل میں جیتنے پر سید زادہ گراں قدر انعام پا کر اپنے گھر چلا گیا۔ حضرت جنیدؒ جب رات کو سوئے تو ان کی قسمت جاگ اٹھی۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا ''اے جنید! آج تم نے ہمارے ایک سید زادے کی عزت رکھی لہٰذا اس احترام کے بدلے میں ہم نے تمہیں سید الطائفہ یعنی تمام بزرگوں کا سردار بنا دیا ہے۔ بس اس کے بعد حضرت جنیدؒ سید الطائفہ کے لقب سے مشہور ہوگئے اور قیامت تک یہ لقب ان کے نام کے ساتھ رہے گا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق اس کتاب کے باب ''محیر العقول واقعات'' میں ہم لکھ آئے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی یہی واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کو علم ہوا کہ فلاں شہر میں اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی ہے۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں اٹھا اور ان کی زیارت کا قصد کر کے چلا۔

جب اس بزرگ کی مسجد میں پہنچا تو وہ بزرگ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں آ کر قبلہ کی طرف رخ کر کے مسجد میں کلی کر دی۔ فرماتے ہیں میں اسی وقت بغیر سلام اور ملاقات کئے وہاں سے پلٹ آیا۔ میں نے کہا کہ ولی کو چاہیے کہ احکام شریعت پر پابند ہو، تا کہ اس پر حق تعالیٰ نظر فرمائے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو مسجد میں قبلہ رو ہو کر کبھی کلی نہ کرتا اور اللہ تعالیٰ اس کی حرمت ولایت پر نظر رکھتا۔ فرماتے ہیں کہ اس شب میں نے حضور سید یوم النشور ﷺ کے جمال جہاں آراء کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ دیکھا کہ حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ ''اے بایزیدؒ! تم نے وہ کام کیا جس کی برکت سے تم اس درجے کو پہنچے''۔ دوسرے روز ہی میں اس درجے پر پہنچ گیا جس پر تم دیکھ رہے ہو۔

حضرت بشر حافیؒ کو بلند مقام اس لئے ملا کہ ان کو زمین پر ایک کاغذ ملا جس پر ''بسم اللہ شریف''، لکھی ہوئی تھی اور آپؒ نے اس کو بہت احترام سے اونچی جگہ پر رکھ دیا اور پھر کبھی جوتا پہن کر زمین پر احترامانہ چلے۔

۶۔ وہ اولیاءؒ جو سخت مجاہدات اور مشقت سے بلند مرتبے پر پہنچے

مجاہدات سے راہ بنانا تو عام بزرگوں کا کام ہے لیکن حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، جنیدؒ بغدادی، بایزیدؒ بسطامی وغیرہ ایسے اولیائے کرامؒ ہیں کہ ان کے مجاہدات کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ خود حضور پاک ﷺ نے اس قدر عبادات ادا کیں کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے [۱] اللہ تعالیٰ نے اس قدر محنت شاقہ سے یہ کہہ کر منع فرمایا ''طٰهٰo مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰىo'' (اے چودھویں کے چاند! ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں نازل کیا کہ آپ اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دیں) (سورۂ طٰہٰ: ۱،۲)

۷۔ وہ لوگ جو کسی بزرگ کی ایک نظر سے ہی بلند مرتبہ پالیتے ہیں

نظروں سے فیض کے نکتے کو سمجھانے کے لئے حافظ شیرازیؒ کا درج ذیل شعر نظروں سے فیض باری کی پوری طرح غمازی کرتا ہے۔

آنانکه که خاك را به نظر کیمیا کنند   آیا بود که گوشهٔ چشمے بما کنند

---

[۱] صحیح بخاری، حدیث ۴۵۵۶، جلد ۴، صفحہ ۱۸۳۰۔

(وہ لوگ جو خاک کو نظر سے کیمیا بنا دیتے ہیں، کاش ایک گوشۂ چشم ہماری طرف بھی کر دیں)

کہا جاتا ہے کہ ایک نظر میں ہی دلوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اہلِ نظر کے تیر نیم کش کا اندازہ کیوں نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ نظروں اور دلوں کی کہانی اس قدر طوالت طلب ہے کہ اگر اس پر قلم اٹھایا جائے تو شاید قیامت تک تشنگی نہ مٹ سکے گی۔ اس حقیقت کے مدِ نظر اور موقعہ کے مطابق بہتر یہی ہے کہ معاملاتِ عشق کو طول نہ دیا جائے البتہ اختصار کے طور پر چند کلمات کو بیان کر دینے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازیؒ کے متعلق ایک روایت میں ہے کہ ایک دن وہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو ان کی نظر دروازے کے سامنے بیٹھے ہوئے کتے پر پڑ گئی تو نظر پڑتے ہی وہ مدہوش ہو گیا اور قبرستان کی طرف چل نکلا۔ اس پر کچھ ایسا رنگ چڑھ گیا کہ اس علاقے کے کتے بھی اس کے پیچھے لگ گئے اور جونہی وہ کتا قبرستان میں جا بیٹھا تو باقی تمام کتے بھی اس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ مثنوی مولانا رومیؒ میں کسی بزرگ کی دعا کا ذکر ملتا ہے کہ اس نے اپنے پیر سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ عرض کی کہ جس طرح فخر الدین رازیؒ نے اپنے دروازے پر بیٹھے ہوئے کتے پر نظر سے سرمست کر دیا اسی طرح مجھ پر بھی ایک نظر کرم فرمائیں۔

ایک روایت جو موقعہ محل کے مطابق قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ علامہ اقبالؒ کے پاس ایک دہریہ آیا اور اس بحث میں الجھ گیا کہ خدا کا موجود ہونا کسی فلسفہ یا منطق سے ثابت نہیں۔ تین دن علامہ اقبالؒ سے بحث مباحثہ میں الجھا رہا۔ آخر علامہؒ نے کہا کہ چلو تمہیں کسی مردِ قلندر کے پاس لے جاتے ہیں وہ تمہیں سمجھائے گا کہ واقعی کوئی خدا موجود ہے یا نہیں۔ جب اس دہریے کے ساتھ علامہ اقبالؒ میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے کمرے میں داخل ہوئے تو بغیر کسی تعارف یا ذکر بحث کے میاں صاحبؒ نے اس دہریئے کی کمر پر ہاتھ مارا اور کہا ''کیوں بھئی بیلیا رب ہے یا نہیں ہے'' یہ بات سنتے ہی اس نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا ''ہاں جی رب موجود ہے'' کہتے ہیں علامہؒ نے اس موقع پر یہ شعر کہا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا ۔۔۔ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

(ب د:۲۷۱)

مذکورہ نوعیت کے لاتعداد واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں مگر تنگی قرطاس کے باعث معاملہ یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

۸۔ وہ لوگ جو اولیائے کرامؒ کی صحبت میں رہنے سے ہی مقام پالیتے ہیں

یہ بات بھی عام فہم ہے کہ ولیوں کی صحبت میں رہنے سے بہت کچھ ملتا ہے مولانائے روم کا شعر ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیائے کرامؒ کی صحبت میں گزاری گئی ایک گھڑی سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے) (۱:۱۰۱)

صحبت اولیاءؒ کے متعلق راقم الحروف کی کتاب ''بیعت کی تشکیل اور تربیت'' کے علاوہ ''اسلام اور روحانیت'' کا مطالعہ فرمائیں۔

۹ تا ۱۶ مختلف نکات کی وضاحت کو قارئین خود ہی بآسانی سمجھ سکتے ہیں

بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قدر گہرا لگاؤ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے انعام سے نواز دیتے ہیں اور اپنے قرب میں مقام عطا فرما دیتے ہیں۔ غالباً یہ ان کی کیفیت عشق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

عجب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ ابو جہل کی طرح طریقت کے قائل ہی نہیں ہوتے اور ان کو طریقت بھی قبول نہیں کرتی۔ ایسے لوگوں کو مشائخ یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ تمہارے مقدر میں یہ دولت نہیں آسکتی۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو طریقت کی طرف قطعاً راغب ہی نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اگر بیعت بھی کر لیں تو بھی وہ بے رغبتی کے باعث محنت شاقہ تو ایک طرف معمولی سی ریاضت سے بھی دِل چراتے ہیں۔ ایسے لوگ پوری عمر محروم رہتے ہیں (بیعت کرنے کے بعد محنت نہ کرنے والے مریدین کی تعداد ۹۰ فیصد سے کم نہیں)۔

ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو محنت تو کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں کوئی مقام نہیں ملتا۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے دل میں خلوص اور لگن یا عشق اور محبت کا مادہ نہیں پایا جاتا لہٰذا عمر بھر محروم رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال ایسے ہے جیسے کوے کے انڈے پر اگر جبرائیل علیہ السلام بھی دم کر دیں تو بھی اس میں سے بچہ کوے کا ہی نکلے گا۔ ہاں کچھ لوگ اصلاح کے قابل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بزرگ سخت توجہ دے اور ریاضت کروائے تو کام بن جاتا ہے۔

جو لوگ غیر مسلم ہیں محنت شاقہ اور غیر اسلامی چلّے کر لیتے ہیں تو انہیں کچھ استدراج حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسے داتا گنج بخشؒ کے زمانے میں ایک ہندو ہوا میں اڑتا تھا مگر حضرت کی کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا تھا۔

ایسی مثالیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں کہ کچھ لوگ اگرچہ کافر ہوں مگر وہ کثرت سے نیک اعمال کرتے ہیں جس سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے مگر ان کے نیک اعمال قبول نہیں ہوتے کیونکہ نیک اعمال کی قبولیت کے لئے اسلام شرط ہے۔"وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ" (جو لوگ نیکی کرتے ہیں، مردوں اور عورتوں میں سے اور وہ مومن بھی ہوں تو وہ جنت میں داخل ہوں گے)(النساء:۱۲۴) اللہ تعالیٰ نیکیوں کا اجر بھی ضائع نہیں کرتا چنانچہ ایسے لوگوں کے آخرت کے عذاب میں کچھ تخفیف کر دی جاتی ہے جیسے ابولہب نے رسول اللہ ﷺ کی پیدائش پر اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا تو اس انگلی سے جس کے اشارے سے اس نے اس کو آزاد کیا تھا، آخرت میں اسے سیراب کیا جائے گا۔ سر گنگا رام نے کچھ ہسپتال تعمیر کئے تو اس کو کم عذاب والی جہنم میں بھیجا جائے گا۔(افسوس ہے کہ آج کا مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ نیک عمل کرنے والے کافر بھی جہنم کے عذاب سے بچ جائیں گے۔ یہ بحث بالکل لاعلمی کے باعث کی جاتی ہے۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا زمانہ پایا اور ایمان نہ لایا تو اس کے عمل قبول نہ کئے جائیں گے مگر ان کے اعمال کے سبب ان کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو سکتی ہے)۔

باب نمبر ۱۰

جنیدؒ و بایزیدؒ کا سُکر اور صحو پر نظریہ

سکر اور صحو، دو ایسے الفاظ ہیں کہ ارباب معانی (یعنی مشائخ کرام) نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کے سلسلے میں بہت کلام کیا ہے۔ سکر اور صحو کی بحث کافی عمیق بھی ہے اور طویل بھی۔ اس پر گہری گفتگو عوام کے فہم کے لئے قدرے مشکل نظر آئے گی اور یہ کتاب چونکہ عوام الناس کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے اس موضوع پر سادہ گفتگو سے ذرا سا بلند اسلوب اپنایا جائے گا تا کہ ایسا نہ ہو کہ آسانی کی خاطر اس مضمون کا علمی معیار ہی گر جائے اور اس کی چاشنی سے علم میں متوسط طبقہ محروم ہو جائے۔

حضرت بایزیدؒ کے نزدیک سکر کی تعریف

سُکر عربی کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں نیم خوابی، نشے کی حالت میں ہونا، اپنے آپ سے گم ہونا غلبہ شوق میں آنا یا غلبۂ محبت میں کچھ عرصہ کے لئے بے خود ہونا۔[1] اس میں بشریت کے تمام لوازمات، تدابیر دنیاوی اختیارات، انسانی مساعی (کوششوں) کی عرق ریزیوں سے دوری ہو جاتی ہے۔ اس میں صاحب سکر کے تمام تصرفات واختیارات حق کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں اور تمام تدابیر اور اختیارات کی قوتیں زائل ہو جاتی ہیں اور وہ معانی جو بندے کے وجود میں بصورت قویٰ اور خلاف جنس ہیں وہ قویٰ اتم اور اکمل صورت میں اس کے حال میں قائم رہتے ہیں (یعنی مفقود نہیں ہو جاتے)۔

حضرات اہل سکر کا خیال ہے صحو کی حالت تمکین اور اعتدال (صاحبِ استقامت اور متوازن) پر صفت آدمیت کی صورت پکڑ لیتی ہے اور یہ (یعنی صحو) حجاب اعظم ہے۔ سکر زوال آفات اور نقائص صفات بشریت کو دور کر دیتا ہے اور صاحب سکر کی تمام تدابیر اور اختیارات کی قوتیں زائل ہو جاتی ہیں۔

---

[1] التعاریف، جلد ا، صفحہ ۴۰۹۔

مذکورہ بالا تعریف حضرت بایزید بسطامیؒ کے خیالات کے مطابق ہے اور وہ گروہ جوان کا ہم خیال اور مؤید ہے وہ ان کی موافقت میں دلائل پیش کرتا ہے، مثلاً حضرت مخدوم علی ہجویریؒ نے "کشف المحجوب" میں حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ حالت صحو میں تھے تو ان کے اس فعل "وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ" (داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا)(البقرہ:۲۵۱) کو یعنی اس قتل کرنے کے فعل کو داؤد علیہ السلام کی طرف مضاف کیا۔ اس کے برعکس حضور ﷺ جب حالت سکر میں تھے آپ ﷺ کا ہر وہ فعل جو آپ ﷺ کی طرف سے ظہور میں آیا اللہ تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف فرمائی اور فرمایا "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (وہ کنکریاں اے محبوب تم نے نہیں پھینکیں جب تم نے پھینکیں وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں)(الانفال:۱۷) اس سے یہ ظاہر ہوا کہ جو بندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم تھا اور اپنی صفات پر قائم تھا اس کی کرامت کے متعلق یہ فرمایا کہ یہ کام تو نے کیا لیکن جو بندہ اپنی صفات سے فانی تھا اور اپنے رب کے ساتھ قائم تھا اسے فرمایا کہ یہ کام جو تو نے کیا وہ ہم نے کیا۔ ایسی اضافت جو اللہ کی طرف ہے وہ بہترین ہے ۔ داؤد علیہ السلام کی نظر ایک عورت (جو اوریا کی عورت تھی) پر پڑی تو وہ ان پر حرام رہی مگر حضور ﷺ کی نظر ایک عورت پر پڑی تو وہ زید پر حرام ہوگئی چونکہ داؤد علیہ السلام کی نظر صحو تھی اور حضور ﷺ کی نظر محل سکر تھی۔ کلام اقبالؒ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علامہ اقبالؒ نے فقر میں مستی کو جائز قرار دیا ہے۔

علم کا مقصود ہے پاکئ عقل و خرد — فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر — فقر میں مستی ثواب علم میں مستی حرام
(ب ج:۳۶۹)

حضرت جنیدؒ کے نظریے کے مطابق صحو کی تعریف

صحو بھی عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بغیر ابر کے صاف وشفاف دن، اور جب صحو کی نسبت انسان کی طرف ہو تو پھر معنیٰ ہوگا ہر قسم کی کجی، جنون اور مدہوشی سے منزہ ذہنی حالت۔ سکر صحو کی ضد ہے۔ صحو کا مطلب یہ ہے کہ حالت ہوش میں رہ کر عبادات اور طاعات کی تکمیل کی جائے۔ اہل صحو کے مطابق سکر محل آفت ہے۔ جب سالک صحیح الحال نہ رہا تو تحقیق کا فائدہ نہ حاصل ہو سکے گا۔ اہل تصوف کا دل موجودات سے مجرد ہونا ضروری ہے اور بینائی یعنی بینش کی بنیاد سکر میں کبھی راحت نہیں پاتی۔ ایسے (سکر والے) لوگ ماسوا اللہ میں گرفتار رہتے ہیں۔ اہل صحو حقیقت اشیاء کو دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِى

الْاَبْصَارِ" (اے آنکھ والو عبرت حاصل کرو) (الحشر:۲) اور جب تک حقیقت نہ دیکھی جائے عبرت کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ صحو کے بارے میں حضرت جنیدؒ اور ان کے ہم خیال اولیائے کرامؒ کا خیال ہے کہ سکر سے آفات اور لغزشیں پیدا ہو جاتی ہیں خصوصاً اس وقت جبکہ صاحب سکر ولی ہو اور نبی نہ ہو (نبی میں لغزش کا احتمال نہیں رہتا) کیونکہ عام شخص کو علم، فہم اور حواس کی سلامتی ممکن نہیں، چنانچہ وہ مسائل کی صحیح تحقیق حالت سکر میں نہ کر سکے گا۔ فرماتے ہیں کہ صبر اور رضا کے مقامات صرف ہوشیار اور بیدار بندوں کے لئے مخصوص ہیں جن کو اہل صحو کہتے ہیں۔ آپؒ کے گروہ سے تعلق رکھنے والے حضرت بوبکر واسطیؒ کا ارشاد ہے کہ کرامات حالت سکر کی بجائے حالت صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہیں اور اسرار الٰہی کی حفاظت کرنا بھی حالت صحو کے ساتھ مخصوص ہے (اہل سکر اپنے غلبہ حال میں بعض مرتبہ مخفی اُمور اور اسرار کی باتیں عوام سے کہہ دیتے ہیں جو شرعاً جائز نہیں۔ حافظؒ نے ایک شعر میں اسی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ کبھی سالک اور عارف مخفی باتوں کو عام آدمی کے سامنے بیان نہیں کرتے مگر یہ راز کی بات بادہ فروش کو کیسے معلوم ہوگئی۔

سرے کہ عارف و سالک بہ کس نہ گفت   در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(وہ راز جو کسی عارف اور سالک نے کسی سے نہیں کہا میں حیران ہوں کہ شراب بیچنے والے نے کہاں سے سن لیا)

اس نوعیت کے صوفیوں کے گروہ کا خیال ہے کہ حضرت جنیدؒ نے صحو پر زور دے کر پابندیٔ شریعت کی اہمیت کو بڑھایا ہے اور صوفیوں کے گروہ کو ہدفِ ملامت سے بچا لیا اور خدمتِ خلق کا میدان ہموار کیا۔ حضرت جنیدؒ کا یہ حال تھا کہ وہ حضورِ حق میں ایسے حاضر تھے کہ باقی دنیا سے غائب تھے اور اللہ تعالیٰ ہی ان کی مراد تھا۔ ایک شخص نے حضرت جنیدؒ سے عرض کی کہ اسے کچھ وقت دیں تا کہ وہ ان سے جو کہنا چاہتا ہے کہہ سکے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اے جواں مرد تو مجھ سے وہ چیز چاہتا ہے جس کی میں خود ایک طویل عرصے سے خواہش رکھتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں کئی سالوں سے اس کوشش میں ہوں کہ میں ایک لمحے کے لئے اپنے پاس موجود رہوں مگر ابھی تک ایسا وقت نہیں آیا تو میں تمہارے ساتھ کیسے کچھ دیر رہ سکتا ہوں۔ آپؒ کا قول ہے کہ مجھ پر ایسا وقت بھی گزرا۔ کہ تمام زمین اور آسمان میری پریشانی پر اشک فشاں تھے۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ میں ان کے غائب ہونے پر گریہ وزاری کرتا رہا اور اب وہ وقت ہے کہ مجھے نہ اپنی خبر ہے اور نہ زمین و آسمان کی، اس کو مقام حیرت کہتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ کے خیال کو حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی تقویت دی ہے اور کشف المحجوب میں یہ عبارت ہے "اَلنَّومُ اَخُو المَوْتِ"[1] یعنی نیند موت کی بہن ہے اور یہ ایک قسم کی بلا ہے۔ جس کے مقابلے میں صحو کی نعمت بہتر ہے اور سونے کا تعلق غفلت سے ہے اور شیطان کو بندوں کی نیند سخت ناپسند ہے اور وہ چاہتا ہے کہ بندہ کب بیدار ہو تو وہ اسے اللہ کی نافرمانی کیلئے کھڑا کرے۔ حضرت جنیدؒ کا یہ بھی خیال ہے کہ سکر بچوں کی بازی گاہ ہے اور صحو شہادت گاہ مرداں ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اور ان کے اپنے مرشد بھی اسی خیال کے حامی تھے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ اہلِ سکر اگر ترقی کرتا ہے تو وہ صحو کے درجے پر ہی آتا ہے (جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ سکر سے صحو کا درجہ بڑا ہے) اس سلسلے میں سکر پر اسی باب میں ایک الگ مضمون لکھ دیا گیا ہے۔ جس میں راقم الحروف نے سکر کا روحانیت میں پایا جانا ایک لازمی امر ثابت کیا ہے۔

روحانیت کے معاملات بغیر سکر کے آگے بڑھ ہی نہیں سکتے

یہ ایک بحث چل نکلی ہے کہ سکر کو مذموم سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ روحانی معاملات میں ہر قدم پر نفیٔ غیر مراقبہ اور توجہ الی اللہ کی ضرورت رہتی ہے۔ سکر سے مراد یہ لینا کہ اہل سکر بالکل سوئے رہتے ہیں یہ سراسر زیادتی ہے۔ سکر کے بہت سے درجات ہوتے ہیں جس کو ہم خفیف، میانہ اور شدید درجات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ شدید سکر تو مکمل مجذوب لوگوں پر طاری رہتا ہے۔ اس کی تو بات ہی الگ ہے۔ ایسے صوفی جو غلبہ سکر میں رہتے ہیں ان کو بھی مذموم نہیں کہا جاتا۔ ایسے مجذوب لوگوں کو دنیا کی کسی شے سے قطعاً رغبت نہیں رہتی۔ وہ تو اس دنیا سے ہی باہر چلے گئے اور یہی وجہ ہے کہ جب انہیں کھانے، پینے، سونے وغیرہ سے کوئی تعلق نہ رہا تو شریعت نے انہیں تکلفات شرعیہ سے آزاد کر دیا اور جب تک وہ اس حال میں رہیں نماز، روزہ وغیرہ کی عبادتیں بھی ان سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ ایسے صوفی کو شریعت برا کہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے حسب ذیل شعر بولا جاتا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را   هر زماں از غیب جان دیگر است

(خنجر تسلیم کے مارے ہوئے لوگوں کے لئے، تو ہر لمحہ غیب سے نئی جان ملتی ہے)

مکتوباتِ قدسیہ کی ایک روایت بہت مشہور ہے کہ حضرت شیخ الاسلام شیخ فتح اللہ اودھیؒ ایک مرتبہ

---

[1] الزھد، جلد ا، صفحہ ۹۔

مسلسل سماع کی حالت میں ہی رہے اور تین دن تک سماع جاری رہا۔ آپؒ اس اثنا میں باقاعدہ نماز باجماعت ادا فرماتے رہے۔ جب آپؒ ہوش میں آئے تو اپنی نمازوں کے بارے میں سوال کیا تو لوگوں نے بتایا کہ آپؒ نے اس دوران تمام نمازیں باجماعت ادا کیں۔ آپؒ نے اس زمانے کے مفتی حضرت محمد عیسیٰؒ سے فتویٰ طلب کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگرچہ اصلی نمازیں تو یہی تھیں جو آپؒ نے ادا کیں لیکن شریعت کا تقاضا ہے کہ آپؒ انکی قضا کریں کیونکہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں اور نہ ہی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اس قسم کے غلبہ سُکر کو سکر نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ لوگ کبھی سکر کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی صحو کی حالت میں ان کو صاحبان صحو و سکر کہا جاتا ہے یا سالک مجذوب بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ ان کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ عام بزرگوں کو دیکھیں تو کبھی ان پر کچھ دیر کے لئے سکر کی کیفیت طاری رہتی ہے اور کبھی صحو کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اہل صحو بھی ہر وقت صحو کی حالت میں نہیں رہ سکتے کیونکہ جب بھی وہ متوجہ الی اللہ ہوتے ہیں تو بوقت مراقبہ، نفی اور از خود رفتگی وغیرہ کی حالت لازمی طور پر طاری ہوتی ہے اور وہ دنیا سے کٹ جاتے ہیں تو یہی لمحات حال سکر کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ (آئندہ صفحات) میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے دونوں گروہ کے حضرات کو اچھے لفظوں سے یاد کیا ہے اور فرمایا ہے یہ فرق صرف الفاظ و بیان کا فرق ہے۔ حقیقتاً یہ دونوں حالتیں بے اختیاری کی وجہ سے ہیں اور جب کوئی بندہ کسی مقام پر ہوتا ہے تو اس کا اپنا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت بندہ جاگے یا سوئے، اللہ تعالیٰ کا پیارا اور عزیز ہوتا ہے۔

سیرت جنیدؒ میں ضیاء الحسن فاروقی نے حضرت جنیدؒ کا قول لکھا ہے کہ سکر کے یہ معانی نہیں کہ اس بندے کی روحانی قوت ختم ہو جاتی ہے بلکہ اہل سکر حالت فنا میں بھی رہتے ہیں اور عالم ہوش میں بھی ہوتے ہیں۔

سکر کو غفلت اور موت قرار نہیں دیا جاسکتا

اہل سکر کو اگرچہ نیم خوابی کی حالت میسر ہو جاتی ہے مگر اس کے یہ معنی اخذ نہیں کیے جاسکتے کہ اس نیم خوابی میں ہوش میسر نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ اہلِ صحو نے نیند کو غفلت اور موت کی بہن قرار دیا ہے مگر اہلِ سکر اس کو اللہ کی عطا تصور کرتے ہیں کیونکہ اس میں بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن و امان عطا ہوتا ہے جیسا کہ جنگ بدر میں کچھ دیر مومنوں پر نیند طاری کر دی گئی اور اس کے بعد وہ تازہ دم ہو کر لڑے۔ قرآن میں ہے "ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا" (پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اُتاری) (آل عمران: ۱۵۴)۔

گویا یہ نیند تو اللہ کے دوستوں کو عطا کی جاتی ہے اور خواب کے سچے واقعات نیند کی حالت میں ہی ظاہر کئے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کو خواب میں فتح مکہ کی بشارت دی گئی کیونکہ نبی کا خواب بھی سچا بمنزل وحی الٰہی ہوتا ہے اور قرآن میں یہ بھی فرمایا گیا کہ خواب میں کافروں کی تعداد کو کم دکھایا گیا تا کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوں۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں خواب میں انسان ایسی چیزیں ملاحظہ کرتا ہے جو بیداری کی حالت میں عموماً نظر نہیں آتیں۔ آپؒ نے صوفیاء کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا کہ خواب میں سچے واقعات اس لئے نظر آتے ہیں کہ انسان کا منہ آنکھ کان اور زبان چونکہ بالکل خاموش ہوتے ہیں لہٰذا اگر بیداری میں بھی یہی نیند کی سی کیفیت طاری رہے (یعنی اس کا کان، ناک، منہ اور دماغ سوچنا اور کام کرنا بند کر دیں) تو اس کو بیداری میں بھی خواب کی طرح سچے واقعات نظر آ سکتے ہیں۔ سکر اسی قسم کے خاموش عمل یعنی مراقبے میں انسان پر طاری ہو جاتا ہے جس کی بدولت اسے بیداری کی حالت میں سچے واقعات نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

سکر کی نیم خوابی کی حالت میں اہلِ سکر کو اللہ تعالیٰ سے فیضان نصیب ہوتا ہے۔ وحی کی حالت میں بھی حضور ﷺ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا علم ہو جاتا تھا کہ اب نزول وحی کا وقت ہے۔ وحی کی حالت سے پہلے آپ ﷺ کو عجیب آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں اور کبھی پسینہ مبارک آپ ﷺ کے چہرے سے نمودار ہو جاتا تھا مگر یہ کیفیت ہر وقت نہیں رہتی تھی۔ اہلِ سکر بھی کیفیتِ سکر کے بعد اپنی اصلی حالت میں آ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر غفلت اور موت کے اثرات کا طاری ہونا نہیں کہا جا سکتا۔

ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ اس وقت حق تعالیٰ کی معیت اور قرب کی تجلیات میں محو تھے۔ غلبہ حضور مع الحق کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پہچان نہ سکے اور دریافت فرمایا کہ "مَنْ اَنْتِ" (تو کون ہے؟) عرض کیا "اَنَا عَائِشَةُ" (میں عائشہ ہوں) پھر بھی حضور ﷺ نے نہ پہچانا لہٰذا پھر دریافت کیا کہ "مَنْ عَائِشه؟" (کون عائشہ؟) عرض کیا کہ "بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ" (ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی) پھر بھی آپ ﷺ کو اس حالت سے افاقہ نہ ہوا اور دریافت فرمایا کہ "مَنْ اَبُوْ بَکْرٍ" (ابوبکر کون ہیں؟) عرض کیا "اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ" (ابو قحافہ کے بیٹے) پھر آپ نے دریافت کیا "مَنْ اَبُوْ قُحَافَةَ؟" (ابو قحافہ کون؟) تب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر دہشت اور خوف کا غلبہ ہوا اور چپکے سے واپس ہو گئیں۔ پھر جب آپ ﷺ اس حالت سے واپس آئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سب ماجرا کہہ

سنایا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ ؓ! میرے اور میرے اللہ کے درمیان ایک مخصوص وقت ہوتا ہے۔ اس وقت مجھے ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ اس مقام قرب میں نہ تو کسی نبی مرسل کی رسائی ہو سکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتہ کی ۔[۱]

ہم تم ہی بس آ گاہ ہیں اس ربط خفی سے　　معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے
نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں　　کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

حضرت بایزید بسطامیؒ کا ذکر اس کتاب میں کیا جا چکا ہے کہ جب حضرت ذوالنون مصریؒ کا ایک مرید آپؒ کے گھر پر ملاقات کے لئے گیا تو اس نے پوچھا "هَلْ بَايَزِيْدُ فِي الْبَيْتِ" (کیا بایزیدؒ گھر میں ہیں) تو آپؒ نے فرمایا کہ "مَافِي الْبَيْتِ اِلَّا اللّٰهَ" [۲] (گھر میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں ہے)۔ حضرت بایزیدؒ کا ایک اور واقعہ بھی اس کتاب میں نقل کیا جا چکا ہے کہ آپؒ کا ایک خادم تین ماہ سے آپؒ کی معیت میں تھا۔ ایک دن جب وہ آپؒ کو وضو کروا رہا تھا تو آپؒ نے پوچھا "تم کون ہو! تمہارا نام کیا ہے" اس نے جواب دیا کہ حضرت کیا آپؒ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں جبکہ آپؒ کو معلوم ہے کہ میں تین ماہ سے آپؒ کی خدمت میں ہوں" حضرت بایزیدؒ نے فرمایا مجھے کبھی کچھ ہوش نہیں رہتی اور کبھی میں تمام دنیا کو فراموش کر دیتا ہوں۔ حضرت حبیب عجمیؒ کے متعلق روایت ہے کہ ایک روز آپؒ نے اپنے پاس ہی کھڑی ایک عورت سے کہا کہ ذرا میری خادمہ کو بلا دینا تو اس عورت نے کہا کہ تیس برس سے میں آپ کی خدمت کر رہی ہوں۔ آپ مجھے پہچانتے نہیں، آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لیے نہیں پہچانا کہ تیس برسوں سے میری توجہ اللہ کے سوا کسی اور طرف نہیں گئی ۔ایسے واقعات بے شمار ملتے ہیں لیکن یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اہل سکر پر موت اور غفلت کے اثرات طاری ہو جاتے ہیں۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ جب بایزید بسطامیؒ اور ان جیسی دیگر عظیم الشان ہستیاں سکر سے وابستہ ہیں تو اس کیفیت کی مذمت کرنا ان کی مذمت کرنے کے برابر ہے۔

حضرت جنیدؒ کے نزدیک صحو توحید کے ساتھ ملے تو تصوف کی شکل بنتی ہے

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ توحید خالص وہیں ختم نہیں ہو جاتی جہاں انسان ایک بیکراں حیرت اور

---

[۱] تفسیر الکبیر، جلد ا، صفحہ ۱۰۰۔
[۲] کشف المحجوب، صفحہ ۴۱۳۔

سکر و مستی کی بسیط فضا میں محو ہو کر رہ جائے بلکہ خالص توحید کی مکمل صورت یہ ہے کہ موحد عالمِ سرشاری و مدہوشی سے نکل کر بحالی ہوش یعنی صحو کی فضائے حقیقت میں آجائے۔ فرماتے ہیں جب ایک موحد اپنی انفرادیت کو گم کر لے تو توحید کے ارفع مقام میں پہنچ جاتا ہے (یعنی وہ جب اپنے آپ کو فنا کر کے ذات باری میں اپنی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے) گم ہو جاتا ہے اور اپنے مالک کے قبضے میں ہوتا ہے تو اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں رہتا اور نہ کوئی مقصد، یہاں تک کہ خیر و شر کا امتیاز بھی وہ نہیں کر سکتا۔ (یہ امتیاز، اس منزل میں اس کے لئے کوئی معنٰی نہیں رکھتا) تو پھر یہ خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ معاشرتی احکام و قوانین اور مذہبی فرائض اور واجبات کا اپنے آپ کو (اور کسی کو بھی) مکلّف نہ سمجھے، یعنی وہ یہ سمجھنے لگے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابندیاں صرف عوام الناس کے فائدے کے لئے ہیں۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ بعض صوفیاء کے ہاں یہ رویہ ملتا ہے کہ ایسے صوفیوں کو مذہبی احکام اور معاشرتی تقاضوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔

حضرت جنیدؒ کے پاس آکر ایک شخص نے سوال کیا کہ اہل معرفت ترقی کر کے ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ پھر نیکی اور تقرب الی اللہ کے لئے حرکت بند کر دیتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے کہ جو اعمال کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں لیکن میرے نزدیک یہ ایک بہت بڑا اور بھاری گناہ ہے۔ فرمایا کہ ایسے شخص سے وہ شخص بہتر ہے جو چوری بھی کرتا ہو اور گناہ بھی کرتا ہو کیونکہ معروف اعمال کا حکم انہیں اللہ سے ملا ہے اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ طریقت میں شریعت کو ساقط کرنا گناہ کبیرہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اگر ایک ہزار سال سے بھی زیادہ زندہ رہوں تب بھی میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ میرے اعمال میں ذرہ برابر بھی کمی پائی جائے۔ یہی بات آپؒ کا نظریہ صحو کہلاتی ہے جو توحید کے ساتھ مل کر ان کے تصوف کی بنیاد بن جاتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت جنیدؒ کا طریقہ صحو پر مبنی ہے اور یہ طریقہ مشہور و معروف ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ میرے تمام مشائخ اس سلسلے میں جنیدی تھے اگر چہ اس میں اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے۔

تصوف میں فنا کے مقام پر پہنچنے کے بعد پھر اس دنیا کے مقام میں واپس آنا ہوتا ہے تا کہ بنی نوع انسان کی خدمت کر سکے (اور مقام ارشاد کو پالے) اور عوام کے دکھ درد میں شریک ہو اور ان میں رہ کر ان کی ذمہ داریوں کو پورا کرے جو اسوہ حسنہ کی شکل میں اسلام میں آئی ہیں۔ یہ بات صرف حالت صحو میں ہو سکتی ہے سکر میں نہیں۔ مشائخ تصوف کی رائے اس طرف ہے کہ اقتداء صرف اس مستقیم شخص کی درست ہے جو گردش احوال سے آزاد ہو چکا ہو اور ایک گروہ مشائخ کا اس طرف ہے کہ اقتداء صاحب صحو اور صاحب سکر دونوں کی روا ہے تا کہ

انسان با تکلف غلبہ اور سکر کی راہ پر چل سکے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ اگر اس کے تناظر میں دیکھا جائے تو حدیث نبوی ﷺ سامنے آتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا "اُبْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا" (تم رویا کرو اور اگر نہ رو سکو تو رونے والوں کی مانند شکل بنا لو)۔[1] رونے کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ اپنے آپ کو گریہ کرنے والوں کی طرح ظاہر کرو جو محض ریا ہے اور صوفیاء کے یہاں یہ صریح شرک ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ارادہ پر رونے والی شکل بنانا کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اس درجہ پر پہنچا دے جن کی سی وہ صورت بنا رہا ہے۔ اگر یہ خیال ہے تو حدیث سرور دو عالم ﷺ کی موافقت ہو جائے گی، ارشاد نبوی ﷺ ہے "مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ" (جو جس قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے)۔[2] حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ انواع مجاہدات سے ہم نے بیان کیا ان پر عمل کرنا چاہیے اور درگاہ عالی المراد (اللہ تعالیٰ) سے امید رکھے تاکہ مبدا ٔفیاض سے اس کے لئے دُرِ معانی کشادہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ مجاہدات کے لئے سکر کبھی محرک نہیں بن سکتا اس لئے مجاہدات حالت صحو میں ہی ہو سکتے ہیں (یہی وجہ ہے کہ صحو والے مجاہدے سے سکر میں نہیں آ سکتے)۔

صحو و سکر پر حضرت داتا گنج بخشؒ کے تأثرات

حضرت علی ہجویریؒ کی کتاب کشف المحجوب حضرت جنیدؒ کے نظریہ تصوف کے سلسلہ میں ایک اہم ماخذ ہے۔ آپؒ نے سکر اور صحو کے موضوع پر ان دونوں بزرگوں کے اختلاف رائے کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں حضرت بایزیدؒ اور ان کے پیروکار صحو پر سکر کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ صحو کی حالت میں انسانی صفات تمکین (یعنی استقرار پر) اور اعتدال کی صورت میں رہتی ہیں اور ورنہ یہ چیز بندے اور خداوند تعالیٰ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہوتی ہے۔ سکر کے عالم میں انسانی صفات مثلاً عاقبت اندیشی اور انتخاب و اختیار کی صلاحیتیں معدوم ہو جاتی ہیں اور خدا کے معاملہ میں انسان کو اپنے آپ پر کوئی قابو نہیں رہتا اور صرف وہی صلاحیت و قوت اس کے اندر باقی رہ جاتی ہے جو کہ جنس بشریت سے تعلق نہیں رکھتی کہ یہ قوت نہایت مکمل اور جامع ہے۔ حضرت جنیدؒ اور ان کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ سکر ایک آفت ہے کیونکہ اس سے انسان کے صحیح احوال میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہوش و حواس اور ضبط و تمکین کھو دیتا ہے اور چونکہ اس میں تمام حقائق کا اصل اصول معلوم کرنا مقصود ہے فنا کے ذریعہ یا بقا کے واسطے، یا محو کے ذریعے، یا اثبات کی راہ سے۔ تو جب تک کہ (تلاش کنندہ) صحیح الحال نہ

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۱۹۶، جلد ۲، صفحہ ۱۴۰۳۔ [2] سنن ابی داؤد، حدیث ۴۰۳۱، جلد ۴، صفحہ ۴۴۔

ہو تو تصدیق و تحقیق صحیح نہیں ہو سکتی۔ بے بصری کسی کو خارجی مظاہر کے بندھنوں اور ان کی بگڑی ہوئی شکلوں سے رہائی نہیں دلا سکتی اور رہی یہ بات کہ مظاہر خارجی میں گھر کر خداوند تعالیٰ کو بھلائے رکھنا یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لوگ اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں ویسی نہیں دیکھتے بلکہ اگر وہ انہیں اس طرح دیکھتے جیسی کہ وہ ہیں تو وہ ان کے بندھنوں سے آزاد ہو جاتے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں دیکھنا دراصل دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دیکھنے والا چیزوں کو بقاء کی آنکھ سے دیکھے اور دوسرا یہ کہ انہیں فنا کی نظر سے دیکھے۔ اگر وہ بقاء کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو دیکھے گا کہ تمام کائنات (خدا کی ذات) میں اس کی اپنی بقاء کے مقابلہ میں غیر کامل ہے اور اگر وہ فنا (فی ذات حق) کی نظر سے انہیں دیکھے گا تو وہ دیکھے گا کہ ذات خداوندی کی بقاء کے سامنے تمام موجودات فانی ہیں۔ دونوں صورتوں میں وہ (مخلوق) یعنی موجودات سے منہ موڑ لے گا اور اسی لئے پیغمبر خدا ﷺ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے ''اے اللہ ہمیں اشیاء کو اسی صورت میں دکھا، جیسی کہ وہ ہیں''۔[1] اس لئے کہ جس کسی نے بھی اس طرح دیکھا آسودہ رہا۔ پس یہ بصیرت صحو کی حالت میں میسر آتی ہے اور ابھی سکر کو اس عالم کا کوئی شعور نہیں ہوتا۔ اہل صحو تجلیات کو نہیں بلکہ تجلیات کے مرکز کو دیکھتے ہیں۔

شَرِبْتُ الرَّاحَ كَأْسًا بَعْدَ كَأْسٍ   فَمَا نَفِذَ الشَّرَابُ وَ مَا رَوِيْتُ [2]

(میں نے شربت (دیدار) کے جام پر جام پیئے پس نہ شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیراب ہوا)

صحو و سکر کے معاملہ میں حضرت علی ہجویریؒ مسلکِ جنیدی کے پیرو تھے انہوں نے لکھا ہے کہ میرے شیخ جو جنیدی المسلک تھے کہا کرتے تھے کہ سکر بچوں کی بازی گاہ ہے اور صحو شہادت گاہ مرداں ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں ''میں (علی بن عثمان الجلابی ہوں) اپنے شیخ سے متفق ہوں اور کہتا ہوں کہ صاحبِ کمال صاحبِ صحو ہوتا ہے اور صحو کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ صاحبِ صحو کچھ عرصہ کے لئے صفاتِ بشریہ کو دیکھنے سے دور ہو جاتا ہے (اس دوری میں صحو بھی، آفت دکھائی دینے لگتا ہے) تو وہ صحو جو آفت دکھائی دیتا ہے اس سکر سے بہتر ہے جو عین آفت ہے''۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سکر تمام کا تمام فنا کا تقاضا کرتا ہے یعنی بقا کی حالت میں بھی فنا کا خیال رہے۔

[1] تفسیر الکبیر، جلد ۱۳، صفحہ ۳۷۔ [2] کشف المحجوب، صفحہ ۳۶۴۔

سکر فنا ہونے کا ایک گمان ہے (عین صفت بشری کی بقا کی حالت میں) یعنی اگر صفت بشری کی بقا کا گمان نہ رہے تو یہ ایک بہت بڑا حجاب ہے۔ صحو میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی رہنے کی حالت کا احساس ہوتا ہے اور یہ صفت بشری کے فنا ہونے کی حالت میں ممکن ہوتا ہے اور یہی عین کشف ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ سکر صفات بشری کو فنا کرنے کے قریب ہے کیونکہ سکر ایک ایسی صفت ہے جو صحو پر زائد ہے۔ جب بندے کی حالت بشری صفات کی طرف بڑھ رہی ہو تو بندہ بے خبر ہوتا ہے۔ اب بشری صفات تنزل اور نقصان کی طرف قدم رکھتی ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والا اللہ تعالیٰ سے فنا اور بقا کی امید رکھتا ہے اور یہ صحو والوں کا انتہائی حال ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح صحو کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں (۱) صحو بر غفلت (۲) صحو بر محبت۔ وہ صحو جو غفلت کے ساتھ ہوتا ہے حجاب ہوتا ہے اور جو صحو محبت کے ساتھ ہو کاشف حجاب ہے۔ صحو بہ غفلت اگرچہ صحو ہے لیکن درحقیت سکر ہے اس لئے کہ مقرون بہ غفلت ہے اور صحو بہ محبت اگرچہ بظاہر سکر ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ صحو ہے، غرضیکہ جب اصل مستحکم ہو تو صحو سکر کے مثل ہو جاتا ہے اور سکر مثل صحو اور اگر اصل ہی مستحکم نہ ہو تو نہ سکر مفید ہے اور نہ صحو۔

درحقیقت سکر و صحو اللہ والوں کے قدم گاہ ہیں جو علتوں کے غلاف سے مختلف نظر آتے ہیں۔ جب سلطان حقیقت اپنے جمال کو بے حجاب کرتا ہے تو صحو و سکر دونوں طفیلی بن جاتے ہیں۔ اصل میں صحو و سکر کے سرے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ہر ایک کی نہایت دوسرے کی بدایت ہے اور نہایت و بدایت کے درمیان جو اختلاف نظر آتا ہے یہ اختلاف نظر کے سوا کچھ نہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ۔

اِذَا طَلَعَ الصُّبَاحُ بِنَجْمٍ رَاحٍ   تُسَاوَى فِيْهِ سُكْرَانٌ وَصَاحٍ[1]

(جب راحت پہنچانے والے ستاروں کے درمیان سے صبح طلوع ہوتی ہے تو اہل ہوش و مدہوش اس کے ملاحظے کے وقت برابر ہو جاتے ہیں)

طیفوریوں اور جنیدیوں (رحمہم اللہ علیہم) میں یہی اختلاف ہے جو ذکر کیا گیا ہے۔ معاملات میں حضرت بایزیدؒ کا مسلک ترک صحبت اور گوشہ نشینی اختیار کرنا ہے۔ سب نے اپنے مریدوں کو اسی کا حکم دیا ہے اور یہ طریق محمود سیرت اور ستودہ صفت ہے اگر خدا توفیق دے۔

---

[1] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۴۱۔

صحو کی سکر پر فضیلت

سکر عشق الٰہی میں مدہوشی کو کہتے ہیں۔ مدہوشی بھی صفت برحق ہے مگر اس کا غلبہ ہو جائے تو نقصان کا باعث بنتا ہے۔ صحو کا مطلب یہ ہے کہ حالت ہوش میں رہ کر عبادات اور اطاعت کی تکمیل کی جائے۔ حضرت ابوعثمان مغربیؒ سے ایک حکایت ہے کہ آپ نے ابتداء حال میں بیس سال عزلت نشینی فرمائی اور ایسے جنگلوں میں رہے جہاں انسان کی جنس بھی نہ ہوحتیٰ کہ بوجہ مشقت ومجاہدہ آپ کا جسم گل گیا اور چشمان مبارک سوئی کے ناکہ کے برابر رہ گئیں اور شبیہہ انسانی بدل گئی۔ بیس سال کے بعد حکم آیا کہ اب انسانوں میں صحبت کرو۔ آپ نے اپنے دل میں کہا کہ ابتدائے صحبت اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اسی کے محبوں سے کرنی چاہیے تاکہ برکت حاصل ہو۔ آپ نے مکہ معظمہ کا قصد کر لیا۔ مشائخ مکہ کو اپنے کشف سے آپ کی تشریف آوری کا حال معلوم ہو گیا۔ استقبال کیلئے شہر سے باہر آئے تو آپ کو بالکل تبدیل پایا۔ سوائے اس کے کہ رَمقِ جان نظر آتی تھی اور کچھ نہیں۔ سب نے کہا! ابوعثمان آپ بیس سال اس حالت میں رہے ہیں کہ آدم اور اس کی ذریت اس زندگی سے عاجز ہے۔ ہمیں بتاؤ کہ تم کیوں گئے اور وہاں کیا دیکھا اور اس حال میں کیا حاصل کیا اور اب کس لئے واپس آئے؟

آپؒ نے جواب دیا کہ سکر میں گیا تھا اور آفاتِ سکر دیکھ کر ناامید ہوا اور عاجز آ کر واپس آیا۔ مشائخ کرام نے کہا کہ ابوعثمان آپ کے بعد اب سب بندوں پر حرام ہے کہ وہ سکر کی عبادت پر آئیں۔ اس لئے کہ آپ نے اس کا انصاف پورا کر دیا اور آفاتِ سکر کو واضح طور پر دکھا دیا۔

حضرت جنیدؒ کا گروہ جو صحو سے تعلق رکھتا ہے فرماتے ہیں کہ سکر سے آفات اور لغزشیں پیدا ہو سکتی ہیں، خصوصاً اس حالت میں کہ جب صاحب سکر نبی نہ ہو بلکہ ولی ہو۔ جو شخص علم وفہم اور حواس کی سلامتی نہ رکھتا ہو اسے لامحالہ مسائل فکر ونظر کی صحیح تحقیقات کا فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے کلام فرماتے تو ان پر کیفیات اور بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے اور سب کچھ دیکھنے اور کلام الٰہی سننے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر مدہوشی طاری نہ ہوئی۔

موسیٰ زھوش رفت بیک جلوۂ صفات　　　تو عین ذات می نگری در تبسمی

(موسیٰ علیہ السلام اللہ کے ایک صفاتی جلوے سے ہوش کھو بیٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین ذاتِ حق کو دیکھ کر تبسم فرمایا)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ صبر اور رضا وغیرہ کے مقامات بلند صرف ہوشیاروں اور بیداروں کیلئے مخصوص ہیں جن کو اہل صحو کہتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے بندوں میں فرزانے اور دیوانے دونوں ہی ہوتے ہیں لیکن عقلمندان دونوں میں سے افضل اور بہتر ہیں۔

حضرت ابوبکر واسطیؒ فرماتے کہ کرامت حالت سکر کی بجائے حالت صحو میں ظاہر ہوتی ہے اور اسرار الٰہی کی حفاظت بھی حالت صحو کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کامل ہے وہ کسی طرح بھی بھید کو ظاہر نہیں کرتا کیونکہ اس میں صاحب صحو کی طرح حوصلہ اور کوشش درکار ہے۔ حضرت جنیدؒ نے صحو پر زور دے کر پابندیٔ شریعت کی اہمیت کو بڑھایا اور صوفیاء کو ہدف ملامت بننے سے بچالیا اور خدمت خلق کے لئے میدان ہموار کیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابوبکر واسطیؒ، حضرت ابوالعباس سیاریؒ اور حضرت محمد بن علی ترمذیؒ اس امر پر متفق ہیں کہ کرامت بحالت صحو و تمکین ظاہر ہوتی ہے، نہ کہ حالت سکر میں اور یہ تمام کے تمام اصحاب مذہب ہیں اس لئے کہ اولیائے الٰہی مدیران ملک اور احوال عالم کے خبردار ہوتے ہیں اور نظام عالم ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہر قسم کے حل و عقد ان سے وابستہ ہوتے ہیں اور احکام عالم میں ان کا تصرف ہوتا ہے بنا بریں یہ ضروری ہے کہ ان کی رائے تمام کی رائے پر فائق ہو۔

نیند کی موت کے ساتھ اخوت ہے

''کشف المحجوب'' میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اَلنَّوْمُ اَخُوْ الْمَوْتِ'' [1] (نیند موت کی بہن ہے)۔ پس زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے اور موت بلا ہے اور یقیناً نعمت بلا کی نسبت عمدہ و اعلیٰ ہوتی ہے (یعنی سونا موت یا بلا ہے اور جاگنا زندگی اور نعمت ہے لہٰذا جتنا بھی ممکن ہو سکے نعمت و زندگی میں وقت گزارا جائے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی اسی کے مطابق ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

---

[1] الزھد، جلد ۱، صفحہ ۹۔

لَا شَيْءَ اَشَدُّ عَلٰی اِبْلِیْسَ مِنْ نَوْمِ الْعَاصِیْ فَاِذَا نَامَ الْعَاصِیْ یَقُوْلُ مَتٰی یَقُوْمُ حَتّٰی یَعْصِیَ اللّٰہَ۔[1]

گناہ کرنے والا جب سوتا ہے تو اسکی نیند سے بڑھ کر کوئی چیز شیطان کے لئے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ جب وہ سوتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ کب بیدار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لئے کھڑا ہوگا۔

یہ اختلاف حضرت جنیدؒ اور حضرت سہل علی بن الاصفہانیؒ کے درمیان ہے کہ سونا اور قرار کے عمل سے احتراز کرنا لازمی ہے۔ اس بارے میں ایک خط میں علی بن سہلؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کو کہا کہ سونا غفلت اور قرار ہے اور محبّ کے لئے ضروری ہے کہ غفلت اور قرار سے کنارہ کشی کرے کیونکہ محبّ کے لئے دن رات سونے اور قرار حاصل کرنے کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ اگر وہ اسی غنودگی کی حالت میں رہے تو اس کا مقصود مفقود ہو جائے گا یعنی اپنے مطلب اور مقصد کو کھو بیٹھے گا۔ حضرت جنید بغدادیؒ اس خط کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ہماری بیداری یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جاگتے رہنا یہ ہمارا معاملہ وطریقہ ہے اور ہمارا سونا اللہ تعالیٰ کا ہمارے ساتھ فعل ہے اور وہ جو ہمارے اختیار سے باہر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے ساتھ مکمل ترین معاملہ ہوتا ہے "وَالنَّوْمُ مَوْهِبَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَلَى الْمُحِبِّيْنَ" (اور نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دوستوں پر عطا ہوتی ہے)۔ اس مسئلہ کا تعلق صحو اور سکر کے ساتھ ہے لیکن تعجب اس بات کا ہے کہ حضرت جنیدؒ صاحب صحو ہیں اور اس جگہ سکر کی حمایت کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپؒ مغلوب ہوئے ہوں اور ان کی زبان پر یہی مسئلہ جاری ہو گیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپؒ اس کی ضد پر ہوں کہ سونا عین صحو ہے اور جاگنا عین سکر ہے۔ اس لئے سونا بندہ کی صفت ہے اور نہ سونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے حضرت جنیدؒ نے سونے کو بھی ضروری خیال کیا ہے کیونکہ ایک حدیث میں وارد ہے "نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ" (علماء کرام کی نیند عبادت ہے)۔[2] مشائخ کے ایک گروہ نے سو جانے کو بیداری پر فضیلت دی ہے۔ ان کا یہ قول حضرت جنید بغدادیؒ کی موافقت میں ہے اس لئے کہ اولیائے کرامؒ اور بزرگان دینؒ اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کو سو جانے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشاہدہ ہوا ہے اور مشائخ کا دوسرا گروہ حضرت علی بن سہیلؒ کی موافقت میں ہے جو بیداری کو سو جانے پر فضیلت دیتے ہیں اس لئے کہ رسولوں کی وحی اور اولیائے کرامؒ کی کرامات کا

[1] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۷۶۔ [2] کشف الخفاء، حدیث ۲۸۶۵، جلد ۲، صفحہ ۴۳۷۔

تعلق بھی بیداری کے ساتھ ہے اور ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر سو جانے میں کوئی بہتری ہوتی تو اس میں حجاب نہ ہوتا اور سو جانا حجاب ہے۔

یہ دونوں حالتیں بے اختیاری کی وجہ سے ہیں اور جب بندہ کسی درجہ و مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا اپنا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ بندہ جاگے یا سوئے اللہ تعالیٰ کو عزیز اور پیارا ہوتا ہے۔ پس مرید ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اپنی پہلی نیند کو آخری نیند سمجھے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور اپنا وضو کر کے دائیں کروٹ سوئے اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور یہ ارادہ کرے کہ کل صبح کو اٹھوں گا تو گناہ نہ کروں گا۔

سکر اور صحو، دونوں میں خدا کے قرب کی تلاش ہے

ضیاء الحسن فاروقی مشائخ کے حوالے سے اپنی تصنیف ''حضرت جنید بغدادیؒ'' میں لکھتے ہیں کہ سکر کے یہ معانی نہیں کہ سکر میں رہنے والے کی روحانی قوت ختم ہو جاتی ہے بلکہ اہل سکر حالت فنا میں بھی رہتے ہیں اور عالم ہوش میں بھی۔ غیاب و حضور کی یہ پر کیف حالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک انعام ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

بندۂ آفاق گیرد ناصبور نے غیاب اُو را خوش آید نے حضور

(اگر چہ یہ بندہ آفاق گیر ہے لیکن پھر بھی مضطرب رہتا ہے، اسے ہجر خوش کرتا ہے نہ وصل) (ج ن: ۵۹۸)

یہ پاک روحیں ہی معاشرے میں اخلاقی اور روحانی اقدار کا بھرم قائم رکھتی ہیں۔ جب انسان انفرادیت میں لوٹتا ہے تو اسے وصل کی لذت اور فراق کا الم بیک وقت محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سچے عارف کی روح ہر دم بے چین اور غمگین رہتی ہے یہاں تک کہ اس کے فہم میں بھی ایک حزن ہوتا ہے ضیاء الحسن فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو حضور و مشاہدے کی لذت ایک مشقت کی طرح ہوتی ہے جسے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اس حال میں عارف کی روح حسن و جمال کی تلاش میں رہتی ہے کہ شاید اس کی تسکین ہو سکے کیونکہ ایسے خوش نما مناظر میں اسے حسین منظر کی تلاش ہوتی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے قرب میں حاصل ہوا تھا۔

ایک صوفی عارف کے عالمِ مدہوشی (یعنی سکر) کے سلسلہ میں حضرت جنیدؒ کا رویہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے رویہ سے مختلف ہے۔ حضرت بایزید سکر یعنی عالم مدہوشی پر زور دیتے تھے اور حضرت جنیدؒ صحو یعنی

ہوش و بیداری کی حالت کو ضروری اور افضل سمجھتے تھے۔

حضرت مخدوم علی الہجویریؒ کا دونوں نظریات میں تطابق

آپؒ ''کشف المحجوب' میں فرماتے ہیں سکر، غلبہ شوق اور غلبہ محبت کو کہتے ہیں اور صحو ارباب معنی کے نزدیک حصول مراد سے عبارت ہے۔ صوفیاء کرام کی ایک جماعت سکر کو صحو پر ترجیح دیتی ہے اور وہ حضرت سلطان العارفین سیدنا بایزید بسطامیؒ کا گروہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ صحو کا تقاضا ہے کہ تمکین واعتدال رہے اور آگے چل کر یہی صحو حجاب اکبر بن جاتا ہے۔ سکر بشریت کے تمام نقائص، تدابیر دنیوی، اختیارات انسانی، مساعی کی عرق ریزیوں کو دور کر دیتا ہے اور انسان کے حالتِ سکر میں تمام اختیارات اختیار ربانی کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں وہ معانی جو اس کے وجود میں بالقوہ موجود ہوتے ہیں کمال کے درجہ پر پہنچ کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حالت صحو میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے جالوت کے قتل کی نسبت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کی۔

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (البقرہ ۲۵۱) قتل کیا داؤد علیہ السلام نے جالوت کو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سکر میں تھے چنانچہ جنگ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مشت خاک کے پھینکنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی اور فرمایا

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (انفال:۱۷) اور جب مٹھی بھر خاک کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھینکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

معلوم ہوا کہ جو بندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ ثابت رہا، اس کے بارے میں فرمایا کہ ''اس نے فلاں کام کیا'' اور جو بندہ مکرم اپنے آپ کے ساتھ قائم ہے اور اپنی صفات کے ساتھ فانی تھا، اس کے لئے فرمایا کہ ''فلاں کام میں نے کیا''۔ پس ثابت ہوا کہ بندے کے فعل کی اضافت ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ہونا لازماً بندے کی طرف اضافت ہونے سے بدرجہا افضل ہے، تو جب فعل حق کا مضاف بندے کی طرف ہو تو بندہ خود بخود اپنی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جب فعل حق کا مضاف بحق ہو تو بندہ قائم بحق ہوتا ہے۔

وہ لوگ جو صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں وہ حضرت جنید بغدادیؒ اور ان کے ماننے والے

ہیں ایسے مشائخ کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ سکر محل آفت ہے، اس لئے کہ سکر بذات خود تشویش احوال و صحت اور اپنے سر رشتہ کو خود گم کر دیتا ہے۔ طلب کا اصول چاہئے، از روئے فنا ہو یا از روئے بقا، از روئے صحو ہو یا از روئے اثبات۔ حقیقت یہ ہے کہ طالب صحیح احوال میں ہو ورنہ تحقیق سے کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ یہ اصول ہے کہ اہل حق کا دل تمام موجودات سے خالی ہونا چاہیے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ سالک کا دل قید موجودات سے زنگاری حاصل کرے اور قید موجودات سے زنگاری اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اشیاء کو اس انداز میں نہ دیکھا جائے جیسی کہ وہ ہیں۔

اشیاء کا ملاحظہ بہ نظر بقاء و فنا

حقیقت اشیاء کا ذکر کرنے کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ اشیاء کا ملاحظہ جیسی کہ وہ ہیں دو طرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ دیکھنے والا اشیاء کو بچشم بقا دیکھے دوسرے یہ کہ بچشم فنا دیکھے۔ اول الذکر صورت میں ہر شے ناقص نظر آئے گی کیونکہ اشیاء باقی رہنے کی صورت میں وہ انہیں اپنے سے باقی نہیں پاتا اور اگر ثانی الذکر یعنی بچشم فنا کی صورت میں دیکھے گا تو وہ کل موجودات کو پہلوئے بقا حق تعالیٰ میں فانی دیکھے گا۔ یہ دونوں طرح کی نظریں موجودات کے دیکھنے والے کو موجودات سے اعراض کرنے پر مجبور کر دیں گی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الاَشْيَاءَ كَمَاهِيَ[1] اے اللہ ہمیں اشیاء کو اس حال میں دکھا، جیسی کہ وہ ہیں۔

یہ اس لئے ہے کہ جس نے بھی اشیاء کو اس حال میں دیکھ لیا جیسے وہ حقیقتاً ہیں تو وہ مطمئن ہو گیا اور موجودات سے کنارہ کش ہو گیا جیسے اللہ تعالیٰ کے قول "فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ" (اے آنکھ والو! عبرت حاصل کرو) (الحشر:۲) کا یہی معانی ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب تک اشیاء کو ان کی حقیقی صورت میں نہ دیکھا جائے اس وقت تک عبرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کام کے لئے صحو کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اہل سکر کو ان معانی سے آگاہی ہو ہی نہیں سکتی۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ

حضرت حسین بن منصورؒ اور حضرت جنیدؒ کا مکالمہ

حکایتوں میں ملتا ہے کہ جب حضرت حسین بن منصور حلاجؒ اپنے غلبہ حال میں عمرو بن عثمان مکیؒ

[1] تفسیر الکبیر، جلد ۱۳، صفحہ ۳۷۔

سے بیزار ہو کر حضرت جنیدؒ کی خدمت میں آئے تو آپؒ نے ان سے پوچھا کس لئے آئے ہو؟ عرض کیا فیض صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے۔ آپؒ نے فرمایا ہمارے یہاں دیوانوں کے لئے صحبت نہیں ہے۔ صحبت کے لئے بندے کے احوال صحیح ہونے چاہییں اگر تم آفتوں میں رہ کر ہماری صحبت میں رہو گے تو سہل بن عبد اللہ تستریؒ کی سی حالت ہو گی جو انہوں نے حضرت عمر بن عثمانؒ سے کی تھی۔ حسین بن منصورؒ بولے!

اَیُّھَا الشَّیۡخُ اَلصَّحۡوُ والسُکۡرُ صِفَتَانِ لِلۡعَبۡدِ وَ مَا دَامَ العَبۡدُ مَحۡجُوبًا عَنۡ رَبِّہٖ حَتّٰی فَنٰی اَوۡصَافُہٗ [1]

یعنی حضور صحو و سکر بندہ کی دو صفتیں ہیں۔ جب تک بندہ میں یہ صفتیں باقی ہیں وہ اپنے آپ سے محجوب ہے اور جب اوصاف عبد فنا ہو گئے (تو مشاہدہ جمال حاصل ہو گیا)۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا:

یَا ابۡنَ مَنۡصُوۡر اَخۡطَاتَ فِیۡ الصَّحۡوِ وَالسُّکۡرِ [2]

ابن منصور تم غلطی پر ہو۔ صحو اور سکر میں اختلاف نہیں ہے۔

آپؒ نے فرمایا صحو سے مراد صحتِ حالت ہے اپنے ربّ کے ساتھ اور سکر سے مراد فرطِ شوق اور غایت محبت ہے اپنے ربّ کے ساتھ اور یہ دونوں کیفیتیں صفت کے ماتحت اور اکتسابِ خلق کے ساتھ صحیح نہیں ہوتیں۔ آپؒ نے مزید فرمایا اے ابن منصور! ہمیں تمہارے کلام میں فضول زیادہ نظر آتا ہے اور تمہاری عبارت بے معنیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سکر و صحو سوائے اختلاف نظر کے اور کچھ نہیں

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ سکر دو قسم کا ہوتا ہے ایک سکر شرابِ حلاوت اور دوسرا سکر کاسِ محبت۔ سکرِ محبت بلا علت ہوتا ہے اور محض رؤیت منعم سے پیدا ہوتا ہے۔ جس نے نعمت دیکھی تو گویا اپنے کو رنجور دیکھا اگرچہ سکر میں ہو تو اس اصول سے صحو بھی دو قسم کا ہے ایک صحو بر غفلت اور دوسرا صحو بر محبت و اقامت۔ یہ وہ صحو ہے جس میں غفلت ہو۔ ایسا صحو حجاب عظیم ہے اور وہ صحو جس میں محبت کی طرف راہ نکلے وہ کشف عظیم ہے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۶۹۔ [2] کشف المحجوب، صفحہ ۳۷۰۔

وہ شخص جو مقرون غفلت ہے اگر چہ صاحبِ صحو ہو وہ صاحبِ سکر ہوگا اور وہ جو محبت تک پہنچائے اگر چہ وہ صاحبِ سکر ہو صاحبِ صحو ہوتا ہے۔ غرضیکہ جب اصل مستحکم ہو تو صحو مثل سکر ہو جاتا ہے اور سکر مثل صحو۔ مگر جب اصل مستحکم نہ ہو تو صحو اور سکر دونوں بے فائدہ ہوتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ صحو و سکر مردانِ الٰہی کے قدم رکھنے کی جگہ میں باختلاف علت معلوم ہوتے ہیں اور جب سلطانِ حقیقت اپنا جمال بے حجاب فرما دیتا ہے تو صحو و سکر دونوں طفیلی رہ جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ صحو و سکر دونوں رخِ معنی میں ایک دوسرے کے موصل ہیں اور ایک کی انتہا دوسرے کی ابتداء ہے اور یہ ابتداء و انتہا بھی سوائے اختلافِ نظر کے اور کچھ نہیں ہے اور جس کی نسبت تفرقہ کے ساتھ ہو وہ حکم تساوی کا رکھتا ہے اور ان کا جمع کرنا تفریقوں کا جمع کرنا ہے۔ اس مفہوم کو کسی شاعر نے خوب ادا کیا ہے ۔

اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ بِنَجْمِ رَاحٍ تُسَاوِی فِیْهِ سُکْرَانٌ وَصَاحٍ

(جب صبح دل کے خوش کرنے والے ستاروں سے طلوع ہو تو اس میں بے ہوش اور ہوش والے برابر ہوتے ہیں)

''صاحبِ کشف المحجوب'' فرماتے ہیں کہ مقام سرخس میں دو بزرگ تھے۔ ایک لقمانؒ دوسرے ابوالفضل حسنؒ۔ ایک دن حضرت لقمانؒ حضرت ابوالفضلؒ کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپؒ اپنے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک جزو لئے ہوئے ہیں۔ لقمان نے پوچھا حضرت ان چیزوں میں کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟ حضرت ابوالفضلؒ نے جواب دیا، وہی جو تم ترکِ اوراق میں ڈھونڈ رہے ہو۔ عرض کی پھر یہ اختلاف کیوں؟ (یعنی میں ترکِ اوراق میں جو ڈھونڈ رہا ہوں آپؒ اسے اوراق میں ڈھونڈ رہے ہیں) حضرت ابوالفضلؒ نے فرمایا لقمان تم خلاف دیکھتے ہو جب ہی مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ فرمایا لقمان مستی سے ہوشیار ہو جاؤ اور ہوشیاری سے بیدار ہو جاؤ تاکہ خلاف کا جھگڑا ہی اٹھ جائے۔ خبر بھی ہے، میں اور تم کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔ [1]

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۶۸۔

باب نمبر ۱۱

اولیاء اللہؒ کی خاموشی

اولیاء اللہؒ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ زبان بے محل نہیں کھولتے۔ ان کا یہ ایمان ہے کہ زبان کو فقط اللہ کی یاد کے لئے حرکت دی جائے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس کا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ جب اللہ والوں نے اس بات کو جان لیا کہ کلام بے محل میں آفت ہے تو انہوں نے بغیر ضرورت کلام کرنا ترک کر دیا اور اپنی زبان کی حفاظت کرتے رہے۔ اگر کوئی کلام حق ہوا تو کہہ دیا ورنہ خاموش رہے۔ اللہ تعالیٰ تو مخفی اور ظاہر ہر بات کو جانتا ہے تو انہوں نے غیر ضروری اور مبہم بات کرنا ہی بند کر دی۔

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ	کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کے راز ہائے
وَنَجْوٰھُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْھِمْ	پنہاں نہیں جانتے کیوں نہیں، اور ہمارے بھیجے
یَکْتُبُوْنَ (الزخرف:۸۰)	ہوئے فرشتے ان کے پاس رہ کر لکھتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "مَنْ صَمَتَ نَجَا"[۱] (یعنی جو خاموش رہا نجات پا گیا)۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے "مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانَہٗ"[۲] (یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کر لیا، اس کی زبان گنگ ہو گئی)، اس لئے کہ عبارت کا بیان کرنا حجاب ہے۔ حضرت شبلیؒ نے ایک بار مجلس میں کھڑے ہو کر کہا "یا مرادی (اے میری مراد) یعنی اے اللہ" اس پر حضرت جنیدؒ نے فرمایا اے شبلیؒ! اگر تیری مراد اللہ تعالیٰ ہے تو تو نے یہ اشارہ کیوں کیا اس لئے کہ تیری اونچی آواز سے وہ بے نیاز ہے۔ اگر تو نے اس سمجھنے کے باوجود کہ اللہ تجھ سے آگاہ ہے پھر اس کو پکارنے سے تیرا کیا مطلب؟ اس پر شبلیؒ نے اپنے کہنے پر استغفار کیا۔

"کشف المحجوب" میں ہے کہ کچھ اولیاءؒ خاموشی کو بولنے پر فضیلت دیتے ہیں اور ایک

---

[۱] سنن الترمذی، حدیث ۲۵۰۱، جلد ۴، صفحہ ۶۶۰۔ [۲] تفسیر الکبیر، جلد ۱، صفحہ ۱۸۹۔

جماعت کلام کو خاموشی پر فضیلت دیتی ہے۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ تمام عبادتیں دعوے ہیں اور جہاں معنی ثابت ہو وہاں دعویٰ بے فائدہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ہوتا ہے کہ صوفی حالت اختیار میں قول (بولنے کو) ساقط (ختم) کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور جب حالت خوف میں ہوتا ہے تو باوجود قوت کلام کے کلام نہ کرنے کا عذر کرتا ہے لیکن معنی ساقط نہیں ہوتے اور اگر حقیقت معرفت کا انکار کرے تو جب معنی باقی ہوں تو بلا زبان کہنا موجود ہوتا ہے اور کسی وقت بندہ بغیر معنٰی کے صرف دعوے سے معذور نہیں ہوتا، بے معنی دعویٰ کرنا نفاق ہے اور جو معرفت کا دعویٰ نہ کرے تو وہ اخلاص والا ہوتا ہے۔ جو بنیاد ڈالے اس پر ایک راز جناب ربانی میں ظاہر ہے۔ اس کے عرض کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، یعنی جب بندے پر راستہ کھلے تو وہ گفتگو کرنے سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور عبارت کے معنی بتانے کو غیر کی خبر دینا سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ تفسیر احوال سے بے نیاز ہے اسے پرواہ نہیں کہ زبان غیر سے اس کی طرف مشغول ہو۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ "مَنْ عَرَفَ اللّٰهُ كَلَّ لِسَانَهُ" (یعنی جس نے اللہ کا عرفان پالیا اس کی زبان گنگ ہوگئی)۔ اس لئے عبارت کا بیان کرنا حجاب ہے (یعنی وہ بولنا مناسب نہیں سمجھتے) آپؒ کا مطلب یہ ہے جن کو اسرار کا علم ہو جائے تو پھر وہ خاموشی اختیار کرتے ہیں)۔

آفاتُ اللسان (آفاتِ زبان)

قرآن مجید میں کتنی ہی آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان کو بھلی بات کہنا چاہیے اور ایسی بات اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے۔

(۱) قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى (البقرہ:۲۶۳) — نیکی اور مغفرت کی بات اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے۔

(۲) قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ:۸۳) — لوگوں سے اچھی بات کہو۔

(۳) قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (الاحزاب:۷۲) — درست بات کہو۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے اگر اپنی امت سے کوئی خوف ہے تو وہ زبان کا خوف ہے۔

اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ اَلِلّسَانُ ؎۱ اپنی امت سے میں جس چیز کا زیادہ خوف کرتا ہوں وہ زبان ہے۔

مذکورہ حدیث کا منشاء یہ ہے کہ چونکہ کلام مثل شراب کے عقل کو مست کرتا ہے، لہٰذا جب آدمی شراب سے بدمست ہو جائے تو برے کلام سے بچ نہیں سکتا۔ ایک اور جگہ حضور ﷺ کا فرمان ہے "خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ" (یعنی بہترین کلام وہ ہے جو قلیل اور مدلل ہو) ۔ ؎۲ غیبت اور چغلی گناہ کبیرہ میں سے ہیں اور یہ آفات زبان میں سے ہیں۔ راقم الحروف کی ایک تصنیف "متاع اخلاق" میں آفات اللسان کے نام سے ایک باب تحریر کیا گیا ہے جس میں زبان کی ۱۴ آفات کے متعلق اچھی خاصی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ آفات اللسان میں غیبت، چغلی، فحش گوئی وغیرہ چودہ چیزیں شامل ہیں۔

اِس بات کا ثبوت کہ انبیاء کرامؑ اور اولیاءؒ پر کبھی خاموشی طاری کی جاتی ہے

بعض انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرامؒ پر خاموشی طاری کر دی جاتی ہے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام پر خاموشی طاری کی گئی۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم علیہا السلام کو دیکھا کہ وہ محراب میں بے موسم پھل کھا رہی ہیں تو انہوں نے اسی وقت بڑھاپے میں اولاد کے لئے دعا کی تو وہ قبول ہو گئی۔ آپ علیہ السلام نے اس قبولیت کی نشانی پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تین دن تک کسی سے بات نہ کر سکیں گے مگر اشارے سے۔ سورہ مریم کی آیت نمبر ۱۰ میں بھی "اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا" (آپ تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکیں گے حالانکہ آپ علیہ السلام بالکل تندرست ہوں گے)۔ مگر یہ خاموشی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ بطور علامت ایسا ہوگا۔ "سَوِیًّا" حال ہے اور "تُکَلِّمَ" میں انت ضمیر فاعل اس کا ذوالحال ہے۔

قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا (آل عمران:۴۱) فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے۔

حضرت مریم علیہا السلام جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر لے کر آئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی فرمائی کہ اگر آپ علیہا السلام سے کوئی اس بچے کے متعلق سوال کرے تو آپ فرما دیں کہ میں روزے سے ہوں اور آج میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔

؎۱ صحیح ابن حبان، حدیث ۸۰، جلد ۱، صفحہ ۲۸۱۔ ؎۲ مجموع الفتاویٰ، عبدالحلیم ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، جلد ۱۴، صفحہ ۶۱، مکتبہ ابن تیمیہ۔

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا	تو پھر جب تم دیکھو کسی آدمی کو تو (اشارے سے اس
فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ	کو) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کے لئے
صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ	(خاموشی کے) روزہ کی۔ پس میں آج کسی انسان
اِنْسِيًّا (المریم:۲۶)	سے گفتگو نہیں کروں گی۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ حضرت مریم ؑ کو یہ کہا گیا ہے کہ اگر لوگ یہ پوچھیں کہ یہ بچہ کہاں سے آگیا تو آپ کو بولنے کی ضرورت نہیں اور یہ کہہ دیں کہ میں روزے سے ہوں اور کسی سے بات نہ کروں گی چنانچہ حضرت عیسیٰ ؑ نے گود میں کلام فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور مجھے نبوت عطا کی گئی ہے۔

اسی طرح جب اولیائے کرامؒ پر حال طاری ہوتا ہے تو وہ بھی کلام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ ایک خاتون کا قصہ ہم نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ وہ اپنے قافلے سے الگ ہوگئی اور لوگوں کے سوال کے جواب قرآن کے الفاظ سے ہی دے دیتی تھی۔ قرآن کے علاوہ اس نے تمام عمر کوئی بات نہ کی۔ کچھ بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے چالیس سال تک چپ کا روزہ رکھا۔

حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب صوفی خاموش ہوتا ہے تو وقار و حلم کے تحت خاموش ہوتا ہے اور جب بولتا ہے تو اللہ کے حکم سے بولتا ہے۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجددؒ کے پاس ایک عالم آیا تو آپؒ خاموشی سے ہی بیٹھے رہے اور اس عالم سے گفتگو نہ فرمائی۔ جب وہ عالم دربارِ مجدد سے باہر آیا تو کہنے لگا کہ ہم تو حضرت مجددؒ سے کچھ کلام سننے آئے تھے مگر حضرت نے کوئی کلام ہی نہیں فرمایا لہٰذا ہمیں یہاں آنے میں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو جب اس کی اس بات کا علم ہوا تو آپؒ نے فرمایا کہ جسے ہماری خاموشی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو اسے ہمارے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام اگر خاموش ہوں تو ان کی خاموشی بھی کلام جیسا ہی اثر رکھتی ہے۔

نیک آدمی کا کلام علم ہے اور خاموشی حلم

روایات میں ہے کہ ابوبکر شبلیؒ ایک محلے سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا "اَلسُّکُوْتُ خَيْرٌ مِنَ الْكَلَامِ" تو حضرت شبلیؒ نے فرمایا:

سَکُوْتُکَ خَیْرٌ مِنْ کَلَامِکَ وَ کَلَامِیْ خَیْرٌ مِنْ سَکُوْتِیْ لِاَنَّ کَلَامَکَ لَغْوٌ وَ سَکُوْتُکَ ھَزْلٌ. وَکَلَامِیْ خَیْرٌ مِنْ سَکُوْتِیْ لِاَنَّ سَکُوْتِیْ حِلْمٌ وَکَلَامِیْ عِلْمٌ۔

(حضرت شبلیؒ نے فرمایا تیرا چپ رہنا تیرے کلام سے بہتر ہے اور میرا کلام میرے چپ رہنے سے بہتر ہے کیونکہ تیرا کلام لغویات میں سے ہے اور تیرا سکوت ھزلیات (بکواس) میں سے ہے۔ میرا کلام میری خاموشی سے بہتر ہے اس لئے کہ میری خاموشی حلم ہے اور میرا کلام علم ہے۔[1]

مذکورہ بالا کلام کے پیش نظر حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ کلام بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک کلام حق اور ایک کلام باطل۔ اسی طرح سکوت بھی دو قسم کا ہے ایک سکوت حصول مقصود کے لئے اور دوسرا سکوت غفلت کی وجہ سے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

آہ! یہ ضبط فغاں غفلت کی خاموشی نہیں آگہی ہے یہ دلاسائی، فراموشی نہیں

آپؒ کی مراد یہ ہے کہ اگر کلام حق ہے اور حق کے لئے ہی ہے تو یہ چپ رہنے سے بہتر ہے۔ اگر کلام باطل ہے تو چپ رہنا بہتر ہے اسی طرح اگر غفلت اور حجاب کی وجہ سے خاموش ہے تو بولنا اس سے بہتر ہے اور اگر سکوت حصول مقصد کے لئے ہے تو ٹھیک ہے، چنانچہ صوفیاں طریقت کا اصول ہے "مَنْ کَانَ سَکُوْتُہٗ حَیَاءً کَانَ کَلَامُہٗ حَیَاۃً" [2] (یعنی جو حیا کے باعث خاموش رہا اس کا سکوت حیات (دل) عطا فرماتا ہے)۔ چنانچہ اولیائے کرامؒ کا یہ فرمان ہے کہ ان کے مریدین کے لئے بہتر یہ ہے کہ خاموش رہیں بلکہ (اللہ والوں) اولیائے کرامؒ کو بولنے کا موقع دیں انکا کلام ربوبیت سے ہوتا ہے چنانچہ اولیائے کرامؒ کی مجالس کا ادب یہ ہے کہ بغیر ضرورت نہ بولے اور انکا چپ رہنا بھی جہالت سے نہ ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ:

مقیدان تو از یاد غیر خاموش اند به خاطرے که تونی، دیگراں فراموش اند

(تیری محبت کے گرفتار غیر کی یاد سے خاموش ہیں، انہوں نے تیری ہی خاطر دوسروں کو بھلا دیا ہے)

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۷۰۶۔ [2] کشف المحجوب، صفحہ ۷۰۸

زبانِ حال، زبانِ قال سے فصیح تر ہے

حاتم اصمؒ سے کسی نے نصیحت پوچھی جو نہایت ہی نافع ہو۔ فرمایا اگر عام نصیحت چاہتے ہو تو زبان کو نگاہ میں رکھو اور اس وقت تک جواب نہ دو جب تک عقل کے ترازو میں اس کا جواب تول نہ لو۔ فرمایا اگر خاص نصیحت چاہتے ہو تو اس وقت تک بات نہ کرو جب تک دیکھ نہ لو کہ تم نہ کہو گے تو جل جاؤ گے یا اس کے نہ کہنے سے کوئی زبردست فتنہ کھڑا ہوگا۔

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ جس کا حال اس کے اوقات سے بیان نہ ہو (یعنی خود بخود ظاہر نہ ہوتا ہو) اس کا وقت وقت ہی نہیں کیونکہ تیری ذات خود ہی تیرا حال یعنی وقت ہے۔

لِسَانُ الْحَالِ اَفْصَحُ مِنْ لِسَانِ اِتِّصَالِ — میری زبان حال میری زبان قال سے فصیح تر ہے

وَصُمْتِیْ عَنْ سَوَالِیْ تَرْجَمَانٌ — اور میری خاموشی میرے سوال کی ترجمان ہے۔[1]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

(ب د:٦٨)

کہتے ہیں کہ جب حضرت شبلیؒ حلقہ شاگرداں میں بیٹھتے اور شاگرد سوال نہ کرتے تو آپؒ یہ آیت پڑھتے۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْن (النمل:٨٥) — ان کے ظلم کی وجہ سے ہمارا حکم ان پر واجب ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اب وہ بول نہیں سکتے۔

مذکورہ آیت سے یہ بھی مراد لی جاتی ہے کہ بعض اوقات متکلم کو سزا کے طور پر چپ رہنے کا کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی کہی بات میں بے ادبی ہوتی ہے۔ روایات میں ہے کہ یحییٰ بن معاذؒ جب بغداد میں آتے تو صلحاء ان کے گرد جمع ہو جاتے اور تبادلہ خیالات کرتے۔ ایسی ایک نشست میں ایک دن حضرت جنیدؒ اٹھ کر بولنے لگے تو حضرت یحییٰؒ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا ”اے بھیڑ! چپ رہ۔ جب آدمی بول رہے ہوں تو تم کون ہوتے ہو بولنے والے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت جنیدؒ نسبتاً بہت کم عمر تھے“۔

مشائخ عظام کی تحریروں میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ کبھی کسی مجلس میں ایسا شخص موجود ہوتا ہے جو

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ٧٠٦۔

صدر مجلس سے زیادہ عالم اور بزرگ ہوتا ہے اور اس کی موجودگی کے باعث صدر مجلس گفتگو کرنے پر قادر نہیں رہتا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی مجلس میں ایک پلید شخص موجود ہو تو ساری مجلس کو خراب اور بے کیف کر دیتا ہے۔

اتفاق سے ایک مجلس میں شاہ کرمانیؒ اور یحییٰ بن معاذؒ موجود تھے جو دوست بھی تھے اور عالم بھی تھے۔ شاہ کرمانیؒ یحییٰ بن معاذؒ کی مجلس میں نہ گئے۔ لوگوں نے پوچھا تو کہا کہ یہ صحیح ہے کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔ لوگوں کے اصرار پر وہ ایک دن چلے گئے اور چھپ کر پیچھے بیٹھ گئے۔ جب یحییٰ کلام کرنے لگے تو خاموش ہو گئے۔ کہنے لگے کہ یہاں کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو مجھ سے زیادہ کلام جانتا ہے اور کلام کا زیادہ حقدار ہے۔ اس پر شاہ کرمانیؒ فرمانے لگے کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔

ابو القاسم قشیریؒ نے لکھا ہے کہ بعض اوقات متکلم پر سکوت اس لئے طاری ہو جاتا ہے کہ حاضرین میں سے کسی میں خرابی ہوتی ہے یا ان میں سننے کی اہلیت نہیں ہوتی (یعنی اللہ تعالیٰ اس خیال سے کہ مبادا اس کلام کو کوئی نا اہل سن لے متکلم کی زبان کو محفوظ رکھتا ہے)۔ بعض اوقات مجلس میں جنات موجود ہوتے ہیں جو متکلم کا کلام سننے کے اہل نہیں ہوتے۔[1]

ابنِ حکمؒ کا قول ہے کہ انسان کو ایک زبان دو کان اور دو آنکھیں اس لئے دی گئی ہیں کہ وہ کلام کرنے کی بجائے زیادہ سنے اور زیادہ دیکھے۔ ابراہیم ادھمؒ ایک دعوت میں تھے کہ لوگوں نے غیبت شروع کر دی۔ آپؒ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں روٹی گوشت سے پہلے کھائی جاتی ہے اور تم نے شروع ہی گوشت کھانے سے کیا یعنی!

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ	کیا تم میں سے کوئی ایک پسند کرتا ہے کہ وہ
مَیْتًا (الحجرات:۱۲)	اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے

علی بن بکارؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے دروازے بنائے ہیں مگر زبان کے چار دروازے بنائے ہیں چنانچہ دونوں ہونٹ دو چوکھٹ ہیں اور دانت دو چوکھٹ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کبھی اپنے منہ میں پتھر ڈالے رہتے تھے تا کہ وہ کم کلام کر سکیں۔ کسی نے ابو حفصؒ سے دریافت کیا ''ولی کے لئے خاموشی افضل ہے یا کلام کرنا''۔ فرمایا اگر بولنے والے کو معلوم ہو جائے کہ کلام کرنے میں کیا آفت ہے تو نوح علیہ السلام کی عمر جتنی عمر بھی خاموش رہے اور اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ خاموش

---

[1] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۴۱۔

رہنے میں کیا آفت ہے تو وہ اللہ سے حضرت نوح علیہ السلام جتنی دو عمریں مانگے گا کہ وہ بول سکے۔

وہ التجا جو چہرے سے ظاہر ہو وہ حال کی بات ہوتی ہے

سائنسدانوں کا قول ہے کہ ہماری دنیا میں بجائے گئے ہلکے سے ساز کی معمولی آواز بھی ہوا (ایتھر) میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے۔ ماہرین روح نے یہ بات تحقیق سے ثابت کی ہے کہ معمولی سی آواز تو در کنار ایتھر میں خیال اور ارادہ سے بھی لہریں اٹھنے لگ جاتی ہیں۔ دعا کے احساسات سے ہم اپنے اندرونی جذبات کی قوت (ایموشنل انرجی) سے کاسمک ورلڈ (یعنی ایتھر میں) زبردست لہریں پیدا کر سکتے ہیں۔ ایک بھوکا شخص اگر اپنی بھوک کی شکایت نہ بھی کرے تب بھی اس کے چہرے سے بھوک کے تاثرات مل جاتے ہیں۔ ایک نوجوان جب کسی عورت سے عشق کرتا ہے تو اس کے چہرے سے محبت کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اعمال کے اثرات کو معلوم کرنے کی یہاں تک نوبت آتی ہے کہ اللہ والے کسی کو دیکھ کر بتا دیتے ہیں کہ یہ کیا گناہ کر کے آیا ہے اور کیا چیز کھا کر آیا ہے۔ تمام باتوں کی عکاسی اس کے خاموش چہرے سے ہی رونما ہو جاتی ہے۔

صاحب حال بزرگ کسی کا چہرہ دیکھتے ہی اس کے احوال کا اندازہ لگا لیتے ہیں بشرطیکہ کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو۔ سلسلہ چشتیہ میں مشہور ہے کہ چشتیہ سلسلے میں ایک بزرگ ایسا پیدا ہوگا جس کی دعا سے سلسلے کی بخشش ہو جائے گی چنانچہ یہ وقت حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ پر آیا تو انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا ''مانگو کیا مانگتے ہو'' انہوں نے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر پہچان لیا اور سلسلے کی بخشش کی دعا مانگی جو قبول ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس کیفیت حال میں بزرگوں کی بات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مانی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اوقات خاموشی میں وقت گزارنا پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو دل سے مانگی جانے والی دعا کو بھی سنتے ہیں۔

وہ سن رہے ہیں بند لبوں کی بھی گفتگو
ایسا نہیں کہ ان کا کرم ہو دعا کے بعد

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں گرائے جانے لگے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا کہا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ''عِلْمُهُ بِحَالِيْ يَكْفِيْنِيْ عَنْ سَوَالِيْ'' [1] (یعنی اللہ تعالیٰ کا میرے حال سے واقف ہونا میرے سوال کرنے سے کفایت کرتا ہے)۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہے تو سوال کرنے کی کیا حاجت ہے)۔

---

[1] کشف الخفاء، حدیث ۱۱۳۶، جلد ۲، صفحہ ۱۲۱۔

خاموشی پر مشائخ کے اقوال

ایک صوفی کا قول ہے کہ جس طرح تو کلام کرنا سیکھتا ہے خاموش رہنا بھی سیکھ سکتا ہے۔ عاشق خاموش رہے تو مر جاتا ہے اور عارف خاموش رہے تو اپنے اوپر قابو پالیتا ہے۔ اس جگہ چند مشائخ کبار کے اقوال درج کیے جا رہے ہیں جس میں ہر ایک نے خاموشی کے متعلق اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔

۱۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا وہ شخص اپنے نفس کی سب سے زیادہ حفاظت کرتا ہے جو اپنی زبان کو سب سے زیادہ قابو میں رکھتا ہے۔

۲۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ لوگوں سے کم اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ باتیں کرو شاید کہ تمہارا دل اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے۔

۳۔ حضرت ابوبکر فارسیؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان کوئی ضروری یا ایسی بات کہہ رہا ہو جس کے بغیر چارہ نہیں تو وہ اس حال میں بھی خاموشی کی حالت میں خیال کیا جائے گا۔

۴۔ سہیل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں خاموشی اس وقت درست ہے جب خلوت کو لازم کرلو اور توبہ اس وقت درست ہے جب خاموشی کو لازم کرلو۔

۵۔ بشر بن حارثؒ

فرماتے ہیں کہ جب تمہیں اپنا کلام پسند آجائے تو خاموش رہو اور جب خاموشی پسند آئے تو کلام کرو۔

۶۔ حضرت داؤد طائیؒ نے جب خلوت کا ارادہ کیا تو ایک سال تک امام ابوحنیفہؒ کی مجالس میں خاموشی سے بیٹھے رہے اور پھر خلوت نشینی اختیار کی۔

۷۔ عمر بن عبدالعزیزؒ جب کبھی خط لکھتے اور انہیں خط کے الفاظ اچھے لگتے تو اسے پھاڑ دیتے اور از سر نو عبارت لکھتے۔

''رسالہ قشیریہ'' میں ہے کہ کلام میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے اور نفس چاہتا ہے کہ مدح کی صفات کا اظہار کرے اور اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں امتیاز حاصل کرے۔[1]

---

[1] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۹۹۔

خاموشی پر قرآن مجید کے چند اشارات

سورہ الاحقاف میں ہے "فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا" (جب جنات حاضر ہوئے تو ایک دوسرے کو کہنے لگے خاموش ہو جاؤ) (الاحقاف:۲۹) اور فرمان الٰہی ہے "خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا" (اللہ تعالیٰ کے سامنے (ادب کی وجہ سے) آوازیں پست ہو گئیں اب سوائے دھیمی آواز کے کچھ نہ سنو گے) (طٰہٰ:۱۰۸)۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دھیمی آواز سے مراد یہ ہے کہ جس میں صرف لبوں کی جنبش ہو گی۔ سورۃ الحجرات آیت نمبر۲ میں ہے "لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" (اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے بلند نہ کیا کرو) اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

ایک بزرگ نے عربی میں چند اشعار لکھے ہیں جن کا ترجمہ نیچے دیا جا رہا ہے۔

(۱) جب تک کہ بات ہوتی رہتی ہے اس وقت تک میرا کلام نامکمل ہوتا ہے۔ میں خاموشی پر فخر کرتا ہوں کہ خاموشی میری بات کو مکمل کر دیتی ہے۔

(۲) میں جو کہ سوز و گداز کی وجہ سے دریائے محبت بن گیا ہوں (اس کا راز یہ ہے کہ مجھے انہوں نے دِل پُر جوش اور خاموش لب عطا کئے ہیں)۔

(۳) یہ مصلحت نہیں کہ راز پردے سے باہر جا گرے ورنہ رندوں کی مجلس میں تو کوئی کسی کی خبر ہی نہیں لیتا (یعنی ہر چیز ہوتی ہے)۔

(۴) بہت افسوس ہے کہ کہنے کی بہت سی باتیں ہیں مگر خلق میں فساد کے خوف سے ان کہی رہ جاتی ہیں۔

بے زبانی ترجمانِ شوقِ بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیشِ یار کام آتی نہیں تقریریں کہیں

(۵) اے زبان! تو بہت بڑا خزانہ بھی ہے اور اے زبان! تو ایسا رنج بھی ہے کہ جس کا دارو کوئی نہیں۔

(۶) اے زبان! تو آگ بھی ہے اور ڈھیر بھی ہے۔ کبھی کبھی تو خرمن میں آگ بھی پھینک دیتی ہے۔

(۷) جو واقف راز ہو گئے ان کی خبر کسی کو نہیں ملی۔

(۸) منہ سے نکلی بات واپس نہیں آتی۔ مرد عاقل بولنے سے پہلے سوچتے ہیں۔

(۹) یہ تیری محبت ہے کہ تیرے غیروں کی یاد سے خاموش ہیں اور تیری ہی وجہ سے دوسروں کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔

مولانا حالیؒ کے درجِ ذیل شعر میں اسی اعتدال پسندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو موضوعِ گفتگو کی ترجمانی کرتا ہے۔

عزیزو بہت بولنا عیب ہے زباں بے محل کھولنا عیب ہے

خاموشی پر علامہ اقبالؒ کا اظہارِ خیال

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں خاموشی پر کافی تبصرہ فرمایا ہے، آپؒ کے اس تبصرے کو حسب ذیل نکات کے ذریعہ بیان کیا جاسکتا ہے۔

ا۔قدرت نے خاموشی کے عمل کو جاری وساری رکھا ہے

علامہ اقبالؒ گلِ رنگین کی خاموشی کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اگرچہ تو اپنے حسن کے باعث کئی زبانیں رکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی تجھے خاموشی زیادہ پسند ہے۔ غالباً یہ اس لئے ہے کہ تو اپنے سینے کے نامعلوم راز کو مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ اس کائنات میں ریاض طور کا تو بھی ایک پتہ ہے اور میری بھی یہی حیثیت ہے۔ ہم دونوں اپنے وطن سے دور ہیں لیکن تو پھول کی طرح مطمئن ہے اور میں اپنی جستجو کی تلوار کا زخم خوردہ ہوں۔

سو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے راز وہ کیا ہے تیرے سینے میں جو مستور ہے
میری صورت تو بھی ایک برگ ریاض طور ہے میں چمن سے دور ہوں، تو بھی چمن سے دور ہے
مطمئن ہے تو پریشاں مثلِ بو رہتا ہوں میں زخمیٔ شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں

(ب د:۲۴)

۲۔ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے فریاد کرتی ہے

غالب کے دیوان کا پہلا شعر اور مولانا رومیؒ کی مثنوی کا پہلا شعر علامہ اقبالؒ کے اس مضمون کو پڑھنے کے ساتھ ہی ذہن میں آجاتا ہے۔ غالب نے کہا ہے کہ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا لیکن اس کا ہر نقش جو دنیا میں نظر آتا ہے زبانِ خاموشی سے اللہ تعالیٰ کے سامنے فریاد کرتا ہے کہ مجھے کیوں پیدا کیا۔ ہر چیز جو یہاں پیدا کی گئی ہے اس کا لباس کاغذی تصویر کی مانند (یعنی عارضی) ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

علامہ اقبالؒ کا ایک اور شعر بھی اسی حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ تصویر طاقت گویائی سے محروم ہے۔

تاب گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا

(ب د:۷۸)

مولانا رومیؒ نے بھی آغاز مثنوی میں ایسی فریاد کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ دیکھو بانسری کیا حکایت بیان کر رہی ہے۔ یہ اپنے چمن سے بچھڑ جانے کی شکایت کرتی ہے۔ وہ یہ کہہ رہی ہے کہ جب اسے اپنے چمن سے کاٹ کر جدا کر دیا گیا ہے اس وقت سے تمام مرد و زن میرے نالے سے روتے ہیں۔ یہ بانسری ایک درد آشنا سینہ چاہتی ہے تا کہ یہ اُسے اپنا درد سنا سکے۔ جو اپنے وطن سے دور ہو جاتا ہے وہ اپنے وصل کے ایام کو پھر تلاش کرتا ہے۔ ان اشعار کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ انسان کو بانسری کی طرح جنت سے نکالا گیا ہے اور وہ اب اپنے وطن کی تلاش میں پریشاں حال ہے۔ غالب کے مذکور بالا شعر کی تشریح میں ایک کتاب تقسیم ہند سے پہلے لکھی جا چکی ہے اور اس سے پہلے مولانا رومیؒ کے درج ذیل اشعار پر بھی ایک ہزار صفحات کی تشریح لکھی جا چکی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند وز جدائی ھا شکایت می کند

(۱:۱)

(بانسری سے سن کہ کیا حکایت سناتی ہے اور اپنے ہجر و فراق کی (کیا) شکایت کرتی ہے)

ھر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش باز جوید روزگار وصل خویش

(۱:۱)

(جو کوئی اپنے وطن سے دور ہو جاتا ہے، وہ اپنے ایام وصل کو پھر تلاش کرتا ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر شے کسی نہ کسی شکایت میں فریاد کناں ہے اور وہ اپنا شکوہ زبان خاموشی سے کر رہی ہے۔

۳۔ اس عالم کا ہر ذرہ زبان خاموشی سے سرد آہیں بھر رہا ہے

"گورستاں شاہی" کے نام سے لکھے گئے اشعار میں علامہؒ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس عالم میں جدھر بھی دیکھو ہر طرف اس جہاں کا ایک ایک ذرہ سراپا درد ہے اور خاموش لبوں سے آہ و فغاں کر رہا ہے۔

کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خامشی بربط قدرت کی دھیمی سی نوا ہے خامشی

باطنِ ہر ذرّۂ عالم سراپا درد ہے اور خاموشی لبِ ہستی پہ آہِ سرد ہے

مولانا رومؒ نے اس مجبوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کاش ہستی کی کوئی زبان ہوتی تا کہ وہ اپنا غم بیان کرسکتی۔

ع کاش کے ہستی زبانے داشتے

۴۔زنجیرِ عالمگیر میں ہر شے اسیر ہے

والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھے گئے اشعار میں علامہؒ فرماتے ہیں کہ خواہ بلبل کا نغمہ ہو یا خاموش ضمیر کی آواز، اس عالم کی ہر شے اپنی پابند کرنے والی زنجیر میں قید کی گئی ہے اور خاموش ہے۔

نغمۂ بلبل ہو یا آواز خاموشِ ضمیر ہے اسی زنجیرِ عالمگیر میں ہر شے اسیر

(ب د:۲۲۶)

۵۔قدرت کے تمام حسین نظارے خاموش ہیں اور دعوتِ فکر دیتے ہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ محفلِ قدرت بے پایاں حسن کا سمندر ہے اور اگر دیکھنے والی آنکھ ہو تو معلوم ہوگا کہ ہر ذرے میں اللہ تعالیٰ نے حسن کا طوفان برپا کر رکھا ہے۔ کائنات کی کسی چیز کا مشاہدہ کرو تو ہر شئے مین بے بہا حسن نظر آئے گا۔ اس تمام کائنات میں جو بھی چیز حسین نظر آتی ہے ہر شے نے خاموشی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے جو انسان کو دعوت فکر دیتا ہے۔ قرآن میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر شے میں غور و فکر کرو۔

محفل قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حُسن آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حُسن

حسن کوہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے مہر کی ضَوگستری، شب کی سیہ پوشی میں ہے

(ب د:۹۳)

خاموش ہے چاندنی قمر کی شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی

وادی کے نوافروش خاموش کہسار کے سبز پوش خاموش

خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا قدرت ہے مراقبے میں گویا

اے دل! تو بھی خموش ہو جا آغوش میں غم کو لے کے سو جا

(ب د:۱۲۸)

یہ رفعتِ آسمانِ خاموش خوابیدہ زمیں، جہانِ خاموش

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل! قدرت تیری ہم نفس ہے اے دل!

(ب د:۱۲۹)

۶۔ کارخانۂ دنیا میں خاموشی سے ایک خدا کے موجود ہونے کے اشارے ملتے ہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہر چیز (کثرت کی صورت میں) اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور ایک اصولِ وحدت (ایک خدا) کا پتہ دیتی ہے۔ جو اصول ایک ذرے میں ہے وہ نظامِ شمسی اور تمام کائنات میں کارگر ہے۔ اگر ہم ایٹم کی ساخت (Structure of Atom) پر غور کریں تو وہی نظام نظر آئے گا جو نظامِ شمسی اور دیگر بڑے سے بڑے سسٹم میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کائنات کو بنانے والا ایک ہے اور اس کا اصول بھی ایک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاموشی بھی ازل سے قائم ہے۔

میں رہِ منزل میں ہوں، تو بھی رہِ منزل میں ہے تری محفل میں جو خاموشی ہے میرے دل میں ہے

(ب د:۷۹)

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے
یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو؟ ہر شے میں جبکہ پنہاں خاموشیٔ ازل ہو

(ب د:۸۵)

۷۔ خاموشیٔ فطرت سے کلام پیدا کرو

جن قوموں نے کائنات کی مختلف اشیاء میں تفکر و تدبر اور تحقیق کی ہے وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے چلانے میں کیا کیا قوانین وضع کئے ہیں اور وہ جتنا اس کا مطالعہ کریں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ ابھی اس بچے کی طرح ہیں جو سمندر کے کنارے کنکریوں سے کھیل رہا ہے۔

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر

(ب د،۴۳۹)

۸۔ مزہ تو جب ہے کہ ہزاروں سخن زبان میں ہوں اور دل خاموش ہو

علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو بارہا افشا کیا ہے کہ انسان کے بلند مقام میں یہی خوبی رکھی گئی ہے کہ وہ فرشتوں کی طرح صرف عبادت میں منہمک نہ رہے بلکہ عبادت سے بڑھ کر ایسے کام بھی کرے جو فرشتوں کے بس سے باہر ہیں۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کا ایک کتابچہ بنام ''مقامِ آدم'' کا مطالعہ کیا جائے (جو ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' کے علاوہ الگ بھی چھپ کر تقسیم کیا جا چکا ہے)۔ انسان کے مقام کی بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ دنیا کے غم اور مصائب کو برداشت کر کے اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی حتی الوسع پیروی

کرے اور خاموشی کے ساتھ اپنا دھیان ذکر و فکر کی طرف لگائے رکھے۔ یہ وہ نعمت ہے جس سے جبریل علیہ السلام بھی محروم ہیں۔ اسلاف کا طریقہ یہ تھا کہ استقامت کے ساتھ احکام خداوندی کی پیروی کرتے تھے جو آج کل مفقود ہو چکا ہے اور لوگ عیش و عشرت میں پڑ گئے ہیں اور ان کا خدا شناسی کی طرف دھیان قطعاً نہیں رہا۔ فرماتے ہیں کہ اگر سکونِ حیات درکار ہے تو دل میں ہزاروں طوفان رکھتے ہوئے بھی لبوں کو خاموش رکھا جائے۔ جو لوگ اللہ سے لو لگا چکے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں۔

پرانے طرزِ عمل میں ہزار مشکل ہے — نئے اصول سے خالی ہے فکر کی آغوش
مزا تو یہ ہے کہ یوں زیرِ آسماں رہے — ہزار گونہ سخن در دہاں و لب خاموش
یہی اصول ہے سرمایۂ سکونِ حیات — گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

(ب د:۲۱۰)

۹۔ ہستیٔ خاموش میں کئی ہنگامے چھپے رہتے ہیں

علامہ اقبالؒ اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھتے ہیں کہ میرا آہ بھرنا اور ضبط فغاں کا پاس رکھنا اگرچہ ایک خاموشی ہے لیکن یہ خاموشی غفلت کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل لگائے رکھنے کی وجہ سے ہے اور اس کو ہم خدا فراموشی نہیں کہہ سکتے۔ فرماتے ہیں کہ میری ہستی خاموش جو کہ بظاہر خاموش ہے لیکن اس میں ہزاروں نغمے چھپے ہوئے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ میں نے شب خیزی اور نوائے سحر گاہی میں اپنی زندگی گزاری ہے جہاں بندہ عاشق اپنے دل میں بہت سے ہنگامے بپا رکھتا ہے۔

آہ یہ ضبط فغاں غفلت کی خاموشی نہیں — آگہی ہے یہ دلاسائی فراموشی نہیں

(ب د:۲۳۵)

خفتہ ہنگامے ہیں میری ہستیٔ خاموش میں — پرورش پائی ہے میں نے صبح کی آغوش میں

(ب د:۲۳۷)

۱۰۔ ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش

علامہؒ فرماتے ہیں کہ بندۂ مومن کی یہ پہچان ہے کہ وہ آتش نمرود کے شعلوں میں خاموش رہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبرائیل امین علیہ السلام سے کوئی مدد طلب نہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا مانگنے سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ میرے حال سے واقف ہے تو پھر دعا مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ مومن ہر حال میں ظاہر ہونے والی کیفیات اور مصائب میں خوش و خرم رہتا ہے، اس سے اس کا ذوقِ مٹھاس کون چھین سکتا ہے۔

ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش | میں بندۂ مومن ہوں، نہیں دانۂ اسپند
ہر حال میں میرا دلِ بے قید ہے خرّم | کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکر خند

(ب ج:۲۱۳)

۱۱۔خاموشی اور دِل سوزی میں ہنگامۂ آدم کی گرمی ہے

انسان جو کائنات میں نیابت الٰہی حاصل کئے ہوئے ہے اس کی گرمی سے ہی کائنات کا نظام چل رہا ہے۔تمام کائنات انسان کے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر چاند، تارے اور سورج بلکہ تمام کائنات شاہد ہے۔علامہ اقبالؒ بادِ بیابان کی خاموشی، دل سوزی، سرمستی اور رعنائی کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ وہ اپنی روانی میں خاموشی کے ساتھ سرگرمِ عمل رہتی ہے۔

ہے گرمئ آدم سے ہنگامہ عالم گرم | سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
اے بادِ بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو | خاموشی و دِل سوزی، سرمستی و رعنائی

(ب ج:۴۱۴)

۱۲۔جو مزہ خاموشی میں ہے وہ موسیقئ گفتار میں کہاں

ہنگامہ عیش و عشرت میں کوئی کتنا ہی عرصہ گزار دے اس دوران روشنئ کردار و اعمال کی امید رکھنا حماقت سے کم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی فقط مستئ کردار میں پوشیدہ ہے، جس کو خاموشی اور سکوت سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔شاعر نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اسی سکوت کے لئے اس نے دامن کہسار میں ایک گھر بنایا تا کہ اسے خاموشی والی لذت حاصل ہو سکے۔

گھر بنایا ہے سکوتِ دامن کہسار میں | آہ یہ لذت کہاں موسیقئ گفتار میں
(ب د:۶۴)
مدتوں بیٹھا ترے ہنگامۂ عشرت میں مَیں | روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں مَیں
(ب د:۶۳)

۱۳۔رشتۂ معنی کو ادا کرنا ممکن نہیں اس لئے خاموشی سے اپنی طویل حکایت کو بیان کر دیا ہے

علامہ اپنی نظم ''تصویرِ درد'' میں کہتے ہیں کہ دنیا کی بہت سی الجھنیں ایسی ہیں کہ ان کا بیان کرنا مشکل ہے لہٰذا ایسے عقدوں کو خاموشی کے ذریعے ہی بیان کر دیا جاتا ہے۔انسان کے منہ میں اگر چہ کتنی ہی قوت گفتار کیوں نہ ہو اور داستان دل کتنی ہی پر درد کیوں نہ ہو پھر بھی اس داستان کو پرسکون طریقے سے بیان کرنے کے

لئے خاموشی کا سہارا لینا ضروری ہے کیونکہ رشتۂ معنی کا سہارا اس لئے نہیں لیا کہ اس کے ذریعے بیان کوتاہ نہیں ہو جاتا۔ بہت طویل حکایت کو خاموشی ہی نے ان کہی زبان میں ادا کر دیا۔

سکوت آموز طولِ داستانِ درد ہے ورنہ زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

(ب د:۷۶)

۱۴۔ آئینے کی طرح سب کچھ دیکھو اور خاموش رہو

ہلالِ عید کتنی خوشیاں لاتا ہے اور پوری دنیا کے نظارے دیکھتا ہے لیکن اپنا سفر خاموشی سے طے کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ انسان کو یہ سبق دیتے ہیں کہ چاند آئینے کی مثل سب کچھ دیکھتا ہے لیکن خاموش رہتا ہے اس لئے تم بھی سب کچھ دیکھنے کے بعد خاموش رہو تا کہ تمہارا سفر بہتر طریقے سے پورا ہو سکے۔

صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ شورشِ امروز میں محو سرودِ دوش رہ

(ب د:۱۴۶)

۱۵۔ دِل انسان کے پہلو میں ہنگاموں کا مرکز ہے جو خاموش ہے

سرودِ نغمۂ بلبل کی آواز اور دنیا کی دیگر آوازیں سب فریبِ گوش (کانوں کا دھوکہ) ہیں مگر چمن دنیا کے ہنگاموں کا باطن (یعنی انسان کا دل) بالکل خاموش ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ مغرب کی شراب کے پیمانوں کا یہ اثر ہوا ہے کہ شراب پلانے والا ساقی تو مسکراتا ہے مگر اس نے ساری انجمن دنیا کو بے ہوش کر دیا ہے۔ علامہؒ کی اس سے مراد یہ ہے کہ مغرب کے چند بُرے لوگوں نے اپنی شیطانیت کا اثر پوری دنیا پر پھیلا رکھا ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ شراب اور قمار خانوں کی طرف تو راغب ہو جاتے ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ لوگوں نے بے حیا اور لغویات کو چاہنے والے شیطانی دل کو ہی اصل دل سمجھ لیا ہے۔ فریب اور دھوکے کی صورت کو اصلی صورت تصور کر لیا ہے اور اس کی خوشی کا ساماں مہیا کرنے لگے ہیں۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ انسان کے دل میں زبردست ہنگاموں یعنی غور و فکر اور ذکر و مشاہدات کے خاموش ہنگامے، جو انسان کی پہچان تھے کی کثرت موجود ہے جس کی انسان کو چنداں پروا نہیں۔

یہ سرود قمری و بلبل فریبِ گوش ہے باطنِ ہنگامہ آبادِ چمن خاموش ہے

تیرے پیمانوں کا ہے یہ اے مۓ مغرب اثر خندہ زن ساقی ہے، ساری انجمن بے ہوش ہے

(ب د:۲۱۸)

آہ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے، وہ دل نہیں پہلوئے انساں میں اک ہنگامہ خاموش ہے
(ب د:۲۷۸)

دِل کے ان ہنگاموں کی دنیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ دل کے سمندر کے مخفی خزانے سوائے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی ضرب کے ہرگز نہیں کھل سکتے اور یہ اس وقت ہی ممکن ہوسکتا ہے جب تو دنیا کے فریب کن افکار سے گزر جائے۔

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا ہیں بحرِ خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے
(ب ج:۴۵۹)

۱۶۔انسان کا غم اس کی روح کا خاموش نغمہ ہے جس کا اس کی ہستی سے گہرا تعلق ہے

احادیث اور دیگر روایات میں ہے کہ انسان کا غم اس کی روح کی طاقت کی افزائش کرتا ہے۔غم ،روح اور دل کی غذا ہے۔اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں میں پایا جاتا ہے۔اس لئے انسانی دل کے لئے رونا تڑپنا اور آہ وزاری کرنا زیادہ سود مند ہے۔عیش وعشرت کے دلدادہ لوگوں کو غم کی دولت کبھی میسر نہیں ہوتی۔ انسان کی روح کے لئے غم اور خاموشی کا ساتھ ہونا انسان کے لئے بلند پروازی کا سبب بنتا ہے۔

طائرِ دل کے لئے غم شہپرِ پرواز ہے راز ہے انسان کا دل، غم انکشافِ راز ہے
غم نہیں غم، روح کا اک نغمۂ خاموش ہے جو سرودِ بربطِ ہستی سے ہم آغوش ہے
شام جس کی آشنائے نالۂ یا رب! نہیں جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں
جس کا جامِ دل، شکستِ غم سے ہے نا آشنا جو سدا مستِ شرابِ عیش و عشرت ہی رہا
کلفتِ غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے
(ب د:۱۵۶)

۱۷۔مسلمانوں کی موجودہ حالت پر شاعر کو خموشی توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے

اس سے پہلے تو علامہ اقبالؒ خاموشی اختیار کرنے کو انسان کی ضرورت خیال کرتے تھے تا کہ پوری قوم کو تباہی سے بچایا جائے مگر موجودہ خراب حالت میں خاموشی کو توڑنے کی ضرورت تھی۔

ہے شعرِ عجم گرچہ طربناک و دل آویز   اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیر خودی تیز
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں   بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز
(ض ک:۵۹۰)

علامہ اقبالؒ اپنے دور کی بے حیائی اور بے دینی سے نالاں تھے۔ آج کے نوجوان کی نگاہ بھی روشن اور فیشن سے مزین نظر آتی ہے مگر دل کا آئینہ مکدر ہے۔ جب یہ بے دینی حد سے بڑھ جائے تو قوم کے خیالات بھی پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ وہ مغربیت کو نجات کی راہ تصور کرنے لگتے ہیں، اگر مسلمان جلوت میں (محفل آرائی) کی بجائے خلوت، خاموشی اور دینداری کو شعار بنا لے تو یہ خودی کو تیز کر دیتی ہے۔ افسوس ہے کہ اس زمانے میں خلوت نہ مسجد میں نظر آتی ہے اور نہ کلیسا میں۔ مسلم اور کافر سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے   روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے   ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن   خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر
(ض ک:۵۵۶)

علامہ اقبالؒ اپنی نظم ''تصویرِ درد'' میں مسلمانوں کے احوال کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ خاموشی اب کام نہیں آئے گی۔ اس وقت انقلاب اور بیداری کا غلغلہ بلند کرنے کا موقعہ ہے اور اپنی آواز کو اتنا بلند کرو کہ اس کی صدا آسمان تک جائے۔

یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فریاد پیدا کر!   زمیں پر تو ہو، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں!
(ب د:۷۱)

چمن زار محبت میں خموشی موت ہے بلبل   یہاں کی زندگی پابندی رسم فغاں تک ہے
(ب د:۱۰۳)

علامہ اقبالؒ نے اہل مغرب کو اس بے دینی کا موجد قرار دیا ہے اور اب یہ زمانہ خاموش رہنے کا نہیں بلکہ صدائے انقلاب بلند کرنے کا وقت ہے۔

زمانہ دیکھے گا جب میرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے، گویا مزار ہے حرف آرزو کا

(ب د:۱۳۶)

دل کے ہنگامے مئے مغرب نے کر ڈالے خموش
نغمہ پیرا ہو، کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں

(ب د:۱۸۹)

ہندوستان کی حکومتِ انگریز نے علامہ اقبالؒ پر شعر و شاعری کی پابندی لگادی تھی اس وقت آپؒ نے اپنی زبان کھولی اور اہلِ ہند کو سمجھایا کہ اگر تم سنبھل نہ سکے ''تو تمہاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں'' آپؒ نے اُس وقت اپنی زبان کھولنے کا اظہار یوں کیا ہے۔

کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے — پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے

(ب د:۴۳)

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری — خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری
یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں — یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

(ب د:٦٨)

علامہ اقبالؒ نے اپنے پورے کلام میں مسلمانوں کو بیداری کا سبق دیا اور عمل پیہم کا مشورہ دیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ دلِ زندہ وہ ہے جس میں ذکرِ الٰہی جاری ہو[1]

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ — کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ
ترا بحر پرسکوں ہے، یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟ — نہ نہنگ ہے، نہ طوفاں، نہ خرابی کنارہ!
نظر آئے گا اسی کو یہ جہان دوش و فردا — جسے آگئی میسر میری شوخئ نظارہ

(ض ک:۴۹۸)

مسلمان قوم بے حد بے عملی، بے راہ روی اور دین کو چھوڑنے کی وجہ سے اس قدر نادار، ضعیف و ناتواں ہو چکی تھی کہ ان کو دنیا کی قوموں میں شمار ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ علامہؒ ہلال عید کو دیکھ کر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہلال عید! تو نے ہمارا عروج کا زمانہ دیکھا ہے اور اب مسلمانوں کی موجودہ حالت کو بھی دیکھ کہ وہ طرح طرح کے عیوب اور فرقہ واریت اور آپس کی دشمنی میں الجھے ہوئے ہیں۔ آپ چاند کو فرماتے ہیں کہ اس کے برعکس برہمنوں کی اپنے مذہب میں پختہ کاری دیکھ اور یہ سب کچھ دیکھ کر خاموش رہ۔

دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر — اے تہی ساغر! ہماری آج ناداری بھی دیکھ
فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر — اپنی آزادی بھی دیکھ، ان کی گرفتاری بھی دیکھ

---

[1] الجامع البیان، جلد ۱۱، صفحہ ۴۳۲۔

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیحِ شیخ　بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ
کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر　اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ
چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا　سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ
صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ　شورشِ امروز میں محوِ سرودِ دوش رہ!

(ب د:۱۸۲)

علامہ اقبالؒ نے قوم کی بیداری کے لئے کیا کچھ نہیں کہا مگر مسلمان قوم اس قدر غفلت میں پڑی ہوئی ہے کہ انہوں نے آپؒ کے کلام کا نوٹس تک نہیں لیا اور بہت کم مسلمان ایسے ہیں کہ ان کے کلام سے استفادہ کرتے ہیں۔ راقم الحروف نے اپنے دورہ امریکہ اور انگلستان میں مسلمانوں کی حالت کا مشاہدہ کیا ہے۔ انکی حالت دیکھ کر دل کانپ اٹھتا ہے اور اب یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی امداد کیوں نہیں کرتا اور مسلمان قعر مذلت میں کیوں مبتلا ہے۔ صرف اتنی بات بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ عرب ممالک کی عورتوں اور مردوں کا یہ حال ہے کہ یہود اور نصاریٰ سے کسی صورت میں کم نظر نہیں آتے۔ افسوس تو یہ ہے کہ یہ زہر جو مسلمان کھا رہے ہیں اس کا انہیں احساس تک بھی نہیں۔

قصہ گل ہمنوایان چمن سنتے نہیں　اہل محفل تیرا پیغام کہن سنتے نہیں
اے درائے کاروانِ خفتہ پا! خاموش رہ　ہے بہت یاس آفریں تیری صدا، خاموش رہ
زندہ پھر وہ محفلِ دیرینہ ہو سکتی نہیں　شمع سے روشن شب دوشینہ ہو سکتی نہیں

(ب د: ۱۹۷)

علامہ اقبالؒ نے صقیلہ کی نظم جو عرب کے دیار کی بربادی کو دیکھ کر لکھی ہے، اس میں فرماتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کے پہلے جیسے دبدبے اور تکبیریں اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئیں ہیں۔

غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے　کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

(ب د:۱۳۳)

علامہ اقبالؒ خود کو بھی قلندر کہتے تھے اور قلندر کی قبر کے متعلق آپؒ نے فرمایا کہ قلندر کو اب بھی تہہ خاک آرام میسر نہیں ہے۔

مرقد کا شبستاں بھی اسے راس نہ آیا　آرام قلندر کو تہ خاک نہیں ہے
خاموشیٔ افلاک تو ہے قبر میں لیکن　بے قیدی و پہنائی افلاک نہیں ہے

(ض ک،۵۰۲)

باب نمبر۱۲

حضرت جنیدؒ کا حسب ونسب، تربیت اور وصال

حضرت جنیدؒ کے حسب ونسب، تربیت و وصال اور تصانیف کا ذکر بہت طوالت طلب ہے لیکن بخوف طوالت یہاں مختصر احوال ہی بیان کئے جارہے ہیں۔

حسب ونسب

حضرت جنیدؒ کا خاندانی نام جنیدؒ تھا۔ والد محترم کا نام محمد اور دادا کا نام جنید قواریری تھا۔ دادا کے نام پر آپؒ کا نام رکھا گیا۔ ابوالقاسم آپؒ کی کنیت تھی۔ سال پیدائش اور رحلت میں اختلاف ہے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ پیدائش ۲۱۰ھ میں ہوئی مگر بنظر اختلاف ۲۱۰ھ سے ۲۱۵ھ تک سال پیدائش بتایا جاتا ہے۔ سیرت جنیدؒ از علامہ فضل احمد عارف میں سن ولادت ۲۰۸ھ دیا گیا ہے۔

آپؒ کی نسبت وطنی بغدادی، نسبت پیشہ آبائی القواریری (ریشم) اور الزجاج (شیشہ گری) نسبت پیشہ ذاتی الخزاز (ریشم فروش)، القاب سید الطائفہ یا طاؤس العلماء، خطاب تاج العارفین، نسب جنیدؒ بن محمد بن جنیدؒ ہے۔

آپؒ کے آباؤ اجداد کی نہاوند سے ہجرت

آپؒ کے اجداد کا تعلق نہاوند شہر سے تھا جو ایران اور مملکت عثمانیہ کے درمیان متنازع کوہستانی علاقہ تھا اور یہ علاقہ جبل کے نام سے مشہور تھا۔ یہ شہر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے ۱۷ سال سے ۲۱ سال کے درمیانی عرصہ میں فتح ہوا تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے والد آئینہ سازی اور شیشہ گری کے آلات کی تجارت کرتے تھے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپؒ کے والد محمدؒ نے تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے نہاوند کو چھوڑ دیا تھا اور بعض کا خیال ہے کہ ۲۱۴ھ میں عباسی خلیفہ مامون الرشید نے علی بن ھشام نامی ایک شخص کو علاقہ جبل کا گورنر (عادل) مقرر کیا تھا اور علاقہ جات قم، اصفہان اور آذربائیجان بھی اسی کی تحویل میں تھے۔ اس حاکم نے اپنا رعب قائم کرنے کے لئے نہایت درشت رویہ اختیار کیا اور لوگوں پر ظلم وستم کے انبار لا دیئے جس کی وجہ سے پورے علاقہ جات میں کہرام مچ گیا۔ خلیفہ مامون الرشید نے عجیف نامی ایک شخص کو طلب کیا جو شجاعت اور استقامت میں بڑی شہرت رکھتا تھا اور اسے علی بن ہشام کو گرفتار کر کے اس کے پاس لانے کا حکم دیا۔ ہشام نے جب عجیف کے آنے کی خبر سنی تو باقی باغیوں کو ملا کر علم بغاوت بلند کیا مگر عجیف نے اسے سنبھلنے کا موقعہ نہ دیا اور گرفتار کر لیا۔ جونہی اس کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے بغیر کسی احتساب کے ہشام اور اس کے بھائی کو قتل کروا دیا اور ہشام کا سر نیزے پر بلند کروا کے عراق، خراسان اور شام اور مصر کی گلیوں میں گھمایا اور پھر اس ظالم اور نافرمان کے سر کو سمندر میں پھینکوا دیا۔ ہشام کے دور (۲۱۴ تا ۲۱۷ھ) کے درمیان حضرت جنیدؒ کے والد نے نہاوند سے ہجرت کی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی ازدواجی زندگی کے متعلق کوئی شہادت نہیں ملتی کہ انہوں نے کوئی شادی بھی کی تھی یا نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کی کوئی اولاد بھی تھی یا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ نے ساری زندگی تجرد میں گزاری کیونکہ بہت سے صوفیاء تجرد کی زندگی گزارا کرتے تھے۔

آپؒ کی سیرت پر بہت سی کتب تحریر ہو چکی ہیں۔ اس کتاب میں حضرت جنیدؒ کے اساتذہ کے احوال کے متعلق تفصیلات دینا ممکن نہ تھا کیونکہ یہ کتاب عوام الناس کی دلچسپی اور معلومات کے لئے لکھی جا رہی ہے۔ تحقیقی اعتبار سے دوسری تصانیف سے استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن عوام الناس کی معلومات کے لیے کچھ ہم عصر مشائخ، اساتذہ اور شاگردوں کے نام اس کتاب میں درج کر دیے گئے ہیں۔

زمانہ تعلیم وتربیت

حضرت جنید بغدادیؒ کی تربیت کا سہرا آپؒ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے سر ہے اگرچہ آپؒ نے دیگر مشائخ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ لیکن جس جانفشانی سے آپؒ کے ماموں نے آپؒ کی تربیت کی اس سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ زمانہ حال کے مشائخ اگر اپنے مریدوں پر اتنی ہی شفقت اور محنت کریں

تو ایک نہیں کئی جنیدؒ اور بایزیدؒ پیدا ہو سکتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ میں نے دوسو اساتذہ سے علم حاصل کیا مگر تاریخ میں ان سب کے نام نہیں ملتے۔ ابھی حضرت جنیدؒ کا روحانی سفر جاری تھا کہ آپؒ کو اپنے شیخ ابوعبداللہ حارث محاسبیؒ کی جدائی کا المناک واقعہ ۲۴۳ھ میں دیکھنا پڑا۔ آٹھ سال بعد یعنی ۲۵۱ھ میں حضرت سری سقطیؒ بھی دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور چند سال پہلے آپؒ کے والد جناب محمدؒ بھی وصال پا چکے تھے۔ والد کی وفات پر آپؒ نے فرمایا تھا کہ میں ابھی یتیم نہیں ہوا۔ ابھی میرے شیخ حضرت سری سقطیؒ حیات ہیں چنانچہ والد کی وفات کے بعد آپؒ حضرت سقطیؒ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پانے لگے۔

حضرت جنیدؒ کے روحانی راہنما حضرت ابوحفصؒ کا انتقال ۲۶۰ھ میں ہوا۔ آپؒ کے دیگر اساتذہ میں حضرت شیخ محمد بن علیؒ اور حضرت محمد بن مسروق طوسیؒ کے اسمائے گرامی بھی آتے ہیں۔ حضرت محمد بن علیؒ کا انتقال ۲۷۶ھ میں ہوا اور محمد بن مسروق طوسیؒ کا انتقال ۲۹۸ھ میں ہوا اور اسی سال حضرت جنیدؒ نے خود بھی انتقال فرمایا۔ گویا حضرت محمد بن مسروق طوسیؒ سے آپؒ نے آخری عمر تک استفادہ فرمایا۔

حضرت علامہ ابن جوزیؒ نے حضرت جنیدؒ کے ایک اور استاد حضرت یعقوب زیاتؒ کا بھی ذکر کیا۔ حضرت موصوف کی عارفانہ شان کے بارے میں حضرت جنیدؒ خود تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی بار میں ان کے ہاں حاضر ہوا تو طالبان دیدار کا ایک ہجوم تھا۔ خیال تھا کہ وہ سب کو اندر بلائیں گے لیکن یکا یک ایک شخص نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا کہ شیخ فرماتے ہیں کہ کیا تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا مشغلہ کافی نہیں جو اس کا ذکر چھوڑ کر میرے پاس آئے ہو۔ یہ سن کر باقی لوگ تو خاموش ہو گئے لیکن میں نے اس خادم سے کہا ''جب حضرت شیخ یعقوب زیاتؒ کی خدمت میں حاضر ہونا بھی اسی (اللہ) کے شغل میں داخل ہے تو پھر ہم لوگ کیوں حاضر نہ ہوں''۔

حضرت جنیدؒ کی یہ بات سن کر حضرت یعقوب زیاتؒ نے آپؒ کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت جنیدؒ بہت ادب واحترام سے حاضر ہوئے تو توکل پر گفتگو چھڑ گئی۔ حضرت یعقوب زیاتؒ کے پاس ایک دینار تھا تو وہ دینار آپؒ نے اپنے خادم کے حوالے کیا اور پھر توکل پر نہایت عالمانہ گفتگو شروع ہوئی جس سے حضرت جنیدؒ بہت متاثر ہوئے۔ پھر حضرت یعقوب زیاتؒ نے فرمایا: ''مجھے اس بات سے شرم آئی کہ توکل پر گفتگو کروں اور میرے پاس کچھ رقم بھی موجود ہو''۔

اس جگہ حضرت خضر علیہ السلام کا وہ قصہ یاد آیا کہ آپؑ ایک بزرگ کے پاس آتے تھے لیکن ایک دن اس بزرگ نے اپنی بیوی کو کچھ رقم دی اور کہا کہ اس کو کل خرچ کرنے کے لئے اوپر تجوری میں رکھ دو۔ اس دن کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ان کے پاس آنا بند کر دیا اور بہت دنوں کے بعد ان کی ملاقات خواب میں حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے آپؑ کے نہ آنے کا سبب دریافت کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص توکل میں اس قدر ناقص ہو کہ کل کے لیے کچھ بچا کر رکھ لے تو ہم اس کے پاس نہیں جایا کرتے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خواب کے بعد اس بات کو اپنا شعار بنالیا کہ کل کے لئے کچھ نہ رکھا جائے لیکن پھر حضرت خضر علیہ السلام کبھی تشریف نہ لائے۔

حضرت جنیدؒ کی تربیت کا نظام

حضرت جنیدؒ کے آبائی خاندان میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کو بظاہر علم و فضل سے کوئی تعلق ہوتا، البتہ ان کے چند اقارب کو ایک علمی خاندان سے نسبت تھی اور آپؒ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ کا اسی خاندان سے تعلق تھا جن کا نام مملکتِ ولایت میں اب تک عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے اور وہی حضرت جنیدؒ کی تربیت کے ذمہ دار بنے اور ان کی بیعت سے حضرت جنیدؒ مشرف ہوئے۔

جب حضرت جنیدؒ پانچ چھ سال کے تھے تو باپ نے اپنے کاروبار میں لگا دیا۔ وہ اپنے بیٹے کو کامیاب تاجر بنانا چاہتے تھے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بچہ آئینے سے بھی زیادہ شفاف دل اپنے پہلو میں رکھتا ہے اور یہ بچہ بڑا ہو کر ایسے لاکھوں آئینے تراشے گا کہ رہتی دنیا تک ان کا نام پوری آب و تاب سے چمکتا رہے گا۔ ایک دن حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنیدؒ کے باپ سے کہا کہ یہ بچہ دکانداری اور تجارت کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ اس پر آپؒ کے باپ نے کہا کہ یہ دوکاندار کا بیٹا ہے دکاندار ہی بنے گا۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ انشاء اللہ یہ بچہ وہی بنے گا جو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ حضرت سری سقطیؒ اپنے بھانجے کو اپنے گھر لے آئے اور ان کی تربیت شروع کر دی اور ان کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا۔ ایک سال کے بعد ہی (سات برس کی عمر میں) اپنے ماموں کے ساتھ فریضہ حج کو روانہ ہوئے۔ اسی حج کے دوران حضرت سری سقطیؒ کے ساتھ بہت سے عارفوں کا ہجوم تھا جہاں بحث چھڑ گئی کہ شکر کسے کہتے ہیں اور اس پر حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ تم ہی اس بات کو واضح کرو کہ شکر کس کو کہتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں پہلے تو

میں گھبرا گیا اور پھر میں نے ان تمام بزرگوں کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ ''اللہ کی نعمتوں کو پا کر اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ میرے نزدیک اسی کا نام شکر ہے''۔ یہ جواب سن کر آپؒ کے ماموں نے فرمایا مجھے یقین ہے کہ تمہیں حق تعالیٰ سے جو فیض پہنچے گا وہ تمہاری زبان کے ساتھ مخصوص ہوگا اور آپؒ کی پیشگوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ حضرت سری سقطیؒ اور حضرت جنیدؒ کے درمیان آئے روز مختلف موضوعات پر گفتگو ہوا کرتی تھی جس کی بنا پر حضرت سری سقطیؒ کو اپنے بھانجے سے اشد درجہ کی محبت ہونے لگی۔ (روحانیت کی پرورش کے لئے یہ طریقۂ بحث بہت پرانا دستور ہے اور بہت کارآمد بھی)۔ حضرت جنیدؒ کے لیے فیضان کا سمندر امڈ آیا اور آخر یہ حال ہوگیا کہ حضرت سری سقطیؒ اپنے بھانجے کی ہر بات کو تسلیم کرلیا کرتے۔ [1]

حضرت جنیدؒ نے تمام علوم کی تربیت حاصل کرنے سے پہلے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے زیر اثر دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اس کے بعد حدیث پڑھی اور کتابت حدیث کی جس میں ان کے ایک استاد حسن بن ابراہیمؒ ہیں۔ جب آپ علم حدیث سے فارغ ہوئے تو حارث المحاسبیؒ کی مجلس میں جا بیٹھے۔ ایک مرتبہ آپؒ کے ماموں نے پوچھا کہ یہاں سے اٹھتے ہو تو کہاں جاتے ہو۔ جواب دیا حارث المحاسبیؒ کے پاس فرمایا کہ ہاں جاؤ مگر اس کی صحت استدلال اور معتزلہ کے بارے میں ان کی جرح و تعدیل سے خبردار رہنا۔ آپؒ کا مطلب یہ تھا کہ مباحث کلام اور مناظرانہ مسائل میں نہ الجھنا۔ ایک دفعہ حضرت جنیدؒ حارث محاسبیؒ کے پاس سے واپس آئے تو حضرت سری سقطیؒ نے دعا دے کر فرمایا کہ خدا تمہیں پہلے حدیث کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر صوفی بنائے۔ پہلے صوفی اور بعد ازاں محدث بننے سے بچائے۔

حضرت جنیدؒ کے شیوخ

جیسا کہ بیان ہوا حضرت جنیدؒ نے خود اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے دو سو اساتذہ سے علم حاصل کیا مگر تقریباً ستر اساتذہ کے نام ملتے ہیں جن میں سے چیدہ چیدہ یہ ہیں۔

حضرت سری سقطیؒ (م ۲۵۳ھ)، حارث المحاسبیؒ (م ۲۴۳ھ)، محمد بن علی القصابؒ (م ۲۷۵ھ)، ابوثور الکلبیؒ (م ۲۷۶ھ)، حضرت سفیان ثوریؒ (م ۲۴۱ھ)، ابوجعفر الحداد الکبیرؒ، حضرت ابن الکرنبیؒ، حسن بن عرفہؒ (م ۲۵۷ھ)، ابواحمد الکانسیؒ (م ۲۷۰ھ)، ابوبکر القنطریؒ (م ۲۶۰ھ)، حسن المسوجیؒ، محمد بن منصور طوسیؒ (م ۲۵۴ھ)، ابوحاتم العطارؒ، ابویعقوب الزیاتؒ۔

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۸۰۔

حضرت جنید ؒ کے استاد اول حضرت سری سقطیؒ

''کشف المحجوب'' میں ہے کہ حضرت جنیدؒ کے ماموں اور شیخ طریقت کے اقوال اور حالات متعدد مقامات پر دیئے گئے ہیں۔ آپؒ تمام علوم میں بہت بلند شان رکھتے تھے۔ آپؒ نے تصوف کی ترتیب اور مقامات پر سب سے پہلے عالمانہ تحقیق فرمائی۔ عراق کے سینکڑوں صوفیاء ان کے حلقہ ارشاد سے فیضیاب ہوئے۔ انہیں بغداد کے ارباب توحید میں بلند مقام حاصل تھا۔ بغداد میں وہ پہلے صوفی تھے جنہوں نے تصوف کے ذریعے توحید کا درس دینا شروع کیا۔ آپ حبیب راعیؒ اور بہت سے مشائخ سے فیض یافتہ تھے۔ آپؒ حضرت معروف کرخیؒ کے مرید تھے۔ سقط (یعنی کباڑ فروشی) آپؒ کا پیشہ تھا لہٰذا سقطی کہلائے۔ [1]

''کشف المحجوب'' میں آپؒ کا رجوع الی اللہ کا ایک واقعہ لکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بغداد کے بازار میں آگ لگ گئی اور لوگوں نے کہا کہ آپؒ کی دوکان جل کر راکھ ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں دوکان اور مال کی قید سے آزاد ہو چکا ہوں۔ جب لوگوں نے آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام بازار میں سے صرف آپؒ کی دوکان ہی بچی ہوئی تھی۔ جب آپؒ نے یہ دیکھا تو سارا مال درویشوں اور صوفیوں کو لٹا دیا اور تصوف کا طریقہ اختیار کیا۔

روایات میں ایسے بھی آیا ہے کہ ایک بار لوگوں نے حضرت معروف کرخیؒ سے حضرت سری سقطیؒ کی شکایت کی وہ نماز نہیں ادا کرتے اور نہ ہی وہ کسی کی بات مانتے ہیں۔ حضرت معروف کرخیؒ ایک دن حضرت سری سقطیؒ کی دکان پر آئے اور کہنے لگے کہ حضرت میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ نماز کبھی ادا نہیں کرتے۔ آپؒ نے فرمایا کہ دکان کا حال دیکھتے ہو کہ جب اس قدر گاہک آتے ہوں تو پھر نماز پڑھنے کا وقت کیسے مل سکتا ہے۔ حضرت معروف کرخیؒ نے کہا تو پھر آپ کو رفع حاجت کا وقت بھی نہ ملتا ہوگا اور اس کے ساتھ ہی آپ نے حضرت سری سقطیؒ پر توجہ بھی دی۔ اس جملے سے آپؒ کے دل پر انتہائی اثر ہوا کہ وہ نماز کو رفع حاجت سے بھی کم اہمیت دیتے ہیں۔ اس پر آپؒ نے دوکان لٹا دی اور تصوف کا طریقہ اختیار کرلیا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کا پہلا تعارف ان کو اپنے ماموں حضرت سقطیؒ کے گھر سے ہوا چنانچہ سری سقطیؒ کی راہنمائی میں حضرت جنیدؒ کا تصوف کی طرف رجحان ایک فطری عمل تھا۔ حضرت جنیدؒ خود فرماتے ہیں دنیا جہان کے نامور صوفی توحید اور سلوک کی منزلوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان کے ماموں کے گھر آتے اور چوبیس گھنٹے علم و دانش کے چراغ جلتے رہتے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۱۹، ۲۲۰۔

حضرت سری سقطیؒ جو علم توحید کے یکتائے روزگار تھے اپنے بھانجے پر خاص توجہ فرماتے۔ آپؒ خود بھی فقہ اور حدیث میں مستند تھے اور آپؒ نے حضرت جنیدؒ کے مزاج پر گہرا اثر پیدا کیا اور ان کے ذوق علمی کو زبردست جلا ملی۔ آپؒ بعض خصوصی محفلوں میں حضرت جنیدؒ کو شامل کرتے اور ان کا مناسب الفاظ میں تعارف کرواتے۔

حضرت سری سقطیؒ کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ ایک بار جب حضرت جنیدؒ ابھی چار پانچ برس کے تھے تو آپ نے جنیدؒ کو بلایا اور فرمایا کہ ادھر آؤ ہم تمہیں اللہ اللہ سکھائیں اور پھر اَللّٰہُ حَاضِرِیُ، اَللّٰہُ نَاظِرِیُ اور اَللّٰہُ مَعِیُ کا با تصور ذکر سکھایا (اس بات کا ذکر کسی اور جگہ بھی گزر چکا ہے) آپؒ نے دیکھا آدھی رات سے زائد وقت گزر گیا مگر جنیدؒ ابھی تک اس تصور میں مراقب ہیں۔ آپؒ نے حضرت جنیدؒ کو فرمایا کہ جاؤ اب جا کر سو جاؤ لیکن صبح کے وقت جب ان کی والدہ ان کو رفع حاجت کے لئے لے گئیں تو آپؒ نے یہ کہہ کر کپڑے اتارنے سے انکار کر دیا کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں کپڑے کیسے اتار سکتا ہوں۔ جب ان کی ماں آپؒ کو حضرت سری سقطیؒ کے پاس لائی اور کیفیت بیان کی تو آپ نے بچے پر توجہ کی اور پھر آپؒ اس سخت کیفیت سے باہر آئے۔

جب حضرت جنیدؒ بڑے ہوئے تو آپ کا تعلیم دینے کا یہ طریقہ تھا کہ حضرت سری سقطیؒ، حضرت جنیدؒ کے سامنے کوئی موضوع چھیڑ دیتے۔ ابتداء میں خود اس موضوع پر گفتگو کرتے اور بعد میں وہ حضرت جنیدؒ سے فرماتے کہ وہ اس موضوع پر کوئی سوال کریں اور خوب بحث ہوتی۔ اس بحث سے حضرت جنیدؒ وافر علم حاصل کرتے جو ان کی روح کا حصہ بن جاتا۔

حضرت جنیدؒ کے بچپن میں عشق اور شکر کی حیرت انگیز تعریف

ایک روز حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا کہ جنیدؒ تمہارا محبت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ محبت جذبہ واحساس کے ایک ہو جانے کا نام ہے اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا محبت ہے۔ یہ سن کر حضرت سری سقطیؒ نے اپنے بازو کے گوشت کی چٹکی بھری جو ان کی ہڈیوں پر اتنا خشک اور کسا ہوا تھا کہ وہ اسے کھینچ نہ سکے اور فرمانے لگے کہ خدا کی قسم اگر میں یہ کہوں کہ میرا گوشت اللہ کی محبت میں میری ہڈیوں پر سوکھ گیا ہے تو یہ غلط بات نہ ہوگی۔ حضرت سری سقطیؒ کی مجلس میں ایک بار شکر کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی اور بڑے بڑے مشائخ نے باری باری شکر کے متعلق اپنا اظہار خیال کیا۔ حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنیدؒ کو اشارہ فرمایا کہ تم بتلاؤ کہ شکر کیا چیز ہے؟ اس پر مشائخ حیران

تھے کہ اس چھوٹے سے بچے کو زبان کھولنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر اور بھی حیران ہوئے کہ بچہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ نہایت عمدہ عربی میں کہہ رہا ہے کہ شکر یہ ہے کہ "لَا تَعْصِ اللّٰہِ بِنِعَمِہٖ" (اللہ کی نعمتوں کے باوجود اس کی نافرمانی نہ کر)۔ شکر کی یہ تعریف سن کر سب حیران ہو گئے اور حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ بیٹا مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارے نصیب میں فقط یہی زبان و بیان کی قوت نہ ہو۔[1]

حضرت جنیدؒ کی کتب و رسائل

حضرت جنیدؒ نے بہت کم لکھا اور جو کچھ لکھا اس کا ایک قلیل حصہ بھی اس وقت دستیاب نہیں ہے۔ ابن ندیم کی الفہرست، سراج کی کتاب اللمع، حضرت ہجویریؒ کی "کشف المحجوب"، ابونعیم کی "حلیۃ الاولیاء" اور تصوف کی دوسری مستند کتابوں میں ان کی بعض تصانیف کا ذکر ملتا ہے مثلاً الفہرست میں کتاب "امثال القرآن" اور کتاب "رسائل" کا ذکر ہے کتاب اللمع میں ان کی ایک تصنیف شطحیات بایزید بسطامیؒ کی شرح کا ذکر ہے لیکن اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی اس میں نقل ہوا ہے۔ اسی کتاب میں حضرت جنیدؒ کی ایک اور تصنیف "کتاب المناجات" کا حوالہ بھی ملتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے "کشف المحجوب" میں ان کے ایک رسالے "تصحیح الارادۃ" کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح دوسری تصانیف میں جو بعض کتابوں میں مذکور ہیں مثلاً منتخب الاسرار فی صفات الصدیقین والابرار، العمدہ، قصیدہ فی التصوف، دواء الارواح، رسالہ فی تکذیب الرؤیت، رسالہ دواء التفویط، حضرت جنیدؒ کی یہ تمام کتابیں اور رسالے ضائع ہو گئے اور ابھی تک کہیں سے ان کا سراغ نہیں مل سکا۔

استنبول کے شہید علی کے مخطوطے میں

حضرت جنیدؒ کی کتب کا تذکرہ

استنبول سے شہید علی کے مخطوطے میں حضرت جنیدؒ کی مندرجہ ذیل تحریریں شامل ہیں۔

(۱) رِسَالَۃُ لِاَبِیْ الْقَاسِمِ الْجُنَیْدُ اَیْضاً اِلٰی بَعْضِ اَخْوَانِہٖ

(۲) رسالۃ ابی القاسم الجنید بن محمد الی یحییٰ بن معاذ

(۳) رسالۃ لابی القاسم الجنید الی بعض اخوانہ (۴) نسخۃ کتاب الجنید الی عمرو بن عثمان المکی

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۱۵۔

(۵) نسخة كتاب الجنيد الى ابى يعقوب يوسف بن الحسين الرازى (٦) كتاب الفناء
(۷) كتاب الميثاق (۸) فى الالوهية (۹) فى الفرق بين الاخلاص والصدق
(۱۰) بابِ آخر فى التوحيد (۱۱) مسالة اخرى (فى التوحيد) (۱۲) مسالة اخرى (فى التوحيد)
(۱۳) مسالة اخرى (فى التوحيد) (۱۴) مسالة اخرى (فى التوحيد) (۱۵) مسالة اخرى (فى التوحيد)
(۱۶) مسالة اخرى (فى التوحيد) (۱۷) آخر مسالة فى التوحيد (۱۸) ادب المفتقر الى الله

آپؒ کی ایک اور کتاب ''معالی الھمم'' بھی موجود ہے لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ کتاب کسی اور کی لکھی ہوئی ہے اور یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ معالی الھمم کے علاوہ بھی کچھ کتب آج کل موجود ہیں۔ ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر الازہری کی تحقیق کے مطابق بعض ایسی کتابیں جو غلط فہمی کی بنا پر حضرت جنیدؒ سے منسوب ہو گئیں اب تحقیق کے بعد کسی اور کی قرار پائی ہیں مثلاً رسالة فى الشكر، رسالة فى الافاقه، السر فى انفاس الصوفيه اور كتاب العقد الى الله۔

حضرت جنیدؒ کا سفرِ آخرت

حضرت جنیدؒ کی تاریخ وفات بھی تاریخ ولادت کی طرح متحقق نہیں ہے۔ ان کا سال وفات ۲۹۷ ،۲۹۸، ۲۹۹ ہجری بتایا جاتا ہے اغلب رائے یہ ہے کہ ان کا انتقال ۲۹۸ھ میں ہوا۔ اس طرح گویا حضرت جنیدؒ نے تقریباً نوے سال کی عمر پائی۔ مرض الموت میں ان کا ذوق سجدہ ریزی اور بڑھ گیا تھا اور بسترِ مرگ پر بھی یادِ الٰہی کے معمولات میں کوئی کمی نہیں آئی۔ ''تاریخ بغداد'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ علالت کے آخری دنوں میں حضرت جنیدؒ کے منہ پر ورم آ گیا تھا جس کی انہیں سخت تکلیف تھی لیکن اس کے باوجود تکیہ سامنے رکھ کر سجدہ کرتے تھے۔ کسی نے عرض کیا حضرت! کیا ایسی حالت میں نماز چھوڑی نہیں جا سکتی؟ جواب ملا کہ اسی نماز کے ذریعے تو میں خدا تک پہنچا ہوں۔ اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔[1] ابو محمد جریریؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت جنیدؒ کے پاس موجود تھا۔ جب آپؒ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو وہ اس وقت بھی تلاوت میں مشغول تھے جب فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا اے ابو القاسمؒ! اپنے حال پر رحم کیجئے یہ سن کر فرمایا ابو محمد! کیا تلاوت قرآن کا اس وقت مجھ سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ ضرورت مند ہو گا جبکہ میرا صحیفہ اعمال سمیٹا جا رہا ہے۔[2]

۱۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۷، صفحہ ۲۴۷۔ ۲۔ سیرت جنید، فضل احمد عارف، صفحہ ۶۰، مکتبہ رشیدیہ لاہور، ۱۳۹۵ھ۔

حضرت جنیدؒ نے وصیت فرمائی کہ جب ان کا انتقال ہو تو ان کے جانشین و خلیفہ حضرت ابو محمد جریریؒ انہیں غسل دیں اور ان کے کفن و دفن کا انتظام کریں۔ ان کی یہ وصیت بھی تھی کہ ان کی تدفین کے بعد ان کے ساتھیوں کے لئے کچھ کھانا تیار کرا دیا جائے تا کہ جب وہ تدفین کے بعد قبرستان سے واپس آئیں تو انہیں کھانا مل سکے اور ان کی طبیعت میں پراگندگی نہ واقع ہو۔ ایک اور روایت کے مطابق بوقت وفات حضرت جنیدؒ نے اپنے ایک بزرگ ساتھی حضرت علی بن محمد بن حاتمؒ کو یہ وصیت فرمائی کہ جو کچھ علم تحریری شکل میں مجھ سے منسوب ہے وہ سب دفن کر دیا جائے تا کہ میرے بعد مجھ سے منسوب کوئی چیز نہ رہے۔ تمہارے لئے بس اللہ کے رسول ﷺ کا علم کافی ہے اس کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

وصیت کے مطابق حضرت جریریؒ نے آپ کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔ پھر جب جنازہ تیار ہو گیا تو ایک قول کے مطابق حضرت جنیدؒ کے صاحبزادے حضرت قاسمؒ نے نماز جنازہ پڑھائی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ نماز جنازہ میں اندازاً کوئی ساٹھ ہزار آدمی شریک ہوئے آپؒ شونیزیہ کے قبرستان میں اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔

روایت بعد از وصال

آخرت کے متعلق حضرت جریریؒ نے حضرت جنیدؒ سے خواب میں دریافت کیا تو فرمایا ''وہ اشارات دھرے کے دھرے رہ گئے اور متصوفانہ عبارتیں اور مضامین سب بے فائدہ رہے''۔ اصل فائدہ پہنچا تو بس ان کلمات ذکر اور تسبیحات کا جو میں راتوں کو پچھلے پہر پڑھا کرتا تھا۔ حضرت جعفر خلدیؒ کو بھی خواب میں ایسا ہی جواب دیا کہ وہ اشارات بے سود رہے۔ عبادات چھپ چھپا گئیں۔ علوم کچھ زیادہ کام نہ آئے۔ رسوم بے فائدہ سی رہیں۔ بالآخر صحیح معنوں میں کام آئیں تو وہ چھوٹی سی چند رکعتیں کام آئیں کہ جو ہنگام سحر ہم ادا کیا کرتے تھے۔

روحانی سلاسل اور حضرت جنیدؒ کی شانِ مرکزیت

حضرت علامہ فضل احمد عارف، مصنف سیرت جنیدؒ نے حضرت جنیدؒ اور دیگر سلاسل کا شجرہ درجِ ذیل نقشے میں دیا ہے۔ سلسلہ نقشبندی جس سے راقم الحروف متعلق ہے اسے الگ طور پر بھی شامل کر دیا ہے۔ یہ سلسلہ نقشبند حقیقتاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

۱۔ سلاسل عشرہ

حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے ''کشف المحجوب'' میں صوفیہ اور اہل طریقت کے دس

سلسلوں کو حق پر قائم قرار دیا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) محاسبیاں (۲) قصاریاں (۳) طیفوریاں (۴) جنیدیاں (۵) نوریاں

(۶) سہلیاں (۷) حکیماں (۸) خرازیاں (۹) خفیفیاں (۱۰) سیاریاں

ان سلسلوں میں سے جنیدیاں یا جنیدیہ کے تو موسس ہی حضرت جنیدؒ ہیں جبکہ باقی نو سلسلوں میں سے پانچ ایسے سلسلے ہیں جن کے بانیوں کا حضرت جنیدؒ سے گہرا قریبی اور روحانی تعلق ہے۔

II۔ حضرت جنیدؒ سے تعلق رکھنے والے سلاسل

ا۔ محاسبیاں (بانی حضرت حارث محاسبیؒ) استادِ جنیدؒ

۲۔ سھلیاں (بانی سہل تستریؒ) دوستِ جنیدؒ

۳۔ خفیفاں (بانی ابوعبداللہ بن خفیفؒ) معتقدِ جنیدؒ

۴۔ خرازیاں (بانی حضرت ابوسعید الخرازؒ) دوستِ جنیدؒ

۵۔ نوریاں (بانی حضرت نوریؒ) شاگردِ جنیدؒ

حضرت ہجویریؒ بیان کرتے ہیں کہ سلسلہ نوریاں کا مسلک یہ ہے کہ وہ فقر پر تصوف کو فضیلت دیتے ہیں اور ان کے تمام تر معاملات حضرت جنیدؒ کے موافق ہیں۔

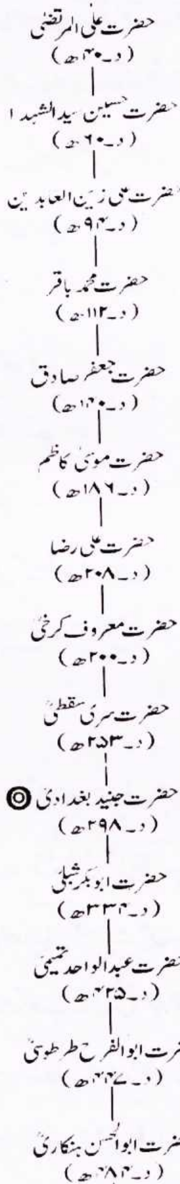
III۔ سلاسل اربعہ

تصوف اور طریقت کے چار سلسلے بہت مشہور اور متعارف ہیں اور وہ (۱) چشتیہ (۲) قادریہ (۳) سہروردیہ (۴) نقشبندیہ ہیں۔ ان چار سلسلوں میں سے دو سلسلوں یعنی قادریہ اور سہروردیہ کا حضرت جنیدؒ کی ذات گرامی سے بلاواسطہ تعلق ہے اور وہ ان سلسلوں کی اہم اور نمایاں شخصیت ہیں۔ سلسلہ قادریہ عرب ممالک اور برصغیر میں بہت مشہور اور مقبول رہا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عرب میں اور پاکستان میں حضرت موسیٰ پاکؒ، حضرت شاہ مقیم حجرویؒ، حضرت سلطان باہوؒ اور حضرت بلے شاہؒ جیسی ہستیاں گزری ہیں۔ سلسلہ سہروردیہ خراسان، پنجاب، سندھ اور کشمیر کے نواح میں مقبول رہا ہے۔ اس کے اکابر میں سے برصغیر میں حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور شاہ رکن عالم ملتانیؒ قابل ذکر ہیں۔

حضرت جنیدؒ کی اہمیت درجِ ذیل شجروں سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

شجرہ سلسلہ قادریہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم



شجرہ سلسلہ سہروردیہ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علی المرتضیٰؓ
(د۔۴۰ھ)

خواجہ حسن بصریؒ
(د۔۱۱۰ھ)

خواجہ حبیب عجمیؒ
(د۔۱۵۶ھ)

حضرت داؤد طائیؒ
(د۔۱۶۰ھ)

حضرت معروف کرخیؒ
(د۔۲۰۰ھ)

حضرت سری سقطیؒ
(د۔۲۵۳ھ)

◎ حضرت جنید بغدادیؒ ◎
(د۔۲۹۸ھ)

حضرت رویمؒ
(د۔۳۰۳ھ)

حضرت ابو عبداللہ بن خفیفؒ
(د۔۳۳۰ھ)

حضرت ابوالعباس نہاوندیؒ
(د۔۳۷۰ھ)

حضرت اخی فرخ زنجانیؒ
(د۔۴۵۷ھ)

حضرت وجیہ الدین سہروردیؒ
(د۔۵۵۶ھ)

حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردیؒ
(د۔۵۶۳ھ)

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ
(د۔۶۳۲ھ)

حضرت ممشاد دینوریؒ
(د۔۲۹۷ھ)

حضرت احمد اسود دینوریؒ
(د۔۳۴۰ھ)

حضرت ابوعمویہ دینوریؒ

حضرت وجیہ الدین سہروردیؒ
(د۔۵۶۶ھ)

حضرت ضیاء الدین سہروردیؒ
(د۔۵۶۳ھ)

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ
(د۔۶۳۲ھ)

حضرت ابو علی روذباریؒ
(د۔۳۲۲ھ)

حضرت ابو علی کاتبؒ
(د۔۳۴۶ھ)

حضرت ابو عثمان مغربیؒ
(د۔۳۷۳ھ)

حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ
(د۔۴۵۰ھ)

حضرت ابوبکر نساجؒ
(د۔۴۸۷ھ)

حضرت احمد غزالیؒ
(د۔۵۱۷ھ)

حضرت ضیاء الدین سہروردیؒ
(د۔۵۶۳ھ)

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ
(د۔۶۳۲ھ)

۳۔ سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ سے تعلق

دوسرے دو سلسلوں سے بھی حضرت جنیدؒ کا بالواسطہ تعلق ضرور ہے اور وہ اس طرح کہ حضرت شیخ ابواسحاق چشتیؒ، حضرت ممشاذ دینوریؒ کے خلیفۂ ارشاد تھے جو خود حضرت جنیدؒ کے نامور شاگرد اور خلیفہ ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے یہ تعلق اسطرح پر ہے کہ حضرت جنیدؒ کے ایک شاگرد اور خلیفہ حضرت ابوعلی روذباریؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ کے خلیفہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے خلیفہ ہیں اور اس سلسلۂ خواجگان کے اہم رکن ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سلسلۂ نقشبندیہ کی جس شاخ سے فیض اٹھایا اس کا تعلق بھی حضرت جنیدؒ سے ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء میں اپنے بزرگانِ طریقت کا شجرہ تحریر کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

شجرہ سلسہ نقشبندیہ مجددیہ ولی اللّٰہیہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علی المرتضیٰؓ

خواجہ حسن بصریؒ

خواجہ حبیب عجمیؒ

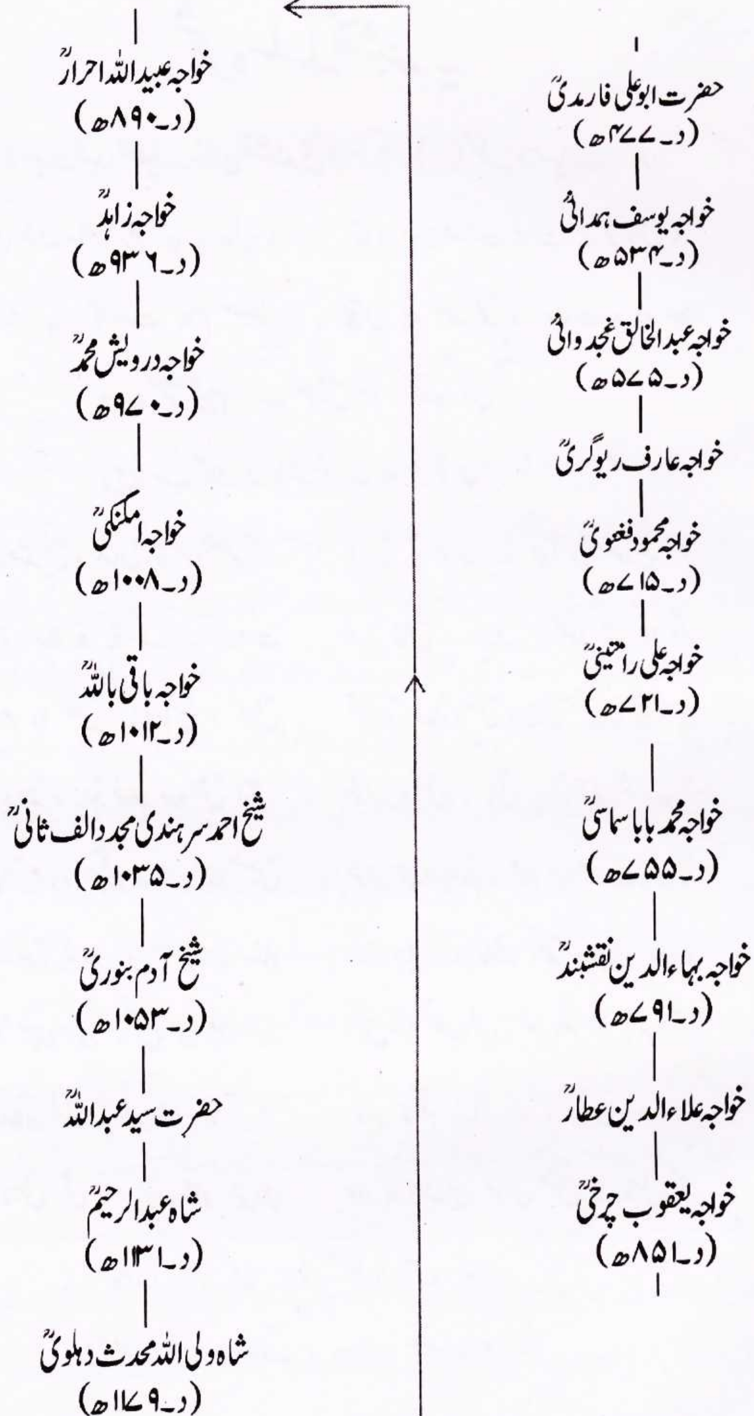
حضرت داؤد طائیؒ

حضرت معروف کرخیؒ

حضرت سری سقطیؒ

◎ حضرت جنید بغدادیؒ ◎

حضرت ابوعلی روذباریؒ (د۔۳۲۲ھ)	حضرت ابوعلی روذباریؒ (د۔۳۲۲ھ)
حضرت ابوالقاسم نصر آبادیؒ (د۔۳۶۷ھ)	حضرت ابوعلی کاتبؒ (د۔۳۴۶ھ)
حضرت ابوعلی دقاقؒ (د۔۴۰۵ھ)	حضرت ابوعثمان مغربیؒ (د۔۳۷۳ھ)
حضرت ابوالقاسم قشیریؒ (د۔۴۶۵ھ)	حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ (د۔۴۵۰ھ)



۱؎ سیرت جنید، صفحہ ۱۶۷ تا ۱۷۵۔

شجرہ سلسلہ نقشبندیہ

بہ مناسبت عبداللطیف خان نقشبندیؒ ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور

"یا الٰہی خستہ حالم، رحم کُن بر حالِ ما   اتقا دارم زِ فضلت نیست جز تو والِ ما"

التجا دارم بہ درگاہست بنامِ مصطفےٰ   کآں بود احمدؐ محمدؐ در صفات و در عطا

دستِ اُو گیرم دستِ خویش اُو راگفتہ ای

زِیں سبب گفتہ نہ باشد دستِ اُو از تو جُدا

حضرتِ صدیقؓ و سلمانؓ، قاسمؒ و جعفرؒ دِگر   بایزیدؒ و خواجہؒ ما ابوالحسنؒ خورشید فر

بوعلیؒ بحرِ عطا بُو یُوسفؒ ابرِ مکرمت   عبدِ خالقِؒ، عارفؒ و محمودؒ شاہِ دا دگر

بحرِ کرم را میتنیؒ، باباسماسیؒ و کلالؒ   نقشبندؒ، عطارؒ امکنگیؒ و چرخیؒ عشق را تیغ و سپر

پس عبیداللہؒ و زاہدؒ خواجہ درویشِؒ اجل   خواجہ امکنگیؒ و باقی باللہؒ آمد خُوب تر

پس مجددؒ عروۃ الوثقٰی و شاہِ شاہ حسینؒ   خواجہ عبدالباسطؒ و شاہ عبدِ قادرؒ دیدہ وَر

فغنوی محمودؒ خواجہ اولیا عبداللہؒ شاہ   شاہ عنایتؒ، حافظ احمدؒ والیانِ بحر و بَر

فخرِ ہند عبدالصبورؒ و گل محمدؒ شاہ غفورؒ   خلق را عبدالمجیدؒ، عبدالعزیزؒ آمزد گر

خواجہ سُلطانُ المُلوکؒ وآں نظامُ الدّین شہؒ   خواجہ قاسمؒ ہادیٔ ہند و جہاں را راہبر

زاہد کامِل مُحی الدینؒ شاہِ نیروی   داد علاؤالدیں جہانِ عشق را کامِل نظر

یاالٰہی رحم کُن برما طفیلِ آں شہاں

لطف فرما بر لطیفؔ و دوستاں شام و سحر

باب نمبر ۱۳

حضرت جنیدؒ کی شخصیت

سیرت نگار جب کسی بزرگ کی شان میں کچھ تحریر کرتے ہیں تو ایسے کتابی الفاظ رسمی طور پر استعمال کرتے ہیں جو صرف کتابوں کی زینت ہوتے ہیں۔ ایسے الفاظ سے قاری کے ذہن میں صرف بڑے بڑے الفاظ پڑھ لینے کے اور کچھ تصور قائم نہیں ہوتا۔ حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ ایسے بزرگ نہیں کہ جن کے بارے میں چند خوبصورت باتیں مثلاً آپؒ بہت سوجھ بوجھ کے مالک، قابلیت خداداد، چمکدار صلاحیتوں والے، ممتاز دینیاتی مفکر، ماہر تعلیم، اعلیٰ فقیہہ، قانونی نکات کا مثالی حل پیش کرنے والے تھے۔ یہ کہہ دینا کہ حضرت جنیدؒ کے اندر اصابت فکر، حاضر دماغی، بصیرت آمیز ذہانت کے اوصاف موجود تھے کافی نہیں۔ کچھ لوگ آپؒ کو معزز دوست، وفادار اور مردم شناس، روایت پسند، مروجہ علوم الٰہیات میں منفرد، راسخ العقیدہ، ایک ایسے معلم جو تصوف کو راسخ اور بلندی پر لے جانے والے لکھتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ انسانی افراد اور سوسائٹی کی فطرت سے گہری واقفیت رکھنے والے اور بہت اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے وغیرہ۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ ایسے الفاظ تو عام بزرگوں کے لئے لکھے جا سکتے ہیں لیکن جنیدؒ و بایزیدؒ نے جو مقام حاصل کیا ہے وہ اس قسم کے الفاظ کے محتاج نہیں تھے بلکہ انہوں نے تصوف کی دنیا میں ایسے انمٹ اثرات چھوڑے ہیں کہ ان کے نام عام بزرگوں کی مثال سے بہت بلند ہیں اور ان کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال کرنا ضروری ہے جن سے ان کی خدمات، علم، روحانیت اور خلوص کی انفرادیت کا علم ہو سکے۔ ایسے الفاظ کا استعمال کرنا البتہ بہت ناممکن ہوگا جو ان کے کردار، افعال اور قومی خدمات کی صحیح ترجمانی کر سکیں، تاہم جہاں تک ہماری بساط ہے ہم ان کی زندگی کے خوبصورت پہلوؤں کو عوام الناس کے سامنے لائیں گے تاکہ وہ ان کی زندگیوں سے متاثر ہو سکیں۔

اپنی عملی بلندی کے باعث آپؒ منبع اسرارِ طریقت اور سلطانِ طریقت تھے۔ حضرت سری سقطیؒ کی تربیت کی وجہ سے آپؒ کو علم طریقت پر کامل دسترس حاصل تھی اور معاملات روحانیت اور ریاضت میں شروع ہی سے آپ نے بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔ یہ بات خصوصی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ آپؒ کا کلام مدلل تھا اور لطیف اشارات کا حامل تھا۔ آپؒ چونکہ اختلافات روحانی سے گریز کرتے تھے اس لئے تمام فرقوں میں مقبول تھے اور سب کا آپؒ کی امامت پر اتفاق تھا۔ طریقت اور حقیقت میں انتہا پر پہنچنے کے باعث آپ کو سید الطائفہ اور مقتدائے اہل تصوف کہا جاتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپؒ ابتدائے جوانی میں شاہی پہلوان بھی رہ چکے ہیں اور ان دنوں میں ایک سید زادہ بہت کمزور اور لاغر جسم کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت غربت کی حالت میں تھا۔ اس سید زادے نے ایک پروگرام بنایا کہ حضرت جنیدؒ سے کشتی کی جائے اور اگر جیت گئے تو بہت مال ومتاع ہاتھ آ جائے گا۔ لوگ اس عجیب نوعیت کی کشتی کا سن کر جوق در جوق اکھاڑے میں آ گئے اور جب کشتی میں دو ہاتھ ہی ہوئے تھے کہ اس نوجوان نے حضرت جنیدؒ کے کان میں یہ بات کہہ دی ''میرا خیال رکھنا میں سید زادہ ہوں'' یہ بات سنتے ہی حضرت جنیدؒ نے دانستہ طور پر خود کو نیچے گرا دیا اور شکست قبول کر لی۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اسی رات اُن کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے جنیدؒ! تم نے ہماری اولاد کا احترام کیا ہے، تو آج سے ہی تمہیں اس عمل کے باعث سید الطائفہ کا لقب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپؒ ''سید الطائفہ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ یاد رہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے بھی ایک بزرگ کی زیارت کے لئے طویل سفر کرنے کے بعد دیکھا کہ اس بزرگ نے مسجد میں قبلہ رخ ہو کر تھوک دیا ہے تو آپؒ نے اس بزرگ سے بیعت کرنا تو کجا ملاقات کرنے سے بھی انکار کر دیا کیونکہ اس شخص کے دل میں شریعت کا اہتمام نہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے ہاتھ تک نہ ملایا اور واپس آ گیا تو رات کو حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپؐ نے فرمایا کہ اے بایزیدؒ! تمہارے اس عمل سے میں بہت خوش ہوا ہوں۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ جس مرتبے پر مجھے تم دیکھتے ہو، اسی فعل کی برکت سے مجھے حاصل ہوا۔ [1] حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ میں چونکہ بہت زیادہ مماثلت تھی اسی لئے ان دونوں کے ناموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔

ہر بزرگ جو کسی خاص مقام پر پہنچتا ہے تو وہ عشق خدا اور رسول ﷺ سے عقیدت اور محبت کے بغیر پہنچ نہیں سکتا۔ (اس بات پر راقم الحروف انشاء اللہ ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے جس میں اولیائے اُمت

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۶۷۔

کے عقائد سے متعلق مضامین لکھے جائیں گے اور نام بھی ''مسلک اولیائے اُمت'' رکھا جائے گا)۔ اگر کسی کو شک ہو تو دیکھ لے کہ آج تک جس قدر بزرگ ہوئے ہیں ان میں سے سب ہی مذہب عشق کو ماننے والے ہیں اور جو نہیں مانتے وہ صرف عالم کے درجے سے اوپر نہیں جا سکے۔ علم الاشارات (لطیف اشارات) سب سے پہلے آپؒ نے ہی شروع کیا جس کی وجہ سے آپؒ پر کفر کے فتوے بھی لگے۔ حضرت سری سقطیؒ سے جب پوچھا گیا کہ کیا کوئی مرید اپنے پیر کے درجے پر سبقت لے جا سکتا ہے تو آپؒ نے حضرت جنیدؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا کہ جنیدؒ کا درجہ مجھ سے بڑا ہے۔

حضرت جنیدؒ لوگوں کی عقل سے بلند بات نہ کرتے تھے

حضرت جنیدؒ کے طریقہ تصوف میں یہ حقیقت پیش کی جا چکی ہے کہ آپؒ روحانیت کی باتوں کو کھلم کھلا الفاظ میں بیان نہ کرتے تھے تاکہ کوئی اس کے غلط معنی نہ اخذ کر لے۔ آپؒ کے مرید خاص حضرت شبلیؒ نے ایک مکتوب حضرت جنیدؒ کے نام بھیجا جس میں اسرار اور رموز طریقت بیان کئے گئے تھے۔ آپؒ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اے ابوبکر! اس معاملے میں احتیاط سے کام لو۔ فرمایا کہ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو اپنے الفاظ پر ایک ظاہری پردہ سا ڈال لیتے ہیں اور پھر ان الفاظ کو ایک دوسرے سے الگ کر کے، آپس میں گفتگو کرتے ہیں لیکن تم وہ شخص ہو کہ تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے تم نے تصوف کے سب پردے چاک کر دیئے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے ''كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ'' (یعنی لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرو)۔ [1] چنانچہ آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں بھی گفتگو کا فرق رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول ﷺ سے ایسی باتیں سنی ہیں کہ اگر تم کو بتائیں تو تم ہمارا گلا کاٹ دو۔ [2]

کبھی کوئی شخص باریک مسئلہ پر سوال کرتا تو حضرت جنیدؒ اٹھ کر چلے جاتے اور متوجہ الی اللہ ہو کر خوب غور و فکر کرتے اور پھر سائل کے سوال کا اپنے تجربے کے مطابق جواب دیتے۔ کسی دوسری جگہ پر بیان ہو چکا ہے کہ جب کوئی شخص پیچیدہ مسئلے کے بارے میں بات کرتا تو آپؒ اس کے جواب میں فرماتے ''لَاحَوْلَ

۱ کنز العمال، حدیث ۲۹۲۸۲، جلد ۱۰، صفحہ ۴۳۹۔

۲ صحیح بخاری، حدیث ۱۲۰، جلد ۱، صفحہ ۵۶۔

وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" اور اگر وہ مزید بات کرتا تو فرماتے "وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ" یعنی اللہ مدد کرنے والا ہے۔ آپؒ چونکہ ایرانی النسل تھے لہٰذا آپؒ کے اندر ایرانی فلسفہ بھی پایا جاتا تھا لیکن آپؒ نے اس کو عربی مدرسہ فکر کے مطابق ڈھال لیا تھا تاکہ اسلامی عقیدے کی صفائی اور سادگی ہاتھ سے نہ جائے۔

ابتدائی تعلیم کا انداز

اپنے ماموں کی زیرِ نگرانی آپؒ نے اپنی دس سال کی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا اور مکتب کی تعلیم سے فارغ ہو گئے تو آپؒ نے حدیث کی تعلیم اپنے ماموں سے حاصل کی اور کتابتِ حدیث میں آپؒ کے استاد اپنے دور کے مشہور الخطاط حضرت حسن بن عرفہؒ تھے۔ آپؒ کے ماموں نے آپؒ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ "خدا تمہیں پہلے حدیث کا علم حاصل کرنے کی توفیق دے اور پھر صوفی بنائے۔ پہلے صوفی اور بعد میں محدث بننے سے بچائے رکھے"۔ اس کے بعد آپؒ نے فقہ کی طرف توجہ دی آپ کے معروف اساتذہ میں سے شیخ ابوثور ابراہیم بن خالد الکلبی بغدادیؒ تھے۔

حضرت جنیدؒ کا روحانی سفر

اس سلسلے میں آپؒ کے تعلقات بغداد اور دوسرے ملکوں کے تصوف کے مشاہیر سے تھے۔ ایران اور خراسان کا کوئی بزرگ اور صاحب علم ایسا نہ تھا جو حج کو جاتے ہوئے بغداد سے گزرتے ہوئے جنیدؒ سے مل کر نہ جائے۔ شام، مصر اور مشرق میں سندھ تک کے علمائے طریقت ان کے پاس پہنچتے اور حضرت جنیدؒ کے پاس ہفتوں ٹھہر کر تصوف کے اسرار و رموز پر گفتگو ہوتی۔ بغداد دنیائے اسلام کا دھڑکتا ہوا دل تھا اور تمام تحریکیں جنہوں نے یہاں جنم لیا وہ حضرت جنیدؒ کے سامنے تھیں۔ آپؒ نے اپنے گہرے علم اور سلامتی فکر سے کام لیتے ہوئے اس زمانے کے خیالات، افکار اور سماجی اداروں کو سمجھا اور پھر ان میں اپنے خیالات اور تجربات کی شمولیت سے استحکام پیدا کیا اور اس طرح ان کا اپنا ایک طریقہ اور نظام فکر بن گیا۔ آپ کی معرفت سے جو چیز ابھر کر سامنے آئی وہ معقول اور مستحکم تھی اور یہی وجہ ہے کہ آپؒ ہر طبقے میں مقبول ہوئے۔ آپؒ صوفیاء کے طبقے میں لسان التصوف مانے جاتے تھے اور راسخ العقیدہ لوگوں نے بھی اُنہیں ایک جیّد عالم اور محقق صوفی تسلیم کیا اور ان کی مدح کی۔ یہاں تک کہ ابن تیمیہ اور ابن القیم جو طریقت کے ایسے قائل نہ تھے انہوں نے بھی آپؒ کے مرتبے کو مانا اور ان کی طریقت کی قدر شناسی کی اور ان کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا۔

لفظ صوفی کہاں اور کب استعمال ہوا

لفظ صوفی پر مکمل بحث ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں گزر چکی ہے۔ یہاں انوار اولیاء کے مطابق کچھ تعارف کرایا جائے گا۔ اس کتاب میں اسلامی تصوف کی بنیاد قرآن کی تعلیمات، احادیث نبوی ﷺ، صحابہ ؓ کی پاک زندگیوں اور تابعین اور تبع تابعین کی پاک سیرت پر ہے۔ اس سلسلے میں خود لفظ ''صوفی'' سے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئی ہیں لیکن اب مغرب اور مشرق دونوں جگہ اس امر پر اتفاق ہو گیا ہے کہ لفظ ''صوفی'' کی نسبت صوف (پشمینہ) سے ہے۔

''کتاب اللمع فی التصوف'' جو ابونصر سراجؒ (۹۸۸ء) کی تالیف اور اس موضوع پر قدیم ترین کتاب ہے، اس کتاب میں ابونصر سراجؒ نے لکھا ہے کہ لفظ صوفی کی نسبت صوف سے ہے کیونکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء اور اصفیاء کا لباس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص احباب کی ایک جماعت کو ان کے لباس کی طرف منسوب کیا ہے اور انہیں حواری کا نام عطا فرمایا ہے اور حواری کے معنی مددگار کے ہیں۔ یہ لوگ سفید لباس پہنتے تھے۔ کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ؓ میں سے کسی کے صوفی ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ بزرگ نے جواب دیا کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اگر یہ لفظ نہیں ملتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی سے بڑھ کر کوئی اور محترم اور معزز لفظ نہ تھا۔ اب رہی یہ بات کہ کیا اہل بغداد نے اس لفظ کو اختیار کیا تو یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ حسن بصریؒ اور سفیان ثوریؒ کے عہد میں بھی یہ لفظ رائج تھا۔ حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک صوفی کو (حرم) میں طواف کرتے دیکھا اور انہوں نے اسے کوئی چیز دینا چاہی لیکن اس نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریا کاری کی باریکیاں نہ معلوم ہو سکتیں۔ محمد بن اسحاقؒ کی سند پر ایک کتاب جس میں مکہ کے حالات مذکور ہیں یہ کہا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی لوگ اس لفظ سے آشنا تھے اور ارباب فضل و صلاح کو اس سے نسبت دی جاتی تھی۔

حضرت جنیدؒ کی شخصیت کا مزید تعارف

حضرت جنیدؒ ایک ایسے صوفی بزرگ تھے جنہیں علم و فضل میں کمال حاصل تھا۔ اپنے دور کے مروجہ علوم پر انہیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ وہ اگر چاہتے تو اپنے دور کے ایک بڑے فقیہ، محدث یا متکلم بن سکتے

تھے کیونکہ ربّ العزت نے انہیں دوررس ذہن عطا کیا تھا۔ انہیں تنہائی پسند تھی اور وہ خاموشی اور عافیت کوشی کو دنیاوی ہنگاموں پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ ایسی خود شناسی کی کیفیت میں مست رہتے تھے جو جلیل القدر صوفیہ کی خصوصیت رہی ہے۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا میں نے تصوف قیل وقال سے نہیں حاصل کیا بلکہ اس سلسلہ میں مجھے جو کچھ ملا وہ بھوک اور ترک دنیا سے ملا کیونکہ تصوف اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف اور ٹھیک ٹھاک رکھنے کا نام ہے اور اس کی اصل دنیا سے بیزاری ہے جیسا کہ حارث محاسبیؒ نے کہا ہے کہ میں دنیا سے بیزار ہوں میں نے اپنی راتیں جاگ کر گزاری ہیں اور اپنے دن روزے رکھ کر۔

حضرت جنیدؒ کی شخصیت میں ہمیں وہ سلامت روی اور محتاط رویہ ملتا ہے جو غور و فکر اور گہرے تجربے اور مشاہدے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ان کی یہ رائے حتمی تھی کہ تصوف کی تعلیمات اسلامی روایات ہی کی بنیادوں پر قائم ہیں اور اس بات کو انہوں نے اپنے علم و تجربے اور اپنے فکر و عمل سے ثابت کیا۔ تصوف کی اندرونی کیفیات کے ساتھ ان کے یہاں شریعت کے ظاہری اعمال کا بھی بہت اہتمام تھا اور یہی وجہ ہے کہ بغداد میں صوفیہ کے خلاف جب بہت کچھ کہا جانے لگا اور حکومت وقت نے ان کے خیالات کی جانچ پڑتال شروع کی تو حضرت جنیدؒ کے کسی خیال اور کسی عمل کو خلاف شریعت ثابت نہ کیا جاسکا۔ عوام الناس کو کیا باتیں بتانی چاہئیں اور کن باتوں سے ان کو دور رکھنا چاہیے اس سلسلے میں حضرت جنیدؒ بہت محتاط تھے۔ کہا جاتا ہے جیسے کہ پہلے بھی بیان ہوا ہے کہ جب ابوبکر شبلیؒ نے ایک نہایت ہی جرأت مندانہ خط تصوف کے رنگ میں لکھا تو حضرت جنیدؒ نے اس پر یہ لکھ کر واپس کر دیا ''اے ابوبکر! لوگوں کے معاملے میں احتیاط سے کام لو ہم اہلِ تصوف جب بھی گفتگو کرتے ہیں تو اپنے الفاظ پر ایک ظاہری سا پردہ ڈال دیتے ہیں اور پھر ان الفاظ کو ایک دوسرے سے الگ کر کے ان کے متعلق آپس میں بحث کرتے ہیں، لیکن تم ہو کہ تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے تم نے سارے پردے چاک کر کے رکھ دیئے ہیں''۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ جو حضرت جنیدؒ کے دوست اور حضرت سری سقطیؒ کے مرید تھے اور تصوف میں ان کا مقام بلند ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''میں جنیدؒ کے پاس گیا، تو میں نے دیکھا کہ اپنی مسند ارشاد پر بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا اے ابوالقاسم! تم نے لوگوں سے حقیقت کو چھپا رکھا ہے اور انہوں نے تمہیں عزت کا مقام دے رکھا ہے۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ نے مزید کہا کہ میں نے لوگوں کو رازِ حقیقت بتا دیا تو اس کا صلہ یہ ملا کہ انہوں نے ہمیشہ مجھ پر پتھر برسائے۔

حضرت جنیدؒ نے جس طرز کی زندگی اختیار کی اس میں عائلی زندگی کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ ان میں دوست نوازی بہت تھی اور وہ اپنے دوستوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ وہ ریشم کا کاروبار کرتے تھے اور اپنی محنت سے اتنا کما لیتے تھے کہ اپنی گزربسر اور اپنے دوستوں اور مہمانوں کی خاطر مدارات کرسکیں۔ وہ ایسی جفاکشی کے قائل نہ تھے جس کا نتیجہ فقر و فاقہ کشی ہوتی۔ ان کا گھر ایک مرکز تھا۔ آپ بغداد کے صوفیہ اور باہر سے آنے والے شیوخ و سالکانِ طریقت اور اپنے مہمانوں کا بہت خیال رکھتے اور اپنا مال ان کی مہمان نوازی پر خرچ کرتے۔ اس کے علاوہ اکثر ایسے صوفیہ کی بھی مالی امداد کرتے جو دنیا کو چھوڑ کر اور یکسو ہو کر تصوف کی راہ اختیار کر لیتے تھے۔ حضرت جنیدؒ کا قیام زیادہ تر بغداد ہی میں رہتا۔ وہ سفر بہت کم کرتے تھے اور ان کے سفر کا ذکر کتابوں میں بھی نہیں ملتا۔ حج کے لئے انہوں نے یقیناً سفر کیا لیکن غالباً وہ بار بار حج کے قائل نہ تھے حج کے معاملے میں بھی ان کا خیال اوروں سے مختلف تھا۔

مشائخ کا حضرت جنیدؒ کو وعظ کرنے کا اصرار

جب حضرت جنید بغدادیؒ نے ظاہری اور باطنی علوم حاصل کر لیے اور شیوخ سے پورا فیض بھی حاصل کر لیا تو سلوک کی پوری منازل کو طے کیا، غرضیکہ وہ جب رشد و ہدایت کی مسند کو زینت بخشنے کے قابل ہوئے تو سب کا اصرار تھا کہ اب وہ مسجد شونیزہ میں وعظ کہنا شروع کر دیں۔ راہِ طریقت میں ان کے ہمسفر ان سے درخواست کر رہے تھے کہ وہ ممبر پر تشریف لائیں اور اپنے ایمان پرور مواعظ سے دلوں کی اجڑی ہوئی دنیا کو زندگی بخشیں۔ ادھر حضرت کی عاجزی اور انکساری کا یہ حال تھا کہ وہ خود کو منصب ارشاد سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔

حضرت جنیدؒ کو سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ سے وعظ کرنے کا حکم

حضرت جنید بغدادیؒ کو جب بغداد کے علماء اور صوفیائے کرام اور خود حضرت سری سقطیؒ نے بار بار اصرار کیا کہ وعظ کیا کریں تو حضرت جنیدؒ نے یہی مؤقف اختیار کیا کہ اپنے پیر و مرشد کے ہوتے ہوئے میں وعظ کس طرح کر سکتا ہوں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں ایک دن ان کے کام کاج کے دروازے بند ہو گئے اور نیند کا غلبہ ہوا تو دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے آیا تو اس نے اپنی روح میرے سینے میں انڈیل دی اور مجھے کہنے لگا۔

''ابوالقاسمؒ اٹھو اور لوگوں سے خطاب کرو۔ اب ترے اندر روح موجود ہے''۔

غالباً اس واقعہ سے پہلے حضور ﷺ نے بھی آپؒ سے خواب میں فرمایا کہ جنیدؒ اللہ تعالیٰ نے تمہیں

ایک نعمت خاص بخشی ہے۔اس کا شکر ادا کرنے کے لیے وعظ کیا کرو۔آپ ﷺ کے حکم پر حضرت جنیدؒ کے ذہن کی گرہ کھل گئی۔اس خواب سے پہلے حضرت سری سقطیؒ نے اپنے مرید سے فرمایا ''جنیدؒ اب وقت آگیا ہے کہ تم وعظ کہنا شروع کرو۔ قدرت نے بہت پہلے ان کی آنکھوں کو جو کچھ دکھایا تھا اب اس منظر کے متشکل ہونے کی ساعت آ گئی ہے۔مخلوق خدا کے درمیان اپنی زبان کھولو کہ حق تعالیٰ نے تمہیں اعجازِ بیان سے متصف فرمایا ہے''۔حضرت جنیدؒ نے سب کچھ سن کر اپنا سر جھکا لیا۔ جب حضور ﷺ نے خواب میں حضرت جنیدؒ کو مذکورہ بالا حکم فرمایا تو حضرت جنیدؒ بیدار ہوئے تو اسی وقت حضرت سری سقطیؒ تشریف لائے اور جب انہوں نے دروازہ کھولا تو اپنے پیرو مرشد کو دروازے پر پایا تو انہوں نے فرمایا:

''جنیدؒ ہم تو کب سے کہہ رہے تھے کہ وعظ کیا کرو مگر تم نے ہماری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی لیکن اب تو تمہیں سرکار دو عالم ﷺ کے دربار عالیہ سے بھی اجازت مل گئی''۔ آپؒ نے حیرت و ادب سے اپنا سر جھکا لیا اور کہا ''میرا خیال تھا کہ میں فصاحتِ زبان اور بلاغتِ بیان سے محروم ہوں۔اس لئے ڈرتا تھا کہ کہیں لوگ میری بات سننے سے انکار نہ کر دیں۔حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا: ''اب تو تمہیں بارگاہ رسالت سے سند حاصل ہو گئی ہے۔ بندگانِ خدا کا ہجوم تمہارا انتظار کر رہا ہے۔خلوت سے مجلس کی طرف آؤ۔'' جب مجلس میں آئے تو ایک معمر شخص نے کہا۔

''ہمیں یقین ہے کہ آپؒ بڑی پُر تاثیر گفتگو کریں گے اور لوگوں کے سوئے ہوئے ذہنوں کو جگائیں گے اور مردہ دلوں میں نئی روح پھونک دیں گے۔لوگ تو برسوں سے گوش بر آواز ہیں۔''

پہلی تقریر میں آپؒ نے حمد و ثنا کے بعد پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کیا اور پھر فقر کے موضوع پر گفتگو کی تو سننے والے وارفتہ ہو گئے۔بعض لوگوں پر آپ کے پر سوز لہجے کا اتنا اثر ہوا کہ مسجد کے فرش پر تڑپنے لگے۔اس منظر کو دیکھ کر حضرت جنیدؒ حیران رہ گئے۔

معتزلہ فرقے کے مشہور عالم کعبی نے بھری مجلس میں حضرت جنیدؒ کے شاگردوں کو دیکھ کر کہا ''میں نے بغداد میں ان کے شیخ کو دیکھا ہے جن کا نام جنیدؒ ہے۔ادیب ان کے پاس الفاظ کی بندش سیکھنے آتے ہیں فلسفی ان سے فلسفہ کی موشگافیوں کو سمجھنے کے لئے آتے ہیں اور شعراء اس لئے آتے ہیں کہ فصاحت اور بلاغت کا عروج دیکھ سکیں''۔

حضرت جنیدؒ کا کلام اور عمل اللہ کی توفیق سے ہے

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواب میں ایک فرشتہ نازل ہوا اور پوچھنے لگا کہ تم اپنا کلام کس طرح کہتے ہو؟ آپؒ نے جواب دیا کہ اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں کہتا۔ فرشتے نے کہا کہ تم نے سچ کہا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور حق سبحانہ نے مجھ سے پوچھا ''یہ گفتگو جو تم کرتے ہو کیسے حاصل کی؟ میں نے عرض کیا یہ اس لئے ہے کہ میں حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔

''کشف المحجوب'' میں روایت موجود ہے کہ حضرت جنیدؒ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ'' (اے ایمان والوں تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو) (الصف: ۲) آپؒ نے کہا اے میرے رب! اگر ہم کہیں تو تیری ہی توفیق سے کہتے ہیں اور اگر کریں تو تیری ہی توفیق سے کرتے ہیں اس میں میں اور تو کہاں ہیں اور ہمارا قول اور فعل کہاں ہے۔

نفس کے دریا کو عبور کرنے کے بغیر روحانیت کی بلندیاں متصور نہیں

کچھ لوگ اپنی درویشی اور بزرگی کا اعلان کرتے ہوئے بھی کھانے پینے، ہنسنے کھیلنے اور دنیا داری کی بھاگ دوڑ میں عام لوگوں کی طرح لگے رہتے ہیں تو پھر ان کے ان بلند بانگ دعووں میں کیا حقیقت ہوتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے لئے دنیا کے دروازے بند نہیں کرتا یعنی عیش وعشرت بند نہیں کرتا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک بندہ دنیا اور اس کے تمام متعلقات سے گزر نہ جائے، نفس کے سمندر کو عبور نہ کرلے، خواہشاتِ نفس کے جھمیلوں کے سمندروں کو پار نہ کرلے، تو اس وقت تک وہ روحانیت کے بلند و بالا درجے تک پہنچ نہیں سکتا۔ فریب نفس نے بہت سے لوگوں کو اپنے مقام و مرتبہ سے محروم کر دیا ہے۔

وظائف و اوراد اور عبادات کے زعم میں نہایت ہی پُر پیچ مسائل حل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ط (آلِ عمران: ۲۸)	اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ	یعنی جان لو کہ اللہ دل کی باتوں کو خوب
فَاحْذَرُوْہُ ج (البقرہ: ۲۳۵)	جانتا ہے لہٰذا تم اس سے ڈرتے رہو۔

ایسے حالات میں جبکہ شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے تو انسان کبھی چین کی سانس نہیں لے سکتا۔ اس کے دل میں تو ہمیشہ کھٹکا ہونا چاہیے کہ کہیں اس کا حشر ابلیس، قارون، بلعم باعور، فرعون، شداد اور ہامان جیسا نہ ہو جائے۔ انسان پر کتنے ہی پردے پڑ جاتے ہیں اور اسے محسوس بھی نہیں ہوتا۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ کتنے ہی انسان ہونگے جو قیامت کے دن پروردگار کے دیدار سے محجوب ہوں گے۔

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (المطففين:۱۵)	ہرگز نہیں بے شک وہ اپنے پروردگار سے اس دن پردے میں ہوں گے۔

اگر کوئی شخص دنیا کو چھوڑ بھی دے اور پھر اس چھوڑنے پر تفاخر کرے تو اس کا یہ فخر کرنا اس کی دنیا نہ چھوڑنے سے زیادہ خطرناک ہے۔ اسی طرح اگر تم خواہشات نفس اور گناہوں سے تو باز آ گئے مگر ان چیزوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے رہے تو یہ پسندیدگی تمہارے اصل گناہوں کے مترادف ہوگی۔

بَيْنَ الْمُحِبَّيْنِ سِرٌّ لَيْسَ يُفْشِيهِ خَطٌّ وَلَا قَلَمٌ عَنْهُ فَيَحْكِيهِ بَلُ يُقَابِلُهُ اُنْسٌ وَيُمَازِجُهُ نُوْرٌ يُخْبِرُهُ عَنْ بَعْضِ مَافِيهِ [1]	محبّ اور محبوب کے درمیان ایک راز ہوتا ہے جس کا اظہار و افشا قرطاس و قلم اور دیگر وسائل کے بس کا کام نہیں ہے لیکن جب انس اور نورِ محبت جانبین سے مقابل ہوتے ہیں تو بعض اسرار از خود عیاں ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن کرنبیؒ سے کہا کہ ایک شخص جو علم تصوف سے متعلق ایک موضوع پر گفتگو کر رہا ہو مگر عملاً اس سے دور ہو تو کیا آپؒ پسند فرمائیں گے کہ ایسا شخص خاموش رہے یا چاہیں گے کہ وہ گفتگو کرے؟ ابن کرنبیؒ نے کچھ دیر سوچا اور کہا کہ اگر وہ شخص آپؒ ہیں تو آغازِ کلام کیجئے۔

جس کے دل میں تکبر ہو تو وہ طریقت میں کچھ کرنے کے قابل نہیں

یہ روایت پہلے بھی پیش کی جا چکی ہے کہ ایک شخص حضرت جنیدؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میں تیس سال سے ریاضت کر رہا ہوں مگر مجھے طریقت میں کوئی مقام نہیں مل سکا۔ آپؒ نے فرمایا کہ اگر ۳۰۰ سال بھی اس طرح ریاضت کرے گا تو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس نے پوچھا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ فرمایا! اس کا علاج کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ جب اس نے اصرار کیا تو فرمایا کہ اپنے دونوں ابرو منڈ وا دو اور آخروٹ کا تھیلہ لے کر ایسے

[1] روح المعانی، جلد ا، صفحہ ۱۰۰۔

محلے میں جاؤ جہاں سب تمہیں جانتے ہوں اور کہو کہ جو مجھے ایک تھپڑ لگائے گا تو اس کو ایک اخروٹ ملے گا اور جو دو تھپڑ لگائے گا اسے دو اخروٹ ملیں گے۔ وہ کہنے لگا "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" آپؒ نے فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم اس کا علاج نہیں کر سکو گے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جنیدؒ نے حضرت شبلیؒ سے فرمایا کہ جب تک تیرے سر میں یہ فتور ہے کہ میں خلیفہ صاحب الحجاب کا بیٹا اور سامرہ کا امیر ہوں تو تجھ سے کچھ نہیں ہو سکے گا اور جب تک تو بازار میں ہر کس و ناکس سے سوال نہ کرے گا اس وقت تک تجھے اپنی قیمت معلوم نہ ہو گی۔ حضرت شبلیؒ نے ان کی نصیحت پر عمل کیا اور ان کی قدر و منزلت کم ہو گئی اور چھ سال میں یہ حال ہو گیا کہ تمام بازار میں پھرے اور کسی نے کچھ نہ دیا اس کے بعد آپؒ حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اے ابا بکرؒ اپنی قدر و قیمت جان لے کہ خلقت تجھے کس نظر سے دیکھتی ہے۔ تو بھی اب ان سے دل نہ لگا اور ان کی قدر نہ کر۔ یہ معنی ریاضت کے لئے ہیں کسب کے لئے نہیں۔

علمی مباحثہ میں توبہ پر گفتگو

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت جنیدؒ اپنے ماموں کے پاس آئے تو وہ کسی گہرے خیال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ایک جوان نے مجھ سے توبہ کے متعلق سوال کیا تو میں نے کہا کہ توبہ کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنے گناہ کو بھول جاؤ، لیکن جوان نے کہا کہ توبہ کے معانی تو یہ ہیں کہ انسان اپنے گناہوں کو بھول جائے۔ حضرت جنیدؒ نے اس جوان کے اظہارِ خیال کو درست تسلیم کیا۔ حضرت سری سقطیؒ نے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپؒ نے جواب دیا ''جب ایک دفعہ کسی انسان کا تعلق اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ خراب ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ مقام دوبارہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو اپنی پہلی حالت کا دل میں خیال رکھنا اچھا نہیں۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ اور دیگر محققین کے ساتھ علمی مباحثہ کے دوران یہ باتیں حاصل کیں۔ حضرت جنیدؒ نے حضرت ابوثورؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی جبکہ ان کی عمر ۲۰ سال تھی اور فقہی مسائل پر ان کی مہارت اور پختگی کا بہت چرچا تھا۔

حضرت جنیدؒ اس بات کے قائل تھے کہ جب کوئی بات کرے تو اس پر اثر انداز ہو سکے اور اپنے کلام یا عمل سے دوسروں کو راہ راست پر لانے کا ذریعہ بنے، چنانچہ روایات میں ہے کہ لوگوں نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا کہ اگر ہم عبرت حاصل کرنے کی غرض سے کلیسا میں جائیں تو جائز ہے یا نہیں یعنی اس ارادہ سے وہاں

جائیں کہ ان کی ذلت اور کج فہمی دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور اپنی نعمت اسلام پر شکر کریں تو پھر اس میں ہمارا مواخذہ تو نہ ہوگا۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر تم ایسے ہو کہ وہاں (کلیسا میں) جا کر واپس آتے ہوئے ان میں سے چند آدمی اپنے ساتھ لا سکو تو تمہارے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تم اس قابل نہیں ہو تو ہر گز نہ جاؤ اس لئے کہ اگر صاحب حجرہ شراب خانہ میں جاتا ہے تو خراباتی کہلاتا ہے اور خراباتی حجرہ میں آتا ہے تو صاحبِ حجرہ کہلانے لگتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ اہلِ تبلیغ وہی کہلا سکتا ہے کہ جو جدھر نکل جائے اس کو دیکھ کر لوگوں کے دل بدل جائیں۔ کئی مرتبہ تو نگاہوں سے کام ہو جاتا ہے۔ اس لئے صاحب ارشاد کا کام ہے کہ الفاظ کو کم استعمال کرے اور نگاہوں سے زیادہ کام لے۔ ایسا کام مرشد کامل کے سوا کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ شیر کے سامنے شکار آ جائے تو بچ کر کیسے جا سکتا ہے؟ ہاں کوئی ابو جہل ہو تو اور بات ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

(ب ج:۳۲۶)

جہاد بالسیف

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ صوفی لوگ جہاد بالسیف سے دور رہتے اور جہاد بالنفس کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفی کو دونوں قسم کے جہاد اپنے لئے تجویز کرنا ضروری ہیں مگر کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شیخ لوگوں کو جہاد کے لئے تیار کر کے میدان جنگ میں بھیج دیتا ہے اور یہ کام بھی کوئی کم بات نہیں کیونکہ جہاد کے لئے افراد کو تیار کرنا بھی جہاد کا ہی ایک حصہ ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے دل میں ایک بار جہاد کا بہت زیادہ جذبہ امڈ آیا تو آپؒ لشکر اسلام میں شامل ہو گئے اور خود کو ہتھیاروں سے لیس کر لیا۔ آپؒ کا لباس کچھ پریشان حال نظر آ رہا تھا اور آپ کی یہ حالت دیکھ کر امیر لشکر نے ان کو کچھ رقم ارسال کی مگر آپؒ نے وہ رقم ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو انہیں خود سے زیادہ حقدار معلوم ہوئے۔ رقم دینے کے بعد حضرت جنیدؒ نے خیال کیا کہ جو چیز انہوں نے اپنے لئے پسند نہ کی تو اسے دوسروں کے لئے کیوں پسند کی۔ اس خیال میں وہ پریشان تھے کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ جن لوگوں کو انہوں نے مال دیا تھا، ان کے لئے خوبصورت مکان بنائے گئے ہیں کیونکہ انہوں نے وہ مال راہ خدا میں خرچ کر دیا تھا۔ پھر حضرت جنیدؒ کے

استفسار پر کہ میرے لئے بھی کوئی مکان ہے تو ایک غیبی آواز نے بتایا کہ وہ سب سے خوبصورت مکان آپؒ کا ہے کیونکہ آپؒ نے اپنے سے زیادہ ضرورت مند لوگوں کو مال تقسیم کر دیا تھا اور تمہیں اپنے اس عمل پر ندامت بھی محسوس ہوئی۔

روایات میں ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے جب امیر لشکر کو معلوم ہوا کہ آپؒ کون ہیں تو اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ واپس تشریف لے جائیں کیونکہ آپ خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر بھی انسانی معاشرے کی برائیوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ یہ (جہاد بالسیف والا) کام آپؒ ہمارے لئے چھوڑ دیں۔ یہ بات سن کر آپؒ واپس چلے آئے اور آخری دم تک جہاد بالنفس میں مشغول رہے۔ ویسے بھی جو لوگ جہاد کے جذبے سے دوسروں کے کاموں کے لئے شہروں میں کام کرتے ہیں وہ بھی جہاد میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

یہاں موقع کی مناسبت سے مولانا رومیؒ کا ایک واقعہ جو انہوں نے مثنوی میں بیان کیا ہے یاد آتا ہے کہ جب کسی اسلامی وقار کے لئے ایک جنگ شروع ہوئی تو ایک مسجد کے مولوی صاحب نے بہت جوش و خروش کا اظہار کیا اور اہلِ لشکر سے کہا کہ وہ بھی جہاد میں شریک ہونے کے لئے بیتاب ہیں لیکن لشکر کی روانگی کے وقت انہیں کوئی گھریلو کام پڑ گیا تو اہلِ لشکر سے کہا کہ آپ جائیں میں بعد میں آ جاؤں گا۔ جہاد ختم ہوا اور اسلامی لشکر فتح یاب ہو کر واپس بھی آ گیا لیکن وہ مولوی صاحب ابھی تک تیار نہ ہوئے تھے۔ لشکر کو دیکھ کر انہوں نے کہا کہ میں شامل نہ ہو سکا اور انہوں نے جہاد کی حسرت کا اظہار سخت افسوس اور غم سے کیا تو اہل لشکر نے کہا کہ مولوی صاحب اگر آپ نے کفار کو قتل کرنے کی حسرت پورا کرنا ہی ہے تو ہم آپ کو ایک قیدی ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا دے دیتے ہیں آپ اپنا شوق جہاد اس کو قتل کر کے پورا کر لیں۔ کچھ دیر کے بعد جب لوگ واپس آئے تو دیکھا کہ ہتھکڑیوں میں بندھا ہوا قیدی مولوی صاحب کو زمین پر چت کر کے ان کے سینے پر بیٹھا ہوا ہے اور اس قیدی کی ضربوں سے مولوی صاحب لہولہان ہو رہے ہیں۔ لوگوں نے مولوی صاحب کو اس قیدی سے خلاصی دلائی اور پوچھا کہ مولوی صاحب آپ نے اپنا شوق جہاد اس قیدی کو قتل کر کے پورا کیوں نہیں کیا۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ یار کیا بتاؤں جب آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تو اس قیدی نے میری طرف غضبناک آنکھیں نکال کر کہا کہ اگر تم نے تلوار اٹھائی تو میں تمہیں مار دوں گا۔ اس کے بعد اس نے اپنی خشمگین اور خونخوار آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور فوراً جھپٹ کر اپنے ہتھکڑیوں والے دونوں وزنی اور فولادی ہاتھ میرے سر پر دے مارے اور میں بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ اس کے بعد یہ ظالم شخص میرے سینے پر ڈٹا رہا اور میں اس

سے مار کھاتا رہا۔ مولانا رومیؒ نے اس واقعہ سے یہ سبق دیا ہے کہ مسلمان کو محض گرمجوشی سے تقریریں کرنے پر ہی اکتفانہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے دفاع کے لئے ضروریات حرب سے لیس رہنا اور باخبر رہنا ضروری ہے۔ عام طور پر لوگ جہاد کا جوش دکھاتے ہیں اور پھر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں بلکہ مار کھا لیتے ہیں۔ حرب کی تیاری مکمل نہ ہو تو بے جا گرمی دکھانے سے انسان منہ کی کھاتا ہے۔ یہ ایک عام مشہور بات ہے کہ جوش جہاد میں ایک شخص ۴۰۰۰ مجاہدین کو ایک ملک میں محاذ پر لے گیا اور اپنی غلطی سے لوگوں کو جنگ میں جھونک کر صرف ۳۶ مجاہد زندہ لے کر اپنے گھر آ گیا۔ غالباً چھپ چھپا کر اپنی جان بچائی ہوگی۔

حضرت جنیدؒ اپنے آپ کو نہایت عاجز بندہ تسلیم کرتے

مشائخ کا قول ہے کہ جو شخص تکبر کو دل میں جگہ دے وہ طریقت کی کوئی منزل حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت جنیدؒ اگرچہ مستجاب الدعوات تھے لیکن اپنی کرامات کا کم ہی اظہار فرماتے، البتہ کبھی غلبہ حال میں ہوتے تو کچھ نہ کچھ کہہ جاتے تھے۔ منقول ہے کہ ایک جماعت نے آپؒ کی خدمت میں قحط کی شکایت کی اور عرض کی کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ بارش بھیجے۔ یہ سن کر آپؒ نے سر جھکا لیا اور مراقبہ میں چلے گئے پھر سر اٹھا کر فرمایا جاؤ! اپنے پرنالوں کو درست کر لو۔ اسی وقت مینہ برسنا شروع ہو گیا اور ایک دن رات مسلسل برستا رہا۔ اگر کوئی آپؒ کے پاس دعا کے لئے آتا تو فرماتے الٰہی یہ تیری مخلوق ہے میں کون ہوں جو تیرے اور تیری مخلوق کے درمیان واسطہ بنوں۔ پھر خود ہی سے کہتے، وہ واقف اسرار ہے مجھ کو اس فضول بات سے کیا کام۔ صائب تبریزی کا شعر ہے۔

پستی گزیں کہ کس ز بلندی نمی رسد   صائب بہ رتبہ، صدف تہہ نشیں درآب

(اپنا مقام پستی کی طرف رکھو کیونکہ بلندی والا کسی جگہ پہنچ نہیں سکتا، صائب موتی کا مرتبہ اسی لئے ہے کہ وہ پانی کی تہہ میں بیٹھا ہوا ہے)

آخرت میں حضرت کی فلاح پانے کی دلیل

جب حضرت جنیدؒ، حضرت سری سقطیؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے تو سری سقطیؒ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان سے فیض جاری کرے گا۔ آپؒ نے یہ سوچا کہ مرشد کی اس دعا سے دنیاوی کامیابی مراد ہے اور آپؒ آخرت کی زندگی کے متعلق فکرمند تھے۔ حضرت جنیدؒ یہ سمجھتے تھے کہ آخرت کی زندگی کی کامیابی

ان کی قسمت میں نہیں ہے۔ وقت گزرتا گیا۔ ایک دن جنیدؒ کے پاس چار درہم تھے۔ آپؒ نے انہیں اپنے پیرو مرشد کی نذر کے لئے پیش کئے جن کو حضرت سری سقطیؒ نے قبول فرمالیا اور پھر ان کی طرف مخاطب ہو کر بولے ''نوجوان تمہیں فلاحِ اُخروی حاصل ہونے کی مبارک ہو'' حضرت جنیدؒ نے دریافت کیا کہ آپؒ نے یہ کس وجہ سے کہا ہے۔ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت چار درہم کی ضرورت تھی اور میں نے دعا مانگی تھی کہ الٰہی یہ رقم مجھے اس شخص کے ہاتھ سے دلوا جو تیرے نزدیک فلاح پانے والا ہو۔

حضرت جنیدؒ نے حارث المحاسبیؒ سے تین سال فیض حاصل کیا

حضرت جنیدؒ کے استاد حضرت شیخ حارث المحاسبیؒ حلال روزی کھانے میں احتیاط کے اس درجے پر پہنچ گئے تھے کہ اگر اتفاق سے کوئی حرام لقمہ آپؒ کے دست مبارک پر آجاتا تو انگلیوں کی ایک مخصوص رگ پھڑکنے لگتی اور آپؒ فوراً ہاتھ روک لیتے۔ ایک روز حضرت جنیدؒ نے شیخ حارثؒ کو اپنے گھر کے آگے سے گزرتے ہوئے دیکھا تو ان کے چہرے پر شدید بھوک کے اثرات نظر آئے۔ آپ انہیں اپنے گھر لے آئے۔ حضرت جنیدؒ نے ان کے سامنے دسترخوان بچھایا اور پر تکلف کھانا ان کے سامنے رکھ دیا۔ اتفاق سے پڑوسیوں کے گھر میں شادی تھی اور یہ کھانا بھی انہی کے گھر سے آیا تھا۔ شیخ حارث المحاسبیؒ نے ایک لقمہ منہ میں ڈالا اور اسے کئی مرتبہ منہ میں گھمایا اور پھر دسترخوان چھوڑ کر گھر سے باہر چلے گئے۔ حضرت جنیدؒ ان کے پیچھے گئے تو دیکھا کہ آپؒ نے وہ لقمہ اگل دیا اور اپنے گھر چلے گئے۔

دو تین دنوں کے بعد پھر آپؒ کی شیخ حارثؒ سے ملاقات ہوئی تو اس دن کے کھانے کے متعلق شیخ نے بتایا کہ ٹھیک نہ تھا اس لئے نہ کھا سکا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ دراصل وہ کھانا پڑوسیوں نے بھیجا تھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ مجھے اسی وقت علم ہو گیا تھا کہ یہ کھانا آپؒ کے گھر کا نہیں ہو سکتا۔ حضرت جنیدؒ نے انہیں پھر گھر پر آنے اور کھانے کی درخواست کی کیونکہ اس دن بھی وہ فاقے سے معلوم ہو رہے تھے۔ حضرت محاسبیؒ نے دعوت قبول کر لی مگر اتفاق سے آپؒ کے گھر میں ایک سوکھی روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت جنیدؒ کو بہت تعجب ہوا کہ آپؒ نے وہ روٹی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کھائی اور پھر بڑے پرجوش لہجے میں فرمایا ''جب کسی فقیر کی دعوت کرنا ہو تو ایسی ہی چیز پیش کیا کرو''۔

جب حضرت جنیدؒ کی عمر ۲۸ سال کے قریب ہوئی تو حضرت حارثؒ کا وصال (۲۴۳ھ میں) ہوا

اور اس عرصہ میں آپؒ نے تین سال تک حضرت حارث محاسبیؒ سے فیض حاصل کیا۔

حضرت جنیدؒ کو مال سے محبت نہ تھی

کسی نے ایک شعر میں کہا ہے کہ وہ مرد نہیں جو دنیا کو دوست رکھتا ہے اور اگر رکھتا ہے تو دوست کے لئے ہی رکھتا ہے۔ درج ذیل شعر کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

نہ مرد آں شد کہ دنیا دوست دارد اگر دارد برائے دوست دارد

آپؒ کے تقویٰ کی بنیاد والدین کے تقویٰ پر ہی مبنی تھی اور اس کی وجہ یہی ہوگی کہ ان کے والدین حرام سے اجتناب کرتے تھے۔ آپؒ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ جب آپ پیٹ میں تھے تو جب کبھی میں کوئی مشتبہ لقمہ کھا بیٹھتی تو آپؒ پیٹ میں تڑپنا شروع کر دیتے۔ جب تک قے نہ کرتی اور وہ لقمہ باہر نہ آجاتا آپؒ آرام نہ کرتے۔ اسی کا مصداق یہ ہے کہ آپؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ انسان کے لئے اس راہ طریقت میں کون سی بات سب سے اچھی ہے۔ فرمایا مادر زاد نعمت۔ عرض کیا اگر یہ نہ ہو۔ تو فرمایا دیکھنے والی آنکھ پھر عرض کی کہ اگر یہ بھی نہ ہو تو فرمایا سننے والے کان، پھر عرض کی یہ بھی نہ ہو تو فرمایا ناگہانی موت۔

آپؒ نے مال کو قبول نہ کیا

حضرت جنید بغدادیؒ مکہ معظمہ میں قیام فرما رہے تھے کہ عجمیوں کی ایک جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی اور مذہبی مسائل پر گفتگو ہوئی۔ ایک شخص آیا اور حلقہ کو چیرتا ہوا حضرت کے سامنے پہنچ کر پانچ ہزار اشرفیوں کی تھیلی آپؒ کو پیش کی اور عرض کرنے لگا کہ آپؒ اس رقم کو فقراء میں تقسیم فرما دیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ کام تو تم بھی کر سکتے ہو اس شخص نے کہا مگر میں نہیں جانتا کہ کون مستحق ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اور رقم بھی ہے؟ کہا ہاں اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ تم اپنے اس سرمائے میں اور اضافہ چاہتے ہو تو جواب ملا کہ کیوں نہیں! یہی رسم دنیا ہے کہ انسان اپنے مال میں اضافہ چاہتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا "پھر تو تم ہی اس رقم کے زیادہ مستحق ہو۔ اسے واپس لیجا کر اپنے خزانے میں جمع کر دو"۔

آپؒ نے کبھی مال کو قبول بھی کر لیا

روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپؒ کی خدمت میں بہت سا مال پیش کیا اور عرض کی کہ اگر

اس کو قبول کریں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ آپؒ نے فرمایا کہ اتنا مال کھالینا میرے لئے کیسے ممکن ہے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت میرا مطلب یہ نہیں کہ آپؒ دال روٹی کھائیں بلکہ اس مال سے اچھے اچھے کھانے کھائیں تا کہ میں اور رقم آپؒ کی خدمت میں حاضر کر سکوں اور یہ آپؒ کا مجھ پر احسان ہوگا اگر اس رقم کو آپ اپنے اوپر یا اپنے مریدین پر خرچ کریں۔ آپؒ نے فرمایا کہ ایسے شخص سے مال قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت جنیدؒ کے روحانیت کے متعلق چند ارشادات

روحانی اصطلاحات پر حضرت جنیدؒ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ غرور دنیا

حضرت جنیدؒ نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن وہ کوفے کے بازار سے گزرے تو ایک عالیشان مکان میں بہت دھوم دھام کا منظر دیکھا جس کے دروازوں پر خادموں اور عالموں کا ہجوم تھا۔ آپؒ نے اس مکان والے کی بدمستی پر اپنے دل میں افسوس کیا اور اتنے میں دیکھا ایک خوش گلو عورت اس مکان کی شان و شوکت سے متعلق اشعار پڑھ رہی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد جب آپؒ کا دوبارہ اس محل نما مکان سے گزر ہوا تو محل ویران ہو چکا تھا اور وہ مکان خستہ ہو چکا تھا اور وہ نفاست سب ختم ہو چکی تھی۔ آپؒ نے کسی پڑوسی سے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں گئے اور اب تو یہاں ہر طرف نحوست برس رہی ہے انہوں نے کہا کہ صاحب مکان مر گیا ہے اور اب اس میں ایک عورت ہے جو غم میں نڈھال اندر ہی ایک کمرے میں پڑی رہتی ہے۔ آپؒ نے سنا کہ ہاتف غیب کچھ شعر پڑھ رہا تھا کہ اس مکان کی ساری خوبیاں ختم ہو گئیں۔ زمانے کا یہی مزاج ہے کہ وہ ایسے کسی مکان کو صحیح و سالم نہ چھوڑے گا۔ جب حضرت جنیدؒ اس عورت کے پاس گئے جس کو پہلی ملاقات کے وقت خوشی کے گانے گاتے دیکھا تھا تو اب وہ اندوہناک گانا گا رہی تھی کہ وہ آسائش کی چیزیں کسی اور کی تھیں اس مکان میں رہنے والے غلطی سے اسے اپنا سمجھ بیٹھے تھے۔ سارا ساز و سامان کرائے کا تھا جہاں سے آیا وہیں چلا گیا۔ آپؒ نے پوچھا کہ جب پہلے میرا یہاں سے گزر ہوا تو وہ خوشی کے گانے تم ہی گا رہی تھیں؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں اور پھر کہا ''انسان جس دنیا پر غرور کرتا ہے وہ دنیا باقی نہیں رہتی۔ بس اس دنیا کے حال پر ماتم اور عبرت کرنے والے باقی رہتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے پوچھا کہ پھر تم یہاں کیوں رہتی ہو، وہ کہنے لگی کیا یہ مکان ہمارے پیارے دوستوں کا نہ تھا؟ کیا یہ مکان پچھلی محبتوں کی یادگار نہیں۔ پھر میں اسے چھوڑ کر کہاں چلی

جاؤں؟ کہنے والے کیا کہیں گے کہ میں صرف ان کی خوشبوؤں اور رونقوں کی ہی ہم نشین تھی۔ یہ تو بڑی بدعہدی ہوگی اگر میں یہاں سے چلی جاؤں"۔ پھر اس عورت نے یہ شعر پڑھا کہ میرا دل مقامات محبت کی تعظیم کرتا ہے اگر چہ ان کے کمرے نعمتوں اور مال و متاع سے محروم ہو چکے ہیں۔

مذکورہ شعر سن کر حضرت جنیدؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا سچ کہا تم نے۔ حضرت جنیدؒ پر کیف و وجد کی عجیب حالت طاری تھی اور فرمایا کہ دراصل عشق صادق اسی کو کہتے ہیں کہ انسان ایک در کا پابند ہو جائے پھر چاہے طوفان گزر جائے مگر عاشق اسی آستانے پر پڑا رہے۔ فرماتے ہیں کہ اس عورت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سبق دیا ہے کہ عشق کیا ہے اور وفاداری کس کو کہتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ انسان کی فطرت یہی ہے کہ جب زندگی عیش و عشرت میں گزر جائے تو وہ خوش ہوتا ہے اور جب مصیبت آ جائے تو آہ و زاری کرنے لگتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْ اَكْرَمَنِ (الفجر:۱۵)	مگر انسان ایسا ہے کہ جب آزماتا ہے اس کا رب اس کو عزت افزائی اور نعمت عطا کرنے سے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ" مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے"۔[1] حضرت جنیدؒ کے لطیف اشارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپؒ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز میں کوئی نہ کوئی امتیازی بات ہوتی ہے اور نماز کی امتیازی بات تکبیر اولیٰ ہے کیونکہ وہ نیت اور ابتدائے نماز کا محل ہے اور ایک حدیث کے مطابق مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر قرار دی گئی ہے اس لئے تکبیر کو امتیازی حیثیت ملی۔

شیخ ابو سراجؒ فرماتے ہیں کہ شیخ سالمؒ کا قول ہے کہ نیت اللہ کے ساتھ اللہ کے واسطے اور اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور نیت کے بعد جو آفتیں نماز میں داخل ہوتی ہیں وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیطان کی آفتیں خواہ کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، نیت کے ہم وزن نہیں ہوسکتیں کیونکہ نیت اللہ کے واسطے اور

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۵۹۴۲، جلد ۶، صفحہ ۱۸۵۔

اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اخلاص خدا اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس سے نہ کوئی فرشتہ واقف ہے کہ اسے لکھ سکے نہ شیطان آگاہ ہے کہ اس کو روک سکے۔

عُلمائے حق کی نشانیاں

حضرت جنیدؒ نے عُلمائے حق کی یہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ ان کا وجود عالم انسانیت کے لئے موجبِ خیر و برکت ہوتا ہے۔ وہ جب بولتے ہیں تو علم وحکمت کے موتی بکھیرتے ہیں۔ ان کی ذات بارانِ رحمت کی طرح ہوتی ہے کہ جن سے اعمال کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں اور مردہ دل حیاتِ تازہ حاصل کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں نیت کی درستی اور پختگی، نصب العین کے ساتھ وابستگی اور شوق طلب کے ساتھ نفس کی ہم آہنگی ہوتی ہے۔ یہ لوگ قیام حق کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہتے ہیں اور اپنے علم پر حسن وخوبی کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ذکر وفکر ان کا دائمی مشغلہ ہوتا ہے اور زہد وتقویٰ اور محاسبہ نفس ہمیشہ ان کا شعار ہوتا ہے ایذا رسانی اور دوسروں کی تحقیر ان کے نزدیک ناقابل معافی گناہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ غیبت اور برائی سے بچتے اور دوسروں کی سلامتی کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔ دوسرے لوگ ظلم وزیادتی بھی کریں تو صبر اور درگزر سے کام لیتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں غرور اور نخوت نام کو بھی ان میں نہیں ہوتی وہ منکرات کو پہچانتے، انہیں برا جانتے اور ان سے ہمیشہ بچتے رہتے ہیں۔ اسی طرح معروف کو جانتے پہچانتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ لوگوں کی مدح وقدح سے بے نیاز رہ کر ہمیشہ سعی وعمل میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر ان کے اردگرد معتقدین کی کثرت ہو جائے تو اس مقبولیت پر اتراتے نہیں بلکہ ان کی خواہش بس یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کو صحیح معنوں میں فیض پہنچایا جائے۔ یہ لوگ کبھی تاویل اور بدعت کی طرف مائل نہیں ہوتے بلکہ اپنا میلان طبع ہمیشہ اور ہر حال میں اتباع سنت کی طرف رکھتے ہیں۔

علمائے سوء

علمائے سوء اپنے علم پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کے سامنے حصول علم کا مقصد محض شہرت دنیا اور حصول زر ہوتا ہے۔ ان کا تمام تر زور علم تاویلات پر صرف ہوتا ہے انہی تاویلوں کے ذریعے وہ مقاصدِ بلند سے پہلو تہی کرتے، روپیہ کماتے اور اپنی تشہیر میں لگے رہتے ہیں۔ مدح وستائش کے آرزومند

رہتے ہیں اور مفادِ عاجلہ کی خاطر متاعِ قلیل پر اپنا علم اور دین فروخت کر دیتے ہیں۔ان لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ہمارا علم ہی دراصل قیامِ حق کا واحد ذریعہ ہے اور تمام مخلوق ہماری ضرورت مند ہے لہٰذا اپنی اصلاح کی بجائے سرکار (حکومتِ وقت) کے دربار میں رسائی ان کا منتہائے مقصود بن جاتی ہے جہاں جا کر خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور اپنے علم کی رسوائی کا بھی سامان پیدا کرتے ہیں۔انہیں ہمیشہ یہی پسند ہوتا ہے کہ ان کے اردگرد لوگوں کا جمگھٹا ہو۔ ہر شخص ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو، ان کا فرمایا ہوا مستند سمجھا جائے اور ان کی ہر رائے وقیع قرار دی جائے۔اگر کوئی ان کی شخصی رائے سے اختلاف کر گزرے تو اسے طعن و تشنیع اور اپنے غیظ وغضب کا نشانہ بنا لیتے ہیں اور مرتے دم تک اسے معاف کر دینے کے روادار نہیں ہوتے (ملخص مکتوب شریف بنام حضرت مکیؒ)۔

چند اصطلاحاتِ تصوف

ا۔وصل

کسی نے حضرت جنیدؒ سے سوال کیا کہ وصل کیسے حاصل ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ خواہشات نفس سے اجتناب کے ذریعے۔

حضرت محمد بن فرحانؒ کہتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ عاشق جب محبوب سے ملتا ہے تو رونے لگ جاتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ محض اپنے محبوب کو پا لینے کی خوشی سے اور شدت شوق کی وجہ سے وجد کے طور پر ایسا ہوا کرتا ہے۔

۲۔حیاء

حضرت جنیدؒ سے حیاء کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا خدا کی نعمتوں کی کثرت کا مشاہدہ کرنا اور دوسری طرف شکر کے معاملے میں اپنی کوتاہی کا احساس کرنا۔پس ان دونوں کے درمیان ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جسے حیاءکا نام دیا جاتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کا حیاء کے بارے میں ایک قول یہ ہے۔

اَلْحَیَاءُ مِنَ اللّٰہِ اَزَالَ عَنْ قُلُوْبِ اَوْلِیَائِہٖ سُرُوْرَ الْمِنَّۃِ ۱ یعنی اللہ تعالیٰ سے حیاء اس کے دوستوں کے دلوں سے احسان کے سرور کو زائل کر دیتا ہے۔

۳۔ تواجد

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تواجد (یعنی دوسرں کو دکھانے کے لئے وجد طاری کرنا) تکلف ہے اور اسے پیش کرنے سے دل پر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اور انعام اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ لقاء (ملاقات) کا شوق اور کاملین کے طریقہ پر چلنے کی تمنا ظاہر ہوتی ہے۔ سرکار ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْ فَتبَاکُوْ'' (اگر رو نہیں سکتے تو رونے جیسی صورت ہی بنالو) ۲۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ کے افراد ظاہری طور پر صرف حرکات کی تقلید کرتے ہیں اور رقص وسرور یعنی ناچ گانا کرتے اور خوبصورت قسم کے اشارات کرتے ہیں اور یہ مطلقاً حرام ہے۔ محققین کا ایک گروہ ہے جو اس طریقہ سے صرف اور صرف بزرگوں کے احوال اور مقامات کی طلب اور تلاش کرتے ہیں نہ کہ رسومات کے طور پر صرف حرکات کو بجالاتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ ۳ (جس نے جس قوم کے ساتھ مشابہت کی بس وہ اسی قوم میں سے ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم قرآن پاک پڑھو تو رویا کرو اگر رو نہیں سکتے تو رونے والی شکل بنالو۔۴ یہ حدیث تواجد کے جواز اور مباح ہونے کی دلیل ہے۔ اسی وجہ سے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک ہزار قدم ملوث ہونے کے ساتھ چلتا ہوں تا کہ ایک قدم صدق وصفائی کا حاصل ہو۔

۴۔ فناء

اگر چہ کوئی مقام فنائیت پر فائز ہو تو بھی وہ خدا سے ایک الگ وجود ہوتا ہے۔ اس حال میں اگر چہ بہت سے حجابات اٹھ جاتے ہیں مگر ایک پردہ پھر بھی رہ جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اسی لئے کہتے ہیں کہ میں خدا کی ذات میں فنا نہیں ہونا چاہتا بلکہ قطرہ رہ کر اپنے اندر سمندر کی صفات پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں۔

ع مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

---

۱ طبقات الصوفیۃ، محمد بن الحسین الازدی، متوفی ۴۱۲ھ، جلد۱، صفحہ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

۲ سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۱۹۶، جلد۲، صفحہ۱۴۰۳۔ ۳ سنن ابی داؤد، حدیث ۴۰۳۱، جلد۴، صفحہ۴۴۔

۴ سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۳۳۷، جلد۱، صفحہ۴۲۴۔

اس حالت میں اگرچہ بہت سے حجابات اٹھ جاتے ہیں لیکن ایک پردہ پھر بھی رہ جاتا ہے۔ یہ حالتِ طلبِ الٰہی کی راہ میں بہت سوز و کرب کی حالت بن جاتی ہے اور اس کے لئے آزمائش کا مقام بنتی ہے۔ اس جگہ روحیں معرفت الٰہی کی تلاش میں لگ جاتی ہیں اور اس آزمائش میں کامیابی کے بعد ثابت قدم اور صابر رہتی ہیں۔

جب ایک عبادت گزار اپنی صفات سے گزر کر الوہیت کی حالت میں آتا ہے تو وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس حالت میں کچھ لوگ غلط طور پر سمجھنے لگتے ہیں کہ ان پر احکام الٰہی اور دیگر سوسائٹی کے قوانین ختم ہو جاتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اگر میری عمر ہزار برس بھی ہو تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ اعمال خیر سے قطعاً کوئی کمی ہو۔ اس کے بعد جب وہ لوگوں میں آتا ہے تو اسے اس کی انفرادیت واپس مل جاتی ہے تاکہ لوگوں میں رہ کر صالحین سے سنی ہوئی باتیں بیان کر کے ان کی اصلاح کر سکے۔

۵۔ خطاب (الٰہی)

کبھی خطاب کے احکام ختم ہو جاتے ہیں اور جب خطاب کے احکام ختم ہو جائیں تو بندہ کے لیے سزا و ثواب بھی ختم ہو جاتا ہے اور جب سزا و ثواب کے احکام ختم ہو جائیں تو بندے کی عزت و اہانت بھی ختم ہو جاتی ہے اور انسان اس وقت مجنون لوگوں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں بندہ نہ تو ولی اللہ ہوتا ہے نہ ہی مقربین میں سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں علم کی بادشاہت حال کی بادشاہت پر غالب ہو جائے تو بندہ اس وقت اوامر و نواہی (شریعت) کا پابند ہوتا ہے اور سراپا عزت کے پردے میں ہوتا ہے اور ہمیشہ شکر گزار رہتا ہے۔ اس کے برعکس جب حال کی قوت کا غلبہ علم کی قوت پر غالب ہو جائے تو بندہ شریعت کی حدود سے باہر چلا جاتا ہے اور اس کی اپنی ذات نقص کے محل و مقام پر پہنچنے کی وجہ سے شریعت کے احکام و خطاب سے محروم ہو جاتی ہے۔ اب وہ بندہ یا تو معذور ہو گا یا مغلوب ہو گا اور اس معانی کی تائید میں حضرت جنیدؒ کا قول مبارک ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ''راستے دو ہیں ایک یہ کہ علم کے ساتھ چلنا دوسرا یہ کہ محض عمل کے ساتھ چلنا''۔ عمل جو کہ علم کے بغیر ہوتا ہے اگرچہ اچھا ہوتا ہے لیکن اس میں جہالت اور نقص ہوتا ہے جبکہ علم اگر بغیر عمل کے ہو تو نامکمل ہوتا ہے۔

۶۔ تکبر اعمال

یہ کہنا کہ ہم چوں ما دیگرے نیست (یعنی ہمارے جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے) یہ بھی استدراج اور دل فریبی ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت پیش کر دیتا ہے تو ان کا خواب و خیال کی دنیا ظاہر ہو

جاتی ہے۔ایک شاعر نے اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ الٰہی کوئی کسی چیز کی طلب میں ہے اور کوئی کسی اور چیز کی طلب میں ہے۔اس نے کہا کہ الٰہی پردہ اٹھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون کس چیز کی طلب میں ہے۔

بر افگن پردہ تا معلوم گردد   کہ یاراں دیگرے رامی پرستند

۷۔ذِکر

حضرت جنید بغدادیؒ ذکر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کتنے ہی لوگوں کو دین کی طرف بلایا جاتا ہے مگر ان کو ان کا ذکر دین سے دور کر دیتا ہے اور کتنے ہی اللہ کا ذکر کرنے والے اللہ کو بھلائے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ خود اپنی تعریف و تحسین کے مارے ہوئے ہیں۔اگر خدا یاد ہو تو انسان کو اپنے حسن عمل پر اعتماد کرنا چاہیے۔نیکیوں پر تکیہ کر کے بیٹھ جانا کسی وبال سے کم نہیں، خواہ کوئی مقرب بارگاہ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔کسی شاعر نے اس بات کا یوں تذکرہ کیا ہے۔

زاھد غرور داشت و سلامت نہ برد راہ

رند از رھے نیاز بہ دارالسلام رفت

(زاہد نے غرور کیا اور اس کی راہ سلامتی سے نہ کٹی اور رند اپنی عاجزی کے باعث جنت میں پہنچ گیا)

نیک بندہ اور مردود

بہت سے لوگ نیک ہیں مگر وہ مردود ہیں۔کچھ دیر تو اللہ تعالیٰ ان پر چشم پوشی کرتا ہے اور اگر توبہ نہ کریں تو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ خود فریبی میں مبتلا نہ ہونا کیونکہ کبھی نعمتوں کے دامن میں طرح طرح کی سزائیں بھی پوشیدہ ہوتی ہیں ایک شعر کا مطلب نیچے دیا جا رہا ہے۔

''میرے معبود جب میں یہ سمجھا کہ میں نے تجھ کو پالیا تو میں محروم رہا اور جب مجھے محرومی کا احساس ہوا تو میں نے ضرور پالیا۔ مجھے تیرے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے اور نہ تیرے ساتھ میرا قرار ہے۔تیرے سوا میرا کسی اور سے اس طرح کا انس نہیں ہے اور میں تجھ تک پہنچنے کے لئے تجھ ہی کی مدد کا طالب ہوں۔''

حضرت جنیدؒ کے متعلق مشائخ کے چند ارشادات

حضرت ابو العباس عطارؒ فرماتے ہیں، علم طریقت میں ہمارے امام و مقتداء اور مرجع حضرت جنیدؒ ہیں۔خلیفہ بغداد نے حضرت رویمؒ کو کسی بات پر کہا او بے ادب! تو رویمؒ نے کہا میں کیسے بے ادب ہو سکتا

ہوں جبکہ آدھا دن میں نے جنیدؒ کی صحبت میں گزارا ہے یعنی جو شخص آدھا دن بھی حضرت جنیدؒ کی صحبت میں رہا ہواس سے بے ادبی متصور نہیں ہوسکتی پس اس کا کیا حال ہوگا جس نے زیادہ وقت ان کی صحبت میں گزارا ہو۔ حضرت ابوجعفر حدادؒ کہتے ہیں، اگر عقل آدمی کی شکل میں رونما ہوتی تو جنیدؒ کی صورت میں ظاہر ہوتی۔ مشائخ کا قول ہے کہ اس گروہ میں تین بزرگ ہوئے ہیں اور ان کے لئے چوتھا کوئی نہیں ہوا۔

بغداد میں جنیدؒ، شام میں ابوعبداللہ جلاؒ، اور نیشاپور میں ابوعثمان حیریؒ

ایک دفعہ بچپن میں جنیدؒ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا ''مَا تَقُوْلُ فِی الشُّکْرِ یَا غُلَامُ'' (اولڑکے! تو شکر کے بارے میں کیا کہتا ہے؟) جنیدؒ نے عرض کی ''اَلشُّکْرُ اَنْ لَا تَسْتَعِنَ بِنِعَمِہٖ عَلٰی مَعَاصِیْہِ'' [1] (شکر کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کی دی ہوئی نعمتوں سے اس کی نافرمانیوں پر مدد نہ لے) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اس کی نافرمانی پر مدد نہ لینا شکر ہے۔ یہ سن کر سری سقطیؒ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ تیرا حصہ تیری اسی زبان سے ہوگا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا میں سری سقطیؒ کی اس بات پر ہمیشہ خوفزدہ رہا، تا آنکہ ایک دن میں حضرت سری سقطیؒ کے پاس ان کی ضروریات کی اشیاء لے کر آیا، تو سری سقطیؒ نے فرمایا، تجھے بشارت ہو۔ میں نے تیرے واسطے یہ دعا فرمائی تھی کہ الٰہی اس کو فلاح پانے والی یا موافقت کرنے والی دوستی کے ساتھ مجھ تک پہنچادے۔

منقول ہے کہ جب حضرت جنیدؒ نے وعظ کیا تو ایک نصرانی مسلمانوں کے لباس میں آپؒ کے پاس آبیٹھا (یہ روایت اس باب سے الگ بیان ہوچکی ہے) اور ''اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ'' [2] کی حدیث (یعنی مومن کی فراست سے ڈرو) کے معنی پوچھنے کا ارادہ دل میں لے کر بیٹھ گیا مگر زبان سے سوال نہ کیا۔ حضرت جنیدؒ نے پہلے سر کو جھکالیا اور پھر کہا کہ آجاؤ اب تمہارے مسلمان ہونے کا وقت آگیا ہے اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اس واقعہ کو حضرت جنیدؒ کی کرامت جانتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ اس میں ان کی دو کرامتیں ہیں۔ ایک اس کے کفر پر ان کا باخبر ہونا دوسری انہیں یہ معلوم ہونا کہ یہ شخص اسی وقت اسلام لے آئے گا۔ لوگوں نے جنیدؒ سے کہا ''یہ علم کہاں سے حاصل کر کے کہتے ہیں'' فرمایا ''اگر کہیں سے ہوتا تو ختم ہوجاتا۔''

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۸۰۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۳۱۲۷، جلد ۵، صفحہ ۲۹۸۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا ''تصوف یہ ہے کہ تو ایک ساعت بے تیمار کے بیٹھے۔''

شیخ الاسلام نے فرمایا ''بے تیمار کیا ہے؟''

یافت بے جستن و دیدار بے نگریستن

(یعنی بے تلاش کے پالینا اور بے دیکھے دیکھ لینا)

''کیونکہ دیکھنے والا دیکھنے میں علت والا اور بیمار ہے''۔ جو کوئی بینائی اور نظر سے دیکھتا ہے اس کے اور دیکھنے کے درمیان غیر آ گیا، جو خرابی اور علت ہے، توحید نہیں، فرمایا، ''مجلسوں میں سب سے زیادہ فضیلت والی اور سب سے اعلیٰ مجلس میدان توحید میں غور و فکر کے ساتھ بیٹھنا ہے''۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو اللہ کا ہو جا اور اپنی اس آنکھ کو جس کے ساتھ اللہ عزوجل کا تو نے مشاہدہ کیا ہے، غیر اللہ کے دیکھنے سے بچا، اگر تو ایسا نہ کرے گا تو اللہ کی نظر سے گر جائے گا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا، یاروں کے ساتھ موافقت کرنا شفقت سے بہتر ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا:

طاعت داری بہ از حرمت داری

(یعنی مشائخ کی اطاعت کرنا ان کے ادب اور تعظیم کرنے سے بہتر ہے)

حضرت جنیدؒ نے فرمایا، لوگ سمجھتے ہیں کہ میں سری سقطیؒ کا مرید ہوں، حالانکہ میں محمد بن علی قصابؒ کا مرید ہوں۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ''معلوم نہیں، لیکن ''خُلُقٌ كَرِيْمٌ يُظْهِرُ الْكَرِيْمُ فِيْ زَمَانٍ كَرِيْمٍ مِنْ رَجُلٍ كَرِيْمٍ بَيْنَ قَوْمٍ كِرَامٍ''۔ [1]

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا بڑی سمجھداری اور مزہ کی بات ہے کہ پہلے کہا مجھے معلوم نہیں پھر کہا خلق ایک کریم اور شریف عادت ہے جسے کریم ظاہر کرتا ہے، زمانہ کریم میں، کریم آدمی کی طرف سے کریم لوگوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ خلق کیا ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، ایک وقت جنیدؒ، ذوالنونؒ کے ساتھ خلیج مجنون کے پاس پہنچے۔ اس سے کہا کہ کیا مجھے تو نہیں بتائے گا کہ یہ تیرا جنون کس وجہ سے ہے؟ اس نے جواب دیا۔

حُبِسْتُ فِي الدُّنْيَا فَجُنِنْتُ بِفِرَاقِهِ　　میں دنیا میں قید کیا گیا، پس میں اس کی جدائی سے دیوانہ ہو گیا۔

لوگوں نے جنیدؒ سے پوچھا بلاء یعنی مصیبت کیا ہے، فرمایا ''اَلْبَلَاءُ هُوَ الْغَفْلَةُ عَنِ الْمُبْلِيْ'' [2]

---

[1] مدارج السالکین، محمد بن ابی بکر، متوفی ۷۵۱ھ، جلد ۳، صفحہ ۱۸۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۹۳ھ۔

[2] تفسیر السلمی، جلد ۲، صفحہ ۱۸۰۔

(مصیبت و بلا، بلا بھیجنے والے سے غافل ہو جانا ہے) یعنی مصیبت یہ ہے کہ مصیبت بھیجنے والے (خدا) کو بھول جائے اور تکلیف بھیجنے والے کو چھوڑ بیٹھے۔

حضرت شبلیؒ سے پوچھا گیا کہ عافیت وراحت کیا ہے؟ فرمایا:

اَلْعَافِیَۃُ قَرَارُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ لَحْظَۃً	ایک لحظہ، ذرا سی دیر کے لئے اللہ کے ساتھ دل کا قرار پکڑنا عافیت ہے۔

صوفی زمین کی مانند ہوتا ہے جسے نیک و بد روندتے ہیں

کیفیت صحو (بحالیٔ ہوش) الفراق الثانی (دوسری جدائی) الفرق الطبعی (قدرتی علیحدگی) اور جمع الجمع (ملاپ در ملاپ) کہلاتی ہے۔ یہ حالت عارفین، صوفیاء اور اولیاء کے روحانی ارتقاء اور مشاہدہ توحید کی منزلِ آخر ہے۔ اس حالت میں انسان اپنی رضا کو رضائے الٰہی میں گم کر کے خود رضاء الٰہی بن جاتا ہے۔ ایک طرف خدا کے حضور میں بھی رہتا ہے دوسری طرف مخلوق خدا کی فیض رسانی میں بھی سرگرم رہتا ہے۔ فردیت اور قطب ارشاد کی یکجائی اسے میسر ہوتی ہے۔ اس وقت اس موحد خاص اور صوفی باصفا کا وجود سراپا خیر و برکت ہوتا ہے۔ حضرت جنیدؒ کا یہ قول اسی حقیقت کا انکشاف کرتا دکھائی دیتا ہے کہ صوفی زمین کی مانند ہوتا ہے جسے نیک و بد سب روندتے ہیں اور وہ سب کے لئے بچھی رہتی ہے فرمایا کہ یا وہ بادل کی طرح ہوتا ہے کہ سب پر سایہ کرتا ہے یا پھر بارش کی صورت پر ہوتا ہے کہ پسند و ناپسند سے بالا ہو کر ہر چیز کو وہ سیراب کرتی ہے۔

طاعات میں لذت پانا شرک کے برابر ہے

ایک شخص نے جنیدؒ سے کہا، خراسان کے بزرگوں کو میں نے اس قول پر پایا کہ حجاب تین ہیں۔ ایک حجاب مخلوق ہے۔ دوسرا دنیا اور تیسرا نفس ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا، یہ عوام کے دل کے حجاب ہیں۔ خاص الخاص لوگ دوسری چیز سے محجوب ہیں جو یہ ہیں۔

رُؤْیَۃَ الاَعْمَالِ وَمُطَالَبَۃُ الثوابِ عَلَیْھَا وَ رُؤْیَۃُ النِعَمِ	اعمال کو دیکھنا اور ان پر ثواب کا مطالبہ کرنا اور نعمتوں کو دیکھنا (حجاب ہے)۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا جو کوئی اپنے عمل کو دیکھتا ہے اسکا دل اللہ سے محجوب ہے اور جو شخص عمل کے

معاوضہ کی جستجو کرتا ہے اور اس کی فکر میں رہتا ہے ایسے ہی وہ شخص جو انعام دینے والے سے اس کی نعمتوں کو دیکھتا ہے وہ بھی محجوب ہے۔

حضرت واسطیؒ نے فرمایا ہے۔

مُطَالِمَةُ الْاِعْوَاضِ عَلٰی الطَّاعَاتِ مِنْ نِسْیَانِ الْفَضْلِ [1]	طاعات و بندگی کے بدلہ کی امید رکھنا اور اس کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کو فراموش کر دیتا ہے۔

اور واسطیؒ نے فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَلَذَّاتِ الطَّاعَاتِ فَاِنَّھَا سُمُوْمٌ قَاتِلَةٌ [2]	خبردار طاعات کی لذتوں میں نہ پڑ جانا، کیونکہ یہ لذتیں زہر قاتل ہیں۔

فارسی عیسیٰ بغدادیؒ نے فرمایا ہے۔

حَلَاوَةُ الطَّاعَاتِ وَالشِّرْکُ سَوَاءٌ	طاعات کی لذت اور شرک دونوں برابر ہیں۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا، جب تک تو اپنے سے اس عبادت کو پسند نہ کرے گا تو نہ تجھے یہ اچھی معلوم ہوگی اور نہ تو لذت پائے گا اور اپنے سے کسی چیز کو پسند کرنا شرک ہے۔ عبادت و بندگی، علم و سنت کی شرط ہے۔

حضرت جنیدؒ حضرت داتا گنج بخشؒ کی نظر میں

حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ شیخ طریقت اور امام شریعت تھے۔ آپؒ کی کنیت ابوالقاسم بن محمد بن محمد بن جنیدؒ ہے۔ دادا کے نام پر آپؒ کا نام رکھا گیا۔ کامل اصول و فروع اور معاملات و عبادات میں مفتی اعظم اور امام اصحاب ثوری مانے گئے ہیں۔ آپ کے فرامین نہایت اعلیٰ ہیں اور آپؒ کا حال بدرجۂ غایت کامل ہے، حتیٰ کہ تمام اہل طریقت آپؒ کی امامت پر متفق ہیں اور کسی مدعیٔ علم و تصوف کو آپؒ پر اعتراض نہیں۔

آپ حضرت سری سقطیؒ کے بھانجے ہیں اور انہیں کے مرید ہیں۔ ایک روز حضرت سری سقطیؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا کوئی مرید ایسا بھی ہے جس کا مرتبہ پیر سے بلند ہو گیا ہو؟ فرمایا ہاں اس کے براہین ظاہر ہیں (یعنی حضرت جنیدؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے۔ اگرچہ یہ فرمان

---

[1] حلیۃ الاولیاء، جلد ۱۰، صفحہ ۳۵۰۔

[2] مدارج السالکین، جلد ۲، صفحہ ۱۷۶۔

حضرت سری سقطیؒ کا بصورت تواضع تھا اور آپؒ نے جو کچھ فرمایا اپنی بصیرت باطنی کے ذریعے سے فرمایا اس لئے کہ کوئی اپنے سے اوپر والے کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ دیدار کا تعلق تحت سے ہے۔ بناء بریں آپؒ نے یعنی حضرت سری سقطیؒ نے جب انہیں دیکھا تو اپنی نظر میں بلند دیکھا مگر یقیناً اپنے درجہ سے یہ دیکھنا نیچے ہی درجہ کا دیکھنا ہوگا۔

مشہور ہے کہ زمانہ حیاتِ سری سقطیؒ میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید بن محمدؒ سے عرض کی ہمیں اپنے مواعظ سے کچھ نوازیں تاکہ ہمارے دل سکون وراحت پائیں تو آپؒ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب تک میرے شیخ حضرت سری سقطیؒ زندہ ہیں وعظ نہیں کہوں گا (اس کا مفصل ذکر اسی باب میں الگ جگہ پر شامل کر دیا گیا ہے)۔ جب حضور ﷺ نے وعظ کا حکم دیا اور حضرت سری سقطیؒ نے بھی آپؒ سے اس خواب کا ذکر کیا تو حضرت جنیدؒ حیران تھے کہ خواب میں انہیں رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے کا کیسے علم ہوا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ یہ حکایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پیرانِ کامل ہر صورت میں مرید کے حالات سے واقف ہوتے ہیں آپؒ کا کلام بہت بلند ہے اور رموز نہایت لطیف ہیں۔[1] آپؒ سے منقول ہے کہ فرمایا

كَلَامَ الْاَنْبِيَـاءِ نَبَـاءٌ عَـنِ الْـحُضُوْرِ وَكَلَامُ الـصِدِيْقِيْنَ اِشَارَةٌ عَنِ الْمُشَاهِدَةِ[2]	انبیائے کرام کا کلام حضور کے ذریعے مطلع ہوتا ہے اور اسی وجہ سے صدیقین کا کلام مشاہدہ تخیل سے ہے۔

یعنی خبر سوائے آنکھ سے دیکھنے کے نہیں دی جاسکتی اور اشارات سوائے غیر کے نہیں ہوتے۔

صدیقین کا مرتبہ کمال انبیاء کرام علیہم السلام کے ابتدائی مراتب کے برابر ہوتا ہے اور اس میں جو ہے وہ واضح ہے اور یہ عقیدہ ملحدین کا ہے کہ انبیاء کرام کو فضیلت میں موخر مانتے ہیں اور اولیاء کرامؒ کو مقدم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شیطان سے اپنے بندوں کی خود حفاظت فرماتا ہے

حضرت جنیدؒ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے دل میں خواہش ہوئی کہ ابلیس لعین کو دیکھوں۔ میں ایک دن مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہوا تھا کہ ایک بوڑھا آیا اور دور سے میری طرف دیکھا

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۵۶۔

[2] حلیۃ الاولیاء، جلد ۱۰، صفحہ ۲۷۸۔

جب اس کو میں نے دیکھا تو میں نے اپنے دل میں وحشت کا اثر محسوس کیا اور جب وہ میرے نزدیک آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''بڈھے تو کون ہے؟ کہ میری نظر اثر وحشت سے تجھے دیکھنے کی تاب نہیں لاتی اور تیری نحوست کی ہیبت کو میرا دل برداشت نہیں کرتا''۔ کہنے لگا ''میں وہی ہوں جس کے دیکھنے کی آپؒ نے خواہش فرمائی تھی''۔ میں نے کہا ''ملعون تجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا''۔ بولا ''جنیدؒ! آپ کا یہ خیال ہے کہ میں غیر اللہ کو سجدہ کر لیتا''۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں میں متحیر سا ہو گیا اور اس کا یہ کلام میرے ضمیر پر اثر پذیر ہوا ہی تھا کہ مجھے الہام ہوا کہ:

قُلْ اِنْ کُنْتَ عَبْدًا مَا مُوْرًا	اے جنید! اس خبیث کو کہہ دو (کہ بے ایمان تو جھوٹا
مَاخَرَجْتَ عَنْ اَمْرِہٖ وَنَهْيِهٖ	ہے) اگر تو بندہ تھا تو اپنے مالک کے حکم سے باہر نہ ہوتا
فَسَمِعَ النِّدَاءَ مِنْ قَلْبِیْ فَصَاحَ	اور اس کی نہی سے تفاوت نہ کرتا۔ شیطان نے میرے
وَقَالَ اَحْرَقْتَنِیْ بِاللّٰهِ وَغَابَ [1]	قلب کی یہ آواز سن لی پس ایک چیخ ماری اور بولا خدا کی
	قسم جنید تو نے مجھ کو جلا ڈالا اور نظر سے غائب ہو گیا۔

یہ حکایت آپ کی عصمت کے تحفظ کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی خود نگرانی فرماتا ہے۔

اگر حضرت جنیدؒ تصوف کی طرف نہ آتے تو ایک بہت اعلیٰ پایہ کے قانون دان ہوتے

محققین کا خیال ہے کہ الوہیت، کائنات، مخلوق اور روح کے موضوعات سے واقفیت حضرت جنیدؒ نے اپنے ماموں سری سقطیؒ سے بحث مباحثہ کے دوران حاصل کی یا ان کی محفلوں اور مذاکروں کے ذریعے جو ان کے گھر میں مشاہیر صوفیہ کی آمد سے منعقد ہوتے تھے حاصل کی۔ اس دوران حضرت جنیدؒ ریشم کی تجارت بھی کیا کرتے تھے اور فقہ و حدیث میں اپنی تعلیم و تربیت مکمل کرنے کے لئے حضرت ابو ثورؒ سے بھی اکتساب علم کرتے۔ اسی نسبت سے حضرت جنیدؒ کو ثوری بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو ثورؒ اپنے زمانے کے ممتاز قاضی اور فقیہہ تھے۔ وہ فقیہانہ تشریحات و تعبیرات کی روایات سے پوری طرح آگاہ تھے اور فقہی تجزیہ کے حق میں ان کا رویہ ترقی پسندانہ تھا۔ چنانچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر حضرت جنیدؒ تصوف کی طرف راغب نہ ہوتے تو ابو ثور کی

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۵۶۔

صحبت میں رہ کر بہت اعلیٰ پایہ کے قانون دان ہوتے۔ حضرت جنیدؒ جس وقت حضرت ابوثورؒ سے فقہہ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی اور فقہی مسائل پر اس وقت ان کی مہارت اور پختگی کا بہت چرچا تھا کیونکہ حضرت ابوثورؒ کی تعلیمات پورے بلاد اسلامیہ میں لاء یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی تھیں اور ان کے لکھے ہوئے فقیہانہ فیصلوں کو سرکاری وغیر سرکاری سطح پر درست تسلیم کیا جاتا تھا۔

اس نسبت سے عراق اور حجاز میں حضرت جنیدؒ کی فقیہانہ فہم وفراست کا تذکرہ شاندار لفظوں میں کیا جاتا تھا اور ابھرتے ہوئے قانون دانوں میں انہیں ممتاز درجہ حاصل تھا۔ حضرت جنیدؒ کا یہ مکالمہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ''میں نے فقہ کی تعلیم ابوعبیدؒ اور ابوثورؒ جیسے حدیث کے استادوں کے نظریہ کے مطابق حاصل کی اور بعد ازاں میں نے حارث المحاسبیؒ جیسے صوفیہ کی صحبت اختیار کی اور یہی چیز میری کامیابی کا راز بنی۔ اس لئے کہ ہمارا علم ہمیشہ قرآن وسنت اور حدیث کے ضابطہ کے اندر رہنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن حفظ نہیں کیا اور نہ باقاعدہ طور پر حدیث پڑھی اور تصوف کی طرف رخ کرنے سے پہلے فقہ کا علم بھی حاصل نہیں کیا تو وہ ایک ایسا شخص ہے جسے راہنمائی کرنے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت حارث المحاسبیؒ سے گہرا تعلق

حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت سری سقطیؒ کے علاوہ جس صوفی استاد کی صحبت اختیار کی، وہ حضرت حارث المحاسبیؒ تھے۔ حضرت حارث المحاسبیؒ اپنے وقت کے تمام اہل علم کے لئے عظمت کی نشانی تھے اور آپؒ صوفیانہ اسرار ورموز پر کئی کتابیں تصنیف کر چکے تھے جو علوم تصوف میں روشن چراغ ہیں اور حضور قلب کی کیفیات اور مقامات کی تفسیریں ہیں۔ بغداد کے علمی ادبی اور دینی اجتماعات میں انہیں خاص مقام حاصل تھا۔ حقیقت الوہی سے اتحاد کے تجربے سے آشنا تھے اور حضرت جنیدؒ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ اکثر ان کے ہاں آتے اور کئی کئی دن قیام کرتے۔ علوم وفنون کی محفلیں سجتیں ان محفلوں میں جن مسائل پر بصیرت افروز بحثیں ہوتیں وہ علم وآگاہی کا خزانہ ہوتیں اور عراق وحجاز کے اہل علم ودانش ان سے استفادہ کرتے۔ حضرت المحاسبیؒ کی تعلیمات اور حکیمانہ اقوال نے حضرت جنیدؒ پر گہرے اثرات چھوڑے، گھر پر آنے والے مشاہیر صوفیا اور تصوف کے طلباء میں سے صرف حضرت المحاسبیؒ کے ساتھ حضرت جنیدؒ کی ذہنی وابستگی تھی۔

باب نمبر ۱۴

حضرت جنیدؒ کا تبحر علمی

حضرت جنیدؒ اس اعتبار سے بھی خوش قسمت لوگوں میں شامل ہیں کہ قاسم ازل نے جہاں آپؒ کو بہت زیادہ استعداد علمی سے نوازا تھا وہاں آپؒ کو روح پرور علمی ماحول بھی خوب میسر تھا۔ افراد خانہ تمام تر علم و عمل کے پیکر تھے۔ والدہ، والد سلوک کے مراحل طے کئے ہوئے بزرگوں میں سے تھے۔ ماموں حضرت سری سقطیؒ عالم و فاضل، مفسر و محدث اور اپنے عہد کے مرجعِ خلائق اور قطبِ ارشاد تھے۔ حضرت جنیدؒ نے اسی مقدس ماحول میں آنکھ کھولی اور انہی علم پرور فضاؤں میں پروان چڑھے۔ حضرت جنیدؒ بچپن ہی سے اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کی آغوشِ تربیت میں چلے گئے اور باپ سے زیادہ انہی کے زیر اثر رہ کر تعلیم و تربیت کے مراحل طے کئے۔ حضرت سری سقطیؒ کا گھر مشائخ کا مرجع اور صوفیا کا مستقر تھا۔ حضرت سری سقطیؒ، حضرت جنیدؒ کو ان مجلسوں میں نہ صرف شرکت کا موقع دیتے بلکہ اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے اور ان کے خیالات اور نتائج فکر کو بنظر تحسین دیکھا کرتے تھے۔ حضرت جنیدؒ علمِ حدیث اور اس سے متعلقہ علوم کی تحصیل کے بعد اپنے عہد کے ممتاز بغدادی فقہاء مثلاً حضرت ابو عبیدؒ اور حضرت ابو ثورؒ سے فقہ سیکھتے رہے۔ انہیں فقہ سے خصوصی طور پر طبعی لگاؤ تھا اور انہیں فقہ میں اس قدر عبور حاصل ہو گیا کہ بیس سال کی عمر میں وہ مفتی اور فقیہہ تسلیم کر لئے گئے۔ حضرت جنیدؒ کا یہ قول بھی اس کی تصدیق کرتا ہے جس میں آپ کا ارشاد ہے کہ ''میں نے فقہ کی تعلیم ابو عبیدؒ اور ابو ثورؒ جیسے حدیث کے استادوں سے حاصل کی اور بعد ازاں میں نے حارث المحاسبیؒ جیسے صوفیہ کی صحبت اختیار کی اور یہی چیز میری کامیابی کا راز بنی۔ آپؒ نے فرمایا کہ ہمارا علم ہمیشہ قرآن و حدیث کے ضابطہ کے اندر رہنا چاہیے۔ جس شخص نے قرآن حفظ نہیں کیا اور نہ باقاعدہ طور پر حدیث پڑھی اور تصوف کا رخ کرنے سے پہلے فقہ کا علم بھی حاصل نہیں کیا وہ ایک ایسا شخص ہے جسے راہنمائی کا کوئی حق نہیں۔

حضرت جنیدؒ کے علمی اور صوفیانہ مذاکرے

حضرت جنیدؒ مہد سے لحد تک تحصیلِ علم کے اصول پر کاربند تھے لہٰذا عمر بھر علم و حکمت کی طلب اور تلاش میں سرگرم رہے۔ ان کے ہاں افادہ اور استفادہ کی غرض سے محفلیں جمتی تھیں۔ مذاکرے اور مباحثے ہوتے تھے۔ قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کی درس و تدریس ہوتی تھی۔ اپنا فیض دوسروں تک پہنچانے میں بڑے فراخدل تھے۔ مریدوں کا بڑا وسیع حلقہ تھا جن کی تربیت میں رات دن مصروف رہتے تھے۔ درج ذیل نکات ان کی تعلیمات کی مثال ہیں۔

شُکر اور محبت کی تعلیم حضرت جنیدؒ ابھی سات سال کے تھے اور ایک دن اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے قریب ہی کھیل رہے تھے، اس وقت کچھ لوگ ان کے ماموں سے شُکر کے مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔ اچانک حضرت سری سقطیؒ نے اپنے بھانجے جنیدؒ سے پوچھا ''اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے شُکر سے کیا مراد ہے؟'' حضرت جنیدؒ نے جواب دیا۔ ''شُکر یہ ہے کہ انسان اس خدا کی نافرمانی نہ کرے جو انسان پر بے بہا عنایتیں فرماتا ہے۔ یہ سن کر حضرت سری سقطیؒ نے بے اختیار ہو کر کہا "بہت ممکن ہے کہ خدا کی طرف سے تم پر جو عنایت ہوئی ہے وہ تمہاری زبان ہی ہو"۔ ایک دن حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا تمہارا محبت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ محبت جذبہ و احساس کے ایک ہو جانے کا نام ہے، کچھ لوگ دوسرے کو اپنی ذات پر ترجیح دینے کو محبت سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سری سقطیؒ نے اپنے بازو کے گوشت کو چٹکی بھری جو ان کی ہڈیوں پر اتنا خشک اور کسا ہوا تھا کہ وہ اسے کھینچ نہ سکے اور کہنے لگے۔ ''خدا کی قسم اگر میں کہوں کہ میرا چمڑہ اللہ کی محبت میں میری ہڈیوں پر سوکھ گیا ہے تو یہ غلط بات نہ ہوگی''۔

توبہ کی تعریف ایک دن حضرت جنیدؒ اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے پاس آئے تو وہ بہت گُم سُم اور گہرے غور و فکر میں ڈوبے ہوئے تھے، حضرت جنیدؒ نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا۔ ''ایک نوجوان میرے پاس آیا اور توبہ کے متعلق پوچھنے لگا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ توبہ کا مطلب یہ نہیں کہ تم اپنے گناہ کو بھول جاؤ، تو اس نوجوان نے کہا کہ توبہ کے معنی تو یہ ہیں کہ انسان اپنے گناہوں کو بھول جائے''۔ یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے کہا ''جو کچھ اس نوجوان نے کہا ہے درست ہے''۔ حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا ''وہ کس طرح؟'' اس پر حضرت جنیدؒ نے کہا ''جب ایک دفعہ کسی انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ خراب ہو جاتا ہے

اور اس کے بعد اسے وہ مقام دوبارہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت اپنی پہلی حالت کا دل میں خیال رکھنا اچھا نہیں ہے''۔

قرآنی مذاکرے کی مثال نجات کا سبب امام قشیریؒ نے اپنے رسالے میں قرآنی مذاکرے کا ذکر کیا ہے جو حضرت جنیدؒ کی مجلس میں منعقد ہوا تھا۔قارئین کے لئے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

موضوع کے عنوان کی عبارت یہ تھی "مانجا الا من نجا؟ (نہیں نجات پائی جس نے بھی نجات پائی مگر؟) شرکائے مذاکرہ میں حضرت جنیدؒ کے علاوہ ان کے مایہ ناز شاگرد حضرت رویمؒ، حضرت جریریؒ اور حضرت ابن عطاؒ بھی تھے۔ حضرت جنیدؒ نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا نہیں نجاتِ پائی جس نے نجات پائی مگر تقوی کی سچائی کے ساتھ پائی۔ حضرت جریریؒ نے فرمایا ''نہیں نجات پائی جس نے نجات پائی مگر وفا کی پوری نگہداشت کے ساتھ''۔ اس کے بعد حضرت جنیدؒ نے بحث کا اختتام کرتے ہوئے دو معرفت بھرے نکتے بیان کئے ''مَانَجَا مَنْ نَجَا اِلَّا بِالْحُکْمِ وَالْقَضَاءِ'' یعنی نہیں نجات پائی جس نے نجات پائی مگر اللہ کے حکم اور فیصلے کے ساتھ اور قرآنی آیات سے دلائل پیش کئے۔

حضرت جنیدؒ کے علم اور بصیرت کا حال

حضرت ابوالحسن نوریؒ، حضرت جنیدؒ کے دوست اور حضرت سری سقطیؒ کے مرید تھے۔ ایک روز آپؒ حضرت جنیدؒ کی مجلس میں آئے تو دیکھا کہ حضرت جنیدؒ صدارت کی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت نوریؒ نے فرمایا ''تم نے حق کو ان لوگوں سے پوشیدہ رکھا تو انہوں نے آپ کو صدر بنا دیا (یعنی بلند مقام دیا) مگر میں نے انہیں نصیحت کی تو انہوں نے مجھے پتھر مار مار کر وہاں سے بھگا دیا''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مداھنت (نرمی) خواہش کے مطابق ہوتی ہے اور نصیحت، خواہش کے خلاف ہوتی ہے۔ بندہ اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جو اس کی خواہش کے خلاف ہو اور وہ اس چیز کا دوست ہوتا ہے جو اس کی طبیعت اور خواہش کے مطابق ہو۔ (آپؒ کی مراد یہ تھی کہ میں چونکہ حق بات اور صاف گوئی سے کام لیتا ہوں تو لوگ میری باتوں کو پسند نہیں کرتے اور جنیدؒ اسی بات کو اس انداز سے کرتے ہیں کہ جو لوگوں کو پسند آتی ہے) راقم الحروف کا خیال ہے کہ گفتگو اگر خوبصورت طریقے سے کی جائے تو بری بات بھی بری نہیں لگتی اور اچھی بات اگر ترش روئی سے کی جائے تو اکثر لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کے کلام میں یہ خوبی تھی کہ وہ بات کو سلجھے ہوئے طریقے سے بیان

کرتے تھے اور اس میں پوشیدہ حکمت کے موتی جھلکتے ہوئے نظر آتے تھے اس لئے لوگوں نے آپ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔

مذکورہ بیان کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت جنیدؒ موقع و محل دیکھ کر علم اور معرفت سے بات کرتے تھے چنانچہ ان کی بات اثر رکھتی تھی۔ آپؒ کے کلام کے الفاظ نپے تلے، گفتگو جچی تلی، پُرمعنٰی اور پُرمغز تقریر کے حامل تھے، اس لئے کسی کو ان کے کلام پر سوائے طمانیت اور دلجمعی کے کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے روایات میں پڑھا ہے کہ ابوالحسن نوریؒ تین دن اور تین رات تک اپنے گھر میں ایک جگہ پر کھڑے ہو کر شور مچاتے رہے۔ لوگوں نے حضرت جنیدؒ کو بتایا کہ ان کی یہ حالت ہے چنانچہ آپؒ اٹھے اور حضرت نوریؒ کے پاس چلے گئے۔ آپؒ نے فرمایا ''اے ابوالحسنؒ! اگر تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شور کرنا فائدہ مند ہے تو مجھے بتا، تاکہ میں بھی شور کرنے میں شریک ہو جاؤں اور اگر تو جانتا ہے کہ شور نفع بخش نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کو دل میں تسلیم کر، تاکہ تیرا دل خوشی محسوس کرے۔ یہ سن کر حضرت نوریؒ شور مچانے سے رک گئے اور فرمانے لگے کہ اے ابوالقاسم! تم میرے بہترین استاد ہو''۔ آپؒ نے خود تسلیم کیا ہے کہ آپؒ کے زمانے میں نادر ترین اور پیاری چیزیں دو ہیں۔ ایک وہ عالم جو اپنے علم کے ساتھ چلنے والا ہو (یعنی عالم باعمل)، دوسرا وہ عارف جو اپنے حال کی حقیقت سے گفتگو کرنے والا ہو (یعنی معرفت بغیر حقیقتِ حال کے نہ ہو)۔

حضرت جنیدؒ کے علم اور معرفت کی بہت سی مثالیں ہیں جن کا بیان طوالت کا باعث ہوگا۔ ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے کہ حضرت جنیدؒ ایک دن حضرت سری سقطیؒ کے ہاں پہنچے تو ایک شخص زمین پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ آپؒ نے وجہ دریافت کی تو حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ اس شخص نے قرآن کی ایک آیت سنی تو بے ہوش ہو کر گر گیا۔ فرمایا اس کو پھر وہی آیت پڑھ کر سنائیں۔ جب وہ آیت پڑھی گئی تو وہ شخص ہوش میں آ گیا۔ شیخ نے دریافت کیا کہ جنیدؒ تم کو یہ بات کیسے سوجھی؟ عرض کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں ان کے رونے سے ضائع ہو گئیں اور جب یوسف علیہ السلام کا کرتہ ان کی آنکھوں پر لگایا گیا تو روشن ہو گئیں۔ (یعنی جو چیز مرض کی وجہ تھی وہ اس کا علاج بن گئی)۔

حضرت عبداللہ المکانسیؒ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوالقاسم جنیدؒ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ

ایک عورت آئی اور حضرت سے کہنے لگی کہ میرا بیٹا گم ہو گیا ہے، دعا فرمائیں کہ جلد واپس مل جائے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا جاؤ اور جا کر صبر کرو۔ وہ عورت اس وقت تو چلی گئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر حاضر خدمت ہوئی اور دعا کی درخواست کرنے لگی۔ حضرت نے حسب سابق اسے لوٹا دیا لیکن وہ عورت اس کے بعد بھی بار بار آتی رہی اور آپؒ بھی صبر کی تلقین کرتے رہے۔ بالآخر ایک بار جب وہ آئی تو مامتا کے مارے اس کا برا حال تھا، بڑی بے چین اور پریشان تھی۔ تنگ آکر کہنے لگی! حضرت اب مجھ میں صبر کی تاب نہیں رہی۔ خدا کے لئے دعا کیجئے۔ حضرت جنیدؒ نے جب اس کا یہ اضطرار دیکھا تو فرمایا ''تم گھر جاؤ انشاءاللہ تعالیٰ تمہارا بیٹا گھر پہنچ چکا ہوگا''۔ وہ خاتون گھر گئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ واقعی اس کا بیٹا گھر آچکا تھا۔ اب وہ خوش خوش آئی اور حضرت کا شکریہ ادا کیا۔ حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ اس کا بیٹا واپس آگیا ہوگا ارشاد فرمایا خدا ہی کا تو فرمان ہے ''اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ'' (اللہ کے سوا اور کون ہے جو بے قرار کی دعا کو قبول کرتا ہے جبکہ وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے) (النمل: ٦٢) [1]

ایک دفعہ حضرت شبلیؒ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا۔ یہ کلمہ عموماً کسی ناگوار بات پر ادا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت جنیدؒ نے فرمایا تمہارے اس قول کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہارا سینہ تنگ ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر حضرت نے مزید فرمایا کہ سینے کی تنگی سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ تم قسمت پر بھی راضی نہیں ہو۔

حضرت جنیدؒ کی علمی گفتگو ان کی مجالس میں مختلف موضوعات پر ہوتی رہتی تھی جس کا بیان زیرِ نظر کتاب کے مختلف ابواب میں آچکا ہے۔ اس سلسلے میں قارئین کو آپ کی علمی بلندیوں کا اندازہ مختلف ابواب کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکے گا۔ آپ کی کم سنی کی عمر میں اعلیٰ نوعیت کا کلام فرمانا اور آپؒ کے علمی معیار کا بلند پایہ نمونہ اس کتاب کے مختلف صفحات میں قارئین کی نظر ہو چکا ہے۔

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۱۱۔

باب نمبر ۱۵

حضرت جنیدؒ کے تصوف کا جائزہ

مغرب میں اسلام دشمن مستشرقین نے بیسویں صدی عیسوی میں اس بات کو مشہور کرنا شروع کر دیا تھا کہ تصوف ہندوانہ اور عیسائی مذہب کے اثرات کے تحت وجود میں آیا ہے اور ان سے متاثر ہو کر چند مسلمان علماء نے بھی (کسی لالچ کے باعث) اس نظریئے کو ہوا دینا شروع کر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو جنگوں میں سر کٹانے کے لئے بیعت لی تھی اور اب اس زمانے میں بیعت کی ضرورت نہیں رہی (گویا جہاد منسوخ ہو چکا ہے) ان کا کہنا ہے کہ جب قرآن اور حدیث موجود ہے تو پھر اس حالت میں بیعت کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔ بعض انگریزوں کے پٹھوؤں نے تو اب جہاد کی ضرورت نہ رہنے کے فتوے بھی دے دیئے ہیں۔ قارئین کو اس بات کا خوب علم ہے کہ بیعت کے خلاف فتوے کس گروہ نے دیئے اور جہاد کی ضرورت نہ رہنے کا اعلان کس شخص نے کیا تھا۔ راقم الحروف یہ تمام تفصیل اپنی کتابوں ''اسلام اور روحانیت و فکر اقبالؒ'' اور ''بیعت کی تشکیل'' میں دے چکا ہے جہاں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اگر محض کتابوں سے دین کی اشاعت ہونا ممکن ہوتی تو کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء **علیہم السلام** اور ان کے بعد ہر زمانے میں ہادیوں اور اولیاء کا سلسلہ جاری نہ رکھا جاتا۔ یہ لوگ عقل سے اس قدر محروم ہیں کہ جس کام کو حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، علی ہجویریؒ، معین الدین چشتیؒ، فریدالدین گنج شکرؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ و حضرت محمد قاسمؒ موہڑوی نے آج تک بیعت کی شکل میں جاری رکھا ہے تو کیا وہ کام آج چند نام نہاد دین فروشوں کے کہنے پر بند کیا جا سکتا ہے اور پھر ایسے معمولی علماء کی اتنے بڑے اور لاتعداد مشائخ کے سامنے کیا حیثیت ہے۔

تصوف کیا ہے؟ یہ تو درجہ احسان حاصل کرنے اور تزکیۂ نفس کا ایک مجرب نسخہ ہے جو اسلام میں خدا اور بندے کے درمیان گہرا رشتہ قائم کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس بات پر کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے کہ اگر

واجباتِ اسلام ایک مسلمان کے لئے ضروری ہیں تو ان واجبات کا طریقہ سیکھنا (جس کو طریقت کہا جاتا ہے) بھی واجب ہے۔ اسی لئے بڑے بڑے ائمہ اور مشائخ کا فتویٰ ہے کہ طریقت کا علم سیکھنا واجب ہے اور حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ کے نزدیک جو طریقت کا علم سیکھے بغیر علم فقہ کو حاصل کرتا ہے وہ فاسق ہے اور جو فقہ کے علم کے بغیر طریقت کو سیکھتا ہے وہ زندیق ہے اور جس نے ان دونوں (طریقت اور فقہ) کو ملایا وہ محقق ہے۔[1] صوفی کے لفظ کے متعلق ''کتاب اللمع''، میں ابوسراج طوسیؒ نے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

جس طرح محدث علم حدیث والے کو کہا جاتا ہے اور فقیہہ علم فقہ والے کو کہا جاتا ہے اس طرح صوفی تصوف والے کو کہا جاتا ہے اور صوفی کی نسبت صوف سے ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام اولیاء، اصفیاء کا لباس صوف ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو حواری کہا جاتا تھا حواری کے معنی مددگار کے ہیں۔ یہ لوگ سفید لباس میں ملبوس رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صوفی کا لفظ اس لئے نہیں ملتا کہ اس زمانے میں صحابی سے بڑھ کر اور کوئی لفظ محترم اور معزز نہ تھا۔ حضرت حسن بصریؒ، اور حضرت سفیان ثوریؒ کے زمانے میں بھی صوفی کا لفظ موجود تھا۔ حضرت حسن بصریؒ نے حرم میں ایک صوفی کو مصروف طواف دیکھا تو انہیں کوئی چیز دینا چاہی مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ اگر ابو ہاشمؒ صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریا کی باریکیاں نہ معلوم ہوسکتیں۔ محمد بن اسحاقؒ کی روایت بھی ہے جس میں مکہ کے حالات مذکور ہیں اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی لوگ یہ لفظ استعمال کرتے تھے۔

حضرت ابونصر سراجؒ نے لکھا ہے کہ عام مومنین سے بلند وہ لوگ ہیں جن کو قرآن میں ''قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ'' (النساء: ۱۳۵) کہا گیا ہے۔ ان کی تین قسمیں ہیں اصحابِ حدیث، اصحابِ فقہ اور اصحابِ صوفیاء۔ ان تینوں کے مقاصد ایک ہیں۔ اگرچہ یہاں دو گروہوں میں علم حدیث اور فقہ زیادہ ہونے کی وجہ سے صوفیہ بھی ان کی طرف رجوع کرتے تھے مگر صوفیہ کا گروہ عبادت، اطاعت اور اخلاقِ حسنہ کے اعتبار سے بلند مراتب اور منازل طے کرتا ہے۔ صوفیا ہر اس چیز کو ترک کر دیتے ہیں جو کہ مطلوب کی راہ میں حائل ہو اور اشد ضرورت کے علاوہ دنیا سے گریز کرتے ہیں۔۔ حضرت ابونصر سراجؒ لکھتے ہیں کہ اہلِ ظاہر تو شریعتِ ظاہری کے پابند ہیں مگر صوفیاء شریعت باطنی کے بھی پابند رہتے ہیں۔ احوالِ باطن کا تعلق احوالِ قلب سے ہے

[1] کشف المحجوب، ۹۰۔

مثلاً تصدیق، ایمان، یقین، صدق، اخلاص، توکل، محبت، ذکر، شکر، توبہ، انابت، خشیت، تقویٰ، خوف و رجا صبر و رضا، تسلیم و تفویض، قرب و شوق، ندامت اور حیاء وغیرہ سے۔ ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے مستغنی نہیں ہے۔ اسلام، قرآن اور حدیث کا تعلق ظاہر اور باطن دونوں سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام کا تعلق شریعت اور طریقت دونوں سے ہے لیکن لوگوں نے شریعت اور طریقت دونوں کو ترک کر دیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا علمِ تصوف، شریعت اور سنت سے مضبوط ہوتا ہے۔ جو شخص قرآن کو حفظ نہیں کرتا، حدیث کی کتابت نہیں کرتا اور فقہ نہیں سیکھتا وہ اس لائق نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے۔[1]

اسلامی تصوف میں حال اور قال کا ایک متوازن راستہ ہے لیکن بعض لوگوں نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔ جعفر بن محمد الخلدیؒ سے روایت ہے کہ ہمارے شیوخ میں حضرت جنیدؒ کے علاوہ اور کوئی ایسا نہیں جس میں علم اور حال دونوں توازن کے ساتھ جمع ہو گئے ہوں۔ جب میں ان کا حال دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ ان کا حال علم سے زیادہ ہے اور جب ان کا علم دیکھتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ ان کا علم ان کے حال سے زیادہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گو حضرت جنیدؒ ایرانی النسل تھے لیکن ان کے افکار اور اسلامی عقائد جو کسی عربی مدرسہ یا تربیت گاہ کے کسی مفکر کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی ان میں دونوں کی خوبیاں جمع تھیں۔

تصوف کی وجہ تسمیہ

علماء نے لفظ تصوف کے بارے میں مختلف اقوال و آراء پیش کی ہیں جن میں سے چند کو نیچے بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) علامہ ابن خلدونؒ نے صوف (پشمینہ) پہننے والوں کو صوفی کہا ہے۔ عابد و زاہد لوگوں نے اس زمانے کے مقبول لباس ریشم و حریر کو چھوڑ کر صرف اون پہننے پر اکتفا کیا۔

(۲) لفظ صوفی صفا سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں دل کی صفائی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ''اَلصَّفَا مِنَ اللّٰهِ اِنْعَامٌ وَاِكْرَامٌ'' یعنی صفا (باطن کی صفائی) اللہ تعالیٰ کا بندے پر انعام و اکرام ہے۔

(۳) صوفی کا تعلق اصحاب صفہ سے ہے جو عہد نبوت میں دنیاوی مشاغل سے الگ ہو کر دن اور رات کا اکثر

[1] تاریخ بغداد، جلد ۷، صفحہ ۲۴۳۔

حصہ عبادت اور ذکر الٰہی میں بسر کرتے تھے ان کی تعداد تین سو تین بتائی جاتی ہے۔

(۴) ''فلاسفہ اسلام'' میں علامہ لطفیؒ فرماتے ہیں کہ صوفی کا لفظ یونانی لفظ ''شیو'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی صوفیاء کے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ صوفی حکمتِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے اس لئے اُسے یہ نام دیا گیا۔

(۵) امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ صوفی ۲۰۰ ہجری سے کچھ پہلے شروع ہوا۔ بدعات کے ظہور کے دوران خواص لوگوں نے جو ہر وقت یادالٰہی میں مشغول رہتے تھے خود کو لوگوں سے الگ کرلیا اور انہی لوگوں کو صوفی کہا جانے لگا۔

تصوف کے مراحل وادوار

۱۔ تصوف کا پہلا مرحلہ عہدِ رسالت مآب ﷺ اور عہدِ صحابہ و تابعین ؓ کا ہے اس دور میں اصحاب صفہ اور تابعین ؓ میں سے حضرت حسن بصریؒ، اویس قرنیؒ، سعید بن مسیبؒ، سلیمان تیمیؒ وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

۲۔ تصوف کا دوسرا مرحلہ یہ عہد تبع تابعین کا ہے۔ اس میں رابعہ بصریؒ، حبیب عجمیؒ، مالک بن دینارؒ، بشر حافیؒ، بایزید بسطامیؒ، سری سقطیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

۳۔ تصوف کا تیسرا مرحلہ یہ دور چوتھی اور پانچویں صدی ہجری پر مشتمل ہے۔ اس عہد میں شیخ ابوسعید خزازؒ ابوالحسن خرقانیؒ اور ابوالقاسم قشیریؒ وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

۴۔ تصوف کا چوتھا مرحلہ یہ عہد چھٹی اور ساتویں ہجری پر مشتمل ہے۔ اس میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ، شیخ ابن الفارض الحمویؒ، شیخ عطارؒ، عارف رومیؒ اور مولانا جامیؒ وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان مراحل اربعہ کے بارے میں فرمایا ہے ''الغرض یہ چاروں راستے مولاء اعلیٰ میں قدر و منزلت اور حق وصداقت کے حامل ہیں اور ضروری ہے کہ ارباب تصوف پر بحث کرتے ہوئے ان کے اقوال واحوال کو ان کے ہی عہد کے ذوق کی مناسبت سے جانچا جائے۔ ایک عہد کے صوفیاء کے احوال دوسرے دور کے معیاروں پر محمول نہ کئے جائیں۔

حضرت جنیدؒ کا تصوف غیر اسلامی اثرات سے محفوظ ہے

حضرت جنیدؒ کے تصوف میں ایک خوبی یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ عقل واستدلال اور وجدان وحال سے کام لے کر اصول ونتائج اخذ کئے ہیں اور ان کے ہاں صوفیانہ افکار باقاعدہ منظم، مربوط اور مدلل ہیں۔

حضرت جنیدؒ سلوک کے تمام مراحل سے گزرے اور طریقت کی معراجِ کمال پر پہنچے اور اپنے مریدوں کو بھی ان مراحل سے گزارنے کا تجربہ دیا۔ انہوں نے اصحابِ جذب و سکر مریدوں کو بھی تربیت دی۔ آپ کے تصوف میں سنت اور جامعیت ہے اور ان تمام مسائل پر آپؒ کے بلند پایہ خیالات اور محققانہ نظریات موجود ہیں۔ تصوف کا شاید ہی کوئی مسئلہ ہوگا جس پر انہوں نے اظہارِ خیال نہ کیا ہو۔ آپ کا کلام ہر موضوع پر حرفِ آخر تسلیم کیا جاتا ہے اور آپ کے کلام کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ آپ دوسرے مشائخ سے بھی بالمشافہ اور بذریعہ مکتوبات تعلقات کا سلسلہ جاری رکھتے اور اپنے کلام میں دوسرے مشائخ کی آراء کو بھی پیش کرتے۔

حضرت جنید ؒ کا تصوف بنیادی تصورات کے اعتبار سے قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہے اور غیر اسلامی اثرات سے پاک ہے حالانکہ بعض صوفیاء ہندی، یونانی اور عجمی خیالات سے کسی حد تک متاثر ہو چکے تھے۔ بعض ایسے صوفیاء کے ہاں حلول، تناسخ، رہبانیت اور ترکِ عمل کے اثرات ملتے ہیں۔ آپؒ کے تصوف میں وحدت الوجود کے تصور کی پرچھائیں تک نہیں پائی جاتیں حالانکہ بعض صوفیاء نے تزکیہ نفس اور تطہیر قلب سے زیادہ زور وحدت الوجود پر ہی دیا ہے۔

حضرت جریری ؒ کا قول ہے کہ انہوں نے حضرت جنیدؒ سے یہ سنا ہے کہ ''ہم نے تصوف قیل وقال اور بحث ومباحثہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ بھوک، ترکِ دنیا، قطع مالوفات و مستحسنات (یعنی دل کو لبھانے اور پسند آنے والی اشیاء کو چھوڑ دینے) کے ذریعے سے حاصل کیا ہے۔[1]

متعلقاتِ نفس سے گزرنے کے بعد

روحانیت کے درجات ملتے ہیں

حضرت جنید ؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان بہت عبادت اور ریاضت بھی کرنے کا اہتمام کرے تب بھی نیچ اور سفلی شہوتوں، فاسد اور ردی ارادوں سے متاثر ہوتا رہتا ہے تاوقتیکہ عارف کا دل اس کی روح کی ابتدائی حالت میں نہ پہنچ جائے جہاں خالق کون ومکاں کے سوا کسی بھی مظہر کا وجود نہ تھا۔ اس مقام تک پہنچنا ریاضت شاقہ اور دنیا سے قطع تعلق اور خواہشات نفس سے مکمل اجتناب کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دنیا و مافیہا اس طرح پیش کی گئی کہ اس کا حساب کتاب بھی نہ ہوگا

[1] عوارف المعارف مترجم، شہاب الدین سہروردی: متوفی ۶۳۲ھ، صفحہ ۱۹۳، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

اور درجات میں بھی کوئی نقص واقع نہ ہوگا مگر آپ ﷺ نے اپنی بلند ہمتی اور علوئے عزیمت کی بنا پر اسے قبول نہ کیا اور نہ ہی ادھر توجہ دی۔ حضور ﷺ جب معراج کے موقع پر بارگاہِ ایزدی میں پہنچے تو آپ ﷺ کی آنکھ عجائبات عرش اور دوسری چیزوں کی طرف نہ اٹھی جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

''مَـا زَاغَ الْبَـصَـرُ وَمَـا طَغٰـی '' (نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفےٰ ﷺ) اور نہ حدِ ادب سے آگے بڑھی) (النجم: ۱۷)

علامہ اقبالؒ نے مومن کی اس صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی نظر کسی چیز کی طرف نہیں اٹھتی۔

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول — لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیلؑ نے — جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

حضور ﷺ نے جس فقر و فاقہ سے اپنی عمر گزار دی، اس کی ایک مثال ہماری کتاب ''نشانِ منزل'' میں '' آیئے ذرا دنیا کی حقیقت پر غور کریں'' کے عنوان سے اور ''حضرت عمرؓ کی ایک روایت'' کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ آپ نے اپنی زندگی کس طرح بسر کی۔

کچھ لوگ اپنی درویشی اور بزرگی کا اعلان کرتے ہوئے بھی کھانے پینے، ہنسنے کھیلنے اور دنیا داری کی بھاگ دوڑ میں عام لوگوں کی طرح لگے رہتے ہیں تو پھر ان کے ان بلند بانگ دعوؤں میں کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے لئے دنیا کے دروازے بند نہیں کرتا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک بندہ دنیا اور اس کے تمام متعلقات سے گزر نہ جائے، نفس کے سمندر کو عبور نہ کرلے، خواہشات نفس کے جھمیلوں کے سمندروں کو پار نہ کرلے اس وقت تک وہ روحانیت کے بلند و بالا درجے تک پہنچ نہیں سکتا۔ فریب نفس نے بہت سے بزرگوں کو اپنے مقام و مرتبہ سے محروم کر دیا ہے۔ وظائف، اور اوراد و عبادات کے زعم میں نہایت ہی پر پیچ مسائل پنہاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ

(اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ کی طرف لوٹنا ہے) (آل عمران: ۲۸)

(۲) وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ

(جان لو کہ اللہ دل کی باتوں کو خوب جانتا ہے لہٰذا تم اس سے ڈرتے رہو) (البقرہ: ۲۳۵)

ایسے حالات میں کہ شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے تو انسان کبھی چین کی سانس نہیں لے سکتا۔ اس کے دل میں تو ہمیشہ کھٹکا ہونا چاہیے کہ کہیں اس کا حشر ابلیس، قارون، بلعم باعور، فرعون، شداد اور ہامان جیسا نہ ہو جائے۔ انسان پر کتنے ہی پردے پڑ جاتے ہیں اور اسے محسوس بھی نہیں ہوتا۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ کتنے ہی انسان ہونگے جو قیامت کے دن پروردگار کے دیدار سے محجوب ہونگے جیسے فرمایا:

''کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ''

(کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے) (المطففین: ۱۵)۔

اگر کوئی شخص دنیا کو چھوڑ بھی دے اور پھر اس چھوڑنے پر تفاخر کرے تو اس کا یہ فخر کرنا اس کے دنیا نہ چھوڑنے سے زیادہ خطرناک ہے۔ اسی طرح اگر تم خواہشات نفس اور گناہوں سے تو باز آئے مگر ان چیزوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے رہے تو یہ پسندیدگی تمہارے اصل گناہوں کے چھوڑنے سے بھی بدتر ہے۔ اگر تم خوف میں مبتلا ہو گئے اور اس خوف پر مطمئن ہو گئے تو اس طرح کا اطمینان خوف نہ ہونے سے بھی کہیں زیادہ برا ہے۔ اگر اللہ پر توکل کرنے کے بعد اس پر ڈینگ ماری اور اللہ سے قطع نظر کر لیا تو یہ توکل کی بات صحیح نہ ہوگی۔ اگر تم نے محبت پیدا کر لی تو اپنے محبوب سے صرف نظر کرنے سے سب کچھ سمجھ لیا تو ایسی محبت کے ہونے سے نہ ہونا ہی بہتر ہے۔

تصوف میں خودفریبی کا عمل ہلاکت ہے

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ قرب کی رؤیت انتہائی بُعد کی صورت ہوا کرتی ہے (یعنی جس کو یہ احساس ہو کہ اسے اللہ کا قرب مل گیا تو حقیقتاً یہ بُعد خداوندی سے بھی برا ہے) انس میں انس کا مشاہدہ کسی آفت سے کم نہیں ہوتا۔ فکر میں ذکر کی رؤیت شدید ترین نسیان کے برابر ہوتی ہے۔ معرفت میں معرفت کو دیکھنا خام خیالی اور خسارے کا موجب بنتا ہے۔ عطا میں عطا کو دیکھنا خودفریبی کا پیش خیمہ ہے۔ کتنے ہی مدح اور ثنا کے مارے لوگ خام خیالی کا شکار ہو گئے۔ کچھ لوگ خودفریبی میں سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معراج حاصل ہے۔ ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ایسے لوگوں کو آخرت میں حسرت اور ندامت کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

''وَبَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَالَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ'' (اللہ کی طرف سے ان پر وہ معاملات رونما ہوئے جو ان کے گمان میں بھی نہ تھے (الزمر: ۴۷)

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ ان کو ولایت ملی اور کچھ عرصہ بعد وہ اپنی ولایت کے زعم میں آ گئے، فریب نفس میں آ گئے اور گمراہ ہو گئے۔ یہ ان کا استدراج تھا (بندش نظر کا ارتقا) کبھی ایسا ہوا کہ وہ بھٹک گئے اور کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور پھر ٹھیک ہو گئے اور ان کی آنکھیں کھول دیں۔ کتنے ہی لوگ دنیا میں منصب اور اچھے مقام پر فائز ہیں اور خود کو بھی وہ خوش نصیب سمجھتے ہیں مگر یہ ان کا استدراج اور فریب نظر ہے۔ اسی طرح کتنے ہی لوگ ہیں کہ جن کو قسم قسم کے علوم وفنون، لطافت وحکمت اور دل آویز فصاحت اور بلاغت کی دولت سے اس قدر مالا مال کیا گیا کہ وہ اپنی اس فصاحت اور بلاغت کی بنا پر خود فریبی میں مبتلا ہیں اور سمجھتے ہیں ہم چوں ما دیگرے نیست (یعنی ہمارے جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے) یہ بھی استدراج اور دل فریبی ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت کھول دیتا ہے تو ان پر ان کے خواب وخیال کی دنیا ظاہر ہو جاتی ہے۔

حُسنِ عمل پر تکیہ کرنا وبال ہے

مشائخ کرام علیھم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کتنے ہی فریب خوردہ لوگ دوسرے لوگوں کو دین کی طرف بلاتے ہیں مگر ان کو دین سے دور کر دیتے ہیں اور کتنے اللہ کا ذکر کرنے والے اللہ کو بھلائے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ خود اپنی تعریف وتحسین کے مارے ہوئے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو انسان کو اپنے حسن عمل پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ نیکیوں پر تکیہ کر کے بیٹھ جانا کسی وبال سے کم نہیں، خواہ کوئی مقرب بارگاہ الٰہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔

زاهد غرور داشت و سلامت نه برد راه رند از ره نیاز به دارالسلام رفت

(زاہد نے غرور کیا اور اس کی راہ سلامتی سے نہ کٹی اور رند اپنی عاجزی کے باعث جنت میں پہنچ گیا)

بہت سے لوگ ظاہراً نیک ہیں مگر حقیقتاً وہ مردود ہیں۔ کچھ دیر تو اللہ تعالیٰ ان کی بداعمالیوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اور اگر توبہ نہ کریں تو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ خود فریبی میں مبتلا نہ ہونا کبھی نعمتوں کے دامن میں طرح طرح کی سزائیں بھی پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ایک شعر کا مطلب ہے کہ:

''میرے معبود جب میں یہ سمجھا کہ میں نے تجھ کو پالیا تو میں محروم رہا اور جب مجھے محرومی کا احساس ہوا تو میں نے ضرور پالیا۔ مجھے تیرے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے اور نہ تیرے ساتھ میرا قرار ہے۔ تیرے سوا میرا کسی اور سے اسطرح کا انس نہیں ہے۔ تجھ تک پہنچنے کے لئے تجھ ہی کی مدد کا طالب ہوں''۔

حضرت جنیدؒ طریقت کے بہت محتاط راستے پر چلتے ہیں

حضرت سری سقطیؒ کے وصال کے بعد حضرت جنیدؒ نے تصوف کے ضابطوں کو جو انہوں نے حضرت سری سقطیؒ اور دیگر مشائخ سے اخذ کئے تھے باقاعدہ کتاب کی شکل دی اور اس معاملے میں انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس زمانے میں صوفیانہ بدعتیں اور ایمان و معرفت کا الگ الگ تصور زوروں پر تھا۔ فرقہ قرامطیہ شریعت کی نفی کر رہا تھا اور اہل کلام خود کو سب سے افضل خیال کرتے تھے۔ وجدانی معرفت کی جگہ عقلی معرفت کو عروج حاصل تھا۔ لوگ رہبانیت کی طرف مائل ہو رہے تھے اور تصوف کو رہبانیت قرار دے رہے تھے۔ حکمران طبقہ خدا کی محبت کی مخالفت کر رہا تھا اور تمام دینی معاملات میں دخل دینے کا خود کو مجاز سمجھتا تھا۔ صوفیائے کرام کے وعظ و ارشاد کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور یہ زمانہ صوفیاء کے لئے عتاب کا زمانہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ صوفیوں کے تمام عقائد کو بدعت قرار دیا جاتا تھا۔ وحدت الوجود کے مسئلہ پر بہت سخت اور ناجائز مباحث دیکھنے میں آتے تھے۔ ایسی حالت میں حضرت جنید بغدادیؒ کو تصوف کے محتاط راستہ کو اختیار کرنے کے بغیر چارہ نہ تھا چنانچہ غلط قسم کی بحثوں سے بچنے کیلئے انہوں نے افراط اور تفریط کی بجائے اعتدال سے کام لیا اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے تمام غلط رسوم اور ابہام کا قلع قمع کیا اور آپ کی محتاط راہ کو عوام اور علماء نے بہت پسند کیا۔ آپ کا قول ہے کہ امن و سلامتی تو صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جو سوچ سمجھ کر اس کو تلاش کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ مخالف کی تردید میں نہیں جاتے اور ان چیزوں کی خواہش نہیں کرتے جو اسلام میں ممنوع ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے جن کا یہ عقیدہ علمی سطح پر بے حد مقبول ہوا، فرمایا کہ معرفت الٰہی کے رازوں کو ظاہر کرنا ایک غلط اور مذموم عمل ہے اور القاء والہام کے اندر جو راز ہے اگر اسے ظاہر کر دیا جائے تو علم کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے اپنے شاگردوں اور طالب علموں کا ایک مختصر گروہ منتخب کیا جس کی تعداد بیس سے زیادہ نہ تھی اور ان کے انتخاب کا معیار بہت کڑا تھا۔ وہ خاص حلقہ ارشاد میں معرفت الٰہی کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ اپنے شاگردوں اور دوستوں سے اکثر کہا کرتے تھے کہ تصوف دراصل ذات باری تعالیٰ ہی کا راز ہے اور اس کی تعلیم بھی رازدارانہ ہونی چاہیے کیونکہ عام ہو جانے پر یہ تعلیم خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اپنے مرشد حضرت سری سقطیؒ اور استاد حضرت المحاسبیؒ کی طرح ان کا طریقہ تعلیم بھی بحث و مذاکرہ پر مبنی تھا۔ وہ شاگردوں اور طالبعلموں کے ساتھ مسائل اور مختلف موضوعات پر بحث کرتے، ان کے سوالوں کے جواب دیتے، جنہیں بعد

میں ان کے شاگرد نوٹ کر لیتے۔ جو لوگ ان سے دوسرے شہروں اور ملکوں سے بعض مسائل پر خط و کتابت کرتے ان کا جواب تحریری صورت میں دیتے۔ ویسے اس دور میں صوفیاء کرام خفیہ تعلیم ہی دیتے تھے اور انہوں نے ایک راز دارانہ اور اشاراتی اسلوب تخلیق کیا ہوا تھا۔ حضرت جنیدؒ کا حلقہ ارشاد نہ صرف ان کے شاگردوں تک محدود تھا بلکہ ان کے ہمعصر صوفیاء اور اہل دانش بھی ان کی محفل میں آتے تھے اور علوم وفنون پر ان کے نقطہ نظر سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔

تصوف فنا فی الصّفات سے متصف ہونے کا نام ہے

تمام اولیائے کرام علیہم الرحمۃ کا یہ اسلوب رہا ہے کہ وہ اپنے اندر جو صفات الٰہیہ دیکھتے ہیں انہیں اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطا تصور کرتے ہیں اور اس کے برعکس اپنی برائیوں کو اپنی طرف سے خطا سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ:

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ

تجھے جو اچھائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری طرف سے ہے۔ (سورۃ النساء: ۷۹)

حضرت جنیدؒ نے فنا کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) اپنے اخلاق اور مزاج کی صفات سے دور ہونا اور اس کا ثبوت اس بات سے دینا کہ تم محنت و ریاضت کرو اور اپنے نفس کی مخالفت کرو اور نفس کو نہ چیز دو جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔

(۲) اس فنا کے حصول میں حظِ نفس سے اس طرح آزاد ہونا کہ عبادت کی لذت سے بھی آزادی حاصل کر لے۔ بندے اور ذات کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔

(۳) اس فنا کے حصول میں تجلیات ربّانی کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ اس کا وجود بھی وجود ابدی (یعنی اللہ) کے ساتھ فانی ہو کر ابدی ہو جائے۔ اس کو حضرت جنیدؒ نے حالت الوہی کہا ہے کہ جس میں بندہ کسی دوسری چیز میں داخل ہوتا ہے اور نہ کوئی دوسری چیز اس میں داخل ہوتی ہے بلکہ فنا حاصل کرنے والا خدا کے اندر بقاء حاصل کر لیتا ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں چونکہ انسان میں ابھی اشیاء کی لذت باقی ہوتی ہے تو اس کے آگے ایک پردہ سا آ جاتا ہے جس کی وجہ سے کسی فخر کے موقع یا ذکر و فکر کے اثر کو دیکھ لے تو وہ اشیاء پر اپنی خودی کے تقاضوں پر ذاتی حکم چلانے لگتا ہے۔ خدا کی صفات خدا نہیں۔ خدا خود انسان کے دل میں نہیں اترتا بلکہ جو چیز اترتی ہے وہ

خدا پر ایمان، اس کی وحدانیت کا اقرار اور اس کے ذکر کا تقدس ہے۔ انسان جب اپنا وجود ختم کر دیتا ہے تو پھر بھی وہ خدا سے ایک الگ وجود ہوتا ہے۔ حجابات اٹھ جاتے ہیں مگر ایک پردہ پھر بھی رہ جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اسی لئے کہتے ہیں کہ میں خدا کی ذات میں اس طرح فنا نہیں ہونا چاہتا ہوں جس طرح قطرہ سمندر میں فنا ہو جاتا ہے بلکہ میں خود قطرہ کی حیثیت میں رہ کر اپنے اندر سمندر کی صفات پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں ۔

متاع بے بہا ہے درد و سوز و آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

اس حالت میں اگرچہ بہت سے حجابات اٹھ جاتے ہیں لیکن ایک پردہ پھر بھی رہ جاتا ہے۔ یہ حالت طلب الٰہی کی راہ میں بہت سوز و کرب کی حالت بن جاتی ہے اور سالک کے لئے آزمائش کا مقام بنتا ہے۔ اس جگہ روحیں معرفت الٰہی کی تلاش میں لگ جاتی ہیں اور اس آزمائش میں صوفیاء کامیابی کے بعد ثابت قدم اور صابر رہتے ہیں۔

جب ایک عبادت گزار اپنی صفات سے گزر کر الوہی حالت میں آتا ہے تو وہ مکمل طور پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے اس حالت میں کچھ لوگ غلط طور پر سمجھنے لگتے ہیں کہ ان پر احکام الٰہی اور دیگر سوسائٹی کے قانون ختم ہو جاتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے کہ اگر میری عمر ہزار برس بھی ہو تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ اعمال خیر میں قطعاً کوئی کمی ہو۔ اس کے بعد جب سالک لوگوں میں آتا ہے تو اسے اس کی انفرادیت واپس مل جاتی ہے تاکہ لوگوں میں رہ کر لوگوں کی سی باتیں کر کے ان کی اصلاح کرے۔

صوفی اس عالم میں ہوتے ہوئے عالمِ ارواح کا مشاہدہ کرتا ہے

حضرت جنیدؒ ''رسائل جنید'' کے مکتوب نمبر۱۰ میں لکھتے ہیں کہ جب صوفی کا وجود (فنا کے بعد) نہیں رہتا تو وہ وہاں موجود ہوتا ہے جہاں وہ قبل از آفرینش تھا (یعنی عالم ارواح میں) اور جب وہ دنیا میں آیا تو اپنے آپ میں نہیں تھا اور اس مقام میں وہ اپنے آپ میں بھی موجود ہوتا ہے اور ذات خداوندی میں (یعنی جب وہ دنیا میں آ کر نفی کرتا ہے) تو گویا وہ اب اپنی پہلی حالت (یعنی عالم ارواح میں ہونے والی حالت) میں سے نکل کر حالت ہوش (یعنی صحو) کی کھلی فضا میں آ جاتا ہے اور اس کا مشاہدہ اسے واپس مل جاتا ہے (جو وہ عالم

ارواح میں رکھتا تھا) چنانچہ اس کی تمام اشیاء اپنی پہلی حالت پر آجاتی ہیں اور اس کو اپنی پہلی صفات مل جاتی ہیں۔(آپ کی مراد یہ ہے کہ جب اس کی روح عالم ارواح میں تھی تو وہ مشاہدہ الٰہی میں غرق تھی مگر جب وہ دنیا میں آگیا وہ مشاہدہ ختم ہو گیا اور وہ دنیا کے امور میں غرق ہو گیا لیکن جب وہ پھر فنا حاصل کر لیتا ہے (بذریعہ تصوف) تو اس کو دنیا میں ہوتے ہوئے بھی عالم ارواح کی طرح مشاہدہ ہونا شروع ہو جاتا ہے اور وہ امور دنیا میں ہوتے ہوئے بھی عالم ارواح کی صفات حاصل کر لیتا ہے۔[1] حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ یہ صفات جس کو حاصل ہو جائیں اس کو درجۂ محبوبین میں شمار کیا جاتا ہے اور اس پر یہ آیت صادق آتی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (ایسے مردان حق جنہیں سوداگری اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی) (سورۂ النور: ۳۷)

یاد رہے کہ یہ دو عقائد توحید اور بحالی ہوش (یعنی توحید اور صحو) دو بڑے ستون ہیں جن پر حضرت جنیدؒ کے تصوف کی ساری عمارت قائم ہے اور اس کی تفسیر انشاء اللہ الگ مضمون میں پیش کی جائے گی۔

صوفیائے کرام اس وقت کلام کرتے ہیں جب حق تعالیٰ اجازت دیتا ہے

رسول اللہ ﷺ کی گفتگو تمام کی تمام وحی الٰہی کے سوا اور کچھ نہ تھی اور اس بات پر قرآن کی آیت ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى'' (اور وہ تو اپنی مرضی سے گفتگو نہیں کرتے) (النجم: ۳) دلالت کرتی ہے۔ اولیائے کرامؒ کو (چونکہ وہ انبیاء کرامؑ کے وارث ہوتے ہیں) بھی حضور ﷺ کے صدقے اس وراثت سے کچھ حصہ ملا ہے لہٰذا وہ خود کلام نہیں کرتے مگر وہ جو خدا ان کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں ''ایک دن میں روزمرہ کے وظیفے میں مشغول تھا تو مجھے نیند آگئی اور دیکھا ایک فرشتہ آیا اور اس نے اپنی روح میرے سینے میں انڈیل دی اور کہنے لگا اُٹھو لوگوں سے خطاب کرو۔ اب تیرے اندر روح موجود ہے''۔ ایک بار کسی نے صوفیاء کے کلام کے بارے میں سوال کیا تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا صوفیاء تو کلام ہی نہیں کرتے۔ جب اسی شخص نے حضرت عبداللہ بن خفیفؒ سے یہی سوال کیا تو فرمایا کہ جو کچھ ابوالقاسم نے فرمایا وہی درست ہے اور فرمایا کہ صوفی کو ان دیکھی چیز کے سوا کسی چیز سے غرض نہیں ہوتی اور حق تعالیٰ اس کو بولنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ

---

[1] جنید بغدادی، صفحہ ۲۷۰۔

کلام کرتا ہے، ورنہ خاموش ہی رہتا ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت جنیدؒ سے وعظ کے دوران کبھی لوگوں کی طرف سے یہ گزارش کی جاتی کہ جو بات آپ نے ابھی کہی ہے اسے پھر دہرا دیں تو آپ فرماتے کہ یہ میرے لئے ممکن نہیں۔ وہ الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے میرے منہ میں ڈال دیئے تھے اور میری زبان کو گویائی عطا کر دی تھی۔ وہ الفاظ نہ تو مجھے کتابوں سے حاصل ہوئے اور نہ کسی تعلیم سے بلکہ وہ محض عطیہ خداوندی تھا۔ ایک مرتبہ ایسے موقع پر آپؒ نے فرمایا کہ اگر وہ الفاظ میرے ہوتے تو میں آپ کو لکھوا دیتا اور بار بار دہرانے کی زحمت سے بچ جاتا۔ علامہ اقبالؒ نے شاید اسی بات کی یوں ترجمانی کی ہے کہ صوفی الہام کے ذریعے ''مَافِی الضَّمِیْر'' بیان کرتا ہے۔

مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

(ب د: ۷۰)

منقول ہے کہ ایک بار آپؒ وعظ فرما رہے تھے اور آپؒ کی مجلس میں تقریباً چالیس آدمی بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کے واعظ کو سن کر بائیس آدمی بے ہوش ہو گئے اور باقی زار و قطار رونے لگے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کچھ لوگ رقت قلب سے جاں بحق ہو جاتے۔ اس لئے آپ نے وعظ کہنا بند کر دیا۔ جب لوگ اصرار کرتے تو آپؒ فرما دیتے کہ میں اپنی ہی تقریروں سے خود کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتا، مگر کچھ دیر بعد آپؒ نے پھر وعظ کہنا شروع کر دیا اور جب لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ بدترین لوگ وعظ کہنا شروع کر دیں گے چنانچہ میں نے اپنے آپ کو بدترین شخص تصور کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ [1]

منقول ہے کہ حضرت رویمؒ (اس زمانے کے ایک بزرگ) کو ایک عورت ملی اور کہا کہ جنیدؒ سے کہو کہ تمہیں لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ جب یہ بات حضرت جنیدؒ کو بتائی گئی تو فرمایا ''میں عوام کے سامنے حق تعالیٰ کا ذکر اس لئے کرتا ہوں کہ دنیا میں کسی سے بھی اس کے ذکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا[2]'' "عوارف المعارف" میں ہے کہ بسا اوقات جب اولیائے کرامؒ وعظ کرتے ہیں تو خود بھی اپنے کلام کو اسی طرح سنتے ہیں کہ جیسے کوئی اور بات کرتا ہو اور وہ سنتے ہوں۔

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۸۳۔

[2] تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۸۴

ایک بار حضرت جنیدؒ وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا ''اے شیخ تمہاری باتیں میری فہم اور ادراک سے بالاتر ہیں'' آپ نے فرمایا اپنی ستر سال کی عبادت قدموں کے نیچے رکھ کر سرنگوں ہو جا پھر اگر تمہیں میری باتیں سمجھ نہ آئیں تو یقیناً میرا ہی قصور ہوگا۔ راقم الحروفؒ ایک مسجد میں وعظ کر رہا تھا تو ایک خاص جماعت کا آدمی بولا کہ جناب جو کچھ آپ اتنے دنوں سے وعظ فرما رہے ہیں، آپ کی ایک بھی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس شخص کے لئے اقبالؒ کا یہ شعر بہت موزوں اور اس کے حال کے مطابق ہے۔

نظر نہیں ہے تو میرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل

(ب ج: ۳۵۵)

تصوف ایک خدا کی صفت ہے جو بندے میں انعکاس ہو کر انسانی صفت بن جاتی ہے

حضرت جنیدؒ کے مطابق تصوف کی تعریف یہ ہے کہ انسان اس طرح خدا کے ساتھ رہے کہ اس کا کسی بھی دوسری ہستی کے ساتھ (ظاہری) تعلق نہ رہے۔ ان کے نزدیک تصوف اس فاصلے کو دور کرنے کی مسلسل سعی کا نام ہے جس میں صوفی کو ہمیشہ مشغول رہنا چاہیے۔ آپؒ سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ خدا کی صفت ہے یا انسان کی کہ وہ کسی دوسری ہستی کو تصوف کے ذریعے درمیان میں نہ لائے تو آپؒ نے جواب دیا کہ جوہر اور اصل کے اعتبار سے تو طریقت ایک صفت خداوندی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کا پیدا کردہ انسان کسی اور شے میں مشغول ہو، لہٰذا اس نے اپنی حالت انعکاس میں یہ عمل انسان کو سونپ دیا ہے اس لئے یہ انسانی صفت بن جاتی ہے۔ تصوف کی اس تعریف نے بغداد کے صوفیاء کو غور وفکر کے ایک نئے راستے پر ڈال دیا اور تصوف کی رائج الوقت تعریف کے مقابلہ میں حضرت جنیدؒ کی تصوف کے بارے میں اس تعریف پر گرما گرم بحثوں کا آغاز ہو گیا اور نئے سرے سے انسان اور خداوند تعالیٰ کے درمیان تعلق کی نوعیت کی دریافت شروع ہو گئی کیونکہ صوفیاء کی خفیہ محفلوں میں بات یہاں پہنچ کر ختم ہو جاتی تھی کہ جب صوفی تصوف کے آخری مقام پر پہنچ جاتا ہے تو حق کی صفت بن جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انسان اور خدا کے درمیان کوئی فاصلہ باقی نہیں رہتا ہے اور حضرت جنیدؒ کی اس تعریف سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ فاصلہ ہر حال میں قائم رہتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ کی صحبت میں اس موضوع پر طویل عرصہ تک وعظ و درس ہوتا

رہا۔حضرت جنیدؒ نے اپنی تعلیمات میں اس مسئلے پر جو کچھ اظہار خیال کیا ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ تصوف اصل جوہر کے اعتبار سے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی صفت ہے یہ ایک ایسی مسلسل کوشش ہے جس میں انسان ہمیشہ لگا رہتا ہے۔حضرت جنیدؒ کے مطابق تصوف کی تعریف یہ ہے کہ انسان اس طرح خداوند تعالیٰ کے ساتھ رہے کہ اس کا کسی بھی دوسری ہستی کے ساتھ تعلق ظاہر نہ ہو۔

علامہ اقبالؒ کے درج ذیل شعر کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے تخلیق کیا ہے کہ انسان اس کے ساتھ محبت اور دل بستگی کا تعلق رکھے اور انسان کو بھی چاہیے کہ وہ اس کی محبت اور دل بستگی کا پورا حق ادا کرے۔آپؒ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ اگر یہ تعلق نہ ہو تو خدا کو تنہائی کا احساس ہوتا ہے۔چنانچہ فرمایا۔

مرا دل سوخت بر تنہائی او　　کنم سامان دل بزم آرائی او

(ز ع:۵۶۶)

(میرا دل خدا کی تنہائی پر جل رہا ہے،اور میں اس کی دل کی بزم آرائی کا سامان کر رہا ہوں)

ہماری تصنیف ''حضورِ قلب'' میں انسان کی تخلیق کا مقصد پوری وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ خدا اور بندے کے درمیان اس قدر فاصلے موجود ہیں کہ کوئی شخص یا کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی معیت کی متحمل نہیں ہوسکتی لیکن اس نے انسان کو اپنی قربت اور دوستی کا شرف دینے کے لئے بہت سے کلیات اور قواعد میں تبدیلی کی اور انسان کو یہ شرف عطا کر دیا کہ پورے عالم میں سوائے اس کے اور کوئی شے اللہ تعالیٰ کے اس قرب اور دوستی کی مستحق نہیں ہوسکتی۔(اس بات کی تفصیل کہ اس نے کیا کیا صفات انسان میں معکوس کیں اور اسے کس نہج پر تخلیق فرمایا، یہ تمام باتیں مذکورہ کتاب ''حضورِ قلب'' میں واضح کر دی گئی ہیں)اس انسان کے لئے جو کچھ اس نے کیا ہے وہ ایک نہایت قابل غور حقیقت ہے اور اب اتنا کچھ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی منشاء یہ ہے کہ اے انسان میں نے تجھے اپنی (معرفت اور محبت) کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا اب تمہارے لئے بھی واجب ہے کہ تمہارے ہاتھ پیر تو بے شک دنیا کی ضروریات کے لئے مشغول رہیں مگر تمہارے دل میں کسی اور کا گزر نہ ہو سکے۔اٹھتے بیٹھتے تمہارے دل میں میری ہی محبت جاگزین ہونی چاہیے (کیونکہ میں نے یہ سب کچھ،حتیٰ کہ پوری کائنات تیرے ہی لئے بنائی ہے)اور اب تیرے چہرے کا رخ بھی میرے لئے ہونا اور تمہاری ذات کا میرے نزدیک ہونا ضروری ہے۔فرمایا اگر تم اپنے دل میں یہ خیال موجزن

رکھو گے تو میں بھی ہمہ وقت اپنی دید کے جلوے تمہارے مشاہدات کے لئے مخصوص کر دوں گا اور تم جدھر بھی دیکھو گے میرا چہرہ اس میں موجود پاؤ گے جیسا کہ فرمایا:

"فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" (تم جدھر بھی دیکھو تو میرا چہرہ وہیں پاؤ گے) (البقرہ: ۱۱۵)

اللہ کے ساتھ اس تعلق کو قائم کرنے کا نام ہی علم تصوف سے متعلق ہے اور تصوف یہی ہے کہ اپنے اور خدا کے درمیان فاصلوں کو کم سے کم کر دیا جائے اور ایک انسان کے لئے اس سے بڑا اور کوئی شرف نہیں کہ اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسے اپنی دوستی کا شرف عطا کر دے۔ یہ وہ دولت ہے کہ اس سے فرشتوں تک کی اعلیٰ مخلوق بھی محروم ہے اور انسانوں کو کلیم علیہ السلام، مسیح علیہ السلام، خلیل علیہ السلام، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حبیب اللہ کے نام عطا فرمائے۔ انسان کو چلتا پھرتا قرآن، حتیٰ کہ انسان کو جبرائیل علیہ السلام کے اوصاف کا حاصل قرار دیا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

او کلیمؑ او مسیحؑ او خلیلؑ او محمدؐ او کتاب او جبرائیلؑ

(انسان کلیم علیہ السلام، مسیح علیہ السلام، اور خلیل علیہ السلام بھی ہے اور انسان کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن اور جبرائیل علیہ السلام کے معنوں کا حامل بنایا ہے)

معنی جبریلؑ و قرآں است او فطرة اللہ را نگہبان است او

(پ چ: ۸۰۸)

(انسان جبریل امیں اور قرآن کے معنی رکھتا ہے، کائنات میں فطرت الٰہیہ کا نگہبان بھی وہی ہے)

اپنی مرضی کو اللہ کی رضا کے مطابق ڈھالنا تصوف ہے

اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دینا بزرگوں کا شعار ہے۔ وہ ہمیشہ ہر کام میں اللہ کی مرضی معلوم کرتے ہیں اور اپنی مرضی پر اللہ کی مرضی کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ جنت اور دو رکعت میں سے ایک چیز کو اختیار کرو تو میں دو رکعت کو اختیار کروں گا کیونکہ دو رکعت میں اللہ کی رضا ہے اور جنت میں میری رضا ہے۔

انسان کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے اعلیٰ مخلوق بنایا، اس کو مسجود ملائک کیا فرشتوں کو انسانوں کا خادم بنایا ہے اور ان کو اپنا محبوب، دوست بنایا ہے اور اپنی بے شمار نعمتوں کو ان کے لئے مخصوص کیا ہے تو پھر اس کی نعمتوں پر شکر گزاری کا اظہار صرف اسی طرح ممکن ہے کہ اس کی مرضی پر اپنی مرضی کو قربان کر دے۔

اگر خدا نے انسان کو اپنی محبت کے لائق سمجھا ہے اور اسے بہت سے درجات ایسے عطا فرمائے ہیں جو مخلوقات میں سے کسی کو نہیں دیئے تو پھر اس کو دیکھ کر اولیاء اللہ اپنے آپ کو اللہ کی فرمانبرداری پر باندھ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اتنا فخر ہی کافی ہے کہ تو نے ہم کو اپنے احکام کی فرمانبرداری کے قابل سمجھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اولیائے کرامؒ نے اپنے آپ کو خدا کی مرضی کے حوالے کر دیا ہے۔ اولیائے کرامؒ تو خود کو خدا کا غلام سمجھ کر اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر جنت کا وعدہ نہ کرتا تب بھی انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفا کرنے کے علاوہ چارہ نہ تھا۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اگر وہ چاہے تو انسان کو خدا کی اطاعت کرنے کے باوجود بھی جہنم میں پھینک سکتا ہے۔ سو اس حالت میں خدا کی اطاعت کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ چنانچہ اولیاء اللہ بغیر کسی لالچ کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہے تو جہنم کا عذاب بھی گوارہ کرنا آسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہی عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر اس کا کرم بھی عذاب ہے۔ جہنم کا عذاب اس لئے عذاب ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں اور اگر جہنم میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوتا تو اہل جہنم کبھی جنت کی خواہش نہ کرتے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی رضا مل گئی تو اسے گویا سب کچھ مل گیا اور جس سے اللہ تعالیٰ منہ موڑ لے اس کے لئے مال و دولت اور تمام نعمتیں کچھ معنیٰ نہیں رکھتیں، اس لئے ان کے لئے اللہ کی رضا کو مقدم رکھنے میں ہی مراد کا حاصل ہونا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ بہت سخت بیمار ہو گئے۔ ان کے ایک ارادت مند نے ان سے عرض کیا کہ آپؒ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ وہ آپ کو تندرست کر دے۔ فرمانے لگے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جب صحت کے لئے اپنی عرض پیش کی تو وہاں سے جواب ملا ''تم ہماری ملکیت ہو اپنی ملکیت کے ساتھ ہم جو چاہیں وہی سلوک کرتے ہیں تمہیں ہماری ملکیت میں دخل دینے کا کیا حق ہے''؟ فرماتے ہیں کہ یہ جواب سن کر میں چپ ہو گیا اور خود کو اللہ کی مرضی کے سپرد کر دیا۔ ایسی حالت کے مطابق راقم الحروف نے ایک نظم تحریر کی ہے جو ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں شامل کر دی گئی ہے اور اس کا پہلا شعر حسب ذیل ہے۔

منظور حق جو ہے وہی منظور ہے ہمیں
کس سادگی سے ہم نے خدا کو منا لیا

حضرت جنید بغدادیؒ کے مذکورہ واقعہ سے ملتا جلتا ایک واقعہ ہم اپنی تصنیف ''رابطہ شیخ'' کے

صفحہ ۱۴۴ پر تحریر کر آئے ہیں جس میں مختصراً یہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ ایک مرتبہ سمندر کی کشتی پر سوار تھیں کہ اچانک کشتی کو طوفان نے آگھیرا اور قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی۔ انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا وہ اپنی چادر کو سر کے نیچے رکھے آرام سے لیٹا ہوا تھا اور اس کو اس بات کی قطعاً پرواہ نہ تھی کہ کشتی طوفان کی زد میں آچکی ہے۔ جب رابعہ بصریؒ نے اس سے پوچھا کہ یہ کشتی عنقریب غرق ہونے کو ہے اور آپؒ کو اس کا علم بھی نہیں تو اس شخص نے جواب دیا ''میرا اللہ ہم سب کو دیکھ رہا ہے۔ اگر اس کی مرضی کشتی کو ڈبونے کی ہے تو میں کون ہوں کہ جو اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکوں''۔ رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ آپ کشتی کی سلامتی کے لئے دعا تو کر سکتے ہو۔ اس پر اس شخص نے اپنی چادر اٹھائی اور جس سمت سے طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں اس طرف کو اونچا کر دیا۔ چادر کو اس طرف کرنا ہی تھا کہ طوفانی ہوائیں تھم گئیں اور طوفان ختم ہو گیا۔ رابعہ بصریؒ کو تجسس ہوا کہ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا کوئی محبوب بندہ ہے اور جب رابعہ بصریؒ نے اس شخص سے ان کی اس حرکت کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا کہ یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ یہ تو تم بھی کر سکتی ہو۔ جب رابعہ بصریؒ نے مزید دریافت کیا انہوں نے یہ طریقہ کس عمل سے حاصل کیا تو اس شخص نے درج ذیل شعر پڑھا جو زیر غور موضوع کے عین مطابق ہے۔

تَرَكْنَا مَا نُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ فَتَرَكَ مَا يُرِيْدُ لِمَا نُرِيْدُ

(ہم نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کیلئے چھوڑ دیا پس اللہ نے اپنی مرضی کو ہماری مرضی کے لئے چھوڑ دیا ہے)

اس سلسلہ میں مشکل یہ ہے کہ انسان جلد بازی سے کام لیتا ہے اور اگر کہیں مذکورہ ردعمل (اللہ کی طرف سے) ظاہر نہ ہو تو بے دل ہو کر طریقت کو ہی (اور اپنے شیخ کو بھی) چھوڑ دیتا ہے۔ یہ تمام باتیں استقامت کے ساتھ لگے رہنے سے ہاتھ آتی ہیں۔ طریقت میں ایسے کاموں کی چابیاں صرف حقداروں یعنی اخلاص، طریقت میں محنت اور مشقت کرنے کے بعد عطا کی جاتی ہیں۔ جب تک تمہارا شیخ تم سے مطمئن نہیں تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم نہیں کئے جا سکتے۔ براہ راست تعلق تو محض عبادت میں ہو سکتے ہیں اور وہ بھی کسی حد تک۔ اس راہ کا شیخ کی مدد کے بغیر طے کرنا ممکن نہیں اور جہاں اس بات کا ذکر ہے کہ تم اللہ تک پہنچ سکتے ہو تو اس سے مراد یہی ہے کہ سلوک کی راہ کے ذریعے پہنچو۔

تصوف میں مشائخِ سلسلہ سے توجہ لینے کی استطاعت پیدا کرنا ہے

مرید کو اپنے بعض امور کے سلسلہ میں مشائخ (اور اپنے شیخ سے بھی) توجہ اور مدد لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ بھی ہماری تالیف ''رابطۂ شیخ'' میں مختلف ابواب (''اولیاء کی طرف سے امداد'' اور دیگر ابواب) میں ذکر کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب کے مطالعہ سے توجہ شیخ کا علم ہو سکتا ہے۔ ''رابطۂ شیخ'' کی پوری کتاب شیخ کے ساتھ اپنے ربط کو مستحکم کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے اور راقم الحروف نے اس میں بے شمار بزرگوں اور مشائخ کے اقوال اس رنگ سے درج کئے ہیں کہ ربط شیخ قائم کرنے میں کوئی مشکل محسوس نہیں ہو سکتی۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رسالہ مکیہ میں فرماتے ہیں ''مرید کو یقین کے ساتھ یہ مان لینا چاہیے کہ شیخ کی روح کسی خاص جگہ محدود نہیں ہے۔ پس مرید جہاں بھی ہوگا، خواہ قریب یا بعید، گو شیخ کے جسم سے دور ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں''۔[1] ایسے ہی اگر شیخ نقل مکانی کر چکا ہو تو بھی شیخ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا کیونکہ اولیائے کرامؒ مرتے نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اور بمطابق حضرت مجدد الف ثانیؒ ان سے وہ امور صادر ہوتے ہیں جو جیتے جسم کا تقاضا کرتے ہیں (دیکھئے 'رابطۂ شیخ' میں اولیاء اللہ کی امداد کی بابت باب: ۲۲۹)

اولیائے کرامؒ سے توجہ لینے کی استطاعت ذکر کی کثرت اور اس کے بعد مراقبہ میں کمال حاصل کرنے سے پیدا ہوتی ہے چونکہ رابطہ شیخ میں اس طرز کی تحریریں کافی دی جا چکی ہیں اس لئے اس جگہ اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

حضرت جنیدؒ کے ابتدائے تصوف کا دور

علم تصوف کو ایک نئی روح عطا کرنے والے حضرت جنید بغدادیؒ تیسری صدی ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے جبکہ عباسی سلطنت اپنے آخری دموں پر تھی۔ اس دور میں دوسرے ملکوں کے اثرات بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہے تھے۔ لوگوں میں نئے نئے مذہبی گروہ پیدا ہو چکے تھے اور شریعت وطریقت میں خیالات کا تصادم نمایاں نظر آرہا تھا۔ فلسفہ اور معاشیات کے علمبردار تصوف کی اصل شکل پر اثر انداز ہو رہے تھے اور کچھ لوگ

[1] رسالہ مکیہ مترجم، رشید احمد گنگوہی، صفحہ ۶۴، مطبوعہ ادارہ اسلامیات۔

اسلام کی جڑوں کو کمزور کرنے کے لئے اسلام کے بنیادی اصولوں اور تصوف کے اصولوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے تھے۔ جن لوگوں کو حکمران طبقے کی حمایت حاصل تھی وہ مذہبی امور کے خدوخال میں زبردستی دخل اندازی کر رہے تھے۔ ان بااثر لوگوں نے صوفیانہ طرزِ عمل کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی ملحدانہ کوششیں شروع کر رکھی تھیں۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے صوفی کو پیدا کیا جس نے تصوف میں اپنی روحانی قوت، منصفانہ میانہ روی اور پراحتیاط روش کے فکر و عمل سے تصوف کو ایک ایسا روپ بخشا کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر آپ کی ہستی اس وقت رونما نہ ہوتی تو حقیقی تصوف کا خوش نما ڈھانچہ ہم تک کبھی نہ پہنچ سکتا تھا۔

جس زمانے میں تصوف کو ایک غیر اسلامی طرزِ عمل اور راہبانہ اصولوں پر مبنی طریقہ قرار دیا جانے لگا تھا اس زمانے میں حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے طرزِ عمل، اپنی تعلیمات اور افکار سے یہ ثابت کر دیا کہ شریعت اور طریقت کے درمیان کوئی نظریاتی یا عملی فرق نہیں ہے بلکہ یہ طرزِ عمل عین قرآن اور سنت سے مطابقت رکھتا ہے۔ آپ نے لوگوں پر کھلے الفاظ سے یہ حقیقت واضح کر دی کہ ہمارا علم طریقت قرآن اور سنت سے مربوط ہوتا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ہمارا مذہب اصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے مقید ہے۔[1] یہی وجہ ہے کہ آج بھی اسلامی تصوف کے مختلف سلسلوں میں حضرت جنیدؒ کو نظریاتی راہنما کی حیثیت حاصل ہے اور کوئی شخص ایسا نظر نہیں آئے گا جو حضرت جنیدؒ کی باتوں سے اختلاف رکھتا ہو۔

حضرت جنیدؒ تمام عمر بغداد سے ہی منسلک رہے

تصوف کی دنیا میں ایسے بے شمار اولیائے کرامؒ اور صوفیائے کرامؒ ہیں کہ جنہوں نے تربیت اور فیضان تبلیغ کے لئے بہت طویل سفر کئے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت سلطان باہوؒ، وغیرھم اولیائے کرامؒ نے بہت طویل سفر کئے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ، بغداد میں ہی پیدا ہوئے، وہیں تعلیم پائی اور وہیں فیض رسانی کا سلسلہ رہا اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت جنیدؒ کا بچپن میں تصوف سے لگاؤ

یہ بات تو بہت مشہور ہے کہ حضرت جنیدؒ بچپن سے ہی اپنے ماموں سری سقطیؒ کے زیر اثر تصوف کے دقیق مسائل سے آگاہ تھے اور بچپن سے ہی اپنے ماموں کی روحانیت ان کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو چکی

[1] مدارج السالکین، جلد ۲، صفحہ ۴۰۔

تھی۔ اس کی ادنیٰ سی ایک مثال یہ ہے کہ جب وہ بہت چھوٹی عمر کے تھے تو آپ کے ماموں نے انہیں اپنے پاس بلایا اور کہا کہ ادھر آؤ ہم تمہیں اللہ اللہ کرنا سکھائیں۔ حضرت جنیدؒ ان کے قریب بیٹھ گئے تو انہوں نے فرمایا کہ تم یہ تصور کرو کہ میرا اللہ یہاں حاضر ہے، مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے ساتھ ہے۔ حضرت جنیدؒ نے یہ وظیفہ ''اَللّٰهُ حَاضِرِیْ''، ''اَللّٰهُ نَاظِرِیْ'' اور ''اَللّٰهُ مَعِیْ'' ورد کے طور پر باتصور کرنا شروع کیا اور رات گئے تک اس وظیفے میں منہمک رہے جبکہ ان کے ماموں بھی اپنے وظائف میں اس قدر مشغول رہے کہ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ بچہ ان کے پاس بیٹھا ہے چنانچہ جب وہ اپنے انہماک سے واپس آئے تو بچے کو دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے باؤ بیٹا جاؤ! اب جا کر سو جاؤ۔ صبح کو جب حضرت جنیدؒ کی والدہ نے انہیں ناشتے کے لئے تیار کرنا چاہا اور جنید کا رفع حاجت کے لئے ازار بند کھولنا چاہا تو وہ چیخ اٹھے اور کہنے لگے ''اَللّٰهُ حَاضِرِیْ''، ''اَللّٰهُ نَاظِرِیْ'' اور ''اَللّٰهُ مَعِیْ'' اور کہا کہ میں ازار بند نہیں کھولوں گا کیونکہ اللہ سے مجھے شرم آتی ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت سری سقطیؒ نے ان کو یہ وظیفہ بتایا ہے تو وہ اپنے بھائی سے خفا ہونے لگیں کہ میرے بچے کو تم نے کیا سبق پڑھایا ہے کہ اب وہ رفع حاجت سے گریز کر رہا ہے۔ اس گفتگو کے بعد آپ نے حضرت جنیدؒ کی طرف توجہ کی تو وہ اعتدال پر آ گئے۔

حضرت جنیدؒ کے بچپن کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ جب وہ ابھی سات سال کی عمر کو پہنچے ہی تھے تو حضرت سری سقطیؒ کے مکان پر بڑے بڑے مشائخ جمع ہوئے۔ علوم و معارف کے مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ دوران گفتگو شکر کے موضوع پر بحث چھڑ گئی اور گفتگو میں گرمی پیدا ہو گئی۔ اس گرما گرمی کے عالم میں حضرت سری سقطیؒ نے حضرت جنیدؒ کو (جن کی عمر اس وقت سات برس تھی) قریب ہی کھیلتے ہوئے دیکھا اور انہیں اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ بیٹا تم ہی بتلاؤ کہ شکر الٰہی کیا چیز ہے؟ تو آپ کی اس بات پر تمام مشائخ حیران تھے کہ اس چھوٹے سے بچے کو زبان کھولنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر اور بھی حیران ہو گئے کہ بچہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ نہایت عمدہ عربی میں کہہ رہا ہے کہ شکر یہ ہے کہ ''لَا تَعْصِ اللّٰهَ بِنِعْمَتِهٖ''[1] (یعنی تو اللہ کی نعمتوں کو نہ بھلائے) شکر کی یہ تعریف سن کر سب حیران ہو گئے اور حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا کہ بیٹا مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارے نصیب میں یہی بیان کی قوت نہ ہو۔

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۸۰۔

حضرت جنیدؒ کی تربیتِ تصوف کا ایک اور دور

اگرچہ حضرت سری سقطیؒ اور حارث محاسبیؒ سے تربیت کے بعد حضرت جنیدؒ کو کسی روحانی راہنما کی ضرورت نہ تھی لیکن آپ کے دلی اضطراب نے مطالبہ کیا کہ ابوحفص عمر حدادؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی روح کی تشنگی کو مٹائیں۔ حضرت حدادؒ کے سامنے جب اللہ کا ذکر ہوتا تو آپ کا چہرہ اس طرح متغیر ہو جاتا کہ لوگ اس کیفیت کو محسوس کرنے لگتے۔ آپؒ کا حسب ذیل قول بہت مشہور ہے۔

''جو شخص ہر وقت اپنے اعمال اور حالات کا اندازہ قرآن و حدیث کی روشنی میں نہیں کرتا اور اپنے دل کے جذبات کو مجرم نہیں ٹھہراتا اس کا نام مردوں کی فہرست میں نہیں رہتا''۔

حضرت جنیدؒ ابھی حضرت حدادؒ کے پاس جانے کو تیار ہی ہوئے تھے کہ وہ خود ہی بغداد میں جلوہ افروز ہوئے۔ جب حضرت جنیدؒ ان کی قیام گاہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے تمام مرید اور خدام، سر جھکائے دست بستہ پیر و مرشد کے سامنے کھڑے تھے۔ حضرت جنیدؒ کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے حضرت حدادؒ کوئی بادشاہ ہیں، دربار آراستہ ہے اور غلام گردنیں خم کئے کھڑے ہیں۔ ایک روحانی درس گاہ میں دربار سلطانی کی شان دیکھ کر حضرت جنیدؒ نے حضرت حدادؒ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا ''شیخ آپ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو دربار شاہی کے آداب اور اطوار سکھاتے ہیں''؟ حضرت حدادؒ نے فرمایا ''اے ابوالقاسم! جو کچھ تم دیکھ رہے ہو اس کی حقیقت یہ نہیں میں شاہی رعب و جلال کی حاجت نہیں رکھتا۔ مگر تم یہ بات ذہن نشین کر لو کہ ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا عنوان ہوتا ہے۔ جس شخص کو اس ظاہری دنیا میں ادب کی تعلیم نہیں ملی ہے وہ دوسری دنیا کے آداب کے لوازمات کو بجا نہ لا سکے گا''۔ حضرت حدادؒ کا یہ جواب سن کر حضرت جنیدؒ خاموش ہو گئے۔

واضح رہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ اس قدر محتاط صوفی تھے کہ انہوں نے عمر بھر خرقہ نہیں پہنا۔ آپؒ کی خانقاہ کے آداب تمام خانقاہوں سے مختلف تھے۔ اس کے بعد حضرت حدادؒ، حضرت جنیدؒ کے مہمان بنے اور حضرت جنیدؒ آپ کی مہمان نوازی میں بہت اہتمام کرتے حالانکہ آپؒ خود سادہ غذا کے عادی تھے آخر ایک روز آپؒ نے حضرت جنیدؒ سے یوں فرمایا۔

''جنید! میرے ساتھیوں کو یہ نعمتیں کھلا کھلا کر ان کے نفس کو سرکش نہ بناؤ۔ فقیر کے نزدیک مہمان نوازی یہ ہے کہ تکلف چھوڑ دو اور جو کچھ حاضر ہے اسے لا کر پیش کر دو۔ اکثر ایسے تکلفات کا انجام یہ ہوتا ہے کہ

میز بان اور مہمان میں مفارقت ہو جاتی ہے اس کے برعکس بے تکلفی میں مہمان کا جانا اور قیام کرنا یکساں رہتا ہے''۔حضرت جنیدؒ، حضرت حدادؒ کی صحبت میں نو سال تک رہے اور حضرت ابو حفصؒ کا انتقال ۲۶۰ھ میں ہوا۔

حضرت جنیدؒ کو نعرہ مستانہ گوارہ نہ تھا

ایک مرتبہ آپؒ وعظ فرما رہے تھے کہ ایک مرید نے بے قرار ہو کر نعرہ مستانہ بلند کیا۔آپؒ نے وعظ بند کر دیا اور فرمایا کہ جو اس طرح نعرہ زنی کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔اس کے بعد آپؒ نے اس مرید کو مجلس سے نکال دیا۔اس مرید نے کئی بار معافی مانگی تو پھر مجلس میں شامل ہونے کی اجازت ملی (یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آج کل کے بہت سے مشائخ وعظ کرتے ہیں تو بار بار کہتے ہیں۔''کہو سبحان اللہ'' اور نعروں سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ایک مرتبہ آپ کے شاگرد خاص ابو بکر شبلیؒ نے بر سر مجلس بلند آواز سے کہا۔''اللہ جل جلالہ'' یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ غائب ہے تو غائب کا ذکر کرنا غیبت ہے اور اگر اللہ حاضر ہے تو حاضر کا سامنے نام لینا بے ادبی ہے۔ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ جب میں اللہ کا نام لیتا ہوں تو ستر بار توبہ کرتا ہوں اس سے یہی مراد ہے۔

حضرت جنیدؒ جب ذکر کرتے تو اسم الٰہی آپ کے سانسوں میں جاری رہتا۔آپ اس بات کے قائل نہ تھے کہ خالق کو با آواز بلند پکارا جائے۔قرآن میں بھی ذکر ہے کہ خدا کو اس طرح پکارو جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو۔ آپ نے فرمایا جو قرآن کریم کا پیروکار نہ ہو اور نبی اکرم ﷺ کا متبع نہ ہو اس کی تقلید ہرگز نہ کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔یہاں تقلید سے مراد برابری یا ہمسری کرنا ہے اور قرآن کی اس طرح پیروی کرو جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ایک موقع پر فرمایا کہ رسالت مآب ﷺ کے راستے کے سوا تمام راستے مخلوق پر بند ہیں۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اللہ اور بندے کے درمیان چار دریا ہیں۔پہلا دریا دنیا ہے جو پرہیز گاری کی کشتی کے بغیر طے نہیں ہوتا۔دوسرا دریا آدمیوں کا ہے اس کو طے کرنے کے لئے لوگوں سے دور رہنا چاہیے۔ تیسرا دریا شیطان ہے اور شیطان کی مخالفت کرنا ہی اس دریا کی کشتی ہے۔چوتھا دریا نفس ہے اور یہ دریا نفس کی مخالفت سے پار کیا جاتا ہے۔نفس کی مخالفت کرنا ہی ابلیس کی مخالفت ہے۔شیطانی وسوسے اور نفس انسانی میں فرق یہ ہے کہ وسوسہ تو لاحول پڑھنے سے دور ہو جاتا ہے لیکن نفس جس چیز کی خواہش کرتا ہے اسے حاصل کر کے ہی چھوڑتا ہے۔جب تک اسے حاصل نہ کر لے اس وقت تک راضی نہیں ہوتا۔اگر اسے روکا جائے تو جب بھی

موقع ملے گا اسے حاصل کرنے کے بغیر قرار نہ پائے گا۔

حضرت جنیدؒ نے طریقہ تصوف کو ایک خاص مقام بخشا

جب حضرت جنیدؒ نے مسند ارشاد سنبھالی تو لوگوں کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت جنیدؒ جو حق کی حمایت اور باطل کی تردید کے لئے مامور کئے گئے تھے، لوگوں اور آنے والی نسلوں کو صوفیانہ افکار و نظریات کی حقیقت سے آگاہ کریں چنانچہ ان حالات کے آئینے میں ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے پہلے تو اپنے عہد کے مختلف النوع صوفیانہ نظریات کو اپنے اندر جذب کیا پھر اپنے علم و تجربے اور شخصیت و سیرت کی تاثیر سے انہیں ایک خاص وجود بخشا اور ان میں اپنے خیالات و تجربات کا اضافہ کر کے اپنے مخصوص صوفیانہ مکتبہ فکر کے نظام کار کو تشکیل دیا اور ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت جنیدؒ نے تصوف کو اسلام کی حدود میں رکھا۔ صوفیاء کے انفرادی نظریات کو، جو اسلام کی رو سے بہت ہی عجیب و غریب تھے، ایک لڑی میں پرو دیا اور عقلی و اخلاقی زیادتیوں اور مبالغہ آمیزیوں کو تصوف کے جوہر کو نقصان پہنچائے بغیر ختم کر دیا۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر اس جدید دور تک انہیں ان کے الہامی کارناموں کی وجہ سے شیخ طریقت، سردار طائفہ اور مرشد عارفین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے عہد میں عموماً صوفیاء تصوف کی خفیہ تعلیم دیتے تھے اور انہوں نے صوفیانہ مطالب کے لئے اشارے بنائے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عام لوگ تصوف کی تعلیمات کو سمجھنے سے قاصر ہیں، لہٰذا اس کو عام لوگوں سے چھپانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ان کا خاص موضوع توحید تھا اور توحید کو اپنے خاص عقائد اور اصولوں کے تحت بیان کرتے تھے۔ حضرت جنیدؒ بھی ان اصولوں پر کاربند تھے اور نہ صرف اپنے شاگردوں کو احتیاط اور رازداری کی تلقین کرتے تھے بلکہ اپنے ہم عصروں کو بھی یہی مشورہ دیتے کہ وہ طریقت کے سلسلے میں محتاط رہیں اور ایسا نہ ہو کہ کہیں لوگ ان کے افکار کو غلط سمجھ لیں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اپنے مریدوں کو یہ حکم تھا کہ وہ عوام کو شریعت کے احکام سے آگاہ کریں اور تصوف کی تعلیم کو مخصوص لوگوں تک محدود رکھیں۔ کیونکہ اول الذکر تعلیم کا حاصل کرنا فرض ہے۔

بعض صوفیاء جن میں حسین بن منصورؒ سر فہرست تھے، اپنے اظہار کلام میں بہت بے باک تھے اور تیسری صدی میں ایک ایسے واقعہ کا عنوان بنے جو بعد میں ادب اور لٹریچر کا ایک مستقل موضوع بن گیا اور یہ عنوان بغداد کے مدرسہ تصوف کے لئے ایک کڑی آزمائش بن کر ثابت ہوا۔ حضرت جنیدؒ کی زندگی پر بھی اس

کا شدید اثر ہوا۔ اس وجہ سے صوفیاء کرام، حتیٰ کہ حضرت جنیدؒ بھی عوام میں بدعتی مشہور ہوئے۔ حضرت سراجؒ کے بیان کے مطابق حضرت جنیدؒ کو ایک عظیم دینی بزرگ سمجھا جاتا تھا اور وہ ذہنی سطح کے لحاظ سے بہت عظیم سمجھے جاتے تھے لیکن دینی شعار کی پابندی کے باوجود لوگوں نے ان کے خلاف گواہی دی کہ وہ کافر ہیں۔

حضرت جنیدؒ کا اندازِ تصوف

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ ہر لحہ سرمدی کیفیت میں رہتے تھے۔ صوفیانہ زندگی کے ہر تجربے سے گزرتے ہوئے وہ معرفت الٰہی میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ اکثر و بیشتر شہر سے باہر جنگلوں میں رہتے اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدے میں اتنے دور چلے گئے کہ کسی چیز سے کوئی تعلق نہ رہتا اور خدا کے ساتھ تعلق کی نوعیتیں ان پر واقع ہوتی چلی گئیں۔ وہ ایک ایسے عاشق کی حیثیت میں کھو گئے جسے محبوب کی جدائی کہیں چین نہیں لینے دیتی۔ جستجوئے حق میں عقل و فکر سے کنارہ کش ہو کر ایک روحانی سوز و گداز ہی ان کا سرمایہ تھا اور آنسوؤں بھری آنکھوں سے اپنے خالق کی تلاش میں ہر اس مرحلے سے گزرے جو صوفیانہ فکر و نظر کے مطابق ایک سچے خدادوست سے متصور ہے۔ حضرت جنیدؒ کے الفاظ میں موجود مفہوم یہ تقاضا کرتا ہے کہ تمام خواہشوں سے مانوس رشتے داروں اور بھائی بندوں سے تعلق کو ایسے ختم کر دیا جائے جیسے تھا ہی نہیں۔ چالیس سال کی عمر تک حضرت جنیدؒ صوفیانہ ابتلاء و آزمائش میں رہے اور کہا جاتا ہے کہ صوفیانہ عمل کا زیادہ حصہ انہوں نے جنگل و بیابان میں گزارا۔ اس کی تصدیق " کشف المحجوب " سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے "حال" اور "وقت" کی صوفیانہ اصطلاح کے حقیقی معنی بیان کرتے ہوئے حضرت جنیدؒ کا ایک واقعہ حوالے کے طور پر ان الفاظ میں پیش کیا ہے کہ ایک دن حضرت جنیدؒ جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے ایک درویش کو کیکر کے درخت کے نیچے سخت اور تکلیف دہ جگہ پر بڑی مشکل سے بیٹھے دیکھا۔ حضرت جنیدؒ کے قدم رک گئے اور پوچھا کیوں بھائی! تم یہاں کس لئے بیٹھے ہو جبکہ یہ جگہ اتنی سخت ہے کہ کوئی یہاں لحہ بھر کے لئے نہیں بیٹھ سکتا اور تم یہاں جم کر بیٹھے ہو۔ اس درویش نے جواب دیا کہ میرا ایک وقت تھا جو یہاں کھو گیا اور اب میں اسی کے غم میں یہاں بیٹھا ہوں۔ حضرت جنیدؒ نے پوچھا تم کتنے عرصہ سے یہاں بیٹھے ہوئے ہو؟ اس نے کہا بارہ سال گزر گئے ہیں اور اب مرشد کو چاہیے کہ مجھ پر مہربانی کرے تاکہ میری مراد پوری ہو جائے اور میرا وقت مجھے مل جائے۔ حضرت جنیدؒ جب حج پر گئے تو وہاں انہوں نے اس درویش کے لئے دعا کی اور اس درویش کو منزل مل

گئی۔ حضرت جنیدؒ حج پر سے واپس آئے اور اسی جنگل میں ایک روز پھر ان کا گزر ہوا تو وہ درویش اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت جنیدؒ نے اس سے کہا کہ اے بہادر انسان! اب جب کہ تمہیں تمہارا کھویا ہوا وقت مل گیا تو پھر کیوں اس جگہ بیٹھے ہو؟ اس نے کہا اے مرشد! یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے وحشت اور پریشانی لاحق ہوئی تھی اور میرا سرمایہ گم گیا تھا اور اب یہ وہی جگہ ہے جہاں مجھے میرا گمشدہ سرمایہ ملا ہے۔ میں نے اس جگہ کو پکڑ لیا ہے۔ مجھے اس جگہ سے محبت ہوگئی ہے اور اب یہ جائز نہیں کہ میں اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر چلا جاؤں۔ میری تو تمنا ہی یہی ہے کہ میری مٹی بھی اسی جگہ مل جائے اور قیامت کے دن جب میں اٹھایا جاؤں تو اسی جگہ سے اٹھایا جاؤں یہ میرے عشق کی جگہ ہے۔[1]

تصوف میں بیعت کو توبہ کا مقام حاصل ہے

اور توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کو بھول جائے

مشائخ کا قول ہے کہ جب کوئی شخص کسی شیخ سے بیعت کرتا ہے تو اسے پہلے تمام گناہوں سے توبہ کروائی جاتی ہے اور بیعت کی اصل توبہ ہی تو ہے جس کے بعد گناہوں کا ترک اور معمولات اسلام میں استقامت پر زور دیا جاتا ہے۔ کشف المحجوب میں توبہ کے باب میں کافی مواد دیا گیا ہے۔

حضرت جنیدؒ اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ ''اَلتَّوْبَۃُ اَنْ تَنْسِیَ ذَنْبَکَ''[2] (توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو بھی بھول جائے)۔ اس لئے کہ تائب محبّ ہوتا ہے اور محبّ مشاہدہ میں ہوتا ہے اور مشاہدہ کی حالت میں گناہ کا تصور برا ہوتا ہے اور پھر عرصہ وفا میں گناہ کا ذکر وفا سے حجاب ہوتا ہے اور یہ (گناہ کا تصور) مشاہدہ اور مجاہدہ میں نہیں ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں اگر عمیق مطالعہ درکار ہو تو کشف المحجوب کے باب ''توبہ اور متعلقات توبہ'' سے رجوع فرمائیں۔

ذکرِ الٰہی صوفیاء کا بہت بڑا ہتھیار ہے

صوفیائے کرام محبت الٰہی میں ہر وقت ذکر و اذکار کے شغل میں مصروف رہتے ہیں۔ ذکر الٰہی ہی ایک ایسی عبادت ہے جس سے اولیائے کرامؒ کا ہمہ وقت اللہ کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے اور اس کی وجہ سے ذاکر کو تصرف کی قوت عطا ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی سے سالک کو جو قوت نصیب ہوتی ہے اس کا کوئی بدل

---

[1] کشف المحجوب صفحہ ۳۲۷۔ [2] کشف المحجوب صفحہ [illegible]

نہیں۔حضرت جنیدؒ کا ذکر کے بارے میں یہ شعر بہت مشہور ہے۔

ذَکَرْتُکَ لَا اِنِّی نَسِیْتُکَ لَمْحَةً

وَالْیُسْرُ مَا فِی الذِّکْرِ ذِکْرُ اللِّسَانِ

(اے میرے اللہ! میں نے تجھے ہمیشہ یاد کیا ہے اور تجھے کبھی لمحہ بھر کے لئے نہیں بھولا۔ذکر الٰہی میں سب سے آسان ذکر میرا اپنی زبان سے یاد کرنا ہے)

حضرت جنیدؒ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ذکر الٰہی ہمیشہ مشاہدہ حق کے ساتھ ہونا چاہیے وہی ذکر قابل قبول ہوتا ہے جیسا کہ ان کا فرمان ہے کہ جس نے مشاہدہ کے بغیر اللہ اللہ کیا وہ مفتری (خدا سے جھوٹ بولنے والا) ہے۔ان کے اس قول کی صحت پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ط وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ○

(وہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے بے شک آپ ﷺ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں) (المنفقون:۱)

ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا قرار دیا کیوں کہ گو ان کی بات سچی تھی لیکن وہ مشاہدے سے نہیں تھی بلکہ منافقت کے باعث تھی۔ذکر الٰہی ہمیشہ خلوص کے ساتھ اور محض رضائے الٰہی کے لئے ہونا چاہیے اور کوئی مادی غرض کی کدورت دل میں نہیں ہونی چاہیے تاکہ ذکر کا پورا روحانی فائدہ میسر آسکے اور قرب خداوندی حاصل ہو سکے۔

حضرت جنیدؒ کا قول ہے

'اِنَّ اللّٰهَ یُخْلِصُ اِلَی الْقُلُوْبِ مِنْ بِرِّهٖ حَسْبُ مَاخَلَصَتِ الْقُلُوْبُ بِهٖ اِلَیْهِ مِنْ ذِکْرٍ فَانْظُرْ مَاذَا خَالَطَ قَلْبَکَ [۱] (یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کی طرف اسی قدر اپنی خاص اور خالص بھلائی پہنچاتا ہے جس قدر دلوں نے خلوص کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہو۔بس تم نگاہ رکھا کرو کہ تمہارے دل میں کون سی چیز آکر مل گئی ہے (جس نے خالصیت کو متاثر کر دیا ہے)۔

خدا کا راستہ بتانے والے علماء اور مشائخ پر لازم ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کیا کریں اور

---

۱ طبقات الصوفیہ،صفحہ ۱۳۰۔

ماسواء اللہ پر بھروسہ نہ رکھا کریں ورنہ ان کا ذکر کرنا بھی بے سود رہے گا اور دلوں میں نہیں اترے گا جیسا کہ حضرت جنیدؒ نے ایک خط میں تحریر فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا (یعنی نشاندہی کی) اور خود غیر اللہ پر بھروسہ کرنے لگ گیا تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ آزمائش میں ڈال دے گا، اس کے دل سے اپنا ذکر روک دے گا بلکہ محض اس کی زبان سے جاری کردے گا۔ اگر وہ متنبہ ہوگیا اور ماسواء اللہ پر اعتماد کرنے سے باز آگیا تو اللہ تعالیٰ اس کا رنج وحزن اور ابتلاء وآزمائش دور کردے گا اور اگر وہ غیر اللہ پر ہمیشہ بھروسہ کرنا رہا تو اللہ تبارک و تعالیٰ مخلوق کے دلوں سے اس شخص کے لئے ہمدردی کا جذبہ نکال دے گا اور اسے لالچ کا لباس پہنا دے گا۔ پس اس کے لوگوں سے مطالبات بڑھ جائیں گے اور وہ ہر کس ناکس سے ہر وقت مانگتا پھرے گا حالانکہ لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے ہمدردی باقی نہ رہی ہوگی۔ چنانچہ اس کی زندگی بے کسی اور بے بسی کا ایک مرقع بن جائے گی۔ اس کی موت سراسر رنج واندوہ اور انجام کار تمام یاس وحسرت ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں غیر اللہ پر بھروسہ کرنے سے۔

ذکر لسانی سے ذکر قلبی یقیناً زیادہ فضیلت رکھنے والا ہے لیکن اگر یہ دونوں میسر ہوں تو یہ "قِرَانُ السَّعْدَیْنِ" (دو خوبیوں کا ملاپ) ہے۔ کسی مرید نے حضرت جنیدؒ سے عرض کیا کہ اے ابوالقاسم فرمائیے کیا دل کے بغیر زبان ہوسکتی ہے فرمایا بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ پھر عرض کیا کہ دل بھی تو زبان کے بغیر ہوتا ہوگا۔ ارشاد فرمایا ہاں ہوتا ہے لیکن دل کے بغیر زبان بلا ہے، اور دل بغیر زبان کے ایک نعمت ہے۔ پس کہا گیا جب دل اور زبان دونوں میسر ہوں تو وہ کیسی ہیں فرمایا۔ یہ تو شہد کے ساتھ مکھن کی طرح ہے یعنی سونے پر سہاگہ ہے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ شکر کا فریضہ یہ ہے کہ دل وزبان سے خدا کی نعمتوں کا اعتراف کیا جائے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ"[1] (سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے)۔ قولِ جنیدؒ ہے کہ شکر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو نعمت کا اہل نہ سمجھو بلکہ اسے محض خداوند تعالیٰ کا احسان جانو۔ حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ حضرت جنیدؒ جب تپ دق، درد، بخار یا کسی اور تکلیف میں مبتلا ہوتے تو بھی شکر کرتے اور اس رات کو ہزار رکعت نماز نفل ادا کیا کرتے تھے۔

---

[1] سنن الترمذی، حدیث نمبر ۳۳۸۳، جلد ۵، صفحہ ۴۶۲

تسلیم و رضا

حضرت جنیدؒ نے فرمایا رضا دلوں تک پہنچنے والا صحیح علم ہے۔ جب دل علم کی حقیقت سے آشنا ہو جائے تو وہ رضا تک پہنچ جاتا ہے۔ مرضی و محبت، بیم و رجاء کی مانند نہیں بلکہ دونوں ایسے روحانی احوال ہیں جو دنیا و آخرت میں بھی طالبِ حق سے جدا نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ جنت میں بھی رضا اور محبت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے ''اَلرِّضَا تَرْکُ الْاِخْتِیَارِ''[۱] (یعنی رضا اپنے اختیار سے سبکدوش ہو جانے کا نام ہے)۔

حلقۂ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(دوست نے میری گردن میں زنجیر ڈال رکھی ہے، اور مجھے جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے)

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ کسی بزرگ (حضرت ابو بکر شبلیؒ) نے حضرت جنیدؒ کے پاس بیٹھ کر کہا کہ محبّ وہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو بہشت اور دوزخ کے درمیان اختیار دے کہ جو چاہو اختیار کر لو تو وہ لوگ دوزخ کو اختیار کر لیں۔ اس سبب سے کہ بہشت ان کی مراد ہے اور دوزخ ان کے محبوب کی مراد ہے۔ (یہ قول غلط ہے) جو کوئی اپنے محبوب کے اختیار کو اپنے اختیار پر ترجیح دیتا ہے وہی محب ہوتا ہے۔ یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا نہیں ہرگز ایسا نہیں، (اے شبلیؒ) تم کیسی بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ اگر مجھے اختیار دیا جائے تو کچھ بھی اختیار نہ کروں بلکہ خدا پر چھوڑ دوں کہ جو وہ چاہے سو کرے۔

حضرت جنیدؒ کا فرمان ہے کہ رضا اور معرفت لازم و ملزوم ہیں پس جو شخص خداوند تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائے تو اس کی معرفت صحیح ہو جاتی ہے لہٰذا جو ہمیشہ مرضی مولا از ہمہ اولیٰ پر کاربند ہوگا اس شخص کی معرفت درست ہو جاتی ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی معلوم کرنا چاہے کہ آیا خدا اس سے راضی ہے تو پہلے یہ دیکھے کہ کیا وہ خدا سے راضی ہے اور اگر ایسا ہے تو خدا بھی اس سے راضی ہے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ان پر ایک وقت آئے گا کہ تمام سلسلے کی بخشش ان کی دعا سے ہو جائے گی چنانچہ وہ وقت آیا اور لوگوں نے ان سے دعا کے لئے عرض کیا اور آپؒ نے بخشش کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ ''صوفیائے کرام کی جماعت پر رحمت الٰہی کا نزول تین وقتوں میں

۱۔ التعرف، جلد۱، صفحہ۱۰۲۔

ہوتا ہے، ایک کھانے کے وقت اس لئے کہ وہ نہیں کھاتے مگر فاقے کے بعد، دوسرے ہم نشینی اور حکایت کے وقت اس لئے کہ یہ حضرات انبیاء کرامؑ اور مرسلین اور صدیقین کے مقام پر ان کے قائم مقام ہو کر کلام فرماتے ہیں، اور تیسرے سماع کے وقت اس لئے کہ یہ حضرات اس وقت حق تعالیٰ کے وجد اور شھود میں ہوتے ہیں"۔ کچھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو تو پھر دعا کیوں نہ قبول ہو۔ اس قسم کے اتنے واقعات ہیں جو یہاں لکھے نہیں جا سکتے۔ یہ اولیاء کرامؒ کے قلبی احوال کی باتیں ہیں جس میں چند جوابات جو ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں مستجاب دعاؤں کے باب میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ سید محمد اسماعیل شاہ بخاریؒ جو حضرت کرماں والے کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے پاس ایک عورت آئی اس نے عرض کی کہ اس کا اونٹ گم ہو گیا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ تم توڑی یعنی پھس کا پانی پیو۔ آپ کا یہ فرمان کہ اونٹ کے مل جانے کے لئے آپؒ نے توڑی کا پانی پینے کے لئے کہا تھا تو اس کا اس کے اونٹ مل جانے سے کیا تعلق تھا۔ اسی طرح آپ نے اپنے ایک مرید کے گھر کو سانپ سے محفوظ رہنے کے لئے درج ذیل شعر پڑھنے کو کہا۔

اٹھ فریدا ستیا جھاڑو دے مسیت تُوں ستا تے رب جاگدا تری ڈاہڈے نال پریت

ظاہری طور پر اگر دیکھا جائے تو مذکورہ شعر کا سانپ کے نہ آنے سے کیا تعلق تھا۔ اصل میں ان کے یہ اقوال ان بزرگوں کی دعا کا اثر اختیار کر لیتے ہیں۔

بقائے دوام

بقاء: وہ بقاء ہے جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے اس کو رجوع الی البدایۃ، جمع الجمع اور فرق ثانی بھی کہتے ہیں۔ اس موضوع پر کہ فناء اور بقاء سے کیا مراد ہے اس کی اچھی خاصی تفصیل ہماری تصنیف "اسلام اور روحانیت و فکر اقبالؒ" میں شامل کی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ فنا اور بقاء پر حضرت جنیدؒ کے اقوال اس کتاب میں بھی دیئے گئے ہیں۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی خودی کو مستحکم کر لیا تو اسے آنے والی موت کا کوئی ڈر نہیں رہتا۔ یہ باد و خاک و آب و آتش تو حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ یہ عناصر باد و خاک ہمارے لئے تو مردہ ہو سکتے ہیں مگر اللہ کے لئے تو زندہ ہیں۔

ازاں مرگے کہ می آید چہ باک است خودی چوں پختہ شد از مرگ پاک است

(موت جو آیا کرتی ہے اس سے ہمیں کیا ڈر ہے، جب خودی پختہ ہو جائے تو وہ موت سے پاک ہو جاتی ہے)

خاک و باد و آب و آتش بنده اند   بامن و تو مرده، باحق زنده اند

(خاک و ہوا اور پانی و آگ تمام حکم کے بندھے ہوئے ہیں، ہمارے اور تمہارے لئے یہ مردہ ہیں اور اللہ کے نزدیک زندہ ہیں)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو آبرو کی زندگی کے لئے اپنے سر کو قربان کر دیتا ہے کسی مقصد کے لئے جان دے دیتا ہے تو یہ بھی بقائے دوام سے کم نہیں۔ سمندر کی موجوں سے ایک گھڑی بھر کے لئے مقابلہ کرنا اور اس طرح فنا ہو جانا ہزار سالہ تساہل کی زندگی سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سکندر نے خضر کو بھی یہی نصیحت فرمائی ہے۔

سکندر با خضر خوش نکته گفت   شریک سوز و ساز بحر و برشو

(سکندر نے خضرؑ کو ایک اچھا نکتہ بتایا کہ خشکیوں اور سمندروں کے سوز و ساز میں شریک رہو)

تو ایں جنگ از کنار عرصه بینی   بمیرد اندر نبرد و زنده تر شو

(پ م:۲۰۶)

(تو یہ جنگ بہت عرصے سے کنارے پر سے دیکھ رہا ہے چاہیے کہ مقابلہ میں مر جاؤ اور زندہ و جاوید ہو جاؤ)

حج تو وہی ہے جو مقامِ ابراہیم پر کھڑا ہونے کے قابل کر دے

ایک دن ایک شخص حضرت جنیدؒ کی خانقاہ میں داخل ہوا تو آپؒ نے حسب معمول اس کی تواضع کی اور پوچھا، میرے بھائی! تم کہاں سے آ رہے ہو؟ جواب میں اس نے کہا میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تا کہ شیخ کی روحانی برکات سے فیضیاب ہو سکوں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا، جو شخص اللہ کی بارگاہ کرم میں حاضر ہو چکا ہو اسے ایک انسان کے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو ذات اقدس اپنے ایک ایک بندے کی کفیل ہے اس نے تمہیں بھی محروم نہیں رکھا ہوگا۔ اس شخص نے حضرت کی بات سنی مگر اپنی بات پر قائم رہا اور عرض کی اے شیخ! مجھے آپ کا فیض صحبت درکار ہے۔ میں بڑی توقعات لے کر حاضر ہوا ہوں، برائے کرم مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔ آپ نے کچھ دیر سکوت کیا پھر پوچھا۔ ''اس وقت جب تم نے حج کے لئے گھر کو خیر باد کہا تو کیا تم نے گناہوں کو بھی خیر باد کہا تھا یا نہیں''؟ اس شخص نے جواب دیا ''نہیں ایسا تو نہیں ہوا''۔ فرمایا ''پھر تم نے کیسا حج کیا؟ اچھا یہ بتاؤ اس سفر کے دوران تم نے جس منزل پر پڑاؤ کیا، کیا اس موقع پر تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کوئی منزل طے کی''؟ اس نے جواب دیا ''نہیں''۔ آپ نے فرمایا ''پھر تم

نے راہِ حج کا سفر منزل بمنزل تو نہ کیا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم نے مقام معین پر احرام باندھا تو کیا تم نے اپنی ذات سے عام انسانی صفات کا جامہ بھی اسی طرح اتار پھینکا جس طرح تم نے اپنا دنیاوی لباس اپنے جسم سے اتارا تھا''؟ اس شخص نے جواب دیا ''نہیں''۔ فرمایا ''پھر تم نے احرام کہاں باندھا؟ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم نے مقام عرفات میں قیام کیا تو کیا تم نے ایک لمحہ بھی خدا کے کامل دھیان میں گزارا''؟ اس نے جواب دیا کہ ''نہیں''۔ فرمایا ''پھر تم نے عرفات کا قیام نہیں کیا؟ اور یہ بتاؤ کہ جب تم مزدلفہ گئے اور اپنی دلی مراد پائی اور کیا تم نے خانہ کعبہ میں جمال خداوندی کا مشاہدہ کیا''؟ اس نے جواب دیا کہ ''نہیں''۔ فرمایا ''تو پھر تم نے درحقیقت کعبہ کا طواف ہی نہیں کیا اور یہ بتاؤ کہ جب تم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا تم نے صفا (پاکیزگی) اور مروت (نیکی) کا مقام حاصل کیا''؟ اس نے کہا ''نہیں''۔ فرمایا ''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے سعی نہیں کی، اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم منیٰ میں آئے تو کیا تمہاری تمام خواہشیں ختم ہو گئیں؟'' جواب دیا کہ ''نہیں''۔ فرمایا ''تو پھر تم منیٰ کہاں گئے اور یہ بھی بتاؤ کہ جب تم مقام ذبح پر گئے اور قربانی ادا کی تو کیا تم نے خواہشات جسمانی کی تمام صورتوں کی قربانی کی؟'' عرض کیا کہ ''نہیں''۔ فرمایا ''پھر تم نے کوئی قربانی نہیں دی اور یہ بتاؤ کہ جب تم نے کنکریاں پھینکنے کا عمل کیا تو جتنے دنیاوی خیالات تم سے چمٹے ہوئے تھے کیا تم نے ان سب کو اپنے آپ سے الگ کر کے پھینکا ہے''۔ جواب دیا ''نہیں''۔ فرمایا ''پھر تم نے کنکریاں نہیں پھینکیں اور حج کے شعائر ادا نہیں کئے لہٰذا واپس جاؤ اور اس طریقے پر حج کرو جس طریقے پر میں نے تمہیں بتایا ہے تاکہ تم مقام ابراہیم تک پہنچ سکو''۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ ایک سید نے حج کا ارادہ کیا۔ جب بغداد پہنچا تو آپؒ کی زیارت کے لئے آیا۔ آپؒ نے پوچھا تم کون ہو؟ کس کی اولاد ہو؟ اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا: ''سید ہوں، گیلان کا رہنے والا ہوں''۔ آپ نے فرمایا ''تمہارے دادا یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، دو تلواریں چلایا کرتے تھے ایک کافروں پر اور دوسری اپنے نفس پر۔ تم ان کی اولاد ہو کونسی تلوار چلاتے ہو''۔ یہ سن کر وہ بے تاب ہو کر گر پڑا اور رو کر کہنے لگا: ''میرا حج یہیں ہو گیا مجھ کو خدا کی راہ بتایئے''۔ آپؒ نے فرمایا ''تمہارا سینہ خدا تعالیٰ کا حرم خاص ہے اس میں کسی غیر کو جگہ نہ دو''۔

حضرت جنیدؒ کے چند اقوال

حضرت جنیدؒ کے بہت سے اقوال ملتے ہیں جو اپنے موضوع کے اعتبار سے مختلف مقامات پر اس کتاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں آپ کے چند اقوال یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں۔ ''عالم لوگوں کا علم حرفوں میں ہے، تصحیح ملت اور تجرید، خدمت میں ہے۔ ''فرماتے ہیں ''جس کی زندگی نفس سے ہے اس کی موت جان نکلنے سے ہوتی ہے مگر جس کی زندگی خدا تعالیٰ سے ہے وہ طبعی زندگی سے اصلی زندگی کی طرف انتقال کرتا ہے''۔ [1]

فرماتے ہیں ''جو آنکھ حق تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کو نہ دیکھے اس کا اندھا ہو جانا بہتر ہے اور جو زبان ذکر حق میں مصروف نہ ہو اس کا گونگا ہو جانا اچھا ہے اور جو کان حق بات نہ سنے اس کا بہرہ ہو جانا اچھا ہے اور جو بدن اس کی عبادت نہ کرے اس کا مر جانا بہتر ہے''۔

فرماتے ہیں ''جس شخص نے اپنے عمل پر اعتبار کیا اس کا پاؤں ڈگمگا جاتا ہے، جس نے اپنے حال پر بھروسہ کیا وہ نقصان میں رہتا ہے اور جس نے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کیا وہ عزت اور بزرگی والا بن گیا''۔

تواضع یہ ہے کہ دونوں جہان والوں پر تکبر نہ کرو اور حق تعالیٰ پر مطمئن رہ کر سب سے مستغنی ہو جاؤ۔

فرماتے ہیں خلق چار چیزوں کا نام ہے۔

۱۔سخاوت ۲۔الفت ۳۔نصیحت ۴۔شفقت

فرماتے ہیں ''نیک عادت فاسق کی صحبت، بدخو عالم سے اچھی ہے''۔

فرماتے ہیں ''روزہ نصف طریقت ہے جو ذرہ بھر بھی طریقت جانتا ہو، تو شریعت کے خلاف عمل نہیں کرتا''۔

فرماتے ہیں ''میں مدت تک کعبہ کا طواف کرتا رہا، لیکن جب میں خدا تک پہنچ گیا تو خانہ کعبہ میرا طواف کرنے لگا''۔ [2]

فرماتے ہیں ''کہ مرد وہ نہیں جو کسی چیز کے پیچھے چلے بلکہ مرد وہ ہے جو جہاں کہیں بھی ہو چیزیں اس کے گرد دوڑیں''۔

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۱۳۔ [2] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۱۶۔

باب نمبر ۱۶

صحبت جنیدؒ

(آدابِ صحبت)

حضرت جنیدؒ کی صحبت کے انداز

حضرت جنیدؒ کی صحبت کیسی تھی اور لوگوں پر اس کے انوار کا نفوذ کیونکر ہوتا تھا، اس مضمون کا مختصر تعارف اس باب کے آخر میں پیش کیا گیا ہے۔ پہلے لفظ صحبت اور اولیائے کرامؒ کی صحبت کے لغوی معنی اور ابتدائی تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

صحبت کے لغوی معنی

مفردات امام راغبؒ میں لکھا ہے کہ صحبت کا مادہ (ص، ح، ب) ہے۔ جس کے معنی ہمیشہ ساتھ رہنے والے کے ہیں خواہ وہ کسی انسان یا حیوان کے ساتھ رہے یا زمان ومکان کے ساتھ۔ عام طور پر اس سے وہ مصاحبتِ بدنی مراد ہے جو اصل اور اکثر ہوا کرتی ہے یا جو بذریعہ عنایت یا ہمت کے ہو، جس کے متعلق شاعر نے کہا۔

لَئِنْ غِبْتَ عَنْ عَیْنِیْ لَمَا غِبْتَ عَنْ قَلْبِیْ

(اگر تو میری نظروں سے غائب ہے تو دل سے تو غائب نہیں)

عرف میں لفظ ''صاحب'' صرف اس شخص کیلئے کہا جاتا ہے جو عام طور پر ساتھ ہو ''ھُوَ صَاحِبُہٗ'' اس کیلئے کہا جاتا ہے جو کسی چیز کا مالک ہو۔ سورۃ المدثر کی آیت نمبر ۳۱ میں ''اَصْحَابُ النَّارِ'' سے مراد دوزخی نہیں بلکہ دوزخ کا داروغہ مراد ہے۔ ''اَصْحَبَ فَلَانٌ فَلَانًا'' معنی ہیں کہ فلاں کو فلاں کا ساتھی بنا دیا گیا۔[1]

صحابہ کرامؓ کو اصحاب رسول ﷺ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کو ایمان کی حالت میں حضور ﷺ کی

[1] المفردات القرآن، جلد۱، صفحہ ۲۷۵۔

صحبت نصیب ہوئی تھی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگرچہ صحابہ کرام ﷺ میں بہت سی صفات موجود تھیں یعنی وہ نمازی بھی تھے غازی، شہید، حافظ قرآن، قاری، مجاہد، ذاکر و شاکر بلکہ عاشق دین، ساجد، عابد اور زاہد بھی لیکن ان کو صرف صحبت کی صفت سے ہی موسوم کیا گیا اور ان کو صحبت کی نسبت سے ہی صحابی کہا گیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ صحبت کے لفظ کو اسلام میں سب سے اعلیٰ مقام دیا گیا ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ خواہ کوئی کتنا ہی عابد اور زاہد کیوں نہ ہو، جب تک اسے اہلِ اللہ کی صحبت نصیب نہ ہو وہ طریقت کے بلند اور اعلیٰ درجات پر فائز نہیں ہوسکتا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ''غُنیَۃُ الطَّالِبِیْنَ'' میں فرماتے ہیں کہ انہیں باخدا لوگوں کی مجلس اختیار کرنے سے روحانی حلاوت اور مٹھاس محسوس ہوتی ہے اور ان کے نورانی حلقوں اور مجالس میں حق تبارک وتعالیٰ کی خالص محبت کے چشمے انسانوں کے اندر جاری کئے جاتے ہیں جن کی قدر و قیمت صرف وہی لوگ جانتے ہیں جنہیں ذکر الٰہی کی توفیق عطا ہو چکی ہو۔ احادیث میں ہے کہ اولیائے کرامؒ اور صدیقین کے قلوب پر اللہ تعالیٰ براہ راست نظر کرتا ہے اور پھر ان کی طرف جو ان کے قلوب میں ہوتے ہیں (یعنی مریدین) اور پھر ان کی طرف جو ان کے دل میں ہوتے ہیں۔ گویا قلوب در قلوب نظر پڑتی ہے۔ شیخ کی طرف توجہ کرنا ہی ہدایت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ قطبِ ارشاد (جو کئی صدیوں کے بعد آتا ہے) کی طرف سے ہدایت کامل جانا ممکن ہوتا ہے ورنہ جو لوگ ان کا وسیلہ تلاش نہ کریں وہ رشد و ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ہماری تصنیف ''بیعت کی تشکیل'' میں ''شیخ کی طرف توجہ کرنا ہی ہدایت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے'' کا مطالعہ فرمائیں۔

صحبت پر مشائخ عظام کے اقوال

صحبت پر قرآن وسنت کے فرامین اور مشائخ عظام کے بہت سے اقوال ملتے ہیں۔ ان پر مفصل تحریر اس جگہ پیش کرنا تنگیٔ قرطاس کے باعث مشکل ہے چنانچہ ایک حدیث اور مشائخ کے چند اقوال پیش نظر کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ علماء کی ہم نشینی عبادت ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنی امت کے فقراء کی صحبت میں رہیں اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے آپ کی امت میں ایسے لوگوں کو پیدا

کیا کہ ان کی صحبت اختیار کرنے کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا۔

۲۔حضرت بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا ''بِمَ وَجَدْتَّ مَا وَجَدْتَّ'' (یعنی آپ نے جو کچھ پایا کیسے پایا) فرمایا ''بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَزَّوَجَل ''[1] (یعنی اللہ تعالیٰ کی صحبت میں باادب رہنے سے پایا) (اولیائے کرام کی اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں جن کو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں)۔

۳۔ابوبکر طمستانیؒ نے فرمایا کہ اللہ کی صحبت حاصل کرو اور اگر یہ نہ کر سکو تو اس شخص کی صحبت اختیار کرو جسے اللہ کی صحبت حاصل ہے تاکہ اس کی برکت سے تم اللہ عزوجل کی صحبت تک پہنچ سکو۔

۴۔بشر بن الحارثؒ فرماتے ہیں کہ بروں کی صحبت سے نیکوں کے متعلق سوءِ ظن پیدا ہوتا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ بندۂ مومن کی ذات سے ایک ڈور انکل کر اللہ کی عطا سے جاملتا ہے اور اہل حجاب (یعنی دنیادار اور سلاطین) کی صحبت میں نہ رہنے سے یہ ڈورا مضبوط ہو جاتا ہے ورنہ وہ کمزور ہو کر منقطع ہو جاتا ہے۔

۵۔حضرت عبیداللہ احرارؒ کا قول ہے ''اے خداوند وہ کیا چیز ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کی ہے کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا اس نے تجھے پا لیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کی شناخت بھی نہ کر سکا''۔ (مکتوبات ربانی دفتر اوّل حصہ سوم ص ۵۸)

۶۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے صحبت اولیاء کے متعلق بہت طویل تحریریں پیش کی ہیں جو کہ ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' میں بیان ہو چکی ہیں۔

آپؒ کے چند جملے تبرکاً یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔فرماتے ہیں "اس طریقہ (روحانیت) میں استفادہ کا دارومدار صحبت پر ہے اور صحابہ کرام ﷺ صحبت کی وجہ سے ہی اولیائے امت سے افضل ہیں۔فرماتے ہیں کہ جس نے اولیاء کے ظاہر پر نظر کی وہ نامراد ہوا اور گھاٹے میں پڑا اور جس نے ان کے باطن پر نگاہ رکھی وہ کامیاب ہوا۔کامل بنانے والے شیخ کی صحبت کبریت احمر (سرخ گندھک) کی طرح ہے۔ان کی نظر دوا اور باتیں شفا ہیں۔ان کے بغیر تو خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔(مکتوبات دفتر اوّل حصہ اوّل)

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۸۔

۷۔حضرت مولانائے رومؒ اگر غور سے دیکھا جائے تو پوری مثنوی مولانا روم صرف اسی ایک نقطے کے گرد گھومتی ہے کہ اگر کوئی علم طریقت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ کسی پیر و مرشد کے ذریعے اکتساب فیض کرے۔ چونکہ اس موضوع پر مولاناؒ کا کلام بہت طویل ہے اس لئے ''اسلام اور روحانیت اور فکر اقبالؒ '' کے موضوع پر لکھی گئی ہماری تصنیف اس کلام کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔ یہاں پر مولانا کے چند ایک نکات ہی بیان کئے جائیں گے۔

مولانا رومیؒ کے وہ اشعار تو بہت مشہور ہیں جن میں آپؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خدا کی ہم نشینی اختیار کرنا چاہتا ہے اسے کہو کہ وہ اولیائے کرامؒ کی ہم نشینی اختیار کرے۔ اولیائے کرامؒ کی چند لمحات کی صحبت سالہا سال کی بے ریا عبادت سے افضل ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ اولیائے کرامؒ تو اپنے وقت کے اسرافیل علیہ السلام ہیں جو مردہ دلوں میں جان ڈال دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرامؒ کے دل میں ایک مسجد ہے جو جملہ مخلوق کی سجدہ گاہ ہے اور اسی میں خدا بھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرامؒ اللہ تعالیٰ کے اہل اور آل کی طرح ہیں جس نے ان کو تنگ کیا اس نے خدا سے جنگ کی۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح ہلیلہ ایک کڑوا پھل ہے مگر جب اس کا شکر کے ساتھ مربہ ڈالا جائے تو اس کی صحبت میں ہلیلہ اپنا ذائقہ تبدیل کر کے لب دوز مٹھائی بن جاتا ہے اسی طرح نیک لوگوں کی صحبت میں آنے والے لوگ اپنی سیرت کو نیکی میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ اگر چہ کسی کے اعمال برگزیدہ ہوں اور اسے کسی بزرگ کی صحبت میسر نہ ہو تو اسے فقر کا کوئی بلند مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ مزید تفصیل کے لئے مثنوی کا مطالعہ کیا جائے یا ہماری مذکورہ کتاب ''اسلام اور روحانیت و فکر اقبالؒ '' کی طرف رجوع فرمائیں۔

علامہ اقبالؒ اور فلسفۂ صحبت

مولانا رومیؒ کو علامہ اقبالؒ نے مرشد رومی کا نام دیا ہے۔ جس سے آپؒ کی مراد یہ نہیں کہ مولانا علامہؒ کے ہی مرشد تھے بلکہ آپ نے مولانا کو تمام آنے والے اہل طریقت کا مرشد تصور کیا ہے۔ آپ کا بہت سا کلام ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت و فکر اقبالؒ '' میں شامل کر دیا گیا ہے اور فقط ''فقر اور درویشی'' کے عنوان سے تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل مضامین کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اس قدر تفصیلی مضامین کی موجودگی میں اس کتاب میں اس موضوع پر حاشیہ آرائی کرنا ایسے ہی ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔

علامہ اقبالؒ اس بات کے قائل تھے کہ درویشوں کی رفاقت نایاب گوہر کی طرح ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص مقاماتِ طریقت سے آشنائی حاصل نہیں کر سکتا۔ فرماتے ہیں ''نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں'' علامہ اقبالؒ اپنی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے بہت سے صوفیوں سے اختلاف بھی رکھتے ہیں اور بعض نکات کو اپنے فلسفیانہ رنگ سے ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً ''رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے'' اور فنا کے مقام میں وہ سمندر میں فنا ہونے کے قائل نہیں کیونکہ اس میں ان کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی ہستی کے کوزے میں رہتے ہوئے سمندر کی سی صلاحیتوں کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فلسفہ خودی، فلسفہ تخلیق بلکہ بہت سے نازک مسائل پر اپنا نکتہ نظر پیش کیا ہے جسے ہم اپنی بہت سی کتب (مثلاً ''بیعت کی تشکیل اور تربیت، رابطہ شیخ، حضور قلب، حسن نماز، اسلام اور روحانیت دفکر اقبالؒ'' وغیرہ) میں پیش کر چکے ہیں جس کے بعد مزید لکھنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

صحبت، علم اور عبادت دونوں سے زیادہ مؤثر ہے

سیرت سازی اور روحانی ترقی کا ایک موثر ذریعہ اپنے سے بلند تر انسانوں کی صحبت میں رہنا ہے۔ نہ تو کتابوں کا مطالعہ انسانوں کو عالم باعمل بنا سکتا ہے اور نہ ہی واعظوں کا وعظ۔ بعض اوقات عمر بھر کی ظاہری عبادت بر بنائے عادت (خواہ وہ ریا سے پاک ہو) وہ نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی جو کسی اہل دل کی صحبت میں ایک لمحہ میں پیدا ہوتا ہے۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(۱۰۱:۱)

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ صحبت بڑا موثر عامل ہے۔ صالح کی صحبت انسان کو صالح اور طالع کی صحبت اس کو بدبخت بنا دیتی ہے۔ اگر زندگی کو مستنیر اور ترقی پذیر بنانا چاہتے ہو تو پاکیزہ سیرت والے انسانوں کی صحبت سے فیض حاصل کرو۔ دیکھتے نہیں کہ روٹی انسان کا جزو یا حصہ بن کر انسان بن جاتی ہے۔ اس طرح بے جان چیز میں جان پڑ جاتی ہے۔ ایندھن جیسی ناروا اور مردار چیز کو جب آگ کی صحبت نصیب ہوتی ہے تو اس کی تیرگی انوار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ هر چیز که در کان نمک رفت نمک شد ایک مردہ گدھا بھی اگر نمک کی کان میں مدفون ہو جائے تو وہ ایک عرصہ کے بعد سراپا نمک بن جاتا ہے۔

نان مرده چوں حریف جاں شود زنده گردد نان و عین آں شود

(۱۳۴۲:۲)

(مردہ نان جب روح کا ساتھی بن جاتا ہے تو انسان کے جسم کی عین بن کر زندہ ہو جاتی ہے)

هیزم تیره حریف نار شد تیرگی رفت و همه انوار شد
(۱۳۴۳:۲)

(تاریک لکڑی جب آگ کی حریف بن گئی تو اس کی تاریکی دور ہوگئی اور وہ نور بن گئی)

در نمکسار او خر مرده فتاد آں خری و مردگی یکسو نهاد
(۱۳۴۴:۲)

(نمک کی کان میں مردہ گدھا اگر گیا (تو کچھ دیر بعد) اس نے گدھاپن اور مردار پن کو الگ کر دیا)

نیک صحبت کے باعث انسان بدی سے بچ جاتا ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ ''کشف المحجوب''میں حضرت حسن بصریؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔

اِنَّ صُحْبَةَ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ الظَّنَّ بِالْاَخْيَارِ

(جو بد بختوں کی صحبت میں رہے گا وہ نیکوں کی جماعت سے بدظن ہو جائے گا)۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ طریقت لوگوں کو گمراہ طبقے کے اثرات سے نکال دیتا ہے اور پھر نیکی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

شیخ نورانی زراه آگاه کند باسخن هم نوررا ها همره کند
(۲۴۸۳:۵)

(اللہ والے نورانی لوگ اللہ کے راستے سے آگاہ کرتے ہیں، اللہ والے اپنے الفاظ کیساتھ اپنے نور کو بھی ہمراہ کر دیتے ہیں)

از حدیثِ شیخ جمعیت رسد تفرقه آرد دم اهلِ جسد
(۳۶۹۹:۲)

(اللہ والوں کی باتیں دل کو سکون عطا کرتی ہیں اور اہل ظاہر کی باتیں دل میں انتشار پیدا کرتی ہیں)

چوں که دست خود بدست او دهی پس زدست آکلاں بیروں جهی
(۷۳۹:۵)

(جب بھی تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے گا تو تو گمراہ کرنے والے گروہ سے باہر چلا جائے گا)۔

مولانائے رومؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی کسی مرشد کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو خواہ وہ سخت پتھر ہو یا سنگ خارا ہو اس کو مرشد کامل ہیرا بنا دیتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ نیک آدمی بری چیز کو بھی کندن بنا دیتا ہے اور برا آدمی اچھی چیز کو جب پکڑتا ہے تو اسے خرابی سے ہمکنار کر دیتا ہے

اس لئے نیک لوگوں کی صحبت میں آجاؤ۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ لوہا جس کی صفت میں تاریکی ہے جب آگ کی صحبت میں آتا ہے تو اس میں بھی آگ کے خواص پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ زبانِ حال سے کہتا ہے کہ میں بھی آگ ہوں آگ اور اگر تمہیں شک ہے تو ہاتھ لگا کر دیکھ لو۔ دیکھئے ہماری تصنیف ''حسن نماز'' کا صفحہ ۵۷۶ بعنوان ''خدا کے رنگ میں رنگے جانا عبادت ہے''۔

ایک حدیث میں آیا ہے ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ''[1] کہ اللہ کے اخلاق کو اپناؤ۔ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ اللہ کے رنگ میں رنگے جاؤ جس طرح لوہا آگ کی سنگت اختیار کر کے آگ کی صفت اپنا لیتا ہے اسی طرح اللہ کا قرب حاصل کر کے اللہ کے اخلاق کو اپناؤ۔ اولیائے کرام لوگوں کو اللہ کے اخلاق میں رنگنے کے کام کے رنگ ساز ہیں۔

انسان کبھی صحبت میں ایسی باتیں سیکھتا ہے جن کا عمر بھر پانا ممکن نہیں

صحبت ایک ایسی چیز ہے جو کتابوں میں نہیں ملتی۔ بعض اوقات چند اشاروں میں بڑے بڑے مسائل حل کر دیئے جاتے ہیں۔ ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ حضرت قاسم گرگانیؒ کے پاس کئی میلوں کی مسافت طے کر کے گئے اور جب ان کی مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت قاسمؒ مسجد کے ستون کو مخاطب کر کے وہی مسئلہ ستون کو بیان کر رہے تھے۔ آپ ان کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنے مسئلے کا حل جب سن چکے تو حضرت قاسمؒ پیچھے مڑ کر کہنے لگے کہ اس ستون نے یہ مسئلہ مجھ سے دریافت کیا تھا تو اس لئے یہ مسئلہ میں نے اسے بیان کر دیا ہے (یہ وہی مسئلہ تھا جو وہ بزرگؒ ان سے پوچھنے اور سمجھنے کے لئے آئے تھے)۔

منقول ہے کہ سائیں عنایتؒ ایک دن دھان کی پنیری کھیتوں میں لگا رہے تھے کہ اتنے میں حضرت بلھے شاہؒ بھی تشریف لائے۔ سائیں عنایتؒ نے پنیری کے ایک پودے کو اکھاڑ کر دوسری جگہ لگایا اور فرمایا ''بلھیا! دل دا کی سمجھاونا، ایتھوں پٹیا ایتھے لاونا'' یعنی دل کی بات کیا سمجھائی جائے، اسے ایک جگہ سے ہٹایا جاتا ہے اور دوسری جگہ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ جملہ کہتے ہی حضرت بلھے شاہؒ کے دل کی کیفیت بالکل بدل گئی۔ ایک اشارے میں انسان کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے اشاروں سے کیا کچھ نہیں ہو گیا۔ آپ ﷺ کی امت کے لوگ بھی اسی طرح کیا سے کیا ہو گئے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اسلام کے قبول کرنے

---

[1] التفسیر کبیر، جلد ۷، صفحہ ۶۰۔

سے پہلے چند اونٹوں کو بھی جنگل میں سنبھال نہ سکتا تھا اور اس بات پر میرے والد اکثر ناراض ہوتے تھے، مگر جب آپ صحبتِ مصطفےٰ ﷺ میں آئے تو وسیع اور عریض سلطنتِ اسلامیہ میں کسی بکری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ کسی دوسرے کے کھیت میں منہ ڈال سکے۔ آپ ؓ کی ہیبت سے سلطنت روم کے وزیر اور سفیر تھر تھر کانپتے تھے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر ابو جہل اسلام قبول کر لیتا تو معلوم نہیں کتنا بڑا مرتبہ حاصل کر لیتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو اللہ والوں کو تسلیم نہیں کرتے وہ کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔ تصوف کا پورے کا پورا کام صحبت پر ہی مدار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف میں بیعت کرنا ایک ضروری امر تصور کیا جاتا ہے۔

صحبت میں نفس کی تربیت ہے

مولانائے رومؒ نے لکھا ہے کہ نفس کو پیر کی صحبت کے بغیر نہیں دبایا جا سکتا اور فرماتے ہیں کہ ایسے مرشد کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اس موضوع پر راقم الحروف نے اپنی تصنیف ''تہذیبِ نفس'' میں ایک مکمل باب شامل کیا ہے۔ اس جگہ مختصر بیان بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

نفس نہ کشد بغیر از ظل پیر دامن آں نفس کش محکم بگیر

(نفس پیر کے سائے کے بغیر نہیں مرتا۔ اس نفس کو مارنے والے پیر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو)

نفس کی اصلاح اسی حالت میں ممکن ہے اگر مرید کے دل میں پیر کا احترام مضبوط ہو اور پیر کے ساتھ محبت اور لگاؤ موجود ہو ورنہ کئی مرید ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ بیعت بھی کر لیتے ہیں اور نفسانی خواہشات میں بھی لٹکے رہتے ہیں۔ ''تہذیبِ نفس'' پر راقم الحروف نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ جو لوگ اصلاح نفس کے لئے فکر مند ہوں اور اس طرف کوشاں بھی رہیں تو پھر کہیں جا کر مراد حاصل ہوتی ہے۔

راقم الحروف اپنے دل کی کیفیت بیان کرتا ہے کہ وہ حضرت نافع ؓ کی درج ذیل روایت کا مطالعہ کرنے کے بعد بہت متاثر ہوا ہے۔ حضرت نافع ؓ نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے اصلاح نفس کیلئے بہت بڑا سبق حاصل کیا۔ اس میں بڑی بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے خود عملاً ایسا سبق پیش کیا جو حضرت نافع ؓ پر فوراً نافذ ہو گیا۔ نصیحت اسی وقت ہی کارگر ہوتی ہے جب اس کا اثر گولی کی طرح سینے میں اتر جائے۔

''کشف المحجوب'' میں منقول ہے کہ حضرت نافع ؓ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی صحبت میں کچھ دیر رہے اور ایک نہایت پیاری حدیث اپنی زبانی پیش کی۔ اس روایت میں حضرت مخدوم علی الہجویریؒ

نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مچھلی کی خواہش ہوئی اور حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے شہر میں مچھلی کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔ فرماتے ہیں کہ چندروز بعد مجھے مچھلی ملی اور میں نے پکوا کر ان کی خدمت میں پیش کی اور میں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس مچھلی کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے مگر اچانک ایک فقیر نے دروازے پر آواز دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ مچھلی اس کو دے دو۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بہت مشکل سے تو یہ مچھلی میسر ہوئی ہے، آپ تناول فرمائیں۔ فقیر کو کچھ اور چیز دی جاسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے غلام! یہ مچھلی اب مجھ پر حرام ہوگئی ہے کیونکہ ایک حدیث کے مطابق میں نے اس مچھلی کو دل کی خواہش سے باہر کردیا ہے۔[۱] وہ حدیث یہ ہے

اَیُّمَا اِمْرَءٍ یَشْتَھِیْ شَھْوَۃً فَرَدَّ شَھْوَتَہٗ وَ آثَرَ الْاٰخِرَۃَ عَلٰی نَفْسِہٖ غُفِرَلَہٗ [۲]

(جو انسان کسی چیز کی خواہش کرے پھر اس چیز سے دستبردار ہو جائے اور آخرت کو نفس کی خواہش پر ترجیح دے تو لامحالہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا)۔

سفر میں آدابِ صحبت کا مقام

حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ جب درویش کسی جگہ اقامت اختیار کرے اور جو اس کے پاس مسافر آئے تو وہ ان کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے جس طرح ابراہیم علیہ السلام پیش آتے تھے۔ مہمانوں کی تواضع کرے اور ان کا آنا جانا حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھے۔ قیام کرنا ہو تو ان کو ایسی جگہ مہیا کرے جو انہیں پسند ہو۔ حضرت ابراہیم خواصؒ سے کسی نے سفر کے احوال کے متعلق سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ خضر علیہ السلام نے مجھ سے مصاحبت چاہی تو میں نے انکار کردیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ حق تعالیٰ کے سوا میرے دل میں کسی اور کی قدر و عظمت ہو۔

آدابِ قیام میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی مقیم مہمان کو کسی دنیاوی غرض سے مقامی بڑے لوگوں کے گھر میں لے کر نہ جائے اور اگر دیکھے کہ کوئی درویش پاؤں پھیلائے رہتا ہے تو چندروز اسے رکھ کر اس کی ضرورت پوری کرکے رخصت کردے۔ روایت ہے کہ ایک دن حضرت جنیدؒ اپنے اصحاب کے ساتھ ریاضت کے لئے بیٹھے تھے کہ ایک مسافر آیا۔ اس کی مہمانداری میں انہوں نے تکلف کیا اور کھانا لائے۔ اس نے کہا کہ اس کے علاوہ مجھے فلاں چیز درکار ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا تجھے بازار جانا چاہیے تو بازاری آدمی ہے صاحب مسجد و حجرہ نہیں۔

---

[۱] کشف المحجوب، صفحہ ۳۷۵۔ [۲] کنز العمال، حدیث نمبر ۴۳۱۱۲، جلد ۱۵، صفحہ ۱۲۰۳۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم ابن المعلاؒ کی زیارت کے لئے رملہ کے ایک گاؤں میں گئے۔ہم تین شخص تھے تو ہم نے اپنے دل میں کچھ نہ کچھ بات سوچ لی تا کہ وہ ہمیں ہمارے باطن سے مطلع فرمائیں۔فرماتے ہیں میں نے دل میں سوچا کہ مناجات ابن حسین کے کچھ شعر ان سے سنوں دوسرے نے کہا میرا مرض طحال درست ہو جائے،تیسرے نے کہا کہ مجھے حلوہ صابونی ان سے کھانا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم گئے تو انہوں نے ایک جزو کاغذ جس پر مناجات مطلوبہ لکھی تھیں میرے سامنے رکھ دیا۔ دوسرے پر آپ نے ہاتھ پھیرا تو طحال کا مرض اس سے جاتا رہا۔تیسرے کو کہا کہ حلوہ صابونی سپاہیوں کی غذا ہے اور تو اولیاء کا لباس رکھتا ہے۔تمہارے لئے یہ مطالبہ درست نہیں دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرو[۱] (یعنی یا تو اولیاءؒ کے لباس کا احترام کرو یا بازاری سپاہی بن جاؤ)۔

آداب صحبت سفر کے باب میں ''کشف المحجوب'' میں یہ روایت ملتی ہے ایک مرتبہ شیخ ابوالفارسؒ،ابو سعید ابوالخیرؒ نامی ایک بزرگ کی زیارت کے لئے گئے تو فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا (ابوسعیدؒ) ایک تخت پر چاروں طرف تکیہ لگائے اور پیروں کے نیچے علیحدہ تکیہ رکھے آرام فرما رہے ہیں اور ایک مصری چادر اپنے اوپر اوڑھ کر محو خواب ہیں۔ابوالفارسؒ لکھتے ہیں کہ میں ایک میلی کمبلی مثل چرمگاؤ (چمڑے) اپنے اوپر اوڑھے ہوئے تھا جو سفر کی وجہ سے گرد آلود تھی اور ریاضت و مجاہدہ سے میرا رنگ زرد ہو چکا تھا۔میں ان کا (ابوسعید ابوالخیرؒ) یہ مال و منال اور جاہ و جلال دیکھ کر اپنے دل میں بد اعتقاد ہوا۔میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں بھی ایک درویش ہوں اور یہ بھی ایک درویش ہیں جو اس قدر آرام میں سوئے ہوئے ہیں جبکہ میں اس قدر ریاضت کی حالت میں ہوں۔

ابوالفارسؒ کہتے ہیں کہ ابوسعید ابوالخیرؒ جب بیدار ہوئے تو میرے باطن سے واقف ہوئے اور میرے غرور اور بد دلی کو دیکھا۔مجھ سے فرمانے لگے ''اے ابومسلم! تم نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ مغرور آدمی درویش ہوتا ہے۔'' حضرت ابوسعیدؒ نے فرمایا کہ میں نے تمام کائنات میں حق ہی حق کو دیکھا تو حق تعالیٰ نے مجھے تخت نشین کیا مگر تو نے صرف اپنے آپ کو دیکھا۔اللہ تعالیٰ نے تجھے نیچے رکھا (مجاہدہ میں)۔ہمارے حصے میں مشاہدہ آیا اور تیرے حصے میں مجاہدہ۔فرمایا یہ دونوں مقامات حق تعالیٰ سے ہیں اور حق تعالیٰ اس سے

---

[۱] کشف المحجوب، صفحہ ۵۰۸۔

پاک ہے اور درویش مقامات سے فانی اور حالات سے بچا ہوا ہوتا ہے (یعنی وہ دل میں ایسی باتیں نہیں لاتا) کہ میں نے کتنا مجاہدہ کیا ہے۔ شیخ ابو مسلمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سعیدؒ کی یہ بات سن کر میرے ہوش جاتے رہے اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ جب ہوش آیا تو میں نے توبہ کی۔ انہوں نے توبہ قبول فرمائی۔ پھر میں نے عرض کیا اے شیخ! مجھے اجازت دیں کہ میں چلا جاؤں کیونکہ مجھ میں آپ کی زیارت کی تاب نہیں۔ فرمایا اے ابو مسلم! تو سچ کہتا ہے پھر آپ نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے ''جس کی خبر میرے کان نہ سن سکیں۔ وہ میری آنکھوں نے ظاہراً دیکھ لیا''۔[1]

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ درویش کو چاہیے کہ جب کسی مقیم کے پاس جائے تو سنت رسول ﷺ کے مطابق جائے اور کسی کے حال پر اعتراض نہ کرے۔ اس کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ نے آدابِ صحبت برائے سفر و حضر، کھانے پینے کے آداب، چلنے پھرنے کے آداب، سونے کے آداب، بولنے اور چپ رہنے کے آداب، سوال اور ترک سوال کے آداب، آداب نکاح و تجرد وغیرہ کو بہت اچھی خاصی تشریح کے ساتھ لکھا ہے۔ شائقین حضرات ''کشف المحجوب'' کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں دس سال گزارے ہیں، خدا کی قسم آپ ﷺ نے کبھی اف نہ فرمایا اور جو کام میں نے کیا کبھی مجھے یہ نہ فرمایا کہ یہ کام تو نے کیوں کیا اور جو کام میں نے نہ کیا کبھی نہ فرمایا فلاں کام تو نے کیوں نہیں کیا۔[2]

صحبت جنید ادب کی ایک سند تھی

حضرت جنیدؒ کی صحبت نہایت خاموشی اور ادب کی صحبت تھی جس شخص کو بھی تھوڑی دیر کے لئے یہ صحبت نصیب ہوتی وہ ہمیشہ اس صحبت پر فخر کرتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت رویمؒ کو خلیفہ بغداد نے ایک گفتگو کے دوران بے ادب کہہ دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے حضرت جنیدؒ کی آدھے دن کے لئے صحبت نصیب ہوئی تو پھر میں کیسے بے ادب ہو سکتا ہوں۔ کہتے ہیں جس شخص کو آپؒ کی مجلس میں فقط ایک مرتبہ حاضری کا شرف نصیب ہو جاتا تو اسے گویا حسن ادب کی سند مل جاتی اور وہ اس صحبت کی فیضیابی پر عمر بھر نازاں رہتا۔ بقول حافظ شیرازیؒ ؎

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۸۴۔ [2] صحیح بخاری، حدیث ۵۶۹۱، جلد ۵، صفحہ ۲۲۴۵۔

آنا نکه خاك را به نظر کیمیا کنند　　آیا بود که گوشه چشمے بما کنند

(جو خاک کو نظر سے کیمیا کر دیتے ہیں، کاش! ایک گوشہ چشم ہماری طرف بھی کر دیں)

''کشف المحجوب'' میں ہے کہ مشائخ میں سے کسی ایک سے لوگوں نے پوچھا کہ شرط ادب کیا ہے تو انہوں نے ایک جملہ میں جواب فرمایا کہ جب تو بات کرے تو تیرا کلام صادق ہو، اگر معاملہ کرے تو معاملہ حق ہو اور جب تو خاموش رہے تو خاموشی حق پر ہو۔

''صاحب کشف المحجوب'' لکھتے ہیں کہ لوگ ادب میں تین قسم پر ہیں۔ ایک اہل دنیا کا ادب کہ ان کے نزدیک ادب، فصاحت و بلاغت، حفظ علوم، موثر اسلوب بیان اور اشعار عرب کا نام ہے۔ دوسرے اہل دین ہیں کہ ان کے نزدیک ادب نفس کی ریاضت اور اعضاء کی تادیب، حدود اللہ کی نگہداشت اور ترکِ شہوات ہے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں کہ جن کے نزدیک دل کا پاک رکھنا، اسرار کی رعایت کرنا، ایفائے عہد، وقت کی قدر دانی، پراگندہ خیالات سے روگردانی، نیک امور کی طلب، دل میں موافقت اور مقامِ قرب میں مؤدّب رہنا اور حضوری کے موقع پر نیک عمل کرنا ادب کہلاتا ہے۔

حضرت جنیدؒ پر جب یہ بات کھلی کہ کلام تو وہ ہے جو دل سے ہو تو آپؒ نے فرمایا کہ میں نے تیس سال کی نمازوں کی قضاء ادا کی۔ پھر آپ کا یہ حال تھا کہ جب نماز میں دنیا کا خیال آجاتا تو نماز دوبارہ پڑھتے اور آخرت کا خیال آتا تو سجدہ سہو کرتے۔

حضرت جنیدؒ اہلِ سکر کو اپنی صحبت میں قبول نہیں کرتے تھے

''کشف المحجوب'' میں بہت سے ایسے اشارات ملتے ہیں جن میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے حضرت جنیدؒ کی عباداتِ صحو کو سکر کے مقابلے میں بہتر اور افضل تصور کیا ہے۔ یہاں ایک ایسا واقعہ ''کشف المحجوب'' سے بیان کیا جا رہا ہے جس میں آپؒ نے حسین بن منصور حلاجؒ کو اپنی صحبت میں رکھنے سے گریز فرمایا ہے کیونکہ ابن منصور کی طبیعت (حالت) سکر کی طرف مائل تھی۔

حکایات میں ملتا ہے کہ جب حضرت حسین بن منصور حلاجؒ اپنے غلبہ حال یعنی حالت سکر میں عمرو بن عثمان سے بیزار ہو کر حضرت جنیدؒ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کس لئے آئے ہو؟ عرض کی فیض صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے آیا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا ہمارے یہاں دیوانوں کے لئے صحبت

میسر نہیں ہوسکتی۔ صحبت کے لئے صحت حال (یعنی صحو) کی ضرورت ہے اگر تم سکر کی آفتوں میں رہ کر ہماری صحبت میں رہو گے تو ایسا کرو گے جیسے تم نے سہل بن عبداللہ تستریؒ اور عمرو بن عثمانؒ کے ساتھ کیا۔

حسین بن منصور بولے ''اَیُّهَا الشَّیۡخُ اَلصَّحۡوُ وَالسُّکۡرُ صِفَتَانِ لِلۡعَبۡدِ وَمَادَامَ الۡعَبۡدُ مَحۡجُوۡبًا عَنۡ رَّبِّهٖ حَتّٰی فَنٰی اَوۡصَافُهٗ'' (یعنی حضور صحو و سکر بندہ کی دو صفتیں ہیں جب تک بندہ میں یہ صفتیں باقی ہیں تو بندہ اپنے رب سے محجوب رہتا ہے اور جب اوصاف عبد فنا ہو گئے (تو مشاہدہ جمال حاصل ہو گیا)۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا ابن منصور ''اَخۡطَاۡتَ فِی الصَّحۡوِ وُالسُّکۡرِ''[1] (اے ابن منصور تم سکر اور صحو کو جاننے میں غلطی پر ہو) تمام محققین صوفیاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا صحیح ہونا صحو کے ساتھ ہے اور اسی تعلق کو صحو کہتے ہیں لیکن شوق کی زیادتی اور محبت کی انتہا کو سکر کہتے ہیں اور یہ دونوں معنے مخلوق کی صفت اکتساب کے نیچے نہیں آسکتے۔ اس کے علاوہ اے ابن منصور! ہمیں تمہارے کلام میں بہت سی فضول اور بے مقصد عبارات نظر آتی ہیں اور تمہاری یہ عبارات بے معنی ہیں۔ مذکورہ روایات سے اس بات کی تحقیق ہوتی ہے کہ حضرت جنیدؒ اپنے کلام میں نہایت محتاط تھے اور آپ کی مجلسیں ادب کا بہترین نمونہ تھیں۔

حضرت جنیدؒ کی مجلس میں غلبہ حال اور بے قراری کی اجازت نہ تھی

حضرت جنیدؒ کی مجلس میں پاس ادب کی وجہ سے کوئی اونچی آواز سے بولنے کی جسارت نہ کرسکتا تھا۔ آپؒ کے اصحاب میں سے ابوبکر شبلیؒ نے ایک روز خاموش مجلس میں غلبہ حال کے تحت اونچی آواز سے کہہ دیا ''اللہ جل جلالہ'' حضرت جنیدؒ نے اس سے پوچھا کہ تم نے لفظ اللہ اونچی آواز سے کیوں کہا؟ کیا اللہ تعالیٰ تم سے غائب ہے جو تم نے اس کو بلند آواز سے پکارا جبکہ غائب کا ذکر کرنا غیبت ہے۔ فرمایا! اگر اللہ تعالیٰ حاضر ہے تو حاضر کے سامنے اس کا نام لینا بے ادبی ہے۔ فرمایا خبردار! اگر آئندہ ایسی حرکت کی تو مجلس سے باہر نکال دونگا۔ آپؒ نے پوری زندگی احتیاط اور ہوشمندی کے ساتھ بسر کی۔ آپؒ جذب و جوش اور غلبہ حال کے قائل نہ تھے۔

حضرت ابوحفص حدادؒ (جو جنیدؒ کے ہم عصر تھے) اپنے مریدوں کو بہت باادب ہونے کا حکم دیتے تھے یہاں تک کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مریدوں کے آداب، شاہی آداب سے بڑھ کر ہیں۔ ایک روز حضرت

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۸۹۔

جنیدؒ نے آپؒ سے ان شاہی آداب کے متعلق سوال کیا کہ آپ اپنے مریدوں کو شاہی دربار کے آداب واطوار کیوں سکھاتے ہیں۔فرمایا کہ دراصل آدابِ شاہی آداب کا درجہ نہیں رکھتے اور مجھے شاہی رعب اور ادب کی حاجت نہیں مگر تم یہ بات ذہن نشین کرلو کہ ظاہری حسنِ ادب باطنی حسنِ ادب کا عنوان ہوتا ہے۔جس شخص کو اس ظاہری دنیا میں ادب کی تعلیم نہیں ملی وہ روحانی دنیا میں بھی آداب کے لوازمات کو بجا نہ لا سکے گا۔حضرت جنیدؒ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت جنیدؒ اس قدر محتاط صوفی تھے کہ زندگی بھر خرقہ نہیں پہنا اور نہ ہی وہ عام صوفیوں کی طرح خاص لباس یا لبادہ اوڑھتے تھے۔آپؒ اپنی مجالس میں صرف ان امور پر گفتگو کرتے جن تک عام انسانی دماغ کی رسائی ہوتی۔فرماتے یہی سیدھی سادی باتیں مخلوق خدا کے لئے مفید ہیں۔اسرار الٰہی کا ذکر کر کے ان کے ذہنوں کو الجھنوں کا شکار نہ بنایا جائے۔آپ سماع کی مجالس میں بھی جذب ومستی اور بے قراری کا مظاہرہ نہ فرماتے۔ایک بار شعر کو سن کر ایک شخص نے چیخ ماری مگر وہ ہوش میں نہ تھا۔جب دوسری بار اس نے چیخ ماری تو آپؒ نے فرمایا ''تم ہماری صحبت کے قابل نہیں،اس لئے ہماری مجلس سے چلے جاؤ''۔ایک دن حضرت مسروقؒ قوالوں کے ایک شعر پر اٹھ کھڑے ہوئے مگر جنیدؒ پہاڑ کی طرح قائم رہے۔بعد میں حضرت مسروقؒ نے پوچھا کہ آپ کو قوالی پسند نہیں آئی کیونکہ آپ پر حال وارد نہیں ہوا۔آپؒ نے جواباً یہ آیت پڑھی ''وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ'' (اور تم نے دیکھا پہاڑوں کو تو گمان کیا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں) (النمل:۸۸)

اگر کوئی شخص آپ کی مجلس میں بیٹھنے والوں پر اعتراض کرتا تو آپ ان کی مدافعت کرتے

ایک شخص نے حضرت جنیدؒ سے کہا کہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے صوفی دعوت میں جائیں تو بہت زیادہ کھاتے ہیں۔فرمایا کہ اگر کوئی چار دن کا بھوکا ہو تو ایسا ہی کرے گا۔پوچھا صوفیوں پر شہوانی غلبہ کیوں نہیں ہوتا۔فرمایا کہ میرے ساتھی لقمہ حلال کھاتے ہیں اس لئے حیوانیت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کے صوفیوں پر قرآن سن کر وجد طاری کیوں نہیں ہوتا حالانکہ اشعار سن کر وہ وجد میں آجاتے ہیں۔فرمایا قرآن میں وجد والی بات ہی کیا ہے۔قرآن حق ہے اور ذات برحق کی طرف سے نازل ہوا ہے جس میں مخلوق

والی کوئی صفت نہیں جس سے وجد آئے۔ فرمایا اشعار تو مخلوق کی بنائی ہوئی چیز ہے اور محبت کرنے والے کا کلام ہے اس لئے حال کی کیفیت وارد ہو جاتی ہے۔ ایک سوال یہ ہوا کہ اگر آپ کے صوفی اللہ والے ہیں تو پھر ان کو وہ چیزیں کیوں نہیں ملتیں جو دنیا داروں کے پاس ہیں۔ فرمایا کہ سامان دنیا سے محرومی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے خاص بندے خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

روایات میں ہے کہ ایک کور ذوق اور بے علم انسان حضرت جنیدؒ کی مجلس میں شب بیداری کے لئے آیا۔ آپؒ نے اسے ایک چادر دی اور کہا کہ اس کو بیچ کر کھاؤ پیو مگر رات کو ادھر کا رخ نہ کرنا۔ فرمایا میں نے آج کی رات کو غیروں کی صحبت سے بچالیا۔

حضرت جنیدؒ کے آدابِ صحبت

مرید کے لئے سب سے بہترین چیز صحبت ہے، وہ مرشد کی صحبت کے بغیر سلوک کی راہ کو آسانی سے طے نہیں کر سکتا۔ اس لئے آداب صحبت کا سیکھنا ضروری ہے۔ بلا صحبت مرید کا تنہا رہنا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ شیطان تنہا آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور دو آدمی جہاں ہوں ان سے شیطان دور رہتا ہے۔[1]

''کشف المحجوب'' میں حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک مرید کا واقعہ کافی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یوں ہے کہ حضرت جنیدؒ کے ایک مرید کے دل میں مرتبہ کمال پر پہنچنے کا خیال سما گیا اور وہ آپؒ کی مجلس سے دور رہ کر تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگ گیا۔ رات کو کچھ لوگ آتے جو اسے جنت اور دوسرے اعلیٰ مقامات کی سیر کے لئے لے جاتے۔ اس نے اپنی ان کرامات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ حضرت جنیدؒ کو بھی یہ خبر پہنچی چنانچہ حضرت جنیدؒ اس کے گھر پر گئے اور اسے سمجھایا کہ اس کی سیر کا معاملہ شیطانی دھوکہ بازی کے سوا کچھ نہیں۔ آئندہ جب وہ ایسے مقامات پر پہنچے تو وہاں تین مرتبہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ'' پڑھ لے۔ مرید کو حضرت کی بات کا یقین نہ تھا لیکن دوسرے روز تجربہ کے طور پر اس نے تین بار ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' پڑھا تو اس کو سیر کرانے والا گروہ غائب ہو گیا اور اس نے خود کو ایک گندگی کے ڈھیر پر پایا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ مرید کے لئے تنہائی سے زیادہ کوئی آفت

[1] سنن الترمذی، حدیث نمبر ۲۱۶۵، جلد ۴، صفحہ ۴۶۵۔

نہیں اور صحبت مشائخ میں جب وہ بیٹھے تو ان کے درجے کے مطابق ان کی عزت بجالائے۔ مختلف مشائخ نے صحبت کے متعلق کچھ اشارات پیش کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ نیچے دیا جارہا ہے۔

آدابِ صحبت

آدابِ صحبت میں درج ذیل نکات کا خیال رکھنا صوفیہ کے مطابق ضروری ہے۔

(۱) صحبت میں سوءادب سے اپنی حفاظت چاہیے کیونکہ اس میں بھی بہت سی آفات موجود ہوتی ہیں۔ صحبت کے آداب کو اگر ملحوظ نہ رکھا جائے تو ایسی صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔

(۲) اپنے مرشد کے سامنے نفلی عبادت کرنے کو درست تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس وقت شیخ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہی عبادت ہے۔

(۳) مشائخ کا قول ہے ''اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ ''یعنی جب کوئی بزرگ کوئی حکم دے تو وہاں ادب کا لحاظ چھوڑ دیا جاتا ہے اور بلاچون و چرا حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔ ایک درویش حضرت ابراہیم خواصؒ کی صحبت میں آیا تو آپ نے دریافت کیا کہ صحبت میں ایک امیر ہوتا ہے اور ایک فرمانبردار ہوتا ہے۔ کیا تو امیر بننا چاہتا ہے یا فرمانبردار۔ اس نے عرض کیا آپ امیر بنیں میں فرمانبردار رہوں گا۔ جب وہ دونوں سفر کے بعد منزل پر پہنچے تو آپؒ نے درویش کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ حضرت ابراہیم خواصؒ نے سارا کام اپنے ہاتھوں سے کیا اور جب وہ درویش کسی کام کے لئے اٹھتا تو آپؒ منع فرماتے کہ تمہارا کام حکم بجالانا ہے۔ رات کو سخت بارش ہوئی۔ آپؒ نے اپنی گدڑی درویش پر ڈال دی اور آپ ساری رات اس کے سر پر کھڑے رہے اس عمل سے درویش کو بہت شرم آئی اور دوسرے دن اس نے عرض کیا کہ اے شیخ! آج میں امیر بنتا ہوں تو آپؒ نے اس کی درخواست قبول کرلی۔ جب دوسری منزل پر پہنچے تو حضرت نے تمام خدمات اپنے ذمہ لیں تو اس نے کہا حضرت آج میں امیر ہوں میرا حکم مانیئے۔ آپؒ نے فرمایا کہ نافرمان وہ ہوتا ہے جو امیر کو اپنی خدمت کا حکم دے حتیٰ کہ اسی طرح مکہ معظمہ پہنچے۔ آخر کار شرم کی وجہ سے درویش حضرت کے پاس سے بھاگ گیا لیکن منیٰ میں حضرت نے درویش کو دیکھا تو فرمایا بیٹا تمہیں لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی مصاحبت کرو جیسی میں نے تیرے ساتھ کی، اسے یاد رکھو۔

اولیاء اللہ کبھی فرشتوں اور کبھی اللہ کی صحبت میں ہوتے ہیں

ایک بزرگ کو کوئی بات یاد نہیں آ رہی تھی تو انہوں نے اپنے دائیں طرف موجود فرشتے سے پوچھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنے بائیں طرف کے فرشتے سے پوچھا تو اس نے بھی ایسا ہی اظہار کیا مگر جب انہوں نے دل سے پوچھا تو وہاں سے فوراً جواب مل گیا (کیونکہ وہاں بھی ایک فرشتہ متعین رہتا ہے)۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں اللہ والوں نے جب بھی اللہ تعالیٰ سے کسی معاملے میں رجوع کیا تو فوراً صحیح جواب ملا۔ غالباً علامہ اقبالؒ نے اسی سلسلے میں فرمایا ہے۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

(ب ج:۳۴۴)

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب صوفی خاموش ہوتا ہے تو وقار و حلم کے تحت خاموش ہوتا ہے اور جب بولتا ہے تو اللہ کے حکم سے بولتا ہے۔ منقول ہے کہ ایک بار حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے پاس ایک عالم آیا تو آپؒ خاموشی سے بیٹھے رہے اور اس عالم سے گفتگو نہ فرمائی۔ جب وہ عالم دربار مجددؒ سے باہر آیا تو کہنے لگا کہ حضرت نے کوئی کلام ہی نہیں فرمایا لہٰذا اسے یہاں آنے میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ جب یہ بات حضرت مجددؒ کے پاس پہنچی تو آپؒ نے فرمایا کہ جسے ہماری خاموشی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو اسے ہمارے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ جب صوفیائے کرام خاموش ہوں تو بھی ان کی خاموشی کلام کا سا اثر رکھتی ہے کیونکہ ان کے جسم سے نکلنے والی شعاعیں خاموشی کی حالت میں فیض پہنچاتی ہیں۔

روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت جنیدؒ گفتگو کرتے تو یوں لگتا کہ جیسے ان پر الہام ہو رہا ہو اور اپنی بصیرت کے مطابق ہر مشکل سے مشکل سوال کا حل آسان الفاظ میں ادا فرما دیتے۔ آپؒ ہمیشہ خوش و خرم، حاضر دماغ اور حلیم الطبع نظر آتے اور آپ کے باطنی احوال کی شعاعیں ان کے پاس حاضر رہنے والے شاگردوں اور مریدین پر باران رحمت کی طرح برستیں۔

ایک دن آپ نے بازار میں ایک خوبصورت اور حسین و جمیل یہودی لڑکے کو دیکھا اور دل میں خواہش کی الٰہی اس لڑکے کو تو میرا ساتھی ہونا چاہیے اسی وقت وہ یہودی لڑکا آیا اور آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور آپؒ نے اسے درجہ ولایت تک پہنچا دیا۔

حضرت جنیدؒ کا جنت کا ساتھی

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ نے خداوند تعالیٰ سے مناجات میں اپنے جنت کے ساتھی کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ فلاں شہر کے نواح میں رہنے والا ایک چرواہا ہے۔ حضرت جنیدؒ اس کے پاس پہنچے۔ دامن کوہ میں وہ چرواہا دوسرے چند چرواہوں کے ساتھ رہتا تھا۔ سب مل کر نماز با جماعت ادا کرتے تھے اور پھر اپنے کام یعنی بھیڑ بکریاں چرانے میں مصروف ہو جاتے تھے۔ حضرت چند روز ان کا مشاہدہ کرتے رہے لیکن انہیں اس شخص میں کوئی باطنی معاملہ، مجاہدہ اور مراقبہ نظر نہ آیا۔ اس پر حضرت جنیدؒ نے اپنا تعارف کرایا اور مناجات کی سرگزشت بیان کی اور چرواہے سے ان کے باطنی معاملہ کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگا ''حضرت! میں ایک ان پڑھ شخص ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ باطنی معاملہ کیا ہوتا ہے البتہ مجھ میں دو باتیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سب پہاڑوں کو سونے کا بنا دے اور یہ سب میرے قبضہ اور تصرف میں آ جائیں اور پھر میرے پاس سے جاتے رہیں تو مجھے ان کے چلے جانے کا کوئی رنج نہیں ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مجھ پر جفا کرے یا مجھ سے وفا کرے تو میں اس کو اس شخص کی طرف سے نہیں جانتا بلکہ وہ سب کچھ خداوند تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہوں کہ وہی حقیقت میں فاعل مختار علی الاطلاق ہے''۔ یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا عزیز بھائی! تمام خصائل حمیدہ کی اصل تو یہی دو صفتیں ہیں جن کی بدولت تم بہشت میں میرے ہم نشین بنو گے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی جرم کی سزا ضرور ملتی ہے خواہ تیس سال کے بعد ہی کیوں نہ ہو

حضرت ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ بن الجلالؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا جو آتش پرست تھا۔ میں اس کے جمال کو دیکھ کر متحیّر ہو گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں حضرت جنیدؒ میرے قریب سے گزرے۔ میں نے عرض کی کہ حضور! کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی آگ میں جلائے گا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ''صاحبزادے یہ چند لمحات زندگی کی گرم بازاری ہے جس نے تجھے اس خیال میں پھنسایا ہے۔ تو ان چیزوں کو بنظر عبرت نہیں دیکھتا۔ اگر بنظر عبرت دیکھے تو ہر ذرہ میں ایسے ہی عجائبات موجود

ہیں لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تو ضرور اس یاوہ گوئی اور بے حرمتی میں ''مُعذَّب'' ہوگا (عذاب پائے گا)۔ حضرت ابوعبداللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ تو یہ فرما کر تشریف لے گئے اور مجھ پر یہ عذاب آیا کہ قرآنی کیف مجھ سے فراموش ہوگیا۔ کئی سال بحضور عزّوجلّ توبہ کرتا رہا تو پھر کہیں جا کر بلا دفع ہوئی اور اب میری ہمت نہیں کہ موجودات میں سے کسی چیز پر التفات کروں اور اپنے وقت کو بنظر عبرت بھی موجودات میں ضائع کروں۔ کچھ روایات میں یوں بھی آیا ہے کہ میری بات سننے کے بعد حضرت جنیدؒ نے میرا ہاتھ دبایا اور کہا کہ تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔ آپؒ فرماتے ہیں مجھے یہ سزا تیس سال کے بعد ملی۔ حضرت ابوعبداللہؒ کا قول ہے کہ عارف کے تمام ارادے اور قوتیں اس کے مولیٰ کی طرف موقوف ہیں تو ہرگز وہ اپنے مولیٰ کے حکم کے بغیر کسی کی طرف رجوع نہیں کرتا اسی لئے عارف کو معرفت کے بغیر کچھ معلوم نہیں اور عارف کا سرمایہ ضمیر معرفت ہی ہے اور اس کے ضمیر کا مقصود رویت کے سوا کچھ نہیں، اس لئے اسکی ہمت وتغیر کی پراگندگی، رنج وغم کا پھل لیتی ہے اور دنیا کا رنج وغم انسان کو بارگاہ خاص سے روک دیتا ہے۔

اقوال وفرمودات حضرت جنید بغدادیؒ ماخوذ از ''رسائل''

''صدق تین چیزوں میں ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ انسان اپنی زبان سے صادق ہو اور ہمیشہ سچی بات کہے خواہ وہ اس کے حق میں ہو یا اس کے خلاف ہو، اور تاویل وفریب کاری کا راستہ اختیار نہ کرے۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے فعل میں صادق ہو اور اس کی خاطر جدوجہد کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے اور راحت و آرام طلبی سے بالکل قطع تعلق کرے۔ تیسرا یہ کہ وہ دل سے صادق ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے فعل میں خدا تعالیٰ کی رضا کو ہی اپنا مقصود بنالے، پس جب یہ خصلتیں اس کے اندر موجود ہوں گی تو وہ صادق کہلائے گا۔''

(صادق اور صدیق کا بیان ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں)۔

اخلاص کے معنٰی یہ ہیں کہ انسان اپنی نیت اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرے اور محض اسی کی رضا کا طالب ہو، اور اس صورتحال کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عقل اشیاء کی دراندازی سے آگاہ ہو اور امور ومعاملات کے رنگ بدلنے کی کیفیت اس پر اچھی طرح عیاں ہو چنانچہ جو چیز اس کے مقصد کی سچائی اور درستی کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو اسے قبول کرے اور جو اس کے خلاف ہو اسے رد کردے چاہے وہ اپنے نفس سے پیدا ہوئی ہو یا کسی دشمن کی طرف سے۔ اس حالت میں اسے بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ جیسے اس کی ذاتی بصیرت ختم ہوگئی

ہے اور اس کی جگہ خدا تعالیٰ کی انعام کردہ ایک صفت نے لے لی ہے ایک مخلص چونکہ خدا تعالیٰ کے اس احسان و اکرام کو پہچانتا ہے اس لئے جب لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں تو وہ اپنے دل میں بالکل مطمئن رہتا ہے لیکن جب وہ اس کی تعریف کرنے لگتے ہیں تو وہ دل میں کراہت سی محسوس کرتا ہے اور اسے یہ اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں وہ معرفت و احسان الٰہی اس سے سلب نہ ہو جائے۔

صدق اور اخلاص ایک مخلص انسان کی ذات ہی میں اکٹھے ہوتے ہیں لیکن محض صدق صرف صادق کے ساتھ مخصوص رہتا ہے اور اخلاص کا بہت ابتدائی حصہ اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔

خدائے عزّ و جلّ کی عبادت کا پہلا درجہ اس کی معرفت ہے اور اس کی اصل معرفت اس کی توحید ہے اور اس کی توحید قائم ہوتی ہے اس سے صفات کی نفی کرنے سے یعنی اس امر کی نفی کرنے سے کہ وہ کیسا ہے؟ کس حیثیت میں ہے؟ کہاں ہے؟ اسی توحید کے ذریعے انسان ذات خداوندی تک راہ پا سکتا ہے اور اس تک راہ پانے اور پہنچنے کا دارومدار دراصل اس کی بخشی ہوئی توفیق پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی کی توفیق سے انسان اس کی توحید پر قائم رہ سکتا ہے اور اس کی توحید سے ہی دراصل اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کی تصدیق سے اس کی اصل حقیقت تک انسان کی رسائی ہوتی ہے اور اس کی اصل حقیقت واضح ہونے سے ہی اس کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

لوگوں کے قدم حقیقت کی راہوں سے بھٹک گئے ہیں اور ان کے دل صحیح ارادوں پر نہیں جمتے ہیں۔ وہ اپنے نفوس کی دبی ہوئی خواہشوں کے زیر اثر دنیا کے (ظاہری) خوشنما مظاہر کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے ہیں اور ان کی طبائع کا میلان زیادہ تر لوگوں کی تحسین و آفرین اور تعظیم و تکریم کی جانب ہو گیا ہے۔ انہیں یہ چیز پسند آ گئی ہے کہ ان کے گرد لوگوں کا جمگھٹا ہو اور ان کی جانب ہر طرف سے انگلیوں کے اشارے ہو رہے ہوں یہاں تک کہ ان کی ہر رائے صحیح قرار پائے اور ان کا ہر قول سچا مانا جائے۔ ان کا مقصد بلند تسلیم کیا جائے اور ان کے حق میں مدح و توصیف کا سلسلہ پیہم جاری رہے۔ اگر ان میں سے کسی چیز میں کمی واقع ہو جائے تو یہ انہیں ناگوار گزرتا ہے اور اگر جو کچھ وہ چاہتے ہیں نہ ہو تو وہ برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کی خواہشات کے خلاف کر بیٹھے تو پھر مت پوچھو ان کے غیض و غضب کا عالم کیا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے لئے خدا کے راستہ پر چلنا سہل اور ایک بوجھل چیز کا اٹھانا آسان کر دیتا ہے، اسے اپنے سفر میں سرعت رفتار عطا فرماتا ہے، اسے منزل مقصود پر

فرماتا ہے۔

جب تم اپنے باطن کی اصلاح کرلو تو تمہارا جو معاملہ ظاہر و عیاں ہے وہ خود بخود محکم اور پختہ ہو جائے گا۔ پس خبردار! کسی ایسی چیز کی طرف، چاہے وہ کتنی ہی معمولی اور بے ضرر کیوں نہ ہو، نہ جھک پڑنا جو تمہیں ایک ایسی نیک بات سے دور لے جائے جس کی علامات تم پر واضح ہو چکی ہیں۔ اس لئے کہ سب غبیوں سے غبی تر وہ ہے جس نے باقی رہنے والی "بہت بڑی چیز" کو فنا ہو جانے والی تھوڑی چیز کے عوض بیچ ڈالا اور اس نے امور آخرت کو چھوڑ کر امور دنیا میں اپنے آپ کو الجھالیا۔

اعمال کی ابتداء دنیا سے بے نیاز ہو کر کرو اور جس چیز کے ذریعے بھی خدا کا قرب تلاش کرو اس کی ابتداء اور آغاز ہمیشہ اس دنیا سے بے نیازی اور اپنے نفس کی ہر چھوٹی یا بڑی خواہش سے اعراض کی صورت میں کرو اس لئے کہ تم اگر خواہشات نفس میں سے کسی چھوٹی یا حقیر شئے کی طرف بھی ایک دفعہ رغبت کرلو تو یہ تمہارے لئے بہت سے باطنی امور پر اثر انداز ہونے والی ہوتی ہے اور تمہارے دل میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے جو تمہارے ذکر و فکر میں حارج ہوتی ہے اور تمہارے اندر یہ چیز جتنی قوی یا ضعیف ہو گی اتنی ہی قوی یا ضعیف اس کی تمہارے معاملات میں دخل اندازی ہو گی اور جتنا کچھ یہ تمہارے دل میں جگہ پائے گی اتنا ہی تمہارے مقصود حقیقی کی مہم اور جان پہچان تم سے اوجھل ہوتی چلی جائے گی۔ تم اپنے اعمال کی درستی اور اصلاح اور اپنے دلوں سے اِس کا بچاؤ اور تحفظ اسی صورت میں کر سکتے ہو کہ عوارض دنیا تم سے منقطع ہو کر رہ جائیں۔

خدا نے اپنی طرف متوجہ ہونے والوں سے تمام علائق دنیا منقطع کر دیئے ہیں اور حقائق کا علم صرف ان بندوں کو مرحمت فرمایا جنہوں نے اسی سے اپنا تعلق جوڑا اور اسی پر بھروسہ کیا۔ وہ یوں کہ اس نے انہیں ایک وجود حقیقی بخشا اور اپنی محبت انہیں عطا کی اور اس طرح اس نے عارفین کو اپنی حزب یعنی جماعت میں شامل کرلیا اور اپنی عنایات و انعامات کے اعتبار سے ان کے مدارج قائم کئے۔ انہیں اس قوت کا مشاہدہ کرایا جو اس کی مظہر ہے۔

روحانی قلب ماہیت کے ساتھ اقدار کا بھی قلب ماہیت ہوتا ہے عیش و آرام سے مراد وہی عیش و آرام نہیں ہوتا جس سے عام انسان واقف ہیں اور جود و سخا کی اصلیت بھی وہی نہیں رہتی جو عام طور پر مفہوم و متصور

ہوتی ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ خود بھی محسوسات سے بلند تر ہے اور کوئی دوسرا بھی اسے محسوس نہیں کر سکتا۔ وہ نہ اپنی ذاتی خصوصیت تبدیل کرتا ہے اور نہ کوئی شخص مخلوق پر اس کے لطف و کرم کی کیفیت جانتا ہے، بلکہ ان سارے امور کا مفہوم ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق ذات ربوبیت سے ہے۔ جسے اس کے بغیر نہ کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی اس پر قدرت رکھتا ہے جو کچھ عبادت گزار کو نظر آتا ہے خدا تعالیٰ اسے فنا کر دیتا ہے اور جب وہ خود اس پر تسلط حاصل کر لیتا ہے تو اپنے آپ کو باجبروت، غالب و قاہر اور مکمل طور پر فتح یاب ظاہر کرتا ہے۔

جب ارواح انسانی اس لذت غیبی سے محروم ہو جاتی ہیں جس کو نہ انسانی نفوس محسوس کر سکتے ہیں اور نہ عام انسانی محسوسات اس کے قریب بھٹک سکتے ہیں تو یہ درحقیقت ان کے لئے فنا کی حالت ہوتی ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ فنا ان کی بقاء کے راستے میں حائل ہے لیکن جب خدا تعالیٰ ان ارواح کو واپس ان کی اپنی انفرادی حالت میں بھیج دیتا ہے اور ہر روح کو اپنی نوع میں واپس لوٹا دیتا ہے تو وہ اس نئی حالت کو بطور ایک ظاہری پردے کے استعمال کرتی ہے اور جس کے پیچھے وہ اپنی سابقہ حالت چھپائے رکھتی ہے جس میں وہ اس سے پہلے تھی۔ اس نئی حالت میں وہ ایک بے چینی اور بے بسی کے عالم میں ہوتی ہے اور اپنی نوع کے ساتھ مانوس ہونے کی کوشش کرتی ہے جب خدا نے اسے اس حالت کمال اور مقام عزت و تکریم سے محروم کر دیا، اور اسے علم و فکر کی راہوں میں واپس لے جا کر چھوڑ دیا تو قدرتی طور پر اس کے دل میں حسرت کا بسیرا ہو جاتا ہے اور اس حالت کمال کے کھو جانے کا غم اسے برابر لگا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ روح پیہم خواہش اور آرزو کی حالت میں رہتی ہے۔

خلق خدا کو راستہ دکھانے کے لئے حقیقت کا مشاہدہ اور مجاہدہ و ریاضت ضروری ہوتی ہے اور اس راہ میں مختلف احوال و مراحل کی حدود قائم کرنے کے لئے ان احوال میں سے خود گزرنا بھی لازمی ہوتا ہے تاکہ ایک حالت انسان کو دوسری حالت میں پہنچاتی چلی جائے، حتیٰ کہ اسے حقیقت عبودیت کی اس حالت میں پہنچا دے جو ظاہر میں بھی دیکھی جا سکتی ہے اور جس میں وہ اپنا ارادہ و اختیار ترک کر کے خدا کے کاموں پر صبر و قناعت کا رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ایسی حالت ہے کہ جس میں اسے خلق کے اندر قبول عام حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ علم ظاہر کی صفات کی نشانیاں بھی اس میں واضح طور پر مجتمع نظر آتی ہیں۔ پھر اس مقام کی حقیقت

اسے مشاہدہ حق اور اس کے اشارات کے شعور و ادراک کی منزل کی طرف لے جاتی ہے اور اشیائے دنیا کو اس کی نظروں میں کچھ اور ہی رنگ دے دیتی ہے تاکہ وہ وہی چیز اپنے لئے پسند کرے جو خدا نے اس کے لئے منتخب کی ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں خلق خدا اس سے چھوٹ جاتی ہے اس لئے اس کی صفات اب ان کی نظروں میں ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیتی ہیں اور وہ ان سے غائب رہنے لگتا ہے۔

لوگوں کی تین اقسام: لوگ تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو ابھی طلب و جستجو میں ہیں، دوسرے وہ جو آستانہ الٰہی پر پہنچ کر انتظار میں کھڑے ہیں، تیسرے وہ جو اندر داخل ہو چکے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں حاضر ہیں۔

خدا تعالیٰ کی جستجو میں وہ شخص ہے جو اس کی طلب میں علم ظاہر کی رہنمائی اور ہدایت کے تحت پیش قدمی کرتا ہے اور اس کے ساتھ معاملہ صرف ظاہر تک محدود رکھتا ہے۔ جبکہ آستانہ الٰہی پر منتظر شخص اپنے باطن کے تصفیہ کے ذریعے خدا تعالیٰ کے اور قریب ہونے کے مواقع ڈھونڈتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ باطن کا معاملہ ہوتا ہے۔ وہ شخص جو آستانہ الٰہی کے اندر داخل ہو چکا ہے اور اس کی پیش گاہ میں حاضر ہے اور اس کے ماسوا کائنات کی کوئی اور چیز اسے دکھائی نہیں دے رہی تو وہ اس حالت میں دراصل اس کے اشارے کا منتظر ہے اور بارگاہ الٰہی کے ہر ارشاد کی تعمیل پر کمربستہ ہے اور یہ خدائے عزوجل کے موحد ہی کی صفت ہے۔

توحید لوگوں کے اندر چار درجوں میں پائی جاتی ہے پہلا درجہ عوام الناس کی توحید کا ہے۔ دوسرے درجے میں وہ توحید آتی ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو دین کے روایتی علم سے بہرہ ور ہیں۔ تیسرے اور چوتھے درجے کی توحید کا تجربہ ان خواص کو ہوتا ہے جنہیں معرفت حاصل ہوتی ہے۔

شہوت کی ایک قسم نفسانی ہے جیسا کہ جاہ و منزلت کی محبت اور غیظ و غضب کے اظہار سے اور دشمن کو سرنگوں کرنے سے تسکین نفس کا حاصل ہونا وغیرہ اور دوسری قسم جسمانی ہے جیسا کہ کھانے پینے، جنس مخالف سے متمتع ہونے، لباس پہننے، تفریح کرنے، اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی خواہش کا دل میں موجود ہونا۔ نفس انسانی کا معاملہ یہ ہے کہ لذت پہنچانے والی چیزیں جس قدر اس سے دور ہوتی ہیں اور جتنی اسے ان کی خواہش ہوتی ہے اتنی ہی اسے ان کی احتیاج اور ضرورت ہوتی ہے۔

شیطانی خیال کی دو علامتیں ہیں ایک یہ کہ نفس انسانی کو بسبب شہوت یا طلب یا راحت کے جس چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ اس ضرورت کو انسان کے اندر ایسے اوقات میں بیدار کرتا ہے جس میں وہ ان مرغوبات سے شادکام ہونے کا عام طور پر عادی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شیطانی خیال اور نفسانی خیال میں فرق یہ ہے کہ نفسانی خیال مستقل رہتا ہے اور کبھی جانے کا نام نہیں لیتا لیکن شیطانی خیال کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی پھر لوٹ آتا ہے۔ پس جب بھی انسان اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے اس خیال سے غافل ہوتا ہے تو یہ اس میں شہوت بیدار کر کے اس پر چھا جاتا ہے۔

صدق: حضرت جنیدؒ نے صدق کی تعریف اپنے ایک رسالہ میں یہ بیان کی ہے کہ انسان جب وہ سب کچھ عمل میں لائے جو از روئے علم اس پر واجب ہے تو اپنے نفس کی اچھی طرح نگرانی کیا کرے اور ہر کام میں رضائے الٰہی کا طالب ہو۔ صدق قول و فعل اور دل تینوں چیزوں میں ہوتا ہے زبان سے سچ بولے، صحیح طور پر کام کرے اور دل میں رضائے الٰہی کو منتہائے مقصود بنائے رکھے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ صدق کی حقیقت یہ ہے کہ تم ایسے موقع پر بھی صدق (سچائی) سے کام لو جہاں جھوٹ بولنے کے سوا تمہارا چھٹکارا نہ ہو سکتا ہو۔ حضرت جنیدؒ کا ایک اور قول ہے کہ صادق ایک دن میں چالیس بار بدلتا ہے جبکہ ریاکار چالیس سال تک ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صادق ایک دن میں چالیس بار اس لئے بدلتا رہتا ہے کہ وہ ہر بار سچ بولتا ہے جبکہ ریاکار چالیس برس تک ایک ہی حالت یعنی ریاکاری پر اصرار کرتا رہتا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ صدق کی حقیقت یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی موافقت پر چلنا جاری رہتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کے چند معاصرین (اساتذہ، مصاحب و تلامذہ)

حضرت جنیدؒ کے مصاحب، اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں سے چند ایک کے نام نیچے دیئے جا رہے ہیں۔

(ا) حضرت جنیدؒ کے اساتذہ تصوف

۱۔ حضرت سری سقطیؒ ۲۔ معروف کرخیؒ ۳۔ حارث المحاسبیؒ ۴۔ محمد القصابؒ

۵۔ ابن الکرنبیؒ ۶۔ ابو حفص الحدادؒ ۷۔ یحییٰ بن معاذؒ ۸۔ حضرت بایزید بسطامیؒ

(حضرت بایزیدؒ سے آپ کی ملاقات ثابت نہیں لیکن آپ کے مابین ربط قائم تھا۔ کبھی مراسلت کی نوبت بھی نہیں آئی لیکن آپ نے حضرت بایزیدؒ کی تحریروں کا مطالعہ کیا ہے اور ان کو بہت پسند فرمایا)۔

۹۔ یوسف بن الحسینؒ

ب۔ حضرت جنیدؒ کے رفقاء

۱۔ ابوالحسین احمد ابن محمد النوریؒ ۲۔ ابوسعید الخرازؒ ۳۔ ابن عطاء الآدمیؒ ۴۔ حضرت رویمؒ

ج۔ حضرت جنیدؒ کے تلامذہ (شاگرد)

۱۔ الجریریؒ ۲۔ حضرت شبلیؒ ۳۔ معفر الخلدیؒ ۴۔ الحسین ابن منصور الحلاجؒ

۵۔ عمرو المکیؒ بھی آپکے ساتھ منسلک رہے۔

د۔ حضرت جنیدؒ کے چند مذکورہ معاصرین کے احوال

۱۔ حضرت جنیدؒ کے اساتذہ

i۔ حضرت معروف الکرخیؒ حضرت معروف ابن فیروز الکرخیؒ (متوفی ۲۰۰ یا ۲۰۱ ہجری) حضرت جنیدؒ کے اساتذہ میں سے ہیں، معروفؒ ایرانی نژاد تھے اور امام علی ابن موسیٰ رضاؒ کے غلام تھے آپؒ پہلے غیر مسلم تھے اور امام موصوف کے ہاتھوں پر ایمان لے آئے۔ آپؒ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں بغداد کے محلّہ کرخ میں سکونت پذیر تھے۔ حضرت معروفؒ کے متعلق مشہور ہے کہ جب کوئی ان کی خدمت میں کھانے کی چیز بطور نذرانہ لاتا تو آپ قبول فرما کر کھا لیتے جبکہ بشر بن الحارثؒ مشکوک کھانا تناول نہ فرماتے۔ حضرت معروف کرخیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرا بھائی بشر بن الحارثؒ زہد و ورع کے اثر سے اپنے ہاتھ کھینچ کے رکھتے ہیں لیکن میں اپنے علم باطن کی بدولت ہاتھوں کو پھیلائے رکھتا ہوں۔ فرماتے تھے کہ اپنے مالک کے اس گھر میں میری حیثیت ایک مہمان کی ہے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ مجھے کھلاتا ہے تو میں کھا لیتا ہوں اور جب وہ مجھے نہیں کھلاتا تو میں بھی صابر و قانع رہتا ہوں[۱]۔ میں نہ کسی چیز پر اعتراض کر سکتا ہوں اور نہ خود اپنی مرضی سے کوئی چیز پسند کر سکتا ہوں۔

حضرت معروفؒ فرماتے ہیں کہ موت یا قبر، جنت یا دوزخ تمام چیزیں اللہ کے قبضہ قدرت میں

[۱] قوت القلوب، جلد ۴، صفحہ ۶۱۔

ہیں۔ جب تم اس سے محبت کرنے لگو تو وہ تمہیں تمام چیزوں کا خیال بھلا دیتا ہے اور جب تم خدا سے متعارف اور شناسا ہو جاؤ تو وہ تمہیں ان چیزوں کی فکر سے بچا لیتا ہے (قوت القلوب)

ایک دن آپ نے اپنے بھانجے سے کہا یعقوب! جب تم خدا سے کوئی چیز مانگنا چاہو تو میرا نام لے کر دعا کرنا۔ (حلیۃ الاولیاء از ابونعیم) حضرت معروف کرخیؒ، حضرت سری سقطیؒ اور حضرت جنیدؒ کے درمیان بہت قریبی تعلق تھا اور حضرت جنیدؒ نے حضرت سری سقطیؒ کی وساطت سے اور معروف کرخیؒ کی کتب سے بہت استفادہ کیا۔ (جنیدؒ ص ۵۲)

ایک روایت میں حضرت معروف کرخیؒ کے متعلق حضرت علی بن الموفق ؒ فرماتے ہیں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں داخل ہوا ہوں۔ وہاں ایک شخص نظر آیا جو میز پر بیٹھا تھا اور اس کے پاس دو فرشتے، ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب موجود تھے جو اسے انواع و اقسام کی خوراک دیتے جاتے اور وہ کھاتا جاتا تھا۔ پھر میں نے ایک دوسرے شخص کو دیکھا کہ جنت کے دروازے پر کھڑا تھا اور لوگوں کے چہروں کو غور سے دیکھتا تھا۔ بعضوں کو اس نے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی اور بعض لوگوں کو اس نے واپس موڑ دیا۔ میں بہشت کو چھوڑ کر رب العزت کے دربار میں پہنچا۔ وہاں میں نے عرش کے گوشہ نشین کی زیارت کی اور دیکھا کہ ایک شخص خدا تعالیٰ کی طرف پلک جھپکائے بغیر مسلسل دیکھے چلا جا رہا ہے۔ میں نے فرشتۂ جنت رضوان سے پوچھا ''یہ شخص کون ہے؟'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ معروف کرخیؒ ہیں جنہوں نے خدا کی عبادت، نہ جہنم کے خوف سے کی اور نہ جنت کی خواہش سے، بلکہ صرف اسی کی محبت کے سبب کی ہے۔ اس لئے خدا نے انہیں اجازت دے رکھی ہے کہ وہ روز قیامت تک اسی طرح انہیں دیکھے چلے جائیں'' پھر میں نے پوچھا ''اور باقی دو آدمی جو میں نے دیکھے ہیں وہ کون ہیں؟'' کہنے لگا: ''ان میں سے ایک تمہارا بھائی بشر بن الحارثؒ ہے اور دوسرا احمد بن حنبلؒ۔

ii۔ **حضرت سری سقطیؒ** حضرت سری سقطیؒ، حضرت جنیدؒ کے ماموں، استاد اور مرشد بھی تھے جو پہلے ایک تاجر تھے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا آپؒ نے ۹۸ سال کی عمر پائی اور ایک طویل عرصہ تک آپؒ کو زمین پر کمر لگاتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ ان کے شاگردوں میں حضرت جنیدؒ کے علاوہ، انوریؒ، ابن مسروق الطوسیؒ محمد بن فضل السقطیؒ، حضرت ابراہیم المخزومیؒ اور العباس الشکلیؒ تھے۔ آپؒ کے کچھ احوال اور اقوال اس کتاب

میں مختلف موضوعات پر پہلے ہی لکھ دیئے ہیں۔ [۱]

iii۔حضرت حارث المحاسبیؒ آپؒ حضرت سری سقطیؒ کے دوستوں میں سے تھے اور حضرت کو اکثر اپنی رفاقت میں رکھنا چاہتے تھے۔حضرت جنیدؒ کی تصانیف نہیں تھیں اور اکثر محاسبیؒ کی کتب کا مطالعہ فرماتے اور حضرت محاسبیؒ کے افکار و نظریات اور علم کی بہت تعریف فرماتے تھے۔آپؒ کے منطقی اور کلامی رجحانات کا شہرہ تمام مسلم ممالک میں ہو گیا تھا۔ [۲]

iv۔محمد القصابؒ حضرت جنیدؒ کے تیسرے مرشد اور استاد حضرت محمد القصابؒ تھے۔حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ لوگ مجھے حضرت سری سقطیؒ کا ہی مرید سمجھتے ہیں حالانکہ میرے اصل مرشد حضرت محمد القصابؒ ہیں۔حضرت جنیدؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت القصابؒ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کے حلقے کے لوگ عام لوگوں سے الگ تھلگ کیوں ہو جاتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا اس کی تین وجوہات ہیں۔اول یہ کہ اللہ تعالیٰ خود یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ولیوں کے لئے وہی چیزیں ہوں جو عام لوگوں کے پاس ہوں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ولیوں کے نیک اعمال عام لوگوں کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں (یعنی اگر ولیوں کی خدمت میں مال خرچ کریں تو مال خرچ کرنے کے لئے اعمال دوسروں کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں)۔تیسرے یہ کہ اولیاءؒ کے گروہ کا مطمحِ نظر اور مقصود صرف اللہ کی ذات ہے۔اس لئے خدا اپنے سوا ہر چیز کو ان سے روک دیتا ہے اور ان کو صرف اپنے لئے ہی مخصوص کر لیتا ہے۔

v۔ابن الکرنبیؒ بغداد کے زاہد اور پرہیز گار لوگ ابن الکرنبیؒ کی مجلس میں موجود رہا کرتے تھے۔آپؒ کے چوغے میں بہت سے پیوند لگے رہتے تھے اور ایک چوغے کی آستین میں ہی تقریباً چھ، سات سیر کے پیوند لگے ہوئے تھے۔حضرت جنیدؒ نے ایک بار ابن کرنبیؒ سے پوچھا ''اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے کہ جو علم کی باتیں تو بہت کرتا ہو لیکن ان پر عمل نہ کرتا ہو''۔حضرت ابن الکرنبیؒ نے کچھ دیر توقف کیا اور فرمایا ''اگر وہ شخص آپ ہیں تو کہئے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں جب ابن الکرنبیؒ کی رحلت کا وقت آیا میں پاس بیٹھا ہوا آسمان کی طرف گھور رہا تھا۔آپؒ نے فرمایا بہت دور دیکھ رہے ہو اور جب میں نے زمین کی طرف دیکھنا شروع کیا تو پھر وہی

۱۔ کشف المحجوب صفحہ ۲۱۹۔　۲۔ کشف المحجوب صفحہ ۲۱۵۔

فقرہ فرمایا حضرت سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ آپؒ کا مطلب یہ تھا کہ جب خدا تم سے بہت قریب ہے تو دور کیوں دیکھ رہے ہو۔

۲۔ وہ مشائخ جو جنیدؒ کی صحبت میں رہے

i۔ حضرت رویم بن احمدؒ حضرت جنیدؒ کے خاص راز دار تھے۔ حضرت جنیدؒ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے "ماعار فان مشغولیم و رونم مشغول فارغ است" یعنی ہم دنیا کے عہدوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں اور حضرت رویمؒ دنیا میں مشغول ہونے کے باوجود اللہ کی یاد میں مشغول ہیں۔ ؎۱

ii۔ حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانیؒ آپ کی حضرت جنید بغدادیؒ کے ساتھ خط و کتابت بہت لطیف اشارات کے ذریعے ہوتی تھی۔ انہوں نے حضرت عمرو بن عثمانؒ اور حضرت ابوترابؒ کی زیارت بھی کی تھی۔ آپؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے قریبی دوست تھے۔ طریقت کے راستے میں آپؒ مخصوص اور تصوف کے معاملہ میں معروف تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ریاضت میں آراستہ فتنوں اور آفتوں سے محفوظ، حقائق اور طریقت کے معاملات بیان کرنے میں آپؒ کی زبان بہت اعلیٰ تھی۔ آپؒ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہنا اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے سے زیادہ افضل ہے۔ اس لئے کہ دل میں حاضر ہونا وطن میں رہنے کے برابر ہے اور حضور پر غفلت کا آنا جائز نہیں۔ یقین ایک خطرہ ہے جو کبھی یقین کامل بن جاتا ہے اور کبھی کم ہو جاتا ہے۔ پس حضوری والے اس کے سامنے ہیں اور یقین والے اس کی بارگاہ کے دروازے پر ہیں۔ سامنے رہنے والے دروازے پر رہنے والے سے افضل ہیں"۔

دل کے متعلق آپ کی ایک روایت مشہور ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں "حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک لوگ دل دل کہتے آئے ہیں لیکن میں ایسی بات کو دوست رکھتا ہوں کہ کوئی ایسا مرد دیکھوں جو میرے سامنے بیان کرے کہ دل کیا ہے اور کس طرح ہے؟ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی مرد نہیں دیکھا۔ تمام لوگ اس گوشت کے ٹکڑے کو دل کہتے ہیں۔ دیوانے اور مغلوب النفس لوگ یعنی پاگلوں اور بچوں کے پاس بھی دل ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دل ہونے کے باوجود بے دل ہوتے ہیں تو پھر دل کیا چیز ہوا۔ ؎۲

---

۱ کشف المحجوب صفحہ ۲۷۱۔ ۲ کشف المحجوب صفحہ ۲۸۸۔

اگر دل وہ ہے جس سے انواع واقسام کی عبادتیں موسوم کی جاتی ہیں تو پھر اسے عقل کیوں نہ کہا جائے؟ وہ دل نہیں ہے۔ اگر روح کا نام دل رکھا جائے تو وہ بھی دل نہیں ہے۔ اگر علم کو دل کہا جائے تو وہ بھی دل نہیں ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہوا کہ دل وہ ہے جس میں شواہد حقہ کا قیام ہو اس کے علاوہ جسے بھی دل کہو وہ عبارتی اور لفظی دل ہے حقیقتاً دل نہیں ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس عبارت میں دل اسے کہا جائے گا جس میں مشاہدہ حق کا قیام ہو اور یہ دل گوشت والے دل کے اندر ہوتا ہے جسے نورانی دل یا حقیقی دل کہا جاتا ہے۔ اگر یہ دل ذکر الٰہی اور یاد الٰہی سے بیدار ہو جائے تو مشاہدہ حق حاصل ہو جاتا ہے اور اس دل کا عالم بالا کے ساتھ ربط قائم ہو جاتا ہے۔

iii۔ حضرت ابوالعباس احمد بن مسردقؒ آپؒ کے احوال بیان کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ تمام اولیائے کرامؒ کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''اوتاد الارض'' بنایا ہے۔ آپ کو ''قطب المدار'' کی صحبت کا بھی شرف حاصل ہوا۔ آپؒ سے سوال کیا گیا کہ قطب کون ہے؟ آپ نے ظاہر نہیں فرمایا لیکن اشارۃً بتایا کہ شاید جنیدؒ قطب وقت ہیں۔ حضرت ابوالعباسؒ نے چالیس عارفان کامل کی خدمت کی اور ان سے فیض حاصل فرمایا۔ آپؒ کا قول ہے کہ جو غیر خدا کے ساتھ خوش اور آباد رہے وہ سراپا غم اور ملال ہے اور جسے اپنے رب کے ساتھ موانست (انس) نہیں اس کا انس خالص وحشت ہے۔ اس سے آپؒ کی مراد یہ ہے کہ جو چیز ماسوا اللہ ہے اسے فنا ہے اور جو فنا کے ساتھ خوش ہے وہ باطل کے ساتھ خوش ہوگا اور اس خوشی کا نتیجہ غم واندوہ ہے اور اللہ کے سوا اگر کسی چیز سے انس ہوگا تو اس کی حقارت اس پر منکشف ہو جائے گی اور ایسا انس وحشت ہی وحشت ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ غیر اللہ کی رؤیت (غیر اللہ کو دیکھنا) سوائے وحشت کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ حضرت ابو عبداللہ بن محمد بن اسماعیلؒ نے فرمایا کہ دنیا سے زیادہ کوئی انصاف کرنے والا نہیں۔ کیونکہ اگر تو اس کی خدمت کرے تو وہ تیری خدمت کرتی ہے اگر تو اسے چھوڑ دے تو وہ تجھے چھوڑ دیتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑنے والے سے دنیا بھاگتی ہے اور وہ اس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی ہر قسم کی آفتوں سے نجات پالیتا ہے۔[1]

iv۔ حضرت ابوسعید الخرازؒ حضرت ابوسعید الخرازؒ، حضرت جنیدؒ کے دوست تھے جن کا شمار بغداد کے بڑے صوفیوں میں ہوتا ہے۔ جن کو سری سقطیؒ کی شاگردی حاصل ہے۔ جن کو مسئلہ بقاء اور فنا کو سمجھانے کا

---

[1] کشف المحجوب صفحہ ۲۹۲ تا ۲۹۳ ناشر الطاف نیروی۔

شرف حاصل ہے۔ آپؒ ریاضت پر سختی سے کار بند تھے۔ حضرت جنیدؒ کے مطابق انہوں نے سالہا سال سختی سے ریاضت کا عمل کیا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ آپ کھڈی پر کئی سال تک کام کرتے رہے مگر کیا مجال ہے کہ کسی تانے بانے کے درمیان خدا کا نام بھول گئے ہوں۔ [1]

۳۔ حضرت جنیدؒ کے تلامذہ

i۔ حضرت شبلیؒ آپؒ حضرت جنیدؒ کے مرید تھے اور پہلے آپؒ حضرت خیر نساجؒ کی صحبت میں تائب ہوئے۔ متاخرین میں سے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ عجائبات عالم میں تین چیزیں ہیں۔ حضرت شبلیؒ کے اشارات، حضرت مرتعشؒ کے نکات اور حضرت جعفرؒ کی حکایات۔

ii۔ حضرت ابو محمد احمد بن حسین جریریؒ آپؒ حضرت جنیدؒ کے معاصرین میں سے ہیں اور حضرت سہل بن عبداللہؒ کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ اپنے وقت کے امامِ فقہ تھے۔ آپؒ کا طریقت و تصوف میں اتنا بلند درجہ تھا کہ حضرت جنیدؒ نے آپؒ سے فرمایا کہ ہمارے مریدوں کو ادبِ تصوف اور ریاضتِ عمل کی تعلیم دیں حتیٰ کہ حضرت جنیدؒ کے بعد آپؒ کو ان کی سجادگی حاصل ہوئی۔ آپؒ سے مروی ہے کہ ایمان کا دوام اور استمرار اور قوام و قیام دین اور اصلاح جسم تین چیزوں میں ہے۔ ایک کفایت کرنا، دوسرا پرہیز گاری اختیار کرنا اور تیسرا غذا میں احتیاط رکھنا۔ کفایت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے دیئے پر اکتفا کرے یعنی جو کچھ عطا کیا گیا ہے اسے کافی سمجھے تو اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی ہے، جو تقویٰ حاصل کرے اور پرہیز گار ہو جائے تو اس کی عادت و خصلت نیک ہو جاتی ہے اور جو غذا میں احتیاط کرے تو اس کا نفس ریاضت کرنے سے پاک اور درست ہو جاتا ہے خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکتفا کرنے کا ثمرہ صفائے قلب ہے۔ پرہیز گاری اور تقویٰ کا انجام حسن خلق ہے اور احتیاط غذا کا نتیجہ تندرستی اور اعتدال طبیعت ہے۔

iii۔ حضرت ابو العباس بن احمد بن محمد سہل آملیؒ آپؒ حضرت جنیدؒ کے مریدان خاص میں سے تھے۔ حضرت ابراہیم حارستانیؒ سے صحبت یافتہ تھے۔ حضرت ابو سعید خرازؒ آپ کی بہت عزت کرتے تھے بلکہ آپؒ کے سوا کسی کو علم تصوف میں عالم تسلیم نہیں کرتے تھے۔ آپؒ کا قول ہے "اَلسُّکُوْنُ اِلٰی مَألُوْفَاتِ الطَّبَائِعِ تَقْطَعُ صَاحِبَهَا عَنْ بُلُوْغِ دَرَجَاتِ الْحَقَائِقِ" [2] یعنی جس چیز کی طرف رغبت طبع ہو اس سے آرام اور

---

[1] کشف المحجوب صفحہ ۲۸۶۔ [2] طبقات الصوفیاء، جلد ا، صفحہ ۲۱۱۔

سکون حاصل کرنا بلندی حقائق کے درجات سے گرا دیتا ہے یعنی جو مالوفات طبع (جس کو طبیعت پسند کرے) کے ساتھ آرام حاصل کرے وہ حقیقت آشنائی سے محروم رہ جاتا ہے۔

iv۔ حضرت ابوالحسن احمد بن محمد النوریؒ　یہ حضرت جنید بغدادیؒ کے ہم عصر تھے اور ان کا مختصر تذکرہ ''حضرت جنیدؒ کے علم اور بصیرت کا حال'' کے عنوان سے گزر چکا ہے۔ آپ کو نوریؒ اس لئے کہتے ہیں کہ جب اندھیرے کمرے یا اپنے گھر میں گفتگو فرماتے تو آپؒ کے باطنی نور کی وجہ سے گھر روشن ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ اپنے مریدوں کے باطنی ارادوں پر مطلع ہو جاتے، حتیٰ کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ ''ابوالحسنؒ جاسوس قلوب است''، یعنی ابوالحسن دلوں کا جاسوس ہے۔ یہ ہے تخصص ان کے مسلک کا اور اہل بصیرت کی نظر میں یہ بہت قوی اصل ہے اور بڑا معظم معاملہ ہے اور انسان میں اپنی جان اور دل کو قربان کرنا اور اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز کو خرچ کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز مشکل نہیں۔

v۔ حضرت ابومحمد بن جعفرؒ　آپ حضرت جنیدؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے اقوال اور تعلیمات تو ملتی ہیں مگر باقاعدہ تصنیف شدہ کتاب نظر نہیں آتی۔ حضرت جنیدؒ کے افکار اور نظریات کا زیادہ تر حصہ ان کے دو قریب ترین شاگرد (ابوسعید ابن العربیؒ اور محمد بن جعفر الخلدیؒ) کے رسائل سے ملتا ہے۔

vi۔ عمرو بن عثمان مکیؒ　آپؒ پہلے حضرت ابوسعید خرازؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے پھر حضرت جنیدؒ سے بیعت کی۔ آپ کے مناقب بہت طوالت سے بیان ہوئے ہیں جن کو یہاں بیان کرنا مشکل ہے۔

باب نمبر ۱۷

حضرت جنیدؒ کے شاگردوں کا تربیتی نظام

طریقت میں تربیت کا مقام

حضور ﷺ کے زمانے میں طریقت اپنے حقیقی رنگ میں موجود تھی اگر چہ اس کا نام قرآن نے تصوف نہیں بلکہ حکمت دیا ہے، تاہم حکمت اپنے اندر طریقت کا نظام سموئے ہوئے ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں طریقت کا وہ مفہوم موجود تھا جو لفظ طریقت کا مقصود ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے طریقے کو (یعنی طریقت کو) اس طرح نافذ کر دیا تھا کہ تقریباً ۱۰۰ فیصد مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان تھے حتیٰ کہ جب بھی ان سے جان اور مال کا نذرانہ طلب کیا گیا تو وہ اس میں ہمیشہ پورے اترے۔ ان کی روحوں میں جذبۂ برداشت، محنت، مشقت، ایثار اور قربانی کے جذبات موجود تھے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی خلا موجود نہ تھا۔ صحابہ کرامؓ کی تمام خوبیاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ کی تربیت، اثراتِ صحبت اور اثرات روحانیہ کے باعث تھیں۔ آپ کی ذاتِ مبارکہ کا ان میں موجود ہونا ہی صحابہ کرامؓ کو بے مثل شجاعت، ایمانداری اور سچائی کا نمونہ بنانے کے لئے بہت کافی تھا۔ ایسے باوقار اور بے مثل رسول ﷺ کے صحابہؓ بھی آپ کے ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

آج! صورتحال تیزی سے بدل چکی ہے لیکن پھر بھی چند اولیائے کرام حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں اور باقی سب قصے اور کہانیوں کی صورت میں باقی ہیں۔ کچھ نام نہاد مشائخ تو دولت اکٹھا کرنے کی لالچ میں گرفتار ہیں اور کچھ کسی معقول تربیت سے محروم ہونے کی وجہ سے اس مقام سے نااہل ہیں۔ راقم الحروف نے ایسے بے شمار پیر دیکھے ہیں کہ جن کو کتاب وسنت کے علوم تو ایک طرف فقہ کی موٹی موٹی باتوں کا علم تک نہیں۔ بعض کے متعلق تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انھیں طہارت اور غسل کے ارکان کا بھی علم نہیں۔

ایسے لوگ (جو خود کچھ نہیں جانتے) دوسروں کو کیا تربیت دیں گے۔

مرید کرنا آسان ہے مگر اس کی نگرانی کرنا مشکل ہے

حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ کسی کو مرید کرنا تو بہت آسان ہے (تقریباً زیادہ تر پیر ایسے ہیں جو لوگوں کو مرید کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں) مگر مرید کی نگرانی کرنا بہت مشکل ہے۔ اس میں ایک مشکل مقام یہ بھی ہے کہ مریدوں میں اکثریتی تعداد (تقریباً ۹۵ فیصد) ایسی ہے جو دیکھا دیکھی یا کسی اثر کے تحت آ کر بیعت کر لیتے ہیں اور بیعت کے مقصد کو آگے بڑھانے کی قطعاً آرزو نہیں رکھتے اور نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں اور نہ کچھ سیکھنا چاہتے ہیں اور اپنے شیخ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ سو ایسے مریدوں کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے اور مریدین کی اکثریت ایسی ہے جو صرف مشکل کاموں میں یا بیماری کے لئے دعا کروانے کے لئے آتی ہے اور اس کے بعد ان کو کوئی حاجت نہیں رہتی۔ راقم الحروف نے نئے مریدوں کے لئے خاص لیکچروں کا انتظام کر رکھا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ جن کے لئے پروگرام بنایا گیا ان میں سے ستر فیصد لوگ تربیتی پروگراموں میں آتے ہی نہیں۔ اب ایسے لوگوں کو کوئی خاص توجہ دی جائے تو شاید اس طرف آ جائیں۔

پیر کا کام کیا ہے؟

پیر کا کام یہ ہے کہ مرید جو دنیاوی مشکلات میں الجھا ہوا ہو اسے پہلے ان الجھنوں سے محفوظ کرے اور پھر اللہ کی طرف راغب کر دے۔ یہ کام مشکل نہیں۔ ہر مرید کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر مطلب پرست مرید خود ہی کوئی کام کرنا نہیں چاہتے۔ اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ پیر صاحب کوئی ایسی اللہ اللہ کر دیں یا تعویذ دے دیں کہ کام ہو جائے۔ یہ لوگ نہیں برداشت کرتے کہ نماز ادا کرنے کا خیال کریں یا کسی وظیفے کی پابندی کریں۔

سائیں توکل شاہؒ نے فرمایا ہے کہ مرید کے ذمہ یہ بات ہوتی ہے کہ وہ اپنا آپ اور اپنے مال کو پیر کی ملکیت سمجھے اور اس کے عوض میں پیر کا یہ حق ہے کہ وہ مرید کے ہر کام کی حفاظت کرے حتیٰ کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اور جب تک مرید کو جنت میں داخل نہ کروا دے اس وقت تک مرید کا پیچھا نہ چھوڑے۔ یہ بات بالکل ممکن ہے بشرطیکہ مرید اپنے آپ کو مرید کی حیثیت پر قائم رکھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے ایک روایت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہے تو اسے اس بات سے دریغ نہیں کرنا چاہیے کہ جس (پیر) سے وہ محبت کرتا ہے اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر سے جو کچھ چاہے اُٹھا کر لے آئے۔ محبت میں ہر چیز محبوب کی

ہوتی ہے۔ (دیکھیں سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ جس میں اپنی جان، مال، اولاد اور ہر چیز کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے حاضر کرنا ضروری ہے)۔

مسلمانوں نے آئین حیات کو بھلا دیا اور خوار ہو گئے

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے لئے یہ قانون وضع فرمایا ہے کہ وہ عالم اسباب کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور جس چیز کا اس کو مکلف بنایا ہے اس کی طرف توجہ دے۔ اسباب کو پورا کرنے کے معاملے میں کافر اور مسلمان ایک جیسے ہیں۔ اگر کافر اسباب پیدا کرے گا تو وہ چاند پر بھی پہنچ جائے گا۔ سیٹلائٹ اور راکٹ بھی بنا لے گا اور دنیا پر چھا جائے گا۔ علامہ اقبالؒ کے اس قول کا مطلب بھی یہی ہے۔

رشی کے فاقوں سے نہ ٹوٹا برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

(ب ج:۳۶۲)

اگر مسلمان اسباب میں سست ہے تو غیر مسلم اس پر چھا جائیں گے اسی طرح اگر کاروبار دنیا میں ترقی کے قابل نہیں تو بھوکا مرے گا (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے)۔ حضور ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو مصائب برداشت کئے ہیں تو ان کو وہ مقام ملا جس کی مثال نہیں ملتی۔

اسباب کی تکمیل کے لئے کوشش کرنا عبادت ہے اور عین اسلام ہے (اس سے مراد سامان تعیش مہیا کرنا نہ لیا جائے)۔ اسباب کی تکمیل کے بعد اوامر و نواہی پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ بھوکے مرنے اور ناکام ہونے کا خطرہ رہے گا۔ اس حصے میں نماز روزہ اور دیگر ارکان اسلام پر عمل کرنا ہے (جو کوئی خاص لمبا چوڑا کام نہیں) بس مختصر عبادت اور اپنے حقوق ادا کرنے میں کوئی مشکل نہیں اگر کوئی پیر کامل مل جائے تو وہ دونوں کام ہی کروا دیتا ہے مگر مرید ایسا نالائق نہ ہو کہ کچھ بھی نہ کرنے کی ٹھان لی ہو۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر تم ان باتوں کا خیال کرو گے تو میری مدد شامل حال رہے گی۔

پیر کے قرب سے ہی روحانی کام بنتا ہے

حضرت جنیدؒ نے اپنے ارشاد و تبلیغ کا سلسلہ شب و روز جاری رکھا۔ لوگ آتے اور آپ کی حکیمانہ گفتگو سے لذت گیر ہوتے۔ یاد رہے کہ صحبت ایک ایسی چیز ہے کہ جس میں مرشد کے قریب ہونے کا فیض لہروں کے ذریعے ملتا ہے۔ ہماری تصنیف ''حسن نماز'' میں ایک باب اسلامی عبادات کے اثرات سائنس دانوں کی نظر میں شامل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ عبادت اور عبادت گزار کے بدن سے نکلنے والی

شعاعوں (لہروں) کا کس طرح اثر ہوتا ہے۔

اولیائے کرام کا اگر قرب نصیب ہو جائے تو بس اتنا بھی کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا قرب سب سے زیادہ میسر ہوا اور اس بات پر احادیث شاہد ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے قرب میں سب سے سبقت لے گئے چنانچہ پوری امت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان سب مسلمانوں کے مجموعی ایمان سے زیادہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ محض اس لئے تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی صحبت اختیار کی اور حسب قرب ان کو درجات میں بلندی ملی۔

حضرت جنیدؒ کی تربیت کے اصول

حضرت جنیدؒ کے اصول کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ اپنے مریدوں پر سخت گیر تھے ضرورت ہوتی تو مریدوں کی مدد اور تواضع فرماتے تھے آپ کا طرز گفتگو دل میں جاگزین ہو جاتا اور آپ لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرتے۔ آپ کا طریقۂ گفتگو سادہ اور عامیانہ ہوتا اور آپ کی خاص مجلسوں میں صرف محدود مریدین ہوتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کو اللہ کی بارگاہ میں پہنچا دیتے اور غیر محرم لوگوں سے اپنی مجلس کو محفوظ فرما لیتے۔ آپ نہایت مشکل نکات کو آسان لفظوں میں سمجھا دیتے اور وہ لوگ جو آپ کی مجلس میں آتے تو ان کے مزاج سے آپ پوری طرح واقفیت رکھتے تھے تا کہ ان کو راستہ دکھانے میں آسانی ہو جائے۔

آپؒ اپنے مواعظ میں دنیاوی اور اخروی حقیقتوں کی نہایت خوبی سے وضاحت کرتے تا کہ لوگ دھوکے میں آ کر دنیاوی عیش وعشرت کے پیچھے نہ چلنا شروع کر دیں۔ آپ درسوں میں علم وفلسفہ اور شریعت کی پاسبانی کے زریں اصول مریدوں کو سمجھاتے اور ان کو پابند شریعت بنا دیتے اور آپ نے ان پر واضح فرما دیا کہ قرآن اور سنت کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں جس پر چلنا اسلام کی ضروریات میں شامل ہو۔ آپؒ نے تصوف کی دنیا کے لئے متوازی اور غیر شرعی امور سے پاک راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی، غرضیکہ جو ایک مرید کے لئے ضروری تھا، آپ نے اس کی مکمل ہدایت دی۔ جب پیر ایسا ہو تو پھر مرید کیوں بلند مقامات پر فائز نہ ہو سکیں گے۔ اتنی محنت کا صلہ ضرور روحانی بلندیوں کی شکل میں ملتا ہے۔

حضرت جنیدؒ مریدوں کی تربیت کا خاص اہتمام کرتے

حضرت جنیدؒ اپنے مریدین کا بہت خیال رکھتے اور ہر بات میں ان کی مدد اور اعانت فرماتے۔

کبھی کچھ لوگ ان پر زیادہ کھانے پینے کی تہمت لگاتے تو آپ فرمادیتے کہ یہ صوفیاء جب کئی دنوں تک بھوکے رہیں گے تو پھر جب کھائیں گے تو بھوک کے مطابق ہی کھائیں گے۔ کبھی لوگ کہتے کہ آپ کے مریدوں کو قرآن اور حدیث پر وجد طاری نہیں ہوتا البتہ صوفیانہ کلام پر ان کو وجد طاری ہوجاتا ہے یہ کیا وجہ ہے؟ آپ فرماتے کہ جب قرآن خالق کائنات کا کلام ہے تو اس میں وجد طاری ہونے والی کوئی بات ہی نہیں کیونکہ اس میں تو احکامات الٰہی ہیں۔ ایسے کلام میں وجد تو نہیں طاری ہوسکتا، البتہ صوفیانہ کلام چونکہ انسانوں کا کلام ہے اس لئے اس میں عشق اور محبت کا جذبہ ہوتا ہے اس لئے وجد طاری ہوجاتا ہے۔

روایات میں ہے کہ ایک امیر آدمی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ کسی صوفی کو میرے ساتھ میرے گھر پر بھیج دیں تاکہ میں اسے کھانا کھلاسکوں۔ آپ نے ایک صوفی کو جو تین دن سے بھوکا تھا اس کے ساتھ بھیج دیا مگر ایک لقمہ کھانے کے بعد وہ اٹھ کر واپس آگیا کیونکہ گھر والے نے کہا تھا کہ یہ لقمہ میرے نزدیک ایک ہزار دینار کا ہے۔ وہ امیر آدمی حضرت جنیدؒ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ آپ کے صوفی نے کھانا نہیں کھایا اور واپس چلا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ نے اسے کچھ کہا ہوگا جب اس صوفی کو بلایا تو اس نے بتایا کہ اس شخص نے مجھے ایک لقمہ دے کر یہ کہا تھا کہ یہ لقمہ ایک ہزار دینار کا ہے تو میں یہ احسان برداشت نہ کر سکا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم نے کوئی نازیبا حرکت کی ہوگی۔

حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ جلیل القدر بزرگوں کی گفتگو عام طور پر وصل اور فصل کی حقیقتوں میں امتیاز کرتی ہے اور اللہ میں مشغول رکھنے کا سبق دیتی ہے وہ ان باتوں سے الگ رہنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اللہ سے الگ اور غفلت میں ڈالنے والے امور سے منع کرتے ہیں۔ وہ ہمہ وقت روحانی مکاشفات اور تجلیات الٰہی کے مشاہدات میں مصروف اور رطب اللّسان رہتے ہیں آپؒ نے فرمایا کہ اولیاء کرام اخلاص، ایمان، صدق دل، سلامت فکری اور حق تعالیٰ کے لئے تمام تر یکسوئی کے معاملات کی علامت ہیں ساتھ ہی غیر حق سے قطع تعلق اور اس کے سوا کسی اور کی طرف لو نہ لگانے کے عزم محکم اور قلب وضمیر کے دیگر معاملات میں اس کی طرف رجوع کی روشن مثال ہوتے ہیں۔ وصل کی اہمیت اس وقت ممکن ہوتی ہے جبکہ عوامل وصل کے ساتھ فصل کے اسباب وعلل سے بخوبی واقفیت حاصل ہو۔ عرفان اور لعل وگہر اس وقت حاصل ہوں گے جب اللہ کے سوا ہر چیز کو دل سے نکال دے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

کھلتے نہیں اس قلزمِ خاموش کے اسرار جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

(ب ج:۴۵۹)

مذکور بالا شعر کی لطیف تشریحات سے وہی شخص واقف ہو سکے گا جو بارگاہ ناز کے پس پردہ اسرار و رموز سے واقف ہو چکا ہو۔ چنانچہ جب کوئی عارف باللہ اس قسم کی گفتگو کرے تو اس کو غنیمت جاننا اور اس کی عظمت کے شایان شان اس کی قدر کرنا لازم ہے۔

حضرت ابوسلیمان خواصؒ فرماتے ہیں کہ تم ایک دوسرے میں پھنس کر اللہ کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ اگر تم اس کی طرف متوجہ ہوتے تو یقیناً تم ایسے عجائبات کا مشاہدہ کرتے جو ناقابل بیان ہیں۔ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ میری اہل علم و دانش لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ میں نے ان کو مفلس پایا جو دوسروں کی عقل و ذہانت سے فتح یاب ہوتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ کی صلاحیت عقدہ کشائی

حضرت جنیدؒ کی ذہنی کیفیت اس قدر تیز تھی کہ آپؒ بڑے بڑے مسائل کا حل آسانی سے تلاش کر لیتے۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ ایک مجلس میں عشق کی تعریف پر بحث ہو رہی تھی۔ آخر میں لوگوں نے حضرت جنیدؒ سے استدعا کی تو آپ نے عشق کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی کہ سب لوگ حیران ہو گئے (یہ واقعہ الگ بیان ہو چکا ہے)۔ کافی وقت گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جو کچھ وہ بیان کرتے تھے اللہ کی طرف سے القا ہوتا تھا اور جب آپ کو کہا جاتا کہ یہ بات دوبارہ فرمائیں تو آپ کہہ دیتے کہ مجھ سے جو کچھ کہلوا دیا گیا ہے اس کا مجھے بھی علم نہیں۔ اگر یہ جملے میرے ہوتے تو میں ضرور دہرا دیتا۔

حضرت سری سقطیؒ کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ آپ پر بہت سے معارف کھل گئے اور اپنے پیر و مرشد کو مفید مشورے دینے لگے ایک روز حضرت جنیدؒ اپنے پیر و مرشد کے پاس حاضر ہوئے تو ایک شخص وہاں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے مرشد سے پوچھا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے فرمایا کہ میں نے سورۂ یوسف کی ایک آیت تلاوت کی تو یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ آپ وہی آیت پھر تلاوت فرمائیں تو یہ ٹھیک ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا، بعد میں حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا کہ اس آیت کے دوبارہ پڑھنے کا خیال کس طرح تمہارے دل میں آیا۔ عرض کرنے لگے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرہنِ مبارک سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی چلی گئی تھی اور پھر انکے دوسرے پیرہن سے ہی ان کی بینائی واپس آ گئی تھی۔ حضرت سری سقطیؒ کو یہ

جواب پسند آیا۔ بعض اوقات حضرت سری سقطیؒ آپ کی باتوں کو سن کر حیران رہ جاتے تھے۔

ایک بار حضرت سری سقطیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ توبہ کیا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ توبہ یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کو نہ بھولے۔ اس شخص نے کہا کہ یہ غلط جواب ہے بلکہ توبہ یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کو یکسر فراموش کردے شیخ اس بات سے پریشان تھے حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اس شخص کا جواب درست تھا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ صفائی کے وقت غبار کا خیال دل میں لانا بھی غبار ہے۔ (مراد یہ ہے کہ توبہ کی تین شرائط ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس گناہ کو ترک کردیا جائے دوسری یہ کہ اس کا اعادہ نہ کرے اور تیسری یہ کہ اس کے خیال سے بھی لذت حاصل نہ کرے)۔

حضرت جنیدؒ کے شاگردوں کی تربیت کا طریقہ

حضرت جنیدؒ اپنے شاگردوں کی تربیت کے لئے درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھتے۔

ا۔ سائل کے فہم سے بالا مسئلے کا جواب نہ دیتے

حضرت ابن سراجؒ ''مصنف کتاب اللمع'' فرماتے ہیں کہ میں نے ابن علواق کو یہ کہتے سنا کہ حضرت جنیدؒ کی عادت تھی کہ حضرت جنیدؒ سے جب کوئی ایسا سوال کرتا جو پوچھنے والے کے فہم سے بالا ہوتا تو جواباً فرماتے ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' اور اگر وہ سائل پھر سوال کرتا تو فرماتے ''حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ'' (کتاب اللمع ص ۲۹۲)

۲۔ علم سے اپنی شخصیت کو سنوارنے والے کی نیکیاں بدیوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں

حضرت جنیدؒ کے شاگرد حضرت ابوبکر شبلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا اس علم کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے سامنے علماء کا علم فقط تہمت ہے فرمایا کہ سری سقطیؒ کہتے ہیں جس شخص نے صرف علم سے اپنی شخصیت کو سجائے رکھا اس نے اپنی نیکیوں کو بدیوں سے بدل لیا۔

۳۔ آپ اپنی محبت میں آنیوالے کے مزاج سے واقف ہوتے تھے

حضرت جنیدؒ کے ہمعصر اساتذہ کا کہنا ہے کہ وہ اپنی صحبت میں ہر آنے والے کے حال، مزاج اور

طبیعت سے واقف ہوتے تھے اور ان کے ظرف کے مطابق ان کو اسرار سے آگاہ کرتے تھے۔ حضرت نوریؒ لکھتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت جنیدؒ کے حلقہ ارشاد میں گیا تو وہ مسند ارشاد پر رونق افروز تھے اور شاگرد قلب و نظر کی سچائیوں کے ساتھ ہمہ تن گوش تھے اور ساری فضا باعظمت نظر آتی تھی۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے کہا۔ اے جنیدؒ تم نے لوگوں سے حقیقت کو چھپا رکھا ہے اور انہوں نے تمہیں عزت و توقیر کا مقام دیا ہے۔ جب کہ میری حالت یہ ہے کہ میں نے ان پر حقیقت ظاہر کر دی تو انہوں نے مجھے پتھر مارے۔

حضرت نوریؒ کے اس تحسین آفریں جملے سے محققین نے یہ اخذ کیا ہے کہ حضرت جنیدؒ پر حق و باطل پوری طرح عیاں تھا اور سارے علوم ان پر واضح ہونے کے باوجود سرمست و بے خود نہیں تھے۔ انہوں نے صوفیانہ سرمستی و بے خودی پر زبردست کنٹرول حاصل کیا ہوا تھا اور پھر اس ہوش کی مسند پر متمکن تھے کہ انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے کس کو کیا کہنا ہے وہ اپنے شاگردوں کو اتنا ہی سبق دیتے جتنا وہ برداشت کر سکتے تھے۔ یوں بھی ان کے حلقہ ارشاد میں بہت سے لوگ جمع رہتے اور آپ ان کے سوالات کے مختصر جواب دیا کرتے تھے اور ان کی گفتگو پر کبھی یہ گمان نہیں ہوتا تھا کہ وہ بحث کر رہے ہیں ان کے لب و لہجہ میں کمال توازن تھا آپؒ نہ اونچا بولتے نہ ہی بہت کم اور ان کا ہر ارشاد پر اثر اور روحانی اثرات سے بھرپور ہوتا۔

۴۔ پرپیچ مسائل کے لئے آپؒ کے اشارات لطیف اور فیصلہ کن ہوتے تھے

ایک دن بغداد کے نامور صوفی ابن عطاؒ فقر و غنا کے مسئلے پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے آئے۔ ابن عطاؒ اس مسئلے پر سند سمجھتے تھے کہ فقر پر غناء کو فضیلت حاصل ہے اور اس مسئلہ پر بھی صوفیاء کے حلقوں میں الگ الگ آراء تھیں۔ ابن عطاء غنا کی فضیلت بیان کر رہے تھے اور انہوں نے یہ دلیل دی کہ غنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فیضیاب ہوتا ہے اور غنی ہونا اس لئے افضل ہے کہ قیامت کے روز نعمتوں کا حساب مانگا جائے گا اور ظاہر ہے حساب مانگنے والا روبرو ہوگا اور غنی کو خدا کے دیکھنے اور خدا کے کلام کو براہ راست سننے کا موقع ملے گا اور یہ بہت بڑی سعادت ہے اس کے علاوہ باز پرس کے لمحے ہوں گے، لہٰذا باز پرس دوست، دوست ہی سے کرتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے اس کے جواب میں فوراً یہ جملہ کہا:

"اگر غنی سے حساب مانگا جائے گا تو فقیروں سے عذر خواہی ہوگی اور حساب سے عذر افضل ہے لہٰذا

غنی ہونے سے تارک مال ہونا زیادہ افضل ہے''۔

۵۔مریدوں کی تواضع فرمانا

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے شاگردوں کی بہت تواضع فرماتے تھے۔منقول ہے کہ جب آپ کے شاگرد محمد جریریؒ حج سے واپس آئے تو بے شمار احباب نے آپ کا استقبال کیا۔ کہنے لگے کہ جب تک میں اپنے استاد حضرت جنیدؒ کے گھر نہ جاؤں گا اس وقت تک میں اپنے گھر نہیں جاؤں گا چنانچہ حضرت محمد جریریؒ حضرت جنیدؒ کے گھر پہلے حاضر ہوئے تو جب حضرتؒ نے آپ کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے سرفراز کیا دوسرے روز صبح جب حضرت جریریؒ اپنے محلے کی مسجد میں نماز فجر کے لئے گئے تو حضرت جنیدؒ کو وہاں حاضر پایا اور حضرت جریریؒ نے وہاں دیکھ کر آپ کو کہا کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی۔ میں تو اس لئے کل آپ کے گھر پر حاضر ہوا تھا کہ آپ کو آنے کی تکلیف نہ کرنا پڑے۔آپ نے فرمایا آپ میرے پاس آئے تو یہ آپ کی تواضع اور شرافت کا اظہار تھا اور اب میرا یہاں آنا تمہارا حق تھا جو میں نے ادا کر دیا، تمہارے آنے سے تمہارا حق مجھ سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

۶۔طرز گفتگو سادہ ہونا چاہیے

یہ بات قابل توجہ ہے کہ آپ اپنی مجالس میں صرف دینی گفتگو آہستگی سے کرتے کہ جن تک عام انسانوں کو آسانی سے رسائی حاصل ہوتی۔ آپؒ ہمیشہ اخلاقیات پر کلام فرماتے تا کہ لوگوں کے کردار کی تعمیر ہو سکے۔آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہی سیدھی سادی باتیں عوام کے علاج کے لئے مفید ہیں۔اسرار الٰہی کا ذکر کر کے ان کے ذہنوں کو الجھنوں کا شکار نہ بنایا جائے (ویسے بھی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرنا چاہیے۔[۱] اور کہتے ہیں کہ جو آدمی عوام کے سامنے پیچیدہ گفتگو کرتے ہیں تو ان کو اپنے مقام سے گرا دیا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول ہے عام لوگوں کو نماز و روزہ وغیرہ کے بنیادی علوم کا بیان کرنا عام مجالس کے لئے نہایت ضروری ہے۔تصوف اور روحانی اسرار و رموز تو خواص کی مجالس میں ہی بیان کرنا ضروری ہیں)۔

خاص مجلسوں میں کبھی صرف بیس آدمی ہوتے تھے۔کہا جاتا تھا کہ حضرت جنیدؒ کی خصوصی اور نجی مجلسوں کا یہ حال تھا کہ ان میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ بیس افراد شریک ہوتے۔ابوطالب مکیؒ لکھتے ہیں کہ آپؒ فرمایا کرتے تھے

[۱] کنز العمال، حدیث نمبر ۲۹۲۸۲، جلد ۱۰، صفحہ ۴۳۹۔

کہ آپ لوگوں میں توحید کے حقائق و معارف جاننے کا شوق بہت کم ہو گیا ہے۔ جب آپ اپنے شاگردوں کو علم باطن کی تعلیم دیتے تو دروازے بند کر کے ان میں قفل ڈال دیتے۔ جب حضرت شبلیؒ نے اعلانیہ طور پر باطن کی تعلیم دینا شروع کر دی تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس علم کو تہہ خانوں اور گھروں میں چھپ کر دیتے تھے مگر شبلیؒ نے اس کو بر سر عام بیان کرنا شروع کر دیا۔

۷۔ مریدوں کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے قابل بنانا

ایک سید زادے سید ناصری ایران سے آپ کے پاس حاضر ہوئے تا کہ حج سے پہلے حضرت جنیدؒ سے ملاقات کریں۔ حضرت نے پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو عرض کیا گیلان کا رہنے والا ہوں اور سید خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا سید صاحب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے دادا حضرت علی ﷛ بیک وقت دو تلواریں چلایا کرتے تھے۔ تو سید صاحب یہ بات سمجھ نہ سکے حضرت نے فرمایا کہ حضرت علی ﷛ ایک تلوار کافروں کی گردنوں پر چلاتے تھے اور دوسری تلوار اپنے نفس پر۔ سید صاحب آپ کون سی تلوار چلاتے ہیں؟ سید صاحب یہ سن کر بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ مجھے پہلے اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لائق بنا دیں۔ آپ نے فرمایا ''تمہارا سینہ حق تعالیٰ کا خاص حرم ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس میں کسی نامحرم کو جگہ نہ دو۔ حضرت سید ناصریؒ نے یہ سن کر ایک چیخ ماری اور دنیا سے رخصت ہو گئے''۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں سمجھ لو کہ حقیقی زندگی کیا ہے۔ ایک مرتبہ اپنے مریدوں سے فرمایا کہ بے خبر انسان کی زندگی اس کے سلسلۂ سانس کے چلنے تک محدود ہے۔ سانس ختم ہوئی تو زندگی بھی ختم ہو گئی مگر جس کی زندگی حق تعالیٰ پر ہے تو وہ حیات طبعی سے حیات اصلی کی طرف رجوع کرتا ہے اور حقیقی زندگی یہی ہے'' ایک موقع پر فرمایا کہ جو شخص حق تعالیٰ کی صفت کو عبرت سے نہ دیکھے اس کا اندھا ہو جانا بہتر ہے۔ جو زبان اللہ کا ذکر نہ کرے اس کا قوت گویائی سے محروم ہو جانا ہی بہتر ہے۔ جو کان اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کے منتظر نہ ہوں ان کا بہرہ ہو جانا ہی بہتر ہے۔

۸۔ بے خبر اور بے ذوق شخص کو مجلس میں نہ آنے دو

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مچھلی سارے جال کو گندا کر دیتی ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ کسی ایک شخص کی غلط بحث کی وجہ سے پوری مجلس ہی فیض رسانی کی سعادت سے محروم ہو جاتی

ہے۔ بجائے اس کے کہ مجلس میں کوئی ایسی بات کی جائے جس سے لوگوں کی اصلاح ہو یا ان کے علم میں اضافہ ہو، کچھ نا اہل اور نامراد انسان ایسے موضوعات پر خواہ مخواہ بحث میں الجھ جاتے ہیں کہ مجلس کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے ماحول میں یہ بات ضروری ہے کہ اگر کوئی فضول قسم کا شخص سوال کر بیٹھے تو اسے یہ کہا جائے کہ ایسا سوال جو اس کی ذات سے منسلک ہے مجلس کے بعد کر لیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو سب لوگ مل کر مجلس سے ہی باہر کر دیں۔

حضرت جنیدؒ کو ایک دن ان کے کسی بے تکلف دوست نے دعوت پر بلایا تو آپ بخوشی وہاں چلے گئے اور جونہی جا کر بیٹھے تو ایسا شخص آ گیا جس کو وہ جانتے تھے کہ کم علم اور جاہل ہے اور بے معنی باتوں میں الجھ جاتا ہے چنانچہ آپ نے اسے اشارہ کر کے بلایا اور اپنی چادر اسے دے کر کہا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کی رقم جو تمہیں ملے اس کی شکر لے آؤ اور جب وہ جانے لگا تو فرمایا یہ چادر تمہارے لئے ہی ہے مگر خدا کے لئے رات بھر آج ادھر کا رخ نہ کرنا۔ آپ فوراً اٹھے اور دروازہ بند کر دیا۔ لوگ آپ کے اس عمل سے حیران ہوئے فرمایا کہ ایک بے خبر اور بے ذوق انسان ہماری مجلس میں چلا آیا تھا۔ میں نے اپنی چادر دے کر اس سے فراغت حاصل کر لی اور آج رات کی صحبت کو غیروں سے بچا لیا۔

آپ مریدوں پر سخت گیر تھے

حضرت جنید بغدادیؒ کا اخلاق نہایت کریمانہ تھا حتیٰ کہ دوست و دشمن اپنے پرائے، مسلم و غیر مسلم جاہل و عالم غرضیکہ ہر طبقے کے لوگ آپ کی بلند کرداری کے قائل تھے۔ اگر کسی نے ان کو اذیت پہنچائی تو آپ اس کے لئے دعا فرماتے مگر اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے بہت سخت گیر تھے اور فرمایا کرتے تھے ''کسی کو مرید کرنا بہت آسان ہے مگر اس کی نگرانی کرنا بہت مشکل ہے''۔

۹۔ ایک شخص نے اپنا سب کچھ لٹا دیا پھر آپ نے اسے مرید کیا

آپؒ ہر شخص کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل نہیں فرمایا کرتے تھے۔ ایک بہت امیر شخص نے آپ سے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا ''یہ راستہ بہت مشکل ہے'' اس نے عرض کی کہ مجھے اس راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا۔ فرمایا ''تیرا دعویٰ عمل کی دلیل چاہتا ہے'' وہ شخص اٹھا اور مجلس کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ آپ نے ایک دن اسے دیکھا تو فرمایا ''یہ درویشی کی منزل ہے، یہاں اہل زر کا گزر نہیں''۔ وہ

شخص اپنا سارا مال وزر آپ کی خدمت میں پیش کر کے کہنے لگا "یہ سب کچھ آپ کی نذر ہے" آپ نے ناراض ہو کر فرمایا "میں تو دولت کی نفی کرتا ہوں اور تو مجھے سیم وزر کے دام میں الجھاتا ہے"۔ اس شخص نے عرض کی "پھر میں کیا کروں اور رو کر کہا "میں تو آپ کی قربت و محبت کا طلب گار ہوں" آپ نے فرمایا کہ اپنا سارا مال ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے تو اس نے ایسا ہی کیا۔

کچھ دنوں کے بعد آپ نے پھر اس شخص سے دریافت فرمایا کہ تیرے پاس کیا ہے کہنے لگا کہ ابھی بھی ایک مکان میری ملکیت میں ہے۔ فرمایا اسے بھی فروخت کر کے اس کی رقم کو میرے پاس لے آؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور جب تمام رقم آپ کے سامنے رکھ دی تو فرمایا اس کو دریائے دجلہ میں ڈال دو۔ اس شخص نے مال کو اس طرح ضائع کرنے پر کوئی حجت پیش نہ کی اور سارا مال دریا میں پھینک کر کہنے لگا کہ اب میرے لئے کیا حکم ہے۔ تو فرمایا اب تمہارے پاس لٹانے کو کچھ نہیں ہے۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس شخص نے ذرہ برابر بھی برہمی کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہنے لگا "ابھی تو میرے پاس لٹانے کے لئے میری جان کا سرمایہ موجود ہے۔ جب اپنی جان اس راستے میں لٹا دوں گا تو پھر کہیں جانے کا سوچوں گا"۔ پھر وہ شخص آپ کے دربار میں حاضر رہتا مگر شیخ اسے ناپسند فرماتے اور کئی بار اسے مجلس سے باہر نکالا مگر وہ پتھر کی طرح دروازے پر بیٹھا رہتا۔

۱۰۔ احوال کی شکایت اللہ کی شکایت ہے

ایک روایت میں ہے کہ آپ ایک سفر پر جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ ایک مرید تھا۔ اس نے کہا آج کی گرمی تو ناقابل برداشت ہے آپ نے فرمایا کہ ہماری صحبت میں رہ کر تم نے صرف شکایت کرنا ہی سیکھا ہے اس نے گرمی کی شکایت کی دلیل میں مزید کچھ کہا تو فرمایا تم واپس چلے جاؤ! ہماری صحبت کے قابل نہیں ہو۔ بعد میں جب خدمت گاروں نے اس شخص سے ناراضگی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ یہ اللہ کے کاموں میں راضی بہ رضا نہیں ہے سردی اور گرمی اللہ کے حکم سے ہی ہوتی ہے۔ ایسا شخص جو خدا کے احکام میں دخل دے تو ہماری صحبت کے قابل نہیں۔

۱۱۔ مرید کے چہرے کی سیاہی کو دھونا

حضرت جنیدؒ اگرچہ مریدوں پر سخت گیر تھے مگر ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنے مریدوں سے بے خبر نہ رہتے تھے۔ آپ کے ایک مرید کے دل میں کسی گناہ کا خیال آ گیا اور شیطانی وسوسہ اس طرح غالب ہوا کہ وہ

اس فاسد خیال سے باز نہ رہ سکا۔ دوسرے دن صبح شیشہ دیکھا تو چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ اللہ سے بہت توبہ کی مگر دن بھر کوئی فرق نظر نہ آیا۔ اس شخص نے اپنے مریدوں کو ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ بیمار ہے۔ دوسرے اور تیسرے روز استغفار کے باعث اس کے چہرے میں فرق رونما ہوا اور چوتھے روز بالکل اصلی حالت میں آ گیا چوتھے روز حضرت جنیدؒ نے ایک خط اس کے نام بھیجا اور لکھا۔

''میرے عزیز تم نے مجھے کس کام پر لگا رکھا ہے۔ میں تین دن سے دھوبی کا کام کر رہا ہوں اور مسلسل تمہارے چہرے کی سیاہی کو دھو رہا ہوں یاد رکھو کہ اہل اللہ کا مواخذہ بہت سخت ہوتا ہے۔ ان کے دل میں گناہ کا خیال گزرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ اس گناہ کے مرتکب ہو گئے ہوں''۔

تصوف کا علم خدائی عطیہ ہے

حضرت ابن شریحؒ جو اس زمانے کے عالم اور فاضل تھے ''ایک دن ایک مجلس میں ایک نہایت عارفانہ اور محققانہ گفتگو پیش کر رہے تھے تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ حقائق کہاں سے سیکھے ہیں تو آپ نے حضرت جنیدؒ کا نام لیا۔ ابن شریحؒ طالب علموں کی طرح حضرت سے اخذ فیض کرتے۔ ایک دن ایک مسئلے پر حضرت جنیدؒ نے بہت طویل کلام کیا اس پر انہوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ نکتے کہاں سے اخذ کئے ہیں۔ فرمایا کہ یہ کلمات نہ تو کتابوں سے اخذ کئے جاتے ہیں اور نہ مطالعہ سے بلکہ یہ سراسر خدا کا عطیہ ہیں۔ حضرت ابن شریحؒ نے پوچھا کہ یہ بصیرت آپ نے کہاں سے سیکھی۔ فرمایا یہ اللہ تعالیٰ سے چالیس سال میں حاصل کی ہے۔

ازلی اور غیر فانی کو حادث سے الگ کر دیا جائے

حضرت جنیدؒ کے زمانے میں ایک اور بہت بڑے عالم و فاضل حضرت ابن کلابؒ تھے جنہوں نے اپنے زمانے کے تمام سلسلوں کے رد کرنے پر بہت کچھ لکھا اور پھر اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ میری تردید سے کوئی فرقہ ابھی تک بچا ہوا ہے؟ تو انہوں نے فرقہ جنیدیہ کا نام لیا۔ انہوں نے پوچھا کہ ان کا رہنما کون ہے تو لوگوں نے کہا کہ حضرت جنیدؒ۔ دوسرے دن ابن کلابؒ حضرت جنیدؒ کے پاس پہنچ گئے اور مختلف سوال و جواب ہوتے رہے حضرت جنیدؒ نے ان کے سب سوالوں کا جواب ایک ہی دیا کہ ''ہمارا اصول اور نظریہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ازلی و غیر فانی کو اس چیز سے الگ کر دیا جائے جس کی تخلیق کا وقت اور زمانے کے ساتھ تعلق ہے اس کے علاوہ اپنے ہم جنسوں اور بھائیوں کا وطنوں اور گھروں سے تعلق ختم کر لیا جائے اور ماضی و حال کے خیال کو

دل سے نکال دیا جائے''۔اس جواب کو ابن کلابؒ سن کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو منطقی دلائل کے تحت ہم بحث کر سکیں۔حضرت ابن کلابؒ بہت منطقی تھے لیکن حضرت جنیدؒ کے سامنے اپنی منطق نہ چلا سکے اور آخر ان کے حلقہ ارادت کے ہو کر رہ گئے۔ایک دن ابن کلابؒ نے آپ سے ایک سوال پوچھا جس کا تسلی بخش جواب ان کو دے دیا گیا لیکن انہوں نے ایک فقرے کو دہرانے کی درخواست کی مگر حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر یہ الفاظ میں نے کہے ہوتے تو یقیناً میں انہیں قلمبند بھی کروا دیتا۔ابن کلاب قائل ہو گیا کہ آپ کا کلام کلی طور پر الہامی ہے۔

شیخ سے سوال و جواب کا سلسلہ

آپؒ مشکل سوالات کے لئے اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے حضرت جنیدؒ کے شاگردوں کا قول ہے کہ حضرت جنیدؒ کے علاوہ ہمیں کوئی ایسا عالم نہیں ملا جس کو علم بھی ہو اور تجربہ بھی لیکن یہ دونوں باتیں آپ میں بیک وقت موجود تھیں جبکہ دوسروں میں یا تو علم تھا یا تجربہ پایا جاتا تھا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کبھی جنیدؒ سے اگر کوئی ایسی چیز پوچھی جاتی جس کا انہیں علم نہ ہوتا اور ان کا جواب کوئی بھی نہ دے سکتا تو آپ اٹھ کر اندر چلے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور غور کرتے اور تھوڑی دیر بعد آتے اور سوال کرنے والے کو جواب دے دیتے۔

''ذکر خیر'' ایک کتاب ہے جس میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کے ارشادات نقل کئے گئے ہیں۔اس کتاب میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ حضرت سائیں توکل شاہؒ سے کسی نے سوال کیا کہ پیر اور مرید کے حقوق کیا ہیں۔آپ نے کچھ دیر مراقبہ کیا اور کہا کہ اب مجھے پتہ چل گیا ہے کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا تمام مال اپنے پیر کی ملک سمجھے اور پیر کا یہ حق ہے کہ مرید کی جان کنی کے وقت مرید کے پاس موجود ہو اور اس کا خاتمہ بالخیر کرائے اور پھر قبر میں نکرین کے سوالات کے جوابات صحیح دلوائے۔فرمایا پیر اپنے مرید کو اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک مرید کو جنت میں پہنچا نہ دے۔فرماتے ہیں کہ یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ مرید کی یہ قربانی کہ اپنے مال کو پیر کی ملک سمجھے، یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ذرا اندازہ کریں کہ ایسے مرید کتنے ہیں جو اپنا مال پیر کے لئے وقف کر دیں اور پیر بھی ایسا کونسا ہے جو مرید کو جنت میں پہنچا کر دم لے۔حضرت جنید شیخ ابوبکر شبلیؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کے رازوں کو ایسے لوگوں پر ظاہر نہ کرو جن کے دماغوں اور آنکھوں پر

پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔

ہر شخص علم تصوف کے لائق نہیں

حضرت جنیدؒ کے زمانے میں آپ کے ایک دوست شیخ ابوبکر کتانیؒ تھے جن کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر کتانیؒ بغداد میں نہ ہوتے تو میں بھی نہ ہوتا۔ حضرت جنیدؒ، حضرت کتانی کو خطوط کے ذریعے رموز باطنی سمجھایا کرتے تھے اور ان کے نام ایک ہزار مسائل کا جواب لکھ کر بھیجا۔ جب حضرت کتانیؒ انتقال کرنے لگے تو اپنے شاگردوں کو کہا کہ جنید کی تحریروں کو پانی سے دھو ڈالو۔ حضرت جنیدؒ نے حضرت کتانیؒ کے شاگردوں کی مجلس میں فرمایا کہ کاش کتانیؒ نے میرے لکھے ہوئے مسائل کو بھلا دیا ہوتا۔ حضرت کتانیؒ کے شاگردوں نے بتایا کہ شیخ نے اپنے انتقال سے پہلے ان تمام تحریروں کو پانی سے دھلوا دیا تھا۔ یہ سن کر آپ خوش ہوئے اور فرمایا ''مجھے ان سے یہی امید تھی'' کیونکہ وہ تحریریں کسی کم علم کی نظر سے گزرتیں تو وہ اندیشوں کے عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔

کشف المحجوب میں ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ میری کتابیں دریا میں ڈال دو۔ مرید نے دیکھا کہ یہ کتابیں بہت اعلیٰ معیار کی حامل ہیں تو اس نے ان کتابوں کو اپنے پاس رکھ لیا اور کہہ دیا کہ میں نے ان کو دریا میں ڈال دیا ہے مگر اس بزرگ نے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا؟ مرید نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ فرمایا کہ پھر تم نے یہ جھوٹ کہا ہے۔ جاؤ اور ان کو دریا میں ڈال دو۔ تیسری بار جب وہ گیا تو اس نے کتابوں کو دریا میں ڈال دیا تو حضرت نے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ مرید نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا کہ دریا سے ایک ٹرنک نمودار ہوا اور کتابیں اس میں محفوظ ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں اب تو نے واقعی ان کتابوں کو پھینک دیا ہے۔ فرمایا کہ یہ کتابیں کسی کی سمجھ میں آنے کے لائق نہ تھی اور خضر علیہ السلام نے مجھے کہا تھا کہ ان کتابوں کو مجھے بھجوادیں چنانچہ دریا میں وہ ٹرنک حضرت خضر علیہ السلام نے رکھوایا تھا۔

حضرت جنیدؒ کے نصائح کا ایک انداز

حضرت ابوالقاسمؒ (جنید بغدادیؒ کی کنیت تھی) نے فرمایا اے لوگو! اپنی امانت جو ظاہر ہے اور تھوڑی سی ہے، اللہ کے حوالے کر دو تو اللہ بھی اپنی امانتوں کو جو یقیناً بہت زیادہ ہیں اور حکمت اور بھلائی پر مشتمل ہیں آپ کے حوالے کر دے گا۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اہل معرفت کے دل اللہ عزوجل کے خزانے ہیں جن

میں وہ بطور امانت اپنے سربستہ راز اور گنجینۂ معرفت محفوظ رکھتا ہے۔ حضرت ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں کہ رؤیت کی دو قسمیں ہیں رؤیت عینی اور رؤیت قلبی۔ فرمایا رؤیت عینی ظاہری آنکھوں سے ہوتی ہے اور رؤیت قلبی ایمان و یقین کی آنکھوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت امام جعفر صادقؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ کو دیکھا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ میں کسی ایسے رب کی عبادت کرنے والا ہی نہ تھا جس کو دیکھ نہ لیا ہو۔ اس پر کسی نے پوچھا آپ نے اس کو کیسے دیکھا جبکہ اس کا عینی مشاہدۃ آنکھوں کے احاطہ سے باہر ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان اور یقین کی آنکھ سے قلب کا دیکھنا مراد ہے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ درج ذیل عربی عبارت میں ہے۔

اَهْلُ الْخَصَائِصِ مُصْطَفَوْنَ	مخصوص امتیازات رکھنے والے لوگ قرب الٰہی کے لئے
لِقُرْبَةِ اَدْنَاهَا وَخِيَارُهَا مِنْ	مخصوص و منتخب ہوتے ہیں۔ گزشتہ زمانوں سے ادنیٰ و اعلیٰ
سَالِفِ الْاَزْمَانِ اِخْتَارَهُمْ مِنْ	کے فرق کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ فطرت سے پہلے ہی
قَبْلِ فِطْرَةِ خَلْقَهُمْ فَهُمْ بَدَائِعُ	اس کا انتخاب ہو چکا ہے لہٰذا وہی لوگ حکمت دانائی و
الْحِكْمَةِ وَالْبَيَانِ	بلاغت کے انوکھے نمونے ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت جنیدؒ سے آپ کا ایک مرید کچھ بد اعتقاد ہوا اور اس غلط فہمی میں پڑ گیا کہ اب میں کسی درجہ پر فائز ہو چکا ہوں تو اس نے حضرت جنیدؒ سے کچھ اعراض کر لیا۔ چند روز بعد حضرت جنیدؒ کے پاس اس غرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا خیال جنیدؒ پر منکشف بھی ہوا یا نہیں اور حضرت جنیدؒ اپنے نورِ فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب وہ مرید آیا تو آپ سے کچھ سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کیسا جواب چاہتا ہے، الفاظ وعبارات میں یا حقیقت کے معنی میں۔ مرید نے عرض کیا۔ دونوں معانی میں۔ آپ نے جواب فرمایا عبارتی جواب تو یہ ہے کہ اگر میرا تجربہ کرنے کی بجائے تو اپنا تجربہ کر لیتا تو میرے تجربہ کا محتاج نہ ہوتا اور اس جگہ تجربہ کی غرض سے نہ آتا۔ معنوی جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے منصب ولایت سے معزول کیا۔ یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ چیخنے لگا اور پکارا کہ حضور راحت و یقین میرے دل سے جاتی رہی۔ توبہ کرنے لگا اور پہلی بکواس سے ہاتھ اٹھایا۔ اس وقت حضرت جنیدؒ نے فرمایا تو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیانِ اسرار ہوتے ہیں تجھ میں ان کی ضرب کی برداشت نہیں۔ پھر ایک پھونک اس پر ماری۔ وہ پھر اپنے پہلے درجہ پر متمکن ہوا۔ اس دن سے خاصان بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے بھی توبہ کی اور پختہ عہد کر لیا کہ آئندہ اہل اللہ کے متعلق دل میں مَیل نہیں آنے دوں گا۔

باب نمبر ۱۸

صوفیاء کے چند افکار اور اُن کی مخالفت

اہل تصوف کا ہر عمل اللہ کے لئے ہوتا ہے

حضرت علی بن سہلؒ نے حضرت جنیدؒ کو لکھا کہ خواب غفلت اور عوارضات میں قرار حاصل کرنا درست نہیں کیونکہ محبّ کے لئے لازم ہے کہ وہ غفلت وقرار سے اعراض کر لے تا کہ اس کا حال مقصد سے دور نہ رہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اے داوٗد! وہ شخص جھوٹا ہے جو دعویٰ کرے میری محبت کا اور جب رات ہو تو سو جائے اور میری یاد سے غافل ہو جائے۔

حضرت جنیدؒ نے مذکورہ خط کے جواب میں لکھا، ہمارا بیدار رہنا راہ حق میں ہمارا عمل ہے اور ہمارا سونا فعل الٰہی ہے، ہم میں سے جو راہ حق میں بے اختیار ہو جائے یعنی جو اپنے اختیار سے حق کے ساتھ ہو وہ زیادہ کامل ہے چونکہ نیند بھی حق تعالیٰ کی طرف سے محبین کو ایک عطا ہے۔ اس لئے اس کا سونا حق تعالیٰ کی عطا ہے اور فعل الٰہی ہے۔

سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۲۳ میں ہے کہ اللہ والوں کا ہر فعل اللہ کے لئے ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۂ انعام: ۱۶۲)	آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے بیشک میری نماز، میری قربانی، میرا زندہ رہنا اور مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو کہ تمام عالموں کو پالنے والا ہے۔

تصوف سے نابلد لوگوں کی تصوف میں دخل اندازی ظلم عظیم ہے

مسلمانوں کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو ایک حدیث "اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ"[1]

---

[1] کنز العمال، حدیث نمبر ۲۸۶۸۶، جلد ۱۰، صفحہ ۵۹۔

سے آشکار ہوتی ہے۔آج کل مسلمانوں میں اختلاف بہت شدت سے پایا جاتا ہے بلکہ ضرورت سے کہیں زیادہ پایا جاتا ہے۔وہ اختلاف جو باعث رحمت ہے اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اختلاف کسی مسئلہ کے صحت مند دلائل پر انحصار کرتا ہو نہ کہ اپنی من گھڑت تاویلات کے دائرہ میں گردش کرتا ہو۔ایسا اختلاف برائے اختلاف ہی کہلائے گا۔ایسے اختلافات کی بناپر ہی علامہ اقبالؒ نے جو درج ذیل شعر تحریر فرمایا ہے، وہ ہمارے مؤقف کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔

تنگ برما راهگذار دیں شد است　　　　هر لئیمے راز دار دیں شد است

(ار:۱۲۵)

(ہمارے واسطے دین کا راستہ تنگ ہو گیا ہے کیونکہ ہر کم ظرف انسان دین کا راز دار بن بیٹھا ہے)

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ جو تصوف کی الف اور بے نہیں جانتا وہ بھی تصوف پر نکتہ چینی سے باز نہیں رہ سکتا چنانچہ اس زمانے میں کم ظرف انسانوں نے بھی وہ کچھ کہنا شروع کر دیا ہے جسے تصوف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔کچھ لوگوں نے اس قسم کی حاشیہ آرائی دشمنان اسلام سے معاوضہ لے کر شروع کر دی اور کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو کسی فرقے کے سربراہ ہونے کے زعم سے شروع کی ہے۔منکرینِ تصوف کے ان جھوٹے دعویداروں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ تصوف کی اصل تو ہندی ویدانت سے مستعار ہے۔غیر اسلامی افکار کے پیروکار لوگوں نے یہ بھی کہا کہ شریعت اور طریقت اسلام میں دو متضاد چیزیں ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ تصوف ایک الگ مذہب ہے، جو سماع اور مزامیر کو جائز قرار دیتا ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف کے عقائد میں حلول، سریان اور تناسخ بھی شامل ہیں اور اس کے ذریعے تکالیف شرعیہ اور حرام وحلال کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ان لوگوں کے افکار کے مطابق تصوف کو کھلم کھلا شرع کے خلاف ہونا قرار دیا جاتا رہا ہے۔سطحی ذہن رکھنے والے لوگوں نے تصوف کی چند ہندی، عجمی اور یونانی تحریکات کو ظاہری مماثلتوں کے باعث عجمی روایات کی نئی شکل قرار دیا ہے۔کچھ لوگوں نے تصوف کو آریاؤں کی طرف سے اٹھائی گئی بغاوت تسلیم کیا اور کبھی اس سلسلہ تصوف کو یونانی منکرین سے ملا ڈالا۔یہاں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اگرچہ دوسرے مذاہب میں برت رکھنے، نماز پڑھنے اور چند تہوار منانے کی مثالیں ملتی ہیں مگر اس سے یہ خیال قائم کرنا کہ اسلام ہندومت یا دیگر مذاہب سے اخذ کیا گیا ہے یہ سراسر غلط ہے۔چند ظاہری مماثلتوں سے کسی تحریک یا دین کو دوسرے دینوں کے ساتھ ملا دینا سراسر ناانصافی ہو گی جبکہ ان تمام مذاہب کے قوانین سے اسلامی تصوف کی روح کو ممیز اور ممتاز شناخت حاصل ہے۔

تصوف اور رہبانیت میں فرق جنیدؒ و بایزیدؒ کے اعتبار سے

تصوف کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی یوں کی گئی ہے کہ تصوف کو رہبانیت کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جو کہ ترک دنیا (عیسائیت) کا مذہب کہلاتا ہے جبکہ تصوف کی تعلیمات میں اس بات پر شدت کے ساتھ زور دیا جاتا ہے "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" [۱] (یعنی ترک دنیا اسلام میں جائز نہیں)۔ مگر تصوف میں ترک دنیا یہ ہے کہ دنیا کے کاموں کو اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے خدا کے ساتھ محبت کی غرض سے دنیا کی محبت سے اپنے دلوں کو پاک رکھا جائے۔ اگرچہ تصوف میں کچھ وقت کے لئے صوفی لوگ آبادیوں سے باہر معتکف رہتے ہیں تو اس میں رسول اکرم ﷺ کی سنت بھی موجود ہے کہ آپ نے کئی کئی دنوں تک غار حرا میں تنہائی اختیار فرمائی اور پھر ماہ رمضان کے اعتکاف میں مسلمانوں کو تھوڑی بہت تنہائی اختیار کرنے کا سبق بھی دیا گیا ہے۔

صوفیاء طہارت کا بہت اہتمام کرتے ہیں

ہماری تصنیف ''حسن نماز'' میں وضو کے باب میں اور ''صوفیاء کی نماز کا روحانی معیار'' کے باب میں نماز کے باطنی اور ظاہری آداب کے متعلق کافی تفصیل شامل کر دی گئی ہے جس کا مطالعہ اس سلسلہ میں سودمند ثابت ہوگا۔ حضرت جنیدؒ اور ان کے مریدین میں طہارت پر کافی توجہ دی جاتی تھی۔

حضرت شبلیؒ ایک روز مسجد جانے کے لئے طہارت فرما رہے تھے کہ غیبی آواز آئی ''شبلی ظاہری طہارت تو تم نے کر لی، باطنی طہارت کہاں ہے؟ آپ واپس تشریف لائے اور تمام جائیداد، مال و دولت راہ خدا میں خرچ کر کے ایک سال تک صرف ایک کپڑے میں رہے، جس سے نماز ادا ہو سکے۔ پھر حضرت جنیدؒ کی خدمت میں آئے تو حضرت جنیدؒ نے کہا، اے ابوبکر شبلی! جو طہارت تم نے اختیار کی ہے وہ بہت مفید ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ باطہارت رکھے۔ چنانچہ حضرت شبلیؒ رحلت کے وقت تک بے طہارت نہ رہے۔ جب انتقال کا وقت آیا تو آپ کی طہارت نہ رہی آپ نے اپنے ایک مرید کو اشارہ کیا کہ مجھے طہارت کراؤ۔ یہ بھی ان سے روایت ہے کہ میں نے کوئی رات بے طہارت نہ گزاری اگر سہواً طہارت رہ گئی تو مجھے میرے باطن نے یاد دلا دیا''۔

صوفیاء کے تحمل کی چند مثالیں

حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ آپ کی بیوی سخت مزاج تھی۔ ایک روز آپ کا ایک

[۱] کشف الخفاء، حدیث نمبر ۳۱۵۴، جلد ۲، صفحہ ۵۱۰۔

مرید سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے آپ کی زیارت کو آیا اور گھر پہنچ کر حضرت کے دروازے پر دستک دی تو آپ کی اہلیہ نے حضرت بایزیدؒ کو اور ان کے مرید کو خوب سنائیں اور کہا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنی دور سے اس کے پیچھے آئے ہو۔ بایزیدؒ میں ایسی کون سی بات ہے؟ جب وہ مرید آپ کو تلاش کرتا ہوا جنگل کی طرف گیا تو دیکھا کہ حضرت بایزیدؒ شیر کی سواری کرتے ہوئے آ رہے تھے اور مرید کے دل میں حضرت کی بیوی کی گفتگو کا ملال تھا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ بھئی تم اس کی باتوں پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ میں خود بھی تو اس کی ایسی باتوں کو سنتا ہوں (اور برداشت کرتا ہوں) جبھی تو یہ شیر میری بات سنتا ہے اور میری تابعداری کرتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں مشہور ہے کہ ''بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا''۔ چنانچہ اکثر اولیاء کرام سخت کلامی اور درشتی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ عبادات الٰہیہ کا منشاء بھی اسی صفت اخلاق کو پیدا کرنا ہے۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت مبارکہ بھی یہی ہے کہ وہ لوگوں پر جلدی گرفت نہیں فرماتے۔ ورنہ اگر کسی بادشاہ کی رعایا نافرمانی کرے تو وہ اپنی ایسی رعایا کو فوراً ملیا میٹ کر دے یا کم از کم اس کی روزی کو تو ضرور بند کر دے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ وہ نافرمانوں پر اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کرتی۔ حضور ﷺ کا خلق ہی قرآن تھا۔[1] (اس موضوع پر الگ مضمون ہماری تصنیف ''متاع اخلاق'' میں انشاء اللہ آئے گا) حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کے متعلق ان کی بیوی کی بدسلوکی کا بہت سی روایات میں ذکر آیا ہے جس کا یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔

''اسرار التوحید'' میں ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ مجھے اسرار حق کی تلقین فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کل آنا۔ چنانچہ دوسرے دن آپ نے اسے ایسی ہنڈیا دی جس میں ایک چوہا بند تھا اور ہنڈیا کا منہ کپڑے سے باندھ دیا گیا تھا۔ فرمایا! جاؤ اس کو گھر لے جاؤ اور اسے حفاظت سے رکھنا مگر اس کا منہ نہ کھولنا۔ وہ لے گیا تو رات کو بے چین ہوا کہ اس ہنڈیا میں بھید کیا ہے؟ جب کپڑا کھولا تو چوہا پھدک کر بھاگ گیا۔ دوسرے دن جب شیخ کو ماجرا سنایا تو شیخ نے کہا ہم نے ایک چوہا تمہیں دیا تھا لیکن تم اس کی حفاظت نہ کر سکے تو اسرار خداوندی کی کیسے حفاظت کرو گے؟ حضور ﷺ کا مثالی اخلاق ہماری تصنیف ''متاع اخلاق'' میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ چند مزید اولیاء کرامؒ کے صبر و تحمل کی مثالیں بھی ہم تک پہنچی ہیں جن کو ''متاع اخلاق'' میں لکھ دیا گیا ہے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۲۴۶۴۵، جلد ۶، صفحہ ۹۱۔

تصوف میں فتوت کی تعریف

(حضرت جنیدؒ نے ابوحفص کے بیان کو پسند کیا)

مسجد شونیزیہ جو حضرت جنیدؒ کے گھر کے قریب تھی، وہاں حضرت عمرو بن سالم نیشاپوریؒ تشریف فرما تھے اور آپ نے نہایت فصیح زبان میں تقریر فرمائی ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ فتوت کیا ہوتی ہے۔ (فتوت شجاعت اور سخاوت میں دوسروں سے آگے بڑھنے کو کہتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ تمام مشائخ تشریف فرما ہیں سب یکے بعد دیگرے فتوت کی تعریف کریں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ''میرے نزدیک فتوت یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت یعنی جوان مردی کو نہ دیکھے اور جو کچھ کررہا ہے اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے''۔

حضرت ابوحفصؒ نے فرمایا کہ حضرت جنیدؒ نے کیا اچھا بیان فرمایا مگر میرے نزدیک فتوت نام ہے انصاف کا یعنی دوسرے کا حق ادا کرنا اور اپنے لئے طلب انصاف کو ترک کرنا۔ اس پر حضرت جنیدؒ نے فرمایا ''اے میرے یارو کھڑے ہو جاؤ ابوحفصؒ جوان مردی (فتوت) میں آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے بڑھ گیا ہے''۔

تصوف میں مراقبہ کی اہمیت

حضرت جنیدؒ کے نزدیک سلوک میں مراقبہ باطن کو بہت اہمیت حاصل ہے اور وہ خود اپنی روحانیت کا راز یہی بتاتے ہیں کہ انہوں نے مسلسل چالیس سال تک گھر کی ایک سیڑھی کے نیچے بیٹھ کر مراقبہ کیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ جس کی کڑی نگرانی مراقبہ کی رعایت پر ہو تو اس کی ولایت ہمیشہ باقی رہتی ہے آپؒ کا فرمان ہے کہ بہترین اور بلند و بالا مجلس تفکر کے ساتھ میدانِ توحید میں بیٹھنا ہے۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء (ص ۴۳) میں آپ کا فرمان ہے ''تصوف یہ ہے کہ تم گھڑی بھر ہر چیز کے ملاحظے سے معطل ہو کر بیٹھ جاؤ''۔

آپؒ کا فرمان ہے کہ تمام مذاہب میں صاحب فقر کو اہل دنیا سے راہ و رسم رکھنا اور امراء و حکام کے ہاں آمد و رفت رکھنا حرام ہے۔ آپ کے پاس اگر کوئی حاجت مند آتا تو یاد حق اور نوافل و اذکار کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اس کی حاجت روائی فرماتے۔ آپ نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ طریقت میں اہم اصول دل کی اصلاح ہے اور دل کی درستی، صلاح و صفا اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ سالک تمام ممنوعات دنیا (عقل پرستی و عشق مجازی، حسد و تکبر اور حرص و بخل) سے دل کو پاک کرے تو درویشی کا جوہر ہی اسی مقام پر حاصل ہوتا ہے۔

تصوف میں اوقات گنے چنے ہوتے ہیں

تصوف کی ضروریات کو اگر پوری توجہ دی جائے تو صوفی کے لئے فارغ اوقات کے میسر ہونے کا تو تصور ہی نہیں کیا جاتا۔ ایک صوفی کا نظام اوقات اس قدر مصروف ہوتا ہے کہ اس کا لایعنی کاموں کے لئے وقت نکالنا تو کجا اپنے گھریلو معاملات کے لئے بھی وقت مہیا کرنا مشکل امر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت جنیدؒ کچھ غمگین بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت جریریؒ نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج مجھ سے ایک ورد نہ ہوسکا۔ حضرت جریریؒ نے کہا کہ ایک ورد رہ گیا ہے تو کیا ہوا؟ اسے دوسرے وقت میں کرلیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ اوقات تو گنے چنے ہوتے ہیں۔ جو ورد رہ گیا اس کے لئے دوبارہ وقت ہی کب ملتا ہے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جنیدؒ جب بوڑھے ہوگئے تو وظائف کی تکمیل ان کے لئے خاصی مشکل ہوگئی اس پر لوگوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ جوانی کے وظائف کو اب ترک کردیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ جن وظائف کی وجہ سے مجھے یہ رتبہ ملا ہے اب میں انہیں کیسے ترک کردوں؟ آخر دم تک آپ کا سلسلہ ورد جاری رہا۔ یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ اولیاء کرام جو وظائف اپنی زندگی میں شروع کرتے ہیں، تمام عمر اس پر مدومت حاصل کرلیتے ہیں تو مشکل اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو اپنے معمول کے مطابق وظائف جاری رکھنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان کے وظائف جاری رہتے ہیں اور ان کی اولاد کا ثواب ان کے اعمال نامہ میں شہیدوں کے اعمال نامہ کی طرح جاری رکھا جاتا ہے۔

حضرت حسین بن منصورؒ کے نعرہ ''اَنَا الْحَقُّ'' کا طریقت کی دنیا پر اثر

حضرت حسین بن منصور حلاجؒ حضرت جنیدؒ کے شاگردوں میں سے تھے اور ان کی پرورش تستر میں ہوئی۔ ابتداء میں حضرت سہل تستریؒ کی صحبت اختیار کی جو شریعت اور طریقت کے جامع تھے اور حقیقت کے علم میں ان کے ارشادات عام فہم اور پر اثر تھے، لیکن منصور حلاجؒ اچانک بغداد آگئے اور حضرت عمرو بن عثمان مکیؒ کے حلقہ ارشاد میں داخل ہوگئے۔ حضرت مکیؒ، حضرت جنیدؒ کے ہمعصر تھے اور توحید کے کلام میں ان کے ارشادات، ابہام اور اخفاء سے بھرپور ہوتے تھے۔ ان کے پاس کچھ تحریریں تھیں جن کے اندر مخصوص و مخفی علم کی باتیں تھیں، جو منصور حلاجؒ کے ہاتھ لگ گئیں لیکن انہیں اس کا علم نہ تھا۔ تاہم وہ ان تحریروں کی گمشدگی کے

بارے میں فکر مند تھے اور کہتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ جس کے پاس یہ تحریریں ہیں کہیں اس کا سر قلم نہ کر دیا جائے چنانچہ بعد میں حضرت منصورؒ کا سر قلم کر دیا گیا۔ حضرت عمرو المکیؒ ویسے بھی منصور الحلاج کی بے باکی سے نالاں تھے۔ ایک مرتبہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے کہ حلاجؒ نے کہا "ایسا کلام تو میں بھی بول سکتا ہوں"۔ محققین کی رائے میں وہ اپنا عقیدہ توحید حد سے زیادہ فاش انداز میں پیش کرتے تھے جس کی مسلمانوں میں تاب نہیں تھی چنانچہ انہوں نے اپنی تصنیف "کتاب الطواسین" کے اس فقرے میں اپنا عقیدہ سمو دیا اور لکھا کہ "اَنَا الْحَقُّ" یعنی میں ہی وجود خداوندی ہوں۔

حلاجؒ نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کے نام ایک خط میں لکھا جس کا آغاز اس طرح کیا "یہ خط ہے الرحمان الرحیم کی طرف سے"۔ جب ان کے سامنے یہ تحریر رکھی گئی تو انہوں نے اقرار کر لیا اور کہا یہ خط میں نے ہی لکھا ہے۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ اب تک تو آپ پیغمبرانہ قوت و اختیار کا دعویٰ کرتے رہے ہیں اب آپ نے خدائی دعویٰ تو نہیں کر دیا؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اپنی خدائی کا دعویٰ تو نہیں کرتا مگر یہ تو وہ چیز ہے جسے ہم صوفی "عین الجمع" (ارادہ خداوندی کے ساتھ کامل اتحاد) کے نام سے تعبیر کرتے ہیں "خدا کاتب ہے اور میں آلہ کتابت ہوں"۔

حلاجؒ پر حکومت نے مقدمہ چلایا اور حلاجؒ سے جب پوچھا گیا کہ تمہارے ہم خیال اور کون سے صوفیاء ہیں تو حلاجؒ نے ابن عطاؒ، ابو محمد الجریریؒ اور ابو بکر شبلیؒ کے نام لئے۔ جریریؒ اور شبلیؒ نے اس کی تصدیق سے انکار کر دیا۔ عمرو مکیؒ، منصور حلاجؒ سے بہت ناراض تھے اور انہیں اس بات پر سخت رنج تھا کہ منصور حلاجؒ کھلے بندوں کشف و کرامات کا مظاہرہ کرتے تھے اور لوگوں کو واضح روحانی کمالات دکھا کر اسلام کی طرف مائل کرتے تھے۔ وہ اپنی صوفیانہ مدہوشی میں اتنے گہرے چلے گئے تھے کہ حضرت عمرو المکیؒ انہیں اپنے حلقہ ارشاد سے علیحدہ کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس کا باقاعدہ اعلان بھی ہوا کیونکہ حکومتی سطح پر شرعی احکام کی خلاف ورزی پر فائلیں تیار ہو رہی تھیں اور ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے جا رہے تھے۔ روزانہ مسجدوں اور دانشگاہوں میں ابن منصور حلاجؒ کے خلاف سنگین کارروائی کرنے کی قراردادیں منظور کر کے خلیفہ کو ارسال کی جا رہی تھیں اور زہر آلود تقریروں میں ثابت کیا جا رہا تھا کہ ابن منصور حلاجؒ نے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ صوفیانہ حلقوں میں اس کا عمل سراسر علمی اور نظریاتی تھا۔ مستند صوفی اساتذہ جو ابن منصور حلاجؒ کے اس رویے پر ناراض ضرور تھے لیکن ان کے

روحانی مرتبے کے بھی قائل تھے۔ یہاں یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ مغربی محققین کی رائے میں حضرت ابن منصور حلاجؒ اتنی دور چلے گئے تھے کہ وہ اپنے ضمیر کے ساتھ مصالحت نہ کرسکے اور انہوں نے دین اور حکومت کے عمومی اقتدار کے سامنے ایسا شخصی اقتدار لا کھڑا کیا تھا جو ایک خدا پرست کو براہ راست خدا سے حاصل ہوتا ہے اور ابن منصور حلاجؒ کی دینی اور سیاسی سطح پر مخالفت کا باعث راز حقیقت کا انکشاف نہیں تھا بلکہ وہ اپنے باطن کے تحت ایسی حقیقت کو منوانے کی راہ پر چل پڑے تھے جو دینی اور سیاسی انارکی کا سبب بن سکتی تھی۔

حضرت جنیدؒ کے ساتھ حضرت منصورؒ کی گفتگو

بغداد کی حکومت ابھی حضرت ابن منصورؒ کے خلاف حکم تجویز کر رہی تھی کہ حضرت ابن منصورؒ، حضرت جنیدؒ کے پاس گئے تو آپ نے ان سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ اس پر ابن منصورؒ نے بڑے ادب سے عرض کی کہ وہ ان کی صحبت کی غرض سے آئے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ میں دیوانوں کو اپنی صحبت میں رکھنا نہیں چاہتا کیونکہ صحبت کا تقاضا ہے کہ ایسا شخص ہوش اور شعور کا مالک ہو۔ اگر ایسا نہیں تو اس کا وہی نتیجہ ہوگا جو تمہارا نتیجہ عبداللہ تستریؒ اور عثمان مکیؒ سے ہوا۔ حضرت ابن منصورؒ نے فرمایا ہوش تو سلامتی عقل کے باعث ہوتی ہے اور مدہوشی تمنا کی حد سے گزر جانے اور عشق کی انتہا پر پہنچنے کی علامت ہے اور ان دونوں پر انسان اپنی جدوجہد سے پورا نہیں اتر سکتا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا مجھے تمہارے خیالات اور افکار میں تو حماقت اور دیوانگی نظر آتی ہے۔ حضرت حسین بن منصورؒ اپنے اس مدہوشی کے حال پر قائم رہے اور ان پر مقدمہ چلا اور حکومت کی طرف سے بہت سے صوفیاء کو اپنا بیان دینے کے لئے بلایا گیا مگر سب نے حضرت حسینؒ بن منصور کے افکار اور نظریہ توحید کا انکار کیا۔ حضرت ابن منصورؒ نے عدالت میں اپنے نظریہ پر قائم رہنے کے دلائل پیش کئے مگر انہیں بالآخر سزائے موت سنائی دی گئی۔ لوگوں نے اس فیصلے کو صحیح قرار دیا اور عثمان المکیؒ جو ان کے پیر تھے انہوں نے حسین بن منصورؒ کے متعلق جو کہا تھا پورا ہوا۔ (یاد رہے کہ حضرت حسین بن منصورؒ نے اپنے مرشد کی ایک کتاب چوری کر لی تھی جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا اور آپؒ نے فرمایا تھا کہ جو اسے لے گیا ہے وہ اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتا)۔

حضرت منصورؒ کی پھانسی کے بعد ائمہ کے خیالات

حضرت ابن منصورؒ کو پھانسی ملنے کے بعد بہت سے حلقوں میں ان کا احترام پہلے ہی کی طرح کیا جاتا تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے کہ ان کا پھانسی کو قبول کرنا ان کے باطنی اسرار میں سے ہے اور وہ طریقت کے

مشاقوں اور مستوں میں سے تھے۔ حضرت شبلیؒ کو بھی خواب میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے ہمارے راز کو دوسروں پر افشاء کر دیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی لکھا ہے کہ بعض مشائخ ان کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں اور بعض نے ان کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ بعض نے اپنے فیصلہ کو محفوظ رکھا اور بعض انہیں جادوگر قرار دیتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا مجھے اپنے ابتدائی زمانے میں ان سے بہت عقیدت تھی۔ فرماتے ہیں کہ ان کے حالات میں فتنہ ہے۔ وہ اپنے حال کے غلبے میں تھے۔ ان کی پھانسی صوفیوں کو ختم کرنے کی ایک سازش تھی اور یہ ایک بہت طویل داستان ہے کہ حضرت جنیدؒ کے مخالفین نے حضرت جنیدؒ کے خلاف بھی بہت زہر اُگلا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے دور میں کئی سازشیں ہوئیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں خلیفہ الموفق باللہ کے دور میں صوفیاء کے خلاف الحاد، زندقہ اور حلول کے الزامات میں بغداد کے تمام صوفیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت جنیدؒ کو خلیفہ نے بلایا تو آپ نے فرمایا کہ ''میں محدث اور فقیہہ ہوں اور شیخ ابوثورؒ کا شاگرد ہوں اور ان ہی کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں، میرا مسلک قرآن اور سنت سے ماخوذ ہے'' اس باز پرس پر ان کو چھوڑ دیا گیا مگر جب شیخ نوریؒ، شیخ شہامؒ، شیخ رقامؒ اور دیگر صوفیاء کے قتل کا حکم جاری ہوا اور جب وہ قتل کئے جانے لگے تو حضرت نوریؒ نے سب سے پہلے اپنی گردن پیش کر دی تاکہ دوسروں کو مزید چند لمحات کی زندگی مل سکے۔ جلاد نے کچھ سوالات کئے اور اسے محسوس ہوا کہ یہ لوگ تو دیندار ہیں انہیں غلط قتل کیا جا رہا ہے چنانچہ خلیفہ نے قاضی وقت کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے متعلق رپورٹ پیش کی جائے۔ قاضی صاحب نے بہت سوالات کئے تو ان سب لوگوں کو بےقصور قرار دیا گیا اور صوفیوں کو ختم کرنے کے خلاف فیصلہ دیا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا۔

''میں اسی دن کے لئے منع کرتا تھا کہ صبر وضبط سے کام لو اور لوگوں سے وہ باتیں نہ کرو جو اِن کے فہم وادراک سے بالاتر ہوں۔ یاد رہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ کچھ باتیں تو ہم نے لوگوں سے بیان کر دیں اور کچھ باتیں ایسی ہیں کہ اگر ہم انہیں لوگوں پر بیان کر دیں تو وہ ہمارا گلا کاٹنے کو تیار ہو جائیں۔[1] اسی لئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگوں کی عقلوں کے مطابق بات کیا کرو''۔[2]

عشق الٰہی پر بات کرنے کی صوفیاء پر حکومت کی طرف سے ممانعت

تصوف ایک ایسا مضمون تھا جو عشق الٰہی کے نظریئے کی بدولت اور بھی زیادہ حکام کی نگاہوں میں

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۲۸، جلد۱، صفحہ ۵۶۔ [2] کنز العمال، حدیث ۲۹۲۸۲، جلد۱۰، صفحہ ۵۶۔

کھٹکنے لگا تھا کیونکہ خدا سے انسان کے عشق کے نظریئے کو بدعت قرار دینے میں بعض حلقے اتنے پیش پیش تھے کہ خداوند تعالیٰ سے عشق کے اظہار پر حکومت کی طرف سے پابندی لگا دی گئی اور صوفیاء کے روپ میں خفیہ پولیس کے آدمی صوفیانہ مجالس میں آنے جانے لگے۔

حضرت جنیدؒ کے زمانے میں ابن منصور حلاجؒ نے "اَنَا الْحَقُّ" کا نعرہ لگایا جو حکومت کو سخت ناگوار گزرا اور حضرت ابن منصور حلاجؒ کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ ان کے علاوہ خود حضرت جنیدؒ اور دیگر صوفیاء جو اس زمانے میں موجود تھے اللہ تعالیٰ کی محبت کے قائل تھے اور ان کی حکایات بھی حکومت تک پہنچ چکی تھیں۔ [۱] اسی زمانہ میں حضرت جنیدؒ کے ایک صوفی دوست حضرت سمنونؒ اپنے زمانہ کے بے نظیر ولی تھے اور عشق الٰہی ان کا خاص موضوع تھا۔ تمام صوفیاء ان کے احوال اور مقامات کی تعریف کرتے تھے اور انہیں سمنون عاشق کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ حضرت جنیدؒ ان کے عشق الٰہی کے عقیدہ سے متفق تھے کہ خدا اور انسان کے درمیان محبت کا تعلق قائم ہو سکتا ہے اور محبت ایک ایسی حالت ہے جو انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ یہ محبت اتنی پوشیدہ اور پراز ابہام ہوتی ہے کہ اظہار و بیان میں نہیں آ سکتی اور یہ پوشیدہ حالت میں ایک عبادت گزار کو اللہ تعالیٰ کی عظمت پہچاننے میں مدد کرتی ہے اور اس کے اندر یہ آرزو پیدا کرتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں مگن ہو جاتا ہے اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی خداوند کے ذکر و فکر سے غافل نہیں رہنا چاہتا اور وہ یاد خدا کے بغیر کبھی چین نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ کے مسلسل ذکر میں اسے قلبی سکون ملتا ہے لیکن انسان اور خداوند تعالیٰ کے درمیان اس رشتہ محبت کے اندر جسمانی جذب و کشش اور وصل و وصول قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے، اس لئے کہ خداوند تعالیٰ کا حقیقی معنوں میں بے پایاں وجود اتنا ارفع اور مقدس ہے کہ نہ اس تک پہنچا جا سکتا ہے اور نہ اسے حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کا احاطہ کیا جا سکتا ہے اور خدا سے محبت کرنے والے خدا کے عاشق کی تعریف ان معنوں میں ہی ہو سکتی ہے کہ وہ محبوب حقیقی کے عشق میں پوری طرح کھو چکا ہو اور اس میں فنا ہو چکا ہو۔

اسی طرح محبت الٰہی کے اس مسئلے پر صوفیاء کے افکار کو اہل حکومت کے حلقوں میں غلط معنوں میں لیا جا رہا تھا اور مصدقہ دینی عقائد کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مبتدیوں میں بھی اس نظریہ کے فہم میں ناکامی کے باعث غلط روی سرایت کر چکی تھی اور فتنہ انگیزیوں کو ابھرنے کا موقع مل رہا تھا چنانچہ صوفیاء پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ وہ غیر شرعی افکار اور توہم پرستانہ عقائد کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت سمنونؒ جو بے حد

[۱] الفرق بین الفرق، عبدالقاہر بن طاہر البغدادی، متوفی ۴۲۹ھ، جلد ۱، صفحہ ۲۴۷، دارالآفاق الجدیدہ، بیروت، ۱۹۷۷ء۔

حسین وجمیل صوفی تھے اور خداوند تعالیٰ سے عشق کے مسئلہ پر ان کے اشعار کی بڑی دھوم تھی آپؒ جب اس موضوع پر اظہار خیال کرتے تھے تو سننے والے ان کے اسلوب اور دل کش لب ولہجہ میں گرفتار ہو جاتے تھے اور ان پر بھی وہی کیفیت ومستی چھا جاتی جو ان کے کلام کا محرک تھی۔ان کے دوصوفی دوست ''رقامؒ'' اور ''شہامؒ'' بھی اسی کیف ومستی میں عشق الٰہی کی باتیں کرتے تھے لیکن سمنونؒ کے حلقہ ارشاد کے بارے میں حکومتی سطح پر نکتہ چینی شروع ہوئی تو اسی دوران ان کی ایک مریدنی اپنے حسین وجمیل مرشد کے عشق کی آگ میں جلنے لگی۔وہ سمنونؒ کے حلقہ ارشاد میں عرصہ سے شامل تھی اور حضرت سمنونؒ کے عاشقانہ لب ولہجہ اور اظہار بیان کی دل کشی نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا، لیکن حضرت سمنونؒ نے جب دیکھا کہ یہ مریدنی نفس کی خواہشوں میں الجھ گئی ہے تو انہوں نے اس مریدنی کو اپنے حلقہ ارشاد سے نکال دیا۔وہ مریدنی اپنے عشق میں ناکام ہو کر حضرت جنیدؒ کے پاس گئی اور پوچھنے لگی'' آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جسے میں نے حقیقت الوہی کی تلاش کا ذریعہ بنایا لیکن خدا تو غائب ہو گیا اور وہ سامنے رہ گیا''۔حضرت جنیدؒ مذکورہ عورت کا مطلب سمجھ گئے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔یہ عورت جس کے حکومتی سطح پر اعلیٰ حکام سے گہرے تعلقات تھے، دراصل حضرت سمنونؒ سے شادی کرنا چاہتی تھی اور جب وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوئی اور حضرت سمنونؒ نے اسے شان بے نیازی سے مسترد کر دیا تو اس نے انتقام لینے کے لئے خلیفہ الموفق کے ایک درباری غلام الخلیل سے رابطہ قائم کیا۔غلام الخلیل صوفیاء کی دشمنی میں بہت شہرت رکھتا تھا اور خلیفہ کے بہت قریب تھا۔اس کا عقیدہ تھا کہ انسان اور خدا کے درمیان کسی قسم کا عشق ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ سے متعلق عشق کا اظہار بدعت ہے کیونکہ عشق صرف مخلوق ہی کی صفت ہے نہ کہ خالق کی اور کسی کو بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ مجھے خدا سے عشق ہے اور خدا کو مجھ سے۔حضرت سمنونؒ کی مریدنی نے غلام الخلیل کو سمنونؒ اور اس کے ساتھیوں کے خلاف خوب بھڑکایا سو غلام الخلیل نے اس عورت کی درخواست اور دوسری شکایتوں کی بناء پر صوفیاء کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔دوسرے صوفیاء کو عدالت میں بلایا گیا۔ان پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ یہ عشق الٰہی کے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں۔اس سلسلہ میں حضرت جنیدؒ کو بھی عدالت میں طلب کیا گیا لیکن فقیہانہ رتبہ کی بنا پر وہ عدالت میں حاضر ہونے کی پابندی سے مستثنٰی قرار دیئے گئے مگر کئی جید صوفیاء کو گرفتار کر لیا گیا اور بغداد میں اس مقدمہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔بغداد کے صوفیاء پر ابن منصور حلاجؒ کو پھانسی دینے کے مقدمہ کے پس منظر میں اور زیادہ الزامات عائد کئے گئے اور طرح طرح کی الزام تراشی کی گئی۔مقدمہ کی سماعت کے دوران صوفیاء نے اپنے مؤقف سے قطعاً

انحراف نہ کیا اور علمی اعتراضات کو سلوک وطریقت کے بارے میں کئے جانے والے اعتراضات کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں قاضی نے استغاثہ کے دلائل کو درست مان کر یہ مقدمہ خلیفہ کے پاس منتقل کر دیا جو کہ چیف جسٹس کی حیثیت رکھتا تھا۔ خلیفہ نے قاضی بغداد کی سفارش پر فیصلہ دیا کہ حضرت سمنونؒ سمیت ان تمام صوفیاء کو قتل کر دیا جائے، جو اس مقدمہ میں مجرم ثابت ہوئے۔

چند صوفیاء کے قتل کا فیصلہ

صوفیاء کو قتل کرنے کے لئے مقتل میں لایا گیا اور جب جلاد نے قتل کرنے کے لئے خلیفہ سے آخری اجازت طلب کی تو خلیفہ کی زبان بند ہوگئی اور کارروائی روک دی گئی رات کو خلیفہ نے خواب دیکھا کہ کوئی اسے کہہ رہا ہے کہ تیری حکومت کا زوال حضرت سمنونؒ کے ساتھ وابستہ ہے خلیفہ گھبرا کر اٹھا اور صبح ہوتے ہی اس نے حضرت سمنونؒ اور ان کے رفقاء سے معافی مانگی۔ انتہائی عقیدت کے ساتھ پیش آیا اور رہا کر دیا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے حضرت سمنونؒ کے مرتبہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ حضرت سمنونؒ حضرت جنیدؒ کے معتمد رفیقوں میں سے تھے۔ عشق الٰہی کے سلسلہ میں ان کے ارشادات بہت دقیق اور کلام بہت ارفع ہے۔ ایک مرتبہ وہ حجاز سے تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ایک شہر والوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ منبر پر تشریف فرما کر وعظ فرمائیں۔ حضرت سمنونؒ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے وعظ فرمایا تو انہوں نے کوئی توجہ نہ دی، اس پر حضرت سمنونؒ نے اپنا رخ مسجد کی قندیلوں کی طرف پھیر کر فرمایا اے قندیلو! میں تم سے مخاطب ہوں۔ قندیلیں گریں اور چکنا چور ہوگئیں۔

حضرت سمنونؒ کا قول ہے کہ کوئی چیز لائق تعبیر نہیں مگر وہ سب سے زیادہ باریک ہے اور محبت سے بڑھ کر کوئی چیز باریک نہیں جس سے اس کی تعبیر کی جائے۔

صوفی حضرات اس مقدمہ میں بری تو کر دیئے گئے لیکن دنیائے تصوف پر اس کے بڑے ناخوش گوار اثرات مرتب ہوئے۔ بہت سے صوفی عام زندگی سے بالکل الگ تھلگ ہو گئے اور حضرت جنیدؒ زیادہ ہی گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کا زیادہ وقت تنہائی میں گزرتا۔ تصوف کی محفلیں اداس ہوگئیں اور بہت کم لوگ رہ گئے جن کے ساتھ وہ اس موضوع پر گفتگو کر سکتے تھے۔

باب نمبر ۱۹

چند مشائخ کا تصوف پر اظہارِ خیال

تصوف کی تعریف مشائخ کی زبان سے

تصوف پر مشائخ کی آراء ہماری تصنیف ''بیعت کی تشکیل اور تربیت'' کے علاوہ ''اسلام اور روحانیت'' میں بہت تفصیل سے لکھ دی گئی ہے یہاں چند ایک مشائخ کے اقوال پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت ابو محمد الجریریؒ نے فرمایا ''تصوف جملہَ اخلاقِ فاضلہ کو حاصل کرنے اور جملہ عاداتِ دنیویہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔[۱]

۲۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں تصوف کسی رسم و مرتبے کا نام ہے نہ کسی علم کا۔ یہ تو صرف مکارم اخلاق کا نام ہے کیونکہ اگر یہ کوئی مرتبہ ہوتا تو مجاہدے سے حاصل ہو جاتا۔ یہ تو دراصل '' تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ'' (یعنی اللہ کے اخلاق کی طرح اپنا اخلاق بنانا ہے)۔[۲]

۳۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں صوفی وہ ہے جو کسی چیز یعنی غیر اللہ کی طلب میں سرگرداں نہ ہو نہ کسی چیز کے چھن جانے سے غمزدہ ہو یعنی تصوف ہر طلب سے نکل جانے اور کامل رضا بالقضاء کا نام ہے۔

۴۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ دنیا کی لالچ سے باز رہو تا کہ اس کے پھندے سے نجات ملے۔

۵۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ بلا حرکت اعضاء قلب کا مطمئن ہونا، فراخ و کشادہ سینہ، روشن

---

۱ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۲۸۔ ۲ تفسیر الکبیر، جلد ۷، صفحہ ۶۰۔

چہرہ، باطن آباد اور تعلقِ الٰہی کی وجہ سے تمام چیزوں سے بے پرواہ ہونا تصوف ہے۔

۶۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیاء کے طریقے کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے۔ ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کو طے کرنا ہے، اخلاق ذمیمہ اور صفات خبیثہ سے پاک ومنزہ ہونا ہے تا کہ اس کے ذریعے قلب کو غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الٰہی سے آراستہ کیا جائے ''اَلتَّصوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ بِلا وَاسِطَةٍ''۔[1]

۷۔ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ آپ فرماتے ہیں تصوف خدا سے دل کا بلاواسطہ تعلق پیدا کرنا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں تصوف ترک تکلف کا نام ہے۔ تکلف میں چونکہ خودی اور تکبر ہوتا ہے اس لئے اس کا ترک ضروری ہے۔

۸۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ آپ نے حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ طریقت میرے اعمال، حقیقت میری باطنی کیفیت اور معرفت میرا راز ہے۔

۹۔ حضرت داتا گنج بخشؒ آپ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ جس نے اہل تصوف کی دعوت سنی اور اسے نہ مانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غافلین میں لکھا جاتا ہے۔

۱۰۔ حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں ''اَلصُّوفِیُّ مَنْ صَفَا مِنَ الْکَدْرِ وَامْتَلاءَ مِنَ الْفِکْرِ وَانْقَطَعَ اِلَی اللّٰهِ مِنَ الْبَشَرِ وَاسْتَوٰی عِنْدَهُ الذَّهَبُ وَالْمَدَرُ'' (صوفی اسے کہتے ہیں جو گندگی سے پاک ہو، غور و فکر میں ڈوبا ہوا ہو، لوگوں سے انقطاع اختیار کر کے واصل باللہ ہو اور اس کی نظر میں سونا اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہو)۔

۱۱۔ حضرت ابوالحسن المزینؒ نے تصوف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ''اَلتَّصوُّفُ اَلْاِنْقِیَادُ لِلْحَقِّ'' (اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کا نام تصوف ہے۔[2]

۱۲۔ حضرت حسین بن منصورؒ سے صوفی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ''وَاحِدٌ فِی الذَّاتِ لَایُقْبِلُهٗ اَحَدٌ وَلَایَقْبَلُ اَحَدً'' (صوفی اس یکتا و تنہا کو کہتے ہیں جسے کوئی اپنا نہ کہے اور وہ کسی کو اپنا نہ

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۲۵، ناشر الطاف نیروی۔ [2] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۳۹

جانے) اس لئے کہ اس کا مقصود حقیقی تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہوتا۔

۱۳۔ حضرت شبلیؒ کا قول ہے "اَلصُّوفِیُ لَایَریٰ فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰہِ غَیْرَ اللّٰہِ" [۱] (یعنی صوفی وہ ہے جو دونوں جہاں میں سوائے ذات خدا تعالیٰ کے کچھ نہیں دیکھتا)۔

۱۴۔ حضرت معروف کرخیؒ آپ کا قول ہے کہ "اَلتَّصَوُّفُ اَلْاَخْذُ بِالْحَقَائِقِ وَالْیَاسُ مِمَّا فِی اَیْدِی الْخَلَائِقِ" (تصوف حقیقت کی معرفت حاصل کرنے کا نام ہے اور ان چیزوں سے ہاتھ دھو لینے کا نام ہے جو مخلوقات کے ہاتھ میں ہیں۔

۱۵۔ حضرت رویمؒ آپؒ کا قول ہے کہ

(الف) "اَلتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ثَلَاثَۃِ خِصَالٍ اَلتَّمَسُّکُ بِالْفَقْرِ وَالْاِفْتِقَارِ وَالتَحَقُّقُ بِالْبَذْلِ وَالْاِیْثَارِ وَتَرْکُ التَّعَرُّضِ وَالْاِخْتِیَارِ" [۲] تصوف کی بنیاد تین عادتوں پر ہے۔فقر و افتقار کی راہ پر قائم رہنا، سخاوت وایثار اختیار کرنا اور ترک اختیار (یعنی رضا بالقضاء)۔

(ب) آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نفس کو حق تعالیٰ کے ساتھ حق تعالیٰ کے ارادے پر چھوڑ دینا ہی تصوف کی بنیاد ہے۔

۱۶۔ بشر بن الحارث الحافیؒ کا کہنا ہے کہ صوفی وہ ہے جو خدا کے ساتھ دل پاک وصاف رکھے۔

۱۷۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا تصوف درحقیقت آزادی کا نام ہے۔مگر آزادی سے مراد حرص وہوس سے آزادی ہے۔تصوف میں ایک ہی جوانمردی ہے کہ بندہ خواہشات نفسانی سے مجرد ہو جاتا ہے، تکلفات ترک کر کے اپنے مقسوم پر راضی اور مطمئن رہتا ہے۔تصوف ایسی سخاوت کا نام ہے کہ صوفی دنیا کو اہل دنیا کے حوالے کر دیتا ہے اور خود بے تعلق ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے اقوال

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول حضرت داتا گنج بخشؒ نے نقل کیا ہے کہ عشاق اپنے محبوب کے پردۂ محبت میں گم رہتے ہیں یعنی تصوف میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے سوا باقی تمام خواہشات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے) حضرت بایزیدؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صوفی یا ولی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے

۱۔ کشف المحجوب صفحہ ۴۷۔

۲۔ رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۳۹

امر و نہی پر صبر کرے "اَلْوَلِیُّ هُوَ الصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ" [۱] حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ علم تصوف کے آداب کو سیکھنا مال و دولت کمانے کی غرض سے نہیں بلکہ یہ عرفان حق اور وصل الٰہی کی طرف توجہ دینا ہے۔ اس میں اگر قرآن و سنت کی تعلیم اور تزکیہ نفس نہ ہو تو تصوف کا حصول ناممکن ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ سالک قطع علائق اور ترک دنیا کی طرف کوشش کرے اور امید و رجا کے ساتھ سلوک کو قائم کرے۔ فرماتے ہیں کہ سالک کے دل کا تعلق ہمہ وقت اللہ کی محبت میں مشغول رہے۔ یہ تعلق رفتہ رفتہ ایک کیفیت وارد کر دیتا ہے جس کی آخری منزل مشاہدہ حق ہو جاتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ "اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَوْحَجَبُوْا عَنِ اللّٰهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَارْتَدُّوْا" [۲] (اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر ایک پل بھر کو بھی دنیا اور عقبیٰ میں اس کے جمال سے غافل یا محجوب ہو جائیں تو وہ اپنے آپ کو مرتد سمجھیں)۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے مذکورہ کلام کی اصل سورہ النجم کی درج ذیل آیت ہے "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى اِیْ مِنْ شِدَّةِ شَوْقِهٖ اِلَى اللّٰهِ" [۳] (حضور ﷺ نے کسی چیز کی طرف آنکھ نہ اٹھائی اور نہ حد سے متجاوز ہوئے یعنی غلبہ شوق کی شدت کے باعث)۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے یہ دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی تو فرمایا کہ پیٹ کو بھوکا اور بدن کو ننگا رکھ کر۔ آپ کے بہت سے اقوال اس کتاب میں ولایت کے باب کے علاوہ دیگر ابواب میں نقل کئے جا چکے ہیں۔

تصوف کی تعریف مختلف صوفیاء نے مختلف الفاظ میں کی ہے۔ جس کو ہم اپنی تصنیف "اسلام اور روحانیت" میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت جنیدؒ کے اقوال

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ تصوف یعنی ولایت ایک صفت ہے جس میں بندے کو قائم کیا جاتا ہے۔ سوال کیا گیا کہ ولایت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا بندے کی؟ فرمایا ولایت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور رسمی یا مجازی طور پر یہ بندے کی صفت بن جاتی ہے، یعنی ولایت کی حقیقت بندے کی صفتوں کے فنا

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ۴۳۳۔ ۲ کشف المحجوب، صفحہ ۶۵۲۔

۳ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۴۔

ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ بندے کی صفتوں کا فنا ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت بقاء کے ساتھ باقی رہنا ہوتا ہے اور یہ (بقاء) اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ولایت کا اعجاز بندہ سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہر وقت مجاہدہ میں لگا رہے۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کی دوسری شکل یہ ہے کہ توحید کی حقیقت کے مطابق تمام اچھی صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہیں اور بندے کے لئے کوئی صفت مناسب نہیں کیونکہ بندے کی صفات عارضی ہیں دائمی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات دائمی اور باقی رہنے والی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ روزہ رکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مجازی طور پر بندہ روزے دار کہلاتا ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے روزہ اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ"[1] (کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں) یعنی یہ میرے فعلوں میں سے ہے۔ مخلوق کی طرف اعمال کی نسبت رسمی اور مجازی ہے نہ کہ حقیقی۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تصوف آٹھ صفتوں پر مبنی ہے جس کی وضاحت ہم نے ''اسلام اور روحانیت'' میں کر دی ہے اور وہ آٹھ صفات یہ ہیں سخاء، رضاء، صبر، کلام اشارہ سے کرنا، غربت، صوف کا لباس، سیاحت اور فقر کو اختیار کرنا۔

حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے ''جب تم کسی صوفی کی یہ حالت دیکھو کہ وہ ظاہرداری کی باتیں زیادہ کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا باطن خراب ہے''۔ تصوف پر بہت لوگوں نے کلام کیا ہے مگر حضرت کے کلام میں کسی بھی زاویہ سے اضافہ نہ کیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ایمان عطا فرمایا، ایمان کو عقل سے نوازا اور عقل کو صبر سے آراستہ کیا لہٰذا ایمان مومنین کا دین ہے، عقل ایمان کا دین ہے اور صبر عقل کا دین ہے (ایمان نہ ہو تو مومن مومن ہی نہیں ہو سکتا، عقل نہ ہو تو ایمان ختم ہو جاتا ہے اور صبر نہ ہو تو عقل ماری جاتی ہے)۔

طریقت کا اصول یہ ہے کہ تم دل کی خبر
رکھو تو دل بھی تمہاری خبر رکھے گا

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس تک دل کے دروازے پر بیٹھ کر دل کی حفاظت کی، پھر دس برس تک میرا دل میری نگرانی کرتا رہا۔ اب بیس برس ہو گئے ہیں کہ نہ میں دل کی خبر رکھتا ہوں

[1] صحیح بخاری، حدیث نمبر ۷۰۵۴، جلد ۶، صفحہ ۲۷۲۳۔

اور نہ دل میری خبر رکھتا ہے۔ اس حالت کو تیس سال ہو گئے ہیں کہ ہر طرف حق تعالیٰ کو دیکھتا ہوں اس کے سوا کچھ باقی نہیں لیکن لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ آپ کے اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طریقت کے مبتدی اگر دِل کی خبر رکھیں تو دِل بھی ان کی خبر رکھے گا۔

حضرت جنیدؒ کے نزدیک تصوف کیا ہے؟

ڈاکٹر علی حسن القادر شعبہ دینیات الازہر کا مقالہ بہت طویل ہے جس میں انہوں نے حضرت جنیدؒ کے نظریات پر تحقیقی مواد پیش کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ کے مطابق بندے اور خدا کے درمیان عظیم فاصلے صرف تصوف کے ذریعے عبور ہو سکتے ہیں۔ تصوف کے بارے میں حضرت جنیدؒ کے یہ دو اقوال بہت مشہور ہیں۔

(۱) تصوف یہ ہے کہ انسان اس طرح خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہو کہ اس کو کسی بھی دوسری ہستی سے کوئی نسبت نہ ہو۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔

(۲) تصوف ایک مسلسل عمل ہے جس میں انسان ہمیشہ رہتا ہے اگر چہ اصل و جوہر کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے لیکن ظاہری حالت میں یہ انسانی صفت بن جاتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''کشف المحجوب'' میں تصوف کی اس تعریف کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ حقیقی توحید کی حالت میں کسی صورت انسان کی اپنی صفات باقی نہیں رہتیں، اس لئے کہ یہ ناپائیدار اور غیر مستقل صفات ہیں بلکہ محض عکس وسایہ ہیں۔ ان صفات کو ابدیت نہیں اس لئے کہ ابدیت خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور اس اصول کی بناء پر در حقیقت یہ خدا تعالیٰ ہی کی صفات ہیں جو صوفی میں عود کر آتی ہیں۔

حضرت جنیدؒ صوفی کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ صوفی کامل لطافت کی حالت میں اپنی ذاتی صفات گم کر دیتا ہے اور اس گمشدگی صفات کے باعث وہ وجود خداوندی میں پوری طرح فنا ہو جاتا ہے اور یوں وہ اپنے آپ سے بالکل گم ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ سے گم ہو جاتا ہے تو مکمل طور پر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ بیک وقت حاضر بھی ہوتا ہے اور غائب بھی۔ وہ اس جگہ ہوتا ہے جہاں وہ پہلے نہیں تھا اور اس جگہ موجود نہیں ہوتا جہاں وہ پہلے موجود تھا۔ پھر جب اس کا وجود نہیں رہتا تو وہ وہاں موجود ہوتا ہے جہاں وہ ابتدائے آفرینش سے پہلے تھا۔ یوں وہ اپنے آپ میں آجاتا ہے جبکہ وہ اس کے بعد اپنے آپ میں نہیں تھا۔ اس مقام پر وہ اپنے آپ میں بھی موجود ہوتا ہے اور ذات خداوندی کے اندر بھی،

حالانکہ اس سے پہلے وہ صرف ذات خداوندی میں موجود تھا اور اپنے آپ میں نہیں تھا۔ وہ اس لئے کہ غلبۂ خداوندی کی سرشاری سے نکل کر حالت ہوش اور کھلی فضا میں آ جاتا ہے۔ اس کا مشاہدہ اسے واپس مل جاتا ہے تمام اشیاء اپنی پہلی حالت میں آ جاتی ہیں اور خود اس کو اپنی پہلی صفات واپس مل جاتی ہیں۔

حضرت جنیدؒ کی تحریر کے مندرجہ بالا اقتباس میں درحقیقت مکمل صوفیانہ طریقہ کار پوشیدہ ہے جس کی تحقیق کے نتائج میں محققین صوفیہ نے حضرت جنیدؒ کی صوفیانہ تعلیمات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ تصوف کی عمارت اپنے تین ستونوں پر قائم ہے۔

۱۔ توحید ۲۔ فنائے صفت (یعنی سکر) ۳۔ بحالی ہوش (یعنی صحو)

ان تینوں ستونوں کے متعلق الگ بیانات اپنی جگہ پر دیئے جائیں گے۔

زندہ انسان وہ ہے جو اپنے حقیقی وجود پر قائم ہو نہ کہ جسمانی پیکر پر

حضرت جنیدؒ روح انسان کے بارے میں قرآن پاک کی شہادت پر بیان کرتے ہیں کہ عالم خلق میں آنے سے پہلے روح موجود تھی اور اسی اصول کی بنا پر وہ اس وجود کی صراحت کرتے ہیں جو اس دنیا میں آنے سے پہلے ایک حقیقی وجود تھا اور اس ثانوی وجود سے مختلف تھا۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ توحید کی خاص حالت میں داخل ہونے کے لئے وجود ثانی کو ختم کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ وہ اس اولین اور ابتدائی حالت میں واپس جا سکے یعنی حالتِ بدایت میں جہاں وہ اپنی تخلیق سے پہلے تھا۔ لہٰذا وہ پہلی جدائی جب وہ وجود حقیقی سے جدا ہوا تھا اپنی انفرادیت کے خاتمے اور ذات کے شعور سے عاری ہونے کے بعد ختم کر دیتا ہے اور آپؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ ان پر چھا جاتا ہے اور انہیں انسانی صفات سے عاری کر دیتا ہے۔ توحید کی اس حالت کو آگے چل کر حضرت جنیدؒ یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عبادت گزار بندوں کو وجود بخشتا ہے تو وہ اپنی مشیت کو ان پر جس طرح چاہتا ہے طاری کرتا ہے، اس لئے کہ وہ اللہ ایسی صفات کا مالک ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور جب وہ خود اس پر غلبہ حاصل کرتا ہے تو اپنے آپ کو باجبروت، غالب و قاہر اور مکمل طور پر فاتح ظاہر کرتا ہے۔ کسی عبادت گزار کا اس حالت میں داخل ہونے کا مرحلہ اللہ تعالیٰ ہی کی تائید و حمایت سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی راہنمائی کرتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اسے اس کا مشاہدہ کراتا ہے۔ اس صورت

میں وہ اپنے بندے سے ہمیشہ صحیح کام اور ہمیشہ حق کی موافقت ہی کراتا ہے۔ خدائے عزوجل کا یہ فعل اور اس کی بندے کے حق میں یہ عنایات اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ اس بندے کی طرف جو ان عنایات کو حاصل کرتا ہے، اس لئے کہ تمام چیزوں کا منبع و مصدر اور وسیلہ و ذریعہ وہ بندہ کبھی نہیں ہوسکتا بلکہ یہ عنایت اس پر ایک بیرونی ذریعہ سے نازل ہوتی ہے اور یہ ایک غیر انسان ہستی کے ساتھ ہی منسوب ہونے کے لائق ہے اور یہ صحیح و جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ عطیات اور انعامات پوشیدہ ہی رہیں اور بندے کے ساتھ منسوب نہ ہوں۔

موت انسان کو حقیقی وجود میں لوٹا دیتی ہے

حضرت جنیدؒ نے اس سلسلے میں وجود ربانی اور وجود ثانوی کی جن دو اصطلاحوں کے ذریعے صوفیانہ طریقہ کار (Process) پر اظہار خیال کیا ہے محققین نے اس سے نتائج اخذ کئے ہیں اور وہ حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تصدیق کرتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ خدا تمہیں اپنے اس ثانوی وجود سے فنا کر کے تمہیں اپنے آپ کے اندر ایک اور وجود بخشے۔ ایک زندہ انسان وہ ہے جو اپنی زندگی کو اپنے خالق کے وجود کی بنیادوں پر قائم کرتا ہے نہ کہ وہ جو اپنی جسمانی زندگی کے پیکر کی حفاظت و بقاء کی بنیاد پر استوار کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی کی حقیقت اس کی موت ہوگی، اس لئے کہ وہ اس کے لئے اس اولین اور ابتدائی حالت وجود میں واپس لوٹنے کا ذریعہ ہوگی۔

صوفیائے کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے یہ راہنمائی حاصل کی کہ انسان جو کہ خاکی پیکر سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اندر ایک وجود رکھتا تھا جدا ہوا اور خاکی پیکر میں آنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور انعام سے دوبارہ اس جدائی کو عبور کر کے اللہ تعالیٰ کے اندر اسی وجود کو دوبارہ حاصل کر سکتا ہے۔ اسلامی تصوف کی رو سے ایک صوفی جب اولین حالت میں واپس جانے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ ارادہ بھی ارادہ خداوندی ہوتا ہے اور اسے اپنی انفرادیت سے عاری ہونا پڑتا ہے۔ حضرت جنیدؒ اپنی انفرادیت اور اپنی ذات کے شعور سے عاری ہونے کے لئے فنائے صفت کے نظریہ کو پیش کرتے ہیں جو تصوف میں بہت ہی مشہور و معروف نظریہ ہے چنانچہ وہ بتاتے ہیں کہ اگر ایک خدا پرست وجود حقیقی کی حالت میں واپس جانا چاہتا ہے تو اس کو اپنے انسانی وجود کو جو کہ ایک ثانوی وجود ہے ختم کرنا ہوگا تا کہ وہ وجود خداوندی میں جو کہ اصل اور مقدم چیز ہے فنا ہو کر اپنے الوہی وجود کا ادراک کر سکے۔

عارف اور توحید کی مختصر تعریف

ایک مجلس میں ایک شخص نے حضرت جنیدؒ سے سوال کیا کہ عارف کی تعریف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ عارف وہ ہے کہ جو تیرا راز بتادے اور خاموش بیٹھا رہے۔ فرمایا کہ پانی کا وہی رنگ ہوتا ہے جو برتن کا رنگ ہو یعنی جیسا وقت یا زمانہ ہو عارف کی وہی شان ہوتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے عارف کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ''ابھی یہاں تھا ابھی چلا گیا'' جب یہ تعریف حضرت جنیدؒ کو بتائی گئی تو فرمایا عارف کو کوئی حالت کسی حالت سے روک نہیں سکتی اور نہ کوئی مکان اسے مقام پر جانے سے روک سکتا ہے چنانچہ وہ سب مکانوں کے ساتھ وہی نسبت رکھتا ہے جو نسبت اسے اس مکان سے ہے جس میں وہ موجود ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا ''حضرت یہ تو بتائیے کہ خالص توحید کیا ہے؟'' حضرت جنیدؒ نے فرمایا توحید یہ ہے کہ بندے کی آخری حالت اس کی ابتدائی حالت کی طرف رجوع کرے اور وہ ویسا ہی ہو جائے جیسا کہ عالم وجود میں آنے سے پہلے تھا۔ ایک اور شخص نے کسی موقع پر پوچھا کہ توحید کیا ہے؟ تو فرمایا یقین ہی کا نام توحید ہے۔ اس نے پوچھا یقین کسے کہتے ہیں؟ فرمایا ''تیرا یہ سمجھ لینا یقین ہے کہ خلقت کے تمام حرکات و سکنات خدائے وحدہ لاشریک کے حکم سے ہیں۔ جب تجھے یہ عرفان مل گیا تو سمجھ لے کہ تو موحد بن گیا''۔

غیر اللہ کی طرف توجہ، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کے اثرات کو ختم کر دیتی ہے

ایک موقع پر حضرت جنیدؒ نے فرمایا ''ایک سچا شخص ایک لاکھ برس تک حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھے اور پھر ایک لمحہ کے لئے دوسری طرف متوجہ ہو جائے تو جو گھڑی اس نے کھودی وہ اس زمانے پر غالب رہے گی جس میں اس کو توجہ الی اللہ حاصل تھی''۔

حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ ہر جگہ موجود ہے تو پھر اس کا نام اس راز داری سے لینا چاہئے کہ اللہ اور بندے کے سوا کسی تیسرے کو اس کا علم نہ ہو۔ آپ ذکر میں جذب و جوش کے قائل نہ تھے۔ معرفت کی راہ میں آپ نہایت محتاط اور ہوشمند انسان تھے۔ آپ کی مجلس سماع میں مذامیر نہ ہوتے تھے اور کلام نہایت عارفانہ ہوتا تھا۔ آپؒ کا فرمان ہے کہ تین مواقع ایسے ہوتے ہیں جبکہ فقیروں پر اللہ کی رحمت کا نزول

ہوتا ہے۔ ایک سماع کے وقت جب فقیر آواز حق کے سوا کچھ نہیں سنتا۔ دوسرا کھانے کے وقت اس لئے کہ فقیر اسی وقت کھانا کھاتے ہیں جب وہ فاقہ کشی کی حالت سے گزر جاتے ہیں۔ تیسرے اس وقت جب وہ علم کا چشمہ فیض جاری کرتے ہیں اس لئے کہ فقیر اس وقت اولیاء اللہ کی صفات کے سوا کچھ اور نہیں بیان کرتا (ایک اور روایت ہے کہ اسوقت وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا جانشین ہوتا ہے)۔

صوفی کی تعریف

صوفی کس کو کہتے ہیں؟ اور اسلامی تاریخ میں سب سے پہلا صوفی کون تھا؟ یہ تمام تفصیل ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' میں بہت طویل بحث کے ساتھ موجود ہے۔ صوفی صاحب وصل ہوتا ہے (جو وصول الی اللہ کی طرف گامزن ہے) جو مقتضیات طبائع سے آزاد ہو کر حقیقت سے پیوستہ ہو گیا ہو اور باقی ذات سے فانی ہو کر حق تعالیٰ سے باقی ہو۔ صوفی کے مزاج میں عشق الٰہی رچا بسا ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے فقیروں کی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مرا تحقیق گوید ایں فسانہ ۔۔۔ مزاجِ اہل دل شد عاشقانہ
جمال یار ہے مقصود ان کو ۔۔۔ صلوٰۃ و صوم ہے اس کا بہانہ
نہیں ان کی غرض مال جہاں گو ۔۔۔ متاعِ ھُو و حق ان کا خزانہ
ملے جو صد شہنشاہی کے بدلے ۔۔۔ فقیری ہے وہ شان خسروانہ
ہیں اپنے آپ سے غافل مگر دِل ۔۔۔ زحالِ راز عالم عارفانہ
یہ سکر و مستی و عرفان کے پیکر ۔۔۔ جہاں والوں کا بنتے ہیں نشانہ
جو رکھوالے زمانے کے بنے ہیں ۔۔۔ مٹا سکتا ہے کب ان کو زمانہ
تلاش رزق شاہیں کو کہاں ہے ۔۔۔ لے اڑتا ہے خود اس کو آب و دانہ
لطیفؔ ہم نے رقم جو کر دیا ہے ۔۔۔ ہے صوفی کا تعارف غائبانہ

حضرت جنید بغدادیؒ سے جب صوفیاء کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ''اَلصُّوفِیَّةُ هُمُ الَّذِيْنَ صَفَتْ اَرْوَاحُهُمْ فَصَارُوْا فِى الصَّفِ الْاَوَّلِ بَيْنَ يَدَىِ الْحَقِ''[1] (یعنی صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روحیں

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۷۱۔

بشریت کی تیرگی اور فسق و فجور کی آلائشوں سے پاک صاف ہوگئی ہوں لہٰذا یہ لوگ ذات حق کے سامنے صف اول میں ہوتے ہیں)۔حضرت جنیدؒ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ''اَثَرَۃُ اللّٰہِ فِیْ خَلْقِہٖ یُخْفِیْھَا اِذَا اَحَبَّ وَیُظْھِرُھَا اِذَا اَحَبَّ'' یعنی صوفیاء اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں منتخب روزگار لوگ ہیں۔اللہ جب چاہتا ہے انہیں مخفی رکھتا ہے اور جب پسند کرتا ہے انہیں ظاہر کر دیتا ہے۔اس کی معرفت صرف نیک صفت لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔اندھے شخص کو سورج کا مشاہدہ کیسے ہوسکتا ہے۔حضرت جنیدؒ تصوف کے متعلق اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عِلْمُ التَّصَوُّفِ عِلْمٌ لَیْسَ یَعْرِفُہٗ اِلَّا اَخُوْ فِطْنَۃٍ بِالْحَقِّ مَعْرُوْفٗ

(علم تصوف ایک ایسا علم ہے جس کی معرفت ذہین اور نیک سیرت شخص کے سوا کوئی حاصل نہیں کر سکتا)

وَلَیْسَ یَعْرِفُہٗ مَنْ لَیْسَ یُشْھِدُہٗ فَکَیْفَ یُشْھِدُ ضَوُ الشَّمْسِ مَکْفُوْفٗ [1]

(جو شخص مشاہدے سے محروم ہے اسے معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔آخر کور چشم سورج کی روشنی کا مشاہدہ کر ہی کیسے سکتا ہے؟)

حضرت جنیدؒ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تصوف سر (روحانی راز) کو خداوند تعالیٰ تک پہنچاتا ہے اور یہ مقام حق کے ساتھ قیام کی روحانی قوت کی خاطر اسباب سے فنائے نفس کے سوا حاصل نہیں ہوسکتا۔

حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملے کو صاف رکھنے کا نام ہے اور اس کی اصل و بنیاد دنیا سے کنارہ کشی ہے جیسا کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو دنیا سے پھیر لیا۔پس رات کو جاگتا رہا اور دن کو پیاسا رہا۔حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ جب تم کسی صوفی کو دیکھو کہ اس کا ظاہر عیب دار ہے تو جان لو کہ اس کا باطن بھی ضرور خراب ہے۔

حضرت جنیدؒ نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں تھا اور میرے پاس کوئی پیسہ نہ تھا۔میں حجام کی دکان پر گیا تو وہ ایک رئیس کے بال بنا رہا تھا۔میں نے اسے کہا کہ میرے پاس کوئی رقم نہیں ہے خدا کے لئے میرے

[1] کشف الظنون، مصطفیٰ بن عبداللہ، متوفی ۱۰۶۷ھ، جلد ۱ صفحہ ۴۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ۔

بال درست کر دو۔ اس نے اس رئیس کی حجامت کرنا بند کر دی اور مجھے بٹھا کر میرے بال بنانے کے لئے آیا۔ اس رئیس نے ناگواری کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ جب خدا کا واسطہ درمیان میں آجائے تو میں سارے کام چھوڑ دیتا ہوں۔ اس نے میرے سر کو بوسہ دیا اور بال بنا دیئے اور مجھے ایک پڑیا دی جس میں کچھ نقدی تھی اور کہا کہ اس کو اپنے خرچ میں لاؤ۔ میں نے وہ نقدی قبول کر لی اور جب میرے پاس کچھ رقم آئی تو میں اس نائی کی دکان پر گیا اور اس کو وہ رقم واپس کی جو اس نے دی تھی مگر وہ حجام سخت برہم ہوا اور کہا اے شخص تجھ کو شرم نہیں آتی۔ تو نے اللہ کی راہ میں بال بنانے کو کہا تھا اور اب کہتا ہے کہ یہ اس کا معاوضہ ہے۔ تو نے کسی مسلمان کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں کام کرے اور پھر اس کی مزدوری مانگے۔ حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے ''میں نے اخلاص کا مفہوم اسی حجام سے سیکھا ہے''۔[1]

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۱۰۔

باب نمبر ۲۰

حیاتِ بایزید بسطامیؒ

(حسب ونسب، تعلیم، تربیت اور رحلت)

''حیات صوفیاء'' (مترجم اردو ص ۹۱) میں ہے کہ طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سرشانؒ آپ کا اسم گرامی تھا۔ وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ آپ احمد خضرویہؒ اور ابوحفصؒ اور یحییٰ بن معاذؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ کے دادا یہودی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کے دو بھائی آدم اور علی نام کے تھے۔ جو عابد اور زاہد تھے مگر حضرت بایزیدؒ کا زہد اور عبادت کا معاملہ ان سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ آپ کی ولادت میں بڑا اختلاف ہے۔ کتاب کارنامہ بزرگان ایران میں ۱۸۸ھ تحریر ہے اور سال وفات کو سامنے رکھتے ہوئے یہی درست ہے۔

والدین کی خدمت

آپ نے فرمایا کہ جس کام کو میں سب سے مؤخر سمجھتا تھا وہ سب سے مقدم نکلا اور وہ والدہ کی رضا تھی۔ نیز فرمایا کہ جو کچھ میں ریاضت، مجاہدات اور مسافرت میں ڈھونڈ تا رہا وہ والدین کی خدمت میں پایا۔ ایک رات والدہ نے پانی پینے کو مانگا تو آپ کو ندی سے جا کر لانا پڑا اور آپ پانی لے کر کھڑے رہے کیونکہ اس دوران والدہ سو چکی تھیں اور کوزہ میں سردی کی وجہ سے پانی جم گیا تھا۔ والدہ کی جب آنکھ کھلی تو پانی پی کر آپ کو دعا دی۔

معاصرین بایزید بسطامیؒ

آپ کے معاصرین میں سے مندرجہ ذیل مشائخ کا نام لیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت جنید بغدادیؒ ۲۔ حضرت ذوالنون مصریؒ

۳۔ حضرت شیخ شقیق بلخیؒ
۴۔ حضرت ابوتراب نخشبیؒ
۵۔ حضرت احمد بن خضرویہ بلخیؒ
۶۔ حضرت فاطمہ بلخیہؒ
۷۔ حضرت ابوحفظ الخطاطؒ
۸۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ
۹۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ
۱۰۔ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ
۱۱۔ حضرت ابوسعید میخوارانیؒ
۱۲۔ حضرت سعید راعیؒ
۱۳۔ حضرت ابوعثمان سعید بن اسماعیل بصریؒ
۱۴۔ حضرت ابوموسیٰ بسطامیؒ
۱۵۔ حضرت عیسیٰ بسطامیؒ
۱۶۔ حضرت ابوموسیٰ پہلی دنیاریؒ
۱۷۔ حضرت پیر عمرؒ
۱۸۔ حضرت بدیع الدینؒ
۱۹۔ حضرت شیخ سلگیؒ
۲۰۔ حضرت خطاب طرزیؒ

تربیتِ حضرت بایزیدؒ

(اساتذہ اور شیوخ)

''تذکرۃ الاولیاء'' میں آپ کے اساتذہ کی تعداد ایک سو تیرہ (۱۱۳) بیان کی گئی ہے۔ آپ امام جعفر صادق ؓ کے اویسی ہیں اور آپ نے ان سے بھی تعلیم حاصل کی۔ امام صاحب اہل بیت میں سے تھے اور سنت کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میری قبر تیس فٹ گہری کھودنا تا کہ وہ میرے استاد کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ (حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے بھی ایسی ہی وصیت کی تھی کہ ان کی قبر حضرت بایزیدؒ کی قبر سے اونچی نہ رہے)۔

خلافت ''تواریخ آئینہ تصوف'' کے مطابق آپ نے حضرت حبیب عجمیؒ سے اور حضرت عین الدین شامیؒ سے خلافت پائی تھی۔ حضرت شیخ ابوعلی سندھیؒ سے بھی آپ نے شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی تربیت کا بیان الگ باب میں دیا جا چکا ہے۔

''حیاتِ صوفیاء'' اور حضرت بایزید بسطامیؒ

حیاتِ صوفیاء میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق یوں لکھا ہے کہ آپ پہلے طبقہ کے بزرگوں میں

سے تھے طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن شروشانؒ ان کا نام تھا۔ ان کے دادا پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو یزیدؒ، احمد خضرویہؒ، ابو حفصؒ اور یحییٰ بن معاذؒ کے ہم زمانہ تھے۔ انہوں نے حضرت شقیق بلخیؒ کو دیکھا تھا۔ ابو یزیدؒ کے دل میں اپنے شیخ کا اتنا ادب تھا کہ مرنے سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ میری قبر شیخ کی قبر سے نیچی رکھنا۔ ابو یزیدؒ شریعت میں کسی امام کے مقلد نہیں تھے بلکہ صاحب قیاس واجتہاد تھے لیکن ان کے لئے ولایت اس طرح کشادہ ہوگئی کہ اس میں مذہب ظاہر نہیں ہوا۔ وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ لوگوں نے بایزیدؒ پر بڑے طوفان باندھے اور ان کے متعلق جھوٹے الزامات بہت لگائے ان میں سے ایک یہ ہے ''شدم وخیمہ زدم برابر عرش زدم'' (میں گیا اور عرش کے برابر ڈیرہ لگالیا) شیخ الاسلام نے فرمایا: شریعت میں یہ بات کفر ہے اور حقیقت میں آ جانے کے بعد اپنے کو نظر میں لانے سے قبل جو کام تو کرے گا درست کرے گا۔

حقیقت کیا ہے اپنے سے چھوٹ کر علیحدہ ہو جانا یعنی نفسانیت کی بیڑیوں سے آزاد ہو جانا ہے حقیقت اپنے سے نابود ہونے (فنا) کو درست کرنا ہے۔ اپنے کو برابر کہنا گھناؤنی بات ہے اس حال میں تو توحید کو دو کے ساتھ درست کرے گا یعنی جدا ہونا بشری صفات سے اور نفس سے نکلنا چاہئے نہ کہ پہنچنا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کی رحلت

اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ زیادہ وقت دعا ومناجات اور ذکر الٰہی میں بسر کرتے۔ کبھی فرصت میسر ہوتی تو رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہتا۔ طبیعت میں سوز وگداز تو پہلے ہی سے موجود تھا، آخری دنوں میں اور زیادہ بڑھ گیا اور حالت استغراق میں بھی اضافہ ہوا۔ آپ کی مناجات بہت طویل ہیں۔ وفات کے وقت زبان پر اسم ذات کا ذکر تھا اور ذکر کی حالت میں ہی آپ کی روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ معتبر روایات کے مطابق آپ کا سال وصال ۲۶۱ھ مطابق ۸۷۵عیسوی ہے۔ ''تاریخ آئینہ تصوف'' میں وصال ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ بروز دوشنبہ بوقت نصف شب لکھا ہے۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''۔ وفات کے وقت تک آپؒ کی عمر ۷۴/۷۳ سال کے درمیان لکھی جاتی ہے اور اس کی تصدیق اس طرح سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری عمر صرف چار سال ہے کیونکہ میں ستر سال کا عرصہ دنیائے حجاب میں بسر کرتا رہا اور ابھی عرصہ چار سال سے مشاہدہ حق سے فیضیاب ہوا ہوں اور جو عمر حجاب میں گزرے اس کا ہمارے ہاں حقیقی عمر میں شمار نہیں

ہوتا۔ ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' میں لکھا ہے کہ آپ کے مزار پر ایک شاندار کتبہ تاتاری حکمران الجا ہتو نے ۷۰۰ھ بمطابق ۱۳۰۱ میں تعمیر کرایا۔

تاریخ وفات

آپؒ نے ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ میں بسطام میں انتقال فرمایا وصال کے بعد لوگوں نے آپؒ کو خواب میں دیکھا اور آپ کا حال دریافت کیا آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا بوڑھے تو میرے واسطے کیا لایا ہے؟ میں نے عرض کیا اے خداوند! جب کوئی فقیر بادشاہ کی درگاہ میں آتا ہے تو اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ میرے واسطے کیا لایا ہے بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ تو کیا مانگتا ہے؟

جب آپؒ کو دفن کیا گیا تو علی کی والدہ جو احمد خضرویہؒ کی بیوی تھی زیارت کو آئی۔ جب زیارت سے فارغ ہوئی تو کہنے لگی تم جانتے ہو کہ بایزیدؒ کون تھے لوگوں نے کہا تو بہتر جانتی ہے۔ وہ بولی ایک رات میں کعبہ کا طواف کر رہی تھی کچھ دیر بیٹھ گئی اور سو گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا فرشتے مجھے آسمان پر لے گئے۔ میں نے عرش کے نیچے ایک بیابان دیکھا۔ جس کی لمبائی چوڑائی کی کوئی حد نہ تھی وہ تمام بیابان گل و ریاحین تھا۔ جس کے پھولوں کی ہر پتی پر لکھا تھا کہ بایزیدؒ ولی اللہ تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ آپ کی زیارت کو آئے۔ فرمایا یہ وہ جگہ ہے کہ دنیا میں جس شخص کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو وہ یہاں ڈھونڈے۔

منقول ہے کہ آپ ہمہ وقت اللہ اللہ کا ورد جاری رکھتے اور عالمِ نزع میں بھی آپ کی زبان پر اللہ ہی کا نام تھا۔ موت کے وقت آپ نے فرمایا اے اللہ! میں دنیا میں بربنائے غفلت تیری عبادت سے محروم رہا اور اب آخری وقت میں بھی تیری عبادت سے غافل ہوں اور اس کے باوجود میں تیری رحمت کا متمنی ہوں۔ یہ کلمات زبان پر تھے کہ روح مبارک اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ''۔ کسی نے خواب میں آپ سے دریافت کیا کہ تصوف کا کیا مفہوم ہے تو فرمایا راحتوں کو چھوڑ کر مشقتیں برداشت کرنے کا نام ہی تصوف ہے۔

مزارِ بایزیدؒ:

حضرت بایزیدؒ کا مزار ایک تاتاری حکمران نے تعمیر کروایا تھا۔ تاتاریوں نے چونکہ اسلام صوفیائے کرام کی بدولت قبول کیا تھا اس لئے وہ صوفیائے کرام سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔

باب نمبر ۲۱

حضرت بایزید بسطامیؒ کی شخصیت

دورها باید که تا یک مردِ حق پیدا شود　　　بایزیدؒ اندر خراسان یا اویسؓ اندر قرن

(کئی زمانے درکار ہیں کہ ایک مرد حق پیدا ہو، بایزیدؒ جیسا کوئی خراسان میں یا ایک اویس قرن میں)

جس کی شان میں یہ کہا گیا ہو کہ ایسی شخصیتیں کئی زمانے گزر جانے کے بعد ہی پیدا ہوتی ہیں تو ایسی شخصیت کے بارے میں زیادہ کچھ کہنے کہلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی اور جس شخصیت کے بارے میں جنید بغدادیؒ جیسی شہرہ آفاق ہستی یہ کہہ دے کہ ''بایزید ہم اولیاء میں ایسے ہیں جیسے فرشتوں میں جبریل امین ہیں'' تو ایسی ہستی کے مقام کو سمجھنے کی بات زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔ حضرت بایزیدؒ کی شخصیت کے متعلق یہ بات خود ہی سمجھ میں آ جاتی ہے جبکہ سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود ان کی علو مرتبت کے دلائل خود ہی سورج کی شعاعوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آ رہے ہوں۔ آپ کی شان اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کے پردہ کر جانے کے بعد تمام مشائخ عظام نے اپنی تحریروں میں آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ایسے تحسین آور داد رسی کو کیا کہیئے کہ جب حضرت جنید بغدادیؒ جیسی ہستی یہ پکار اٹھے کہ میں نے ائمہ ہدایت اور اولوالعزم اسلاف کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہے لیکن بایزیدؒ کی تحریریں جو میرے علم و مطالعہ میں آئی ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی باتیں جو میرے دل کی گہرائیوں میں اتر کر غلبہ حال کی صورت میں نظر آنے لگتی ہیں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں ''بایں ہمہ ابو یزیدؒ کی باتوں سے زیادہ اونچی باتیں مجھے کہیں نظر نہیں آئیں'' حضرت بایزیدؒ کی شخصیت کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو یہ ہمارے بس کی بات نہیں، اس لئے ہم نے مذکورہ بالا الفاظ کو بطور خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے بہترین ذریعہ تصور کیا ہے۔

جو کچھ حضرت بایزیدؒ کے متعلق اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے وہ سب کا سب آپ کی شخصیت کی

عکاسی کرتا ہے۔ آپ کی شخصیت کے خدوخال کو ماپنا تو کسی بھی بزرگ یا عالم کے بس کی بات نہیں۔ یہاں آپؒ کی شخصیت کے چند مختصر نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔ آپ کی شخصیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا آپ کے نام سے ابھی تک روشنی وصول کر رہی ہے اور ان کی بزرگی کا نور ہر سمت چھایا ہوا ہے۔ حضرت بایزیدؒ کا نام آج تک جس طرح روز روشن کی طرح چمک رہا ہے یہ محض اس حالت میں ہی ممکن ہو سکا ہے کہ آپ نے انتھک محنتوں اور مشقتوں سے حضور ﷺ کی کامل اتباع کی کوشش کی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے وہ حدیث اپنے اشعار میں لکھی ہے کہ حضرت بایزیدؒ کی اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ آپ نے اپنی تمام عمر میں خربوزہ اس لئے نہ کھایا کہ احادیث سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکی کہ آپ ﷺ نے خربوزہ کس طریقے سے کھایا۔ یہی الفاظ درج ذیل شعر کا ترجمہ ہیں۔

کاملِ بسطام در تقلیدِ فرد اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد (۱ر:۲۲)

تعمیرِ شخصیت کے ضامن چند عناصر

ہم دیکھتے ہیں کہ تعمیر شخصیت کے جتنے عناصر اللہ تعالیٰ نے دین فطرت کے اندر سمو دیئے ہیں تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء ان عناصر سے ضرور متصف ہوتے ہیں۔ قرآن فطرۃ اللہ کی راہ بیان کرتا ہے اور تزکیہ نفس کی راہ بتاتا ہے، جب کہ سنت رسول ﷺ اس راہ کی وضاحت پیش کرتی ہے۔ چنانچہ تمام اولیائے کرام کو بلند شخصیت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ قرآن اور سنت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ جو اولیائے کرام خلوص نیت سے تزکیہ نفس اور مجاہدات کے بعد اللہ کی طرف راہ بناتے ہیں تو یقیناً ان کو ایسی شخصیت حاصل ہو جاتی ہے جو عوام الناس کے لئے قابل تقلید ہوتی ہے۔ اولیائے کرام کے انداز زندگی پر غور و فکر کرنا بھی عین تفقہ فی الدین میں شامل ہے۔

تعمیر شخصیت کے مطالعہ کے لئے درج ذیل عناصر کو پیش نظر رکھا جائے تو کسی بزرگ کے مقام کی صحیح تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت بایزیدؒ میں وہ تمام صفات درجہ کمال تک موجود تھیں جو ایک ولی کامل میں ہونا ضروری ہیں۔

آدابِ رسالت مآب ﷺ کے باعث آپ پر بہت سے کرم کر دیئے گئے

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ پایا ادبِ رسالت مآب ﷺ اور آپ کی محبت اطاعت اور ادب و احترام کے واسطے سے پایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ بچپن کی ایک چاندنی رات میں بارگاہ حق کی طرف نگاہ کی تو

اٹھارہ ہزار عالم اس کے پہلو میں ایک ذرے کی طرح نظر آئے تو میں نے عرض کیا کہ الٰہی تیری بارگاہ اتنی عظیم ہے مگر خالی خالی اور تنہائی نظر آرہی ہے۔ فرمایا کہ یہ بارگاہ اس لئے خالی خالی ہے کہ جو ہمیں نہیں چاہتا وہ میری بارگاہ کے لائق کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت کو جوش میں دیکھا تو خیال آیا کہ امت رسول ﷺ کی بخشش کے لئے عرض کروں۔ پھر خیال آیا کہ مقام شفاعت تو حضور ﷺ کے لئے مختص ہے۔ پس آپ کے ادب کی خاطر خاموش رہا۔ پردہ غیب سے آواز آئی "اس ایک ادب کی وجہ سے جس کا تم نے لحاظ رکھا ہے، ہم نے تمہارا نام بلند کردیا ہے چنانچہ تمہیں قیامت تک لوگ سلطان العارفین بایزیدؒ کے نام سے یاد کرتے رہیں گے"۔

حضرت بایزیدؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ بارگاہ رب العزت سے سوال کروں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عورتوں کے جھنجھٹ، لوگوں کے ہجوم اور کھانوں کے ذخیروں سے بے نیاز کردے۔ پھر خیال آیا کہ میرے لئے ایسا سوال کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے جبکہ رسول پاک ﷺ نے ایسا سوال کبھی نہیں کیا۔ پس میں نے آپ ﷺ کے ادب کے باعث ایسا سوال نہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مہربانی فرمائی اور مجھے عورتوں سے بے نیاز کردیا اور پھر یہاں تک کہ اب مجھے احساس تک نہیں ہوتا کہ میرے سامنے کوئی عورت ہے یا کوئی دیوار۔

فریدالدین عطارؒ کی نظر میں آپ مادرزاد ولی تھے

حضرت فریدالدین عطار اپنی مشہور زمانہ تصنیف "تذکرۃ الاولیاء" میں یوں لکھتے ہیں کہ آپ بہت بڑے اولیاء اور مشائخ میں سے ہوئے ہیں اور آپ نے ریاضت اور عبادت کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کیا۔ مولانا عطارؒ نے حضرت جنیدؒ کا قول بھی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت بایزیدؒ کو اولیاء میں وہی اعزاز حاصل ہے جو حضرت جبرئیل کو ملائکہ کے درمیان حاصل تھا۔ [۱] آپ فرماتے ہیں کہ مقام توحید میں تمام بزرگوں کی انتہا آپ کی ابتداء ہے۔ ہر چیز کا ابتدائی حصہ قابل دید ہوتا ہے کیونکہ لوگ ابتدائی منزلوں میں ہی سرگرداں ہوکر رہ جاتے ہیں جیسا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے خود فرمایا ہے کہ لوگ دو سو سال تک بھی گلشن معرفت میں سرگشتہ رہیں تب کہیں جاکر ان کو وہ ایک پھول مل سکتا ہے جو مجموعی طور پر ابتداء ہی میں مجھے مل گیا تھا۔ شیخ ابوسعیدؒ ابوالخیرؒ کا قول ہے کہ میں پورے عالم کو آپ کے اوصاف سے لبریز دیکھتا ہوں لیکن اس کے باوجود ابھی آپ کے مقام کو کوئی نہیں جانتا۔

سوانح نگار، حضرت بایزیدؒ کے آباؤ واجداد کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ آپ کی کرامت کا اظہار شکم مادر سے ہی ہونے لگا تھا۔ آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جس وقت بایزید میرے شکم میں تھے اگر کوئی مشتبہ چیز

[۱] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۹۷۔

میرے پیٹ میں چلی جاتی تو مجھے سخت بے چینی ہوتی اور میں انگلی ڈال کر اس چیز کو حلق سے نکال دیتی۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ راہ طریقت میں سب سے بڑی دولت وہ ہے جو مادرزاد ہو، اس کے بعد چشم بینا اور اس کے بعد گوش ہوش۔ اگر یہ تینوں چیزیں میسر نہ ہوں تو پھر مرگ ناگہاں ہی بہتر ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے مقامات ان کی علو ہمتی اور ادب کی وجہ سے تھے

زیر نظر کتاب میں بارہا حضرت بایزیدؒ کی ریاضتوں اور بلند ہمتی کے متعلق تفصیلی بیانات گزر چکے ہیں۔ آپ کی عبادات اور مجاہدات کا وہ درجہ تھا کہ جو خاصان طریقت میں بھی شاید ہی کسی کو نصیب ہوتا ہو۔ اس حقیقت کا ذکر اسی باب میں آرہا ہے کہ حضرت بایزید کا مقام کسی کو ہی مل سکا ہے۔

جب لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ اعلیٰ مراتب آپ کو کیسے حاصل ہوئے تو فرمایا کہ ایک مرتبہ بچپن میں چاندنی رات تھی اور میں شہر سے باہر نکل گیا۔ وہاں پر مجھے ایک ایسا دربار نظر آیا کہ جس کے مقابلہ میں ساری دنیا ہیچ نظر آنے لگی۔ اس وقت میں نے خداوند تعالیٰ سے عرض کیا کہ ایسا بے نظیر دربار دنیا کی نگاہوں سے کیوں پوشیدہ رکھا۔ ندا آئی کہ اس دربار میں وہی آسکتے ہیں جو اس کے قابل ہیں کیونکہ یہاں نااہل لوگوں کی رسائی ممکن نہیں۔ اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ میں تمام عالم کی شفاعت طلب کروں تاکہ وہ بھی اس دربار کے قابل بن جائیں لیکن اس خیال سے خاموش ہو گیا کہ شفاعت تو حضور اکرم ﷺ ہی کے لئے مخصوص ہے پھر ندا آئی کہ تو نے ہمارے حبیب ﷺ کا پاس ادب کیا، اس کے معاوضے میں ہم تم کو وہ مرتبہ عطا کرتے ہیں کہ تاحشر تیرا نام ''سلطان العارفین بایزید'' تمام مخلوق کی زبان پر رہے اور جس وقت یہ واقعہ حضرت ابونصر قشیریؒ کے سامنے بیان کیا گیا تو فرمایا کہ درحقیقت وہ ایسے ہی ممتاز زمانہ ہیں اور جتنے مراتب ان کو عطا ہوئے وہ سب ان کی علو ہمتی کی وجہ سے تھے۔

آپ عشاء کی چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے ہوئے فرماتے تھے کہ نماز قابل قبول نہیں۔ یہ کہہ کر پھر چار رکعت ادا فرماتے اور پھر یہی فرماتے کہ یہ بھی قابل قبول نہیں حتیٰ کہ اسی طرح رات ختم ہو جاتی اور صبح کو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے کہ میں نے تیری بارگاہ کے لائق نماز کی بہت سعی کی لیکن محروم رہا۔ کیونکہ جیسا میں خود ہوں ویسی ہی میری نماز ہے لہٰذا مجھے اپنے نمازی بندوں میں شمار کر لے۔

حضرت بایزیدؒ کا خدا پر توکل اور توکل کی مختلف انواع

توکل الی اللہ کی بہت سی انواع اور درجات ہیں۔ بے جا توکل ہرگز جائز نہیں یعنی اگر کوئی کسب کی

کوشش نہ کرے اور بیکار بیٹھا رہے اور اس خیال میں رہے کہ جو کچھ ملنا ہے وہ تو مل کر رہے گا لہٰذا ہاتھ پاؤں ہلانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ رافضیوں کا توکل ہے جو بعض مسلمانوں کو بھی سکھایا گیا اور اس بے عملی کی کیفیت نے پوری قوم کو بے عمل، مفلس اور محکوم غیر بنا دیا ہے۔ یاد رہے کہ مقدر اس وقت تک مقدر نہیں بنتا جب تک اس کے لئے کوشش اور جدوجہد نہ کی جائے۔ ایک حدیث شریف میں وارد ہے ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّیْنَ وَا الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ'' [1] (سچا اور امین تاجر انبیاءؑ کرامؑ، صدیقین اور شہداؑ کے ساتھ ہوگا۔ قومیں ہمیشہ محنت، مشقت اور جدوجہد سے ہی بنتی ہیں۔

اب سوال یہ باقی رہتا ہے کہ درویش کے لئے کیا اور کیسا لائحہ عمل ہونا چاہئے۔ مکتوبات لطیف (جو ہماری تصنیف، ''سرمایہ ملت'' میں شائع ہو رہے ہیں) میں لکھا ہے کہ رزق کی تقسیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قوانین مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہیں۔ ان میں سے تین چیدہ چیدہ قوانین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جا تو کما اور اپنا خرچہ پورا کر۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جا تو کمائی کر اور دوسروں کو بھی کھلا اور تیسری قسم یہ بھی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جا تو ہمارا کام کر (یعنی دین کی خدمت کے لئے سرگرمیاں جاری رکھ) اور تیری خوراک اور خرچہ ہمارے ذمے ہے۔ یعنی تمہارے تمام خرچے کے ذمہ دار ہم ہیں۔ (یہ بیان قوت القلوب میں موجود ہے)

یہ بات بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں کہ جو اللہ پر توکل کرے اور اس کا حق ادا کرے (یعنی عقیدے، دین پر عمل اور روحانیت کے اعتبار سے اس کا حق ادا کرے) تو اس پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جس پر بہت کم لوگ پہنچ سکتے ہیں وہ یہ کہ دنیا میں اس بندے پر تمام اسباب اٹھ جاتے ہیں اور وہ مسبب الاسباب سے تعلق قائم کر لیتا ہے۔ اس حالت میں وہ دریا کو پار کرنے کے لئے کسی کشتی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور اسی طرح ہر معاملے میں اسباب اس سے اٹھ جاتے ہیں (سوائے معاملات دینیہ کے) اور اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت کے لئے کفایت کرتا ہے۔ ان کے علاوہ مذکور بالا لوگوں کا تیسرا گروہ ایسا ہے کہ وہ خدمت خلق اور خدمت اسلام میں اس قدر انہماک رکھتا ہے کہ اگر وہ اپنے لئے کسب کرے تو ان کا خدمت خلق والا کام بہت سست پڑ جاتا ہے اور وقت کی کمی کے باعث ادھورا رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہوتا ہے

---

[1] سنن الترمذی، حدیث نمبر ۱۲۰۹، جلد ۳، صفحہ ۵۱۵۔

کہ چونکہ اس کا دنیاوی روزی کمانے کا کام دینی خدمت کے مقابلے میں بہت کم درجے کا ہے، اس لئے اس کی روزی کی کفایت ہم خود کریں گے تاکہ وہ پوری تندہی سے دینی خدمت بجالائے چنانچہ بہت بڑے بڑے اولیائے کرام اور مشائخ عظام کا ہمیشہ یہ شغل رہا ہے کہ انہوں نے کسی کسب کو اختیار نہیں کیا، گو بہت سے اولیائے کرام نے کسب اور شغل کا اہتمام بھی کیا ہے اور کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کیا ہے۔ کچھ پیغمبروں کے کام کرنے کا روایات اور احادیث میں ذکر آیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لئے مخصوص کیا وہ ویسے ہی کرتا رہا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے وہ چند واقعات الگ نقل کیے جاچکے ہیں جن میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ ایک مسجد کے امام نے ان سے پوچھا کہ آپ کسب تو کچھ نہیں کرتے تو پھر آخر آپ کہاں سے کھاتے پیتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھ کو وہ نماز جو میں نے ابھی ابھی تمہارے پیچھے پڑھی ہے دہرا لینے دو کیونکہ جو شخص اپنے رازق کو نہیں پہچانتا۔ اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی۔ ایک ایسے ہی شخص کو آپ نے فرمایا کہ جو خدا کتے، بلی اور جانوروں کو رزق دیتا ہے تو کیا وہ بایزیدؒ کو رزق نہیں دے سکتا۔ اسی طرح ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کو رزق کہاں سے آتا ہے تو فرمایا اگر یہ رزق نہ ہوتا تو آسمان سے ہی نازل فرماتے۔

حضرت بایزیدؒ کا شقیق بلخیؒ کی طرف یہ پیغام کہ اللہ تعالیٰ کو دو روٹیوں کے لئے نہ آزمانا

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی اس بات پر بحث کی ہے کہ کچھ بزرگ کسب کرنے اور خود کو مشغول کسب رکھنے کو بہتر سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ اس کو برا جانتے ہیں۔ ایسے ہی آپ نے حضرت بایزیدؒ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص جو حضرت شقیقؒ کا مرید تھا حضرت بایزیدؒ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے حضرت شقیقؒ کا حال دریافت کیا تو مرید نے کہا کہ حضرت شقیقؒ مخلوق سے فارغ ہوگئے ہیں اور توکل علی اللہ کے ساتھ تعلق کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم واپس جاؤ تو شقیقؒ سے کہنا "دیکھ اللہ تعالیٰ کو دو روٹیوں کے لئے نہ آزمانا۔ جب بھوک لگے تو اپنے جیسے لوگوں سے دو روٹیاں مانگ کر کھا لینا اور اپنے توکل کے اثر کو ایک کونے میں رکھنا تاکہ تیرے اس معاملے کی نحوست سے اس کے شہر میں اور ولایت کی زمین پر خرابی ظاہر نہ ہو جائے"۔[1]

مذکورہ قسم کے علاوہ دوسرے قسم کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نفس کو ذلیل کرنے کے لئے اس کو

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۱۲۷۔

ریاضت میں ڈالا جائے تاکہ وہ ذلت برداشت کرے اور اس طرح وہ اپنے دل پر رنج اور زحمت اٹھائے تاکہ بندے کو اپنی قدر و قیمت معلوم ہو جائے اور وہ یہ معلوم کرے کہ لوگ کسی کے لئے کتنی قدر و منزلت کو روا رکھتے ہیں۔ ایسا کرنے سے بندے کو تکبر نہیں ہوگا۔ حضرت جنیدؒ نے حضرت شبلیؒ کو تکبر اور دل کی کجی کو دور کرنے کے لئے حکم دیا کہ بازار میں جا اور جو بھی نظر آئے اس سے سوال کرتا کہ تجھے اس بات کا غرور نہ ہو کہ تو امیر باپ کا بیٹا ہے جو خلیفہ کے دربانوں کا سردار ہے۔ اس طرح کرنے سے تمہیں تمہاری قدر و منزلت کا علم ہو جائے گا۔ ایک روایت میں ایسا بھی آیا ہے کہ ایک امیر شخص ایسی جگہ موجود تھا جہاں روٹیاں بانٹی جا رہی تھیں تو وہ شخص بھی اٹھا اور روٹی لے کر آیا۔ اس کے ساتھی نے پوچھا کہ آپ تو اس قدر امیر ہیں کہ آپ کو یہ کام زیب نہیں دیتا۔ اس شخص نے کہا کہ میں اس لئے روٹی مانگنے گیا کہ کہیں میرا نام فقیروں کی فہرست سے خارج نہ کر دیا جائے۔

ایک روایت ایسی بھی ملتی ہے کہ ایک شخص نے بہت عبادت کی مگر اس میں روحانی کیفیات پیدا نہ ہو سکیں مگر جب اس نے حضرت جنیدؒ سے اس کا علاج پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا علاج تو ہے مگر تو یہ علاج نہیں کر سکے گا۔ اس شخص نے اصرار کیا کہ اسے علاج ضرور بتایا جائے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ بازار میں جاؤ اور ایک کپڑے کا تھیلا خرید و اور اسے اخروٹوں سے بھر لو۔ پھر اپنی داڑھی، سر، مونچھوں اور ابروؤں کے بالوں کو منڈوا کر ایسے محلے میں جاؤ جہاں لوگ تجھے جانتے ہوں۔ وہاں جا کر یہ آواز لگاؤ کہ جو مجھے ایک طمانچہ مارے اس کو میں ایک اخروٹ دوں گا اور جو دو طمانچے مارے گا اسے دو اخروٹ دوں گا۔ وہ شخص بولا "**لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ**"۔ آپ نے فرمایا کہ اس بات پر لاحول پڑھنا سخت گناہ کی بات ہے۔ تمہارے سر میں جو تکبر کا مادہ موجود ہے اس کے ختم کرنے کا صرف یہی ایک علاج تھا اور میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تو اسے نہیں کر سکے گا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے بھی مذکورہ طرز پر اپنے تکبر کا علاج کیا تھا۔ قارئین نے اس کتاب میں مطالعہ کیا ہوگا کہ آپ نے رمضان کے مہینے میں اپنے استقبال میں آنے والے جم غفیر کے سامنے روٹی کا ٹکڑا چبانا شروع کر دیا تو لوگ آپ کے اس عمل کو دیکھ کر آپ کو برا بھلا کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ اس طرح آپ نے اپنے آپ کو تکبر سے بچا لیا۔

علم بغیر عمل کے علم نہیں

علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ علم ایسے ہی ہے جیسے گدھے پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ اس بات کا ذکر قرآن میں سورہ الجمعہ کی آیت نمبر ۵ میں آیا ہے۔ مشائخ عظام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ولی اللہ نہیں بناتا جب

تک اسے علوم ضروریہ سے نواز نہ دیں۔ جو اولیائے کرام ان پڑھ ہوتے ہیں ان کو بھی ایسا علم ضرور عطا کر دیا جاتا ہے جس سے وہ اپنے خالق کو پہچان سکیں اور مخلوق کے حال و احوال سے واقف ہو سکیں۔ علم کا ایک بہت بڑا حصہ مرید اپنے شیخ سے حاصل کرتا ہے جو اشاروں کنایوں میں بہت سے پیچیدہ مسائل کو سمجھا دیتے ہیں۔ ان کی نظروں سے بھی مرید وہ علوم حاصل کرتے ہیں جو عام کتابوں میں نہیں ملتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے جب رسول اللہ ﷺ سے قرآن سیکھا تو علم و عمل کو ساتھ ساتھ سیکھا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ۳۰ سال مجاہدہ کیا لیکن میں نے اپنے اوپر علم اور اس کی متابعت سے بڑھ کر کوئی چیز سخت اور دشوار نہیں دیکھی۔

ابو القاسم قشیریؒ اپنے رسالے میں لکھتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ نے دنیا سے کوچ کرنے سے پہلے پورا قرآن معنوں کے ساتھ حفظ اور زبانی یاد کر لیا تھا۔[۱] طبقات الکبریٰ میں ہے کہ بسطام کے ایک فقیہہ نے حضرت بایزیدؒ سے پوچھا کہ تمہارے علم کا ماخذ کیا ہے؟ سکھانے والا کون ہے؟ کہاں سے یہ علم آیا ہے؟ فرمایا خدا کی بخشش اور عطاء اس کا ماخذ ہے۔ سکھانے والا خدا ہے اور وہیں سے یہ آیا ہے جہاں کی نسبت حضور ﷺ کا یہ قول ہے۔

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ بِعِلْمِ مَا لَمْ يَعْلَمْ [۲]	جس نے اس چیز پر عمل کیا جس کو وہ جانتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایسے علم کا وارث بنا دے گا جو اس کو معلوم نہیں۔

حضرت بایزیدؒ کا قرآن اور حدیث کا علم

حضرت بایزید بسطامیؒ نے علمِ حدیث سیکھا اور فرمایا کرتے تھے کہ خلاف سنت فعل کا مرتکب ولی نہیں ہو سکتا۔ حدیث اسی سنت کے علم اور تذکرے کا نام ہے۔ آپ کے متعلق حضرت امام ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ نے طبقات الصوفیاء میں روایات بایزیدؒ میں سے ایک حدیث بیان کی ہے جس کا سلسلہ اسناد ابو سعید خدری ؓ، عطیہ العوفیؒ، عمرو بن قیسؒ اور عبدالرحمٰن سدیؒ سے ابو یزید بسطامیؒ تک پہنچتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کا قول ہے کہ علم بھی نام نہاد علما سے سیکھنا مناسب نہیں کیونکہ وہ روحانی قوتوں سے محروم رہتے ہیں فرماتے ہیں کہ علم قرآن اور خبر (حدیث) ایسے شخص سے سیکھو اور سنو جو علم سے معلوم تک (یعنی

---

۱ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۶۔ ۲ تفسیر القرطبی، جلد ۱۳، صفحہ ۳۶۴۔

اللہ تک) رسائی حاصل کر چکا ہو اور خبر سے مخبر (یعنی رسول اللہ ﷺ) کو پہچانتا ہو۔ حضرت بایزیدؒ کا مذکورہ بالا قول راقم الحروف نے اپنے ایک شعر میں سمو دیا ہے جو ہمارے پیرومرشد کی قائم کردہ محی الدین اسلامک یونیورسٹی آزاد کشمیر کے افتتاح کے موقع پر لکھا گیا تھا۔ وہ شعر حسب ذیل ہے

یہاں وہ علم ہے، معلوم تک جس کی رسائی ہو — خبر ہو گی یہاں وہ جس سے مخبر آشنائی ہو

حضرت بایزیدؒ کے نزدیک ایسا علم جو خدا شناسی کے لئے نہ ہو، لوگوں میں پذیرائی کے لئے ہو تو ایسا شخص ہر روز خدا سے دور ہوتا اور مہجور ہوتا چلا جائے گا۔ [1] ایک شخص حضرت بایزیدؒ کے پاس نصیحت کی غرض سے آیا کہ جس سے اس کی نجات ہو سکے۔ فرمایا دو باتیں یاد رکھو۔ ایک یہ کہ علم کے لئے تمہارے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ خدا تمہارے فعل سے پوری طرح واقف ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھ رہا ہے اور دوسری یہ بات یاد رکھو کہ! اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے بے نیاز ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے چند اقوال

حضرت بایزیدؒ کے اقوال تو مختلف مقامات پر بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن یہاں چند موضوعات پر آپ کے کچھ اقوال درج کئے جا رہے ہیں۔

مجاہدہ:

حضرت بایزیدؒ کا فرمان ہے کہ سب سے اہم مجاہدہ اپنے علم پر عمل کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس قدر علم و معرفت زیادہ ہو جائے انسان اتنا ہی زیادہ خدا سے ڈرتا ہے اور اس سے قریب ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔ **اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا** بے شک بندگان خدا میں سے عالم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (فاطر:۲۸)

بھوک

حضرت بایزیدؒ سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے معرفت کیسے حاصل کی تو حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے معرفت بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ساتھ حاصل کی۔ [2] آپ نے فرمایا ''اگر فرعون شکم سیر نہ ہوتا اور بھوکا رہتا تو کبھی ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' نہ کہتا۔ یاد رکھو کہ متکبر شخص کو معرفت کی ہوا تک بھی نہیں لگتی''۔

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۵۱۔ [2] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۴۔

حیاء

کسی نے آپؒ سے حیا کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے ایسے موثر انداز میں حیا کی تعریف بیان کی کہ وہ شخص پانی پانی ہو گیا یعنی آنسو جاری ہو گئے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں دجلہ پر پہنچا تو پانی جوش مارتا ہوا میرے استقبال کو پہنچا لیکن میں نے کہا کہ مجھے تیرے استقبال سے ذرہ برابر بھی غرور نہ ہوگا اور میں اپنی تیس سالہ ریاضت کو تکبر کے باعث ہرگز ضائع نہیں کر سکتا کیونکہ میں تو کرم کا طالب ہوں نہ کہ کرامت کا۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیویوں کے نان ونفقہ کی پریشانیوں سے بچائے رکھے لیکن پھر یہ خیال آیا کہ یہ تو سنت نبوی کے خلاف ہے۔ یہ سوچ کر میں نے دعا نہیں کی اور اس ذمہ داری کو اپنے ہی لئے قائم رہنے دیا اور اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حالت طاری کر دی گئی ہے کہ میرے نزدیک دیوار اور عورت میں کوئی فرق نہیں رہا۔

فرمایا کہ مرد وہ نہیں جو کسی چیز کے پیچھے چلے بلکہ مرد وہ ہے کہ جو جہاں کہیں بھی ہو چیزیں اس کے گرد دوڑیں اور جس چیز سے خطاب کرے، اسی سے جواب سنے۔ فرماتے ہیں کہ سچا عابد اور سچا عادل وہ ہے جو کشش کی تلوار سے اپنی تمام مرادوں کو قتل کر دے اور تمام خواہشوں اور تمناؤں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تباہ کر دے اور خداوند کریم کی رضا پر راضی رہے اور محض اس بات کی خواہش کرے جس کا حق تعالیٰ شاہد ہو۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک ذرہ بہشت کے ہزارہا قصور اور محلات سے بہتر ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنی رضا سے لوگوں کو بہشت میں نہیں لے جاتا۔ فرمایا کہ جب وہ کسی کو اپنی رضا دیتا ہے تو بہشت کو لے کر وہ کیا کرے گا اس کی رضا کے مقابلہ میں بہشت بے معنی ہے۔ فرمایا کوئی گناہ تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچاتا جتنا ایک مسلم بھائی کو بے عزت کرنے سے پہنچتا ہے۔ فرمایا! دنیا اہل دنیا کے لئے غرور، آخرت کے لئے ہو تو سرور اور اللہ کی دوستی اہل معرفت کے لئے سراسر نور ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے نزدیک اہلِ ہمت کا کفر اہل آرزو کے ایمان سے بہتر ہے

وجد پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ طریقت میں دو راستے ہیں ایک تو علم کے ساتھ

چلنا دوسرا محض عمل کے ساتھ چلنا۔ عمل بغیر علم اچھا تو ہوتا ہے لیکن اس میں جہالت اور نقص رہ جاتا ہے (ایک شخص صوفی ہو لیکن علم کی دولت سے محروم ہو تو وہ طریقت کی بات کو کسی کے سامنے واضح نہیں کر سکتا) کیونکہ جو اپنے سے جاہل ہو تو وہ اپنے غیر سے زیادہ جاہل ہوتا ہے اور دوسری طرف علم اگر چہ بغیر عمل ہی کیوں نہ ہو تو بھی اس کی عزت اور بزرگی ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت بایزیدؒ نے فرمایا "کُفرُ اَهْلِ الهِمَّةِ اَشرَفُ مِنْ اِسْلَامِ اَهْلِ الْمَنِيَّةِ" (یعنی اہل ہمت کا کفر اہل آرزو کے اسلام سے بلند و بالا ہے) اہل ہمت کبھی بھی کفر یا ناشکری میں مبتلا و گرفتار نہیں ہو سکتے۔ اگر فرض بھی کر لیں کہ اہل ہمت کفر کے اندر ہیں اس کے باوجود آرزوؤں والے اہل ایمان سے کامل و اکمل ہیں۔

حضرت جنیدؒ نے شبلیؒ کے لئے فرمایا کہ شبلیؒ پر سکر کی کیفیت طاری ہے اور اگر اس سے اس کو افاقہ حاصل ہو جائے تو وہ ایک امام ہے جس سے لوگوں کو فائدہ نہ ہو۔ بزرگوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر چہ کسی کے عمل کم ہوں لیکن اس میں ہمت عمل اور سوجھ بوجھ موجود ہے تو وہ زیادہ عمل کرنے والے لیکن کم ہمت شخص سے بہتر ہے۔ علامہ اقبالؒ کا نیچے دیا گیا ایک شعر قابل غور ہے۔ علامہ اقبالؒ نے انہی معنوں میں فرمایا کہ ایک کافر جس کا دل بیدار ہو خواہ وہ بت کی پوجا کرتا ہے اس مسلمان سے بہتر ہے جو خانہ کعبہ میں ہوتے ہوئے بھی سو رہا ہو۔ درج ذیل شعر کا ترجمہ بھی یہی ہے۔

کافر بیدار دل پیش صنم به ز دینداری که خفت اندر حرم

دیکھا گیا ہے کہ حج کے دنوں میں اکثر لوگ فجر کی نماز کے بعد حرم مکہ میں سو جاتے ہیں کیونکہ سواری کے انتظار میں حرم میں رکنا ضروری ہوتا ہے لیکن راقم الحروف نے جب کبھی سونے کی کوشش کی تو علامہؒ کا مذکورہ شعر یاد آ جانے پر سونے کی ہمت نہ ہوئی۔

سوال و کسب

حضرت بایزید بسطامیؒ کا یہ خیال تھا کہ اگر کسب رزق کے لئے کسی مخلص دنیا دار سے کچھ مل سکے تو وہ لے لینا چاہیے۔ ایک شخص آپؒ کے پاس بہت سا مال لایا اور فرمایا کہ اس کو اپنے استعمال میں لائیں۔ آپؒ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اس مال کو تمام عمر بھی خرچ کر سکوں گا تو اس نے عرض کیا کہ آپ اس سے معمولی غذا نہ کھائیں بلکہ قیمتی غذا کھائیں تا کہ میں آپؒ کے لئے اور بھی مال پیش کر سکوں۔ اس شخص نے کہا کہ

اگر آپؒ اسے قبول کرلیں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے شخص سے ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت بایزیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو خدا کتے اور بلیوں کو رزق دیتا ہے، تو کیا وہ بایزیدؒ کو رزق نہیں دے سکتا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کو روزی کہاں سے آتی ہے فرمایا اگر زمین سے نہ ملتی تو شاید آسمان سے نازل ہوتی۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے رازق کو نہیں پہچانتا اس کے پیچھے نماز ادا کرنا بھی درست نہیں۔

اولیائے کرامؒ لوگوں کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے اگرچہ وہ فاقے سے ہی کیوں نہ مر جائیں۔ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ خود ہی کفالت کرتا ہے۔ کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ایک درویش مکہ معظمہ آئے اور اپنی قیام گاہ میں ایک سال رہے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا، نہ سوئے نہ غسل کیا۔ وہ اپنی ہمت کو رویت خانہ کعبہ میں اپنی طرف مضاف کرتے رہے اور یہی ہمت ان کی غذائے تن اور ہمت جان رہی۔ سوال کرنا اسلامی قوانین کے منافی ہے بلکہ اس میں بزدلی اور غیر پر انحصار کرنے کی عادت ہو جاتی ہے، اس لئے سوال کو ناپسند فرمایا۔ علامہ اقبالؒ نے اس پر کافی کلام لکھا ہے جو ہم فلسفۂ خودی میں اپنی کتاب ''عقل و عشق اور فلسفۂ خودی'' میں پیش کر چکے ہیں (یہ کتاب کچھ دیر بعد طباعت کے زیور سے آراستہ ہوگی)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتش نمرود میں گرائے جانے کے وقت بھی جبرئیل علیہ السلام کو ''عِلْمُهُ بِحَالِىْ يَكْفِيْنِىْ عَنْ سَوَالِىْ''[1] (یعنی اللہ میرے حال سے واقف ہے تو اس سے سوال کرنے کی حاجت نہیں) مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا ہے۔

کشف المحجوب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک روز ایک لڑکی نے اپنی ماں کو کہا کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے تو اس کی ماں نے کہا کہ بیٹی خدا سے مانگ لڑکی کہنے لگی کہ اماں مجھے شرم آتی ہے کہ اپنی نفسانی ضرورت خدا کے سامنے پیش کروں اور جو کچھ تو دے گی وہ بھی تو اللہ کی طرف سے ہوگی۔ کشف المحجوب میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص بھوکا تھا اور جنگل سے طویل سفر کے بعد بازار میں آیا اور ایک چڑیا ہاتھ پر بٹھائے کہتا تھا کہ اس چڑیا کے واسطے مجھ کو کچھ دو۔ لوگوں نے کہا کہ تو یہ کیا کہتا ہے اس نے کہا کہ یہ محال ہے کہ میں کہوں کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ دو۔ دنیا کی کسی حقیر چیز کے لئے خدا کا نام درمیان میں نہیں لانا چاہیے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ بزرگوں کے اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سوال والے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنا حق یا نصیب سمجھ کر سوال نہ کرے اور اس سے اپنے گھر کی آرائش مقصود نہ ہو۔ اس چیز کو اپنی

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد ۱۱، صفحہ ۳۰۳۔

مِلک نہ سمجھے۔کل کا خیال دل میں نہ لائے تا کہ ہمیشہ کے لئے ہلاکت میں گرفتار نہ ہو اللہ کا نام اپنی گدائی کے پلے نہ باندھے۔اپنی پارسائی جتا کر نہ مانگے۔

حضرت بایزیدؒ کی مخلوق پر شفقت

حضرت بایزید بسطامیؒ حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت توجہ فرماتے اور جہاں کہیں کسی کی مدد کرنے کی ضرورت ہوتی تو کرتے اور اس میں کبھی دریغ نہ فرماتے۔حضرت بایزید بسطامیؒ کی ایسی ہمدردیوں کے بہت سے واقعات منقول ہیں۔آپؒ نے اپنے ہمسایوں اور دیگر آشنا لوگوں پر بہت شفقت فرمائی اگرچہ آپ کے ہمسائے یہودی مذہب سے ہی تعلق رکھتے ہوں،آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خداوند تعالیٰ تمام مخلوق کے عوض مجھے دوزخ میں ڈال دے تو کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤں گا۔آپؒ اپنے مریدوں سے کہتے تھے کہ میرا مرید تو وہ ہے جو گناہگاروں کو عذاب جہنم سے بچانے کے لئے کوشاں ہو۔منقول ہے کہ دریا میں ایک بچھو غوطے کھا رہا تھا تو آپ نے اسے باہر نکالا لیکن بچھو نے ڈنگ مار دیا۔وہ بچھو تین دفعہ دریا میں گھس گیا اور آپؒ نے ہر بار اس کو باہر نکالا اور تینوں مرتبہ اس نے آپ کو ڈس لیا۔ایک شخص جو قریب ہی کھڑا تھا بول اٹھا کہ آپؒ بھی عجیب ہیں کہ وہ ڈنگ مارے جا رہا ہے آپؒ اسی پر مہربانی کر رہے ہیں۔فرمایا کہ اگر وہ برائی سے باز نہیں آتا تو میں نیکی سے باز کیوں آؤں؟

حضرت بایزیدؒ کی مخالفتِ شریعت سے بیزاری

حضرت بایزید بسطامیؒ کی ایک بزرگ کے ساتھ ملاقات کا واقعہ مختلف روایات کے مطابق اس کتاب میں بھی لکھا جا چکا ہے۔اسی واقعہ کو حضرت ابراہیم بخاری نے شرح تعرف میں لکھا ہے کہ حضرت بایزیدؒ ایک بزرگ کی زیارت کیلئے دو ماہ کی مسافت پر گئے (یعنی آنے جانے میں آپ نے چار ماہ صرف کر دیئے) مگر جب آپؒ نے دیکھا کہ اس بزرگ نے قبلہ رخ ہو کر تھوک دیا تو آپؒ نے اس سے ملاقات تو کجا سلام دعا لینا بھی قبول نہ کیا اور فرمایا!

هٰذَا غَيْرُ مَامُوْنٍ عَلٰى اَدَبٍ مِنْ آدَابِهٖ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَكَيْفَ مَامُوْنٌ عَلٰى مَايَدَّعِيْهِ[1]	شخص رسول پاک ﷺ کے آداب زندگی میں سے ایک ادب اور سنت پر مامون و محفوظ نہیں ہے تو یہ اپنے دعویٰ ولایت میں کیونکر محفوظ اور قابل اعتماد ہو سکتا ہے۔

[1] رسالہ قشیریہ،صفحہ ۱۵۔

امام شاطبیؒ نے اس واقعہ کو ''کتاب الاعتصام'' میں نقل کیا ہے کہ تارک سنت بوجہ لاعلمی بھی ولی نہیں ہوسکتا (اس کتاب میں اس واقعہ کی تفصیل بحوالہ کشف المحجوب الگ سے بیان کی جاچکی ہے)۔

حضرت بایزیدؒ کے طریقہ تبلیغ میں نرمی تھی

اسلام میں تبلیغ کا سلسلہ دوسروں کے ساتھ مثالی اعمال پیش کرنے اور انکے دلوں کو موہ لینے پر مدار رکھتا ہے اور اس قسم کے بیان جن میں شفقت اور نرمی ہو وہ بہت زود اثر ہوتے ہیں۔ آپؒ کے ہاتھوں پر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے توبہ کی اور راہ راست کا طریقہ اختیار کرلیا۔ روایات میں ہے کہ آپؒ بے راہ روی پر مائل مسلمانوں کو پاکیزہ زندگی گزارنے کی تبلیغ کرتے اور اس طرح ایک کثیر تعداد مسلمانوں کی اصلاح آپؒ کے ہاتھوں سے روپذیر ہوئی۔ آپؒ نے ایک شخص کو جو کہ کفن چور تھا نیکی کی طرف مائل کیا اور اس نے کفن چوری کرنے کا عمل ترک کردیا۔ اس شخص نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ ایک ہزار قبروں سے کفن چوری کر چکا ہے اور اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان ایک ہزار مردوں میں سے صرف ایک یا دو مردوں کے چہرے کعبہ کی طرف نظر آئے اور باقی مردوں کے چہرے کعبہ سے پھر چکے تھے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ یہ دو شخص ہزار مردوں میں ایسے تھے جو اللہ پر بھروسہ کرتے تھے۔ (باقی مردے ایسے تھے جو دنیا دوست تھے۔ یاد رہے کہ جو دنیا میں اللہ کی یاد سے منہ پھیر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی آخرت میں اس سے اعراض فرمالیتا ہے)۔

آپؒ کی شفقت کا ایک اور واقعہ منقول ہے کہ آپؒ نے ایک شخص کو بربط (سارنگی) کے اوپر گانا گاتے ہوئے دیکھا تو بہت نرمی سے اس کو تلقین فرمائی۔ وہ نوجوان آپ کی تلقین کرنے پر غصے میں آگیا اور آپؒ کے سر پر بربط کو دے مارا بربط کے ٹکڑے ہوگئے بلکہ آپؒ کا سر مبارک بھی زخمی ہوگیا۔ دوسرے دن آپؒ اس نوجوان کے گھر پر گئے اور اس کو بربط کی قیمت ادا کی اور کچھ حلوہ بھی پیش کیا اور فرمایا کہ کل والے واقعہ کے غم و غصہ کی وجہ سے تمہارا حلق بھی خشک ہوگیا ہوگا یہ حلوہ کھالو شاید تمہاری تلخ کلامی کا اثر دور ہوجائے۔ آپؒ کے اس رویہ سے نوجوان بہت نادم ہوا اور ایسے کھیل کود کے کاموں سے توبہ کرلی۔

اہلِ طریقت کے اصول رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ہی ملتے ہیں

ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک پہلو روحانیت اسلام کا اعلیٰ نمونہ تھا اور طریقت کا نام اگرچہ بعد میں رائج ہوا

لیکن اس کا تصور آپ کی زندگی کے ہر فعل میں دیکھا گیا۔ جو کچھ انبیاء اور اولیائے کرام نے کہا ہے وہ حضور ﷺ کی زندگی کا نمونہ تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے داؤد لوگوں کو اپنی خواہش کی چیزیں کھانے سے بچاؤ اس لئے کہ جو دل دنیا کی خواہشات میں لگے رہتے ہیں ان کی عقلیں مجھ سے حجاب میں رہتی ہیں ۔

کثرت نعمت گداز از دل برد ‏ نازمی آرد نیاز از دل برد

(نعمتوں کی کثرت دل سے گداز کو لے جاتی ہے، ناز پیدا کرتی ہے اور نیاز رخصت ہو جاتا ہے)

حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز کا ڈر ہوا میں نے اسے ضرور کیا اور میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ حضرت ابوالحسن وراقؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ہمارے شیخ کا حکم تھا کہ ہم (۱) دوسروں کو اپنی فتوح کی چیزیں دیں (۲) کسی معلوم چیز پر رات نہ گزاریں (۳) جو ہم سے برا سلوک کرے ہم اس کا بدلہ نہ لیں بلکہ تواضع کریں (۴) جب ہمارے دل میں کسی کے متعلق حقارت پیدا ہو تو اس کی خدمت کریں یہاں تک کہ وہ حقارت دل سے زائل ہو جائے۔

اولیائے کرامؒ نے ان معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل حدیث پر عمل کرنے سے ہی مقامات حاصل کئے ہیں۔ حضرت پیر کرم شاہؒ نے ''ضیاء النبی'' میں جو حدیث نقل کی ہے اسے نیچے درج کیا جا رہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ تمام اولیائے کرام نے آپ ﷺ کی ہی پیروی کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نو باتوں کا حکم دیا (حدیث)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے پروردگار نے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔ (ضیا النبی) اولیائے کرام بھی مندرجہ ذیل احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کرنے میں لگے رہتے ہیں اور کسی نے جتنا عمل کیا اس کو اس کے مطابق مقام ملا۔ قارئین بھی ان باتوں کو اپنے ذہن میں رکھیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے ان نو باتوں کا حکم ملا کہ میں

۱۔ ظاہر و باطن میں اخلاص کو اپنا شعار بناؤں۔

۲۔ خوشنودی اور ناراضگی، دونوں حالتوں میں عدل کروں۔

۳۔ خوشحالی اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کروں۔

۴۔ جو مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کروں۔

۵۔جو مجھ سے قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کروں۔

۶۔اس کو دوں جو مجھے محروم رکھے۔

۷۔میری زبان گویا ہو تو ذکر الٰہی سے۔

۸۔خاموشی کی حالت میں، میں اس کی آیتوں میں غور وفکر کروں۔

۹۔میرے دیکھنے میں عبرت پذیری ہو۔

مذکورہ بالا نو نکات میں پورے اخلاق اور اخلاص کے اسباق موجود ہیں۔افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ان کو چھوڑ کر سہل انگاری کو اپنایا مگر غیر مسلم افراد نے ان اصولوں کو اپنا کر دنیا پر اپنا سکہ جمالیا۔اورنگ زیب کے زمانے کے ایک ہندو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اصول کو اپنایا جس میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس چیز کا مجھے ڈر ہوا تو میں نے اسے ضرور کیا اور اس پر قبضہ کر لیا یہ روایت حسب ذیل ہے۔

''روایات میں ہے کہ شہنشاہ اورنگزیبؒ ایک بار سخت بیمار ہوئے اور تمام شاہی طبیبوں نے علاج سے مایوسی کا اظہار کیا۔درباریوں میں سے ایک شخص نے ایک ہندو کو طلب کیا جو مایوس مریضوں کا علاج صرف ایک نظر دیکھنے سے کر دیتا تھا۔جب اس نے آپ پر نگاہ ڈالی تو شہنشاہ تندرست ہو گئے اور جب ان سے قصہ بیان کیا گیا تو آپ نے اس ہندو سے دریافت کیا کہ یہ طاقت تو نے کیسے حاصل کی۔اس نے جواب دیا کہ میرا یہ اصول رہا ہے کہ جس کام کو میرا دل نہ کرے تو میں اس کام کو ضرور کرتا ہوں (کیونکہ اس میں نفس کی مخالفت ہے)۔اورنگزیبؒ نے فرمایا''ہم آپ کے اس احسان کا بدلہ یہ دینا چاہتے ہیں کہ تم اسلام قبول کر لو۔ ہندو کہنے لگا نہیں! نہیں میں یہ ہرگز نہیں کر سکتا۔شہنشاہ نے کہا کہ یہ تمہارے اصول کے خلاف ہے کہ جس چیز کے کرنے کا تمہارا دل انکار کرے تو وہ تم نے ضرور کرنا ہے۔اس بات کو وہ سمجھ گیا اور اسلام قبول کر لیا''۔

حضرت بایزید کے کردار کو یہودی بھی مانتے تھے

(مسلمان کا کردار ہی ذریعہ ابلاغ ہے)

بعض مسلمان غیر مسلموں کو دین کی تبلیغ کرتے ہیں لیکن سننے والے پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔یہ اس لئے کہ تبلیغ کرنے والے کی حالت خود اس کافر سے بدتر ہوتی ہے جس کو وہ تبلیغ کر رہا ہوتا ہے۔

مولانا رومؒ نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانے کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک ایسے ہی مسلمان نے

ایک یہودی کو دعوت اسلام دی۔ اس یہودی نے کہا کہ جس اسلام کی طرف تو مجھے دعوت دیتا ہے اگر وہ بایزید بسطامیؒ کا اسلام ہے تو یہ میری ہمت سے اتنا بلند ہے کہ اس کو حاصل کرنے کی کوشش میرے بس کی بات نہیں اور اگر اسلام وہی ہے جس کا عملی نمونہ تو ہے تو تمہارے مقابلے میں مجھ جیسا گیا گزرا انسان بھی بہتر ہے۔ تیرے اعمال تو ایسے ہیں کہ اگر کسی کو اسلام کی طرف رغبت بھی ہو تو تجھے دیکھ کر اسے اسلام سے نفرت ہو جائے۔

ع یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مذکورہ روایت کو مولانا رومؒ نے درج ذیل اشعار میں پیش کیا ہے۔

بود گبرے در زمانے بایزیدؒ گفت او رایک مسلمانِ سعید

(حضرت بایزید کے زمانے میں ایک یہودی تھا، اسے ایک نیک مسلمان نے کہا)

که چه باشد کہ تو اسلام آوری تابیابی صد نجات و سروری

(کیا ہی اچھا ہو اگر تو ایمان لائے تا کہ تیری نجات بھی ہو جائے اور تو صاحب جاہ بھی ہو جائے)

گفت ایں ایماں اگر هست اے مرید آنکه دارد شیخ عالم بایزیدؒ

(اس نے کہا کہ اے شیخ اگر ایمان یہ ہے جو کہ شیخ عالم بایزیدؒ رکھتے ہیں)

من نه دارم طاقتِ آں تابِ آں کاں فزوں آمد ز کوشش هائے جاں (۳۳۵۹:۵)

(اس کی تو مجھ میں تاب و تواں نہیں ہے کیونکہ آپ نے کوششوں سے اپنی جان مار ڈالی ہے)

باز ایماں خود، گر ایمانِ شماست نے بداں میلستم و نے اشتهاست (۳۳۶۳:۵)

(اور اگر ایمان وہ ہے جو تجھ میں ہے تو ایسے دین کی طرف نہ میرا رجحان ہے نہ خواہش)

آنکه صد میلش سوئے ایمان بود چوں شمارا دید آں فاتر شود (۳۳۶۶:۵)

(وہ شخص جو کہ سینکڑوں رغبتیں ایمان کی طرف رکھتا ہے جب وہ تجھے دیکھے گا وہ بھی سست ہو جائے گا)

اس ضمن میں مولاناؒ نے ایک اور قصہ بیان کیا ہے کہ ایک غیر مسلم لڑکی کو اسلام پسند آ گیا اور وہ کافروں کی شب و روز کی کوششوں کے باوجود بھی اپنی ضد پر قائم رہی۔ اس کے گھر والوں نے اسے اسلام قبول کرنے سے باز رکھا مگر اسلام کی محبت اس کے دل سے خارج نہ ہو سکی۔ اتفاق سے ان کے گھر کے قریب ایک مسجد میں ایک کریہہ الصوت اور سمع خراش موذن آیا اور اذان دی۔ اس لڑکی نے پوچھا یہ مکروہ آواز کہاں سے

آ رہی ہے۔ کہا گیا کہ یہ مؤذن اسلام کے عقائد کا اعلان کر رہا ہے لیکن وہ نہ مانی کہ اسلام میں کوئی ایسی بری چیز کیسے ہو سکتی ہے۔ جب اس کو یقین دلایا گیا کہ واقعی ایک مکروہ آواز والا مؤذن اذان دے رہا ہے تو اس کو اسلام سے ایسی نفرت پیدا ہوئی کہ اس نے اپنے پہلے دین پر قائم رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے لواحقین نے اس مؤذن کو بہت سارے تحائف اور شیرینیاں ارسال کیں کہ حضرت آپ کی آواز نے وہ کام کیا جو ہماری پوری قوم نہ کر سکی۔ راقم الحروف نے جب کبھی کسی مسجد سے ایسی مکروہ آواز سنی تو یہ واقعہ یاد آ گیا۔

مولانا کا مقصد اس سے یہ تھا کہ ایسی بدذوق حرکت سے اسلام بدنام ہوتا ہے اور لوگوں کو ایسا تاثر دینا نہیں چاہیے جس سے بجائے فائدے کے اسلام کو نقصان پہنچے۔ مبلغ کو نمایاں حسن و خوبی، حسنِ قول و فعل کا جامع ہونا چاہیے جس سے لوگ متاثر ہوں۔ اسلام خوش اسلوبی اور خوش سلوکی سے ہی پھیلا ہے۔ مولانا کے اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

دخترے دارم لطیف و بس سنی آرزو می بود او را مومنی (۵:۳۳۷۴)

(میری ایک لڑکی تھی جو لطیف مزاج اور کم عمر تھی اس کو مسلمان بننے کا شوق سوار ہو گیا)

هیچ ایں سودا نمی رفت از سرش پند ها می داد چندیں کافرش (۵:۳۳۷۵)

(کسی طرح سے یہ جنون اس کے سر سے نہ نکلتا تھا بہت سے کافروں نے اسے بہت سمجھایا)

هیچ چاره می ندانستم درآں تافرو خواند ایں موذن آں آذاں (۵:۳۳۷۸)

(مگر ان کے سمجھانے سے اس کا کوئی علاج نہ ہوا حتیٰ کہ ایک شخص نے وہاں آ کر اذان کہی)

گفت دختر چیست ایں مکروه بانگ که بگوشم آمد ایں دو چار دانگ (۵:۳۳۷۹)

(اس لڑکی نے کہا کہ یہ مکروہ آواز کیا ہے؟ کہ جس کے دو چار ٹکڑے میرے کان میں آئے ہیں)

من همه عمر ایں چنیں آواز زشت هیچ نشنیدم دریں دیر و کنشت (۵:۳۳۸۰)

(میں نے تمام عمر ایسی مکروہ آواز کبھی نہ سنی تھی نہ کہیں مندر میں اور نہ کہیں بت خانے میں)

خواهرش گفت که ایں بانگ اذاں هست اعلام و شعار مومناں (۵:۳۳۸۲)

(اس کی بہن نے کہا کہ یہ اذان کی آواز ہے یہ آواز مومنوں کا شعار اور اعلان علامت ہے)

چوں یقیں گشتش رخ او زرد شد از مسلمانی دلِ او سرد شد (۵:۳۳۸۳)

(جب اس کو ان کی بات کا یقین ہو گیا تو اسلام کی محبت سے اس کا دل سرد پڑ گیا)

علامہ اقبالؒ تو فرماتے ہیں کہ مسلمان کی اذاں تو یہ ہے کہ اس کو سن کر وجود انسانی لرز اٹھتا ہے لیکن علامہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی اذان انہوں نے مصر و فلسطین میں بھی کہیں نہیں سنی۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود ہوتی ہے بندہ مومن کی اذاں سے پیدا

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

تیسری مثال:۔ مولانا رومؒ نے ایک جھوٹے صوفی کا قصہ بیان کیا ہے کہ وہ لوگوں میں صوفی مشہور تھا اور خود کو مجاہد کہتا تھا۔ لوگ اس کے ہاتھ چومتے اور اس سے اس کا نفس اور پھول جاتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں نفس کا مجاہد ہوں (جو جہاد اکبر ہے)۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ میرے لئے جہادِ سیف تو بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ ایک مرتبہ جنگ ہوئی اور لشکر اسلام جہاد کے لئے روانہ ہوا اور یہ صوفی بھی ساتھ گیا مگر لشکر کے عقب میں رہا یعنی اس جگہ جہاں پر خیموں کا سامان اور مریضوں کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ جب لشکر اسلام فتح مند ہو کر مال غنیمت لے کر آیا تو یہ صوفی صاحب بھی بڑی شان و شوکت سے باہر نکل آئے۔ جب مال غنیمت کا کچھ حصہ ان کو پیش کیا گیا تو کہنے لگے کہ مجھ جیسے جانباز کو تو تم پیچھے چھوڑ گئے میں مال غنیمت کا حقدار نہیں ہوں۔ میں قتال سے محروم رہا ہوں حالانکہ وہ جان بچانے کے لئے خود پیچھے رہ گیا تھا۔

ایک لشکری نے کہا کہ ہم بہت سے کافر قیدی بنا کر لائے ہیں، ایک کافر قیدی آپ کو دے دیتے ہیں اور اب آپ اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیں تا کہ کافر کشی سے آپ محروم نہ رہیں۔ ایک قیدی زنجیروں میں جکڑا ہوا اس کے حوالے کرنے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ جب مال غنیمت دے کر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ قیدی جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے صوفی صاحب کو چت لٹا کر اوپر سوار ہے اور اپنے تیز دانتوں سے کاٹ کاٹ کر صوفی کو لہولہان کر دیا ہے۔ وہ لوگ حیران ہوئے اور کہا اے صوفی مجاہد! کیا بات ہوئی ہے؟ اس کافر کے تو ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اس نے تمہیں کیسے گرا دیا۔ اس نے کہا صوفی سے کیا پوچھتے ہو۔ اس ظالم نے ایسی قہر آلود اور خشمگین آنکھوں سے مجھے گھورا کہ میرے حواس باختہ ہو گئے۔ اس نے مجھے نیچے گرا دیا اور خود مجھ پر سوار ہو گیا اور زد و کوب کرنے لگا۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ افسوس ہے کہ ایسے لوگ مذہبی پیشوا اور مجاہد بنے ہوئے ہیں کہ اسلام جن کے

قریب سے بھی نہیں گزرا۔

دست بستہ گبر همچوں گربه خستہ کردہ حلق او بے حربه (۳۷۵۴:۵)

(اس یہودی نے بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ بھیڑئے کی طرح بغیر ہتھیار کے صوفی کو مار مار کر برا حال کردیا)

نیم کشتش کردہ بادنداں اسیر ریشِ او پُر خوں زحلقِ آں فقیر (۳۷۵۵:۵)

(اس صوفی کو دانتوں سے کاٹ کر ادھ موا کر دیا اس صوفی کی داڑھی خون سے گلے تک آلود تھی)

بررخ صوفی زدند آب و گلاب تابا هوش آمدز بے هوشی و خواب (۳۷۶۰:۵)

(لوگوں نے اس صوفی کے چہرے پر پانی اور عرق گلاب چھینکا تا کہ وہ صوفی بے ہوشی سے ہوش میں آئے)

الله الله ایں چه حال است اے عزیز ایں چنیں بے هوش گشتی ازچه چیز (۳۷۶۲:۵)

(لوگوں نے کہا اللہ اللہ اے پیارے! یہ کیا حال بنا رکھا ہے یہ تم کس طرح اور کس چیز سے بے ہوش ہو گئے)

گفت چوں قصد سرش کردم بخشم طرفه در من بنگرید آں شوخ چشم (۳۷۶۴:۵)

(کہنے لگا جب میں نے غصہ سے اس کا سر قلم کرنا چاہا تو اس شوخ چشم نے میری طرف ایسے گھور کر دیکھا)

چشم را وا کرد پہن او سوئے من چشم گردانید و شد هوشم زتن (۳۷۶۵:۵)

(اپنی آنکھ کی پتلی کو پھیلا کر میری طرف دیکھا آنکھیں گھمائیں اور میرے ہوش جاتے رہے)

گردش چشمش مرا لشکر نمود می نه دانم گفت چوں پر هول بود (۳۷۶۶:۵)

(اس کی آنکھوں کا کھونا مجھے لشکر کی طرح محسوس ہوا میں بتا نہیں سکتا کہ وہ کتنا ہولناک منظر تھا)

مولاناؒ عام مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ خود تمہارا حال بھی اسی صوفی کا سا ہے۔ دعوے جہاد اکبر اور جہاد اصغر کے بہت کرتے ہو مگر جہاں امتحان کا وقت آیا تو چت ہو گئے۔ نفس امارہ نے جب تمہیں آنکھیں دکھائیں تو تم ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔

همچو تو کز دست نفس بسته دست همچو آں صوفی فتادستی به پست (۳۷۵۶:۵)

(تم بھی نفس کے ہاتھوں جس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، اس صوفی کی طرح بے ہوش و چت پڑے ہوئے ہو)

مذکورہ بیان سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے ایک مسلمان اور بالخصوص ایک مبلغ کو مسلمانوں

جیسا شعار اپنانا ضروری ہے تاکہ غیر مسلموں کے دل اس کو دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہونے لگیں۔

حضرت بایزیدؒ کی نگاہ میں نفس کی آلائش کیا ہے

راہِ طریقت سراسر نفس کی آلائشوں سے محفوظ رہنے اور اس کی بغاوتوں کو کچلنے کا نام ہے۔ راقم الحروف نے ایک بہت ضخیم کتاب ''تہذیب نفس'' کے نام سے لکھی ہے جس میں نفس کے مختلف حوائج، تکالیف اور اس کی سرکشی کو دبانے کا مکمل بیان لکھ دیا گیا ہے لہٰذا اس جگہ صرف حضرت جنیدؒ اور بایزیدؒ کے حوالے سے نفس کے متعلق ان کے چند فرمودات کو نقل کیا جائے گا۔ تاہم زیر نظر کتاب میں بھی بعض مقامات پر نفس کے متعلق گفتگو موجود ہے۔

طَاعَةُ نَفْسٍ دَاءٌ وَعِصْيَانُهَا دَوَاءٌ نفس کی اطاعت بیماری ہے اور اس کی مخالفت دواء ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ لکھتے ہیں کہ میں نے ''تحفۃ العارفین'' میں مولانا علاؤالدینؒ کا یہ مکتوب دیکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کو ایک عرصہ دراز سے سیب کھانے کی خواہش تھی مگر آپ نے نہ کھایا۔ ایک دن ایک شخص آپؒ کی خدمت میں کچھ سیب لایا تو آپ نے ایک سیب کو ہاتھ میں لے کر تبسم فرمایا اور پھر تمام سیب حاضرین میں تقسیم کر دیے اور بعدازاں یہ فرمایا کہ اگر میں نفس کی آرزو پوری کر دوں تو یہ مجھ پر غالب آجائے گا۔ فرمایا جو شخص نفس کی آرزو پوری کرے گا اس کے عمل میں سستی واقع ہو جائے گی۔ (افضل الفوائد)

کشف المحجوب میں ہے کہ کچھ مشائخ کرام نے نفس کے بارے میں حضرت ذوالنون مصریؒ قدس سرہ کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''**اَشَدُّ الْحِجَابِ رُؤْيَةُ النَّفْسِ وَتَدْبِيْرِهَا**'' [۱] (یعنی بندے کا حجاب نفس کو دیکھنا ہے اور اس کی تدبیر کا اتباع کرنا ہے)۔ اس لئے کہ مطابقت نفس مخالفت حق عزوجل ہے اور مخالفتِ نفس تمام حجابات کے مرتفع ہونے کا سرچشمہ ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ''**اَسَاسُ الْكُفْرِ قِيَامُكَ عَلٰى مُرَادِ نَفْسِكَ**'' [۲] (یعنی کفر کی بنیاد یہ ہے کہ تم نفس کی مراد پوری کرو)۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ ''**اَلنَّفْسُ صِفَةٌ لَا تَسْكُنُ اِلَّا بِالْبَاطِلِ**'' [۳] (یعنی نفس ایک ایسی صفت ہے جسے بغیر باطل پرستی کے سکون حاصل نہیں)۔ نیچے حضرت بایزید بسطامیؒ کے نفس کی بابت

---

۱ کشف المحجوب، صفحہ ۳۹۳۔ ۲ کشف المحجوب صفحہ، ۳۹۳۔

۳ کشف المحجوب، ۳۹۴۔

چند واقعات بیان کئے جا رہے ہیں جو ان سے منقول ہیں۔

نفس کی تأدیب کرنا آپؒ کا معمول تھا

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں بہت بڑا بزرگ اور شیخ الوقت ہو گیا ہوں لیکن اس کے بعد یہ خیال بھی آیا کہ میرا یہ خیال فخر اور تکبر کا آئینہ دار ہے چنانچہ فوراً خراسان کی طرف روانہ ہوئے اور ایک منزل پر پہنچ گئے تو دعا کی کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی ایسے کامل بندے کو نہیں بھیجے گا جو مجھے میری حقیقت سے روشناس کرا سکے تو اس وقت تک میں یہیں پڑا رہوں گا۔ تین شب و روز کے بعد ایک شخص اونٹ پر آیا۔ آپؒ نے اس کو رکنے کا اشارہ کیا لیکن اس اشارے کے ساتھ ہی اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنستے چلے گئے اور جو شخص اس پر سوار تھا اس نے خشمگیں لہجہ میں کہا اے بایزید! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنی کھلی ہوئی آنکھ بند کر لوں اور بند آنکھ کو کھول لوں اور بایزید سمیت پورے بسطام شہر کو غرق کر دوں۔ اس کی یہ بات سن کر آپؒ کے ہوش اڑ گئے اور آپؒ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جس وقت تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس وقت میں یہاں سے تین ہزار میل دور تھا اور اس وقت میں سیدھا وہیں سے آ رہا ہوں اور تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اپنے قلب کی نگرانی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَفَوْقَ كُلِّ ذِى عِلْمٍ عَلِيْمٌ" (یعنی ہر علم والے کے اوپر ایک اور علم والا ہے) (یوسف:۷۶)۔ آپ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ ڈھونڈ لیتے تھے۔ [۱]

اللہ کی جستجو میں سب سے زیادہ دشوار مقامِ
خدا کی مدد کے بغیر دِل کو اللہ کی طرف لگانا ہے

حضرت ابوموسیٰؒ نے ایک بار حضرت بایزیدؒ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی جستجو میں آپؒ کو سب سے زیادہ دشوار مقام کون سا نظر آیا حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ خدا کی اعانت کے بغیر قلب کو اس کی طرف متوجہ کرنا بہت دشوار ہے اور جب اس کی مدد شاملِ حال ہو جائے تو پھر کوشش کے بغیر قلب اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور انسان کو اس وقت اللہ کی طرف ایک خاص کشش سی محسوس ہونے لگتی ہے پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ وہ

[۱] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۳۳۔

مراتب عطا کرتا ہے جو آپ پر بھی منکشف ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ میں ان مراتب کی ظاہری علامات بھی پائی جاتی تھیں اور جس وقت آپ پر خوف طاری ہوتا تو پیشاب میں خون آنے لگتا۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ حاضر ہوئے تو آپ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا کہ میں نے بہت کوشش کی کہ تمہیں دینے کے لئے کوئی چیز مل جائے لیکن نہیں مل سکی۔[1]

حضرت بایزیدؒ نے اپنے نفس کا آپ ہی علاج کیا

حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''کشف المحجوب'' میں ذکر کیا ہے کہ بایزیدؒ جب سفر حجاز سے واپس تشریف لائے تو ان کے آنے کی منادی کی گئی۔ لوگوں میں مشہور ہوا کہ بایزیدؒ تشریف لائے ہیں۔ شہر کے لوگ جمع ہوئے اور آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تا کہ اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لائیں حضرت بایزیدؒ لوگوں کی آمد و رفت کو دیکھ کر جب ان کی طرف مشغول ہو گئے تو محسوس فرمایا کہ اب ان کا دل بھی تقرب الٰہی سے دور ہو رہا ہے تو پریشان ہو گئے۔ لوگوں کو اپنے سے دور کرنے کے لئے آپؒ نے یہ حیلہ کیا کہ جب وسط شہر میں تشریف لائے تو روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر سر عام چبانا شروع کر دیا۔ ماہ رمضان میں آپؒ کے اس عمل پر عوام میں منافرت پیدا ہو گئی اور لوگ حضرت بایزیدؒ کو تنہا چھوڑ کر چل دیئے۔ کیونکہ یہ واقعہ رمضان شریف میں ہوا تھا اسلئے لوگوں نے آپؒ کے سر عام کھانے کے عمل پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت بایزیدؒ کے ہمراہ ایک مرید تھا۔ آپؒ نے اس مرید سے فرمایا ''دیکھا تو نے شریعت مطہرہ کے ایک مسئلہ پر میں نے عمل کیا تو لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ آپؒ کا اشارہ مسئلہ شرعی کی طرف تھا کہ مسافر اگر بحالت مسافرت روزہ نہ رکھے تو اس پر گناہ نہیں۔ وہ اس روزے کی قضا دوسرے ایام میں کر سکتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حصول ملامت کے لئے ایک بُرا فعل بہتر تھا۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دو رکعت نفل لمبے کر کے پڑھے یا اپنے دین کو مضبوطی سے تھام لے تو آج کل کے عوام اس کے متعلق ریاکاری یا منافقت کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خلاف شریعت عمل کرے اور خود کو ملامتی ظاہر کرے تو یہ سراسر گمراہی، آفت اور ہوس کاذب ہے۔ اس وضاحت کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ نے ریاکار ملامتی فرقہ کے متعلق کافی طویل بیان لکھا ہے۔ حضرت بایزیدؒ اسی طرح اپنے نفس کا علاج

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۳۴۔

کیا کرتے تھے اور اس کے لئے کبھی نفس پر عتاب فرماتے اور کبھی تکبر کے احساس کا تدارک کرتے۔

حضرت بایزیدؒ نے اپنے نفس کا معائنہ کیا

ایک دفعہ حضرت بایزیدؒ نے اپنے نفس کا معائنہ کیا تو اسے بہت موٹا پایا۔ آپؒ نے فرمایا اے نفس! میں تو تمہیں بہت کم کھلاتا پلاتا ہوں۔ تمہاری کوئی خواہش پوری نہیں کرتا پھر تم اتنے موٹے کیوں ہو گئے ہو؟ اس نے جواب دیا اس یاقوتی کی بدولت جو مجھے مل جاتی ہے۔ پوچھا کون سی یاقوتی؟ نفس نے کہا وہی جب آپ بازار جاتے ہیں تو سب اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور آپؒ کے ہاتھ چومتے ہیں بس اس سے اپنا کام بن جاتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا اچھا یہ بات ہے پس آپ نے رمضان کے مہینہ میں سر بازار روٹی کا ٹکڑا چبانا شروع کیا۔ آپؒ کی اس حرکت پر لوگ آپ سے بدظن ہو گئے اور آپؒ سے نفرت کرنا شروع کر دی پھر آپ نے دیکھا کہ نفس بہت نحیف ہو گیا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کی آزمائش

حضرت بایزید بسطامیؒ کو لوگوں نے سات مرتبہ شہر سے نکالا کیونکہ جب آپ سفر سے بسطام واپس آئے اور ایسے علوم میں گفتگو کی جس سے اس شہر کے لوگ ناآشنا تھے (انبیاء اور اولیاء کے مقامات سے متعلق) تو حسین بن عیسیٰ بسطامیؒ نے جو وہاں کا امام تھا اور علوم ظاہری کا ماہر تھا مخالفت میں سرگرم ہو گیا اور آپ کو شہر سے نکال دینے کا حکم دیا۔ جب تک حسین بن عیسیٰ زندہ رہا آپ نے بسطام میں قدم نہیں رکھا۔

مولانا عطارؒ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب آپؒ کو شہر بسطام سے نکال دیا گیا تو آپ نے وجہ دریافت کی۔ لوگوں نے جواب دیا کہ تم اچھے آدمی نہیں اس لئے تم کو شہر سے نکالا گیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ کتنا اچھا ہے وہ شہر جس کا برا آدمی میں ہوں۔

معرفتِ نفس

معرفتِ نفس بہت مشکل کام ہے کیونکہ انسان علم و معرفت رکھتے ہوئے بھی اس کے داؤ پیچ سے غافل رہتا ہے۔ حضرت بایزیدؒ کا فرمان ہے کہ انسان اس وقت متواضع ہوتا ہے جب وہ اپنے نفس کا (شرعی حق کے سوا) کوئی حق نہ سمجھے اور سالک کبھی یہ خیال نہ کرے کہ مخلوق میں کوئی اس سے بدتر ہے۔ آپ سے کسی

نے پوچھا کہ آپ نے یہ معرفت کیسے حاصل کی۔ فرمایا کہ بھوکے پیٹ اور ننگے بدن سے۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ ''اَلْمَعْرِفَةُ اَنْ تَعْرِفَ اَنَّ حَرْکَاتَ الْخَلْقِ وَسُکُنَاتِھِمْ بِاللّٰہِ''۔ [1] یعنی معرفت یہی ہے کہ بندہ جان لے کہ مخلوقات کی تمام حرکتیں اور جملہ سکنات حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور کسی کو اس کے اذن کے بغیر اس کی ملک میں حق تصرف نہیں۔ عین اس سے عین ہے اور اثر اس سے اثر ہے اور صفت اس سے صفت ہے، متحرک اس سے متحرک اور ساکن اس سے ساکن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے وجود میں توفیق پیدا نہ فرمائے اور دل میں قوت ارادہ نہ ڈالے تو بندہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بندے کا فعل مجازی ہے اور حقیقتاً فعل اللہ کا ہے یا یہ کہ انسان آلۂ کار ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈا مگر جب تک مصیبت کے ہاتھ سے نہ ڈھونڈا نہ ملا۔ تمام قدموں سے اس کی طرف گیا لیکن جب تک دل کے قدموں سے نہ گیا منزل پر نہ پہنچ سکا۔ آپؒ نے فرمایا کہ تیس سال تک میں نے سخت مجاہدات کیے ہیں مگر میں نے علم و عمل سے زیادہ شدید کسی چیز کو نہیں پایا۔ آپؒ نے شریعت کی اتباع پر سخت تاکید فرمائی ہے آپؒ نے فرمایا جب تک دل میں تکبر ہے اس وقت تک کوئی شخص قرب الٰہی کی بو بھی نہیں پا سکتا اور کمالات تصوف تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔ فرمایا ہر کام میں جو اپنے دل سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ اسی حالت میں درست ہے جب نفس کی شرارتوں سے محفوظ ہو۔ ورنہ یہ مشورہ دل کا نہیں بلکہ نفس کا ہوگا۔

نفس پر قابو پانے سے سب کچھ ملتا ہے

حضرت احمد خضرویہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواب میں جمال خداوندی سے مشرف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سب تو ہم سے اپنی ضروریات کی چیزیں طلب کرتے ہو لیکن بایزیدؒ ہم سے، ہم ہی کو مانگتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شقیق بلخیؒ اور حضرت ابو تراب نخشیؒ، حضرت بایزیدؒ سے ملاقات کرنے پہنچے تو آپ نے دستر خوان پر کھانا رکھوایا اور سب لوگ شریک طعام ہو گئے لیکن ابو ترابؒ نے فرمایا کہ میں روزے سے ہوں۔ یہ سن کر ان کے ایک مرید نے کہا اگر دعوت کے لئے نفلی روزہ توڑ دیا جائے تو روزہ دار کو روزہ اور دعوت دونوں کا اجر حاصل ہو جاتا ہے مگر اس کے کہنے کے بعد بھی انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت بایزیدؒ نے

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۵۴۲۔

فرمایا کہ تم لوگوں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ یہ شخص بارگاہ خداوندی سے بہت دور ہے چنانچہ چند ایام کے بعد ہی ابوتراب کو چوری کے جرم میں گرفتار کر کے ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔

حضرت شیخ ابوسعید میخوارانی ؒ آپؒ کی خدمت میں بغرض امتحان حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی نیت بھانپ کر فرمایا کہ تم ابوسعید راعیؒ کے پاس چلے جاؤ۔ وہ میرا مرید ہے اور میں نے اپنی تمام ولایت اس کے حوالے کر دی ہے چنانچہ وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ مشغول عبادت ہیں لہٰذا یہ انتظار میں کھڑے رہے اور فراغت عبادت کے بعد جب انہوں نے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو تو آپ نے عرض کی کہ تازہ انگور کھانا چاہتا ہوں چنانچہ ابوسعید راعیؒ نے ایک چھڑی کے دو ٹکڑے کر کے ایک اپنے اور ایک ان کے قریب زمین میں دفن کر دیا اور تھوڑے ہی وقفے میں دونوں مقامات سے انگور کی سرسبز بیلیں نمودار ہونی شروع ہو گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان میں انگور بھی لگ گئے۔ فرق صرف یہ رہا کہ ابوسعید میخوارانی کے قریب کے درخت میں سیاہ اور ابوسعید راعیؒ کے قریب درخت میں نہایت نفیس اور سفید قسم کے انگور تھے اور جب ابوسعید میخوارانی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ مجھے تو صدق اور یقین کا درجہ حاصل ہے اور تمہیں امتحان منظور تھا اس لئے اللہ تعالٰی نے دونوں درختوں سے دونوں کی قلبی کیفیت ظاہر کر دی۔ اس کے بعد آپؒ نے ایک کمبل دے کر یہ ہدایت کر دی کہ اس کی حفاظت کرنا اور کہیں گم نہ کر دینا چنانچہ وہ کمبل لے کر حج کرنے چلے گئے لیکن وہ کمبل انتہائی احتیاط کے باوجود بھی عرفات میں گم ہو گیا اور جب بسطام واپس آئے تو دیکھا کہ وہی کمبل ابوسعید راعیؒ کے پاس موجود ہے۔

نفس کشی کی کیفیات

حضرت بایزیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے ملاقات کرنے والوں میں سے بعض کو رحمت حاصل ہوتی ہے اور بعض کو لعنت کیونکہ جو لوگ میری مدہوشی کے عالم میں ملاقات کرتے ہیں وہ تو میری حالت سے متاثر ہو کر غیبت کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور غیبت کی وجہ سے لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اس وقت آتے ہیں جب مجھ پر حق کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کو رحمت حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ کاش قیامت جلدی آ جائے تا کہ میں جہنم کے قریب مقیم ہو جاؤں اور میرے قیام کی وجہ سے جہنم سرد پڑ جائے تا کہ اہل جہنم کو میری وجہ سے آرام و سکون حاصل ہو سکے۔

بعض لوگوں نے آپؒ سے بیان کیا کہ حضرت حاتم اصمؒ یہ کہتے ہیں کہ جو قیامت میں اہل جہنم کی

شفاعت نہ کرے وہ میرا مرید نہیں۔آپؒ نے فرمایا کہ جو محشر میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہو کر اہل جہنم کو جنت میں بھیجنے کے لئے خود کو جہنم میں نہ گرا دے گا وہ میرا مرید نہیں۔ پھر کچھ لوگوں نے پوچھا کہ جب آپ کو صاحب فضل و کمال بنایا گیا تو آپؒ مخلوق کو سیدھے راستے پر کیوں نہیں لاتے۔فرمایا جو خود ہی مردود بارگاہ ہو اس کو میں کیسے مقبول بنا سکتا ہوں۔ایک مرتبہ آپؒ متفکر و سرنگوں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بزرگ تشریف لے آئے جب آپ نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس بزرگ نے پوچھا کہ آپ فکرمند کیوں ہیں؟ یہ سنتے ہی آپ کو ایسا جوش آیا کہ منبر سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو فرمایا کہ نہ جانے تیری اس میں کیا مصلحت ہے کہ مجھ جیسے گمان رکھنے والے سے اپنی معرفت کا دعویٰ کروا دیا۔

ایک مرتبہ خشیت الٰہی سے آپؒ لرزہ براندام تھے کہ کسی مرید نے سوال کیا کہ آپ کی یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا کہ جو تیس سالہ ریاضت و نفس کشی کے بعد حاصل ہوئی ہے وہ ابھی تیرے فہم سے بالاتر ہے۔جس وقت جنگ روم میں اسلامی لشکر پسپا ہو گیا تو کسی لشکری کے منہ سے نکلا کہ یا بایزید اعانت فرمائیے۔ چنانچہ اسی وقت ایک آگ نمودار ہوئی جس کے خوف سے کفار کا لشکر فرار ہو گیا اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

کسی بزرگ نے مراقبہ کے بعد سوال کیا کہ اس وقت آپ کہاں تھے؟ فرمایا کہ بارگاہ خداوندی میں۔انہوں نے کہا کہ اس وقت میں بھی تو وہیں تھا لیکن میں نے آپؒ کو نہیں دیکھا۔آپؒ نے فرمایا تیرے اور اللہ کے مابین ایک حجاب تھا اور میں ذات باری کے بالکل سامنے تھا اسی وجہ سے آپ مجھے نہ دیکھ سکے۔پھر فرمایا کہ جو شخص اتباع سنت کے بغیر خود کو صاحب طریقت کہتا ہو وہ کاذب ہے کیونکہ اتباع شریعت کے بغیر طریقت کا حصول ممکن نہیں۔

منقول ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ کچھ دیر کے لئے اگر آپ خلوص قلب کے ساتھ میری جانب متوجہ ہو جائیں تو میں کچھ عرض کروں۔فرمایا کہ میں تو تیس سال سے اللہ تعالیٰ سے خلوص قلب کا طالب ہوں لیکن آج تک حاصل نہ ہو سکا۔لہٰذا جب میرا قلب ہی اخلاص و صفا سے خالی ہے تو پھر میں تمہاری طرف کیسے متوجہ ہو سکتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ لوگ یہ تصور نہ کریں کہ راہ حق مہر منور کی طرح روشن ہے، اس لئے کہ یہ ایک ایسا راستہ ہے کہ میں برسوں سے سوئی کے ناکے کے برابر سوراخ تلاش کر رہا ہوں مگر نہیں ملتا۔جس وقت آپؒ کو کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو فرماتے کہ اے اللہ روٹی تو عطا کر دی سالن بھی دیدیا ہوتا تا کہ اچھی طرح کھا سکوں، یعنی

تیری ہی عطا کردہ پریشانی ہے اور تو ہی صبر دینے والا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ نے سوال کیا کہ آپ کی راتیں کیسی گزرتی ہیں؟ فرمایا کہ یادالٰہی میں مجھے سحر و شام کا پتہ ہی نہیں چلتا۔

خدا کے فضل کے بغیر اپنی ذاتی کوشش سے کچھ نہیں مل سکتا

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے بذریعہ الہام اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت و خدمت تو بہت ہے لیکن اگر تو ہماری ملاقات کا متمنی ہے تو ہماری بارگاہ میں وہ شے شفاعت کے لئے بھیج جو ہمارے خزانے میں نہ ہو۔ آپؒ نے سوال کیا وہ کون سی شے ہے؟ فرمایا گیا کہ عجز و انکساری اور ذلت و غم حاصل کر کیونکہ ہمارا خزانہ ان چیزوں سے خالی ہے اور ان کو حاصل کرنے والے ہمارا قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ جنگل میں میرے اوپر محبت کی ایسی بارش ہوئی کہ پوری زمین برف کی طرح یخ ہو گئی اور میں اس میں گردن تک غرق ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے نماز کے ذریعے استقامت اور روزے کے ذریعے سوائے بھوکا رہنے کے اور کچھ حاصل نہیں کیا اور جو کچھ بھی ملا وہ سب فضل خداوندی سے حاصل ہوا اور اپنی سعی سے کچھ نہیں مل سکا۔ پھر فرمایا کہ دو عالم کی دولت سے یہ بات بہتر ہے کہ انسان خدا کے فضل سے ہٹ کر اپنی ذاتی سعی سے کچھ بھی حاصل نہ کرے۔ پھر بھی انسان کو سعی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے سعی بہت ضروری ہے لیکن سعی کے بعد جو کچھ حاصل ہو اس کو محض خدا کا فضل تصور کرنا چاہئے۔

جس وقت آپ صفات خداوندی بیان فرماتے تو اپنی اصلی حالت میں رہتے لیکن جب ذات خداوندی کے موضوع پر گفتگو ہوتی تو بے خودی کے عالم میں کہتے رہتے کہ میں سر کے بل آ رہا ہوں۔ اللہ مجھ سے بہت نزدیک ہے۔ ایک مرتبہ کسی مرید نے عرض کی کہ مجھے اس پر حیرت ہوتی ہے کہ خدا کو جانتے ہوئے بھی کوئی شخص عبادت نہیں کرتا آپؒ نے فرمایا مجھے اس بندے پر حیرت ہوتی ہے جو خدا کو پہچاننے کے بعد عبادت کرتا ہے یعنی یہ حیرت ہے کہ خدا کو پہچان کر ہوش میں کیسے رہتا ہے۔

باب نمبر۲۲

تصوف کی دنیا میں حضرت بایزیدؒ کا مقام

اگر ہم اختصار سے کام لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیائے تصوف میں بہت بڑی بڑی شخصیتیں ہو گزری ہیں اور ایسی بڑی شخصیتوں میں حضرت جنیدؒ اور بایزیدؒ کے نام خصوصی اہتمام کے ساتھ لئے جاتے ہیں اور خصوصاً حضرت بایزیدؒ کی شان میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ خود حضرت جنید بغدادیؒ، علی الہجویریؒ، معین الدین چشتیؒ، شہاب الدین سہروردیؒ جیسے تمام بزرگوں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کی ذاتِ مبارکہ کو اپنی تصانیف اور تحاریر میں بہت احترام سے ذکر کیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں متعدد مقامات پر حضرت بایزید بسطامیؒ کی شان میں خوبصورت عبارتیں پیش کی ہیں اور مختلف موضوعاتِ تصوف پر آپؒ کے ارشادات کو نہایت دلکش انداز میں بطور حوالہ قلمبند کیا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ

''ان اولیائے کرام کے فلکِ معرفت اور فلکِ محبت میں حضرت بایزیدؒ اجلہ مشائخ میں سے گزرے ہیں۔ ان کے احوال کی کیفیت اعلیٰ درجہ پر تھی اور ان کی شان تصوف میں بہت بلند مانی گئی ہے''۔ حتیٰ کہ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ بایزید بسطامیؒ ہم میں ایسے معظم ہیں جیسے جماعتِ ملائکہ میں جبرئیل امین ہیں۔ لکھتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ کے دادا مجوسی تھے اور آپ کے والد گرامی بسطام کے معززین میں شامل ہوتے ہیں اور آپ سے احادیثِ نبی اکرم ﷺ میں بہت روایات ہیں۔

حضرت مخدوم علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ بسطام کی آبادی میں فردِ فرید مانے گئے ہیں اور فنِ تصوف میں آپؒ کو یکتائے عالم مانا گیا ہے اور حقائقِ علم بیان کرنے میں آپؒ کا ہم پلہ کوئی دوسرا نہیں ہوتا تھا۔ آپؒ علم طریقت کے ساتھ علمِ شریعت مطہرہ کی خاص طور پر تعظیم کرنے والے تھے۔ فرماتے ہیں کہ یہ

تمام صفات آپؒ میں حقیقتاً موجود تھیں اور یہ نہیں کہ الحادوزندقہ والوں کی طرح زہدوورع (زہد اور پرہیزگاری) کا محض پردہ اوڑھ لیا ہو جیسا کہ اکثر (پیر) ایسا کر لیتے ہیں یعنی یہ نہیں کہ لوگوں کے سامنے تو نیک اور پارسا بن گئے اور خلوت میں برے بھلے کام کرتے ہوں۔ (چوں بخلوت می روند کار دیگری کنند)

حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ آپ ابتدا سے ہی مجاہدات وعملِ صالح میں رہے۔ آپ خود بھی فرماتے ہیں:

عَمِلْتُ فِیْ مُجَاهَدَةٍ ثَلٰثِیْنَ	میں تیس سال مجاہدہ کرتا رہا پس میں نے علم اور اسکی اتباع
سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَیْئًا اَشَدُّ	سے زیادہ سخت کسی چیز کو نہ پایا اور اگر اختلافِ علماء نہ ہوتا
عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِهٖ وَلَوْلَا	تو میں (زہدوورع سے) رہ جاتا اور حقِ اطاعتِ دین نہ
اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ لَبَقِیْتُ	کر سکتا اور سچ بات یہ ہے کہ اختلافِ علماء رحمت ہے
وَاِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّا	مگر صرف توحید میں نہیں یعنی جب تک توحید کے بارے
فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ [1]	میں سب ایک نہ ہو جائیں تو پھر یہ اختلاف رحمت نہیں۔

یہ بات حقیقت ہے کہ عام طور پر طبیعت علم کے مقابلے میں جہل کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے اور جہل کا یہ ادنیٰ سا فائدہ واقع ہوا ہے کہ بہت سے کام بغیر کسی فکر کے انسان کر سکتا ہے۔ اس علم کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عالم کا کوئی قدم فکر اور غور کے سوا نہیں اٹھ سکتا۔ اس لحاظ سے شریعتِ اسلامیہ کا راستہ دوسرے راستوں سے کہیں زیادہ باریک اور پرخطر ہے۔

صاحبِ کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ ایسے ماحول میں انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اس طرح رہے کہ اگر ولایت میں بلند و بالا مقامات حاصل کرنے سے عاجز ہو تو میدانِ شریعت میں رہ جائے (یعنی تصوف میں ترقی کرنے کے قابل نہ ہو تو پھر شرعی عبادات پر زیادہ توجہ دے) اور یہ بھی ہے کہ اگر بلندی سے گر جائے تو پھر بھی شریعت کے ماحول میں ہی گرے اور اِدھر اُدھر گرنے سے بچے تا کہ اگر تقربِ الٰہی کے تمام کمالات اور مراتب سے رہ جائے تو پھر بھی عملی کیفیت تو باقی رہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ مرید کیلئے سلوک میں سب سے بڑی بلا اور آفت ترکِ عمل ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی اتباع اور اس کے ماتحت معاملہ رکھنے

---

[1] کشف المحجوب صفحہ ۲۱۳ ناشر الطاف نیروی۔

سے مدعیانِ ولایت اور کرامت کے تمام دعوے گم ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی زبانی کلام سے پردہ ڈال کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں برہنہ ہو جاتے ہیں۔

عشاق اپنے محبوب کے پردۂ محبت میں گم رہتے ہیں

حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت بایزید بسطامیؒ کا درجِ ذیل کلام نقل کرتے ہیں کہ عشاق کبھی جنت کو اپنے خیال و نظر میں نہیں رکھتے بلکہ ان کی نظر تو مولائے حقیقی کی طرف رہتی ہے۔ انہیں اپنے محبوب کے انداز و ناز کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی طرف دیکھنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔

اَلْجَنَّةُ لَاخَطَرَ لَهَا عِنْدَ اَهْلِ الْمَحَبَّةِ وَاَهْلُ الْمَحَبَّةِ مَحْجُوْبُوْنَ بِمُحَبَّتِهِمْ [1]	عشاق اور اہل عقیدت کے دلوں میں جنت کا کبھی خیال بھی نہیں گزرتا کیونکہ وہ اپنے محبوب کے پردۂ محبت میں محجوب ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ بہشت مخلوق ہے، اگرچہ مخلوقات میں سے بہترین مخلوق ہی سہی، مگر محبوب کی محبت محبوب کی صفت سے ملی ہوئی ہے اور صفتِ مخلوق نہیں (مخلوق چونکہ حادث ہے) تو صفت قدیم جو اللہ تعالیٰ کی صفت کی وجہ سے ہے قدیم ہوتی ہے۔ قدیم کو چھوڑ کر جو مخلوق کی طرف گیا وہ محروم ہو گیا۔ محبانِ محبوب اپنے محبوب کے پردے میں روپوش ہوتے ہیں کیونکہ محبت محبوب (محبت کرنے والے) کے وجود کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لئے یہ محبت کامل دوئی کا متقاضی ہے اور اصل توحید میں دوئی کا وجود نہیں لہٰذا محبانِ الٰہی وحدانیت کی طرف آتے ہیں اور ماسوا اللہ سے بالکل محجوب ہوتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ طریقۂ محبت میں علتِ محبت بھی محبت ہے (یعنی محبت کا وسیلہ یا ذریعہ بھی محبت ہوگی)۔ فرماتے ہیں کہ دوستی میں بڑی مشکل یہ بھی آتی ہے کہ دوستی میں (دونوں دوستوں میں سے) ایک مرید ہوتا ہے اور ایک مراد (مراد وہ ہوتا ہے جو شیخ کے لئے بھی مراد ہو)۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ دوستی میں اگر حق تعالیٰ کو مرید سمجھا جائے تو بندہ مراد ہو گا اور اگر مراد اللہ تعالیٰ ہے تو بندہ مرید ہو گا اور اگر بندے کو مراد سمجھ لیا جائے تو بندے کا ثابت ہونا لازم ہے (جو بالکل باطل ہے)۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ کو مراد ہی سمجھ لیا جائے اور بندے کو مرید تو اس حالت میں بھی مخلوق کی طلب بہ جانبِ حق تعالیٰ لازم آئے گی

[1] کشف المحجوب صفحہ ۲۱۴، ناشر الطاف نیروی۔

اور طریقۂ محبت میں ان توہمات کا قطعاً دخل نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ محبّ (چاہنے والے) کی ہستی کا وجود جب تک رہتا ہے اس وقت تک وہ محبّ ہی نہیں کہلا سکتا کیونکہ محبّ تو وہ ہے جس کے اپنے ارادے اور دعوے تمام ختم یعنی فنا ہو جائیں "اَلْمُرِیْدُ لَا یُرِیْدُ" (یعنی محبّ تو کچھ بھی نہیں چاہتا) اور یہی محبّ کے لئے بہترین مقام ہے۔ فرمایا کہ محبّ درحقیقت وہی ہے جس کو محبت میں بقا ہو اور خود سے فنا ہو جائے۔ (نیچے حضرت بایزیدؒ کے قول سے ایک ایسی مثال دی جارہی ہے جس سے محبّ کے اپنے وجود کی نفی کا اظہار ہو رہا ہے)۔

حضرت بایزیدؒ کے نزدیک اپنے وجود کو دیکھنا شرک ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ جب میں ایک مرتبہ حج کے لئے مکہ معظّمہ گیا تو مجھے صرف بیت اللہ نظر آیا۔ میں نے کہا کہ حج مقبول نہیں ہوا کیونکہ ایسے پتھر تو میں نے بہت سے دیکھے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دوبارہ جب میں حج کرنے گیا تو بیت اللہ کو بھی دیکھا اور بیت اللہ والے کو بھی دیکھا، تو میں نے کہا کہ حقیقتِ توحید ابھی منکشف نہیں ہوئی کیونکہ قدیم (باقی) کے ساتھ حادث (فانی) بھی نظر آرہا ہے۔ فرمایا تیسری بار گیا تو تمام جلوۂ خداوندی نظر آیا۔ نہ بیت تھا اور نہ کچھ اور۔ فرمایا کہ غیب سے آواز آئی کہ اے بایزیدؒ اگر تو خود کو بھی نہ دیکھتا اور بے شک تمام عالم کو دیکھتا تو مشرک نہ ہوتا۔ اب جبکہ تو تمام عالم کو میرے ساتھ نہیں دیکھتا مگر اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اس حال میں تو مشرک ہے۔ مذکورہ حال دیکھنے کے بعد حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے توبہ کی اور توبہ کرنے سے بھی توبہ کی کیونکہ توبہ کرنے والا اپنا وجود مان کر توبہ کرتا ہے اور اس مقام پر اپنے وجود کا ثابت کرنا بھی شرک ہے۔[1]

حضرت جنیدؒ کی نظر میں حضرت بایزیدؒ کا مقام

حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ کی بات کچھ ایسی نرالی ہے کہ ان کا نام لئے بغیر تصوف کی باتوں میں رونق اور چاشنی پیدا نہیں ہوتی۔ ان دونوں میں کس کا مقام کتنا بلند ہے اس معاملے کا فیصلہ ہماری پہنچ سے بالا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ دونوں حضرات ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دیتے بلکہ عجز اور انکساری کی حالت یہ تھی کہ حضرت جنیدؒ کا قول جو حضرت علی الہجویریؒ کی کتاب کشف المحجوب میں ملتا ہے اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۲۷۔

حضرت جنیدؒ، حضرت بایزیدؒ کو خود سے بہت بلند و ارفع درجہ پر سمجھتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنیدؒ کی بڑائی خود کو کم درجہ میں تسلیم کرنے سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ جو فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں

اَبُوْیَزِیْدُ مِنَّا بِمَنْزِلَۃِ جِبْرِیْلَ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ [۱]　　بایزید بسطامیؒ ہم (اولیاء) میں ایسے معظم ہیں جیسے کہ جماعتِ ملائکہ میں جبرئیل امین ہیں۔

کچھ مشائخ نے یہ بھی کہا ہے کہ دیگر سالکین کے میدان کی نہایت بایزیدؒ کے میدان کی بدایت ہے (یعنی جہاں دوسرے سالکین کی انتہا ہے وہاں سے بایزیدؒ کی ابتدا ہوتی ہے)۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت بایزیدؒ کی باتوں سے اونچی باتیں کہیں نظر نہ آئیں

اس جگہ ہم حضرت جنیدؒ کا ایک اور سنسنی خیز قول نیچے پیش کرتے ہیں جو شاید بہت کم لوگوں کے علم میں ہو اور جس کے مطالعے سے حضرت بایزیدؒ کے احوالِ تصوف کا مزید علم حاصل ہوتا ہے۔ حضرت جنیدؒ کا یہ قول تو پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا ''بایزید ہم (اولیائے کرام علیهم الرحمة) میں ایسے معظم ہیں جیسے کہ ملائکہ کی جماعت میں جبرئیل امین ہیں''۔ اس جملے کے بعد کسی اور بات کے لکھنے کی حاجت نہیں رہتی مگر اولیائے کرام کے ذکر کی پیاس کسی ایک بات سے نہیں بجھتی، جتنا بھی لکھا جائے وہ کم ہی محسوس ہوتا ہے۔ محبت کے موضوع پر اپنے کلام کو دراز کرنا ہر عاشق کا معمول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ یہ میرا عصا ہے بلکہ کلام کو طویل کرنے کی غرض سے یہ بھی بتایا کہ ان کے عصا سے اور بھی بہت سے کام نکلتے ہیں۔ یہ ذکر اس لئے کیا تاکہ اللہ تعالیٰ سے گفتگو کا دورانیہ طول پکڑ سکے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی یہ فرمایا کہ خواہ داستانِ حبیب طویل ہو جائے تب بھی یار سے منسلک داستان وحکایات ادھوری ہی رہ جاتی ہیں۔

نگاہ عشق تسلی بہ جلوۂ نہ شود　　کجا برم خلشے را کہ در دل است ہنوز

(ایک جلوے سے نگاہِ شوق کی تسلی نہیں ہوئی، جو خلش اب بھی دل میں ہے اسے کہاں لے جاؤں)

---

[۱] کشف المحجوب، صفحہ ۲۲۵۔

حضور یار حکایت دراز تر گردید　　چنانکه ایں همه نا گفته در دل است هنوز　　(ز ع:۴۲۹)

(محبوب کے حضور یہ بات بہت طویل ہوگئی، اس کے باوجود بہت سی ان کہی باتیں ابھی دل میں ہیں)

حضرت جنیدؒ نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق اپنا ایک مختصر سا نظریہ یوں پیش کیا ہے آپؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے بہت بڑے اولیائے کرامؒ کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اور جب میں ان کے یعنی حضرت بایزیدؒ کے احوال کا مطالعہ کرتا ہوں تو دل کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے بیان کردہ حقائق میرے دل کی گہرائیوں میں اُمڈ کر غلبۂ حال کی صورت میں نظر آنے لگتے ہیں اور مجھے حضرت بایزیدؒ کی باتوں سے اونچی باتیں کسی بزرگ میں نظر نہیں آئیں۔ حضرت بایزیدؒ کی باتوں میں موجود آثار نقوش صحیح معنوں میں چراغ معرفت ہیں اور ان کی باتیں روحِ یقیں، سرچشمۂ صدق وصفا، بحرِ اخلاص، خزانۂ محبت اور توحید وتفرید ہیں۔ ان کے کلام اور باتوں سے جو بہرہ ور ہوگا اور ان کی بیان کردہ حقیقت سے آگاہ ہوگا تو وہ شخص بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کا کوئی برگزیدہ بندہ اور اس کے خاص فضل وکرم کا حامل ہوگا۔ اس زمانے میں ایسے شخص کا شکر کرنا لازم ہے۔ اس سے پہلے اس بات کا بیان گزر چکا ہے کہ حضرت جنیدؒ نے لوگوں کو حضرت بایزیدؒ کی کچھ روحانی باتوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ انہوں نے آپ کی صرف وہ باتیں بیان کی ہیں جو لوگوں کی فہم میں آسکتی ہیں اور اس سے بلند وارفع مضامین جو لوگوں کی فہم سے بالا تھے ان کا بیان کرنا انہیں گوارا نہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اور اہلِ طریقت کے مطابق اولیاء کی معراج کی قسمیں اور حضرت بایزیدؒ کی معراج

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت بایزیدؒ اپنے زمانے کی بہت بڑی محبت اور دلیل والے ہوئے ہیں۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے دیکھا کہ میرا سر آسمان پر لے گئے اور (آپ کی) اس روح نے کسی بھی چیز کو نہ دیکھا اور اسے جنت اور دوزخ دکھایا گیا اور اس روح نے کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ پھر کائنات اور کائنات کے پردوں سے آگے لے گئے پس میں ایک پرندہ ہوگیا۔ اس پرندے کا جسم وحدانیت سے تھا۔ اس کے پر اور بال ہمیشگی سے بنے ہوئے تھے اور میں اس کی ذات کی ہوا میں ہمیشہ اڑتا رہا، یہاں تک کہ اس کی ذات کی ہوا سے آگے گزر گیا حتیٰ کہ اس کے ازلیت کے مقام سے واقف ہوا اور احدیت کے درخت کو اس میدان کے اندر دیکھا۔ جب میں نے اس کے اندر غور وفکر کے ساتھ دیکھا تو وہ میں ہی تھا۔ میں

نے کہا اے اللہ تعالیٰ میری ذات کے ہوتے ہوئے مجھے تیرے ساتھ ملنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور اپنی ذات سے ہم خود نہیں گزر سکتے (تو تو بتا اے اللہ) ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ حکم ہوا کہ اے بایزیدؒ تیری خلاصی تجھ سے ہمارے دوست (رسول اللہ ﷺ) کی متابعت اور تابعداری سے وابستہ ہے۔ اس کے قدم کی مٹی کو اپنی آنکھوں کیلئے سرمہ بنالے اور اس کی اتباع اور فرمانبرداری میں ہمیشگی کر"۔

صاحبِ کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ یہ حکایت بہت طویل ہے اور اس حکایت کو اہلِ طریقت حضرت بایزید بسطامیؒ کی معراج کہتے ہیں اور معراج کے معنی اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کے ہیں۔ پس انبیاء علیہم السلام کی معراج ان کے جسم اور روح کے ساتھ ہوتی ہے اور اولیاء کی معراج ہمت اور کوشش سے باطن کے ساتھ ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے جسم مبارک صفائی پاکیزگی اور قربت کے لحاظ سے اہل جنت کی ارواح کی مانند ہوتے ہیں اور یہ بہت واضح ترین فضیلت ہے اور وہ اس طرح کہ ولی کو اپنے حال میں خوب تبدیل کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ مست ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے باطنی درجات کو اس سے غائب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قریب اور حالتِ صحو یعنی ہوش میں واپس لاتے ہیں۔ جب ہوش میں واپس آتے ہیں تو اس وقت تمام براھین اور دلائل اس کے دل پر منقش ہو چکے ہوتے ہیں اور ان کو تمام دلائل اور براہین کا علم حاصل ہو چکا ہوتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کو اس جگہ لے جاتے ہیں اور اولیاء علیہم السلام کے باطن اور فکر کو وہاں لے جاتے ہیں۔

حضرت بایزیدؒ کو بتایا گیا کہ پوستین کے ٹکڑے اور پیالے کے ہوتے ہوئے راہ نہیں مل سکتی

جامع کراماتِ اولیاء میں منقول ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ آغازِ کار میں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی آیات اور کرامات دکھایا کرتے تھے اور میں ان کرامات کی طرف نظرِ التفات نہ ڈالتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حال میں ملاحظہ فرمایا تو میرے سامنے اپنی معرفت کے دروازے کھول دیئے۔ سبع سنابل میں آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے چالیس سال کی ریاضت کے بعد اسی ہزار پردے اٹھائے اور گڑگڑایا کہ اب مجھے راہ دکھائی جائے۔ خطاب ہوا کہ تمہیں اس ٹوٹے ہوئے پیالے اور پوستین کے ٹکڑے کے ہوتے ہوئے راہ نہیں مل سکتی۔ میں نے ان کو فوراً پھینک دیا۔ ندا آئی کہ اے بایزیدؒ ان مدعیانِ فقر سے کہہ

دو کہ بایزید نے چالیس سال کی ریاضت کے باوجود جب تک ٹوٹا ہوا پیالہ اور پوستین کا ٹکڑا نہ پھینک دیا اس وقت تک اس کو کوئی ثمرہ نہ ملا۔ تم اتنے تعلقات سے بندھے ہونے کے باوجود فقر کے مدعی بنتے ہو۔ تم نے طریقت کو اپنی خواہشات کا جال بنا رکھا ہے۔ قسم ہے تم ہرگز کوئی پھل نہ پا سکو گے۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اولیاء نے امارت کے باوجود اپنے گھروں میں سوائے چٹائی اور مٹی کے کچھ برتنوں کے اور کچھ نہ رکھا۔ ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ان صوفیوں سے رابطہ نہیں رکھتے جن کے گھر میں دوسرے دن کا نان ونفقہ موجود ہو۔

حضرت بایزیدؒ جنہوں نے سخت مجاہدات کے بعد طریقت میں اعلیٰ مقام حاصل کیا، فرماتے ہیں کہ جب قلبی لگاؤ کے ذریعے چلا تو منزل تک پہنچ گیا۔ فرماتے ہیں کہ اس راہ میں اذیتیں نفع بخش ثابت ہوتی ہیں یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو آزمائشوں اور مصائب میں مبتلا رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنے عشاق پر چھوڑ رکھا ہے تا کہ مخلوق ان کو تنگ کرے اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ مخلوق اس کے ولی کو پہچان سکے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ "اِنَّ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَایَعْرِفُوْنَهُمْ غَیْرِیْ" [۱] کہ میرے دوست میری چادر کے نیچے چھپے ہوئے رہتے ہیں اور ان کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا اور حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دلہنیں ہیں اور دلہن کو محرم کے بغیر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں میں سے جن کو قبولیت عطا فرمانا چاہتا ہے ان پر کوئی ایسا فرعون مقرر کر دیتا ہے جو ہمہ وقت انہیں اذیت پہنچاتا رہے۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ اپنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ دینا بھی دراصل واصل باللہ ہو جانا ہے اور جو واصل الی اللہ ہو جاتا ہے مخلوق اس کی فرمانبردار ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس کو خداشناسی نہیں اس کے لئے جہنم ایک عذاب ہے مگر جو خداشناس ہوتا ہے وہ جہنم کیلئے عذاب ہوتا ہے۔ ایک عاشق کے سینے میں عشقِ الٰہی کی آگ جہنم کی آگ سے زیادہ گرم ہوتی ہے اور جہنم بھی اس سے پناہ مانگتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ محسوس کر لیا کہ اُمت محمدیہ ﷺ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تحت الثریٰ سے لیکر اعلیٰ علیین تک چھائے رہتے ہیں تو آپ نے بھی حضور ﷺ کی امت میں شمولیت کی دعا کی۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کشف کا دروازہ اس کے لئے کھلتا ہے جو وصف کے ساتھ

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح، علی بن سلطان القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جلد ۹، صفحہ ۵۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ۔

ذکرِ الٰہی پر مداومت کرتا ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ کشف کا نور ایک ایسا نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ کشف کے حجاب کا عذاب آگ کے عذاب سے بھی شدید ہے۔ کافر چونکہ دنیاوی لذت میں گرفتار رہتے ہیں اس کے باعث اس حجاب کے عذاب کو محسوس نہیں کرتے۔

حضرت بایزیدؒ کا طریقۂ سلوک

حضرت بایزید بسطامیؒ طریقۂ نقشبندیہ کے اکابرین میں شمار کیے جاتے ہیں اور آپ کا طریقۂ کار نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ سے گہرا تعلق رکھتا ہے آپ کے طریقۂ کار کے چند ایک نکات نیچے دیئے جا رہے ہیں۔

۱۔ادب واحترام اس طریقہ میں ادب واحترام سے علمِ تصوف کو سیکھنا ہے جس میں قرآن وسنت کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ اس طریقہ کار کو سیکھنے کا مقصد روپیہ کمانا یا نام ونمود کی خواہش نہ کرنا ضروری ہے بلکہ عرفانِ حق اور وصلِ الٰہی کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔

۲۔قرآن وسنت کے علم کی تحصیل علم سے چونکہ حقائق ومعارف منکشف ہوتے ہیں اس لئے علم کو پورے خلوص اور حضورِ قلب کے ساتھ حاصل کیا جائے۔

۳۔تزکیۂ نفس تزکیۂ نفس کیلئے مجاہدات کرائے جاتے ہیں اور علم پر اگر عمل کیا جائے تو یہ بذاتِ خود ایک مجاہدہ ہے۔ اگر ایسا ہو تو توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہو جاتی ہے اور نفس زیادہ مخاصمت نہیں کرتا۔ اس سلسلہ میں کم کھانا، کم سونا اور سادہ زندگی اپنانے پر زور دیا جاتا ہے، کم کھانے اور کم سونے پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ رخصت کی بجائے عزیمت تقویٰ اور شریعت کو پابندی کے ساتھ اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس میں سنت رسول ﷺ کی اتباع اور لوگوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا سکھایا جاتا ہے۔

۴۔کسی شیخ طریقت کے زیرِ نگرانی مجاہدات کرنا راہِ سلوک کسی کامل ولی اللہ کی نگرانی میں طے کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ اذکار واشغال میں رہنمائی حاصل ہوتی رہے۔ اسمِ ذات اور دیگر اذکار کا بکثرت اختیار کرنا اس لئے ضروری ہے کہ سالک کا قلب صیقل ہو کر مشاہدہ حق کے قابل ہو جائے۔

۵۔قطعِ علائق اور ترکِ دنیا یہ قطعِ تعلق رہبانیت کی طرز پر نہیں، بلکہ اپنے ظاہر کو دنیاوی رشتوں اور اشغال سے علیحدگی اختیار کر کے دل کو یادِ الٰہی کی طرف مشغول کرنے کے لئے سیکھا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں سالک

دنیا کے کاموں میں مشغول رہتا ہے مگر اس کی توجہات کا مرکز دنیا نہیں بلکہ یادِ الٰہی بن جاتا ہے۔ حقوق العباد کو اچھی طرح ادا کرنا اور مخلوق کے ساتھ شفقت کرنا اس قطعِ تعلقی سے متاثر نہیں ہوتا۔

۶۔ امید و رجاء کے ساتھ سلوک کو قائم کرنا حضرت بایزید بسطامیؒ کا طریق کار یہ تھا کہ ذکر و عبادت اور خشیت الٰہی کو ترک کرنا گمراہی کا راستہ تصور کرتے تھے اور ایمان کی تکمیل اسی میں خیال کی جاتی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ امید و رجاء کا تعلق قائم کیا جائے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہو تو مومن کے اعمال محفوظ نہیں رہتے۔

۷۔ عشقِ حقیقی کی سرمستی سالِک کے دل کا تعلق ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی محبت میں مشغول رہنا ہے اور یہ راہِ طریقت کی ضروریات مین سے ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ اس کے احکام کا بھی پابند ہو گا۔ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ سالک کا اس قسم کا لگاؤ قائم ہو جائے اور عشق و محبت کے مراحل مضبوط ہو جائیں تو سالک ہمہ وقت ایک سکر کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ یہ کیفیتِ سکر بڑھتے بڑھتے کیف و مستی میں تبدیل ہو جاتی ہے جس سے مشاہدۂ حق کا ثمر عطا ہوتا ہے۔

طریقت میں صوفی کی شہرت اخلاقِ الٰہیہ کے اپنانے میں ہے نہ کہ مخلوقاتی اوصاف میں

حدیثِ قدسی یں ہے کہ "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ"[۱] (یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو)۔ اس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مخلوق کے اوصاف کو اپنانے سے اخلاقِ الٰہیہ کا اپنانا بہتر ہے۔ توکل، خوف، طمع، عجز وغیرہ کا پیدا کرنا مخلوق کے اخلاق میں شامل ہے۔

حضرت شقیق بلخیؒ کا ایک ارادت مند سفرِ حج پر روانہ ہوتے ہوئے حضرت بایزیدؒ کے ہاں شرفِ نیاز کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ کس سے بیعت ہو؟ جب اس نے اپنے مرشد کا نام بتایا تو فرمایا کہ تمہارے مرشد کے اقوال و اعمال کیا ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ ان کا عمل تو یہ ہے کہ مخلوق سے بے نیاز ہو کر متوکل الی اللہ ہو گئے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ اگر بارش نہ ہونے سے غلہ پیدا نہ ہوا اور پوری مخلوق میری عیال میں داخل ہو تب بھی میں توکل ترک نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ وہ تو

[۱] التفسیر الکبیر، جلد ۷ صفحہ ۶۰۔

بڑا کافر و مشرک ہے اور اگر میں پرندہ بن جاؤں تب بھی اس کے شہر کا رخ نہ کروں، لہذا اس کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ صرف دو روٹیوں کی خاطر تو خدا کو آزماتا ہے۔ جب بھوک لگے تو کسی سے مانگ کر کھالینا لیکن توکل کو رسوا نہ کرنا کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں تیری وجہ سے تیرا شہر نہ تباہ ہو جائے۔ یہ سن کر ان کا مرید حج کا قصد ترک کر کے حضرت بایزیدؒ کا پیغام لے کر حضرت شقیق بلخیؒ کی خدمت میں پہنچا اور جب حضرت شقیق بلخیؒ نے اس پیغام پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ واقعی وہ عیب ان کے اندر موجود ہے لیکن انہوں نے اپنے مرید سے پوچھا کہ تم نے حضرت بایزیدؒ سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ اگر مجھ میں یہ خامی ہے تو پھر آپ کا کیا مرتبہ ہے، چنانچہ اس مرید نے دوبارہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر یہی سوال دہرایا۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ اس کی دوسری حماقت ہے اور میں جو کچھ جواب دوں گا وہ تیری فہم سے بالاتر ہے لہذا کاغذ پر یہ تحریر کیا کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بایزید کچھ بھی نہیں'' اور کاغذ لپیٹ کر اس کو دے دیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب بایزید ہی خود کچھ نہیں ہے تو اس کے اوصاف کیا ہو سکتے ہیں لہذا اس کا مرتبہ دریافت کرنا بے سود ہے اور توکل اور اخلاص تو سب مخلوق کی باتیں ہیں۔ ہماری شہرت تو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے ہونی چاہیے نہ کہ توکل سے۔ چنانچہ جب وہ یہ پیغام لے کر پہنچا تو حضرت شقیق بلخیؒ بالکل لبِ مرگ تھے اور یہ کاغذ پڑھ کر کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت بایزیدؒ نے خدا کا قرب کیسے پایا

حضرت بایزید بسطامیؒ کی والدہ نے سورۂ لقمٰن میں مذکور والدین کے حقوق سے آپ کو دستبردار کر دیا اور آپ شام کی جانب نکل گئے جہاں آپ ذکر و فکر اور دیگر عبادات میں تین سال تک مشغول رہے۔ یادِ الٰہی میں مصروفیت کا یہ رنگ تھا کہ آپ نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ گھر سے نکلنے کے بعد اپنی پوری زندگی میں ۱۱۷ مشائخ سے فیض حاصل کیا اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ آپ مسجد کی طرف جاتے ہوئے بھی راستے میں کبھی نہ تھوکتے۔ سفرِ حج میں چند قدموں کے بعد نماز ادا فرماتے اور کہتے کہ بیت اللہ دنیاوی بادشاہوں کا دربار نہیں جہاں انسان ایک دم پہنچ جائے اس طرح آپ پورے ۱۲ سال میں مکہ معظمہ پہنچے۔ اس کے بعد یہ حال تھا کہ کعبہ معظمہ بھی آپ کے استقبال کو آیا۔

حضرت احمد خضرویہؒ کو خواب میں جمالِ خداوندی کا شرف نصیب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم سب لوگ تو ضروریات کی چیزیں مجھ سے طلب کرتے ہو لیکن بایزید مجھ سے مجھ ہی کو مانگتا ہے۔ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم عبادت اور خدمت تو بہت کرتے ہو اگر ہم سے کچھ مانگنا ہے تو وہ چیز مانگو جو ہمارے خزانے میں نہ ہو۔ جب حضرت بایزیدؒ نے پوچھا کہ وہ کون سی شے ہے جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں بھی نہیں تو فرمایا کہ عجز و انکساری اور فکر و غم سے ہمارے خزانے خالی ہیں۔ آپؒ نے فرمایا خدا کا طالب آخرت کی جانب بھی متوجہ نہیں ہوتا اور جو خدا سے محبت کرتا ہے تو وہ خدائے یکتا کی طرح یکتا ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ نے اتباعِ سنت کی خاطر شادی کی

حضرت بایزید بسطامیؒ جو اکابرین اولیاء اللہ میں سے ہیں اور جن کا نام تاریخ تصوف اور تزکیۂ نفس میں ایک مستقل مینارِ نور کی حیثیت اختیار کر گیا ہے آپ نے ایک مدت تک شادی نہیں کی تھی۔ آپؒ نے خواب دیکھا کہ ایک بہت ہی رفیع الشان اور نورانی عمارت ہے اور اولیاء اللہ اس میں آتے جاتے ہیں، مگر جب وہ اندر جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو دروازے بند پاتے ہیں۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ دروازہ بارگاہِ نبی ﷺ کا ہے۔ انہوں نے خیال کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ انعامات سے نوازا ہے مگر آج مجھے اس دربار میں جانے کی اجازت نہیں ملتی۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے عمارت کے ایک حصے سے سر مبارک نکال کر فرمایا ''یہاں تو صرف اس کی باریابی ہو سکتی ہے جو میری سنت ادا کرے'' آنکھ جو کھلی تو حضرت بایزید بسطامیؒ آبدیدہ تھے اور فرمایا کہ حکمِ نبوی سے چارہ نہیں اور ضعیف العمری میں شادی کر لی۔

اتباعِ سنت کا ایک اور واقعہ

کسی بزرگ نے مراقبہ کے بعد حضرت بایزیدؒ سے سوال کیا کہ اس وقت آپ کہاں تھے؟ فرمایا کہ بارگاہِ خداوندی میں۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ میں بھی تو وہیں تھا لیکن میں نے آپ کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا کہ تیرے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ایک حجاب تھا اور میں ذات باری کے بالکل سامنے تھا اسی وجہ سے آپ مجھے نہ دیکھ سکے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص اتباعِ سنت کے بغیر خود کو صاحبِ طریقت کہتا ہے وہ کاذب ہے کیونکہ اتباعِ شریعت کے بغیر طریقت کا حصول ممکن نہیں۔ نیچے ایک واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اتباعِ سنت سے انتہائی

لگاؤ کے سبب آپ نے ایک شیخ سے ہاتھ ملانا بھی پسند نہ کیا۔

حضرت بایزیدؒ کے مقام کی بلندی

اتباعِ سنت کے باعث تھی

اتباعِ سنت کے ضمن میں آپؒ نے فرمایا کہ ولی اللہ کے دل میں جس قدر اللہ کی دوستی ہوگی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی اور اس کی نہی سے اس کا دل اتنا ہی بعید ہوگا۔ اس بیان کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ نے حضرت بایزید بسطامیؒ کی ایک حکایت نقل کی ہے۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ فلاں شہر میں اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی ہے۔ میں اٹھا اور ان کی زیارت کا قصد کر کے چلا۔ جب ان کی مسجد میں پہنچا تو وہ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں آ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے مسجد میں کلی کر دی۔ میں اسی وقت بغیر سلام کیے وہاں سے پلٹ آیا اور میں نے کہا کہ ولی کو چاہیے کہ احکامِ شریعت پر پابند ہوتا کہ اس پر حق تعالیٰ نظرِ رحمت فرمائے۔ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو مسجد میں قبلہ رو ہو کر کبھی کلی نہ کرتا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی حرمتِ ولایت پر نگاہ رکھتا۔ فرماتے ہیں اسی شب میں نے خواب میں حضور سید یوم النشور ﷺ کے جمالِ جہاں آراء کا شرف حاصل کیا۔ دیکھا کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ ''بایزید تم نے وہ کام کیا ہے جس کی برکت سے تم اس درجہ پر پہنچے''۔ دوسرے روز ہی میں اس درجہ پر پہنچ گیا جو تم دیکھ رہے ہو۔[1]

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روایت سنی ہے کہ ایک شخص شیخ ابوسعیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسجد میں بایاں قدم رکھ کر داخل ہوا۔ شیخ ابوسعیدؒ نے فرمایا واپس جاؤ اور دایاں قدم رکھ کر مسجد میں آؤ اس لئے کہ جو دوست کے گھر میں آنے کے قاعدہ کو نہیں جانتا وہ ہمارے کام کا آدمی نہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ''ایک جماعت ملحدین لَعَنَهُمُ اللّٰه کی ایسی ہے جو صوفیاء کے طریقہ کو بظاہر اپنا کر کہتی ہے کہ ولی کو چاہیے کہ خدمتِ حق کرے تاکہ ولی ہو جائے اور جب ولی ہو جائے گا تو پھر اس پر سے تکلیفِ خدمت کا بار اٹھ جاتا ہے، حالانکہ یہ صریح گمراہی ہے اور صوفیاء کے ہاں ایسا کوئی مقام نہیں کہ جس پر صوفی کیلئے ولایت میں آ جانے کے بعد کوئی رکن ساقط ہو جائے اور اس سے خدمت کا کام اٹھ جائے۔

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۴۳۔

حضرت بایزیدؒ کے نزدیک ولی کا معیار کیا ہے؟

حضرت بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ ولی کون ہے؟ فرمایا ''سچا ولی وہ ہوتا ہے جو نفس کا بندہ نہ ہو اور صبر و تحمل کے ساتھ خداوند تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی تعمیل کرے''۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''کشف المحجوب'' میں حضرت بایزیدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ولی کون ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَلْوَلِیُّ ھُوَ الصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّھْیِ[1] ولی وہ ہوتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے امر و نھی پر صبر کرے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں خدا کی محبت زیادہ ہوگی تو اس کے دل میں خدا کے احکامات کی تعمیل کی خواہش بھی بہت زیادہ ہوگی اور اپنے آپ کو اپنے محبوب کی منع کردہ چیزوں سے باز رکھے گا۔ حضرت بایزیدؒ کے نزدیک کرامت کا ظاہر ہونا معیارِ ولایت نہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہوا میں اڑتا نظر آئے تو دھوکے میں نہ آنا بلکہ اچھی طرح دیکھ لینا کہ وہ شریعت کو قائم رکھنے والا ہے یا نہیں۔ جو شخص احکام شریعت کی پابندی کرنے والا ہوگا وہی ولی ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے کریم بننا پسند ہے، کرامت ظاہر کرنا پسند نہیں۔

آپؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کرامتیں دیکھ کر چنداں خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کرامت میں یہ اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں یہ آزمائش نہ ہو اور روحانی ترقی میں رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔ ایک بار آپؒ دریائے دجلہ پر گئے تو دریا کا پانی کناروں تک امنڈ آیا۔ شرحِ تعرف میں لکھا ہے کہ آپ نے آسمان کی طرف رخ اٹھا کر کہا ''اَلْمَکْرُ! اَلْمَکْرُ!'' اور آپ دریا سے لوٹ آئے (اس کرامت کی طرف توجہ نہ دی)۔

جب دل کی آنکھ کھل جائے تو ہر چیز حرم مکہ اور کعبہ بن جاتی ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ بندہ جو عبادت کرتا ہے کہ اسے ثواب ملے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے آج کے دن کوئی عبادت نہیں کی (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) مجاہدہ اور عبادت کا ثواب اسی وقت عطا کر دیا جاتا ہے

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۳۳۔

اور بندے کو اسی وقت ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ حرم وہ جگہ نہیں جہاں مجاہدہ ہوتا ہے بلکہ حرم وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ اور اس کی تعظیم ہوتی ہے۔ وہ بندہ جس کے لئے جہاں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت اور انس و خلوت کا باعث نہیں بنتی تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کے ذروں سے بھی کہیں دور ہوتا ہے یعنی اسے دوستی کی ہوا بھی نہیں پہنچتی اور جب بندہ مکاشف ہو جاتا ہے یعنی جب اس کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے تو تمام چیزیں اس کے لئے حرم مکہ و کعبہ بن جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بندہ جب حجاب میں ہوتا ہے یعنی جب اس کے دل کی آنکھ بند ہوتی ہے تو اس وقت اس کیلئے حرم مکہ و کعبہ میں سب سے زیادہ اندھیرا ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے "اَظْلَمُ الاَشْیَاءِ دَارُ الْحَبِیْبِ بِلَا حَبِیْبٍ" [1] (دوست کے گھر میں سب سے زیادہ اندھیرا اس وقت ہوتا ہے جب اس میں اس کا حبیب نہ ہو)۔ دوستی کے مقام خلت میں مشاہدہ اور اس کی رضا کی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ کعبہ کے دیدار کو مشاہدہ، رضا اور خلت حاصل کرنے کیلئے سب کچھ بنایا گیا ہے نہ کہ کسی قدر و قیمت یا عمارت کیلئے۔

حضرت بایزیدؒ کے سفرِ حج کی کیفیت

منقول ہے کہ آپ سفرِ حج پر گئے تو چند قدموں کے بعد نماز ادا کرتے اور فرماتے کہ بیت اللہ دنیاوی بادشاہوں کا دربار نہیں کہ جس میں انسان ایک دم پہنچ جائے۔ اس طرح آپ پورے بارہ سال میں مکہ معظمہ پہنچے لیکن حج کے بعد مدینہ شریف تشریف نہ لے گئے اور فرمایا کہ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ حج کے طفیل میں مدینہ منورہ جایا جائے۔ اس کی زیارت کے لئے پھر انشاء اللہ کبھی حاضر ہو جاؤنگا، چنانچہ دوسرے سال مدینہ منورہ گئے اور صدہا افراد آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ آپ نے لوگوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کیلئے دعا مانگی اور پھر فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو مخاطب کر کے لسانِ غیب سے کہنے لگے کہ میں خدا ہوں مگر اس کے باوجود لوگ میری پرستش نہیں کرتے۔ آپ کی یہ بات سن کر لوگ منتشر ہو گئے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۴۶۔

حضرت بایزیدؒ کا اعتراف کہ ابتدائی زمانے میں وہ حج کے قابل نہ تھے

آپؒ فرماتے ہیں کہ اپنے ابتدائی ایام میں جب میں حج کیلئے روانہ ہوا تو راستے میں مجھے ایک بزرگ سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے پوچھا اے بایزید کدھر کا ارادہ ہے؟ آپ نے حج کا ارادہ ظاہر کیا۔ پوچھا کتنی رقم لے کر آئے ہو؟ آپ نے بتلایا تو وہ بزرگ کہنے لگے کہ یہ رقم مجھے دے دو اور میرے گرد طواف کر لو تمہارا حج ہو جائے گا کیونکہ تم اس وقت حج کرنے کے قابل نہیں ہو۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس بزرگ کی صحبت سے مجھے بہت فائدہ ہوا اور میں اس وقت واقعی اس حج کے قابل نہ تھا۔

مشائخ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں طوافِ کعبہ کے متعلق جو ارشادِ باری تعالیٰ ہے اس کے ظاہری معنوں کے علاوہ باطنی معنی بھی ہیں۔ وہ آیت جس میں طواف کا ذکر ہے حسبِ ذیل ہے۔

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝ (البقرہ:۱۲۵)	(ہم نے تاکید کر دی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو) کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔

مذکورہ آیت کے ظاہری معنی تو اوپر درج کر دیئے گئے ہیں مگر باطنی معنی یہ ہے کہ انسان کے دل کو بھی اللہ تعالیٰ کا گھر کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں اس گھر کو بھی پاک رکھنے کا حکم ہے یعنی دل کو شرک، نفاق، اخلاقِ رذیلہ وغیرہ کے آفات (یعنی کینہ، بغض، حسد، ریا وغیرہ) سے پاک رکھو اور جب تک اس دل کے گھر کو پاک نہ کیا جائے اس وقت تک انسان پر حج کرنا فرض نہیں ہوتا یا دوسرے لفظوں میں حج کرنے کے لوازمات میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے دل کو مذکورہ آفاتِ رذیلہ سے پاک کرنے کے بعد ہی انسان حج کے قابل ہوتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے قول کا مطلب بھی یہی تھا کہ اس وقت میں واقعی حج کے قابل نہ تھا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے مذکورہ سفرِ حج کا ذکر مولانا رومؒ نے بھی اپنی مثنوی میں منظوم کیا ہے۔ اس واقعہ کو شروع کرنے سے پہلے مولانا رومؒ نے چند اشعار میں اس بات کی تشریح کی ہے کہ ہر عمل کی نیت اس انداز سے کی جانی چاہیے جس میں عمل کرنے کی غرض و غایت میں اللہ تعالیٰ کا منشا پایا جاتا ہو۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرید نے اپنے لئے نیا گھر تعمیر کیا اور جب اس کے پیر نے گھر کو دیکھا تو مرید سے پوچھا کہ

تم نے اپنے کمرے میں روشندان کس غرض سے رکھا۔ مرید نے عرض کی روشن دان کا مقصد یہ ہے کہ اس راستے سے ہوا اور روشنی اندر داخل ہوتی ہے۔ مرشد نے فرمایا یہ روشنی حاصل کرنے کی غرض تو ایک فرع ہے لیکن تم کو یہ روشن دان اطاعت کی نیت سے بنانا چاہیے تھا تا کہ اس راستے سے تم اذان سن سکتے۔ اگر تم روشن دان اس نیت سے رکھتے تو اس سے اطاعت کا اجر ملتا اور روشنی تو خوانخواہ آ ہی جاتی۔

مذکورہ روشن دان کی بابت گفتگو کرنے کے بعد مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ سفر پر جا رہے تھے تو آپ شدت سے اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ انہیں کوئی ایسا بزرگ مل جائے جو کہ خضرِ ثانی کے رتبہ کا حامل ہو۔ حج کے سفر کے دوران حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک ایسے مرد کو دیکھا جس کا قد ہلال (پہلی کے چاند) کی طرح جھک گیا تھا اور اس کے چہرے پر مردِ کامل کا جلال نظر آتا تھا۔ اس پیر کامل کی ظاہری آنکھیں نابینا تھیں مگر دل کی آنکھیں روشن تھیں۔ انسان خواب میں بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کرتا ہے اور نیند کے دوران دل کے روشن دان سے غیب کی باتیں اس پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مردانِ حق حالتِ بیداری میں وہ تمام چیزیں دیکھتے ہیں جو عام لوگ خواب میں دیکھتے ہیں اور اگر ایسا مرد مل جائے تو اس کے پاؤں کی خاک کو سرے کی طرح آنکھوں میں لگاؤ۔

بایزید اندر سفر جستے بسے تا بیابد خضرِ وقت خود کسے (۲:۲۲۳۱)

(حضرت بایزیدؒ سفر میں تلاش کرتے کہ کوئی بزرگ جو اپنے زمانہ کا خضر (ثانی) ہو مل جائے)

دید پیرے باقدے ہمچوں ہلال یافت در وے فرّ و گفتارِ رجال (۲:۲۲۳۲)

(آخر انہوں نے ایک پیر (مرد) کو دیکھا جس کا قد ہلال کی طرح (جھک گیا) تھا (اور) اس میں (راہ حق) کے مردوں کا جلال اور ان کی سی گفتگو تھی)

چشمِ بستہ خفتہ بیند صد طرب چوں کشاید آں نہ بیند اے عجب (۲:۲۲۳۴)

(سونے والا آنکھیں بند کر کے سینکڑوں عجائبات دیکھتا ہے، لیکن یہ عجب ہے کہ آنکھیں کھولنے پر کچھ نہیں دیکھ سکتا)

بس عجب در خواب روشن میشود دل درونِ خواب روزن میشود (۲:۲۲۳۵)

(خواب میں بہت سے عجائبات روشن ہونے لگتے ہیں، کیونکہ نیند میں دل (عالم غیب کی طرف) روشندان بن جاتا ہے)

آنکه بیدارست و بیند خوابِ خوش   عارفست و خاکِ او در دیدہ کش (۲:۲۲۳۷)

(اور جو بیداری کی حالت میں خواب دیکھتا ہے تو وہ مردِ عارف ہوتا ہے اس کے پاؤں کی خاک کو آنکھ میں لگاؤ)

بایزیدؒ او را چو از اقطاب یافت   مسکنت بنمود و در خدمت شتافت (۲:۲۲۳۷)

(بایزیدؒ نے جب اس کو قطب سمجھ لیا تو ان کے آگے عاجزی کی اور خدمت میں سرگرم ہو گئے)

حضرت بایزید بسطامیؒ نے اس مرد درویش سے بات چیت کی تو انہیں غریب اور عیال دار پایا۔ اس درویش نے بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا کہ آپ نے کیسا سفر اختیار کیا ہے؟ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا میں گھر سے حج کی غرض سے روانہ ہوا ہوں۔ درویش نے پوچھا کہ تمہارے پاس راستے کا خرچ کتنا ہے؟ تو حضرت نے عرض کیا کہ دو سو درہم میری چادر کے کونے میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس درویش نے کہا اس رقم کو میرے سامنے رکھ دو اور میرے گرد سات چکر کاٹ لو اور اپنے اس طواف کو حج کے طواف سے بہتر سمجھو۔ فرمایا کہ یہ رقم مجھے دے دو اور سمجھ لو کہ تم نے حج کر لیا۔

مترجم مثنوی مولانا محمد عرشی نے اس قسم کے طواف کی چند تاویلات رفعِ اشتباہ کیلئے کلیدِ مثنوی سے پیش کیں ہیں۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ غالباً اس وقت بایزید بسطامیؒ پر حج فرض نہیں تھا۔ (یا تو اس لئے کہ وہ پہلے حج کر چکے ہوں گے یا زادِ راہ کافی نہ ہوگا، بلکہ صرف شوق میں نکل کھڑے ہوں گے اگر ایسا تھا تو یہ حج نفلی ہوگا)۔ حضرت بایزیدؒ نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ یہ بزرگ کثیر العیال تھے اور ان پر غربت کے احوال ظاہر ہو چکے تھے اس لئے اگر وہ یہ حج کی رقم ان کو دے دیں تو اس کے فوائد متعدی (کئی گنا) تھے جبکہ حج کر لینے کا ثواب صرف ان کی اپنی ذات تک محدود تھا۔ اس حالت میں نفلی حج کے نفع کو نفع لازم کہا جائے تو اس درویش کے عیال کو نفقہ پہنچانا نفع متعدی میں شمار ہوتا ہے جو کہ نفع نفلی سے بہر حال افضل تھا، لہٰذا ثواب تو اس بزرگ کی خدمت سے حاصل ہو سکتا تھا۔ (حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے شہنشاہ محمود غزنویؒ کے سامنے کہا کہ جس نے ہم کو دیکھ لیا اس کی بخشش ہو گئی۔ محمودؒ کے اعتراض پر فرمایا کہ ابو جہل نے چونکہ رسول اللہ ﷺ کو صدق و ایمان سے نہیں دیکھا اس لیے اس کی بخشش ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن نے بھی فرمایا کہ "هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ"، یعنی انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا)۔ جہاں تک اس بزرگ کے گرد طواف کا معاملہ ہے تو غلبہ حال میں ان کی اطاعت کو طواف

سے تعبیر کرلیا، جس میں کوئی قباحت نہیں۔ وہ بزرگ جانتے تھے کہ حضرت بایزیدؒ کو بذریعہ بصیرت یہ علم تھا کہ یہ بزرگ حرص کے باعث رقم طلب نہیں کررہے تھے بلکہ اپنے عیال کی ضرورت کے تحت طلب فرمارہے تھے۔ حضرت بایزیدؒ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ مطلوبہ ثواب اس رقم کے دے دینے سے حاصل ہوسکتا تھا جبکہ ہر عاقل شخص اس بات کو جانتا ہے کہ کسی ضرورت مند کے سوال کو پورا کرنا حج اکبر کا ثواب رکھتا ہے۔

دل بہ دستِ آور کہ حج اکبر است از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است (۱۳۲۴:۲)

(کسی کے دل کو ہاتھوں میں کرلینا حج اکبر کی طرح ہے اور ہزاروں کعبہ ہائے سنگ سے ایک دل بہتر ہے)

اس کے بعد مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ

پیش او بنشست می پرسید حال یافتش درویش و ہم صاحب عیال (۲۲۳۷:۲)

((بایزیدؒ) ان کے سامنے بیٹھے اور حال پوچھا، انہوں نے بزرگ کو غریب اور عیالدار پایا)

گفت عزمِ تو کجا اے بایزیدؒ رختِ غربت را کجا خواہی کشید (۲۲۳۸:۲)

(پوچھا اے بایزیدؒ تمہارا قصد کہاں کا ہے، اپنا یہ سامانِ سفر کہاں لے جاؤ گے)

گفت عزمِ کعبہ دارم از ولہ گفت ہیں باخود چہ داری زادِ رہ (۲۲۳۹:۲)

(بایزیدؒ نے فرمایا کہ آج میں شوق کی وجہ سے کعبے کا قصد کررہا ہوں، بزرگ نے پوچھا تمہارے پاس سفر کا خرچ کتنا ہے)

گفت دارم از درم نقرہ دویست نک بہ بستہ سخت بر گوشہ ردیست (۲۲۴۰:۲)

(کہا میرے پاس چاندی کے دوسو درہم ہیں، دیکھئے چادر کے کونے میں مضبوط باندھے ہوئے ہیں)

گفت طوفے کن بگردم ہفت بار ویں نکوتر از طوافِ حج شمار (۲۲۴۱:۲)

(بزرگ نے کہا کہ تم میرے گرد سات بار طواف کرلو، اور اس کو طوافِ حج سے بہتر سمجھو)

وآں درمہا پیش من نہ اے جواد داں کہ حج کردی و حاصل شد مراد (۲۲۴۲:۲)

(اے سخی ان درہموں کو میرے سامنے رکھ دو، پھر سمجھ لو کہ تم نے حج کرلیا اور مقصد پورا ہوگیا)

عمرہ کردی عمر باقی یافتی صاف گشتی بر صفا بشتافتی (۲۲۴۳:۲)

(سمجھ لو کہ تم نے عمرہ کرلیا اور عمرِ جاوداں پالی، تم صاف ہوگئے اور کوہ صفا پر بھی دوڑ لیا ہے)

مردِ کامل کو کعبے سے بلند تر شرف حاصل ہے

مذکورہ بالا قصہ بیان کرنے کے بعد مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرامؒ نے اس قول کو احادیثِ رسول ﷺ سے اور ائمہ کرام کے اقوال سے ثابت کیا کہ ایک مومن کا خون کعبہ مکرمہ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس حدیث کے حوالے سے ایک دن کعبے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بیشک حق تعالیٰ نے تجھے بہت بڑا شرف عطا فرمایا ہے مگر حق تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن تجھ سے زیادہ اشرف ہے۔[1] اسی اعتبار سے یہ کہا گیا ہے کہ ہزار کعبوں سے ایک دل بہتر ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں حج کی فصل میں حضرت محمد بن فضلؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے کہ جو دنیا میں اللہ کا گھر ڈھونڈتا ہے، وہ دل میں اس کا مشاہدہ کیوں نہیں کر لیتا کیونکہ گھر تو کبھی مل جاتا ہے اور کبھی نہیں ملتا مگر مشاہدۂ حق تو ہر وقت رہتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے محبت اور محبت کے متعلقات کے سلسلے میں بہت کچھ فرمایا ہے اور حضرت عمرو بن عثمانؒ کا طویل قول نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کو جسموں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور مقامِ قرب میں رکھا اور روحوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور درجۂ وصل میں رکھ کر ہر روز تین سو ساٹھ باران پر اپنے جمال کا ظہور فرمایا اور ان کو تین سو ساٹھ بار نظر سے سرفراز کیا اور کلمۂ محبت اسے سنایا اور تین سو ساٹھ لطیفۂ انس اس پر ظاہر فرمائے اور پوری کائنات میں سے انسان کے سوا کسی کو اپنی نظر کا اہل نہ پایا (ان کا کلام طویل ہے)۔ جب انسان پر اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں اور عنایتوں کا یہ حال ہو تو پھر اس کا خانہ کعبہ سے افضل ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ اس کے بعد مولانا رومیؒ نے اس بزرگ کے قول کو یوں فرمایا کہ

حقِ آں حقے کہ جانت دیدہ است　　کہ مرا بربیتِ خود برگزیدہ است

(اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے تمہاری روح کو دیکھا ہے، کہ اس نے مجھے اپنے گھر پر فضیلت بخشی ہے)

کعبہ ہر چند یکہ خانہ بر اوست　　خلقتِ من نیز خانہ سر اوست

(ہر چند کہ کعبہ اللہ کی عبادت کا گھر ہے، مگر میرا وجود اس کے راز کا گھر ہے)

---

[1] مجموع الفتاوی، جلد ۴، صفحہ ۳۵۸۔

تا بکرد آں خانہ را دروے نہ رفت واندر ایں خانہ بجز حی نرفت

(جب سے اللہ نے کعبہ بنایا ہے وہ اس کے اندر نہیں گیا اور وجودِ انسان میں سوائے اللہ اور کوئی داخل نہیں ہوا)

خدمتِ من طاعت و حمدِ خدا است تانہ پنداری کہ حق از من جد است

(میری خدمت اللہ تعالیٰ کی طاعت اور حمد ہے، خبردار یہ نہ سمجھنا کہ حق تعالیٰ مجھ سے جدا ہے)

چشم نیکو باز کن در من نگر تابہ بینی نورِ حق اندر بشر

(اچھی طرح آنکھیں کھول کر مجھے دیکھو، تاکہ تم اللہ کے نور کو بشر کے اندر دیکھو)

کعبہ را یکبارِ بیتی گفت یار گفت "یاعبدی" مرا هفتاد بار

(اس محبوب نے کعبے کو تو ایک بار میرا گھر کہا ہے، اور مجھے تو ستر بار اے میرے بندے کہہ کر پکارا ہے)

بایزیدا کعبہ را دریافتی صد بہا و عز و صد فر یافتی

(اے بایزیدؒ جب تم کو کعبہ مل گیا ہے تو اب تم کو، سینکڑوں رونقیں، عزتیں اور شان حاصل ہو گئی)

بایزید آں نکتہ ہا را ہوش درشت همچو زریں حلقہ اش در گوش داشت

(حضرت بایزیدؒ نے ان نکتوں کو خوب یاد رکھا، اور سونے کی بالی کی طرح ان کو کان میں ڈال لیا)

آمد از وے بایزیدؒ اندر مزید منتہی در منتہی آخر رسید (۲:۲۲۵۱)

(حضرت بایزیدؒ کو اس تعلیم سے ترقی حاصل ہوئی، اور وہ آخری سے آخری درجۂ کمال کو پہنچ گئے)

مذکورہ گفتگو کے باعث حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ اس بزرگ کی صحبت سے مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا۔

اپنے آپ سے نکل جانے سے

بندہ خدا تک پہنچتا ہے

بایزیدؒ کے مرید ابوموسیٰؒ کہتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ نے بیان کیا "میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا"۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا "آپ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟" فرمایا۔ "از خود گزشتی و رسیدی" یعنی تو جو اپنے سے نکل گیا، تو جان لے کہ پہنچ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو اپنی خواہشات اور جن چیزوں کا وہ

خوگر اور عادی ہے ان سے جب نکل گیا اور اپنی ذات کی سوچ سے آزاد ہو گیا تو اس نے خدا تعالیٰ کو پالیا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی شناخت کی راہ آسان ہے مگر اس کی یافت (پالینے) کی راہ دشوار اور مشکل ہے۔ حضرت بایزیدؒ "قُدِّسَ سِرُّہٗ" کو ان کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا "آپ کا کیا حال ہے" بایزیدؒ نے فرمایا مجھے خداوند تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا "اے پیر چہ آوردی" اے بوڑھے کیا لایا ہے؟ میں نے کہا فقیر جب بادشاہ کے دربار میں آئے تو اسے یہ نہیں کہا کرتے کہ تو کیا لایا بلکہ اسے کہتے ہیں تو کیا مانگتا ہے؟

کہتے ہیں نیشاپور میں ایک بڑھیا تھی جس کا نام عراقیہ تھا۔ وہ گھروں میں جا کر بھیک مانگتی تھی۔ جب دنیا سے رخصت ہو گئی تو کسی نے اسے خواب میں دیکھا۔ اس نے کہا کہ مجھے انہوں نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کیا لائی ہے۔ میں نے کہا۔ آہ ساری عمر مجھے اسی میں رکھا کہ خداوند تعالیٰ دے گا اور اب کہتے ہو کیا لائی ہے۔ فرمایا سچ کہتی ہو۔ فرشتو اس کو لے جاؤ۔

قبولیتِ دعا کا راز

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خواہ کسی نام سے پکارا جائے مگر پکارنے کا انداز درست ہونا چاہیے۔ دورانِ وظائف بے چینی اور اضطراب کی حالت طاری کرنا چاہیے۔ اولیاء کی محبت کو بھی دل میں جاگزیں کرے۔ اگر گریہ کی کیفیت طاری ہو جائے تو اجابت فوراً ہوتی ہے۔ اگر سالک کے دل میں عجز و نیاز ہو تو سمجھ لو کہ اس نے اپنا پیغام اللہ تعالیٰ کو پہنچا دیا۔ اپنی ظاہری حالت کو درست کرے تو رقتِ قلب خدا کی طرف سے مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فقط میلانِ قلب کو دیکھتا ہے اور اگر یہ حالت ہو جائے تو وظیفہ اپنے اثر سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور اس میں زمانی تقدیم اور تاخیر نہیں ہوتی یعنی جونہی وظیفہ کیا تو فوراً اثر پیدا ہو گیا۔ قبولیت دعا کے اور بھی بہت سے نکات ہیں جو ہماری تصنیف "حسنِ نماز" کے باب "الدعا" میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

جس کے دل میں غیر اللہ موجود ہو
وہاں اللہ کی معرفت نہیں ہوتی

حضرت بایزید بسطامیؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ فرمایا کہ جو خدا کتوں کو رزق دیتا ہے کیا وہ بایزیدؒ کو رزق نہیں دے سکتا؟ منقول ہے کہ آپ نے ایک عالم کی اقتداء میں نماز ادا کی

تو نماز کے بعد اس نے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے پیتے ہیں؟ فرمایا پہلے مجھے اپنی نماز کو دوبارہ ادا کرنے دو کیونکہ جو شخص اپنے رازق کو نہیں پہچانتا اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ فرمایا اس بادشاہ کے خزانے سے جس کا کوئی حساب نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ شاید آپ پر آسمان سے کھانا نازل ہوتا ہے۔ فرمایا اگر زمین نہ ہوتی تو البتہ آسمان سے ہی ڈال دیتے۔ لوگوں نے کہا کہ تم ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرتے ہو۔ جواب دیا کہ آسمان سے بھی یہی کلام اترا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے متعلق ایک روایت پہلے گزر چکی ہے کہ آپ کے خادم نے فرمایا کہ میں نے شیخ بسطام کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا رب العزت فرما رہے ہیں۔ ''بایزیدؒ کے سوا تمام لوگ مجھ سے کچھ نہ کچھ طلب کرتے ہیں۔ بایزیدؒ کسی چیز کا خواستگار نہیں۔ وہ تو محض میرا خواستگار ہے۔ وہ مجھ کو چاہتا ہے میں بھی اس کو چاہتا ہوں''۔ یوسف بن انباطؒ نے فرمایا جو شخص اپنی حرکات وسکنات اللہ عزوجل کیلئے ہی موقوف نہ سمجھے تو لاکھ سجدے کرے اس کا سجدہ اللہ کے لئے نہ ہوگا جو اللہ کی معرفت کا دعویٰ کرے اور اس کے دل میں غیر اللہ موجود ہو تو سمجھ لو ابھی تک وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں کامیابی سے مشرف نہیں ہوا۔

بندگانِ خدا کے دل وحدانیت کے نور سے منور ہوتے ہیں اور ان کی نظر لامحدود ہوتی ہے

بایزیدؒ کے خادم سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت بایزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس اللہ کا اسم اعظم ہے، براہ کرم آپ مجھے یہ نام لکھا دیجئے، اسے سیکھنے کی مجھے بڑی خواہش ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے تعظیم واحترام کے جذبے کے ساتھ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا کون سا نام ''اسمِ اعظم'' نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ کہنے کو معدودے چند ہیں مگر بلحاظِ عظمت ان گنت اور لامحدود۔ اپنے دل کو اس کی وحدانیت کے نور سے منور کرلو۔ دوسرے آقاؤں کو دل سے باہر نکال دو پھر جو نام لے کر چاہو اس کو پکارو اور دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ان اسماء میں سے کسی ایک اسم گرامی کے سہارے ہی تم نہ صرف یہ کہ پل بھر میں مشرق سے مغرب تک اڑ سکو گے بلکہ حیات و ممات کا پیام بن جاؤ گے۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا۔ ''سبحان اللہ! کیا ایسا ممکن ہے؟'' آپ نے فرمایا جی ہاں کیوں نہیں، اولوالعزم اہلِ دل کے لئے یہ کوئی بڑی

بات نہیں کیونکہ ہر چیز کلمۂ الٰہیہ ہی کا نتیجہ ہے۔ البتہ یہ رتبہ ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتا، اس کے حامل تو مخصوص بندگانِ خدا ہی ہوتے ہیں جو کہ اس کو موقع و محل کی رعایت سے برتتے ہیں اور جن کے عزم و ہمت کی نگاہ عرش بریں سے کم پر ٹھہرتی ہی نہیں۔ اس آدمی نے کہا اس مرتبہ پر بھلا کون فائز ہوگا؟ آپ نے فرمایا جی ہاں صرف وہ شخص جو کہ قربِ وصال کے مقام تک پہنچ چکا ہو۔

حکایت ہے کہ ایک شخص بایزیدؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے بایزیدؒ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ جس تک دنیا کے کسی آدمی کی رسائی نہیں۔ آپ نے پوچھا آخر وہ کیا اور کیسا مقام ہے؟ تو اس شخص نے کہا عرش سے فرش تک جو کچھ بھی ہے سب میرے لئے مسخر ہے۔ اس پر بایزیدؒ نے فرمایا ''میاں یہ تو سب سے کم تر درجہ ہے جس سے اہلِ معرفت سرفراز ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مخلوقات میں سے ہر ایک کو وہی کچھ عطا کر دیا جائے جو آپ کو حاصل ہے تو بھی رب العزت کے خزانۂ قدرت میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص محض اتنے ہی کو عارفانہ کمال تصور کرتا ہو تو وہ معرفتِ الٰہی سے کما حقہ بہرہ ور ہی نہ ہوگا۔ پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا ''اے فریب خوردہ انسان مہربانی کر کے یہاں سے تشریف لے جایئے''۔

ایک اور روایت میں حضرت بایزیدؒ کے خادم سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بایزیدؒ اپنے شہر (وطن) تشریف لے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے گرد عالم جمع ہو گیا۔ آپ خاموش کے خاموش ہی رہے۔ پھر جب ان پر نگاہ پڑی اور ان کی توقعات کا علم ہوا تو آپ اشکبار ہو گئے اور فرمانے لگے کاش کہ دنیا والے اپنے مالک کو پہچانتے تو یقیناً اس میں مشغول ہو کر مجھ سے بے نیاز ہوتے۔

باب نمبر ۲۳

کیفیات بایزیدؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ اپنی کیفیات کی وجہ سے باقی تمام اولیائے کرام سے منفرد اور ممتاز تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اور بہت سے بزرگ بھی ایسے ہوگزرے ہیں کہ جن پر جذب وکیف کے احوال طاری رہتے تھے مگر بلند پایہ بزرگوں میں سے حضرت بایزید بسطامیؒ کا نام کیفیات جذب و مستی کے وارد ہونے میں کچھ زیادہ ہی بلند مراتب پر فائز تھا۔ یہی وجہ ہے آپ اپنی کیفیات کو لوگوں سے چھپانے کی غرض سے لوگوں کی کھلی مجلس اور صحبت عوام میں زیادہ دیر تک نہیں رہتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ آپؒ عوام میں اس قدر مشہور نہ تھے۔ اس کے برعکس حضرت جنیدؒ کی مجالس اور مواعظ عام مجالس میں بے شمار لوگ سنتے تھے اسی لیے آپ کے اقوال اور معارف لوگوں میں بہت مشہور ہو چکے تھے۔ بعض کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بایزیدؒ کی تحریروں کو کافی شہرت حاصل ہوئی بلکہ حضرت جنیدؒ آپؒ کی تحریروں کی وجہ سے ہی آپ کے گرویدہ ہوئے۔

راقم الحروف کا ذاتی خیال یوں بھی ہے کہ صحو کی کیفیات میں حضرت جنیدؒ کی مجالس منفرد خصوصیات کی حامل تھیں اور عام لوگ آپ کی مجلسوں میں حاضری دیتے تھے جب کہ سکر و صحو کی ملی جلی کیفیات کے سلسلے میں حضرت بایزیدؒ کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو بزرگانِ دین مع اللہ اور فنا فی اللہ کے احوال میں آگے رہے ان کے مزاج میں کیفیات اور نشۂ عشق و محبت زیادہ پایا جاتا ہے۔ حدیث ”لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ“[1] (کہ میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ہوتا ہے)۔ کے مصداق حضور ﷺ کی حالت یہ ہوتی تھی کہ ایسے وقتوں میں آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نہ کوئی فرشتہ ہوتا اور نہ کوئی نبی مقرب ہوتا (اس حدیث پر ذرا آگے چل کر گفتگو ہوگی اور یہی حدیث اولیائے کرام کے (جزوی) سکر کی اصل ہے۔ ”رِجَالٌ لَا

[1] فیض القدیر، جلد ۴، صفحہ ۶۔

تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہوتے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی)۔ (النور: ۳۷) کا قرآنی بیان بھی اس انجذاب قلبی اور زیادہ دیر تک دنیا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہنے کی دلیل پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ اہل علم میں مستی احوال کا جواز نہیں ملتا اور ایسے علماء کے معاملے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے "علم میں مستی حرام اور عشق میں مستی حلال" اہل عشق میں سرمستی اور انجذاب قلبی کا عالم پایا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے مستی (نشہ عشق اور سکر) کا حلال ہونا اولیائے کرامؒ کی عملی زندگیوں سے ثابت ہے۔

روح کی توانائی کیلئے سخت مجاہدات اور ملکہ تخلیق پیدا کرنا ضروری ہے۔ تخلیقی ملکہ درکار ہو تو ذکر و فکر اور تازہ افکار کا دل میں پیدا ہونا ضروری ہے جو خلوت کی گہرائیوں میں ڈوب کر حاصل ہوتے ہیں۔ ذکر و فکر اور تخلیق کے لئے خلوت اور قربِ الٰہی درکار ہیں۔ فکر ایک خالص تخلیقی عمل ہے جو ذکر کی گرمی سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسے صوفیاء جو عشق و محبت میں غرق رہتے ہوں اور جو تخلیقی مقاصد میں انہماک رکھتے ہوں ان کے لئے خاموشی، تنہائی اور خلوت لازمی جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عشق میں مستی حلال علم میں مستی حرام

علامہ اقبالؒ نے اولیائے کرام کے انجذاب قلبی اور توجہ الی اللہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں سے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد — فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر — فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ (ب ج: ۳۶۹)

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن — عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن

بندۂ تخمین و ظن، کرم کتابی نہ بن — عشق سراپائے حضور، علم سراپائے حجاب

شرع محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام — شورشِ طوفان حلال، لذتِ ساحل حرام

عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام — علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُمّ الکتاب

(ض ک: ۴۸۳)

دنیائے روحانیت میں اور بھی بہت سی ہستیاں ہیں کہ جو اپنے اوقات میں سے بیشتر اوقات کیف و مستی اور استغراق کی حالت میں گزارتے ہیں اور حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے کہ ایسے اولیائے کرامؒ سے خوارق اور

کرامتوں کا اظہار زیادہ ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ عروج میں بہت اوپر جاتے ہیں اور نزول میں مقام روح تک ہی نزول کرتے ہیں اور ایسے لوگ مقام روح سے نیچے نہ آنے کے باعث بہت سے مغیبات پر اطلاع پالیتے ہیں (عروج اور ہبوط یا نزول کا ذکر انشاء اللہ راقم الحروف کی کتاب ''اسلام اور روحانیت'' میں کیا جا چکا ہے)۔ ایسے بزرگوں کی گفتگو، جو مقامِ روح تک ہی نزول کرتے ہیں، عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے کیونکہ یہ لوگ وہ بات کرتے ہیں جو ایک عام آدمی نہ تو دیکھ سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ حضرت مجددؒ نے حضرت قصابؒ کی مثال دی ہے کہ وہ اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے اور ایسے لوگ صاحب ارشاد نہیں ہوتے۔ حضرت شرف الدینؒ بھی ایسے بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے بیسویں صدی میں ہونے والی دونوں عظیم جنگوں کے واقعات لفظ بہ لفظ اپنے فارسی کلام میں تین سو سال قبل از وقوع رقم کیے ہیں اور آخری شعر میں فرماتے ہیں کہ اے شرف الدین یہ کیا کر رہے ہو؟ تم نے تو تمام اسرار خداوندی کو فاش کر دیا۔ اب اپنے کلام کو بند کرو۔ حضرت سائیں توکل شاہؒ بھی اکثر سکر کی کیفیت میں رہتے تھے اور آپ کی زندگی کے آخری ایام تو تقریباً ہر وقت ہی کیفیت سکر میں گزرتے تھے۔ حضرت بایزیدؒ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آپ کے ایام میں دونوں کیفیات (سکر اور صحو سے متعلق) پائی جاتی تھیں۔

استغراق، عبادت اور مراقبہ کے بعد ملتا ہے

حضور قلب عام لوگوں کو کبھی کبھی اور خواص کو اکثر اور خاص الخاص کو ہر وقت حاصل رہتا ہے۔

حضور قلب میسر ہو جائے تو قرب الٰہی بھی میسر ہو جاتا ہے اس قرب کی تجلیات حاصل ہونے پر سکر یا نیم سکر اور وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی حضور قلب اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ سالک کو مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے اور اس کو چیزوں کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو لوگ ذکر اور مراقبہ میں زیادہ محنت کرتے ہیں تو ان پر ایسا مقام آ جاتا ہے کہ وہ بے خود ہو جاتے ہیں اور کبھی ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ کئی کئی دنوں تک کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی سے بالکل بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ جس پر حضرت بایزیدؒ نے سبحانی ما اعظم شانی کا نعرہ بلند کیا (ہم پاک ہیں اور ہماری شان بلند ہے) حضرت بایزیدؒ اکثر ہی اپنی عام کیفیت سے ہٹ کر اسی طرح کے سکر اور استغراق میں کھوئے رہتے تھے۔

عاشق کی دنیا میں سوائے محبوب کے کچھ بھی نہیں

قرآن میں ارشاد ہے "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" (حکم نہیں مگر اللہ کا)۔(انعام:۵۷) "وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ" (یعنی اس کی حکومت میں کوئی شامل نہیں)۔(بنی اسرائیل:۱۱۱) اسی طرح کہا جاتا ہے کہ عاشق کی دنیا میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ عاشق ماسوا اللہ سے غافل رہتا ہے۔

مولانا رومؒ نے فرمایا ہے کہ توحید کا مطلب یہی ہے کہ بندہ خود کو ایسی ہستی کے آگے جلا دے جو اس کی مطلوب ہے۔ رات کو شمع جلتی ہے تو روز روشن کی طرح اجالا کرتی ہے کیونکہ انسانی ہستی میں سرمستی ہے اور وہ سر سے عقل اور دل سے شرم کو لے جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے خرد سے بیزاری کا اظہار کیا ہے جب تک وہ عقل سلیم کے تابع نہ ہو جائے، چنانچہ جو اپنی ہستی سے باہر ہو گیا تو اس کے تمام کاموں کا انجام محمود ہو جاتا ہے اور یہی توحید کی اصل ہے۔

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بُو کو توڑ سکتے ہیں یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا (ب ج:۳۱۴)

ہم اپنی دیگر کتب میں حضرت ثناء اللہ پانی پتیؒ کی یہ تشریح پیش کر آئے ہیں جو انہوں نے امانت الٰہیہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی ہے آپ کی اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نور عقل اور نار عشق سے نوازا ہے۔ نور عقل تو خدا کے ہونے کے لئے دلائل پیش کرتا ہے مگر نار عشق اللہ کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ یہ آگ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ۷۰ ہزار پردوں کو جلا دیتی ہے اور مشائخ کا قول ہے "اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَاسِوٰی الْمَحْبُوْبِ" (یعنی عشق ایسی آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو جلا دیتی ہے) اور بندے کو خدا کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔ جب بندہ اللہ کے سامنے آ گیا تو پھر اس کی آنکھ کسی اور طرف کیسے اٹھ سکتی ہے جیسا کہ معراج میں حضور ﷺ نے کسی اور طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (النجم:۱۷) ایسے ہی استغراق کی حالت میں تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی ہے۔ جب نفس کا شرک ختم ہو گیا تو سالک کا علم و عمل من اللہ ہو جاتا ہے اور نفس و ہویٰ فنا ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سالک اس وقت (یعنی فنا میں) اپنا وجود ختم کر دیتا ہے تو پھر جس کا وجود ہی نہ ہو تو اس کا اپنا ذاتی علم اور عمل کہاں باقی رہے گا۔ علم و عمل کی تخلیق اللہ کی جانب سے ہوتی ہے کیونکہ علم علیم (یعنی اللہ) کی صفت ہوتی ہے۔ جب بندہ اس حالت میں آ جائے تو علم اور عمل اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں یہ علم و عمل صرف بشری تقاضوں اور عبدیت کے مطابق ہوتے ہیں اور

بندہ اعمال کی نسبت اپنی جانب من حیث التخلیق نہیں کرتا بلکہ من حیث الکسب کرتا ہے۔

خدا کو دیکھنا ہو تو اپنی طرف دیکھو

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" (یعنی جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا)۔[1] اس قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو خود کو دیکھتا ہے تو وہ خدا تک جا پہنچتا ہے اور جو خدا کو تلاش کرے تو اسے بالآخر اپنا آپ ہی نظر آئے گا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

کرا جوئی، چرا در پیچ و تابی	که او پیداست تو زیر نقابی

(کس کو ڈھونڈتے ہو کیوں فکر مند ہو؟ کہ وہ ظاہر ہے مگر تو خود زیر نقاب ہے)

تلاش او کنی جز خود نه بینی	تلاش خود کنی جز او نیابی

(پ م:۲۲۲)

(اس کی تلاش کرو گے تو اپنے سوا کچھ نہ پاؤ گے، اپنی تلاش کرو گے تو خدا کے سوا کچھ اور نہ پاؤ گے)

ہماری تصنیف "حضور قلب" میں "خدا کی تلاش" پر کتاب کے آخری تیسرے حصے میں بہت سے مضامین پیش کئے گئے ہیں۔ حضور قلب کو حاصل کرنے کے طریقوں کو بیان کرنے کے بعد یہ حقیقت تفصیل کے ساتھ دی گئی ہے کہ اپنا نشیمن اپنے سینے میں تلاش کرو، خلوت اور جلوت میں حضوری ملتی ہے خدا کو دیکھنا ہو تو خود بینی پیدا کرو، خدا کے جلوے ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں، خدا بندے کی تلاش میں رہتا ہے، خدا کا جلوہ ہر طرف بکھرا ہوا ہے، اپنا سینہ زخمی کرنا سیکھو، خدا کے دیدار کی طلب ہو تو پھر کہیں دیدار ہوتا ہے اور اگر انسان کو یہ طلب نہ ہوتی تو دیدار بھی نہ ہوتا۔ ان کے علاوہ اور مضامین مثلاً دل کی قندیل خود خدا کے حضور کی راہ دکھاتی ہے، قرب حق مقصود ہو تو وہ ملتا ہے اور حضور قلب زندہ دلوں کا نصیب ہوتا ہے وغیرہ دیگر بہت سے مضامین علامہ اقبال کے اشعار کی وضاحت میں لکھے گئے ہیں۔ غالباً بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ علامہ اقبال نے غیب و حضور پر بہت اشعار کہے ہیں۔ مشہور صوفی شاعر مغربی نے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کی ہے جس کا انداز ملاحظہ فرمائیں۔

گفتمش خواهم که بینم مر ترا اے نازنیں	گفت خواهی گر مرا بینی برو خود را به بیں

(میں نے خدا سے کہا کہ اے محبوب میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو کہا کہ اگر تو مجھے دیکھنا چاہتا ہے تو جا خود کو دیکھ)

[1] التفسیر الکبیر، جلد ۳۰، صفحہ ۱۹۱۔

گفتمش با تو نشستن آرزو دارد دلم　　گفت گرایں آرزو باشد ترا با خود نشیں

(میں نے اس کو کہا کہ میرے دل کی آرزو ہے کہ تیرے ساتھ ہمنشینی کروں، اس نے کہا کہ اگر تجھے یہ آرزو ہے تو خود اپنے ساتھ بیٹھ)

گفتمش بے پردہ باشد گر سخن گویم رواست　　گفت در پردہ نشاید گفت باما پیش ازیں

(میں نے اس کو کہا کہ کیا تیرے ساتھ بے پردہ سخن گوئی جائز ہے اس نے کہا پردہ میں تو بات نہیں ہوسکتی میرے سامنے کہو)

حضرت حسین بن منصورؒ نے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کی میں کون ہوں تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ''میں تو ہوں اور تو میں ہے'' یہی حسب ذیل شعر کا مطلب ہے۔

رَاَیْتُ رَبِّیْ بِعَیْنِ قَلْبِیْ　　فَقُلْتُ مَنْ اَنَا، قَالَ اَنَا اَنْتَ [1]

حضرت بایزید بسطامیؒ کی اللہ تعالیٰ سے ملاقاتیں عام اور اکثر اوقات رہی ہیں جن میں سے چند کا ذکر آگے آئے گا۔ انشاء اللہ

کبھی سکر اور کبھی صحو میں رہنے والے بزرگ

''تذکرہ غوثیہ'' میں سید گل حسن قادری فرماتے ہیں ''فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوْا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ'' (یعنی جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہوتے ہوئے بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے) (النساء:۱۰۳)۔

کہا جاتا ہے کہ وقت اولیائے کرام کی گرفت میں ہوتا ہے۔ وہ چاہیں تو وقت ان کی مرضی پر بدل جاتا ہے لیکن کچھ بنے ہوئے صوفی خود کو محض اس حد تک پہنچے ہوئے ظاہر کرتے ہیں مگر حقیقتاً وہ تارک شریعت اور دھوکہ دینے والے صوفی ہوتے ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ کچھ بزرگ ایسے ہو گزرے ہیں جو وقت کو اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔ حضرت سید گل قادری نے ایسا ہی ایک واقعہ پیش کیا ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

امام ربانی (حضرت مجدد الف ثانیؒ) ایک روز نماز فجر کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک شخص قبلہ رخ ہو کر داہنی کروٹ لیٹا سو رہا ہے۔ خیال کیا کہ شاید نماز پڑھ کر سو گیا ہوگا۔ ظہر، عصر اور

---

[1] ثبت ابی جعفر، ابو جعفر احمد بن علی آشی، متوفی ۹۳۸ھ، جلد۱، صفحہ ۴۴۴، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔

مغرب میں بھی اسے اسی حالت میں پایا۔ جب مغرب کا وقت تنگ ہو گیا تو اسے جگا دیا اور فرمایا کہ نماز قضا ہوئی جاتی ہے۔ وہ شخص بیدار ہوا، وضو کیا تو پہلے فجر کی نماز کی نیت کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ٹھیک صبح کا وقت اور نور کا تڑکا ہے۔ جب ظہر کی نماز کی نیت کی تو ظہر کا وقت تھا اور عصر کی نیت کی تو عصر کا وقت ہونے لگا اور جب مغرب کی نیت کی تو مغرب کا وقت موجود تھا۔ پھر اس شخص نے حضرت مجددؒ سے کہا کہ نماز کے لئے تو آپ نے جگا دیا مگر میری نیند کی کیفیت کو نہ پہچانا۔ جن کو یہ حالت میسر ہو وہ ہر لحہ حالت نماز میں رہتے ہیں۔ دراصل ایسے لوگ کبھی سالک اور کبھی مجذوب ہوتے ہیں۔

ان باتوں پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ایسے کئی واقعات معتبر کتب میں نقل کئے گئے ہیں۔ غوث الاعظمؒ نے فرمایا کہ شیخ قضیب البان موصلی ظاہراً ہوش میں تھے مگر باطناً مجذوب تھے۔ لوگوں نے کہا یہ نماز نہیں پڑھتے تو غوث الاعظمؒ نے فرمایا خبردار ان کے بارے میں یہ نہ کہو، وہ خانہ کعبہ میں سجدہ کرتے ہیں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ عام آدمی کیلئے یہ بات نہیں ہو رہی۔

''قوت القلوب'' میں ہے کہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ بصرہ میں اللہ کا ایک بندہ ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے اپنا ایک پیر اٹھاتا ہے اور اسے کوہ قاف پر رکھ دیتا ہے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ ساری دنیا ایک ولی کے لئے ایک قدم اٹھانے کے برابر ہے اور اللہ کا ایک ولی ایک قدم میں ۵۰۰ برس کا فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ بلقیس کا بہت بڑا تخت پلک جھپکنے میں سینکڑوں میل سے لے آنا تو قرآن میں مذکور ہے۔ یہ لوگ اہل حال ہیں ان کے معاملات ان کے ساتھ اور ہمارے معاملات ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم کو یہ سوچنا نہیں چاہیے کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا یا یہ فلاں ولی نے کیا تو رسول اللہ ﷺ نے کیوں دوسرا راستہ اختیار کیا اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایسا کمال ہو سکتا ہے کہ بلقیس کا تخت ایک لحہ میں آ گیا تو رسول اللہ ﷺ تجارت کے لئے اتنے لمبے سفر کیوں اختیار کرتے تھے۔ کسی کو کیا معلوم کہ رسول اللہ ﷺ کو کیا تصرفات حاصل تھے جن کا ذکر کتابوں میں بہت کم آیا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے عصر کی نماز قضا ہونے پر سورج کو واپس کیا اور آپ نے نماز عصر ادا کی۔ معجزہ یا کرامت اسی کو کہتے ہیں جس کو عام عقل تسلیم نہ کرے۔ ایسے جھگڑوں میں جو الجھ گیا پھر بحث بہت طویل ہو جاتی ہے اور ایسی بحث سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ نہ ماننے والا ہمیشہ خسارے میں رہتا ہے اولیاء اللہؒ کی بات اولیاء کے ساتھ ہے۔ آپ اپنے لئے جس بات کو اختیار کریں آپ کی مرضی مگر کرامات کا

انکار نہ کریں ورنہ لاکھوں کرامات کو کتابوں سے نکال دینا پڑے گا۔

غلبہ، وجد و ہجوم کی کیفیات

بلا ارادہ اور بلا کوشش کسی کیفیت یا کسی قلب پر کسی حالت کے طاری ہونے کا نام وجد ہے۔ نفس کی مخالفت اور اوامر ونواہی کی پیروی سے جو فتوحات حاصل ہوتی ہیں ان سے جو لذتیں قلب پر وارد ہوں انہیں وجد کہتے ہیں۔ اختیار اور تکلف سے وجد کرنے کے عمل کو تواجد کہتے ہیں۔ جس طرح کوئی رونہ سکے تو رونے کی شکل بنالے۔

ہجوم

کسی چیز کا دل پر قوت کے ساتھ وارد ہونا، جو بغیر کسی کوشش کے ہو ہجوم کہلاتا ہے۔

غلبہ

مغلوب ہو جانے کی وہ حالت جس میں سالک اس مغلوب ہو جانے کے سبب کا ملاحظہ نہ کرے اور ادب کی رعایت بھی ممکن ہو تو وہ غلبہ کہلاتی ہے۔

رغبت

رغبت مراتب محبت میں سے ایک مقام ہے مثلاً میل و محبت، طلب، ولع، صبابہ (دل تنگ ہونا) ھوٰی، شغف، اعزام (ہلاکت کے قریب ہونا) حب مطلق اور آخر میں عشق۔

سالک جب کیفیات وجد پاتا ہے تو ہجوم اور غلبات اسے گھیر لیتے ہیں اور اس میں ایک عجیب ذوق وشوق اور انہماک پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ اور محبت کا وجد طاری ہو جاتا ہے "صَفْوُ الْوَجْدِ" وہ خالص وجد ہے کہ جس میں وجود حق کے بغیر کوئی اور چیز وجد میں حائل نہ ہو۔ وجد تو بلا ارادہ قلب اور صفاء ذکر سے طاری ہوتا ہے۔

''کشف المحجوب'' میں ابو سلیمان بن عبدالرحمٰن درانیؒ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن احمد بن حواریؒ نے ان سے کہا کہ ایک رات مجھے خلوت میں نماز ادا کرنے میں بڑی لذت حاصل ہوئی تو حضرت ابو سلیمانؒ نے فرمایا ''بہت کمزور آدمی ہو خلوت میں کچھ اور جلوت میں کچھ اور ہو''۔ فرمایا کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو بندے اور خدا کے درمیان حائل ہو۔ دلہن کا پردہ اٹھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سب اسے دیکھ لیں اور اس کی عزت اور توقیر میں اضافہ ہو، مگر دلہن کے لئے یہ زیب نہیں کہ اس کی نظر بجز دولہا کے اور کسی طرف

اٹھے کیونکہ رؤیت غیر اس کے لئے ذلت کا باعث ہے۔ اگر زاہد کی شان پر سارے عالم کی نظر ہو تو کچھ بات نہیں لیکن وہ خود اپنی شان کو دیکھنے میں منہمک ہو جائے تو بھٹک جاتا ہے۔

محبت و عشق الٰہی

جو لوگ کیفیاتِ انجذاب و استغراق میں وافر حصہ رکھتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نشہ محبت الٰہی میں ہمیشہ غرق رہتے ہیں اور مخلوق کے اندر رہ کر بھی مخلوق سے جداگانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب روحانی دنیا میں قدم رکھا جاتا ہے تو صرف وہی لوگ بلند مقام حاصل کر پاتے ہیں جن کی فطرت محبت اور عشق کے جذبات سے لبریز ہو۔ مشہور ہے کہ عشق مجازی، عشق حقیقی کی طرف لے جاتا ہے۔ وہی لوگ عشقِ الٰہی سے نوازے جاتے ہیں کہ جن کی فطرت میں محبت اور عشق کی اہلیت موجود ہو۔ اہل عشق ہر کام میں چاک و چوبند، زمانہ شناس اور لذت آرزو سے حصہ رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں حصول مقصد کے لئے رنج و راحت برابر ہوتے ہیں۔ قوت برداشت، مشکل پسندی اور قوتِ مدافعت کا عاشقانِ الٰہی میں پایا جانا ان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا، لبوں پر حرف شکایت نہ لانا اور ذوق تشنگی کا کبھی نہ بجھنا عاشقان الٰہی کی علامات ہیں۔ ایسے لوگوں کا مطمع نظر اور نصب العین فقط محبوب ہوتا ہے۔ ان لوگوں میں فقط محبوب کی طلب میں ہمہ تن مصروف رہنے کا عندیہ پایا جاتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ خود فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کی یکتا ذات سے عشق کرنے والے لوگ بہشت وغیرہ کی خواہش نہیں رکھتے اور ایسے اہل محبت اپنی محبت کی یکسوئی کے باعث مخلوقات سے پوشیدہ اور در پردہ رہتے ہیں۔ حضرت بایزیدؒ نے خود فرمایا ہے کہ محبت میں سالک کو چاہیے کہ وہ اپنے (عمل و انفاق) کے بہت کچھ کو کم سمجھے اور محبوب کی جانب سے تھوڑی سی عطا کو زیادہ تصور کرے۔ (کیونکہ سالک کا بہت کچھ فانی ہے اور اللہ کی عطا مستقل ہے) ۔[1]

حضرت بایزیدؒ کی محبت کی وضاحت

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں ''اَلْمَحَبَّةُ اِسْتِقْلَالُ الْكَثِيْرِ مِنْ نَفْسِكَ وَ اِسْتِكْثَارُ الْقَلِيْلِ مِنْ حَبِيْبِكَ''[2] (یعنی محبت یہ ہے کہ بندہ اپنی بہت زیادہ عبادت کو بالکل معمولی سمجھے اور دوست کی تھوڑی سی عطا کو بہت زیادہ جانے)۔ یہ معاملہ بندے کے حال کے لائق، درست اور صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۶۱۴۔

[2] طریق الھجرتین، محمد بن ابی بکر الزرعی، متوفی ۷۵۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۴۶۰، دار ابن القیم، الدمام، ۱۴۱۴ھ۔

نے بندے کو جو دنیا اور اس کی نعمتیں دی ہیں اس کو اللہ تعالیٰ نے قلیل کہا ہے فرمایا "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ" (آپ فرما دیجئے اے محبوب ﷺ! کہ جو کچھ دنیا کا سامان ہے وہ تھوڑا ہے) (النساء: ۷۷)۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی تھوڑی عمر، تھوڑا سامان اور تھوڑی جگہ میں تھوڑے ذکر کو بہت بڑا کہا ہے "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" (یعنی اللہ کا ذکر بہت بڑی بات ہے) (العنکبوت: ۴۵)۔

درج ذیل شعر میں غالب کا اشارہ اس طرف ہے کہ جب شوق و ذوق غالب آ جائے تو سوائے مطلوب کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اور یہی استغراق کی حالت میں ہوتا ہے۔

وا کر دیئے ہیں عشق نے بندِ نقابِ حُسن غیر از نگاہ، اب کوئی حائل نہیں رہا

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کامل اولیاءؒ جن کے نفوس ولایت کے حصول کے بعد مقام بندگی میں اتر آتے ہیں ان کی ارواح نفس کی مزاحمت کے بغیر خدا کی طرف متوجہ رہتی ہیں جو حقیقت نماز والوں کے لئے خاص ہے۔ ان کا نفس مطمئنہ ہر وقت مقام بندگی میں راسخ ہو چکا ہوتا ہے اور خدا کی طرف سے ان کی روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ سے خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان کو عبادت میں آرام ملتا ہے اور اطاعت میں تسکین ملتی ہے۔ ان کی طبیعت میں عروج کی طرف رغبت کم ہوتی ہے اور باطن میں بلندی کی طرف چڑھنے کا شوق کم ہوتا ہے۔ ان کی پیشانی متابعت شریعت سے روشن ہوتی ہے اور وہ دور سے ہی ہر چیز کو دیکھ لیتے ہیں کیونکہ وہ مقام بندگی میں نور اصل سے منور ہوتے ہیں۔ یہ بزرگ اس مقام کی وجہ سے عظیم شان رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو سماع اور وجد کی کوئی حاجت نہیں ہوتی اور اہل سماع اور اہل وجد ان کی عظمت سے ناواقف ہوتے ہیں اور یہ لوگ خود کو عاشقوں میں شمار کرتے ہیں (حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے)۔

حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے کہ ان مبتدیوں کے لئے جو ارباب قلوب نہیں ہیں سماع اور وجد مضر ہے اور عروج کے منافی ہے۔ (یاد رہے) کہ منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو ایسے لوگ واصل کامل ہوتے ہیں۔ سماع صرف متوسط اور منتہی حضرت کے ایک طبقہ کے لئے فائدہ مند ہے، وہ بھی اگر سماع کی شرائط کے مطابق ہو۔

عشق میں سالک قرب الٰہی کے باعث محبوب کی خصوصیات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے

راقم الحروف نے ایک کتاب بنام "عقل و عشق اور فلسفہ خودی" لکھی ہے جس میں عشق الٰہی اور عشق

رسول ﷺ کی خاطر خواہ تشریح کی گئی ہے اور بالخصوص علامہ اقبالؒ کے کلام کو بطور حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ خواہش مند حضرات اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں (یہ کتاب ہنوز مراحل طباعت میں مزید کچھ وقت لے گی)۔

علامہ اقبالؒ ''فرماتے ہیں کہ خودی ایک نور ہے جو ہمارے جسم خاکی میں ودیعت کیا گیا ہے جو عشق کو اپنانے کے بعد تابناکی شکل حاصل کر لیتا ہے۔ عشق کی وجہ سے خودی میں ایسا سوز و گداز پیدا ہوتا ہے جس سے وہ کائنات کو منور کر سکتی ہے اور مٹھی بھر خاک کو کیمیا بنا سکتی ہے۔ عشق میں عاشق اپنے محبوب (اللہ تعالیٰ) کی عادات کی تقلید کرتا ہے اور اپنے محبوب کی خصوصیات کو اپنے اندر جذب کر کے اس کے قریب تر ہوتا جاتا ہے (یعنی قرب خدا حاصل ہو جاتا ہے)۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کو (اور دیگر اولیائے کرام کو بھی) حضور ﷺ سے والہانہ عشق تھا اور اس کامل عشق کی بدولت ان کو مقامات بلند تک رسائی حاصل ہوئی۔ مسجود ملائک انسان وہ انسان تھا جس کی خودی عشق کی بدولت طاقتور ہو گئی تھی اور پھر وہ خدا کی زمین پر حکومت کرنے کا اہل بنا۔ ''جاوید نامہ'' میں علامہ اقبالؒ نے منصور حلاجؒ اور زندہ رود کے درمیان گفتگو کو قلم بند کیا ہے اور حلاج کے قول میں سراپا ذوق وشوق پائے جانے کو حسب ذیل اشعار میں بیان کیا ہے۔

با مقامے در نمی سازیم و بس ما سراپا ذوقِ پروازیم و بس

(ہم کسی ایک مقام کے ساتھ موافقت نہیں کر سکتے، ہم سراپا ذوق پرواز ہیں اور بس)

ہر زماں دیدن، تپیدن، کار ماست بے پر و بالے پریدن کار ماست

(ج ن:۷۲۲)

(اور ہر لحہ دیکھنا اور تڑپتے رہنا ہمارا کام ہے، بغیر پر و بال کے اڑنا ہماری روش ہے)

علامہ اقبالؒ نے اس بات پر مختلف مقامات پر تاکید کے ساتھ کلام درج کیا ہے کہ اگر دل میں آہ و زاری، ذوق وشوق اور اپنے مقصود کو حاصل کرنے کی پر اضطراب لگن پیدا نہ کی جائے تو مقصود کا حاصل ہونا بہت دور کی بات ہوگی۔ جو لوگ اللہ کے حضور میں خود کو آتش عشق سے پگھلا دیتے ہیں وہی ذات باری تعالیٰ کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عاشق کا عشق اپنے مطلوب (اللہ) کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔

زمن با شاعرے رنگیں بیاں گوے چہ سود از سوز اگر چوں لالہ سوزی

(پ م:۲۱۳)

(شاعر رنگین بیان کو میری طرف سے کہو کہ، اس سوز کا کیا فائدہ اگر تو گل لالہ کی طرح جلا)

نہ خود را می گدازی ز آتش خویش　　نہ شام دردمندے بر فروزی

(پ م:۲۱۳)

(نہ تو اپنی آگ میں خود کو پگھلاتا ہے، اور نہ ہی تو نے کسی دردمند کی شام کو روشن کیا ہے)

کسی دردمند کی شام کو روشن نہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ تم نے محروم ہدایت کو ہدایت کی دولت سے مالا مال نہیں کیا۔ بزرگوں نے ہمیشہ ہدایت کی شمع کو بقدر استطاعت دور دور تک روشن کیا۔

''لِیْ مَعَ اللّٰہِ'' میں استغراق کی طرف لطیف اشارہ ہے

قرآن میں متعدد بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ سورۃ المزمل میں بھی فرمان باری تعالیٰ ہے کہ رات کی خاموشیوں میں اللہ سے لو لگا کر بیٹھا کرو ''وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا'' (اور سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی طرف لو لگا لو)۔(المزمل:۸)۔ایک حدیث شریف میں بھی حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے اللہ کے ساتھ ایسا وقت ملتا ہے کہ جس میں میرے اور اللہ کے درمیان کسی ہستی کا دخل نہیں ہوتا۔

لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَانَبِیٌّ مُرْسَلٌ [1]　　میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت ہوتا ہے جس میں کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی گنجائش نہیں ہوتی۔

کچھ لوگوں نے اس سے ثابت کیا ہے کہ وقت دائمی نہیں ہوتا مگر کچھ مشائخ اس حدیث سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ

لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ مُسْتَمِرٌّ　　(یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ ایسا وقت نصیب رہتا ہے)

اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ وقت تو آپ کا تھا مگر کسی وقت کوئی خاص کیفیت میسر آتی ہے اور اس وقت سے وہ معراج کا نادر وقت مراد ہے ان دونوں صورتوں میں کوئی اشکال (شک وشبہ یا اعتراض) نہیں کہ آپؐ کو یہ وقت نماز میں میسر ہوتا تھا لہٰذا آپ بڑی رغبت سے نماز کی طرف رجوع فرمایا کرتے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کیفیت کا حصول گو ادائے نماز کے وقت ہوتا تھا مگر بیرون نماز بھی کسی وقت اس کیفیت کا حاصل ہونا ہو تو وہ بھی نماز کے نتائج اور ثمرات سے ہوگا اور اس سے آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہو اور حسب ذیل حدیث کا مطلب بھی یہی ہے۔

---

[1] فیض القدیر، جلد۴، صفحہ۶۔

اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ[1] — بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کی کیفیاتِ استغراق

حضرت بایزیدؒ اکثر اوقات یادالٰہی میں غرق رہتے حتیٰ کہ ان کو اپنی بھی خبر نہ رہتی۔ کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصریؒ کے مرید آپ کی زیارت کے لئے آپ کے گھر گئے اور ان کے دروازے پر دستک دی تو حضرت بایزیدؒ نے پوچھا کون ہے؟ کسے چاہتے ہو؟ مرید نے عرض کیا: بایزید کو! آپ نے فرمایا کہ وہ کون ہے کہاں ہے؟ مجھے مدت ہوگئی کہ میں بایزید کو ڈھونڈ رہا ہوں اسے اب تک نہیں تلاش کر پایا۔ جب وہ مرید ذوالنون مصریؒ کے پاس واپس آئے اور بایزیدؒ کا حال سنایا تو آپؒ نے فرمایا:۔

اَخِیْ ذَھَبَ فِی الذَّاھِبِیْنَ فِی اللّٰہِ[2] — بھائی بایزیدؒ جانے والوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں چلا گیا۔

اس کے ساتھ کچھ شعراء نے بھی خود سے لاعلمی کی بابت اپنا کلام پیش کیا ہے ان میں سے مرزا غالب نے فرمایا ہے۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہیں آتی

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں ”جو اپنے سے غائب نہیں وہ حاضر بحق نہیں ہوسکتا اور جو حق میں حاضر ہے وہ غائب اور یقیناً غائب ہے“۔ فرماتے ہیں جنیدؒ سے مروی ہے آپؒ نے فرمایا ہے ایک وقت مجھ پر ایسا ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان والے میری حیرت پر روتے ہیں اور پھر ایسا وقت آتا ہے کہ مجھے ان کی غیبت پر رونا پڑا اور کبھی مجھے نہ ان کی خبر ہوتی ہے اور نہ اپنی۔ حضرت علی الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضور کی طرف عمدہ اشارہ ہے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی اس طرح خود کو نہ پانے کے متعلق فرمایا ہے کہ۔

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبالؔ! اپنے آپ کو — آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہوں میں (ب د:۱۰۷)

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا — گہرا ہے مرے بحرِ خیالات کا پانی (ب د:۶۰)

---

[1] معرفۃ السنن والاثار، ابوبکر احمد بن الحسین متوفی، حدیث نمبر ۸۵۲، جلد ۲، صفحہ ۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

[2] کشف المحجوب، صفحہ ۴۰۵۔

مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبالؔ کو دیکھوں کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانی
اقبالؔ بھی اقبالؔ سے آگاہ نہیں ہے کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے (ب د: ۶۰)
اسی اقبالؔ کی میں جستجو کرتا رہا برسوں بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیر دام آیا (ب ج: ۳۵۰)

حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنی ذات سے غائب ہونا حضور حق کی راہ ہے۔ اگر منزل پر پہنچ جائے یعنی اگر حضور حاصل ہو جائے تو راہ درکار نہیں۔ غیبت کا حاصل حضور ہے اور غیبت بے حضور بیکار ہے۔ فرماتے ہیں کہ غیبت، حضور کے لئے ذریعہ ہے اور حضور کا مقصود حاصل ہونے کے بعد ذریعہ کار کی ضرورت نہیں رہتی (حضور خود بخود ہو جاتا ہے)۔ فرماتے ہیں کہ ”غائب وہ نہیں جو اپنے شہر سے غائب ہو بلکہ غائب وہ ہے جو ہر آرزو سے غائب ہو۔ حاضر وہ نہیں جس کی کوئی آرزو نہ ہو۔ حاضر وہ ہے جس کے دل میں دو رنگی نہ ہو اور اس کی آرزو فقط ذات باری ہو“۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ سماع اور وجد اس جماعت کے لئے نفع مند ہیں جن کے وقت کے ساتھ احوال بدلتے رہتے ہوں۔ جو کبھی تو حاضر ہوتے ہیں اور کبھی غائب ہوتے ہیں۔ یہ وہ جو کبھی اپنے مقصود کو پالیتے ہیں اور کبھی گم کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ ارباب قلوب ہیں جو تجلیات صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل ہوتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ دائمی حال کا نصیب ہونا ان کے لئے محال ہے۔ کبھی حالت قبض میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت بسط میں ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں اور حال سے مغلوب ہیں ان کو کبھی تو عروج نصیب ہوتا ہے کبھی نزول (نیچے اتر آنا) یہ صاحب تلوین ہوتے ہیں جن کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں۔

گہے گریاں گہے خنداں گہے حیراں گہے نالاں بجز ایں شغل یک لحظہ نہ بودے روزگار من
(کبھی بوجھل، کبھی خوش، کبھی حیران اور کبھی نالہ کناں، اس کے بناء ایک لمحہ کے لئے ہمارا زمانہ نہیں گزرتا)

اس کے برعکس کچھ لوگ تجلیات ذاتیہ والے ہیں جو مقام قلب سے مکمل طور پر باہر آچکے ہیں اور مقلب القلوب (اللہ تعالیٰ) سے پیوستہ ہو چکے ہیں۔ احوال کی غلامی سے نکل کر احوال میں تبدیلی پیدا کرنے والے (ربّ) کے ساتھ آزادی حاصل کر چکے ہیں۔ ایسے لوگ سماع اور وجد کے محتاج نہیں کیونکہ ان کا وقت اور حال دائمی ہے بلکہ ان کے لئے کچھ وقت حال ہوتا ہی نہیں اور یہ لوگ ابوالوقت اور اصحاب تمکین ہوتے ہیں

(مقامِ استقرار میں یعنی ایک حالت میں رہتے ہیں) یہ لوگ مغلوب الحال نہیں ہوتے اور یہی وہ واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں (غیر مرجوع منتہی) ان کا مقصود ان سے گم نہیں ہوتا اور جب عدم اور دریافت (یعنی نہ پانا اور پالینا) ان کیلئے متصور نہیں تو سماع اور وجد بھی ان کیلئے نہیں ہیں۔

مردماں درمن و بیہوشی من حیرانند   من درآنکس که ترا بیندو حیراں نشود

(لوگ مجھ پر اور میری بے ہوشی پر حیران ہوتے ہیں لیکن میں وہ ہوں کہ تجھے دیکھتا ہوں تو حیران نہیں ہوتا)

حضرت بایزیدؒ کی کیفیات وجد

حضرت بایزیدؒ باوجود یکہ شریعت کی سختی سے پابندی فرماتے تھے مگر آپ کی زبان مبارک سے کبھی ایسے جملے بھی سننے میں آتے جو بظاہر خلاف شرع تھے لیکن چند وجوہات کی بنا پر مائل بہ طریقت اور ذو معنی مطالب رکھتے تھے۔ آپ کے ایسے کلام پر اکثر بزرگوں نے سکوت فرمایا ہے اور البتہ بعض نے ان پر اعتراضات کئے ہیں۔ اس باب میں ہی ایک مضمون شطحیات بایزیدؒ کے عنوان سے دیا جارہا ہے جس کے مطالعہ سے ساری بات کھل کر سامنے آجائے گی۔ ہماری تصنیف ''حسن نماز'' میں فقہ اسلامیہ کی روشنی میں کشف والہام کے بارے میں مجددؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ اختصار سے وہاں شامل کردیا گیا ہے۔ حالات وجد کے چند نمونے نیچے پیش کئے جارہے ہیں۔

ایک مرتبہ حالت وجد میں آپ نے یہ کہہ دیا کہ ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ'' [1] یعنی میں پاک ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے۔ جب اختتام وجد کے بعد ارادت مندوں نے سوال کیا کہ یہ جملہ آپ نے کیوں کہا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تو علم نہیں کہ میں نے ایسا کوئی جملہ کہا ہے اور آئندہ اگر اس قسم کا جملہ میری زبان سے نکل جائے تو بے شک مجھے قتل کرڈالنا۔ اس کے بعد جب دوبارہ حالت وجد میں آپ نے یہی جملہ پھر کہا جس پر آپ کے مریدین آپ کو قتل کردینے پر آمادہ ہوگئے لیکن پورے مکان میں انہیں ہر سمت بایزید ہی بایزید نظر آئے اور جب انہوں نے تلواریں چلانی شروع کیں تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پانی پر تلواریں چل رہی ہوں اور آپ کے جسم پر اس کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر جب کچھ وقفہ کے بعد وہ صورت رفتہ رفتہ ختم ہوتی چلی گئی تو مریدین نے دیکھا کہ آپ محراب میں کھڑے ہیں اور جب

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۶۱۔

مریدین نے واقعہ بیان کیا تو فرمایا۔ اصل بایزید تو میں ہوں اور جن کو تم نے دیکھا وہ بایزید نہیں تھے لیکن اگر کوئی معترض یہ کہے کہ انسانی جسم اس قدر بڑا کیسے ہوسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرامؒ کو بہت سے مافوق العادت اعمال سے سرفراز کیا ہے اور ایسی باتوں پر اظہار تعجب تو فطری ہے مگر اعتراض درست نہیں۔

حضرت بایزیدؒ کا اللہ تعالیٰ سے کلام

یاد رہے کہ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے دنیا میں کلام نہیں کرتا مگر پردے کے پیچھے سے وحی سے (اور الہام کے ذریعے)۔ الہام کی یہ قسم عام بات ہے جیسا کہ علامہؒ نے فرمایا۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر (ب ج:۳۴۴)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء تو کئی مرتبہ عام بندوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ راقم الحروف کو بہت سے سوالات کے جواب ملے جن کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں۔ ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ سے تھوڑا بہت قرب رکھتا ہے اس کے لئے یہ کام مشکل نہیں۔ حضرت بایزیدؒ کے چند ایسے واقعات بیان کئے جا رہے ہیں جو مستند کتب سے نقل کئے گئے ہیں۔

۱۔ حضرت بایزیدؒ کی کیفیت طواف حضرت بایزیدؒ حج کر رہے تھے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، حجر اسود کا بوسہ لیا۔ پھر مقام ابراہیم پر ٹھہر گئے اور زیر لب کہنے لگے "الٰہی! حجابات میں کب تک آپ مجھ کو محبوس رکھئے گا۔ رفع حجابات کیا آپ کو زیب نہیں دیتا؟" اتنے میں ندا آئی اے بایزید! ہمارے اور ہمارے عزیزوں کے درمیان حجاب نہیں۔ اس پر بایزیدؒ رو پڑے اور زار و قطار روتے ہوئے عرض کرنے لگے، رب العزت آپ ہی کا واسطہ اور صدقہ چاہتے ہوئے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اور اپنے درمیان کے حجابات اٹھا لیجئے۔

۲۔ حضرت بایزیدؒ کی چیخ حضرت شیخ بایزیدؒ کے خادم نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک روز آپ کسی خیال میں مستغرق تھے اور آپ پر حال طاری تھا آپکا خادم پیچھے کہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک شیخ نے ایک چیخ ماری ایسی شدید وہیبت ناک چیخ کہ خادم کا دل دہل گیا اور ایسا لگا کہ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ کچھ دیر کے بعد خادم سنبھلا لیکن کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تین روز کے بعد اس نے کہا! "حضرت اس دن تو کچھ عجیب ہی ماجرا نظر آیا"۔ شیخ کے استفسار پر اس نے مزید کہا! "آپ نے ایسی چیخ ماری تھی کہ میں تو سمجھا کہ آپ

نے اپنے اور پروردگارعالم کے درمیان کے اکثر حجابات چاک کرڈالے''۔ بایزیدؒ نے فرمایا! ''اعلیٰ درجے کی چیخ ہوتی تو تم ہجوم تجلی سے بھسم ہوئے بغیر مجھ کو پہچان بھی نہ سکتے۔ یہ تو بجائے خود ایک حجاب ہے کہ تم نے اس حال میں بھی پہچان لیا۔ عارف کے یہاں ایسا کوئی حجاب نہیں ہوتا''۔

۳۔ رُوٴیت کا پہلا درجہ   غیر اللہ کی طرف سے کلیتاً عدم التفات یعنی غیر اللہ سے منہ موڑ لینا ہے۔ ایک حکایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ جامع مسجد میں منبر کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ خطیب کی زبان سے ''مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ'' (انہوں نے اللہ کی قدر کو کما حقہٗ نہیں جانا) (الانعام: ۹۲) سنائی دیا۔ سنتے ہی بایزیدؒ پر ہیبت الٰہی کا غلبہ ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ ایک اور حکایت ہے کہ ایک آدمی بایزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا بایزیدؒ! عبادت میں مداومت و مواظبت کیسے پیدا ہو؟ آپ نے جواب دیا، یہ چیزیں تو محض معرفت سے ممکن ہوتی ہیں اگر تم حاصل کر سکو، کیونکہ عارف کا ادنی مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ماسوا اس کا کہیں بھی کوئی نہیں اور اس کے سوا کسی اور میں مشغولیت نہ ہو، نہ کسی اور کی طرف التفات ہو اور نہ کوئی طلب و توقع ہی ماسوا سے ہو (یعنی یہ تو پوچھنے والی بات ہی نہیں کیونکہ انسان کا اس کے بغیر چارہ ہی نہیں کہ وہ سوائے اللہ کی عبادت کے اور کسی طرف دھیان کرے)۔ ایسے ہی مقام سے آشنائی کے بعد تمام چیزیں اس کی اپنی ہو جاتی ہیں اور اسی سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ جب وہ تمام چیزوں سے منہ موڑ لیتا ہے تو چیزیں خود اس کے قدموں پر آ گرتی ہیں حالانکہ پہلے سے ان کا اس سے کوئی واسطہ بھی نہیں ہوتا۔

حضرت بایزیدؒ خود کو عام انسان تصور کرتے

ابتدائی مراحل میں حضرت بایزیدؒ کو اپنے روحانی معاملات کے بارے میں کافی تشویش رہتی تھی اور آپ روحانیت کی دنیا میں اپنا مقام معلوم کرنا چاہتے تھے مگر پھر یہ ارادہ ترک کر دیا (اس کا ذکر اس کتاب میں کسی اور جگہ بھی کیا گیا ہے) اسی اثنا میں آپ پر ایک ایسا وقت آیا کہ آپؒ اپنے آپ کو ایک عام شخص سے زیادہ نہ سمجھتے تھے نیچے دی گئی ایک روایت میں ایک واقعہ کا ذکر آیا ہے کہ ایک بڑھیا نے آپ کی اصلاح فرمائی اور آپ اس بڑھیا کو اپنا استاد سمجھتے تھے۔ آپؒ صاحب کرامت بزرگ تھے اور قحط کے زمانے میں آپ نے ایسا لنگر جاری کیا جس میں سے ہر کسی کو جو اس نے مانگا وہی ملتا تھا مگر حضرت معروف کرخیؒ نے وہ لنگر بھی ختم کروا

دیا اور آپ عام انسانوں کی سی زندگی بسر کرنے لگے۔

کسی شخص نے حضرت بایزیدؒ سے کہا حضرت ہم کو معلوم ہوا ہے آپ مستجاب الدعوات ہیں، آپؒ کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ آپؒ نے فرمایا، بیچارے غفلت شعار لوگ اسی میں مگن ہیں اور پھولے نہیں سماتے کہ ان کی دعائیں مقبول ہو جاتی ہیں اور زمین کی لپٹی ہوئی بساط ان کی مٹھی میں ہے۔ آپؒ نے فرمایا اے بندہ خدا! اللہ عزوجل تو کافر تک کی دعا قبول فرما لیتے ہیں، مسلمان کے کیا کہنے۔

ایک دوسرے شخص نے پوچھا حضرت! کیا یہ صحیح ہے کہ آپؒ ہوا اور پانی پر سے بآسانی گزر جاتے ہیں تو آپؒ نے فرمایا اے سادہ لوح انسان! چڑیا بھی تو پانی اور ہوا سے بے تکلف گزرتی ہے۔ مومن تو بہرحال چڑیوں سے افضل اور ساتوں زمینوں اور آسمانوں اور عرش و کرسی سے باری تعالیٰ کے نزدیک اشرف ہے۔ اہل معرفت، رب العزت کے جلال و عظمت کے سامنے، اپنے احوال کو بے حیثیت سمجھتے ہیں۔

ایک اور حکایت ہے کہ احمد بن حرب نے بایزیدؒ کی خدمت میں نماز پڑھنے کے لئے ایک جائے نماز بھیجی۔ حضرت بایزیدؒ نے اسے واپس کر دیا اور قاصد سے یہ کہا کہ احمد سے کہہ دینا کہ یہ تم ہی جیسوں کے لئے ٹھیک رہے گا۔ میں نے تمام زمینوں و آسمانوں کے اولین و آخرین کی عبادت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے اور ایک تکیے میں لپیٹ کر اپنے سر کے نیچے کچھ اس طرح رکھ لیا ہے کہ تمہیں اس کا پتہ بھی نہیں۔ پھر احمد نے دوبارہ اپنا قاصد بھیجا اور یہ کہلایا کہ قافلہ کوچ کر چکا ہے اور آپ نیند و آرام میں محو ہیں۔ اس پر بایزیدؒ نے فرمایا وہ لوگ جو تمام رات سوتے ہیں صبح ہوتے ہی قافلے سے پہلے ہی منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد احمد نے اپنے فرستادہ کے ہاتھ ایک تکیہ بھیجا اور کہا کہ شیخ سے کہنا کہ سوتے وقت اس کو اپنے سر کے نیچے رکھیں۔ شیخ نے وہ تکیہ واپس کر دیا اور فرستادے سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ جو شخص اپنے ہی تکئے کے خول میں ہو وہ آپ کا تکیہ کیا رکھے۔ بعد ازاں حضرت بایزیدؒ نے فرمایا بیچارے اہل فضل کثرت اعمال پر نازاں رہتے ہیں اور انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ اہل معرفت اگر ہوتے تو ازل سے ابد تک تمام ساکنان زمین و آسمان کی عبادت کرنے کے بعد بھی اپنے اعمال کو کوئی حیثیت نہ دیتے اور ان کو رب العزت کی عظمت و جلال کے پیش نظر ارض و سما کے درمیان کے کسی ایک معمولی ذرے سے بھی کم تر سمجھتے۔

آپ کی کرامت، اتباعِ سنت تھی

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص آپؒ کی زیارت کو آیا اور جب واپس جانے لگا تو کہنے لگا کہ میں نے آپؒ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ تم نے اپنے قیام کے دوران میرا کوئی عمل خلاف سنت دیکھا ہے تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ پھر آپؒ نے فرمایا ''اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت چاہتے ہو''۔

صاحب کرامات کو خودنمائی روا نہیں

لوگوں نے جب حضرت جنیدؒ سے یہ سوال کیا کہ آپؒ کا مرشد کون ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ ایک بوڑھی عورت اس لئے کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں تھا کہ ایک بڑھیا سر پر آٹا رکھے ہوئے ملی اور مجھ سے کہنے لگی کہ یہ آٹا میرے مکان تک پہنچا دو۔ اسی دوران مجھے ایک شیر نظر آ گیا اور میں نے آٹا اس کی کمر پر رکھ کر بڑھیا سے کہا کہ جاؤ یہ تمہارے گھر پہنچا دے گا لیکن تم یہ بتاتی جاؤ کہ شہر میں جا کر لوگوں سے کیا کہو گی۔ بڑھیا نے کہا کہ میں یہ کہوں گی کہ آج جنگل میں میری ملاقات ایک خودنما ظالم سے ہوگئی۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے کہا کہ مجھے خودنما ظالم کا خطاب کیوں دیا؟ بڑھیا نے کہا کہ شریعت نے شیر کو مکلّف نہیں بنایا اور تم ایک غیر مکلّف کی پشت پر اپنا بوجھ لاد رہے ہو، یہ ظلم نہیں تو پھر کیا ہے؟ کہنے لگی کہ دوسرا عیب تمہارے اندر یہ ہے کہ تم خود کو لوگوں پر صاحبِ کرامت ظاہر کرنا چاہتے ہو اور اسی کا نام خودنمائی ہے چنانچہ میں نے بڑھیا کی بات سے ایسی نصیحت حاصل کی کہ ہمیشہ کے لئے ایسی چیزوں کے اظہار سے توبہ کر لی۔ بس اس وجہ سے میں اس بڑھیا کو اپنا مرشد تسلیم کرتا ہوں اور اب میری یہ حالت ہے کہ ہر کرامت پر میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کا طالب ہوتا ہوں اور اس تصدیق کے لئے اس دن سے ایک نور ظاہر ہوتا ہے جس پر سبز حروف میں یہ کلمات تحریر ہوتے ہیں ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ''، نوح نجی الله، ابراهیم خلیل الله، موسی کلیم الله، عیسی روح الله علیهم الصلوٰة و السلام جس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ پانچ شہادتیں میری کرامت کی شاہد ہیں۔ [1]

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۷۔

اللہ کی طرف توجہ (مراقبہ) کرنے سے اللہ سے ہمکلامی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے

اللہ کی طرف راغب ہونے پر مختلف بزرگوں کو مختلف اختیار دیئے گئے ہیں۔ حضرت علیؓ پر اذان کے سننے سے عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور آپؓ لرز اٹھتے تھے اور فرماتے کہ اس امانت کے اٹھانے کا وقت آ گیا ہے جس کو اٹھانے سے زمین اور آسمان نے انکار کر دیا تھا۔ کچھ لوگ اسی طرح قوالی اور سماع میں ایسی کیفیت کو پا لیتے تھے اور کچھ لوگ قرآن کی تلاوت میں ایسی حلاوت پا لیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو عام بزرگوں سے منقول ہے کہ اللہ کا ذکر اور مراقبہ ہی ایسی عبادات ہیں کہ جس سے بندہ کو رجوع الی اللہ کا کمال حاصل ہوتا ہے ان عبادات کے دوران اللہ سے ہمکلامی کی کیفیت پیدا ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کے ساتھ کچھ دیر بیٹھنے سے کیفیت کا رنگ رونما ہونے لگتا ہے یا کبھی کسی کتاب کے پڑھنے سے حالت قلب بہتر ہو جاتی ہے جس سے تمام کی تمام نمازیں اچھی حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نماز سے پہلے ایک آدھ منٹ ذکر یا مراقبہ کر لینے سے ہی کیفیت بن جاتی ہے۔ جس کو جو بھی میسر ہو وہ اپنے حال کے مطابق سامان کیف مہیا کر سکتا ہے۔ بعض لوگ اذان کی آواز کو اللہ کا بلاوا سمجھ کر اپنے اوپر حال کا غلبہ محسوس کرتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت سے ایسا اثر پانا تو قرآن کی آیات سے بھی ظاہر ہے جیسے فرمایا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (الانفال:۲)	صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل۔
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ (الرعد:۲۸)	جو لوگ ایمان لائے اور جن کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔
ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (الزمر:۲۳)	پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور دل یاد خدا کی رغبت میں۔

کیفیاتِ قبض و بسط کے متعلق حضرت بایزیدؒ کی وضاحت

قبض و بسط اور جذب کی کیفیات کا طریقت میں بہت ذکر آیا ہے۔ قبض اور بسط کی کیفیات کا

جاننا اہل طریقت کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔قبض اور بسط کی حالتیں بندے کے اختیار سے باہر ہیں چنانچہ دونوں نہ تو بندے کی مشقت کے ساتھ آسکتی ہیں نہ بندہ کی کوشش وسعی سے جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ" (اور اللہ تعالیٰ کھولتا ہے اور بند کرتا ہے)(البقرہ:۲۴۵)۔"کشف المحجوب"میں ہے کہ دلوں کا حجاب کی حالت میں بند ہو جانا قبض کہلاتا ہے اور دلوں کا کشف کی حالت میں ہو جانا بسط کہلاتا ہے۔قبض میں مرید کے لئے خوف کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور بسط میں امید کی کیفیت پائی جاتی ہے۔بعض مشائخ قبض کو بسط سے اونچا مرتبہ تصور کرتے ہیں۔اس کی دو وجوہات ہیں۔ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن کی سورۃ البقرہ کی آیت:۲۴۵ میں قبض کا نام پہلے آیا ہے اور بسط کا بعد میں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قبض میں مرید کی جان پگھلتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تنبیہ بندے کو ہوتی ہے جبکہ بسط میں مرید پر نوازشات اور مہربانیاں ہوتی ہیں۔نعمت اور پرورش کی نوازش بہت بڑا حجاب ہے اس سے بندہ میں مستی پائی جاتی ہے۔

جو لوگ بسط کو قبض سے افضل جانتے ہیں۔وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں یہ چیز عام طور پر پائی جاتی ہے کہ افضل چیز کا ذکر بعد میں ہوتا ہے۔جیسے فرمایا:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ (فاطر:۳۲)	پس لوگوں میں بعض اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے اور بعض دونوں حالتوں میں برابر چلتے ہیں اور بعض نیکی میں بہت آگے چلنے والے ہیں اللہ کی توفیق سے۔

اسی طرح سورۃ البقرہ آیت ۲۲۲ میں توبہ کرنے والوں کا نام پہلے لیا گیا ہے اور "متطھرین" (پاکیزہ لوگوں) کا نام بعد میں لیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ بسط میں خوشی وسرور ہے اور قبض کے اندر ہلاکت ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے ساتھ سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی جدائی کو اپنی ہلاکت سمجھتے ہیں چنانچہ بسط میں مرید کو قرار ملتا ہے اور جدائی میں ہلاکت کے اسباب ملتے ہیں چنانچہ اول الذکر (یعنی بسط) موخر الذکر سے بہتر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ

قَبْضُ الْقُلُوْبِ فِيْ بَسْطِ النُّفُوْسِ وَبَسْطُ الْقُلُوْبِ فِيْ قَبْضِ النُّفُوْسِ [1]	یعنی دلوں کے قبض کی حالت میں نفسوں کو بسط حاصل ہوتا ہے اور نفسوں کے قبض کی حالت میں دلوں کو بسط حاصل ہوتا ہے۔

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۷۴۶۔

پس قبض میں گیا ہوا نفس خلل سے محفوظ رہتا ہے یعنی وہ نفس جس پر قبض کی حالت طاری ہوتی ہے وہ خلل وخرافات سے محفوظ رہتا ہے اور کھلا ہوا باطن پھسلنے سے محفوظ رہتا ہے، یہ اس لئے کہ دوستی کے اندر غیریت مذمت کی چیز ہے اور قبض اللہ تعالیٰ سے غیریت کی علامت ہے یعنی بندہ اس وقت حجاب میں اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے دوست کا دوست کی اتباع کرنا شرط ہے اور بسط کے اندر اتباع کرنے کی علامت پائی جاتی ہے۔

روایات میں مشہور ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام جب تک دنیا میں زندہ رہے کبھی بھی نہ ہنسے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تک زندہ رہے کبھی بھی نہ روئے اس لئے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قبض کی حالت میں تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بسط کی حالت میں تھے۔ جب دونوں نبی ایک دوسرے سے ملے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسی علیہ السلام سے کہا کہ آپؑ اس بات سے بے خوف ہو چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؑ کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے کہا کہ اے یحییٰ علیہ السلام! آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں۔ پس نہ آپ کا رونا آپ کا ازلی حکم تبدیل کر سکتا ہے اور نہ میری امید وخوشی مقدر شدہ کو واپس لوٹا سکتی ہے۔ مشائخ کا قول ہے۔

وَلَاقَبْضَ وَلَابَسْطَ وَلَاطَمْسَ وَلَا	بس نہ قبض ہے نہ بسط ہے نہ دوری ہے، نہ انس ہے، نہ
اُنْسَ وَلَامَحْوَ وَلَاصَحْوَ وَلَامَحْقَ	مدہوشی ہے، نہ ہوش ہے، نہ مٹانا ہے، نہ لاچاری ہے
وَلَا عَجْزَ وَلَاجُهْدَ اِلَامِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی[1]	اور نہ عجز، نہ کوشش ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

یعنی جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اس کے علاوہ بالکل کچھ نہیں ہوتا۔

مناجاتِ بایزیدؒ

حضرت بایزیدؒ کی خلوتوں میں اللہ تعالیٰ سے گفت وشنید اور مناجات کی کیفیت رہتی تھی۔ آپؒ کی گفتگو کیا ہوتی تھی اس بات کا بہت کم لوگوں کو علم تھا۔ گفتگو کا وہ حصہ جو لوگوں کی علم وسماعت سے متعلق نہ تھا وہ آپؒ کسی کو نہیں بتایا کرتے تھے۔ روایات میں سے ہے کہ ایک شخص نے آپؒ کو دیکھا کہ آپؒ ایڑیوں کے بل کھڑے رہے اور تمام رات اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے رہے۔ جب آپؒ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میری فرمائش پر آپؒ نے کچھ باتیں بیان کیں اس روایت کو دوسری جگہ بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

حضرت بایزیدؒ اپنی مناجات میں یہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ میرے اور اپنے درمیان سے دوئی کا

[1] کشف المحجوب صفحہ ۲۴۷۔

حجاب ختم کر دے تاکہ میں تیری ذات میں فنا ہو جاؤں۔ اے اللہ جب تک میں خودی میں مبتلا رہا سب سے ادنیٰ رہا لیکن جب تیری معیت نصیب ہوئی اس وقت میں سب سے اعلیٰ اور برتر ہو گیا۔ اے اللہ فقر و فاقہ سے تیرا قرب حاصل ہوا اور تیرے الطاف کریمانہ نے میرے فقر و فاقہ کو نیست و نابود کر دیا۔ اے اللہ! میں علم و زہد نہیں چاہتا بلکہ اپنے رموز مجھ پر آشکار افرما دے۔ اے اللہ! تیرے ہی فضل نے مجھے تجھ سے روشناس کیا اور اس لئے میں تجھ پر ناز کرتا ہوں۔ اے اللہ! قلب کے لئے بہترین شے تیرا الہام اور سلوک کی راہوں میں سب سے افضل تیرا نور ہے اور سب سے عمدہ ہے وہ حالت جس کا انکشاف مخلوق کے لئے دشوار ہے اور بہترین ہے وہ زبان جو تیرا کما حقہ وصف بیان کرنے سے قاصر رہے کیونکہ اگر انسان تیرے اوصاف بیان کرنا چاہے تو پوری زندگی میں تیرے اوصاف کا معمولی حصہ بھی بیان نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! یہ بات تعجب خیز نہیں کہ میں تجھ کو اپنا دوست تصور کرتا ہوں بلکہ حیرت انگیز ہے یہ بات کہ تو مجھ کو اپنا دوست سمجھتا ہے، کیونکہ تو مختار کل اور صاحب قوت ہے اور میں ایک کمزور محتاج بندہ ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے خوفزدہ رہتا ہوں لیکن تو نے اپنے کرم سے میرا خوف دور کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہمہ اوقات مسرور و شادمان رہتا ہوں اور تو نے مجھے اپنی بارگاہ میں بازیاب فرمایا جس کا میں کسی طرح بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! میں اپنی عبادت و ریاضت پر نازاں نہیں ہوں بلکہ یہ بات قابل فخر ہے کہ تو نے اپنے احکامات کی بجا آوری کے لئے مجھے قوت و طاقت عطا کر کے خلعت بزرگی سے سرفراز فرمایا۔ اے اللہ! میرا شمار تو ان آتش پرستوں میں کر لے جو ستر سال آتش پرستی میں مبتلا رہے اور آخری عمر میں صحرائے گمراہی سے نکل کر وادی ہدایت میں پہنچے اور اسلام میں داخل ہو کر ان میں تیرا نام لینے کا ذوق پیدا ہو گیا۔ اے اللہ! نہ تجھے کسی سبب کی حاجت ہے اور نہ قبولیت کے لئے کسی عبادت کی اور نہ تیرے یہاں کی یہ رسم ہے کہ کثرت گناہ کی بنا پر گناہ گاروں کو کسی طرح معاف ہی نہ کرے، بلکہ تجھے کل اختیار ہے کہ جس کو چاہے معاف کر کے اپنے قرب سے نواز دے۔ اے اللہ! گو میں نے اپنے نزدیک بہت ہی نیک کام انجام دیئے لیکن وہ تیری بارگاہ میں قبولیت کے ہرگز قابل نہیں تھے۔ لہٰذا ان کو نظر انداز فرما کر صرف اپنے رحم و کرم سے میری مغفرت فرما دے۔ [1] مؤلف کی رائے ہے کہ عبادت ذریعہ نجات ہے نہ کہ نجات، اگر نجات ہے تو اس کے کرم پر ہے جیسے ارشاد ربانی ہے "**وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمُ**"، آپؒ مناجات میں بہت راز و نیاز کی گفتگو فرماتے اور کبھی اللہ تعالیٰ سے کہتے کہ الٰہی تو نے مخلوقات

---

[1] تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۱۔

کو بغیر ان کی واقفیت اور اطلاع کے پیدا کیا اور بغیر ان کے ارادے کے ایک امانت کا بوجھ ان کے گلے میں ڈال دیا، پھر اگر تو ہی ان کی مدد نہ فرمائے گا تو اور کون ان کی مدد کرے گا۔ مولانا جامیؒ نے لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے مرد پیر تو میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جب کوئی درویش کسی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ تو کیا لایا ہے بلکہ اس سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ بتا تو کیا چاہتا ہے؟

حضرت بایزیدؒ کی عبادت کے رنگ

''کشف المحجوب'' میں ہے کہ حضرت بایزیدؒ صاحب مشاہدہ تھے اور ہمہ وقت مشاہدہ میں غرق رہتے اور غلبۂ عشق الٰہی میں مدہوش اور مغلوب رہتے تھے مگر جب نماز کا وقت ہوتا تو ہوش میں آجاتے اور نماز کے بعد پھر مدہوش ہو جاتے تھے۔

اس کتاب میں اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ ایک شخص نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ جب حضرت بایزیدؒ کو امامت کے لئے کھڑا کیا گیا تو جس وقت آپؒ نے تکبیر تحریمہ ادا کی تو عین تکبیر کہتے ہی خشیت الٰہی سے آپؒ کے کندھوں کی ہڈیوں اور گوشت میں کڑکڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ راوی کہتا ہے کہ اسی بات کو دیکھ کر وہ ہول زدہ ہو گیا۔ آپؒ نماز میں اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ جو بڑے سے بڑے بزرگ میں ہی پائی جاتی ہے مگر پھر بھی یہی سمجھتے کہ نماز کے ادا کرنے کا جو حق ہے وہ ادا نہ ہو سکا۔ آپؒ خود اس حقیقت سے درج ذیل الفاظ میں پردہ اٹھاتے ہیں۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ ساری عمر میری یہی تمنا رہی کہ ایک نماز تو ایسی ادا کروں کہ جو خداوند تعالیٰ کے شایانِ شان ہو لیکن افسوس کہ میں ایسا نہ کر سکا۔ ایک رات نماز عشاء کے بعد سے لے کر فجر تک چار چار رکعتیں کئی بار ادا کیں اور ہر بار جب میں فارغ ہوتا تو دل یہی چاہتا کہ نماز اس سے بہتر ہونی چاہیے تھی یہاں تک کہ صبح ہونے کے قریب ہو گئی تو مجبوراً جلدی جلدی وتر پڑھے اور بارگاہ الٰہی میں التجا کی ''بار الٰہا! میں نے اپنے طور پر مقدور بھر کوشش کی ہے کہ تری شان کے مطابق نماز ادا کروں لیکن افسوس ایسی نماز ادا نہ کر سکا۔ یہ نماز بایزیدؒ کی اپنی حیثیت کے مطابق ہے تو قبول فرمالے۔ اے پالنے والے! تیرے بے نمازی بھی تو بہت ہیں اور بایزید کو بھی ان میں ایک سمجھ لے۔''

حضرت بایزیدؒ ہر وقت مراقبہ میں رہتے تھے

حضرت عیسیٰ بسطامیؒ جو حضرت بایزیدؒ کے خاص حواری تھے فرماتے ہیں کہ میں تیرہ سال آپؒ کی خدمت میں رہا مگر شیخ سے کوئی بات نہ سنی۔ آپؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ زانو پر سر رکھا ہوتا اور کبھی کبھی سر اٹھا لیتے تھے اور ایک ٹھنڈی آہ بھرنے کے بعد پھر پہلی حالت پر لوٹ جاتے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ درویش کو چاہئے کہ وہ ہوشیاری سے مراقبہ میں جائے اور سر جھکا کر بیٹھے اور کسی طرف نہ دیکھے۔ جب درویش راستہ میں چلے تو اس کی چال میں رعونت اور خودنمائی نہ پائی جائے اگرچہ سامنے ملنے والا کافر ہی کیوں نہ ہو۔ جب جماعت کے ساتھ چلے تو آگے چلنے کی کوشش نہ کرے کیوں کہ اس میں تکبر پایا جاتا ہے۔ راستہ میں کسی کو ملنے کے لئے نہ رکے تاکہ اس کے ساتھیوں کو انتظار کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ درویش قدموں میں ثابت قدمی کا اظہار کرے اور چال میں ایسی صفت ہو کہ اگر کوئی پوچھے کہاں جا رہے ہو تو کہہ سکے ''اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ'' (میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں اور وہ مجھے ہدایت عطا فرمائے گا) (الصفت: ۹۹)۔ اگر چال ایسی نہ ہو تو درویش کے لئے وبال ہوگا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے روایت ہے آپؒ نے فرمایا کہ درویش کا بغیر مراقبہ کے چلنا نشان غفلت ہے یعنی چلتے وقت بھی قدموں کے ساتھ ''اللہ ھو'' کہے۔ ایک قدم اٹھائے تو ''اللہ'' اور دوسرے کو اٹھائے تو ''ھُو'' کہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ دو قدم میں ہی حاصل ہوتا ہے کیونکہ ایک قدم اپنے حصہ کی تلاش کے لئے رکھا جاتا ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رکھتا ہے۔ اس ایک قدم کو اٹھاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ رکھتا ہے اور طالب کی چال قطع سفر کی ہے (جیسے سفر طے کر رہا ہو)۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کی منزلیں مسافت کے ساتھ طے نہیں ہو سکتیں کیونکہ اس کے قرب کے حاصل کرنے کیلئے کوئی مسافت ہی نہیں تو طالب حق تعالیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ کے سکون کے محل میں اپنے پاؤں کو کاٹ کر بیٹھ جانے کے علاوہ اور کیا چارہ ہو سکتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے مجاہدات

آپؒ ایک مسجد میں چالیس برس مقیم رہے لیکن اس قدر محتاط تھے کہ مسجد اور مسجد سے باہر کا لباس جدا جدا ہوتا تھا اور اس عرصہ میں سوائے مسجد کی دیوار کے آپؒ نے کسی چیز سے ٹیک نہیں لگائی۔ آپؒ فرمایا

کرتے تھے کہ میں نے بیس برس تک عام انسانوں کی غذا چکھی تک نہیں کیونکہ میرا رزق کہیں اور سے آتا تھا اور اس دوران میں اپنے قلب کی نگرانی میں مصروف رہا۔ پھر تیس سال خدا کی جستجو میں گزارے۔ اس کے بعد خدا کو مطلوب اور خود کو طالب پایا۔ اب تیس سال سے یہ کیفیت ہے کہ جب خدا کا نام لینا چاہتا ہوں تو پہلے اپنی زبان کو تین مرتبہ دھو لیتا ہوں۔

جب لوگوں نے آپؒ کے مجاہدات کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں اعلیٰ مجاہدات کا ذکر کروں تو تمہارے فہم سے بالاتر ہے لیکن میرا معمولی مجاہدہ یہ ہے کہ ایک دن میں نے اپنے نفس کو عبادت کے لئے آمادہ کرنا چاہا تو وہ منحرف ہو گیا، لیکن میں نے بھی اسے سزا کے طور پر پورے ایک سال تک پانی سے محروم رکھا اور کہا تم عبادت کے لئے تیار ہو جاؤ ورنہ تجھے اس طرح پیاس سے تڑپاتا رہوں گا۔

منقول ہے کہ آپؒ ریاضت میں اس درجہ مستغرق رہتے تھے کہ ایک ارادت مند جو تیس سال سے آپؒ کا خادم بنا ہوا تھا وہ جب بھی سامنے آتا تو آپؒ پوچھتے کہ تیرا کیا نام ہے؟ ایک مرتبہ اس نے عرض کی کہ آپؒ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں کہ جب بھی سامنے آتا ہوں تو آپؒ نام پوچھتے ہیں۔ فرمایا میں مذاق نہیں کرتا بلکہ میرے قلب و روح میں اس طرح اللہ تعالیٰ کا نام جاری و ساری ہے کہ اس کے نام کے سوا مجھے کسی کا نام یاد نہیں رہتا۔

مزاج اور عبادت میں تحمل کی مثالیں

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں سردیوں کی رات میں گدڑی اوڑھے ہوئے ایک جنگل میں سویا ہوا تھا کہ مجھے غسل کی حاجت پیش آ گئی لیکن شدت سردی کی وجہ سے میرے نفس میں کاہلی پیدا ہو گئی مگر میں نے بھی گدڑی اوڑھے ہوئے یخ بستہ پانی سے غسل کر کے صبح تک وہی بھیگی ہوئی گدڑی اس نیت سے اوڑھے رکھی کہ کاہلی کے جرم میں نفس کو اور بھی زیادہ سردی کا سامنا کرنا پڑے اور اس دن سے یہ معمول بنا لیا کہ دن میں ستر مرتبہ غسل کرتا ہوں اور ہر مرتبہ بے ہوش ہو جاتا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ قبرستان سے تشریف لا رہے تھے کہ ایک بسطامی نوجوان بربط (سارنگی) بجا رہا تھا تو آپؒ نے اسے دیکھ کر لاحول پڑھا اور اس نوجوان نے بربط کو اس زور سے آپؒ کے سر پر دے مارا کہ سر پھٹ گیا اور بربط ٹوٹ گیا۔ آپؒ نے گھر آ کر اس نوجوان کو بربط کی قیمت اور کچھ حلوہ وغیرہ بھیجتے

ہوئے پیغام دیا کہ اس رقم سے دوسرا بربط خرید لو اور حلوہ وغیرہ خوب کھاؤ تا کہ شکستہ بربط کا غم دور ہو جائے اس کے بعد اس نوجوان نے حاضر ہو کر معذرت طلب کی اور ہمیشہ کے لئے وہ اور اس کا ساتھی دونوں تائب ہو گئے۔[1]

حضرت بایزیدؒ کی روحانی کیفیات

ایک روایت میں ہے کہ حضرت احمد خضرویہؒ اپنے ہزار ہا مریدین کے ہمراہ آپؒ سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے تو ان کے مریدین میں سے ایک مرید بہت ہی صاحب فضل و کمال تھا۔ اس کی یہ کیفیت تھی کہ ہوا میں اڑتا اور پانی پر چلتا تھا، چنانچہ یہ جماعت حضرت بایزیدؒ کے در دولت پر پہنچی تو حضرت احمد خصرویہؒ نے مریدین کو یہ حکم دیا کہ جس میں حضرت بایزیدؒ کے دیدار کی طاقت ہو بس وہی میرے ہمراہ آئے اور باقی لوگ ٹھہر جائیں۔ لیکن سب ہی نے آپؒ کے اشتیاق دید کا اظہار کیا اور جب حضرت بایزیدؒ کے گھر پہنچے تو جوتے اتارنے کی جگہ پر ہر شخص نے اپنا اپنا عصا رکھ دیا اور جب سب آپؒ کے سامنے پہنچے تو آپؒ نے سوال کیا کہ تمہارا وہ مرید کہاں ہے جو سب میں افضل ترین ہے۔ وہ باہر کیوں کھڑا رہ گیا ہے۔ اس کو بھی اندر بلا لو۔ چنانچہ جب اس کو بھی اندر بلا لیا گیا تو آپؒ نے حضرت احمد خضرویہؒ سے پوچھا کہ آپؒ کب تک دنیا کی سیر و سیاحت میں مشغول رہیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ پانی کے ایک جگہ ٹھہر جانے سے بدبو پیدا ہو کر رنگ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ پھر دریا کیوں نہیں بن جاتے جس میں نہ کبھی بدبو پیدا ہو اور نہ کبھی رنگ تبدیل ہو۔ اس کے بعد پھر معرفت کے متعلق کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس پر حضرت احمدؒ نے عرض کیا کہ آپؒ کی باتیں میری فہم سے بالاتر ہیں انہیں ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں تا کہ میں سمجھ سکوں۔

چنانچہ آپؒ نے اس انداز سے گفتگو فرمائی کہ ان کی سمجھ میں اچھی طرح آ گئیں اور جب آپؒ خاموش ہو گئے تو حضرت احمدؒ نے سوال کیا کہ میں نے آپؒ کے مکان کے سامنے شیطان کو پھانسی پر لٹکے دیکھا ہے وہ کیا چیز ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ کبھی بسطام میں داخل نہ ہو گا لیکن وہ وعدہ خلافی کرتے ہوئے ایک شخص کو فریب دینے کے لئے بسطام میں آ گیا اور اسی کی سزا میں میں نے اس کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ کسی نے سوال کیا کہ آپ کے پاس عورتوں کا اجتماع کیوں رہتا ہے اور اس میں کیا راز ہے فرمایا کہ یہ ملائکہ ہیں جن کو میں علمی مسائل سمجھاتا رہتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ایک شب فلک اول کے ملائکہ جمع ہو کر

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۲۔

میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے ہمراہ عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میری زبان میں وہ طاقت نہیں جس سے میں ذکر الٰہی کرسکوں لیکن اس کے باوجود رفتہ رفتہ ساتوں آسمان کے ملائکہ میرے پاس جمع ہوگئے اور سب نے وہی خواہش ظاہر کی جو فلک اول کے فرشتوں نے کی تھی اور میں نے سب کو پہلے ہی جیسا جواب دیا اور جب پوچھا کہ ذکر الٰہی کی طاقت آپ میں کب تک پیدا ہوگی تو میں نے کہا کہ قیامت میں جب سزا و جزا ختم ہو جائیں گے اور میں طواف عرش کرتا ہوا اللہ اللہ کہہ رہا ہوں گا۔

حضرت بایزیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شب اچانک میرا مکان منور ہوگیا۔ میں نے آواز دے کر کہا کہ اگر یہ ابلیس کی حرکت ہے تو میں اپنی بزرگ اور بلند ہستی کی وجہ سے اس کے فریب میں نہیں آسکتا اور اگر مقربین کی جانب سے یہ نور ہے تو مجھے خدمت کا موقع عطا کیا جائے تا کہ میں بھی مرتبہ کرامت حاصل کرسکوں۔ ایک شب آپ کو عبادت میں لذت محسوس نہ ہوئی تو خادم سے فرمایا دیکھو گھر میں کیا چیز موجود ہے چنانچہ انگور کا ایک خوشہ نکلا تو آپؒ نے فرمایا کہ یہ کسی کو دے دو۔ اس کے بعد آپؒ کے اوپر انوار کی بارش ہونے لگی اور ذکر و شغل میں لذت محسوس ہونے لگی۔[1]

صحیح اتباع

جب لوگ آپؒ سے دعا کے لئے عرض کرتے تو آپ خدا سے کہتے کہ تیری مخلوق مجھے واسطہ بنا کر تجھ سے مانگ رہی ہے اور تو ان کی طلب سے بخوبی واقف ہے۔ اس طرح کہنے سے لوگوں کی مرادیں بر آتیں۔ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ ایک ارادت مند آپ کے نقش پا پر قدم رکھ کر چلتے ہوئے کہنے لگا کہ مرشد کے نقش قدم پر چلنا اس کو کہتے ہیں۔ پھر اسی مرید نے استدعا کی کہ مجھے اپنی پوستین کا ایک ٹکڑا عنایت فرمادیں تا کہ مجھے بھی برکت حاصل ہو سکے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اس وقت تک میری کھال بھی سودمند نہیں جب تک مجھ جیسا عمل نہ ہو۔

ماں باپ کی خدمت

تمام عبادتوں کی اصل ماں باپ کی خدمت ہے جس سے صرف نظر کی وجہ سے اکثر لوگ جنت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اطراف عالم میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کے ماں باپ ان پر ناراض ہیں۔ فرمایا

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۵۔

جس کام کو میں سب کاموں سے موخر جانتا تھا۔ دراصل وہ مقدم کام تھا یعنی والدہ کی رضا مندی۔ ایک مرتبہ والدہ نے پانی طلب کیا۔ پانی لانے میں تاخیر ہوئی۔ والدہ صاحبہ سوگئیں۔ تو میں سخت سردی میں ان کے لئے پانی لئے کھڑا رہا۔ جب والدہ صاحبہ بیدار ہوئیں۔ پانی پیا اور میرے حق میں دعا فرمائی۔

حضرت بایزیدؒ کی روحانی پرواز

حضرت احمد خضرویہؒ نے آپ سے کہا کہ ابھی تک مجھ کو مقام ''نہایت'' تک رسائی حاصل نہیں ہو سکی۔ آپؒ نے فرمایا کہ تم عزت کی انتہا حاصل کرنے کی فکر میں ہو اور وہ باری تعالیٰ کی صفت ہے جس کو مخلوق حاصل نہیں کر سکتی۔ پھر لوگوں نے پوچھا کہ نماز کی صحیح تعریف کیا ہے فرمایا کہ جس کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ سے ملاقات ہو سکے، لیکن اس سے ملاقات بہت دشوار ہے۔ سوال کیا گیا کہ آپ بھوکے رہنے کی تعریف کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر فرعون فاقہ کشی کرتا تو ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' (میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں) کہہ کر خدائی کا دعویدار نہ ہوتا۔ فرمایا کہ مغرور اس کو کہتے ہیں جو دوسروں کو کم تر تصور کرے اور مغرور کو کبھی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ آپ کا پانی کے اوپر چلنا بہت بڑی کرامت ہے۔ تو فرمایا کہ اس میں کوئی کرامت نہیں کیوں کہ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی پانی پر تیرتے رہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ہوا میں پرواز کر کے مکہ معظمہ صرف ایک شب میں پہنچ جاتے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ بھی کوئی کرامت ہے؟ کیونکہ معمولی پرندے بھی ہوا میں پرواز کرتے ہیں اور جادوگر لوگ تو ایک شب میں تمام دنیا کی سیر کر لیتے ہیں۔ لوگوں نے مجاہدے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ میں نے سولہ سال کی گوشہ نشینی کے بعد بھی خود کو غار میں رہنے والی عورت کی طرح پایا اور جس وقت میں نے دنیا کو خیر باد کہہ دیا اور خود خدا تعالیٰ سے مل گیا اور خدا سے عرض کیا کہ میرا تیرے سوا کوئی نہیں اور جب تک تو میرا ہے سب کچھ میرا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے میرے صدق کا مشاہدہ کیا تو میرے نفس کے عیوب دور فرما دیئے۔ جس کو طاعت خداوندی کی خلعت سے نوازا گیا پس وہ خلعت پر فریفتہ ہو کر رہ گیا لیکن میں نے خدا سے سوائے خدا کے کچھ طلب نہیں کیا۔ فرمایا کہ مخلوق نے مجموعی طور پر جتنا خدا کو یاد کیا ہے میں نے تنہا یاد کیا ہے جس کی وجہ سے خدا نے مجھ کو یاد فرمایا اور اپنی معرفت سے مجھ کو حیات نو عطا کر دی۔ فرمایا کہ مجھے جب یہ خیال آیا کہ میں خدا کو دوست رکھتا ہوں تو غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ میں اس کو دوست نہیں رکھتا بلکہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے۔ فرمایا کہ

دوسرے لوگوں نے تو مردوں سے علم حاصل کیا لیکن میں نے ایسی زندہ ہستی سے علم سیکھا کہ جس کو موت ہی نہیں ہے (یعنی رب ذوالجلال واکرام سے)۔ فرمایا کہ جب میں نے نفس کو اللہ تعالیٰ کی جانب راغب کرنا چاہا تو وہ راغب نہ ہوا تو میں اس کو بھی چھوڑ کر خدا کی حضوری میں پہنچ گیا۔ فرمایا کہ جب مجھے آسمان کی سیر کرائی گئی اور عالم ملکوت میرے مشاہدے میں آ گیا تو مجھے وہاں سے رضا و محبت حاصل ہوگئی۔ فرمایا مجھے یہ مرتبہ پہلے حاصل ہوا کہ جس عضو کو رجوع الی اللہ نہ پایا تو اس سے کنارہ کش ہو کر دوسرے عضو سے کام نکالا۔ فرمایا کہ خدا شناسی کے بعد میں نے خدا کو اپنے لئے کافی سمجھ لیا۔

عزت

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ سے نماز میں مجھے خیال آتا ہے کہ میرا قلب مشرک ہے اور اس کو زنار کی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ عورتیں مجھ سے اس لئے افضل ہیں کہ وہ ماہواری کے بعد غسل کر کے پاک و صاف ہو جاتی ہیں لیکن میری تمام عمر غسل کرتے بیت گئی مگر پاکی حاصل نہ ہو سکی۔ فرمایا کہ پوری زندگی میں مجھ سے ایک بھی نیک کام ہو جاتا تو میں خوف زدہ نہ رہتا۔ فرمایا روز محشر یہ سوال کیا جائے کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا؟ تو میں اس کو بہتر تصور کرتا ہوں کہ پوچھا جائے کہ تو نے فلاں کام کیوں نہ کیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ مخلوق کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے اور ہر بھید کی جانب نظر ڈال کر فرماتا ہے کہ میں اس کو اپنی محبت سے خالی پاتا ہوں لیکن بایزید کے بھید کو اپنی محبت میں غرق دیکھتا ہوں۔ فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں خداوند تعالیٰ کی توحید سے زیادہ کا طلب گار ہوں لیکن بیداری کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھے تیری توحید سے بڑھ کر کچھ نہیں چاہئے۔ فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے سوال کیا کہ کیا خواہش رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ جو میرے لائق ہو۔ فرمایا گیا کہ خود کو چھوڑ کر چلے آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگ مجھے اپنے جیسا خیال کرتے ہیں حالانکہ عالم غیب میں میرے اوصاف کا مشاہدہ کر لیں تو مر جائیں گے کیونکہ میں اس سمندر کی طرح ہوں جس کی گہرائی کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء۔

اسمِ اعظم

ایک شخص خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ آپ نے تعظیم اور احترام کے جذبے کے ساتھ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کون سا اسم، اسمِ اعظم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ کہنے کو معدودے چند ہیں مگر بلحاظ عظمت ان گنت اور لامحدود ہیں۔ اپنے دل کو اس کی وحدانیت کے نور سے منور کر

لو۔ دوسرے آقاؤں کو دل سے نکال باہر کرو پھر جس نام سے چاہو اس کو پکارو اور دیکھو کیا ہوتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ حج کے دوران خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کا بوسہ لیا۔ مقام ابراہیم پر ٹھہر گئے اور عرض کی الٰہی! حجابات میں کب تک آپ مجھ کو محبوس رکھیں گے۔ آواز آئی ہمارے اور عزیزوں کے درمیان حجاب نہیں ہوتا اس پر بایزیدؒ زار و قطار رونے لگے اور عرض کی رب العزت آپ ہی کی ذات کا واسطہ اور وسیلہ چاہتے ہوئے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اور اپنے درمیان کے حجابات اٹھا لیجئے۔

تیس سال کی ریاضتیں

آپؒ نے فرمایا میں تیس سال تک اللہ تعالیٰ کی راہ پر لوگوں کو لگانے کے لئے جدوجہد کرتا رہا اور نہ لگا سکا۔ تو رو پڑا اور کہنے لگا۔ الٰہی تیری مخلوق میں انہماک نے مجھ کو تجھ سے بھی محجوب رکھا۔ اب میں ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا''۔ آواز آئی بایزیدؒ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمام موجودات میں تنہا تم ہی میرے راستہ پر ہو۔ اس پر شیخ نے عرض کیا کہ میں اپنے رب کی طرف جب اکیلے ہی بڑھا تو کیا دیکھا کہ تمام کائنات انسانی دربار عالی میں موجود ہے اور میں ان سب کے پیچھے کھڑا ہوں۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کی میرے آقا و مولا! مخلوق آپ کی ہے آپ قادر مطلق ہیں۔ ہم کیا اور ہماری بساط کیا کہ خالق و مخلوق کے مسائل و معاملات میں دخل اندازی کریں۔

حضرت بایزیدؒ کی کیفیتِ معراج

روایات میں آیا ہے کہ چھٹے، ساتویں آسمان تک تو کئی بزرگوں کو معراج حاصل ہوئی ہے لیکن جو معراج رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوئی وہ کسی پیغمبر اور رسول کو بھی نہیں ہوئی۔ اس موضوع پر بحث بہت طویل ہے یہاں پر ''تذکرۃ الاولیاء'' سے کچھ اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ ''کتاب اللمع'' میں بھی بہت تفصیل موجود ہے۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت مجھے تمام موجودات سے بے نیاز کر کے خدا نے اپنے نور سے منور فرمایا اور تمام اسرار و رموز سے آگاہ فرمایا تو میں نے چشم یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میرا نور اس کے نور کے سامنے تاریک ہی تاریک ہے اور میری عظمت اس کی برتری کے سامنے قطعاً بے حقیقت ہے، کیونکہ وہ مصفا و مشفا تھا اور میرے وجود میں کثافت تھی اور جب میں نے اپنے نور و عظمت کے اندر اس کے نور و عظمت کو محسوس کیا تو اندازہ ہو گیا کہ میری تمام عبادت و ریاضت میں

اسی کا حکم نافذ ہے اور جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا گیا کہ جب تک ہم کام کرنے کی قوت عطا نہیں کرتے اے بایزید! اس وقت تک تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ فاعل حقیقی تو ہم ہی ہیں اور ہمارے ہی ارادے سے تمام چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں اور جب خدا نے میری ہستی کو فنا کر کے بقاء کا مقام عطا کیا تو اپنی خودی کا میں نے بے حجابانہ مشاہدہ کیا۔ گویا میں نے اللہ کو اللہ کے ذریعے دیکھا اور اس کی حقیقت میں گم ہو کر گونگا، بہرہ اور جاہل بن گیا اور نفس کی بربریت کو درمیان سے فنا کر کے ایک عرصہ قیام کیا۔ وہاں پھر خدا نے مجھ کو علومِ ازلی سے آگاہ فرما کر زبان کو اپنے کرم سے گویائی اور آنکھوں کو اپنے نور سے نور عطا کیا جس کے ذریعہ میں نے ہر شے میں اس کی ذات کو جلوہ گر پایا اور اس کے علم سے علم حاصل کیا۔ پھر فرمایا گیا کہ تو سب کے ساتھ ہے اور سب سے جدا بھی اور تجھے بلا وسائل کے تمام وسائل حاصل ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ رب العالمین! مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تیرے وجود کے بغیر اپنا وجود بھی ناپسند ہے بلکہ تیرے وجود کا اپنے وجود کے بغیر ہی قیام چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ شریعت کو چھوڑ کر راہ اعتدال سے نکل جا کہ تیری کوشش ہمارے لئے پسندیدہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میری تمنا تو یہی ہے اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ تیری ذات نقص و عیب سے پاک ہے۔ فرمایا گیا کہ یہ بھید تجھے کیسے معلوم ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میرے علم کا سبب تو بخوبی جانتا ہے کیونکہ تو ہی بذاتہٖ علیم و خبیر ہے۔ رب قدوس نے اپنی رضا سے مجھے مخاطب فرما کر شرف عطا کیا اور اپنی خوشنودی پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور میرے قلب کی تاریکی اور نفس کی کثافت کو دور کر دیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میری حیات کا تعلق ذات خداوندی سے ہے اور میں اس کے فضل و کرم میں ملبوس ہوں۔ جب مجھ سے پوچھا گیا اور کیا چاہتا ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ تو سب سے زیادہ علیم و کریم ہے اس لئے تجھ کو ہی تجھ سے طلب کرتا ہوں صرف اپنا قرب عطا کر کے ماسوا سے نجات عطا کر دے۔ اسی طرح کے کلام کے بعد مجھے تاج کرامت عطا کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تو نے حق کو دیکھ لیا اور پا لیا۔ میں نے عرض کیا میں نے تو حق کو حق کے توسل سے پایا اور دیکھا۔ پھر میری حمد و ثنا کے صلہ میں مجھے خصوصی پر عطا کئے گئے جن کے ذریعہ میدان عزت میں پرواز کرتے ہوئے میں نے قدرت کی صناعیت کا مشاہدہ کیا۔ خدا نے اپنی قوت و زینت سے مجھے قوت و زینت بخشی اور تاج کرامت سر پر رکھ کر توحید کا در اقدس کھول دیا اور فرمایا کہ اب تیری رضا ہماری رضا ہوگی اور تیرا کلام کثافتوں سے پاک ہوگا اور تیرا ہمارے اوصاف سے وابستہ ہونے کا

کسی کو علم بھی نہ ہو سکے گا۔ اس کے بعد مجھے از سر نو زندگی عطا کی گئی اور مکمل آزمائش کے بعد دریافت کیا گیا کہ ملک کس کا ہے حکم کس کا ہے؟ اور صاحب اختیار کون ہے؟ میں نے عرض کیا تیرے سوا کسی میں بھی یہ اوصاف نہیں ہو سکتے۔ پھر جس وقت مجھے نظر قہر سے دیکھا گیا تو میری ہستی فنا ہو گئی اور میں نے صبر و سکون کا پیراہن پہن لیا جس کی بنا پر مجھے یہ مراتب تفویض کئے گئے کہ میرے قلب تاریک میں مسرتوں کا ایک دریچہ کھول دیا گیا اور لسان توحید عطا کر کے میرے قلب کو اپنے نور سے منور کر دیا اور اپنی صنعتوں سے آنکھوں کو خیرہ بنا دیا اور اب میں اسی کی اعانت سے بات کرتا اور چلتا پھرتا ہوں اور اسی کے کرم سے وہ حیات ملی جس میں موت کا وجود ہی نہیں۔ پھر ارشاد فرمایا گیا کہ مخلوق تیرے دیدار کی متمنی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو تیرے سوا کسی کو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا لیکن اگر تیری یہی خواہش ہے کہ مخلوق میرا نظارہ کرے تو پھر میں راضی برضا ہوں لیکن پہلے مجھے وحدانیت سے آراستہ فرما دے تا کہ مخلوق میرے اندر تیری صنعت و حقیقت کا مشاہدہ کر سکے اور میرا وجود درمیان سے منقطع ہو جائے۔ پھر خدا تعالیٰ نے میری خواہشات کی تکمیل کے بعد مجھے تمام عالم کے سامنے پیش کر دیا اور جیسے ہی میں نے اس کی بارگاہ سے باہر قدم رکھا تو لغزش سے گر پڑا اور فوراً یہ ندا آئی کہ ہمارے دوست کو واپس لے آؤ کیونکہ وہ ہمارے بغیر نہ رہ سکتا ہے نہ چل پھر سکتا ہے۔ پھر حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں تیس سال تک واحدانیت کی فضا میں پرواز کرتا رہا اور تیس سال فضائے الوہیت میں اڑتا رہا اور تیس سال فضائے یکسانیت میں پرواز کی اور جب نوے سال مکمل ہو گئے تو اس وقت میں نے بایزیدؒ کو دیکھا اور محسوس کیا کہ جو عالم نظروں سے گزرا ہے وہ بایزید نے ہی دیکھا پھر چار ہزار مراتب طے کرنے کے بعد کمال اولیاء کے درجہ تک پہنچا اور جب خود کو نبوت کے ابتدائی درجہ میں دیکھا تو یہ تصور کر لیا کہ شاید اتنا عظیم مرتبہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا لیکن غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ میرا سر ایک نبی کے قدموں کے نیچے ہے۔ اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا ہوا کرتی ہے، لیکن نبوت کی کوئی انتہا نہیں۔ اس مقام پر سے جب میری روح فردوس و جہنم اور ملائکہ کے مشاہدہ کے لئے روانہ ہوئی تو وہاں انبیاء کرام علیہم السلام سے شرف نیاز حاصل ہوا اور میں نے سلام کیا لیکن جس وقت میری روح حضور اکرم ﷺ کے روبرو پہنچی تو دیکھا کہ آگ کے درمیان میں ایک راستہ ہے اور نور کے ہزاروں حجابات درمیان میں حائل ہیں جس کی وجہ سے میری روح دیدار سرکار دو عالم ﷺ سے محروم رہ گئی اور مجھ پر ہیبت کی وجہ سے غشی طاری

ہو گئی اور جب ہوش میں آیا تو میں نے دور ہی سے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ اس طرح مجھے قربِ خداوندی تو حاصل ہو گیا لیکن اس کے محبوب کے قرب تک رسائی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر بندے کے ساتھ اور اسکی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے اور ہر بندہ اپنے معیار کے مطابق اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے لیکن حضور ﷺ کی زیارت اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جب لا الہ اللہ کی منزل سے گزر جائے اور ہم اسی طرح پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ اور اس کے محبوب کی راہیں گو ایک ہیں لیکن زیارت محبوب ﷺ کے لئے تاب نظارہ کی ضرورت ہے۔ جس طرح حضرت ابو ترابؒ کے ایک ارادت مند نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا لیکن اسے زیارت بایزیدؒ کا حوصلہ نہ ہو سکا۔ پھر حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا اس سے یہ اندازہ ہو گیا کہ جب تک خودی کا ازالہ نہ ہو جائے خدا کا راستہ ملنا محال ہے اور جب میں نے سوال کیا کہ میں اپنی خودی کا ازالہ کس طرح کروں تو جواب ملا یہ مقام صرف اتباع نبوی ﷺ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ [۱]

''تذکرہ الاولیاء'' کے مصنف کہتے ہیں کہ مجھے حیرت ہے کہ جو بزرگان دین وقار نبوی ﷺ سے اس درجہ باخبر ہوں ان کے اقوال سے لوگ ایسا مفہوم کیوں اخذ کر لیتے ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ جیسا کہ حضرت بایزیدؒ سے پوچھا گیا کہ کیا مخلوق کل قیامت میں حضور اکرم ﷺ کے علم کے نیچے ہو گی۔ فرمایا قسمیہ کہتا ہوں میرے علم کے نیچے مخلوق کے علاوہ انبیاء علیہم السلام بھی ہوں گے، لیکن لوگوں نے یہ مفہوم اخذ کر لیا کہ بایزید نے خود کو حضور اکرم ﷺ سے بھی زیادہ افضل تصور کر لیا لیکن یہ مفہوم سمجھنا ایک مہمل سی بات ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے آپ نے اللہ تعالیٰ تک اس حد تک رسائی حاصل کر لی تھی کہ آپ کی زبان خدا کی زبان بن چکی تھی اور آپ کا قول حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا قول تھا اور یہ بھی تسلیم کر لینا چاہئے کہ ''لِوَائِی اَعْظَمُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ یَا سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی'' [۲] جیسے کلمات بظاہر آپ کی زبان سے نکلے لیکن درحقیقت خدا تعالیٰ نے آپ کی زبان سے گفتگو فرمائی تھی۔

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۵۷۔

[۲] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۶۱۔

باب نمبر ۲۴

حضرت بایزیدؒ کے روحانی احوال و کمالات

بایزیدؒ کی زندگی بسر کرنے کے اصول

اس کتاب میں حضرت بایزیدؒ کے اقوال مختلف صفحات پر لکھے جا چکے ہیں لیکن وہ اقوال جو پیش نہ کئے جا سکے ان کو اس باب میں درج کیا جا رہا ہے۔ حضرت بایزیدؒ کے زمانے کے لوگوں کی عادت تھی کہ سوالوں کی شکل میں روحانی معاملات دریافت کرتے تھے اور آپ ان کو مناسب جواب عطا فرما دیتے۔ اس کتاب کے دیگر ابواب میں لکھا جا چکا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ محنت شاقہ اور ریاضت کاملہ میں گزارا ہے یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی زندگی روحانی احوال اور کمالات سے لبریز نظر آتی ہے۔

آپ کی زندگی بسر کرنے کے کچھ ایسے اصول نظر آتے ہیں جن کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اَدب اور زھد وتقویٰ کی رعایت کرنا (۲) ہر وقت خشیت الٰہی میں رہنا (۳) یقین کو تکمیل کی حد تک لے جانے میں کوشاں رہنا (۴) اللہ تعالیٰ کے اختیار پر اپنے اختیار کو چھوڑ دینا (۵) عبادات شاقہ اور ریاضات خاصہ میں مشغول رہنا (۶) اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی معیت میں گزارنا اور ہمہ تن محو گفتگو رہنا (۷) لوگوں کی فیض رسانی کے لئے ان سے محو گفتگو رہنا (۸) آپ کی روزمرہ روحانی زندگی میں کمالات کا اظہار ہونا۔ نیچے ان عنوانات کا مختصر بیان دیا جا رہا ہے۔

ا۔ لوگوں کے ساتھ فیض رساں گفتگو

درج ذیل سوال و جواب (اور اسی طرح کے پہلے لکھے گئے سوال و جواب) سے حقیقت واضح ہو

جاتی ہے کہ آپ لوگوں کو حسب ذیل طریقے سے نصائح فرماتے تھے۔

اول:۔ کسی بداخلاق سے واسطہ پڑے تو اس کی بدخلقی کو اپنی خوش خلقی سے تبدیل کر لینا۔

دوم:۔ اگر کوئی احسان کرے تو اول خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، اور پھر محسن کا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس کے دل کو مہربان کیا۔

سوم:۔ اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو فوراً اپنی عاجزی کا اقرار کرنا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ بندہ اپنے کمال کو کس وقت پہنچتا ہے تو فرمایا جب وہ اپنے عیبوں کو پہچان لے اور مخلوقات سے کسی قسم کی طمع نہ رکھے۔ سوال کیا گیا کہ حق تک پہنچنے کی سبیل کیا ہے؟ تو فرمایا گونگے، بہرے اور اندھے ہو جاؤ۔ کسی نے عرض کی کچھ نصیحت فرمائیے۔ فرمایا آسمان کی طرف دیکھو۔ جب اس نے اوپر نظر اٹھائی۔ پوچھا ''کیا تو جانتا ہے کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا'' عرض کیا ہاں! جانتا ہوں۔ فرمایا ''جس نے آسمان کو پیدا کیا وہ ہر جگہ تیرے حال سے واقف ہے پس اس سے ڈر''۔ سوال کیا گیا کہ متکبر کون ہوتا ہے۔ فرمایا جس کو تمام کائنات میں اپنا نفس زیادہ اچھا نظر آئے۔ پھر پوچھا آپ پانی پر چلتے ہیں۔ فرمایا لکڑی کا ٹکڑا بھی پانی پر تیرتا ہے۔ پھر پوچھا! آپ ہوا میں اڑتے ہیں۔ فرمایا پرندے بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔ پھر پوچھا گیا آپ ایک رات میں مکہ مکرمہ جا پہنچتے ہیں۔ تو فرمایا جادوگر بھی ایک رات میں ہند سے داوند پہنچ جاتا ہے۔ سوال کیا گیا ''پھر مردوں کا آخر کون سا کام ہے''۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے دل نہ لگائیں۔

فرمایا جب عارف چپ ہو جاتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا سے بات کر رہا ہے جب آنکھوں کو بند کرتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ دیدارِ حق میں گم ہے اور سر بزانو ہونے کے وقت اس کی خواہش ہوتی ہے کہ صور پھونکنے تک سر نہ اٹھائے۔ فرماتے ہیں کہ ایک بندے کے واسطے بجز اس کے کہ وہ ہیچ ہو (یعنی زھد علم، عمل وغیرہ کا کوئی غرور اس میں نہ ہو) اور کوئی بات بہتر نہیں ہے۔ فرمایا بندہ بے ہم ہو کر باہمہ بن جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست بناتا ہے اس کو تین خصلتیں عطا کر دیتا ہے۔ دریا جیسی سخاوت، دوسرے زمین جیسی عاجزی اور تیسرے آفتاب کی طرح شفقت۔ فرماتے ہیں عارف وصالِ الٰہی کے سوا اور کسی بات سے خوش نہیں ہوتا۔

۲۔آداب زھد و تقویٰ اور یقین کا حصول

آپؒ نے مسلسل تیس سال تک ریاضت اور مجاہدات میں وقت گزارا (جس کا بیان الگ کیا جا چکا ہے) اور آپؒ تادیب نفس کے ذریعے اپنے آپ کو طریقت کے معیار پر پورا اتارنے کی کوششوں میں مصروف رہے، آپؒ نے فرمایا کہ اس قدر محنت کرنے کے بعد مجھے یقین حاصل ہوا اور اگر ایسا یقین پہلے حاصل ہوتا تو شاید اس قدر ریاضت کی ضرورت نہ ہوتی۔فرماتے ہیں کہ شریعت میں اعمال شاقہ کے احکام (روزہ اور نماز وغیرہ) اسی یقین کو حاصل کرنے کے لئے نازل کئے گئے ہیں۔

۳۔ریاضت اور خشیت الٰہی

آپؒ فرمایا کرتے کہ میں نے بارہ سال جنگلوں میں رہ کر نفس کے حق میں لوہار بنا رہا اور نفس کو ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر مجاہدے کی آگ میں، ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا جس کے بعد میرا قلب آئینہ بن گیا۔ پھر پانچ سال مختلف قسم کی عبادت سے اس پر قلعی چڑھاتا رہا۔ پھر ایک سال تک جب میں نے خود اعتمادی کی نظر سے اس کا مشاہدہ کیا تو اس میں تکبر و خود پسندی کا مادہ موجود پایا چنانچہ پھر مسلسل پانچ سال تک سعی بسیار کے بعد اس کو مسلمان بنایا اور جب اس میں علائق دنیوی دیکھنے کے لئے غور کیا تو سب کو مردہ پایا اور نماز جنازہ پڑھ کر ان سے اس طرح کنارہ کش ہو گیا جس طرح لوگ نماز جنازہ پڑھ کر قیامت تک کے لئے مردے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد مجھے واصل الی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔نماز کے دوران آپؒ کے کندھوں کے گوشت کے پھڑ پھڑانے کا ذکر الگ گزر چکا ہے۔

آپؒ مسجد میں داخلے سے قبل دروازے میں کھڑے ہو کر گریہ وزاری کرتے رہتے تھے اور جب وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ میں خود کو حائضہ عورت کی طرح نجس تصور کرتے ہوئے روتا ہوں کہ کہیں میرے داخلے سے مسجد نجس نہ ہو جائے۔ایک مرتبہ آپ سفر حج پر روانہ ہوئے اور چند منزلیں طے کرنے کے بعد پھر واپس آ گئے اور جب لوگوں نے فسخ عزم کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ راستے میں مجھے ایک حبشی مل گیا اور اس نے مجھے اصرار کے ساتھ یہ کہا کہ خدا کو بسطام میں چھوڑ کر کہاں جاتا ہے چنانچہ میں واپس آ گیا۔

۴۔آپؒ کا دل خون ہو گیا اور پیشاب میں خون آنے لگا

جب آپؒ کے مراتب میں اضافہ ہونے لگا اور آپؒ کا کلام عوام کے اذہان سے بالاتر ہو گیا تو

آپؒ کو سات مرتبہ بسطام سے نکالا گیا اور جب آپؒ نے نکالنے کی وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ تم نہایت برے انسان ہو۔ آپؒ نے فرمایا کہ جس شہر کا سب سے برا انسان بایزید ہو وہ شہر سب سے اچھا ہے۔

آپؒ ایک شب عبادت خانہ کی چھت پر پہنچے اور دیوار پکڑ کر پوری رات ساکت کھڑے رہے جس کی وجہ سے آپؒ کو پیشاب میں خون آ گیا جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اس کی دو وجوہ ہیں اول یہ کہ آج میں خدا کی عبادت نہیں کر سکا دوم یہ کہ ایام طفولیت میں مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا تھا چنانچہ ان دونوں چیزوں سے ایسا خوفزدہ تھا کہ میرا قلب خون ہو گیا اور وہ خون پیشاب کے راستے سے نکلا۔

۵۔ کسی سے بات نہ کرنا

عبادت کے اوقات میں آپ کو یہ خوف لاحق رہتا کہ کہیں کسی آواز سے میری عبادت میں خلل واقع نہ ہو جائے اس لئے مکان کے تمام سوراخ بند کر دیئے تھے۔ عیسیٰ بسطامیؒ کا قول ہے کہ میں تیس سال آپ کے ساتھ رہا لیکن کبھی آپ کو بات کرتے نہیں دیکھا اور آپ کی یہ عادت تھی کہ زانو میں سر دیئے رہتے اور جب سر اٹھاتے تو فوراً ایک سرد آہ کھینچ کر سر زانو پر رکھ لیتے۔ حضرت سہل سکیؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بسطامیؒ نے جیسا بیان کیا وہ قبض کی کیفیت ہو گی ویسے آپ حالت بسط میں لوگوں سے باتیں بھی کرتے اور فیض بھی پہنچاتے تھے۔

۶۔ آپ کے نزدیک صوفی کا اختیار یہ ہے کہ اسے کوئی اختیار نہ ہو

"اَلاِخْتِیَارُ" حق تعالیٰ کے اختیار کو اپنے اختیار پر اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ جو کچھ حق تعالیٰ نے ان کے لئے اختیار کیا ہے خواہ خیر ہو یا شر اسی کو اولیائے کرامؒ پسندیدہ رکھتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ درحقیقت بندے کا اختیارِ حق کو اختیار کرنا بھی اختیارِ حق سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے اچھائی یا برائی جو کچھ بھی پسند کرتا ہے وہ اسے پسند کرتے ہیں۔ بندے کا اللہ تعالیٰ کے اختیار کو پسند کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اسے بے اختیار کرنے کے بعد اختیار کر لیتا یعنی پسند کر لیتا تو بندہ ہرگز اپنے اختیار کو نہ چھوڑتا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ امیر کون ہوتا ہے۔ آپ نے جواب دیا امیر وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی اختیار نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا اختیار اس کا اختیار ہو۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ کو بخار ہو گیا۔ آپ نے درخواست کی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخش دے، حضرت جنیدؒ کے

باطن میں آواز آئی تو کون ہے کہ میرے ملک کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور اپنے اختیار کو ظاہر کرتا ہے میں اپنی ملکیت کی تدبیر تم سے بہتر جانتا ہوں۔ پس تو میرے اختیار کو اختیار کر اور اپنے اختیار کو ترک کر دے۔

الامتحان کا لفظ طریقت میں اس جگہ بولا جاتا ہے جہاں اولیاء اللہ کے دل کا امتحان لینا مراد لیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کئی قسم کی بلائیں ان کے دل پر ڈالتا ہے جیسا کہ خوف، حزن، ہیبت وغیرہ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا:

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے
قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ	امتحان (آزما) لیا ہے ان کے لئے مغفرت
عَظِیْمٌ (الحجرات: ۳)	اور بہت بڑا اجر ہے۔

ہمارے خواجہ، پیر طریقت پیر علاؤ الدین صدیقی مدظلہ العالی کو ہم نے یہ مصرعہ اکثر گنگناتے ہوئے سنا ہے۔

اپنے بس میں بات ہی کیا ہے، ہم سے کیا منواؤ گے

راقم الحروف کا درج ذیل شعر بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

منظور حق جو ہے وہی منظور ہے ہمیں
کس سادگی سے ہم نے خدا کو منا لیا

حضرت بایزیدؒ سے روحانی کمالات کا اظہار

آپؒ کے اعمال میں سے روحانی کمالات کے اظہار کا پایا جانا تو ایک عام سی بات تھی، بلکہ ہر لمحہ آپ کے افعال میں ایک عجیب نوعیت کے نوادر پائے جاتے تھے۔ آپ کی گفتگو کا ایک ایک جملہ بھی مکمل روحانیت کا غماز تھا۔ محیر العقول واقعات جو آپ سے صادر ہوئے وہ ایک الگ باب میں دے دیئے گئے ہیں۔ یہاں چند مزید واقعات کو اشارۃً بیان کیا جائے گا۔

۱۔ جو شخص سُنت کی مخالفت کرتا ہوا نظر آیا تو اس سے آپ نے بات تک نہ کی

بہت عرصہ عبادت میں گزارنے اور بلند مراتب پر پہنچنے کے بعد آپ کو بیعت کا شرف حاصل نہ

ہوا چنانچہ ایک بار آپ نے اپنے برادر زادہ اور مرید شیخ عیسیٰؒ کے ساتھ ایک شیخ کی بیعت کے لئے بہت لمبا سفر اختیار کیا (جس کی تفصیل اس کتاب میں چند صفحات کے بعد پر بھی دے دی گئی ہے اور ''کشف المحجوب'' میں بھی اس واقعہ کو نقل کیا گیا ہے)۔لیکن جب آپ نے ان کو دیکھا کہ اس شیخ نے مسجد میں قبلہ رو ہو کر تھوک دیا تو آپ ان سے ملاقات کئے بغیر ہی واپس آ گئے اور فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب میں معتمد علیہ اور امین نہیں تو جس بات کا وہ دعویٰ کرتا ہے (یعنی روحانیت کا) تو اس پر کس طرح معتمد علیہ ہوگا۔فرماتے ہیں کہ واپسی پر ہی مجھے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس فعل سے بہت خوش ہوا ہوں۔آپ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر تم مجھے دیکھ رہے ہو وہ اسی فعل کی بدولت مجھے میسر ہوا۔[1]

۲۔ابلیس سے ملاقات میں روحانی گفتگو

منقول ہے کہ ایک بار آپ بازار میں گئے تو ابلیس کو رسیاں بناتے ہوئے دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تم یہ رسیاں کس کے لئے بنا رہے ہو۔ابلیس نے جواب دیا کہ یہ رسیاں ولیوں کی گردنوں میں پھندا ڈالنے کے لئے تیار کر رہا ہوں۔آپؒ بہت حیران ہوئے اور پوچھا کہ کیا میرے واسطے بھی کوئی پھندا تیار کیا ہے؟ یہ بات سن کر ابلیس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا کہ تم بھی اپنے آپ کو ولی اللہ سمجھ بیٹھے ہو؟ یہ رسیاں تو بہت بڑے بڑے بزرگوں کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ابھی تم اس لائق کہاں ہو کہ جس کو ہم اپنی گرفت میں لانے کی فکر کریں۔حضرت نے دریافت فرمایا تو پھر یہ رسی جو تم اس وقت تیار کر رہے ہو کس کو پھانسنے کے لئے تیار ہو رہی ہے؟ ابلیس نے اس بزرگ کا نام لیا جو ایک پہاڑ کی چوٹی پر محو ریاضت تھا۔آپؒ نے دل میں سوچا کہ یہ شخص بہت بڑا بزرگ ہوگا چلو اس سے بیعت کریں گے،مگر جب انہوں نے ابھی پہاڑی پر اس بزرگ کی طرف چڑھنا ہی شروع کیا تھا کہ وہ بزرگ پہاڑی کی چوٹی پر بلند آواز سے بولے ''اے بایزیدؒ! چلے جاؤ۔یہاں تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا کیونکہ ہم تو چور کی نظر میں ہیں اور جو چیز چور کی نظر میں ہو وہ محفوظ نہیں ہو سکتی اور اس سے تمہیں امان اور فیض کیسے مل سکے گا۔بزرگ نے انہیں اوپر آنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ کسی اور کے پاس جاؤ جو شیطان سے محفوظ ہو۔آپؒ بڑی حیرت میں وہاں سے واپس آئے۔

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۶۷۔

۳۔ قحط میں لنگر عام

منقول ہے کہ جب آپ کو ایک عرصہ تک بیعت کے لیے مناسب موقعہ نہ ملا تو آپ ایک جگہ مقیم ہو گئے اور چونکہ یہ علاقہ قحط کے زیر اثر تھا تو آپ نے اپنے لنگر خانہ کے خادم کو فرمایا کہ ایک دیگ کا اہتمام کرو اور مخلوق خدا میں اعلان کر دو کہ جو شخص جو کچھ بھی مانگے گا اسے اسی ایک دیگ سے ملے گا چنانچہ ہر شخص کو اس کی حسبِ منشا ہر چیز اسی دیگ سے ملی۔ حضرت معروف کرخیؒ کو حکم ہوا کہ وہ بایزید بسطامیؒ کے پاس جائیں اور انہیں راہِ سلوک دکھائیں چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو مریدوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا کھانا چاہتے ہیں آپؒ کہنے لگے کہ ہر چیز (تیتر، بٹیر، گوشت وغیرہ) مہیا کر دینا تو کوئی بڑی بات نہیں، مزہ تو جب ہے کہ انسان کا گوشت کھلاؤ۔ جب ان کو حضرت بایزیدؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ بزرگ ان کی آزمائش کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے خادم سے چھری طلب کی اور ابھی اپنی ران سے گوشت کاٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ حضرت معروف کرخیؒ بول اٹھے ''ٹھہر جاؤ! پہلے یہ دیکھو کہ تم انسان بھی ہو؟'' کہتے ہیں جب آپ نے خود کو دیکھا تو محسوس ہوا کہ ان کی ٹانگیں انسان کی نہیں بلکہ مور کی ٹانگیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ حضرت معروف کرخیؒ کے پاؤں پڑ گئے اور بیعت کے لئے التجا کی۔

حضرت بایزیدؒ کا وہ واقعہ جس کو ہم دیگر ابواب میں بیان کر آئے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؒ نے اللہ تعالیٰ سے چاہا کہ انہیں ان کا روحانی مقام دکھایا جائے لیکن فوراً ہی آپؒ نے سوچا کہ یہ بات غلط ہے۔ ایک مرتبہ آپ سفر پر تھے اور ایک جگہ پڑاؤ کیا تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر آ رہا ہے۔ آپ نے اس اونٹ والے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اونٹ پر سوار شخص (جو ان کو جانتا بھی نہ تھا) بولا اے بایزیدؒ! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنی کھلی آنکھ کو بند کر دوں اور اپنی بند آنکھ کو کھول دوں اور بایزیدؒ کو شہر بسطام سمیت زمین میں غرق کر دوں؟ آپ نے حیران ہو کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ تو اس شخص نے کہا جس دن تم نے اپنے مقام کے متعلق علم حاصل کرنا چاہا تھا تو اس دن میں یہاں سے چار ہزار میل دور تھا۔ اس سوار نے حضرت بایزیدؒ کو کہا کہ لوگوں کے ساتھ ایسی بات مت کرو جس میں بڑائی کا دعویٰ ہو کیونکہ ہر عالم کے اوپر ایک اور عالم ہے (فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ) (یوسف:۷۶)۔[1]

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۱۰۱۔

۴۔فرشتوں کی تسبیح کا سننا

یہ واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ آپ ایک مرتبہ ذکر کے لئے بیٹھے تو آسمان کی طرف توجہ کی تو آپ کو فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی لیکن جب آپ نے تسبیح شروع کی تو وہ تمام فرشتوں کی تسبیح پر غالب آ گئی۔

۵۔مصلیٰ پر تازہ خون کا پایا جانا

ایک روز صبح صبح حضرت بایزیدؒ کے مصلّیٰ پر تازہ خون بہتا ہوا دیکھا گیا تو آپؒ کے مریدوں نے اس کا سبب دریافت کیا۔آپؒ نے فرمایا کہ رات کو میں عرش پر پہنچا وہاں مجھے اللہ تعالیٰ نظر نہ آیا تو میں نے عرش سے پوچھا کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ چونکہ یہ واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے اسے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۔کمالاتِ بایزیدؒ کے مزید واقعات

مختلف عنوانات کے تحت ہم ایسے واقعات تحریر کر چکے ہیں جن میں بہت عجیب وغریب کیفیات اور کمالات پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام واقعات آپ کی روحانی کیفیت کی غمازی کرتے ہیں۔ایسے واقعات کو بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

۷۔تین سو سال کے بعد آنے والے واقعات کو بیان کرنا

روایات میں ہے کہ سلطان العارفین حضرت بایزیدؒ بسطامی ہر سال ایک مرتبہ دبستان میں قبور شہداء کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ جب آپ موضع خرقان سے گزرنے لگتے (خرقان بسطام کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے) تو ٹھہر جاتے اور اس طرح سے سانس لیتے جیسے کوئی کچھ سونگھتا ہو۔مریدوں نے پوچھا کہ آپ کس چیز کی بو سونگھتے ہیں۔ہم کو تو یہاں کوئی خوشبو نہیں آتی۔آپؒ نے فرمایا کہ اس چوروں کے گاؤں سے ایک مرد خدا کی خوشبو آتی ہے جس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہے اس میں تین باتیں مجھ سے زیادہ ہوں گی۔ایک یہ کہ وہ اہل وعیال کا بوجھ اٹھائے ہوگا، دوسرے یہ کہ وہ کھیتی باڑی کرے گا اور تیسرے یہ کہ وہ درخت لگایا کرے گا۔روایات میں ہے کہ آپؒ نے حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی مزید بہت سی صفات اور نشانیاں بھی بیان فرمائیں اور سلطان العارفین کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔مولانا جلال الدین رومیؒ نے اس قصہ کو اپنی مثنوی میں نہایت دلچسپ پیرایہ میں نظم کیا ہے۔

شیخ ابوالحسن خرقانیؒ پیدا ہوئے تو اوائلِ عمر میں آپ کا معمول یہ تھا کہ عشاء کی نماز خرقان میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے اور پھر حضرت بایزیدؒ کے مزار شریف کی زیارت کے لئے روانہ ہو جاتے۔ وہاں پہنچ کر یوں دعا کرتے۔ ''خدایا! جو خلعت تو نے بایزیدؒ کو عطا کی ہے وہ ابوالحسن کو بھی عنایت فرما''۔ پھر زیارت سے فارغ ہو کر خرقان کو آتے تو تمام راستے میں مزار مبارک کی طرف پیٹھ نہ کرتے اور فجر کی نماز عشاء کے وضو کے ساتھ خرقان میں پڑھتے۔ بارہ برس کے بعد حضرت بایزیدؒ کے مزار مبارک سے آواز آئی اے ابوالحسن! اب تمہارے بیٹھنے اور لوگوں کو فیض اور درس دینے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ سن کر عرض کیا کہ میں تو ان پڑھ ہوں۔ رموز شریعت سے چنداں واقف نہیں۔ آواز آئی تم نے خداوند تعالیٰ سے جو کچھ مانگا تھا وہ تمہیں مل گیا۔ فاتحہ شروع کیجئے اور جب آپ خرقان میں پہنچے تو قرآن پاک ختم کر لیا تھا اور علومِ ظاہری و باطنی آپ پر منکشف ہو گئے تھے۔ [1]

۸۔ حضرت بایزیدؒ کے آداب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کا اخلاق کیسا تھا تو فرمایا ''کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ'' (یعنی آپ کا خلق تمام قرآن تھا)۔ [2] غور کیا جائے تو قرآن آداب سکھاتا ہے، برے اور بھلے میں تمیز سکھاتا، حلال و حرام کا امتیاز بتاتا ہے اور ہر اچھے اور برے کام میں فرق بتاتا ہے۔ یہی خلق ہے اور یہی خلق ادب کہلاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ ایسی عادات اور سیرت کے حامل تھے کہ جس میں سنت رسول اللہ ﷺ اور احکام خداوندی کے آداب موجود تھے۔ احکاماتِ قرآن اور حدیث پر عمل کرنے سے جو حاصل ہوتا ہے وہ ادب کہلاتا ہے۔ حضرت موصوف نے ایک بار خود ہی فرمایا کہ میں نے جو کچھ پایا ہے ادب سے ہی پایا ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہم نے تصوف کو محض قیل و قال سے نہیں سیکھا بلکہ رات دن ریاضت اور محنت سے خود کو مؤدّب کیا ہے۔

لغت میں ادب کے معانی شریعت کی رعایت کرنا، شعائر اللہ کی حرمت کرنا، آقا کی حق شناسی کرنا، خدمت شیخ اور رویئت حق میں فنا ہو جانا بھی ادب ہے۔ [3]

---

[1] تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۲۸۴۔ [2] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۲۴۶۴۵، جلد ۳، صفحہ ۹۱۔

[3] القاموس المحیط، محمد بن یعقوب، متوفی ۸۱۷ھ، جلد ۱، صفحہ ۷۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت۔

خشیت اور ادبِ الٰہی

جب آپؒ نماز پڑھتے تھے۔ تو ہیبت حق اور تعظیم شریعت کے سبب آپ کے سینہ کی ہڈیوں سے اس قدر کڑ کڑاہٹ کی آواز نکلتی کہ اس آواز کو لوگ سن لیتے۔ ایک روز آپ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام نے آپ سے پوچھا۔ اے شیخ! آپ کوئی کسب تو نہیں کرتے اور نہ کسی سے سوال کرتے ہیں۔ آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟ آپ نے فرمایا ٹھہرو! میں نماز کا اعادہ کرلوں، کیونکہ جو شخص روزی دینے والے کو نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے معرفت کس طرح حاصل کی تو جواب دیا۔ ''بھوکے پیٹ اور ننگے بدن سے''۔ فرمایا میں نے تیس سال مجاہدے میں گزارے، اس عرصہ میں کسی چیز کو اپنے اوپر ایسا سخت نہ پایا جیسا کہ علم اور اس پر عمل۔ اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک حالت پر رہتا۔ علماء کا اختلاف سوائے تجرید توحید کے رحمت ہے۔ [۱]

حضرت بایزیدؒ نے کسی کو خواب میں منکر نکیر کے سوالات کے متعلق فرمایا کہ اے فرشتو! تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا سوال کرتے ہو۔ اگر میں سو بار بھی کہوں کہ میرا خدا وہ ہے جو واحد اور لاشریک ہے تو اس طرح کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم واپس جا کر خداوند تعالیٰ سے پوچھ لو کہ وہ مجھے اپنا بندہ بھی سمجھتا ہے کہ نہیں۔ جب تک وہ مجھے اپنا بندہ قرار نہیں دیتا تو فقط میرے کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

آپؒ کی سیرت کی کتابوں میں منقول ہے کہ لوگ آپؒ کے مغفرت بھرے کلمات اور روحانی اقوال کو دہرایا کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جس قدر آپ کے اقوال محفوظ چلے آتے ہیں شاید ہی کسی اور صاحبِ طریقت کے اقوال محفوظ ہوں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ

میں نے جو کچھ پایا ادب سے پایا

حضرت بایزید بسطامیؒ سے لوگوں نے پوچھا ''بِمَ وَجَدْتَ مَا وَجَدْتَ'' (یعنی آپ نے جو کچھ پایا کس طرح پایا)۔ آپ نے فرمایا ''بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَ'' [۲] (یعنی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں باادب رہنے سے پایا)۔ فرمایا کہ میں ظاہر اور باطن میں یکساں رہا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنے معبود

---

[۱] کشف المحجوب صفحہ ۲۲۶۔ [۲] کشف المحجوب صفحہ ۴۹۸۔

کے حضور میں رہنے کا ادب زلیخا سے سیکھے کہ جب اس نے یوسف علیہ السلام سے اپنا مدعا بیان کیا تو پہلے اپنے بت کو پردے میں چھپا لیا۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا "پردہ کیوں ڈال رکھا ہے؟" تو زلیخا بولی، "اپنے معبود سے اپنے آپ کو چھپاتی ہوں تا کہ وہ مجھے ایسی حالت میں نہ دیکھے کیونکہ اس کے آگے ایسا کام شرطِ ادب کے خلاف ہے"۔

جب یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے ملایا اور دولتِ وصل سے سرفراز فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے زلیخا کو پھر شباب بخشا اور وہ مشرف بہ اسلام ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی۔ یوسف علیہ السلام نے ان کی طرف ارادہ فرمایا تو زلیخا آپ سے بھاگنے لگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ "میں تیرا وہی محبوب ہوں مجھ سے کیوں بھاگتی ہو؟ شاید میری دوستی تیرے دل میں نہیں رہی"۔ زلیخا بولی قسم بخدا دوستی قائم ہے بلکہ پہلے سے زیادہ ہے مگر مجھے معبودِ حقیقی کا پاسِ ادب ہے"۔ جس دن میں نے آپ کی خلوت چاہی تھی وہاں ایک بت موجود تھا اور وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس پر پردہ ڈالا تا کہ بے ادبی نہ ہو۔ اب جبکہ میرا معبود دانا و بینا ہے جو بغیر آنکھ اور آلے کے دیکھتا ہے۔ میں جس حال میں بھی ہوں وہ مجھے دیکھتا ہے۔ میں یہ نہیں چاہتی کہ ادب کو ترک کرنے والی بنوں۔ اسی طرح جب آنحضرت ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو آپ نے ادب کی حفاظت کی وجہ سے دو جہانوں کی کسی چیز کو نہیں دیکھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" (یعنی آپ کی آنکھ میں کجی واقع نہ ہوئی اور نہ آپ کی آنکھ بھٹکی) (النجم: ۱۷)۔

دوسری قسم کا ادب اپنی ذات کا ادب کرنا ہے کہ انسان ہر قسم کے حالات میں اپنے نفس اور ذات کی رعایت کرے یہاں تک کہ جو مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بے ادبی اور برائی ہے اس سے اپنی خلوت میں بھی پرہیز کرے۔ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے ایک دن اپنی ٹانگوں کو سیدھا کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ ہماری مجلس میں بے ادبی کرتے ہو اس کے بعد انہوں نے کبھی اپنے گھر میں بھی ٹانگیں سیدھی نہیں کیں۔ اس میں یہ تمام باتیں شامل ہیں کہ بندہ ہرگز کبھی بھی جھوٹ نہ بولے اور جس کو خود برا سمجھتا ہو اسے زبان پر بھی نہ لائے۔ اس ادب میں یہ شامل ہے کہ بندہ کم کھائے تا کہ طہارت کی بہت کم ضرورت پڑے اور اپنی اس چیز کو بھی نہ دیکھے جسے دوسرا نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ بیعتِ

رضوان میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غیر موجودگی میں ان کو اپنے ہاتھ پر بیعت فرمایا اور اپنے دوسرے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے بجائے اپنے ہاتھ پر رکھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد اپنے اس ہاتھ کو کبھی اپنی شرم گاہ کو نہیں لگایا۔ ادب کی ایک ایسی قسم بھی ہے جس میں مخلوق کا ادب کیا جاتا ہے اور وہ ادب یہ ہے کہ سفر ہو یا حضر مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور سُنت پر عمل کرے۔

تصوف کی بہترین تشریح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملی

''معالی الھمم '' کے دوسرے باب کے ترجمے میں ضیاالحسن فاروقی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مکالمہ پیش کیا ہے جو اس قدر جاذبِ قلب ونظر ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد شاید ہی کوئی آنکھ اشکبار ہوئے بغیر رہ سکے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اہل تصوف کو تصوف کی اصل اس روایت سے ہی ملی ہے۔ یہ روایت تصوف کے اصل الاصول کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ قرب حاصل تھا اور ان کے درج ذیل اقوال روحانیت کے بلند ترین منزل پر گامزن ہونے کی نہایت کامل دلیل پیش کرتے ہیں۔

''معالی الھمم '' کے دوسرے باب میں دنیا اور عقبیٰ کی بجائے محض اللہ پر اکتفا کرنے والے انسان کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ روایت کو صحیح یا ضعیف کہنے والے جو مرضی کہیں لیکن راقم الحروف کا اپنا کام تو طریقت اور شریعت کے اعتبار سے اس روایت سے ہی پورا ہو گیا۔ روایت ملاحظہ ہو۔

''مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے خلیفہ رسول ﷺ! آخر وہ کون سی چیز ہے جس کی بنا پر آپ اس مقام تک پہنچ گئے کہ ہم سب پیچھے رہ گئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا پانچ چیزوں کے ذریعے میں اس مقام تک پہنچ سکا۔ پہلی چیز یہ کہ جب میں اسلام میں داخل ہوا تو میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ دو قسم کے ہیں۔ اول طالب دنیا اور دوئم طالبِ عقبیٰ۔ (غالباً اسلام سے پہلے یا اوائلِ زمانہ میں) طالب مولا کوئی بھی نہ تھا۔ میں طالب مولا بن گیا۔ دوسری چیز یہ کہ میں جب سے مشرف بہ اسلام ہوا، ذکر الٰہی کی لذت کے سوا میں نے دنیا میں کسی قسم کی کوئی لذت بھی محسوس نہ کی۔ ذکر الٰہی میں لگے رہنے کی مٹھاس اور معرفت الٰہی کے سرور نے مجھ کو دنیاوی لذتوں اور راحتوں کی طرف توجہ کرنے کا

موقع ہی نہ دیا۔ تیسری چیز یہ کہ جب سے اسلام میں داخل ہوا، تو میں جانکنی یعنی موت کے خوف اور اس کے فراق کی بنا پر نہ پیٹ بھر کر کھانا کھا سکا اور نہ جی بھر کر پانی ہی پی سکا۔ چوتھی چیز یہ کہ رضائے الٰہی اور رضائے نفس کے مسائل جب بھی درپیش ہوئے تو میں نے رضائے نفس نہیں بلکہ ہمیشہ ہر چیز پر رضائے الٰہی کو ترجیح دی اور اس کے مطابق کام کیا۔ پانچویں چیز یہ کہ میں آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے بھرپور آداب کے ساتھ تادم رخصت مستفید ہوتا رہا۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی رو پڑے۔

انسان کو جس سے محبت ہو وہ اسی کے ساتھ ہوتا ہے

حضرت بایزید بسطامیؒ کی تحریروں میں متعدد بار اس بات کا ذکر آیا ہے کہ اسلام میں شریعت کی پابندی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ کچھ نام نہاد صوفی اللہ کی محبت کے بہت بلند بانگ دعوے تو کرتے ہیں مگر عمل میں عام مسلمان سے بھی بہت کم ہیں اور اپنے آپ کو فرائض اور واجبات الٰہیہ کا مکلّف نہیں جانتے۔ وہ دعوے تو کرتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے مقرب ہیں اور حق تعالیٰ ہمارا ہے اور اس کے باوجود وہ دنیا داری کی بھاگ دوڑ میں مصروف رہتے ہیں۔ ایسے صوفی زہد وتقویٰ کی باتوں کو عام آدمیوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ جب ان کو شریعت کے مطابق ان کے قول کی نشاندہی کرائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہمارا محبوب ہے اور محبوب سے ڈرنا نہیں چاہیے اور اللہ کے سوا کسی میں مشغول ہونا نہیں چاہیے خواہ وہ نماز روزہ ہی کیوں نہ ہو (یعنی ان عبادات کو غیر اللہ میں شمار کرتے ہیں) یہ لوگ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی اپنی باتوں سے گمراہ کرتے ہیں۔ لوگوں کا مزاج چونکہ آسانی کی طرف مائل ہوتا ہے اس لئے ایسے بے دین لوگوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور اس فریب نفس میں بہت اچھے اور عابد لوگ بھی پھنس جاتے ہیں۔

مذکورہ حقیقت اس بات کی شاہد ہے کہ آج بہت سے فرقے اس بے دینی کی راہ پر نکل پڑے ہیں۔ کوئی انکار نماز و روزہ سے اپنی جان بچاتا ہے اور کوئی انکارِ حدیث (جو حقیقتاً انکار قرآن ہی کے برابر ہے) سے اپنے آپ کو شریعت کی تکلیف اٹھانے سے بچا لیتا ہے اور کوئی دنیا کے مال و دولت کے حصول کے لئے اپنا نیا فرقہ بنا لیتا ہے۔ غرضیکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قول کے مطابق صرف وہی فرقہ ناجیہ ہے جس میں اتباع شریعت کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہو اور وہ فرقہ اہل سنت و جماعت ہے (جس کی وضاحت ہم نے

اپنی تصنیف ''سنت مبارکہ'' میں بہت تفصیل سے کر دی ہے)۔ تمام فرقے ایسے ہیں جن میں یا تو کسی عالم کی پیروی پوجا کی حد تک کی جاتی ہے یا کسی ایک شخص کو اتنی اہمیت دے دی جاتی ہے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے الگ ایک درجہ دے دیا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے کئی ایسی کتابوں کا سرسری مطالعہ کیا ہے جن میں لکھا ہے کہ فلاں شخص کو خواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم فلاں جماعت کے بزرگ کے بتائے ہوئے وظیفوں کو باقاعدہ ادا کرتے رہنا۔ ایک کتاب میں تو یہ بھی لکھ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اردو کہاں سے سیکھی تو فرمایا نعوذ باللہ تمہارے استاد کے مدرسے سے۔ کسی نے تو یہ بھی لکھ دیا کہ ہم نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ نے ہمارے استاد کے پیچھے نماز ادا کی۔ ایسے خوابوں کے دیکھنے والے مردود اور بے دین ہیں۔ راقم الحروف اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا کہ کون کون سا فرقہ ایسی حماقتیں کرتا ہے کیونکہ قارئین کو اس عبارت کے سمجھ لینے سے ہی پورا پورا اشارہ مل جاتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے کہ الٰہی جلد آخرت کا پردہ اٹھا دے تا کہ معلوم ہو سکے کہ کون کس کی پوجا کرتا ہے۔

حرم جویاں درے را می پرستند فقیہاں دفترے را می پرستند

(حرم کو ڈھونڈنے والے صرف ایک دروازے کی پوجا کرتے ہیں، علماء صرف کتابوں کی پوجا کرتے ہیں)

بر افگن پردہ تا معلوم گردد کہ یاراں دیگر را می پرستند

(الٰہی پردے کو اٹھا دے تا کہ معلوم ہو جائے، کہ یار لوگ کسی اور کی ہی پوجا کرتے ہیں)

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص شریعت کی مخالفت کرتا ہو اور وہ ایک ہاتھ میں سورج لے کر ہوا میں اڑتا ہوا نظر آئے اور دوسرے ہاتھ میں چاند تو پھر بھی اس کی اتباع نہ کرو۔

حضرت ابو یزیدؒ خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے

قرآن مجید میں آیا ہے کہ صفا و مروہ اور دیگر حج سے متعلق باتیں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

(۱) اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرہ:۱۵۸) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

(۲) وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (الحج:۳۶)

اور قربانی کے فربہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے اللہ کی نشانیوں میں سے۔

(۳) وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ○ (الحج:۳۲)

اور جو ادب واحترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ احترام اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔

حج بیت اللہ کے تقریباً تمام رکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہل بیت کی نشانیوں سے ہیں جن کو ہر سال ایام حج میں ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے فریضہ حج میں شامل کر دیا ہے۔ یہ سب اس وقت ممکن ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا سب کچھ اللہ کے احکام کی پیروی میں صرف کر دیا جس کی نشاندہی قرآن میں اس طرح کی گئی ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط (البقرہ:۱۲۴)

جب ابراہیم کو اللہ نے چند باتوں سے آزمایا تو انہوں نے ان سب کو پورا کر دکھایا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے اطاعت الٰہی اور عبادت الٰہی میں عمر بھر خود کو اس قدر مصروف رکھا کہ وہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بن گئے۔ ''معالی الھمم'' میں حضرت جنیدؒ نے آپؒ کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

''بایزیدؒ خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ میں نے برگزیدہ ائمہ ہدایت اور اولوالعزم اسلاف کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا۔ میرے علم اور مطالعہ میں آپ کی بیان کردہ وہ حقیقت ہے جو پڑھنے والوں کے دلوں میں اتر کر غلبۂ حال بنتی ہے۔ بایں ہمہ بایزیدؒ کی باتوں سے زیادہ اونچی باتیں مجھ کو کہیں بھی نظر نہ آئیں۔ ان کی باتوں کے آثار اور نقوش صحیح معنوں میں چراغ معرفت، روح یقیں، سرچشمہ صدق وصفا بحر اخلاص ومحبت اور گنجینہ ہائے توحید وتجرید ہیں''۔

مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنیدؒ کے دل میں حضرت بایزید بسطامیؒ کی کتنی قدر و منزلت تھی اور واقعی وہ اس احترام کے اہل بھی تھے۔

حضرت بایزیدؒ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز قبول نہ تھی

حضرت رویمؒ کی روایت میں ہے کہ ایک بار انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تو اللہ

تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ تمام لوگ مجھ سے اپنے لئے کچھ نہ کچھ طلب کرتے ہیں مگر بایزید بسطامیؒ تو مجھ سے مجھ ہی کو طلب کرتے ہیں۔'' معالی الھمم '' میں حسب ذیل بیان درج ہے۔

'' حضرت بہلول داناؒ سالک مجذوب تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کسی سے کوئی چیز نہ لیتے تھے۔ بہت زیادہ اصرار کیا جاتا تو فرماتے کہ ہم ماموراور مکلّف ہیں کہ کسی غیر کے واسطے سے کوئی چیز قبول نہ کی جائے کیونکہ اس میں '' ہمت '' کا زیاں ہے۔ لوگوں نے ایک مرتبہ ان سے ہمت کی حقیقت معلوم کرنا چاہی تو فرمایا کہ ہمت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور سے کوئی امید نہ رکھی جائے۔ اوسط درجہ یہ ہے کہ اپنی تمام تدبیریں، مصلحتیں اور ضروریات اس کے حوالے کردی جائیں اور ہمت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات ہی نہ ہو''۔

حضرت بہلول داناؒ کے متعلق زوجہ ہارون رشید کی ایک حکایت بہت مشہور ہے کہ ایک دن حضرت بہلول ریت میں اپنے پاؤں سے گھروندے بنا رہے تھے کہ ہارون رشید اور ان کی زوجہ کا اس گلی سے گزر ہوا جہاں آپ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہارون رشید نے پوچھا حضرت یہ کیا بنا رہے ہیں تو فرمایا'' یہ جنت کے مکان ہیں اگر خریدنا چاہو تو آج یہ سودا بہت سستا ہے''۔ پوچھا '' کتنے کا'' تو فرمایا'' ایک ہزار اشرفی کا'' ہارون رشید نے اس بات کو وزن نہ دیا اور مذاق سمجھ کر چلا گیا مگر زوجہ ہارون رشید نے گھر جاتے ہی ایک ہزار اشرفی کی تھیلی اٹھائی اور بہلول داناؒ کے سپرد کردی۔ آپ نے ایک ریت کے گھروندے پر ایک تنکے سے لکھ دیا'' زبیدہ زوجہ ہارون رشید'' اور کہا جاؤ تمہارا مکان جنت میں تیار ہوگیا ہے (غالباً یہ رقم آپکو کسی غریب کی مدد کے لئے درکار ہوگی)۔

چند دنوں بعد ہارون رشید نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے جنت کی سیر کی اور ایک مکان جو بہت خوبصورت تھا جب اس کو دیکھا تو اس پر لکھا ہوا ہے'' زبیدہ زوجہ ہارون رشید'' وہ خوش ہوئے اور چاہتے تھے کہ یہ خوبصورت مکان اندر سے بھی دیکھا جائے تو ایک چوکیدار نے ان کو داخل ہونے سے روک دیا تو آپ نے کہا کہ میں ہارون ہوں اور یہ مکان میری بیوی کا ہے تو چوکیدار نے کہا کہ یا تو زبیدہ کی اجازت لاؤ یا بہلول داناؒ کی اجازت لاؤ ورنہ اندر نہیں جاسکتے۔ یہ خواب جب آپ نے زبیدہ کو بتایا تو انہوں نے اس بات کو ہارون رشید پر اپنی فضیلت کا اشارہ قرار دیا تو ہارون رشید نے جواب میں کہا وہ ایسے کئی مکان جنت

میں بنوا سکتا ہے۔ زبیدہ کی خاوند سے یہ بات یہاں تک بڑھ گئی کہ اس نے یہ کہہ دیا کہ جب تک تم اپنے جنتی ہونے کا ثبوت مہیا نہیں کرو گے تو میرے قریب بھی نہیں آ سکو گے۔

دوسرے روز ہی ہارون رشید ایک خطیر رقم لے کر بہلول داناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بہلول داناؒ نے ان کو دیکھ کر ہی کہہ دیا کہ آپ اب سب کچھ دیکھ کر مکان خریدنے کے لئے آ گئے ہو۔ خریدنے کا موقع تم نے ضائع کر دیا۔ یہ ایسے سودے ہیں جو دیکھے بغیر ہی طے پاتے ہیں۔ ہارون رشید نے بہت زیادہ رقم دینے کا عندیہ دیا تو آپ نے کسی قسم کی رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اب ہارون رشید نے علماء کو طلب کیا کہ شاید کوئی ان کے جنتی ہونے کا ثبوت دے سکے۔ علماء نے کہا کہ ہم تو اپنے جنتی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتے تو آپ کے متعلق یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔

- حضرت محمدؒ (امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد) نے مجلس علماء طلب کی اور ہارون رشید جس کے زھد اور پرہیز گاری کا سب کو علم تھا کو بھی طلب کیا۔ آپ نے ہارون رشید سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا واقعہ سنا دو کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ تم نے کسی برائی پر قادر ہونے کے بعد خدا کے خوف سے برائی کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔ ہارون رشید نے کہا کہ ایسا کوئی واقعہ مجھے یاد نہیں۔ فرمایا اچھی طرح یاد کر لو۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ہاں ایک خاتون پر غالب آنے کے باوجود اس سے برائی کرنے کا ارادہ اللہ کے خوف کو سامنے رکھتے ہوئے ترک کر دیا (قصہ طویل ہے مگر یہاں اختصار سے لکھا جا رہا ہے) حضرت امام صاحب نے کاغذ طلب کیا اور اس پر یہ لکھ دیا کہ میں ان کو دو جنتوں کی خوشخبری دیتا ہوں۔ علماء نے اعتراض کیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ" (اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے تو اس کے لئے دو جنتیں ہیں) (الرحمٰن: ۴۶) ویسے بھی ایک حدیث میں ذکر ہے کہ جو شخص ایسے موقع پر اللہ کے خوف سے ڈر گیا اور زنا نہ کیا تو وہ قیامت کے روز اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوگا، جس دن سوائے خدا کے عرش کے اور کسی کا سایہ نظر نہ آئے گا۔[1]

حضرت بہلول داناؒ نے اللہ پر کمند ڈالنے کا طریقہ سمجھایا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بہلول داناؒ کا مذکورہ بالا واقعہ دیکھ کر ہارون رشید آپ کا بہت

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۳۵۷، جلد ۲، صفحہ ۵۱۷۔

زیادہ معتقد ہو گیا اور حضرت بہلول داناؒ کو پہلے کی طرح اپنی رہائش گاہ پر حاضر ہونے کی دعوت دیتا رہا مگر انہوں نے یہ کہہ کر ان کی دعوت کو رد کر دیا کہ ''فقیر امراء کے دروازوں پر نہیں جایا کرتے، اگر ملنا ہے تو ہماری کٹیا پر آؤ''۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپؒ ہارون رشید کے قلعہ کی دیوار کے ساتھ جا رہے تھے کہ ہارون رشید نے خادموں کو حکم دیا کہ کمند ڈال کر ان کو میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور جب خادموں نے آپ کو پکڑ کر ہارون رشید کے سامنے کھڑا کر دیا تو حضرت بہلول داناؒ نے پوچھا کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟ آخر تم کیا چاہتے ہو؟ ہارون رشید نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے واصل باللہ کروا دیں۔ بہلول داناؒ نے کہا کہ اس میں کیا مشکل بات ہے۔ دیکھو تمہیں میری طلب تھی اور تم نے ایک مضبوط رسا (کمند) ڈال کر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور یہ سب تم اس لئے کر سکے ہو کہ تم بادشاہ ہو۔ اگر تم بادشاہ ہو تو ایک رسا (کمند) اللہ تعالیٰ پر ڈال کر اس کو بھی اپنے سامنے حاضر کر لو۔ آپ کے اس قول سے یہ مراد تھی کہ اللہ تعالیٰ کو سامنے کھینچ کر لے آنا کوئی بڑی بات نہیں۔ ایسے ہی ہمت کرو جیسے تم نے میرے لئے جرأت کی ہے تو اس طرح کرنے سے اللہ تعالیٰ کو بھی کھینچ کر اپنے سامنے لا سکتے ہو۔ علامہ اقبالؒ کا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

در دشت جنوں من جبریل زبوں صیدے   یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

(پ م:۳۳۶)

(میرے جنون کے صحرا میں جبرائیل علیہ السلام ایک معمولی شکار ہیں، اے مردانہ ہمت والے اللہ کو کمند سے کھینچ لے)

راقم الحروف اپنے مریدوں کو اس مثال کے ساتھ بڑی آسانی سے سمجھا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اگر محبت کرو اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو تو یہ نہایت آسان بات ہے۔ ہر صاحب ہمت ایسا کام کر سکتا ہے۔ لوگ دنیا کو حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے کم کوشش بھی کی جائے تو وہ راضی ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کی جنید سے ملاقات نہیں ہوئی

''معالی الھمم'' اور سیرت جنیدؒ میں یہ لکھا گیا ہے کہ اگرچہ دونوں نے ایک دوسرے کا زمانہ پایا ہے مگر ان دونوں کی آپس میں ملاقات ثابت نہیں ہے اور نہ ہی خط و کتابت ہوئی مگر حضرت جنیدؒ حضرت بایزیدؒ کی تحریروں اور ان کے دوستوں کے ذریعے (جو دونوں میں مشترک تھے) حضرت بایزیدؒ کی شخصیت و افکار کے متعلق کافی متعارف ہو گئے تھے۔ کتاب اللمع میں شطحیات بایزیدؒ کے متعلق حضرت جنیدؒ کے اقوال بھی ملتے ہیں

اور حضرت جنیدؒ انہیں وقتی اور زود اثر الفاظ کا مجموعہ قرار دیتے ہیں ان اقوال کی عوام کے نزدیک کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے لیکن وہ ان کے روحانی مرتبہ کے قائل تھے اور تصوف میں ان کے بلند مقام کو مانتے تھے۔

اہل مغرب نے حضرت بایزیدؒ کو بھی وحدت الوجود کا قائل قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دینی معاملات میں اپنے وجدان کو من جانب اللہ قرار دیتے تھے اور اس وجدان کے باعث وہ شعور کی اس دنیا کو خدائی وحدت کی شکل میں دیکھتے تھے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ صوفیانہ فکر میں جنیدؒ سے کوسوں دور تھے۔ حضرت بایزیدؒ جب روحانی بلندیوں پر ہوتے تو ان کے لئے یہ فانی دنیا خدائی شکل اختیار کر لیتی جبکہ ایسی حالت میں حضرت جنیدؒ کے لئے اس دنیا کا وجود ہی کالعدم ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ تصوف کی دنیا میں ہر دلعزیز تھے اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کی شہرت میں کچھ کمی نہ ہوئی اور ان کے اقوال مثلاً ''مَا فِی جُبَّتِیْ اِلَّا اللّٰہِ'' میرے اس چوغے کے اندر سوائے خدا کے اور کوئی چیز نہیں، آج بھی تصوف کی راہ پر چلنے والے لوگ نقل کرتے ہیں۔

شطحیاتِ بایزیدؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ کی طرف بعض اقوال ایسے منسوب کر دیئے گئے ہیں کہ جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں سے بعض اقوال تو ایسے ہیں کہ ان کی تاویل کی جا سکتی ہے اور اہل بصیرت ان کے معانی کو سمجھنے میں دقت محسوس نہیں کرتے۔ آپ کے ایسے اقوال معرفت اور روحانی واردات کے اظہار اور بیان کے لئے تنگی اور الجھن کا باعث بن جاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے اقوال کے غلط معانی تجویز کر دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان روحانی واردات سے آشنا لوگ ان کا مفہوم سمجھ لیتے ہیں مگر عام لوگ انہیں سمجھنے کے قابل نہیں اور انہیں سمجھنے میں مغالطہ ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان کے قول کا پہلا جملہ چونکا دینے والا ہوتا ہے اور علمائے ظواہر ایسے جملے کو سن کر شور و غل مچا دیتے ہیں لیکن جملے کے دوسرے حصے کو سن کر آپ کے قول کا مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے شکوے پر لوگوں نے کفر کے فتوے لگا دیئے مگر جواب شکوہ سنا تو خاموش ہو گئے۔

راقم الحروف نے اپنی تصنیف ''حسن نماز'' (ص ۵۲۶ تا ۵۳۱) میں کشف، الہام، مراقبہ اور امور غیب کے مکشوف ہونے کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا

احکام شرعیہ کا فیصلہ قابل غور ہے اور ایسی عبارات جو کہ غلبہ سکر کے تحت اولیاء کرام کی زبان سے نکلی ہیں ان کے متعلق آپ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مولانا محمد ہاشم کشمی ''زبدۃ المقامات'' میں فرماتے ہیں کہ کچھ صوفیائے کرام نے ایسے معارف بیان کئے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف نا قابل فہم اور مغلق معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کے اس کلام کے متعلق حضرت مجددؒ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر اس کلام کا ظاہر اصول دین کے مطابق نہ ہوتا تو آپ اس کی تاویل شریعت غرا کے مطابق کرتے اور اگر اس قدر توجہ کرنے کے بعد بھی اس کلام کی مخالفت کرنا شریعت کے مطابق ضروری سمجھتے تو آپؒ فرماتے کہ یہ کلام غلبہ سکر کی وجہ سے سرزد ہوا ہے یا یہ فرماتے کہ اس بزرگ سے کشف میں غلطی ہوئی اور ہم ان کی شان میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتے۔

غلبۂ حال میں کہے جانے والے الفاظ

غلبۂ حال میں کہے جانے والے الفاظ خطائے اجتہادی کی طرح مغفور (معاف) ہیں۔ اگر کبھی آپ ایسے کلام سے اختلاف کرتے تو یہ کہنے سے دریغ نہ کرتے کہ ''ہم ان بزرگواروں کے حقوق میں غرق ہیں اور ان کی دولتوں کے خرمن سے خوشہ چین ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ حقوق خداوندی دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں''۔

مولانا ہاشمؒ فرماتے ہیں کہ اگر اسی طرح علمائے ظاہر کے نزدیک اولیائے کرامؒ کے مسائل یا معاملات میں سے کوئی چیز شرع کے مطابق نہ ہوتی اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو حال سے قوی تاویلات عطا ہوتیں تو جس قدر ممکن ہوتا آپ اسے عقلی، نقلی اور ذوقی اعتبار سے دلائل کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور اس کی تائید میں بلند اعلیٰ اور ارفع تشریحیں پیش کرتے (طوالت کے خوف سے ایسی مثالوں کا پیش کرنا مشکل ہے)۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرامؒ دین کے اصول میں مجتہدین کے تابع ہیں اور ایسے امور میں حضرت مجدد ان کے خلاف نہیں جاتے تھے۔

حضرت مجددؒ نے فرمایا اولیائے کرام کا الہام حلت اور حرمت کو ثابت نہیں کرتا اس کو تسلیم کرنے میں ولایت خاصہ اور عام مومنین تقلید میں برابر ہیں (یعنی جہاں حلال وحرام کا سوال شریعت نے مقرر کیا اس میں الہام دخل اندازی نہیں کرسکتا اور شریعت کے فیصلے کو آخری فیصلہ تسلیم کیا جائے گا)۔ حضرت مجدد علیہ رحمتہ فرماتے ہیں کہ ولایت خاصہ والوں کو ان کا کشف اور الہام کوئی قربت نہیں بخشتے اور انہیں تقلید سے باہر نہیں

لاتے۔اسی طرح حضرت بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ اجتہادی احکام میں عام مومنین کی طرح تقلید میں برابر ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ نے شریعت کے خلاف کہے گئے اقوال کے متعلق مکتوبات شریف میں جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ''مسلمانی اور مہربانی کا طریق یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ ظاہر ہو جو بظاہر علوم شریعہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کے کہنے والا کون ہے۔ اگر ملحد اور زندیق ہو تو اس کو رد کرنا چاہئے اور اس کی اصلاح میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔ اگر اس کے کہنے والا مسلمان ہو اور خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیے۔ اس قول کا صحیح محمل پیدا کرنا چاہئے یا اس کے کہنے والے سے اس کا مطلب حل کرانا چاہئے۔ اگر وہ خود اس کے حل کرنے سے عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہئے اور نرمی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے۔

حضرت حصریؒ نے کہا اگر عرش کو دیکھوں تو کافر ہو جاؤں۔ حضرت جنیدؒ متمکن تھے یعنی جنیدؒ کے لئے لوح و شطح نہ تھے شیخ الاسلام کا اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسی باتیں جن میں رعونت یعنی غرور اور گھمنڈ ملا ہوا ہو اور ان میں نادانی ہو بزرگوں نے ایسی باتیں جنیدؒ کی طرف منسوب نہیں کیں کیونکہ وہ متمکن تھے ان کے حالات متغیر نہیں ہوتے تھے۔ مگر بایزیدؒ کی یہ کیفیت تھی کہ ان میں حال متصرف ہوتا تھا۔ اس وقت ان سے شطحیات صادر ہوتی تھیں۔ شطحیات ایسی باتیں ہیں جو مستی اور ذوق میں بعض واصلین حق سے نکل گئیں۔ مشائخ ان خلاف شرع کلمات کو نہ تو رد کرتے ہیں نہ ہی قبول کرتے ہیں ایسی شطحیات کی تفصیل طوالت کے سبب پیش نہیں کی جا سکتی مگر حقیقت یہی ہے کہ غلبہ حال میں بہت سے بزرگوں نے کلام کیا ہے۔ تفہیم مسئلہ کے لئے اس باب کے آخر میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا قول پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت جنیدؒ کے کلام میں لوح اور شطح نہ تھے جنہوں نے امر و نہی کو بڑا جانا۔ امر و نہی کی قدر کی اور ان کے کام نے اصل بات کو پکڑا اور سب فرقوں نے اسے قبول کیا۔ لوگوں نے جنیدؒ سے کہا آپ کا وطن کہاں ہے۔ فرمایا عرش کے نیچے یعنی کہ میرا منتہائے مقصود کہ میری نظر کی منشاء میری روح کی آرام گاہ اور میرے کام کا سرانجام آخر وہی ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تو مسافر ہے اور میں تیرا وطن ہوں۔ کہتے ہیں کہ جب بایزید نماز پڑھتے تو ان کے سینہ کی ہڈیوں کی آواز باہر نکلتی تھی جسے لوگ سنتے تھے بایزیدؒ کی اپنی آواز اس میں گم ہو جاتی تھی اور یہ حق تعالیٰ کی ہیبت اور شریعت کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے ہوتا تھا۔

حضرت بایزیدؒ نے اپنی وفات کے وقت کہا۔ الٰہی میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت اور لاپرواہی سے اور تیری عبادت نہیں کی مگر فتور اور خرابی کے ساتھ یہ کہا اور فوت ہو گئے یعنی حضرت بایزیدؒ کے آخری الفاظ جو ان کی زبان سے نکلے یہ تھے۔

اِلٰھِی مَا ذَکَرْتُکَ اِلَّا عَنْ غَفْلَۃٍ وَمَا خَدمْتُکَ اِلَّا عَنْ فَتْرَۃٍ

ابوعلی جوزجانیؒ سے ان الفاظ (شطحیات) کی نسبت سوال کیا گیا۔ جو بایزیدؒ سے منقول ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، کہ ہم بایزیدؒ کے حال کو تسلیم کرتے ہیں۔ شاید وہ الفاظ ان سے غلبہ حال یا حالت سکر میں صادر ہوئے ہوں جو شخص بایزیدؒ کا مقام حاصل کرنا چاہے اسے بایزیدؒ کی طرح مجاہدہ نفس کرنا چاہیے تب وہ بایزیدؒ کے مقام کو سمجھے گا۔

بعض مشائخ کا قول ہے کہ شریعت کے خلاف معلوم ہونے والے اقوال حضرت بایزید بسطامیؒ سے منسوب کر دیئے گئے ہیں، درحقیقت یہ اقوال ان کی زبان سے نہیں کہے گئے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ کے چند مریدوں نے ایسے اقوال اپنی طرف سے گھڑ لئے ہیں تاکہ وہ اس سے اپنی اہمیت اور شیخ سے تعلق ظاہر کر سکیں۔ اس کلام کی تشہیر کا ایک اور بھی سبب سمجھا گیا ہے کہ اس قسم کی باتیں گھڑنے کے لئے آپ کے بدطینت دشمنوں نے آپ کی عظمت اور شہرت کو نقصان پہنچانے کا ایک ذریعہ بنایا ہو۔ اس موضوع پر اگر مزید مطالعہ کی ضرورت ہو تو کتاب اللمع کو دیکھیں۔

کشف المحجوب سے شطحیات کی وضاحت

جمع وتفریق جمع اور تفریق کے بارے اس فصل میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا ہے کہ جمع علم توحید کا نام ہے اور تفریق علم احکام کو کہتے ہیں۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ جمع وہ ہے جس پر اہل علم اجماع کر لیں اور تفریق وہ ہے جس پر اہل علم نے اختلاف کیا۔ یعنی مکاسب (کسب کرنا) تفریق ہے اور مواہب (اللہ کی طرف سے عطا) جمع ہے۔ اس سے مراد مشاہدہ اور مجاہدہ کے ہیں یعنی جب بندہ مجاہدے سے راہ بناتا ہے تو تفریق میں ہے اور جب بندے پر عنایت و ہدایت حق ہونے لگے (مشاہدہ حاصل ہو جائے) تو یہ مقام جمع ہے۔ اس حالت میں بندہ اپنے فعل سے بچا ہوتا ہے اور خود کو حق تعالیٰ کی ذات میں محو کر دیتا ہے اور اس کا ہر فعل ذات حق کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر عرض کی کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

لَایَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ	میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے
بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فَاِذَا	یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں پھر جب میں
اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا	اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کی سمع ، بصر، ہاتھ، دل اور
وَبَصَرًا وَیَدًا وَفُؤَادًا وَلِسَانًا	زبان بن جاتا ہوں یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ سنتا ہے
فَبِیْ یَسْمَعُ فَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ	اور میرے ساتھ دیکھتا ہے جو کچھ کہتا ہے میری قوت سے
یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ [1]	کہتا ہے اور جو پکڑتا ہے میری قوت سے ہی پکڑتا ہے۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ بندے کے دل میں میری یاد ہی باقی رہتی ہے اور اس کا ہر فعل میرے ذکر میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس کا سلطان ذکر میری یاد ہو جاتی ہے۔ اس کا ذکر میرا ذکر ہو جاتا ہے حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ حتیٰ کہ وہ غلبۂ حال میں اس صفت تک پہنچ جاتا ہے جیسے بایزیدؒ نے کہا "سُبْحَانِیْ مَا اعْظَمَ شَانِیْ" (یعنی میں پاک ہوں میرا کتنا بڑا درجہ ہے) یہ کہنا ان کی گفتار کا نشانہ ہے دراصل یہ کہنے والا حق تعالیٰ ہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا

اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ [2]	اللہ تعالیٰ عمر کی زبان پر بولتا ہے۔

اس سے بھی یہی مراد ہے کہ قدرت انسان پر اپنی سلطانیت (حکمرانی) ظاہر کرتی ہے اور اسے اپنی ہستی کی طرف لے لیتی ہے تاکہ اس کا بولنا رب کا بولنا ہو (اس سے مراد یہ نہیں کہ حق تعالیٰ اس بندے میں حلول کر جاتا ہے جیسا کہ ملحدین کا گروہ کہتا ہے)۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جو افعال حضور ﷺ سے حالتِ استغراق اور غلبہ محبت میں صادر ہوئے ان کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کر دی مثلاً فرمایا

وَمَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ	اے محبوب وہ کنکریاں تو نے نہیں پھینکیں جو
رَمٰی (الانفال:۱۷)	تو نے پھینکیں لیکن وہ اللہ نے پھینکیں۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "قَتَلَ دَاوٗدَ جَالُوْتَ" (یعنی داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا)۔ یہاں نسبت داؤد علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ یہ حال صورت تفریق میں تھا۔ معجزات اور کرامات چونکہ عادت ہیں اس لئے وہ جمع سے تعلق رکھتے ہیں اور جو فعل مطابق عادت ہو وہ تفریق ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث نمبر ۶۱۳۷، جلد ۵، صفحہ ۲۳۸۴۔ [2] کشف المحجوب، صفحہ ۴۰۹۔

باب نمبر ۲۵

حضرت بایزیدؒ کی کیفیاتِ بندگی اور خلوتِ بخدا

حضرت بایزیدؒ کے ایسے بہت سے واقعات منقول ہیں کہ آپ ساری ساری رات اللہ تعالیٰ سے خلوت میں گزارتے اور پھر جتنا کچھ بتانے کے لائق ہوتا تو آپ مریدین کو بتا دیتے اور خاص باتوں کو در پردہ ہی رہنے دیتے۔ ایسے سب واقعات کا نقل کرنا مشکل ہے البتہ چند ایک کو بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک رات نماز پڑھی تو صبح مریدوں نے دیکھا کہ نماز کی جگہ ایسا تازہ تازہ خون پڑا ہوا ہے جیسے بکرا ابھی ذبح کیا ہو۔ آپؒ کے مریدوں نے عرض کیا کہ حضرت رات کی کیفیت کے بارے میں کچھ ہم کو بھی بتلائیے، شاید ہم کو بھی اس سے کوئی فائدہ پہنچے۔ فرمایا رات کو جب نماز کی نیت باندھی تو عرش الٰہی کے سامنے پہنچا۔ دیکھا کہ عرش الٰہی ہانپ رہا ہے، جیسے جانور تھک کر ہانپنے لگ جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ میرے محبوب یعنی رب العالمین کا پتہ بتا کیونکہ ہم کو بتایا گیا ہے کہ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (یعنی وہ رحمان عرش پر مستوی ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے)۔ (طٰہٰ: ۵) عرش نے کہا اے بایزیدؒ تم کو تو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ عرش پر ہے اور عرش سے یہ کہا گیا ہے کہ رب العالمین مومنین کے دلوں میں ہے۔ عرش کی یہ بات سن کر مجھ پر وجد اور بے خودی طاری ہوگئی۔

حضرت عیسیٰ بسطامیؒ جو حضرت بایزیدؒ کے خاص حواریوں میں سے تھے فرماتے ہیں کہ میں تیرہ سال حضرت بایزیدؒ کی صحبت میں رہا مگر شیخ سے کوئی بات نہیں سنی۔ آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ زانو پر سر رکھا ہوتا تھا اور کبھی کبھی سر اٹھا کر، ٹھنڈی آہ بھرتے اور پھر پہلی حالت پر لوٹ جاتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص خدا کی معرفت رکھتا ہے وہ اپنی زبان ذکر الٰہی کے سوا کسی بات کے لئے نہیں کھولتا۔

اللہ کے ذکر میں محو ہونے کی ایک اور روایت ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ، نے فرمایا کہ

میں نے منٰی کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا جو کم وبیش پچاس ہزار دینار کی خرید وفروخت کر رہا تھا مگر اس کا دل ایک لمحہ کے لئے بھی یاد حق سے غافل نہ تھا۔ اس کے برعکس حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ انہوں نے ایک شخص کو خانہ کعبہ میں دیکھا کہ وہ طواف کعبہ میں مصروف تھا مگر وہ خانہ کعبہ کے نزدیک ہوتے ہوئے بھی اس سے بہت دور تھا کیونکہ اس کی توجہ دنیا کے کاموں کی طرف تھی۔ ایسے لوگ عبادت میں ہوتے ہوئے بھی عبادت سے محروم رہتے ہیں۔ قرب الٰہی کے دعوے صرف ایسے لوگوں کے لئے ہیں جو نہ صرف عبادت کے وقت دل و جان سے حاضر ہوتے ہیں بلکہ کاروبار حیات میں بھی ان کی وابستگی کا یہی عالم ہوتا ہے۔ ان کا اصل کاروبار تو قربِ الٰہی ہوتا ہے اور دنیاوی کاروبار ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت تک اللہ کے قرب کا دروازہ نہ کھلا جب تک نیند کا دروازہ بند نہ ہوا۔ حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ بیس برس کے عرصے سے کبھی ایسا نہ ہوا کہ اذان ہوئی اور میں مسجد میں پہلے ہی موجود نہ ہوتا۔ محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں کہ میں دنیا میں صرف تین چیزیں چاہتا ہوں۔ ایک ایسا دوست جو میری لغزشوں سے مجھے متنبہ کرتا رہے۔ دوسرے بقدر کفایت زندگی بھر ایسی روزی کا ملنا جس میں حرام کا جھگڑا نہ ہو تیسری ایسی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ جس میں کوتاہی ہو جائے تو معاف ہو جائے اور اس کا ثواب مجھے مل جائے۔ مزید کچھ اولیائے کرامؒ کی کثرت عبادت کے احوال پر ہماری تصنیف ''حسنِ نماز'' میں قیام اللیل کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ جب ذکر کے دوران روحانی انداز سے آسمانوں پر پہنچے تو فرشتوں کی تسبیح سنی جس کی نورانی شعائیں دور تک گئیں مگر جس وقت حضرت بایزیدؒ نے تسبیح کی تو اس کے نور سے تمام آسمان جگمگا اٹھا اور آپ کی ایک تسبیح آسمان کے تمام فرشتوں کی تسبیح پر غالب آگئی۔

عبادت کے ذریعے انسان کو بہت قوتیں عطا کی جاتی ہیں

مجالس سنیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اڑنے کے لئے پر دیئے، انہیں نور سے پیدا فرمایا اور وہ آن واحد میں آسمان پر جاسکتے ہیں۔ انسان کو خاک سے پیدا کیا (اور اس کی روح کو نور بخشا) مگر انسان کو پر نہ دینا کوئی خاص مصلحت تھی۔ اس کے اشرف المخلوقات ہونے کے سبب اس کو عام پر نہیں دیئے گئے بلکہ روحانی پر دیئے گئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انسان کی دو رکعت نماز دو پروں کے مطابق ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کیا جیسا کہ اس کا حق ہے، تو انہوں نے اپنے اندر وہ کمالات اور

صفات پیدا کئے جس پر مخلوقات میں سے کسی کو بھی رسائی نہ ہوئی۔ انسانوں میں افضل ترین رسول اللہ ﷺ ہیں اور فرشتوں میں سب سے ارفع جبرائیل امین علیہ السلام ہیں جو کہ سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر جانے کی تاب نہ رکھتے تھے اور اس کے برعکس حضور ﷺ نے عین ذات کا قربِ اقرب حاصل کیا۔ منقول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ سے ایک بال برابر بھی آگے جانے کی تاب نہ رکھتے تھے۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم   فروغِ تجلی بسوزد پرم

(اگر (اس جگہ سے) میں ایک بال برابر بھی آگے جاؤں تو فروغ تجلی سے میرے پر جل جائیں گے)

اُمت محمدیہ ﷺ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ عام فرشتوں پر عام مسلمانوں کو فضیلت حاصل ہے اور خاص مسلمان خاص فرشتوں سے افضل اور برتر ہیں۔ جنات اور فرشتوں کو فاصلے طے کرنے کی طاقت دی گئی ہے مگر حضرت عمرؓ جیسے انسان، سینکڑوں میل دور بیٹھے جمعتہ المبارک کا خطبہ دیتے ہوئے اپنے جرنیل کو آواز دیتے ہیں اور فرماتے ہیں "یَاسَارِیَۃُ عَلَی الْجَبَلْ"[1] (اے ساریہ پہاڑی کی طرف دیکھ) اور یہ آواز بغیر کسی دنیاوی آلے کے ساریہ تک فوراً پہنچتی ہے جس طرح کسی ہیڈ کوارٹر سے فوج کو لاسلکی ہدایات پہنچتی ہیں۔ بلقیس کا بہت بڑا تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے سینکڑوں میل سے آصف بن برخیاؓ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا دیا۔ اس قسم کی لاکھوں مثالیں مستند ذرائع سے ہم تک پہنچ چکی ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان ہو جائے تو کائنات ارض و سما اس کے تابع ہو جاتی ہے اور یہ فاصلے اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ ہماری تصنیف ''رابطہ شیخ'' میں انسان کو بشری اور نورانی جہات عطا ہونے کا بیان قابل مطالعہ ہے اور ''اسلام اور روحانیت'' میں مقام آدم کا بیان بہت وسیع تر ہے اور مطالعہ کے لائق ہے۔

حضرت بایزیدؒ کے مزید روحانی مقامات

روایات میں ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے حضرت بایزید بسطامیؒ کو یہ تحریر کیا کہ آپ کی ایسے شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو ایک جامِ ازل سے ایسا مست ہو گیا ہے کہ اس کی مستی ابد تک ختم ہونے والی نہیں۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہاں پر ایک ایسا فرد بھی موجود ہے جو ازل اور ابد کے بحرِ بیکراں کو پی کر بھی یہی کہتا ہے کہ کچھ اور مل جائے۔ پھر ایک مرتبہ یحییٰ بن معاذؒ نے تحریر کیا کہ میں آپ کو ایک راز بتانا

[1] کنز العمال، حدیث ۳۵۷۸۸، جلد ۱۲، صفحہ ۲۵۶۔

چاہتا ہوں لیکن اس وقت بتاؤں گا جب ہم دونوں جنت میں شجر طوبیٰ کے نیچے کھڑے ہوں گے۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے قاصد کو ایک ٹکیہ روٹی دے کر یہ ہدایت بھی کر دی کہ حضرت بایزیدؒ کو کہنا کہ اس کو کھالیں۔ یہ آب زمزم سے گوندھی گئی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت بایزیدؒ نے لکھا کہ جس جگہ خداوند تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے وہاں جنت اور طوبیٰ دونوں موجود ہوتے ہیں اور ٹکیہ اس لئے واپس کر رہا ہوں کہ آب زمزم سے گوندھنے کی فضیلت اپنی جگہ مسلم لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ روٹی کے لیے جو بیج بویا گیا تھا وہ کسب حلال کا تھا یا کسب حرام کا۔ اس لئے کہ اس کے حلال ہونے میں مجھے شک ہے۔ اس جواب کے بعد حضرت یحییٰ بن معاذ بعد نماز عشاء بغرض ملاقات بسطام پہنچے لیکن یہ خیال کر کے کہ کہیں آپ کو تکلیف نہ ہو اور کسی جگہ مقیم ہو گئے اور صبح کو جب آپ کے یہاں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ آپ قبرستان میں ہیں، چنانچہ جب حضرت یحییٰؒ قبرستان پہنچے تو دیکھا کہ حضرت بایزیدؒ اپنے پیروں کے انگوٹھوں کے بل کھڑے ہوئے مصروف عبادت ہیں اور ایسا محسوس ہوا کہ جیسے پوری رات اسی طرح کھڑے ہوئے گزری ہے۔ پھر فراغت کے بعد جب اچھی طرح دن نکل آیا تو آپ نے یہ دعا پڑھی "اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ" (میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں اس بات کی کہ میں تجھ سے اس مقام کا حال دریافت کروں)۔

اس کے بعد حضرت یحییٰؒ نے پیش قدمی کرتے ہوئے سلام کیا اور رات کے واقعات دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو بیس مدارج عطا کرنے چاہے لیکن وہ سب حجاب کے تھے اس لئے میں نے قبول نہیں کئے۔ پھر حضرت یحییٰؒ نے پوچھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے معرفت کیوں نہیں طلب کی؟ یہ سنتے ہی آپ نے چیخ مار کر کہا کہ بس خاموش ہو جاؤ۔ اس لئے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس شے سے واقف ہو جاؤں جس کے لئے میری تمنا یہ ہے کہ خدا کے سوا اس سے کوئی واقف نہ ہو اور یہ بات تم خود سوچ لو کہ جہاں معرفت خداوندی کا وجود ہو وہاں مجھ جیسے گناہ گار کا گزر کہاں، کیوں کہ یہ خدا کی مرضی میں شامل ہے کہ معرفت کو اس کے علاوہ کوئی نہ جان سکے۔ پھر حضرت یحییٰؒ نے عرض کیا کہ آج کی شب جو مراتب آپ کو عطا ہوئے ان کا کچھ فیض مجھے بھی پہنچا دیجئے۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ اگر تجھ کو صفات آدم علیہ السلام، قدس جبرئیل علیہ السلام، خلعت ابراہیم علیہ السلام، شوق موسیٰ علیہ السلام، پاکیزگی عیسیٰ علیہ السلام اور حب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب ہی کچھ عطا کر دیئے جائیں جب بھی اپنے شوق طلب کو روک نہیں لینا چاہیے اور بس صرف خدا ہی کو خدا سے

طلب کرتے رہنا تا کہ سب کچھ حاصل ہو جائے۔

حضرت بایزیدؒ اپنا اکثر وقت بندگی اور یادالٰہی میں گزارتے بندگی اور عبادت پر آپ کے بہت سے اقوال ملتے ہیں جن کو مختلف جگہوں پر بیان کر دیا گیا ہے۔ طہارت قلب کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کثرت سے ذکرالٰہی میں مشغول رہتے تا کہ دل مشاہدہ الٰہی کے قابل ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اکثر ذکر خفی سے کام لیتے اور کبھی کبھی ذکر جلی بھی کیا کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ساری ساری رات ذکر کے لئے بیٹھے رہتے مگر زبان پر کوئی کلمہ نہ لا سکتے، جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا اور کبھی پیشاب میں بھی خون آ جاتا۔

آپؒ نے فرمایا عبادت کا مقصد صرف یقین پیدا کرنا ہے اور تیس سالہ ریاضتوں کے بعد مجھے "نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ" (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)۔ (ق:۱۶) کا یقین ہوا اور اگر میں شروع میں ہی اس بات پر یقین کر لیتا تو تیس سال اس قدر سخت مجاہدات نہ کرنے پڑتے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ جس کا "نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ" پر یقین ہو تو اس کا کام فوراً ہو جاتا ہے۔

منقول ہے کہ کسی نے ایک ایسے شخص کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا جو اعمال صالحہ سے بہت دور تھا اور پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے تو اس نے کہا اگرچہ میں بہت گناہگار تھا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے۔ پوچھا کس وجہ سے بخشش ہوئی، کہنے لگا ایک روز بایزیدؒ اپنے رب کے حضور دعا مانگ رہے تھے اور میں نے ان کی دعا میں آمین کہا۔ لہٰذا ان کی دعا کی بدولت مجھے بھی بخش دیا گیا۔

حضرت بایزیدؒ کی جستجوئے حق کا انداز

حضرت ابوموسیٰؒ نے جب حضرت بایزیدؒ سے یہ سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ کی جستجو میں سب سے زیادہ دشوار مقام آپ کو کیا نظر آیا تو فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کی اعانت کے بغیر قلب کو اس کی طرف متوجہ کرنا بہت دشوار ہے اور جب اس کی مدد شامل حال ہوتی ہے تو پھر سعی کے بغیر بھی قلب اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور مجھے اس وقت ایک خاص کشش سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے وہ مراتب عطا کئے جو آپ پر بھی منکشف ہیں اور ظاہر میں بھی اس کی علامات پائی جاتی ہیں۔ منقول ہے کہ جس وقت آپ کے اوپر خوف طاری ہوتا تو پیشاب میں خون آنے لگتا۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ حاضر ہوئے تو آپ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا کہ میں نے بہت کوشش کی کہ تمہیں دینے کے لئے کوئی چیز مل جائے لیکن نہیں مل سکی۔

ایک دفعہ آپ نے ایک شوریدہ سر کو کہتے سنا خداوندا میری طرف دیکھ۔ حضرت بایزیدؒ نے نہایت جوش میں آ کر کہا کہ تو بڑا اچھا منہ رکھتا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھے۔ اس نے کہا "اے شیخ اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ میری طرف دیکھے تاکہ میرا منہ عمدہ ہو جائے۔" یہ بات آپ کو بہت پسند آئی اور کہا "تو سچ کہتا ہے۔" ایک دن جبکہ حضرت بایزیدؒ کے سامنے طشت میں ایک سرخ سیب تھا۔ آپ نے سیب کو ہاتھ میں اُٹھا کر دیکھ کر فرمایا۔ کیسا لطیف سیب ہے۔ اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ بایزیدؒ کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ ایک سیب پر ہمارا نام لیتا ہے۔ اس پر آپ کی قلبی کیفیت چالیس دن تک خراب رہی اور آپ نے وعدہ کیا کہ تمام عمر بسطام کا میوہ نہ کھاؤں گا۔

حضرت بایزیدؒ کی کیفیت حیا

ایک حکایت میں ہے کہ ایک شخص عصر کے بعد بایزیدؒ کے ہاں "حیا" سے متعلق کچھ استفسار کرنے لگا۔ حضرت بایزیدؒ اپنے گھر میں تھے۔ ایک خادم دروازے پر بیٹھا تھا جس سے آدمی نے اندر جانے کی اجازت مانگی۔ خادم نے کہا اس وقت اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ آدمی نے کہا، کیا تمہیں یاد نہیں کہ شیخ نے مجھ کو ہر وقت آنے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اتنا کہہ کر وہ شخص اندر چلا گیا۔ اندر کیا دیکھتا ہے کہ پورا گھر گویا کہ شیخ کی شبیہوں سے بھرا ہوا ہے۔ آدمی گھبرا گیا اور الٹے پاؤں بھاگا۔ دوسرے روز پھر وہ پہنچ گیا اور اسی طرح بضد ہو کر اندر داخل ہو گیا۔ اب تو اس نے ایک عجیب ہی ماجرا دیکھا کہ ہر چیز پگھلی ہوئی پڑی ہے یعنی گھر کی ہر چیز پانی پانی ہے۔ وہ آدمی گھبرا کر لوٹ آیا۔ پھر اس نے خادم سے ماجرا دریافت کیا۔ تو خادم نے کہا کہ پہلی کیفیت راز و نیاز کی کیفیت تھی۔ دوسری کیفیت اظہار ندامت سے عبارت تھی۔ شیخ حیا سے پانی پانی ہو جاتے تھے۔ یہ سن کر آدمی نے کہا۔ زبان حال بھی واقعتاً کس قدر فصیح ہوتی ہے۔

لوگوں نے سوال کیا۔ مراقبہ اور حیا میں کیا فرق ہے؟ فرمایا۔ مراقبہ غائب کا انتظار ہے اور حیا حاضر ہونے سے ندامت کا نام ہے۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ عبودیت کی دو خصلتیں ہیں۔

۱۔ ظاہر و باطن میں ہر طرح خدا کی رضا پر راضی رہنا۔

۲۔ رسول کریم ﷺ کی پوری محبت کے ساتھ اقتداء کرنا۔

فرماتے ہیں فتوت یہ ہے کہ درویشوں کا امتحان نہ لیا جائے اور امیروں سے جھگڑا نہ کیا جائے۔ جوانمردی یہ ہے کہ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ رکھو اور جو کچھ پاس ہو اس کو خرچ کرو۔

آپ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن آپ کے پیٹ میں درد ہوا تو کسی شخص کے پوچھنے پر آپؒ نے فرمایا کہ رات کو میں نے دودھ پی لیا تو اس لئے یہ درد ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی نے آپ کے وصال کے بعد آپ کو خواب میں پوچھا تو آپ نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لطف و کرم سے بخش دیا ہے۔ فرمایا جب میں خداوند تعالیٰ کے حضور پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ اے بایزیدؒ ہمارے لئے کیا لائے ہو؟ آپ نے عرض کی الٰہی میں اس قابل کہاں کہ آپ کے لئے کچھ لاتا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں نے ساری عمر کوئی شرک نہیں کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اُذْکُرْ لَیْلَۃَ اللَّبَنِ" (دودھ والی رات یاد کرو) میں نے شرم سے اپنے سر کو جھکا لیا۔

مقالات وفرمودات جنیدؒ و بایزیدؒ

حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کے چند مقالات ایسے ہیں کہ جو عام مشائخ اور اولیائے کرام سے بہت مختلف وضاحت اور حیثیت کے حامل ہیں بلکہ کچھ اصطلاحات ایسی ہیں جن کا اجراء ان دونوں حضرات سے ہی منسوب ہے۔ قارئین کے ذوق کے مطابق جہاں چند ایسی اصطلاحات کا ذکر کیا جائے گا جن میں دونوں حضرات کے اقوال موجود ہیں۔

مذکورہ بالا اصطلاحات کا استعمال باقی مشائخ سے بھی ملتا ہے جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ "کتاب اللمع" میں موجود ہے۔ اس کتاب میں حضرات جنیدؒ اور بایزیدؒ کے بہت سے اقوال بھی درج ہیں جن کا ذکر یہاں دانستہ طور پر طوالت کے خوف سے نہیں کیا جا رہا ہے کچھ اصطلاحات ایسی بھی ہیں جس کو بہت عمیق انداز سے ہماری تصنیف "اسلام اور روحانیت اور فقر اقبالؒ" میں بیان کیا جا رہا ہے البتہ چند اصطلاحات جو مذکورہ بالا حضرات نے بہت طوالت سے بیان کی ہیں ان کا ذکر اس کتاب میں الگ عنوانات سے بیان کیا گیا ہے مثلاً توحید، سکر اور صحو، شطحیات وغیرہ۔

فنا اور بقاء

"سرِ دلبراں" میں ہے کہ فنائیت عدم شعور کو کہتے ہیں۔ ذاتِ احد میں اس قدر استغراق کہ اپنا بھی

ہوش نہ رہے۔ فنا بے خودی کے عالم میں اپنی بے خودی کا ہوش بھی نہ رہنے کو کہتے ہیں گویا عشق الٰہی میں اپنی ہستی کو گرم کر دینے اور اللہ کے سوا ہر چیز کو بھلا دینے کا نام فنا فی اللہ ہے اور اپنی ہر چیز کو فنا کر کے خدا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینے کو بقا باللہ کہتے ہے۔ بقا وہ بقا ہے جو فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے یعنی رُجُوع اِلَی الُبدائیته یا جمع الجمع کو بقا کہتے ہے۔

پروفیسر نکلس نے لکھا ہے کہ حضرت بایزیدؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فنا کو باقاعدہ اصطلاح کے طور پر پیش کیا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت بایزیدؒ نے عرفان کے متعلق فرمایا کہ یہ مخلوقات کے احوال ہیں اور صاحب حال کا کوئی حال ہی نہیں کیونکہ اس کے سارے احوال مٹا دیئے گئے ہیں اور غیر کی نشانیوں کے لئے اس کی نشانیاں بھی مٹا دی گئی ہیں۔

فنا استغراق کی کیفیت طاری کر دیتی ہے جیسے حضرت بایزیدؒ کو ذوالنون مصریؒ کے ایک مرید نے ان کے گھر پر آکر کہا کہ کیا بایزیدؒ گھر پر ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ کون بایزیدؒ، کہاں کا بایزید؟ میں تو ایک مدت سے اس کی تلاش میں ہوں۔ حضرت بایزیدؒ فرمایا کرتے تھے ''لَا اُرِیْدُ اِلَّامَا یُرِیْدُ'' (یعنی میں کچھ نہیں چاہتا مگر وہی جو وہ چاہتا ہے) یعنی جو خدا کی منشاء ہے وہی میری منشاء ہے۔ ایسے لوگوں کو قلب سلیم مل جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آخری وقت میں جب لوگوں نے مجبور کیا کہ ان کے لیے کوئی طبیب لایا جائے تاکہ صحت بحال ہو جائے۔ فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ایسا ہی ہوگا (جیسے فرمایا ہے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ)۔

ولایت اور ولی سے متعلق حضرت جنیدؒ کی تحقیق

ولایت سے متعلق مشائخ عظام کی آراء کو الگ عنوان سے پیش کیا جا چکا ہے مگر اس جگہ حضرت جنید بغدادیؒ اور چند دیگر اولیائے کرام کے دقیق اقوال پیش کئے جائیں گے۔

ا۔ ولی ابن الوقت ہوتا ہے

حضرت جنیدؒ ولی کے متعلق لکھتے ہیں ''اَلْوَلِیُّ هُوَ اِبْنُ الْوَقْتِ'' (یعنی ولی ابن وقت ہوتا ہے) اور اس کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی احدیت کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ ولی کے لئے وقت ایک ہی قسم کا ہوتا ہے کیونکہ اس کے لئے حال، ماضی اور مستقبل ایک حقیقت رکھتا ہے۔ ہم ''حضورِ قلب'' میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ عالم

بالا سے نیچے دیکھا جائے تو تمام اوقات ماضی، حال اور مستقبل بیک وقت نظر آتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت ایک بسیط آن واحد ہے جس میں ''ماضی اور مستقبل'' حال کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ ابن الوقت کا بیان نیچے دے دیا گیا ہے۔

۲۔ ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ'' اولیاء کی شان میں ہے

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں ولی وہ ہے جسے کوئی خوف نہ ہو کیونکہ خوف اس ناپسندیدہ چیز کا نام ہوتا ہے جو مستقبل میں لاحق ہونے والی ہو یا اس محبوب چیز کے چھن جانے کا خوف ہوتا ہے جو فی الحال اس کے پاس موجود ہو۔ اس لئے کہ ولی ابن الوقت ہوتا ہے یعنی وہ حال کا پابند ہوتا ہے۔ اسے مستقبل سے کوئی سروکار نہیں رہتا۔ جس طرح اسے خوف نہیں ہوتا اسی طرح اسے کوئی غم بھی نہیں ہوتا، اس لئے کہ غم ایسی محبوب چیز کے انتظار میں ہوتا ہے جو مستقبل میں حاصل ہونے والی ہو یا ایسی ناپسندیدہ چیز جس سے چھٹکارا نہ پانے کا اندیشہ ہو اور اس کا تعلق بھی مستقبل سے ہے اور ولی مستقبل کا نہیں حال کا بندہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ولی کو ابن الوقت کہتے ہیں۔

۳۔ فرائض کا ادا کرنا ولایت کی شرط ہے

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہوتا ہے کہ جو ادائیگی فرائض اور اطاعتِ الٰہی میں مشغول رہ کر قربِ الٰہی حاصل کر لیتا ہے اور وہ جلال الٰہی کی معرفت میں غرق رہتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے تو دلائل الٰہی کو دیکھتا ہے اور جب سنتا ہے تو اللہ کی آیات کو ہی سنتا ہے اور جب کلام کرتا ہے تو اپنے رب کی ثنا ہی کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اس کی ہر حرکت اطاعت الٰہی میں ہی ہوتی ہے۔ اس کی ہر حرکت میں قرب الٰہی نظر آتا ہے۔ اس کی ہر کوشش میں اس کو قرب کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ وہ ذکر الٰہی سے نہ تھکتا ہے اور نہ ہی اپنے دل کی آنکھوں سے کسی اور شے یعنی غیر اللہ کو دیکھتا ہے۔ جب ولی کی یہ صفات ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔

۴۔ ولی کے چند خصائص

متکلمین کہتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو اعتقاد میں صحیح ہو اور مبنی بر دلیل ہو۔ اس کے اعمال شریعت کے مطابق ہوتے ہوں (یاد رہے کہ اگر کوئی شخص عالم ہو لیکن اس کے اعتقادات اولیائے کرام **علیہم الرحمۃ** کے مطابق نہ ہوں اور عمل مبنی بر شریعت نہ ہو تو خواہ کتنی بڑی کرامات رکھتا ہو، ولی اللہ نہیں کہلا سکتا یہ باتیں کرامت

نہیں بلکہ استدراج میں شامل ہیں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جسے دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے یہی طبریؒ نے کہا ہے۔

عبداللہ ابن زیدؒ نے کہا ہے کہ ولی وہی ہے جس میں وہ صفات موجود ہوں جو درج ذیل آیت میں موجود ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ (یونس:۶۳) — جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا (کیونکہ ایمان اور تقویٰ دونوں باہم لازم وملزوم ہیں)۔

کشف المحجوب میں ہے کہ اولیائے کرام **علیھم الرحمۃ** فرماتے ہیں ''ولی وہ ہے جو خالص اللہ کے لئے محبت کرے جیسا کہ احادیث میں بھی وارد ہوا ہے''۔ حضرت ابوعلی جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ:-

اَلْوَلِیُّ ھُوَالفَانِیْ فِیْ حَالِہٖ وَالْبَاقِیْ فِیْ مُشَاھَدَۃِ الْحَقِّ لَمْ یَکُنْ فِیْ نَفْسِہٖ اَخْبَارٌ وَلَا مَعَ غَیْرِ اللّٰہِ قَرَارٌ [1] — ولی وہ ہوتا ہے کہ اپنے حال میں فانی ہو اور مشاہدہ حق کے ساتھ باقی ہو۔اس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنے حال کی کسی دوسرے بندے کو خبر دے سکے۔وہ سوائے ذات حق کے غیر سے آرام نہیں پا سکتا۔

حضرت ابوعلی جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ خبر اس لئے نہیں دے سکتا کہ خبر بندے کے اپنے حال سے ہوتی ہے اور جب حال ہی فنا ہو گیا ہو تو پھر اپنے حال سے خبر دینا درست نہیں اور غیر حق سے آرام پانا بھی صحیح نہ ہو گا کیونکہ غیر کو خبر دینا راز محبوب کو غیر کے سامنے منکشف کرنے والی بات ہے اور حبیب کے راز کا کشف غیرِ حبیب پر محبّ کے لئے محال ہے۔ رؤیت غیر جب نہ ہو تو خلق کے ساتھ قرار بھی ممکن نہیں ہے۔

۵۔حضرت جنیدؒ کی نظر میں ولی کی شان

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ ولی اللہ کو نہ تو غیر کا خوف ہوتا ہے اور نہ کسی سے توقعات وابستہ کرتا ہے اور نہ ہی پسندیدہ چیزوں کے بارے میں تلف ہونے کا خطرہ رکھتا ہے۔ وہ ہر حال میں راضی بہ رضا رہتا ہے اور جو طریق رضا اختیار کئے ہوئے ہو تو اس کے لئے غم کی گنجائش کہاں سے ہو سکتی ہے۔ حضرت جنیدؒ نے اولیاء اللہ کی سیرت میں فرمایا:-

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۲۹۔

سِرْتُ بِالنَّاسِ فِیْ الغَیْبِ قُلُوْبُھُمْ جَابُوالْقُرْبَ الْمَسَاجِدَ نَالُوا مِنَ الْجَبَّارِ عَطْفًا وَرَافَةً وَقَصْدًا وَاِحْسَانًا وَبِرًّا مُعَجَّلاً

میں نے ان لوگوں کے ساتھ ہو کر ان کے دلوں کی سیر کی۔ ان لوگوں کی جو لانگاہ فضیلت والی مساجد کا قرب و جوار ہے۔ انہوں نے حق تعالیٰ سے مہر و محبت، شفقت اور راحت پائی اور نیکی میں تیزی اور سبقت اور حسن عمل کی توفیق انہیں میسر ہوئی۔

آپؒ نے فرمایا کہ جو لوگ اولیاء اللہ کا احترام کرتے ہیں وہ خدا اور خلق کی نگاہوں میں ہر دلعزیز ہو جاتے ہیں:-

مَنْ نَظَرَ اِلٰی وَلِی مِنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ فَتَقَبَّلَهٗ وَاَکْرَمَهٗ اَکْرَمَهُ اللّٰهُ عَلٰی رُؤُسِ الْاَشْھَادِ

جس انسان نے اولیائے اللہ میں سے کسی کی طرف دیکھا، ان کی تعلیمات کو قبول کیا اور ان کی عزت و تکریم کی تو اللہ تعالیٰ دنیا کے سامنے اس کو عزت بخشے گا۔

فرماتے ہیں ولایت کے دعویدار حقیقت میں ولی اللہ نہیں ہوتے کیونکہ دعوؤں سے اگر کچھ روحانیت ہو بھی تو جاتی رہتی ہے حضرت جنیدؒ کا قول ابوالقاسم المطرازؒ نے پیش کیا ہے کہ:-

اَضَرُّمَا عَلٰی اَھْلِ الْوِلَایَةِ الدَّعَاوِی

اہل طریقت اور ولایت پر جو چیز زیادہ ضرر رساں ہے وہ دعوے کرنا ہے۔

حضرت بایزیدؒ کا قول ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاءؒ کے درجے کے اثبات میں چشمِ مخلوق نہیں پہنچ سکتی

حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء کرامؒ سے فاضل اور افضل تر ہیں۔ اولیاء کرام متابعت انبیاء میں ہیں اور انکی دعوت کے مصداق ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ولایت کی نہایت ہی نبوت کی ابتداء ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہر نبی کا ولی ہونا لازمی ہے لیکن ولی نبی نہیں ہوسکتا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کے حالات کس طرح کے ہیں آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ ہمیں ان کے حال میں کوئی تصرف حاصل نہیں جس کی تصویر ہم تمہیں دکھا سکیں۔ جو ہم ہیں ہم وہی ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرامؒ کی

نفی اور اثبات ایک ایسے درجے میں رکھی ہے کہ چشمِ مخلوق وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ جس طرح مراتبِ اولیاء مخلوق سے پنہاں ہیں اسی طرح مراتبِ انبیاء تصرفِ اولیاء سے پنہاں ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے پوچھا کہ ولی کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا "اَلْوَلِیُّ هُوَ الصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ"[1] (یعنی ولی وہ ہوتا ہے کہ اللہ کے امر و نہی پر صبر کرے) اس لئے کہ جس کے دل میں اللہ کی دوستی جتنی ہوگی اس کے حکم کی عظمت اتنی ہی زیادہ ہوگی اور اللہ کے احکام نہی سے اس کا جسم اتنا ہی بعید ہوگا۔ اس بیان کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ نے حضرت بایزیدؒ کے اس سفر کی تفصیل لکھی ہے جس میں ہے کہ حضرت بایزیدؒ ایک پیر کی زیارت کو گئے اور اس سے کوئی بات کئے بغیر ہی واپس آگئے کیونکہ اس نے مسجد میں قبلہ رو ہو کر تھوک دیا تھا (اس کی روایت ہم زیرِ نظر باب میں بیان کر چکے ہیں)۔

اولیائے کرامؒ سے خوارق کا ظہور

اکثر لوگ اولیائے کرامؒ کو ان کی کرامتوں کو دیکھنے کے بعد تسلیم کرتے ہیں حالانکہ کرامت کا ظہور ولایت کی پہچان نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ "اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ" (یعنی استقامت کرامت سے بلند درجہ رکھتی ہے)۔ ولایت کا انحصار اعمال صالح کی کثرت اور اللہ کے قرب پر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوب نمبر ۲۱۶، دفتر اوّل، حصہ سوم میں اس بات کے بھید کو کھولا ہے کہ بعض اولیاء اللہ سے خوارق بکثرت ظہور میں آتے ہیں اور بعض اولیاء اللہؒ سے کم۔ آپؒ مقام ارشاد و تکمیل کے اتم ہونے اور اس کے مناسب بیان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ولایت فنا و بقاء سے عبارت ہے یعنی خوارق اور کشف خواہ کم ہوں یا زیادہ، اس کے لوازم سے ہیں، لیکن یہ نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم ہو، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں مگر ولایت اکمل ہوتی ہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ ایک عروج کے وقت زیادہ بلند جانا اور دوسرا یہ کہ نزول کے وقت بہت کم نیچے اترنا ہے بلکہ کثرتِ خوارق کے ظہور کی اصل علت (سبب) نزول یا ھبوط پر موقوف ہے، یعنی بہت کم نزول کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔ عروج کے بعد سالک نزول کرتا ہے اور نزول عالم اسباب میں اتر آنا ہوتا ہے۔ صاحب نزول اشیاء کے وجود کو اسباب

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۳۳۔

سے وابستہ ہونا معلوم کرتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے یعنی اسباب سے تعلق رکھتا ہے اور وہ شخص کہ جس نے نزول نہیں کیا یا نزول کر کے اسباب تک نہیں پہنچا اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہوتی ہے کیونکہ مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع ہو گئے ہیں۔ پس حق تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور وہ جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام اسباب کے وسیلہ کے بغیر مہیا کر دیتا ہے۔ حدیث قدسی "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ"[1] (میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق ہوتا ہوں) بھی اس مطلب کی گواہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ بہت مدت تک میرے دل میں کھٹکا لگا رہا کہ کیا وجہ ہے کہ اس امت میں اکمل اولیاء بہت گزرے ہیں مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانیؒ سے ظاہر ہوئے ہیں ویسے خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حق تعالیٰ نے اس معما کا بھید ظاہر کر دیا اور بتلایا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء اللہ سے بلند تر واقع ہوا ہے اور آپ نزول کی جانب میں مقام روح تک ہی نیچے اترے ہیں جو عالمِ اسباب سے بلند تر ہے۔ (عام اولیاء مقام قلب یا تحت الثریٰ تک نزول کرتے ہیں جن کو صاحب ارشاد کہا جاتا ہے)۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن بصریؒ اور حبیب عجمیؒ قدس سرہما کی حکایت اسی مقام کے مناسب ہے۔ منقول ہے کہ ایک دن حسن بصریؒ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے تا کہ دریا سے پار ہوں۔ اسی اثنا میں خواجہ حبیب عجمیؒ بھی آ نکلے۔ پوچھا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ عرض کیا کہ کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔ حبیب عجمیؒ نے فرمایا کہ کشتی کی کیا حاجت ہے؟ کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا کہ کیا آپ علم نہیں رکھتے (یعنی آپ اسباب کو کیوں ترک کرتے ہیں)۔ غرض خواجہ حبیب عجمیؒ کشتی کی مدد کے بغیر دریا پر سے گزر گئے اور خواجہ حسن بصریؒ کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن بصریؒ نے چونکہ عالم اسباب میں نزول کیا تھا اس لئے وہ ہر چیز میں اسباب کے وسیلہ سے معاملہ کرتے تھے اور حبیب عجمیؒ نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر سے دور کر دیا ہوا تھا اس لئے اس دنیا میں اسباب کے وسیلہ کے بغیر زندگانی بسر کرتے تھے لیکن فضیلت

[1] صحیح بخاری، حدیث نمبر ۶۹۷۰، جلد ۶، صفحہ ۲۶۹۴۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے لئے ہے جو صاحب علم ہیں اور جنہوں نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کیا ہے اور اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں ویسا ہی جانا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت کے پیچھے پوشیدہ کیا ہے اور حبیب عجمیؒ صاحب سکر ہیں اور فاعل حقیقی پر یقین رکھتے ہیں بغیر اس بات کے کہ اسباب کا درمیان میں دخل ہو۔

کرامات کا زیادہ اور کم ہونا

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قول کا مطلب خلاصے کے طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اولیائے کرامؒ بہ وقتِ عروج بلندیوں تک جاتے ہیں اور جو کوئی جتنا بلند جائے وہ اتنا ہی زیادہ کامل ہوگا اور جب نزول کرے تو جو سب سے نیچے جائے وہ ارشاد (یعنی رشد و ھدایت) میں زیادہ ہوگا۔ عموماً مقام قلب تک نزول ہوتا ہے اور جو مقام روح سے نیچے نزول نہ کرے اس سے کرامات بہت صادر ہوتی ہیں اور ایسا شخص اسباب پر انحصار نہیں کرتا بلکہ سبب الاسباب سے کام رکھتا ہے اور بغیر سواری کے بھی سفر کرتا ہے۔ جو بزرگ نزول میں زیادہ نیچے آئے وہ اسباب پر نظر رکھتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پہلی قسم سے تعلق رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی کرامات بہت مشہور ہیں۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ تکمیل و ارشاد کا معاملہ (یعنی وعظ و نصیحت کا معاملہ) ظہورِ خوارق کے معاملہ کے برعکس ہے کیونکہ مقامِ ارشاد میں جس کا نزول جس قدر زیادہ تر ہوگا، اسی قدر وہ زیادہ کامل ہوگا کیونکہ ارشاد کے لئے مرشد و مسترشد کے درمیان اس مناسبت کا حاصل ہونا ضروری ہے جو نزول پر وابستہ ہے اور جاننا چاہیے کہ جس قدر کوئی عروج میں اوپر جاتا ہے اسی قدر نیچے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت خاتمیت ﷺ سب سے زیادہ اوپر گئے اور نزول کے وقت سب سے نیچے آئے۔ اسی واسطے آپ کی دعوت اتم ہوئی اور آپ تمام خلق کی طرف بھیجے گئے، کیونکہ نہایت نزول کے باعث سب کے ساتھ مناسبت پیدا کی اور افادہ کا راستہ کامل تر ہو گیا۔ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات اس راہ کے متوسطوں سے اس قدر طالبوں کا فائدہ وقوع میں آتا ہے جو غیر مرجوع منتہیوں (یعنی مقام روح تک ہی نزول کرنے والوں) کو میسر نہیں ہوتا، کیونکہ متوسط غیر مرجوع منتہیوں کی نسبت مبتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا حقیقت کے سبب شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ نے کہا ہے کہ اگر خرقانیؒ اور محمد قصابؒ

موجود ہوتے تو میں تم کو محمد قصابؒ کے پاس بھیجتا اور خرقانی کی طرف نہ جانے دیتا کیونکہ وہ خرقانی ؒ کی نسبت تمہارے لئے زیادہ فائدہ مند ہوتا یعنی خرقانی ؒ منتہی تھے۔ مرید آپ سے بہت کم فائدہ حاصل کرتے تھے یعنی منتہی غیر مرجوع تھے نہ کہ مطلق منتہی۔ کامل افادہ کا نہ ہونا اس کے حق میں غیر واقع ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ منتہی تھے حالانکہ آپ کا افادہ سب سے زیادہ تھا۔ پس افادہ کے کم یا زیادہ ہونے کا مدار رجوع اور ہبوط پر ہے نہ کہ انتہا اور علوم انتہا پر۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح نفس ولایت کے حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے (جیسے کہ مشہور ہے) اسی طرح اس کو اپنے خوارق کے وجود کا علم ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے خوارق نقل کرتے ہیں اور اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیاء جو صاحب علم اور کشف ہیں ان کے لئے جائز ہے کہ اپنے بعض خوارق پر اس کو اطلاع دے دیں بلکہ ان کی مثالیہ صورتوں کو متعدد مکانوں میں ظاہر کریں اور دور و دراز جگہوں میں ان صورتوں سے ایسے عجیب و غریب کام ظہور میں لائیں جن کی اس صورتوں والے کو ہرگز اطلاع نہیں ہے۔ (آپ کی مراد یہ ہے کہ بسا اوقات کئی بزرگ بہت با کرامت ہوتے ہیں مگر ان کو اپنی کرامات کا علم نہیں ہوتا)۔ ایسے بزرگ کہتے ہیں کہ ہمیں تو ان باتوں کا علم ہی نہیں جو لوگ ہم سے منسوب کرتے ہیں۔

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

(یعنی یہ ہم اور تم پر الزام رکھ دیا گیا ہے اصل فاعل اللہ تعالیٰ ہے)

حضرت مخدوم قبلہ گاہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ (حضرت عبید اللہ احرارؒ) کہتا تھا کہ عجیب کاروبار ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں، بعض کہتے ہیں ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور موسم حج میں حاضر پایا ہے اور ہم نے آپ سے مل کر حج کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور میں ہرگز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے۔ کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں۔

روحانی اصطلاحاتِ جنیدؒ و بایزیدؒ

حسبِ ذیل مضمون میں حضرت بایزید بسطامیؒ کے اقوال اور چند حضرت جنیدؒ کے اقوال پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ چند مزید روحانی اصطلاحات پیش کی جارہی ہیں۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو ''کشف المحجوب''، ''کتاب اللمع'' اور ''سر دلبراں'' سے رجوع فرمائیں۔ طریقت کی مزید اصطلاحات ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں بھی پیش کی جائیں گی۔

۱۔ قبض و بسط کیا ہے

حضرت جنیدؒ نے قبض اور بسط کے معنی یہ بیان فرمائے کہ قبض خوف کو اور بسط رجاء کو کہتے ہیں ''یعنی رجاء طاعتِ حق کے لئے خوشی کے ساتھ آمادہ کرتی ہے اور خوف معصیت اور گناہ سے انقباضِ باطن کا نام ہے''۔

حضرت جنیدؒ کا مفصّل قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف مجھ میں انقباض پیدا کر دیتا ہے اور اس سے امید مجھ میں انبساط کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ حقیقت مجھے اکٹھا کر دیتی ہے اور حق مجھے الگ کر دیتا ہے۔ پس جب وہ خوف کے ساتھ قبض کی حالت سے مجھے دوچار کر دیتا ہے تو وہ مجھے اپنے وجود سے فنا کر دیتا ہے اور جب وہ امید کے ساتھ بسط پیدا کرتا ہے تو مجھے اپنی اصل حالت پر لوٹا دیتا ہے۔ جب وہ مجھے حقیقت کے ساتھ جمع کر دیتا ہے تو مجھے حاضر کر لیتا ہے اور جب مجھ میں حق کے ساتھ فراق کی کیفیت وارد کرتا ہے تو مجھے غیر کو دیکھنے کا موقع دیتا ہے اور مجھے اس سے چھپا لیتا ہے۔

۲۔ فتیٰ اور فتوت

حضرت جنیدؒ کے نزدیک فتوت (جوانمردی) ترک رؤیت اور اسقاطِ نسبت ہے یعنی اپنی جوانمردی کے اعمال پر فخر نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں اپنی طرف منسوب کیا جائے، کیونکہ اس کے لئے توفیق تو منجانب اللہ ہوتی ہے۔

۳۔ صدق کیا ہے

صدق تین چیزوں میں ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنی زبان سے صادق ہو اور ہمیشہ سچی بات کہے، وہ اس کے حق میں پڑتی ہو یا اس کے خلاف اور تاویل و فریب کاری کا راستہ اختیار نہ کرے۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے فعل

میں صادق ہو اور اس کی خاطر جد و جہد کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے اور راحت و آرام طلبی سے بالکل قطع تعلق کرلے۔ تیسرے یہ کہ وہ دل سے صادق ہو، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے فعل میں خدا تعالیٰ کی رضا کو ہی اپنا مقصود بنالے، پس جب یہ خصلتیں اس کے اندر موجود ہونگی وہ صادق کہلائے گا۔

۴۔ اخلاص کیا ہے

اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی نیت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرے اور محض اسی کی رضا کا طالب ہو۔ اس صورتحال کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عقل اشیاء کی دراندازی سے آگاہ ہو اور امور و معاملات کے رنگ بدلنے کی کیفیت اس پر اچھی طرح عیاں ہو، چنانچہ جو چیز اس کے مقصد کی سچائی اور دوستی کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو اسے قبول کرلے اور جو اس کے خلاف ہو اسے رد کردے، چاہے وہ اپنے نفس سے پیدا ہوئی ہو یا کسی دشمن کی طرف سے۔ اس حالت میں اسے بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ جیسے اس کی ذاتی بصیرت ختم ہو گئی ہے اور اس کی جگہ خدا تعالیٰ کی انعام کردہ ایک صفت نے لے لی ہے۔ ایک مخلص چونکہ خدا تعالیٰ کے اس احسان و اکرام کو پہچانتا ہے اس لئے جب لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں تو وہ اپنے دل میں بالکل مطمئن رہتا ہے لیکن جب وہ اس کی تعریف کرنے لگتے ہیں تو وہ دل میں کراہت سی محسوس کرتا ہے اور اسے یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں وہ معرفتِ احسانِ الٰہی اس سے سلب نہ ہو جائے۔

حضرت جنیدؒ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''صدق اور اخلاص ایک مخلص انسان کی ذات ہی میں اکھٹے ہوتے ہیں لیکن محض صدق صرف صادق کے ساتھ مخصوص رہتا ہے اور اخلاص کا بہت ابتدائی حصہ اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے پس جو لوگ اپنے آپ کو عبودیت کے ساتھ متصف کرتے ہیں ان کا بلند ترین وصف یہی اخلاص ہے۔''

۵۔ معرفتِ الٰہی کیا ہے؟

خدائے عزوجل کی عبادت کا پہلا درجہ اس کی معرفت ہے اور اس کی معرفت کی اصل اس کی توحید ہے اور اس سے صفات کی نفی کرنے سے اس کی توحید قائم ہوتی ہے یعنی اس امر کی نفی کرنے سے کہ وہ کیسا ہے؟ کس حیثیت میں ہے؟ کہاں ہے؟ اسی توحید کے ذریعے انسان ذات خداوندی تک راہ پا سکتا ہے اور

اس تک راہ پانے اور پہنچنے کا دارومدار دراصل اس کی بخشی ہوئی توفیق پر ہوتا ہے، چنانچہ اس کی توفیق سے انسان اس کی توحید پر قائم رہ سکتا ہے اور اسی کی توحید سے ہی دراصل اس کی تصدیق ہوتی ہے اور اس کی تصدیق سے اس کی اصل حقیقت تک انسان کی رسائی ہوتی ہے اور اس کی اصل حقیقت واضح ہونے سے ہی اس کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ حقیقت

لوگوں کے دل حقیقت کی راہوں سے بھٹک گئے ہیں اور ان کے دل صحیح ارادوں پر نہیں جمنے پائے۔ وہ اپنے نفوس کی دبی ہوئی خواہشوں کے زیر اثر اپنے خوش نما مظاہر کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے ہیں اور ان کی طبائع کا میلان زیادہ تر لوگوں کی تحسین و آفرین اور تعظیم و تکریم کی جانب ہو گیا ہے۔ انہیں یہ چیز زیادہ پسند آ گئی ہے کہ ان کے گرد لوگوں کا جمگھٹا ہو اور ان کی جانب ہر طرف سے انگلیوں کے اشارے ہو رہے ہوں۔ یہاں تک کہ ان کی ہر رائے صحیح قرار پائے۔ ان کا ہر قول سچا مانا جائے، ان کا مقصد بلند تسلیم کیا جائے اور ان کے حق میں مدح و توصیف کا سلسلہ پیہم جاری رہے۔ اگر ان میں سے کسی چیز میں بھی کمی واقع ہو جائے تو یہ انہیں ناگوار گزرتا ہے اور اگر جو کچھ وہ چاہتے ہیں ہو کر نہ رہے تو وہ برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کی خواہشات کے خلاف کر بیٹھے تو پھر مت پوچھو ان کے غیض و غضب کا عالم کیا ہوتا ہے۔ یہ تلخ حقائق حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔

۷۔ توفیق الٰہی

اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے راستہ پر چلنا سہل اور ایک بوجھل چیز کا اٹھانا آسان کر دیتا ہے۔ اسے اپنے سفر میں سرعتِ رفتار عطا فرماتا ہے، اسے منزل مقصود پر پہنچاتا اور بہرہ یاب فرماتا ہے۔ حضرت بایزیدؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی اطاعتِ الٰہی کی طرف قدم اٹھائے اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کے لیے توفیق عطا کر دیتا ہے۔

۸۔ باطن کی اصلاح

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے باطن کی اصلاح کر لو تو تمہارا جو معاملہ ظاہر و عیاں ہے وہ خود بخود محکم اور پختہ ہو جائے گا، پس خبردار کسی ایسی چیز کی طرف چاہے وہ کتنی ہی معمولی

اور بے ضرر کیوں نہ ہو، نہ جھک پڑنا جو تمہیں ایک ایسی بات سے دور لے جائے جس کی علامات تم پر واضح ہو چکی ہیں۔ اس لئے کہ سب غبیوں سے غبی تر وہ ہے جس نے باقی رہنے والی بہت سی چیزوں کو فنا ہو جانے والی، تھوڑی سی چیزوں کے عوض بیچ ڈالا۔ اس نے امور آخرت کو چھوڑ کر امور دنیا میں اپنے آپ کو الجھا لیا۔

۹۔ خواہشاتِ نفس

تم جو بھی عمل شروع کرو اور جس چیز کے ذریعے بھی خدا کا قرب تلاش کرو اس کی ابتداء اور آغاز ہمیشہ اس دنیا سے بے نیازی اور اپنے نفس کی ہر چھوٹی یا بڑی خواہش سے اعراض کی صورت میں کرو۔ اس لئے کہ تم اگر خواہشات نفس میں سے کسی چھوٹی یا حقیر شے کی طرف بھی ایک دفعہ رغبت کر لو تو یہ تمہارے لئے بہت سے باطنی امور پر اثر انداز ہونے والی ہوتی ہے۔ یہ تمہارے دل میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے اور تمہارے ذکر و فکر میں حارج ہوتی ہے اور تمہارے اندر یہ چیز جتنی قوی یا ضعیف ہوگی اتنی ہی قوی یا ضعیف اس کی تمہارے معاملات میں دخل اندازی ہوگی اور جتنا کچھ یہ تمہارے دل میں جگہ پائے گی اتنا ہی تمہارے مقصود حقیقی کی مہم اور جان پہچان تم سے اوجھل ہوتی چلی جائے گی۔ تم اپنے اعمال کی درستی اور اصلاح اور اپنے دلوں کا بچاؤ اور تحفظ اسی صورت میں کر سکتے ہو کہ عوارض دنیا تم سے منقطع ہو کے رہ جائیں۔ حضرت بایزیدؒ کا قول یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں دنیا کی یا ماسویٰ اللہ کی خواہشات موجود ہیں اس کو معرفتِ الٰہی کی ہوا تک نہیں لگ سکتی۔

۱۰۔ حقائق کا علم

خدا نے اپنی طرف متوجہ ہونے والوں سے تمام علائق دنیا منقطع کر دیئے اور حقائق کا علم صرف ان بندوں کو مرحمت فرمایا جنہوں نے خدا سے اپنا تعلق جوڑا اور اسی پر بھروسہ کیا۔ وہ یوں کہ اس نے انہیں ایک وجود حقیقی بخشا اور اپنی محبت انہیں عطا کی اور اس طرح اس نے عارفین کو اپنے حزب یعنی جماعت میں شامل کر لیا اور اپنی عنایات و انعامات کے اعتبار سے ان کے مدارج قائم کئے، انہیں اس قوت کا مشاہدہ کرایا جو اس کا مظہر ہے۔

۱۱۔ ماہیتِ قلب کے اقدار

روحانی قلب ماہیت کے ساتھ اقدار کا بھی قلب ماہیت ہوتا ہے۔ عیش و آرام سے مراد وہی عیش و آرام نہیں رہتا جس سے عام انسان واقف ہیں اور جود و سخا کی اصلیت بھی وہی نہیں رہتی جو اس سے عام طور پر مفہوم

متصور ہوتی ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ خود بھی محسوسات سے بلند تر ہے اور کوئی دوسرا بھی اسے محسوس نہیں کر سکتا۔ وہ نہ اپنی ذاتی خصوصیت تبدیل کرتا ہے اور نہ کوئی شخص مخلوق پر اس کے لطف و کرم کی کیفیت جانتا ہے بلکہ ان سارے امور کا مفہوم ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق ذات ربوبیت سے ہے جسے اس کے بغیر نہ کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی اس پر قدرت رکھتا ہے۔ جو کچھ عبادت گزار کو نظر آتا ہے خدا تعالیٰ اسے فنا کر دیتا ہے اور جب وہ خود اس پر تسلط اختیار کر لیتا ہے تو اپنے آپ کو باجبروت، غالب و قاہر اور مکمل طور پر فتح یاب ظاہر کرتا ہے۔

۱۲۔ ارواحِ انسانی

جب ارواحِ انسانی اس لذتِ غیبی سے محروم ہو جاتی ہیں جس کو نہ انسانی نفوس محسوس کر سکتے ہیں اور نہ عام انسانی محسوسات اس کے قریب پھٹک سکتی ہیں، تو یہ درحقیقت ان کے لئے فنا کی حالت ہوتی ہے اور وہ محسوس کرتی ہے کہ یہ فنا ان کی بقاء کے راستے میں حائل ہے لیکن جب خدا تعالیٰ ان ارواح کو واپس اپنی انفرادی حالت میں بھیج دیتا ہے اور ہر روح کو اپنی نوع میں واپس لوٹا دیتا ہے تو وہ روح اس نئی حالت کو بطور ایک ظاہری پردے کے استعمال کرتی ہے جس کے پیچھے وہ اپنی سابقہ حالت چھپائے رکھتی ہے جس میں وہ پہلے تھی۔ اس نئی حالت میں وہ ایک بے چینی اور بے بسی کے عالم میں ہوتی ہے اور اپنی نوع کے ساتھ مانوس ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ جب خدا نے اسے اس حالت کمال اور مقام عزت و تکریم سے محروم کر دیا اور اسے علم و فکر کی راہوں میں واپس لے جا کر چھوڑ دیا تو قدرتی طور پر اس کے دل میں حسرت کا بسیرا ہو جاتا ہے اور اس حالت کمال کے کھو جانے کا غم اسے برابر لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ روح پیہم خواہش اور آرزو کی حالت میں رہتی ہے۔

۱۳۔ حقیقت کا مشاہدہ

خلقِ خدا کو راستہ دکھانے کے لئے حقیقت کا مشاہدہ اور مجاہدہ و ریاضت ضروری ہوتی ہے اور اس راہ میں مختلف اقوال و مراحل کی حدود قائم کرنے کے لئے ان احوال میں سے خود گزرنا بھی لازمی ہوتا ہے تا کہ ایک حالت انسان کو دوسری حالت میں پہنچاتی چلی جائے حتیٰ کہ اسے حقیقت عبودیت کی اس حالت میں پہنچا دے جو ظاہر میں بھی دیکھی جا سکتی ہے اور جس میں وہ اپنا ارادہ و اختیار سے خدا کے کاموں پر صبر و قناعت کا رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ایسی حالت ہے کہ جس میں اسے خلق کے اندر قبول عام حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ علم ظاہر کی صفات کی نشانیاں بھی اس میں واضح طور پر مجتمع نظر آتی ہیں۔ پھر اس مقام کی حقیقت

اسے مشاہدہ حق اور اس کے اشارات کے شعور و ادراک کی منزل کی طرف لے جاتی ہے اور اشیاء دنیا کو اس کی نظروں میں کچھ اور ہی رنگ دے دیتی ہے تا کہ وہ وہی چیز اپنے لئے پسند کرے جو خدا نے اس کے لئے منتخب کی ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں خلقِ خدا اس سے چھوٹ جاتی ہے اس لئے اس کی صفات اب ان کی نظروں میں ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیتی ہیں اور وہ ان سے غائب رہنے لگتا ہے۔

۱۴۔قرب اور وصلِ الٰہی حاصل ہونا

جس قدر کوئی خدا اور رسول ﷺ کے قرب میں ہے اس کا شمار اتنی ہی بلند شخصیتوں میں کیا جائے گا۔آپ کے مذکورہ قرب خدا اور رسول ﷺ کا ذکر اس کتاب میں کافی تفصیل سے کر دیا گیا ہے۔آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ایک لمحہ کے لئے خدا سے غافل ہو جائے تو ہم اس کو مرتد سمجھتے ہیں۔

۱۵۔منصب تبلیغ وارشاد

حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ کا حلقہ ارشاد بہت وسیع تھا۔ جو لوگ ارشاد کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوں ان کا نام رہتی دنیا تک زندہ رہتا ہے۔آپ کا نام اب تک اتنی ہی عقیدت اور جوش و خروش سے لیا جاتا ہے جیسا کہ انکی دنیوی حیات میں لیا جاتا تھا۔ان کی حکایات، روایات اور ارشادات اب بے شمار کتب میں ملتے ہیں۔

۱۶۔ایمان و یقین کی دولت

حضرت بایزید بسطامیؒ کی ریاضات اور مجاہدات کی باتیں اہل طریقت کے لئے ضرب المثل کی طرح مشہور ہیں اور آپؒ کا یہ فرمان ہے کہ میرے مجاہدات شریعت و طریقت سے فقط میرے ایمان اور یقین میں اضافہ ہوا ہے اور اگر اس قدر یقین مجھے پہلے ہی حاصل ہوتا تو ۳۰ سال کے سخت مجاہدات کی ضرورت نہ تھی۔ ہماری تصنیف ''حسن نماز'' میں تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک مضمون دیا گیا ہے جسے جناب محمد یعقوب ہاشمی صاحب جوائنٹ سیکرٹری محکمہ تعلیم اور نائب صدر معتمر عالم اسلامی نے مطالعہ کیا اور راقم الحروف کے گھر پر ملنے کے لئے آئے۔آپ کو اقبالیات سے بہت شغف ہے۔آپ فرماتے تھے کہ یقین پر اس سے بہتر مضمون میں نے آج تک نہیں پڑھا۔

۱۷۔تمسک بالقرآن والشریعۃ

سلسلہ نقشبندی کے شجرہ میں حضرت بایزیدؒ کا مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد چوتھے

نمبر پر آتا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا کہ یہ سلسلہ اس لئے سب سے اعلیٰ ہے کہ اس میں شریعت کا بہت سختی سے اہتمام کیا جاتا ہے۔ آپؒ کے ایسے بہت سے خصوصی اعزاز پہلے بیان ہو چکے ہیں جس سے آپ کے قرآن اور سنت کے ساتھ تمسک کے ثبوت ملتے ہیں بلکہ آپؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے خواب میں اس بات پر اپنی خوشی کا اظہار فرمایا جبکہ آپ نے اس شیخ کو ملنے سے انکار کر دیا جس نے مسجد میں قبلہ رخ ہو کر تھوک دیا تھا۔

۱۸۔ نفس پر قابو پانا

حضرت بایزیدؒ کی زندگی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جس میں آپ نے اپنے نفس کی تادیب فرمائی۔ آپ کا وہ مجاہدہ جس میں آپ نے اپنے نفس کو ایک سال تک پانی پینے سے روکے رکھا، بہت مشہور ہے اور اس کتاب میں بھی درج کیا جا چکا ہے۔

یہاں حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ کے مرید کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ان کے مرید نے نہایت اعلیٰ وظیفہ اس مقصد کے لئے طلب کیا کہ وہ سرِّ (بھید) کی بات سمجھ سکے۔ آپ نے اس کو ایک چھوٹا سا لکڑی کا بکس دیا اور فرمایا کہ اگر تم اس کی حفاظت کر لو گے تو عنقریب سرّ کی بھی حفاظت کر سکو گے۔ جب وہ شخص گھر گیا تو بے چینی کے باعث اس بکس کو کھول دیا اور دیکھا کہ ایک چوہا اس میں سے پھدک کر بھاگ گیا۔ دوسرے دن جب وہ حضرت ابو الخیرؒ کے پاس گیا تو چوہے کا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو ذرا سے چوہے کی حفاظت نہیں کر سکا تو ''سر'' کی حفاظت تمہارے بس کی بات نہیں۔

مذکورہ بالا نوعیت کی ایک ایسی ہی روایت میں ہے کہ ایک مرید اپنے پیر کے ساتھ تکرار کرنے لگا کہ اسے اسم اعظم بتایا جائے۔ آپ اپنے مرید کو اسم اعظم سے منع کرتے رہے مگر جب اس نے بہت تنگ کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج شہر کے دروازے پر جانا اور وہاں جو خاص واقعہ دیکھو تو مجھ سے بیان کرنا۔ اس مرید نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص جنگل سے اپنے سر پر لکڑیاں اٹھائے ہوئے آ رہا تھا کہ ایک پولیس والے نے اس کو مارا پیٹا اور لکڑیاں بھی اس سے چھین لیں۔ اس بزرگ نے اس مرید کو بتایا کہ میں نے اس بوڑھے شخص سے اسم اعظم سیکھا تھا۔ اگر تمہارے اندر اتنی سکت ہے کہ اسم اعظم جانتے ہوئے بھی پولیس والے کو کچھ نہ کہو تو پھر میں تمہیں بھی اسم اعظم بتا دوں گا۔

نفس کا مضمون بہت طوالت طلب ہے۔ راقم الحروف نے اس پر ایک کتاب "تہذیب نفس" کے نام سے لکھ دی ہے جو عنقریب شائع ہونے والی ہے جس کی ضخامت تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہوگی۔

۱۹۔ شب خیزی اور آہ سحر گاہی

مشائخ کبار بالعموم رات کے اکثر حصے کو شب خیزی اور نالہ سحر گاہی میں بسر کرتے ہیں۔ حضرت بایزیدؒ کی عبادات کے ایسے بہت سے واقعات اس کتاب میں بیان ہو چکے ہیں کہ آپ تمام رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس سے گفتگو میں مصروف رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے بہت راز و نیاز کی گفتگو ہوتی تھی۔ یاد رکھیں کہ جس شخص میں یہ بات موجود نہ ہو، اس کی نگاہوں میں عارفانہ تاثیر اور بزرگی کا حسن و جمال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ راقم الحروف کا تجربہ ہے کہ اگر کوئی شخص پندرہ بیس منٹ تک اسم اعظم یعنی اسمِ الٰہی کا مراقبہ کرے تو اس کے دل میں روحانیت، کیفیات اور جذبے کا طوفان برپا ہو جاتا ہے اور جو شخص رات کے اکثر حصے کو مراقبہ میں گزار دے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ علامہ اقبال نے نوائے سحر گاہی پر بہت کلام کیا ہے اس سلسلے میں ہماری تصنیف "حسنِ نماز" میں شب بیداری کے دو ابواب کا مطالعہ کیا جائے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں ۔

عطاؔر ہو روؔمی ہو رازؔی ہو غزاؔلی ہو　　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

(ب ج: ۳۴۸)

اے پیرِ حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ　　　مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت　　　دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا

(ض ک: ۵۲۰)

۲۰۔ مشائخِ کبار کی صحبت سے فیض یاب ہونا

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے ۱۱۷ مشائخ سے فیض حاصل کیا ہے (ان مشائخ میں سے چند ایک کا ذکر اس کتاب میں بھی کیا گیا ہے)۔ اولیائے کرامؒ کی وابستگی کا ہی یہ ثمر تھا کہ آپ نے ادھر سے فیض حاصل کر کے مخلوق خدا کو اپنا فیض تقسیم کیا۔ جو کمالات طریقت ایک کامل اور مکمل صوفی میں ہونے ضروری ہیں حضرت بایزید بسطامیؒ ایسے صوفیوں کے پیش رو تھے اور آپ نے اپنے زمانے میں اور بعد کے زمانے میں بھی لوگوں کو جی کھول کر فیض عطا کیا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کی زندگی کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات مبارکہ میں وہ تمام عناصر بدرجہ اتم موجود تھے جن کا اوپر بیان ہوا اور جو ایک بہت بڑے مرتبہ کے ولی کے اندر موجود ہونا ضروری ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مشائخ کبار جو آج تک ہو گزرے ہیں ان سب نے آپ کے فرمودات کو بطور سند پیش کیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تو اپنی کتاب میں حضرت جنید اور حضرت بایزیدؒ کے اقوال کو جس قدر پیش کیا ہے، ایسی عزت افزائی انکی کتاب میں کسی دوسرے بزرگ کے لئے نظر نہیں آتی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تو اپنی تحریروں میں آپ کے اوصاف کی پوری طرح پردہ کشائی کی ہے۔

لوگوں کی تین قسمیں

لوگ تین قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ ایک وہ جو ابھی طلب و جستجو میں ہیں، دوسرے وہ جو آستانہ الٰہی پر پہنچ کر انتظار میں کھڑے ہیں اور تیسرے وہ جو اندر داخل ہو چکے ہیں اور پیش گاہ خداوندی میں حاضر ہیں۔

خدا تعالیٰ کی جستجو میں وہ شخص ہے جو اس کی طلب میں علم ظاہر کی رہنمائی اور ہدایت کے تحت پیش قدمی کرتا ہے اور اس کے ساتھ معاملہ صرف ظاہر تک محدود رکھتا ہے جبکہ آستانہ الٰہی پر منتظر شخص اپنے باطن کے تصفیہ کے ذریعے خدا تعالیٰ سے اور اس کے قریب ہونے کے مواقع ڈھونڈتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ باطن کا معاملہ ہوتا ہے اور وہ شخص جو آستانہ الٰہی کے اندر داخل ہو چکا ہے اور اس کی پیش گاہ میں حاضر ہے اور اس کے ماسواء کائنات کی کوئی اور چیز اسے دکھائی نہیں دے رہی تو وہ اس حالت میں دراصل اس کے اشارے کا منتظر ہے اور بارگاہ الٰہی کے ہر ارشاد کی تعمیل پر کمربستہ ہے اور یہ خدائے عزوجل کے موحد ہی کی صفت ہے۔

توحید کے درجے

''توحید لوگوں کے اندر چار درجوں میں پائی جاتی ہے۔ پہلا درجہ عوام الناس کی توحید کا ہے۔ دوسرے درجے میں وہ توحید آتی ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو دین کے روائتی علم سے بہرہ ور ہیں۔ تیسرے اور چوتھے درجے کی توحید کا تجربہ ان خواص کو ہوتا ہے جنہیں معرفت حاصل ہوتی ہے''۔

شہوت کی قسمیں

شہوت کی ایک قسم نفسانی ہے جیسا کہ جاہ و منزلت کی محبت اور غیظ و غضب کے اظہار سے اور دشمن کو سرنگوں کرنے سے تسکین نفس حاصل ہونا وغیرہ اور دوسری قسم جسمانی ہے جیسا کہ کھانے پینے، جنس کی مخالف سے متمتع ہونے، لباس پہننے، تفریح کرنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی خواہش کا دل میں موجود ہونا اور نفس انسانی کا معاملہ یہ ہے کہ یہ لذت پہنچانے والی چیزیں جس قدر اس سے دور ہوتی ہیں اتنا ہی اسے ان کی احتیاج اور ضرورت ہوتی ہے''۔

شیطانی خیال کی علامتیں

شیطانی خیال کی دو علامتیں ہیں ایک یہ کہ نفس انسانی کو بہ سبب شہوت یا طلب راحت کے جس چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ اس ضرورت کو انسان کے اندر ایسے اوقات میں بیدار کرتا ہے، جس میں وہ ان مرغوبات سے شادکام ہونے کا عام طور پر عادی ہوتا ہے، چنانچہ ایک شیطانی خیال اور نفسانی خیال میں فرق یہ ہے کہ نفسانی خیال مستقل رہتا ہے اور کبھی جانے کا نام نہیں لیتا لیکن شیطانی خیال کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی پھر لوٹ آتا ہے۔ پس جب بھی انسان اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے اس خیال سے غافل ہوتا ہے تو یہ اس میں شہوت بیدار کر کے اس پر چھا جاتا ہے۔

باب نمبر۲۶

حضرت بایزیدؒ کا خدا تک رسائی کا انداز

مقامِ غور

ہر کام میں کامیابی حاصل کرنے کا ایک طریقۂ کار ہوتا ہے۔ طریقت میں کامیاب مقام حاصل کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے جو بزرگوں کی زندگیوں سے اخذ کیا جاتا ہے۔ روحانی ترقی کے لیے جو عمومی طریقہ استعمال ہوتا ہے اس کو طریقت کہا جاتا ہے۔ جو شریعت کی شمع سے حاصل کی گئی روشنی سے طے پاتا ہے۔ اولیائے کرام علیھم الرحمۃ نے اپنی زندگیوں میں کس طرح مقاماتِ قرب حاصل کیے یہ معاملہ ان کی روزمرہ کے اپنائے گئے عبادت کے نظامت کار اور مجاہدات کے معمول پر منحصر ہے لہٰذا ان کے معمول کی طرز پر پیش رفت کی جائے تو یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ راقم الحروف کی نعت کے دو اشعار اس سلسلے میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

واصلوں نے کس طرح پائے مقام — ان کے ملفوظات کو دیکھا کریں
رویتِ حق چاہتے ہیں جو لطیفؔ — فخرِ موجوداتؐ کو دیکھا کریں

حضرت بایزیدؒ کے روحانی طریقے بھی حضرت معین الدین چشتیؒ کے اقوال کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ باتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

حضرت معین الدین چشتیؒ انیس الارواح میں لکھتے ہیں کہ مردہ ہے جو کسی کو نگاہ میں نہ رکھے اور دنیا و آخرت میں مبتلا نہ ہو، بلکہ جو اس کے پاس ہو اس میں بھی مبتلا نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ جو چیز اللہ کی ملکیت ہو (یعنی پوری کائنات) تو وہ اس کی بھی ہو جاتی ہے اور وہ جزو کل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

از رموز جزو و کل آگاہ بود — در جہاں قائم باامر اللہ بود (ار:۴۴)

(وہ جزو کل کے رموز سے آگاہ ہو جاتا ہے اور دنیا پر اللہ کے حکم سے قائم ہو جاتا ہے)

اس باب میں بیان کئے گئے نکات پر اگر غمل کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ انہوں نے اس مقام پر پہنچنے کے لیے کیا کیا اصول اپنائے۔ ویسے تو اس کتاب کے مطالعہ کے دوران آپ کی طرز عبادت پر کافی کچھ بیان ہو چکا ہے مگر اس باب میں چند خصوصی نکات قابلِ غور ہیں۔

ذکرِ الٰہی اپنے آپ کو فراموش کرنے کا نام ہے

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ خدا کو یاد کرنے کا مفہوم اپنے نفس کو فراموش کر دینا ہے اور جو شخص خداوند تعالیٰ کو خدا کے ذریعے شناخت کرتا ہے وہ زندہ و جاوید ہو جاتا ہے لیکن جو اپنے نفس کے ذریعہ خدا کو پہچاننے کی سعی کرتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ قلبِ عارف اس شمع کی طرح ہے جو کہ فانوس کے اندر سے ہر سمت اپنا نور پھیلاتی رہتی ہے اور جس کو یہ مقام حاصل ہو گیا اس کو تاریکی کا خطرہ نہیں رہتا۔ فرمایا کہ دو خصلتیں مخلوق کی تباہی کا باعث بنتی ہیں اول کسی بھی مخلوق کا احترام نہ کرنا، دوم خالق کے احسان کو ٹھکرا دینا۔ صوفیہ تمام مخلوق میں سے اپنے آپ کو کمتر خیال کرتے ہیں۔

ایک شخص حضرت بایزیدؒ کی صبح کے معمولات دیکھنے کیلئے ٹھہر گیا تو اس نے دیکھا کہ آپؒ نے اللہ کے نام کی ایک ضرب لگائی اور اتنی زور سے زمین پر گرے کہ سر میں شدید چوٹ آ گئی اور لوگوں کے سوال پر بتایا کہ جب میں عرشِ خداوندی کے قریب پہنچا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو جواب ملا کہ اس کو اہلِ زمین کے شکستہ قلوب میں تلاش کرو کیونکہ اہلِ آسمان بھی اس کو وہیں تلاش کیا کرتے ہیں۔ فرمایا جس وقت میں مقامِ قرب میں داخل ہو گیا تو سوال کیا گیا کہ کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جو کچھ عطا کر دیجئے۔ حکم ہوا کہ ہماری دائمی قربت کیلئے خود کو فنا کر دو، میں نے اس کو منظور کر لیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ فیض و برکت کے حصول کے بغیر میں یہاں سے نہیں لوٹ سکتا۔ پھر ارشاد ہوا اور کیا چاہتے ہو؟ میں نے پوری مخلوق کی مغفرت طلب کی۔ پھر حکم ہوا کہ غور سے دیکھو تو جب میں نے غور سے دیکھا تو ہر مخلوق کے ہمراہ ایک شفیع موجود تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ نظرِ کرم مجھ پر تھی۔ پھر میں نے خاموش رہنے کے بعد عرض کیا کہ ابلیس پر بھی رحم فرما دیجئے۔ جواب ملا وہ آگ ہے اور آگ کیلئے آگ ہی مناسب ہے لیکن تم آگ سے بچانے کی کوشش کرتے ہو۔ پھر اس کے بعد اللہ نے میرے سامنے دو مقام پیش کئے لیکن میں نے ان میں سے ایک کو بھی قبول نہیں کیا۔ پھر سوال ہوا کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا بلا طلب جو کچھ بھی مل جائے۔

خدا تک رسائی کس طرح ممکن ہے؟

حضرت بایزیدؒ سے لوگوں نے سوال کیا کہ انسان کو مرتبۂ کمال کس وقت حاصل ہوتا ہے؟ فرمایا جب مخلوق سے کنارہ کش ہو کر اپنے عیوب پر نظر پڑنے لگے تو اس وقت قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ پھر سوال کیا گیا کہ آپ ہمیں تو زہد و عبادت کی تلقین فرماتے ہیں لیکن خود اس جانب راغب نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زہد و عبادت کو مجھ سے سلب کر لیا ہے۔ پھر کسی نے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ تک رسائی کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا نہ تو دنیا کی جانب نظر اٹھاؤ اور نہ اس کی باتیں سنو اور اہلِ دنیا سے بھی بات کرنا چھوڑ دو۔ پھر لوگوں نے عرض کیا ہم نے آپ کے کلام سے بہتر کسی بزرگ کا کلام نہیں دیکھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ دوسروں کے کلام میں التباس ہوتا ہے اور میں بغیر تلبیس کے گفتگو کرتا ہوں کیونکہ دوسرے لوگ تو ''ہم'' کہتے ہیں اور میں ''تو'' ہی کہتا ہوں۔

کسی نے آپ سے نصیحت کرنے کی استدعا کی تو فرمایا کہ آسمان کی جانب دیکھو اور یہ بتاؤ کہ اس کا خالق کون ہے؟ اس نے کہا کہ اس کو خدا نے تخلیق فرمایا ہے۔ آپؒ نے فرمایا بس اس سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ وہ تمہارے ہر حال سے باخبر ہے۔ پھر کسی نے پوچھا کہ طالب بندے سیر و سیاحت سے کیوں خوش نہیں ہوتے؟ فرمایا کہ جب مقصود اپنی جگہ قائم ہے تو پھر اس کو سیر و سیاحت میں تلاش کرنا بیکار ہے۔ پھر کسی نے سوال کیا کہ کیسے بندوں کی صحبت میں رہنا چاہیے؟ فرمایا کہ جو تمہاری عیادت کرے اور جو تمہاری خطائیں معاف کرتا رہے اور حق بات تم سے کبھی نہ چھپائے۔ پوچھا گیا کہ آپ رات میں نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ فرمایا کہ مجھے عالمِ ملکوت کے چکر لگانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ لوگوں کی اعانت کرتا رہتا ہوں۔ سوال ہوا کہ عارف کون ہے؟ فرمایا جو دنیا میں رہ کر بھی اس سے دور بھاگتا رہے اور خواب میں نہ تو خداوند تعالیٰ کے سوا کسی کو دیکھے اور نہ کسی پر اپنا راز ظاہر کرے۔ پوچھا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی وضاحت فرما دیجئے۔ فرمایا کہ دنیا کو چھوڑ دو کہ ان دونوں چیزوں یعنی (امر و نہی) کا قصہ ہی باقی نہ رہے۔ فرمایا کہ بحرِ معرفت میں غرق ہو کر امر بالمعروف کی شناخت ہوتی ہے اور بندہ نفس و مخلوق کی اعانت کرتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ مراتب کیسے حاصل ہوئے؟ فرمایا کہ میں نے وسائلِ دنیوی کو زنجیرِ قناعت میں جکڑ کر صدق کے صندوق میں بند کر کے مایوسیوں کے دریا میں غرق کر دیا۔ سوال کیا گیا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا چار سال، اس لئے کہ میں صرف چار سال سے خدا کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور اس سے قبل کے ستر سال محض قیل و قال میں گزر گئے جن کو عمر میں شمار نہیں کر سکتا۔

علم اور خبر ایسے شخص سے سیکھو جو علم سے معلوم تک اور خبر سے مخبر تک رسائی حاصل کر چکا ہو

حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ علم وخبر ایسے شخص سے سیکھو اور سنو جو علم سے معلوم تک اور خبر سے مخبر تک رسائی حاصل کر چکا ہو اور جو شخص اغراض دنیوی کیلئے علم حاصل کرے اس کی صحبت سے کنارہ کش رہو، اس لئے کہ اس کا علم خود اس کیلئے سودمند نہیں۔ فرمایا کہ خداشناس خداوند تعالیٰ کو ضرور دوست رکھتا ہے کیونکہ محبت کے بغیر معرفت بے معنی ہے۔ فرمایا کہ یہ ایک قاعدہ کُلیہ ہے کہ جب تک ندی نالے بہتے رہتے ہیں اس وقت تک ان میں شور ہوتا ہے اور جب دریا سے مل جاتے ہیں تو تمام شور ختم ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر ایک لمحہ کیلئے بھی محجوب ہو جائیں تو پرستش ترک کر دیں یعنی محجوب ہو جانے کی وجہ سے وہ قطعاً نابود ہو جاتے ہیں اور نابود ہو جانے کے بعد عبادت نہیں کر سکتے۔ آپؒ نے ایک جگہ اور فرمایا ہے کہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ جو ایک لمحہ کیلئے اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں تو وہ خود کو مرتد سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ عارف وہ ہے جو کہ ملک ودولت کو معیوب تصور کرتا ہے لیکن اس کی عبادت کا صلہ سوائے خداوند تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ فرمایا کہ خدا دوست لوگوں کی نظر میں جنت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی، گو اہلِ محبت ہجر میں مبتلا رہتے ہیں جس طرح عاشق کو معشوق کے سوا، طالب کو مطلوب کے سوا اور کچھ طلب کرنا مناسب نہیں۔ فرمایا خدا نے جن کے قلوب کو بارِ محبت اٹھانے کے قابل تصور نہیں کیا ان کو عبادت کی طرف لگا دیا کیونکہ معرفتِ الٰہی کا بار سوائے عارف کے اور کوئی برداشت نہیں کر سکتا اور اگر مخلوق اپنی ہستی کو پہچان لے تو خدا کی معرفت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے، پھر فرمایا کہ بندے کو ایسا وقت ضرور نکالنا چاہیے جس میں اپنے مالک کے سوا کسی پر نظر نہ اٹھے۔

طریقت میں کامیابی کے لئے حضرت بایزیدؒ کے ارشادات

حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ خدا کے بہت سے بندے ایسے ہیں جو دیدارِ الٰہی کے مقابلہ میں جنت کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ فرمایا کہ عارفِ صادق وہی ہے جو خواہشات کو ترک کر کے خداوند تعالیٰ کی پسندیدگی کو ملحوظ رکھے۔ بعض لوگوں نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی مرضی سے جنت میں داخل نہیں کرتا؟ فرمایا کہ یقیناً اپنی مرضی سے ہی داخل کرتا ہے لیکن جس کو اپنی مرضی سے اعلیٰ وارفع بنا دے، اس کو جنت کی کیا خواہش۔ فرمایا کہ ایک حبّہ معرفت میں جو لذت ہے وہ جنت کی نعمتوں میں کہاں؟ فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کی

یاد میں فنا ہو جانا زندہ و جاوید ہو جانا ہے۔ فرمایا کہ زاہد و صالح شخص کو ایسی ہوا کی طرح تصور کرو جو تمہارے اوپر چل رہی ہے۔ فرمایا کہ زیبائشِ جنت گو خدا رسیدہ لوگوں کیلئے ہی ہے لیکن وہ اس کو ایک بار (بوجھ) تصور کرتے ہیں۔ فرمایا کہ دنیا اہلِ دنیا کیلئے غرور ہی غرور ہے اور آخرت اہلِ آخرت کیلئے سرور ہی سرور ہے اور حبِ خداوندی عارفین کیلئے نور ہی نور ہے اور عارف کی ریاضت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کا نگران رہے اور عارف کی شناخت یہ ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ مخلوق سے کنارہ کش رہے۔ فرمایا کہ خدا کا طالب آخرت کی جانب بھی متوجہ نہیں ہوتا اور خداوند تعالیٰ سے محبت کرنے والا اپنی محبت کی بنا پر خدا ہی کی طرح یکتا ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ محشر میں اہلِ جنت کے سامنے کچھ صورتیں پیش کی جائیں گی جو کسی صورت کو اپنا لے گا وہ دیدارِ الٰہی سے محروم ہو جائے گا۔ یہی مناسب ہے کہ بندہ خود کو ہیچ سمجھتے ہوئے کبھی اپنے علم و عمل پر نازاں نہ ہو کیونکہ بندہ جس وقت تک خود کو ہیچ نہ سمجھے واصل باللہ نہیں ہو سکتا کیونکہ خداوند تعالیٰ کی صفت کا اس وقت مظاہرہ ہو سکتا ہے جب وہ مقام اس کو حاصل ہو جائے۔

حضرت بایزیدؒ پر درِ حق کھلا تو مصائب کے ذریعے کھلا

حضرت بایزید بسطامیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ستر زنار کھولنے کے باوجود بھی ایک زنار میری کمر میں باقی رہ گیا اور جب کسی طرح نہ کھل سکا تو میں نے خدا سے عرض کیا کہ اس کو کس طرح سے کھولا جائے؟ ندا آئی کہ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے جب تک ہم نہ چاہیں۔ ایک مقام پر آپ نے فرمایا میری ان تھک کوششوں کے باوجود بھی درِ حق نہ کھل سکا اور جب کھلا تو مصائب کے ذریعے کھلا اور ہر طرح سے میں نے اس کی راہ پر چلنے کی سعی کی لیکن سب کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور جب قلبی لگاؤ کے ذریعے چلا تو منزل تک پہنچ گیا۔ فرمایا کہ میں نے مکمل تین سال اللہ تعالیٰ سے اپنی ضروریات کے مطابق طلب کیا لیکن اس کی راہ میں گامزن ہوتے ہی سب کچھ بھول گیا اور یہ تمنا کرنے لگا کہ یا اللہ! تو میرا ہو جا اور جو تیری مرضی ہو ویسا کر۔ فرمایا کہ جب میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ تجھ تک رسائی کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ اپنے نفس کو تین طلاقیں دیدے۔ فرمایا کہ اگر محشر میں دیدارِ خداوندی سے محروم کر دیا گیا تو اس قدر گریہ کروں گا کہ اہلِ جہنم بھی اپنی تکالیف کو بھول جائیں گے۔ فرمایا کہ اگر پوری دنیا کی سلطنت بھی مجھ کو دے دی جائے تب بھی میں اپنی اس آہ وزاری کو افضل تصور کروں گا جو میں نے گزشتہ شب کی ہے۔ فرمایا کہ گزشتہ بزرگ معمولی سی چیزوں پر ہی خدا سے راضی ہو گئے، لیکن میں نے راضی ہونے کی بجائے خود کو اس پر قربان کر دیا ہے اور مجھے وہ

اوصاف حاصل ہوئے کہ اگر ان میں سے ایک حبہ کے برابر بھی سامنے آ جائے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی خوشی سے مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرمایا، اس لئے کہ میں بندہ ہونے کی حیثیت سے کس طرح اس کے دیدار کی تمنا کر سکتا ہوں۔ فرمایا کہ چالیس سال میں نے مخلوق کو نصیحت کرنے میں گزارے لیکن سب بے سود ثابت ہوا اور جب رضائے خداوندی حاصل ہوئی تو میری نصیحت کے بغیر ہی لوگ سیدھے راستے پر آ گئے۔ فرمایا کہ بہت سے حجابات سے گزر کر جب میں نے غور کیا تو خود کو مقام حزب البحر میں پایا یعنی ذاتِ باری میں گم ہو گیا جہاں تک کسی دوسرے کی رسائی ممکن نہیں۔ فرمایا کہ تیس سال تک تو اللہ تعالیٰ میرا آئینہ بنا رہا، لیکن اب میں خود آئینہ بن گیا ہوں اس لئے میں نے اس کی یاد میں خود کو بھی اسی طرح فراموش کر دیا کہ اب اللہ تعالیٰ میری زبان بن چکا ہے یعنی میری زبان سے نکلنے والے کلمات گویا زبانِ خداوندی سے ادا ہوتے ہیں اور میرا وجود درمیان سے ختم ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ مجھے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ سے حیرت و ہیبت کے علاوہ کچھ نہ مل سکا۔ فرمایا کہ رات، صبح تک میں اپنے دل کی جستجو کرتا رہا لیکن وہ نہیں مل سکا اور صبح کو یہ ندائے غیبی آئی کہ تجھے دل سے کیا غرض۔ تو ہمارے سوا کسی کو تلاش نہ کر۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وہ مقام عطا کیا کہ اب کُل کائنات کو اپنی انگلیوں کے درمیان دیکھتا ہوں۔ فرمایا کہ عارف کا ادنیٰ مقام یہ ہے کہ وہ صفاتِ خداوندی کا مظہر ہو۔ فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو جہنم میں جھونک دے اور میں صبر بھی کر لوں تب بھی اس کی محبت کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو پوری کائنات بخش دے تب بھی یہ اس کی رحمت کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ فرمایا کہ عارفِ کامل وہی ہے جو آتشِ محبت میں جلتا رہے۔ فرمایا کہ جب میں نے ترکِ دنیا کے بعد حبِ الٰہی اختیار کی تو اپنی ذات کو بھی دشمن تصور کرنے لگا اور جب میں نے ان حجابات کو اٹھا دیا جو میرے اور خداوند تعالیٰ کے مابین تھے تو اس نے مجھے اپنے کرم سے نواز دیا۔ پھر دعا میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے اے اللہ! میں آپ کی پناہ کا طالب ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان حائل ہو کر ایسا حجاب بن جاؤں کہ وہ مجھ میں الجھ کر آپ تک پہنچنے سے قاصر رہیں اور وہاں یہ لوگ میرے لئے بھی تو حجاب اور رکاوٹ بن سکتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں خود ہی ان میں الجھ کر آپ سے بے پرواہ ہو جاؤں۔ یا الٰہی! میری حفاظت فرما۔ میں ان حجابات کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

معرفت کی روح نسیان ہے یعنی اللہ کے علاوہ ہر چیز کو بھول جائے

ایک روز آپ ایک کھٹا سیب کھا رہے تھے۔ کسی نے کہا حضرت کھٹا سیب تو قوتِ حافظہ کو زائل کر دیتا ہے۔ آپ نے سنتے ہی جواب دیا ''مجھ کو اپنے پروردگار کو ذہن نشین کر لینے کے بعد کسی اور کی پرواہ نہیں ہے۔ اچھا یہی ہے کہ اس کے ماسوا تمام چیزیں حافظے سے غائب ہو جائیں''۔ پھر فرمایا ہر چیز کی ایک روح ہوتی ہے اور معرفت کی روح نسیان ہے۔ وہ نسیان جو اللہ کے ماسوا ہر چیز کو دل سے نکال پھینکتا ہے۔ کسی نے پوچھا، حضرت! روحِ معرفت کے دریچے آدمی پر کس چیز سے بند ہوتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا رب العزت کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھٹکنے والے اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ماسوا اللہ کو دل سے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ تمام ظاہری اسباب و وسائل سے یکسر منہ موڑ لیا جائے (یہ ان لوگوں کا شیوہ ہے جو بہت بلند درجہ کے خواہش مند ہوں ورنہ سالک تو عام طور پر دین و دنیا کو ہاتھ میں رکھتے ہیں اور بتدریج اس سمت کی طرف آتے ہیں)۔

حضرت بایزیدؒ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو بھول گئے تو اِجابت ہوئی

حضرت بایزیدؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں تیس سال تک اللہ کی راہ میں لوگوں کو لگانے کیلئے جدوجہد کرتا رہا اور نہ لگا سکا تو رو پڑا اور کہنے لگا ''الٰہی! تو ہی جانتا ہے کہ تیری مخلوق میں میرے انہماک نے مجھ کو تجھ سے بھی محجوب کر رکھا ہے اور اب ان پر میری ناراضگی اس قدر شدت اختیار کر گئی ہے کہ میں ان کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کر سکتا۔ اب تو ہی ان سے نمٹ''۔ اتنے میں ندا آئی کہ اے بایزیدؒ! اس حد تک میری بجائے میری مخلوق میں تمہاری مشغولیت رہتی ہے۔ مجھے تو ان کے ساتھ جو معاملہ کرنا تھا کر بھی چکا۔ بایزیدؒ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمام موجودات میں تنہا تم ہی میرے راستہ پر ہو؟ اس پر شیخ بایزیدؒ نے کہا کہ اس کے بعد میں اپنے رب کی طرف اکیلے ہی بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تمام کائناتِ انسانی دربارِ عالی میں موجود ہے اور میں ان سب کے پیچھے کھڑا ہوں۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا میرے آقا و مولا مخلوق آپ کی ہے اور آپ قادرِ مطلق ہیں، ہم کیا اور ہماری بساط کیا کہ خالق و مخلوق کے درمیان ان کے مسائل و معاملات میں دخل اندازی کریں۔ اس کے بعد آپ کی عمومی دعا یہ ہو گئی کہ اے اللہ! تیرے حضور میں دستِ سوال دراز کرتا ہوں اس شخص کی طرح جو تیری ذات عالی صفات کے سوا کسی اور سے صفت الوہیت کی وابستگی اور عبودیت کے علاوہ کسی قسم کی اور چیز کا کوئی ہلکا سا تصور بھی اپنے حاشیۂ خیال میں نہیں رکھتا۔ ایک موقع پر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اِجابت دعاء کیلئے کسی

قابلِ ذکر چیز سے دوچار ہوئے؟ تو آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ پوچھا گیا! کیا؟ تو آپ نے فرمایا اس ایک عین ذات کے سوا کچھ بھی مجھ کو یاد نہ رہا اور ہر چیز کو بالکلیہّ بھول گیا۔

طریقت میں صرف حق تعالیٰ ہی مطلوب ہوتا ہے

مشائخ کا قول ہے کہ دنیا کا شیدا دنیا کے ملنے پر خوش ہو جاتا ہے مگر طریقت میں اسے مرد نہیں کہا جاتا۔ کہتے ہیں کہ

طَالِبُ الدُّنیَا مُخَنَّثٌ وَطَالِبُ	دنیا کے طلبگار مخنث ہیں، آخرت کے
العُقبٰی مُؤَنَّثٌ وَطَالِبُ الْمَوْلٰی	طلبگار مؤنث ہیں اور مولیٰ کو چاہنے والے لوگ
مُذَکَّرٌ	مرد ہیں۔

طریقت کے میدان میں بہت سے لوگ اس لئے کامیاب نہیں ہوتے کہ وہ لوگ دنیا کی محبت کو ترک نہیں کر سکتے۔ حضرت بایزیدؒ کے خادم سے مروی ہے کہ آپ کے پاس اہلِ معرفت کی ایک جلیل القدر جماعت تشریف لائی اور آپ سے آپ کے کسی خواب کے بارے میں استفسار کرنے لگی، بایزیدؒ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آسمان پر ہوں، فرشتے جمع ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں، بایزیدؒ! تم تو موت تک ذکرالٰہی میں مشغول رہو گے اور ہم لوگ کب تک مشغول رہیں گے۔ میں نے فرشتوں سے کہا اس بات پر تو میں شرمسار ہوں کہ میں اپنے پالنہار کے ذکر کا سلسلہ ہمیشہ جاری نہ رکھ سکوں گا۔

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ مالکِ حقیقی کے ذکر کی جڑیں محدود ہوں تو کیا یہ بات بجائے خود شرم وغیرت کی نہیں؟ کیونکہ وہ خود اپنے ذکر کا حکم "اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا" (اللہ کا ذکر بکثرت کرو۔ (الاحزاب:۴۱) کے الفاظ سے دے رہا ہے۔ اس بات پر سب خاموش ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد ان میں سے ایک بولا! بایزیدؒ آپ کی زبان ذکر میں کب مشغول ہوتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا جب لوگ جنت و دوزخ کے چکر میں ہوتے ہیں تو میں اخلاصِ نیت کے ساتھ تمام مخلوقات سے بے تعلق ہو کر بغیر کسی غرض و غایت کے ابدیت کی زبان سے ازلی و سرمدی حقیقت کو اللہ اللہ کہہ کر یاد کرتا ہوں۔ اس کے بعد جب ان سے مزید کسی خواب کے تذکرے کا مطالبہ کیا گیا تو فرمایا! ایک روز مجھے خواب میں نظر آیا کہ گویا میں اللہ رب العزت کے حضور حاضر ہوں اور وہ مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ بایزیدؒ! بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا "میرے مالک!

میرے مطلوب و مراد تو بس آپ ہیں، آپ کے سوا مجھے کسی چیز کی طلب و چاہت نہیں ہے۔" پھر اس نے میرے لئے قسم قسم کے عطیات کی پیش کش کی اور انہیں میرے سامنے اس طرح سجا دیا کہ ان کی توصیف سے زبانیں عاجز و قاصر ہیں اور مجھے تصرف کی قوت بھی عطا کر دی گئی۔ یہ سب کچھ میرے سامنے تھا اور میں آنکھیں نیچے کیے ہوئے تھا۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ مجھ ہی کو بطور اجر و جزا ملنے والا ہے پھر بھی میں نے رب العالمین کی عظمت و جلال کے احترام میں اِدھر آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ ہی ذرا التفات کیا۔ بس یہی کہتا رہا کہ اے میرے مالک و معبود تو پاک اور بے عیب ہے آپ کی ذات کس قدر عظیم اور آپ کتنے جلیل ہیں کہ اپنے اولیاء کو آپ نے اِجابت دعا کی دولت بخشی اور عفو و رحمت کے دروازے کھولے کہ لوگ خوشی خوشی اپنے دامن بھر کے لے گئے۔ آپ کی پاکی و عظمت و شان کے کیا کہنے۔ آپ نے ابدال و صالحین کو سلامتیٔ صدر اور بیش بہا فوائد سے نوازا، وہ لوگ مالا مال ہو کر گئے۔ اگر آپ نفس کی پستیوں سے بالاتر ہونے میں میرے ساتھ جود و کرم کا معاملہ نہ فرماتے تو یقیناً میں تباہ ہو جاتا اور آپ کا کوئی حرج کسی صورت میں بھی نہ ہوتا اور آپ جیسے کہ ازل سے تھے ویسے ہی رہتے، آپ کی یہ عنایت ہی کیا کچھ کم ہے؟ پھر وہ خاموش ہو گئے۔ کسی نے کہا "مخلوق کے بارے میں بھی آپ نے کچھ فرمایا؟" تو آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے تمام دنیا پیش کی گئی، میں نے غور کیا تو اس تصور پر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا کہ رب العالمین کے در سے میری حاجت و چاہت کی معراج خدانخواستہ محض اتنے ہی پر منحصر ہے، یہ جو حال ہے کہ میں اس کا طالب ہوں۔ لوگ انگشت بدنداں رہ گئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ عزم و حوصلے کے میدان میں اس مردِ آہن کا جواب نہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق حضرت ابوالقاسمؒ (حضرت جنیدؒ) نے فرمایا اللہ والو! میں نے جو کچھ بھی حضرت بایزیدؒ کی باتیں ذکر کیں، خدارا ان پر کان دھرو، ان کے اندر کیا کیا لعل اور رموز و نکات پنہاں ہیں، ان پر غور کرو تو یہی کافی ہیں اور اکثر تو ان کے گفتار و کردار سے متعلق تذکرے میں نے قصداً نظر انداز کر دیئے ہیں کیونکہ موقع و محل کا لحاظ کئے بغیر ہر کس و ناکس کے سامنے اس قسم کا تذکرہ غیرت و حمیت کے خلاف ہوتا ہے۔ نا اہل کو ایسی اعلیٰ درجہ کی باتیں سنانا خود اہانت مول لینا ہے جو مجھے گوارہ نہیں۔ بلاشبہ ہر وہ شخص جو اللہ عزوجل کے فضلِ خاص سے ان کے کلام کے مفاہیم سے آگاہ ہو وہ یقینی طور پر اس حقیقت سے بھی آگاہ ہوگا کہ آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور برگزیدہ بندوں کے مقدس طبقے سے تھا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے

تَسَرْمَدَ وَقْتِیْ فِیْکَ فَھُوَ	میرا وقت تجھ میں مشغول ہو کر حیاتِ سرمدی کا حامل بن
مُسَرْمَدٌ وَاَفْنَیْتَنِیْ مِنِّیْ فَصِرْتُ	گیا اور تو نے مجھ سے مجھ کو فنا کر دیا حتیٰ کہ میں تجرید کی
مُجَرَّدًا تَفَرَّدَ نَوْعِیْ فَانْفَرَدْتُ	منزل کو پہنچ گیا۔ میری سرشت تفرید کے مرحلے کو پہنچ گئی
یَضْرِبُنَ وَصِرْتُ غَرِیْبًا فِی الْبَرِیَّۃِ	اور میں اپنی یگانہ فطرت کی بنا پر منفرد ہو گیا اور میں جنگل
اَوْحَدًا	میں اکیلا مسافر رہ گیا۔

حضرت بایزیدؒ محبت الٰہی میں سوختہ رہتے اور بدن کو مجاہدہ میں رکھتے

''انوار اولیاء'' میں حضرت بایزید بسطامیؒ کی شان بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ حضرت بایزیدؒ نے اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کیلئے بے حد مجاہدے سے کام لیا اور آپ اسرار و حقائق کے ماہر بے بدل تھے۔ ہمیشہ قربِ الٰہی کے مقام پر رہا کرتے تھے۔ محبتِ الٰہی کی آگ میں سوختہ اور بدن کو مجاہدہ میں مشغول رکھتے تھے۔ احادیثِ نبوی ﷺ کے متعلق آپ کی معلومات نہایت اعلیٰ تھیں۔ آپؒ سے پہلے جتنے بھی اولیاء گزرے ہیں کسی کو بھی طریقت میں اس قدر ملکہ حاصل نہ تھا جتنا آپؒ کو تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات بابرکات ہم میں ایسی ہے جیسے جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام سالکانِ راہِ توحید کی انتہا آپ کی ابتداء ہے۔

بعض لوگوں نے حضرت بایزیدؒ سے پوچھا۔ انسان کے لئے راہِ طریقت میں کیا چیز بہتر ہے؟ فرمایا۔ ''مادر زاد دوست''۔ پوچھا۔ ''اگر یہ حاصل نہ ہو''؟ فرمایا۔ ''چشمِ بینا''۔ پوچھا۔ ''اگر یہ بھی حاصل نہ ہو''؟ فرمایا۔ ''پھر سننے والے کان''۔ عرض کیا۔ ''اگر یہ بھی نہ ہو''؟ فرمایا۔ ''پھر مرگ مفاجات''۔

حضرت بایزیدؒ کے اقوالِ معرفت

حضرت بایزید بسطامیؒ نے طریقت اور معرفت پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے آپ کی گفتگو میں سے چند اقوال نیچے دیئے جا رہے ہیں جو سالکینِ راہِ طریقت کی رہنمائی کرتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کروں کہ مجھے کھانے کی تکلیف اور عورتوں کی تکلیف سے بچائے۔ پھر خیال آیا کہ یہ سوال میرے واسطے کس طرح جائز ہے

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سوال نہیں کیا۔ اس لئے میں اس سوال سے باز رہا۔ بعدازاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے عورتوں کی تکلیف سے ایسا بچایا کہ اب مجھے پرواہ نہیں کہ میرے آگے عورت ہے یا دیوار۔ فرمایا کہ اگر تم کسی شخص میں کرامت دیکھو یہاں تک کہ ہوا میں اڑتا ہو تو اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امرونہی، حفظِ حدود اور آدابِ شریعت میں کیسا ہے۔

آپ نے اپنی موت کے وقت فرمایا۔ بارِ الٰہ! میں نے تجھ کو یاد نہ کیا مگر غفلت سے، ہرگز تیری عبادت نہ کی مگر سستی سے۔ فرمایا ایک رات میں نے اپنے محراب میں پاؤں پھیلایا تو ہاتف نے مجھے آواز دی کہ جو شخص بادشاہوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو اسے چاہیے کہ حُسنِ ادب سے بیٹھے۔ فرمایا میں نے اللہ کو اللہ کے ساتھ پہچانا اور اللہ کے ماسوا کو اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ پہچانا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نعمتیں دیں تاکہ ان کے سبب اللہ کی طرف رجوع کریں، مگر وہ ان نعمتوں کے سبب اللہ سے غافل ہو گئے۔ فرمایا اے خداوند! تو نے خلق کو ان کے علم کے بغیر پیدا کیا اور ان کے ارادہ کے بغیر امانت ان کے گلے میں ڈال دی۔ پس تو اگر ان کی مدد نہ کرے گا تو اور کون کرے گا؟ آپ سے دریافت کیا گیا کہ سنت و فریضہ کیا ہے؟ فرمایا کہ سنت تمام دنیا کو ترک کرنا اور فریضہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے۔ وجہ یہ کہ سنت تمام ترکِ دنیا پر دلالت کرتی ہے اور کتاب اللہ تمام محبتِ مولیٰ پر دلالت کرتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کا کلام اس کی صفت ہے اور نعمتیں ازلی ہیں پس واجب ہے کہ ان کا شکر ازلی ہو۔ فرمایا میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ اے میرے پروردگار! میں تجھے کس طرح پاؤں؟ ارشاد ہوا! اپنے نفس کو چھوڑ دو تو مجھے پالو گے، یعنی خواہشات کو چھوڑ دو گے تو ہم کو پالو گے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ انسان متواضع کب ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب اپنی ذات کیلئے کوئی مقام وحال نہ دیکھے اور نہ لوگوں میں سے اپنے سے بدتر کسی کو سمجھے۔

فرمایا عام مومنین کے مقام کی نہایت (انتہا) اولیاء کے مقام کی ابتداء ہے، اور اولیاء کے مقام کی انتہا شہیدوں کے مقام کی ابتداء ہے اور شہیدوں کے مقام کی انتہا صدیقوں کے مقام کی ابتداء ہے اور صدیقوں کے مقام کی انتہا نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے اور نبیوں کے مقام کی انتہا رسولوں کے مقام کی ابتداء ہے اور رسولوں کے مقام کی انتہا اولوالعزم رسولوں کی ابتداء ہے اور اولوالعزم رسولوں کے مقام کی انتہا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام کی ابتداء ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام کی انتہا معلوم نہیں،

سوائے حق تعالیٰ جلّ وعلا کے اور کوئی آپ کے مقام کی انتہا نہیں جانتا۔ روزِ ازل میں یثاق کے دن روحوں کا مقام ان ہی مراتب پر تھا جو مذکور ہوئے اور قیامت کے دن ہر کسی کا مقام بھی ان ہی مراتب پر ہوگا اور ان کے اسرار حق تعالیٰ کی محبت میں ان ہی مراتب پر ہوں گے۔[1]

طریقت کے دو راستے

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ تزکیۂ نفس دو طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک راستہ ریاضت اور مجاہدوں کے ذریعے طے کیا جاتا ہے اسے انابت کا طریقہ کہتے ہیں اور دوسرا طریقہ جذب و محبت کا ہے جو اتباع کے ذریعے برگزیدہ بننے کا راستہ ہے۔ پہلے راستہ سے مرید وابستہ رہتے ہیں اور دوسرا راستہ مراد کا ہے۔ پہلے طریقہ میں مطلوب کی طرف خود چل کر جانا پڑتا ہے (رفتن) اور دوسرا طریقہ مقصود کی طرف لے جانے کا ہے، (یعنی بردن) جذب و محبت کے طریقہ میں زہد کے مراحل اور روحانی مراحل تھوڑے عرصہ میں طے کرائے جاتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامیؒ سے جب زہد کے مدارج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں صرف تین دن زہد میں رہا ہوں، جب چوتھا دن ہوا تو میں زہد کے سب مدارج طے کر چکا تھا۔ پہلے دن میں نے دنیا میں اور دوسرے دن آخرت میں اور تیسرے دن ماسوااللہ کا زہد اختیار کر لیا اور چوتھے دن اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا تھا۔[1]

---

[1] رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۱۵۔

باب نمبر ۲۷

اولیاء کرامؒ کی فراست

(مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

مومن کی فراست کیا ہے؟

فراست ایک ایسا نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندۂ مومن کو اپنی طرف سے ودیعت فرمایا۔ فراست کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (الحجر: ۷۵) بیشک اس واقعہ میں (عبرت) کی نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لئے (یعنی اہلِ فراست کے لیے)۔

متوسم کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ مقاتلؒ اور ابن زیدؒ سے اس کے معانی غور و فکر کرنے والے کے منقول ہیں۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ الوسم کے معنی نشان اور داغ لگانے کے ہیں اور سِمَۃٌ علامت اور نشان کو کہتے ہیں۔ اَلتَّوَسُّمُ کے معنی ہیں آثار اور قرائن سے کسی چیز کی حقیقت کو معلوم کر لینا اور اس علم کو ذکانت، فراست اور فطانت بھی کہا جاتا ہے۔ فراست وہ خیال ہے جو دل پہ طاری ہوتا ہے اور ہر متضاد خیال کو نکال دیتا ہے۔ دل پہ اسی خیال کا حکم ہوتا ہے۔ فراست کے مقابلے میں نفس کوئی خیال تجویز نہیں کر سکتا۔ یہ فراست قوت ایمانیہ کے مطابق ہوتی ہے یعنی جس قدر ایمان قوی ہوگا اسی قدر فراست بھی زیادہ ہوگی۔[1]

فراست پر مشائخ کبار کے اقوال

فراست پر نیچے چند مشائخ کبار کے اقوال بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔

[1] المفردات فی غریب القرآن، جلد ۱، صفحہ ۵۲۴۔

حضرت جنیدؒ نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:-

اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ [1]

مومن کی فراست سے ڈرا کرو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی "بے شک اس میں عبرت کی نشانیاں ہیں غور وفکر کرنے والوں کے لئے"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک بار حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے راستہ میں کسی عورت پر نظر پڑ گئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر فرمایا

یَدْخُلُ اَحَدُکُمْ عَلَیَّ وَفِیْ عَیْنَیْهِ اَثَرُ الزِّنَا

بعض آدمی میرے پاس آتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بول اٹھے "اَوَحْیًا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" یعنی کیا حضور ﷺ کے بعد پھر وحی اترنی شروع ہوگئی ہے؟ "فَقَالَ لَا وَلٰکِنْ بُرْهَانٌ وَفِرَاسَةٌ وَصِدْقٌ" [2] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں لیکن یہ تو دلیل فراست اور صداقت کا نتیجہ ہے۔

حضرت ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں متوسم وہ ہے جو وسم یعنی علامت سے پہچانا جائے۔ لہذا "لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ" سے علامات کے ذریعے معلوم کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے۔ اس وسم میں اللہ تعالیٰ ولیوں اور دشمنوں کے لئے کچھ اشارات ظاہر کر دیتا ہے۔ مگر متفرس (فراست والا) اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یہ نور سینے میں اٹھنے والا نور ہے جس کے ذریعے وہ معانی کو سمجھ لیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ربانیون ہیں جس کے معنی عالم اور حکیم اور اخلاق خداوندی کو اختیار کرنا ہے، ظاہر میں بھی، باطن میں بھی اور یہ مخلوق کے متعلق خبر دینے اور ان کی طرف دیکھنے اور ان کے ساتھ مشغول ہونے سے مبرا ہوتے ہیں۔ [3]

حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ نور فراست سے دیکھنا، نور حق سے دیکھنا کہلاتا ہے کیونکہ اس کا علم حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس میں سہو یا غلطی نہیں بلکہ یہ حق تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو نیک بندوں کی زبانوں پر جاری

---

[1] سنن الترمذی حدیث نمبر ۳۱۲۷، جلد ۵ صفحہ ۲۹۸۔

[2] رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۱۹۔ [3] رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۱۶۔

ہو جاتا ہے نورِ حق سے مراد وہ خاص نور ہے جس کے ساتھ اللہ نے کسی بندے کو مخصوص فرمایا ہو۔ ۱؎

حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں فراست وہ اٹھتے ہوئے انوار ہیں جو دلوں میں چمکتے ہیں اور یہ ایک ایسی معرفت ہے جو غیبوں کے رازوں کو اٹھا دیتی ہے۔ فراست اشیاء کو اسی طرح چمکا دیتی ہے کہ صاحبِ فراست مخلوق کے ضمیر کی باتیں بتانے لگتا ہے۔

حضرت ابوبکر کتانیؒ نے فرمایا کہ فراست ایک یقین کا مکاشفہ اور ایک غیب کا نمونہ ہے۔ یہ ایمان کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ (آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے دوران بتا دیا تھا کہ میری بات کی صحت کا یہ ثبوت ہے کہ تم خضر علیہ السلام ہو۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا کہ کوئی ولی آج تک مجھ سے چھپ کر نہ رہ سکا سوائے ابوبکر کتانیؒ کے کہ میں انہیں نہ پہچان سکا مگر انہوں نے مجھے پہچان لیا)۔ ۲؎

حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں جب کسی دل پر غلبہ حق ہو جاتا ہے تو اللہ اسے اسرار کا مالک بنا دیتا ہے لہٰذا وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔ کسی صوفی نے کہا کہ جو ارواح عالم ملکوت میں گھومتی رہتی ہیں وہ مخلوق کے اسرار کا مشاہدہ کر لیتی ہیں۔

ابوالحسن نوریؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان میں اپنی روح کا نفخ کیا تو اسی نور سے انسان کو فراست کا حصہ بھی ملا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ فراست والا وہی ہے جو پہلی نگاہ سے ہی صحیح مقصد کو پہنچے۔

احمد بن عاصم الانطاکیؒ فرماتے ہیں جب اہل صدق کی محفل میں بیٹھو تو صحیح نیت سے بیٹھو کیونکہ یہ لوگ تمہارے دلوں میں اس طرح داخل ہوتے اور نکلتے ہیں کہ تم محسوس بھی نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا ''اِنَّھُمْ جَوَاسِیْسُ الْقُلُوْبِ'' ۳؎ (بے شک یہ لوگ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں)۔

ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ آپؒ اپنے نانا سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص حرام سے اپنی نگاہ نیچی رکھے، شہوت سے خود کو دور رکھے، باطن کو مراقبے کے ساتھ اور ظاہر کو اتباع سنت کے ساتھ آباد رکھے اور رزق حلال کا عادی ہو اس کی فراست میں خطا نہیں ہوگی۔

ابوموسیٰ دیلمیؒ نے عبدالرحمٰن بن یحییٰؒ سے توکل کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ توکل یہ ہے کہ اگر تو اپنا ہاتھ اژدھا کے منہ میں ڈال دے تو پھر بھی اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت

۱؎ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۱۵۔ ۲؎ رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۱۶۔
۳؎ التعرف، محمد الکلاباذی، متوفی ۳۸۰ھ، جلد ۱، صفحہ ۲۴۔

بایزید بسطامیؒ کے پاس گیا کہ ان سے توکل کے متعلق پوچھوں جب میں نے دروازے پر دستک دی تو حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ کیا عبدالرحمٰنؒ کا قول تمہارے لئے کافی نہ تھا۔ آپؒ نے میرے لئے دروازہ نہ کھولا اور فرمایا کہ تم میری زیارت کے لئے نہیں آئے ہو۔ مسئلہ کے لئے آئے ہو، لہٰذا زیارت آپؒ کا مقصود نہ تھا۔ ابوموسیٰ دیلمیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال کے بعد آپکی زیارت کا قصد کیا تو آپؒ نے خوش آمدید کہا میں ایک ماہ تک ان کے پاس ٹھہرا اور جو بات بھی میرے دل میں آتی آپؒ اسے بیان کر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو فراست سے نوازا ہے

فراست تو انہیں لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس کا اہل سمجھتا ہے اور اس دولت کے اہل وہی لوگ بنتے ہیں جو اپنے خالق سے محبت کرتے ہیں یعنی جو حق عبودیت ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دن رات سرگرم رہتے ہیں۔ راتوں کو عبادت اور شب خیزی کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص چالیس دن تک خلوت نشینی کرتا ہے تو اس کے دل سے معرفت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور اس کو جلد ہی نور بصیرت مل جاتا ہے یعنی دل کی آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ چھپی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "للمتوسمین" کی تفسیر کرتے ہوئے اسے "لِلْمُتَفَرِّسِيْنَ" قرار دیا ہے۔ اس زمرے میں وہ لوگ آتے ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے فراست سے سرفراز فرمایا ہے۔ فراست کے متعلق ایک اور آیت کریمہ میں ان مساکین کا ذکر کرتے ہوئے جو وضع داری اور پاس حیاء سے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے اور نہ ہی دامن سے لپٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ" (البقرہ:۲۷۳) جاہل انہیں سوال نہ کرنے کی وجہ سے مالدار سمجھتے ہیں (لیکن جوارباب بصیرت ہیں وہ انہیں قیافے اور نشانیوں سے پہچان لیتے ہیں)۔ [۱]

مومن کو اللہ کے قرب سے فراست ملتی ہے کیونکہ جب اس کا دل تقرب الی اللہ کے نور سے معمور ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور وہ اپنے درجے اور حال کے موافق روشنی حاصل

---

[۱] تفسیر الثعالبی، ابواسحاق احمد بن محمد الثعالبی، جلد ۵، صفحہ ۳۴۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت/لبنان ۱۴۲۲ھ۔

کرتا ہے۔ جس سے وہ چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور اس سے کچھ محجوب (پوشیدہ) اور بعید نہیں رہتا۔ ایک حدیث قدسی کے مطابق یہ مقام بندے کو ادائے فرائض سے بھی حاصل ہوتا ہے اور ادائے نوافل سے بھی اور اس کا دل ایک صاف آئینے کی مانند ہوتا ہے۔ جس میں وہ ہر چیز بلا کم و کاست دیکھنے لگتا ہے اور اس کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی۔ روایات کے مطابق حضور ﷺ کے صحابہؓ کے ہاں جو بحالت نماز آپ ﷺ کے مقتدی ہوتے تھے وہ دل کی آنکھوں یا نور فراست سے اپنے پیچھے یا دائیں بائیں دیکھ لیا کرتے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اسے دل کے آئینے سے تعبیر کیا ہے۔

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

(ب د: ۷۰)

بصارت، بصیرت فراست اور دیگر اصطلاحات میں فرق

۱۔ بصارت آنکھ سے کسی چیز کا دیکھنا بصارت ہے۔ بصارت سے صرف صور محسوسہ کا ہی احساس ہوتا ہے۔

۲۔ بصیرت دل سے کسی چیز کا دیکھنا بصیرت ہے۔ بصیرت دل کی وہ بینائی ہے جو نور قدس سے روشنی پاتی ہے اور جس سے حقائقِ اشیاء اور ظواہر کے بواطن پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ تفکر تفکر یہ ہے کہ نفس ان علوم کو جو کہ اپنے سے مخفی ہیں ہمّت، حیلہ اور آلہ کے ساتھ تلاش کرے۔

۴۔ حدس علم حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ (مراقبہ اور تفکر کے بعد) حدس ہے۔ تفکر اور حدس میں یہ فرق ہے کہ تفکر میں تو غور و خوض اور طبیعت پر زور ڈال کر کوئی بات معلوم کی جاتی ہے اور حدس میں بغیر سوچے سمجھے اور بلا غور و خوض اور بغیر آلہ یا حیلہ کے دفعتاً ایک بات قلب میں القاء ہو جاتی ہے۔ صاحب حدس یکا یک غیب کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور یک بارگی علم مطلوب اس پر منکشف ہونے لگتا ہے۔ بغیر اس کے کہ عرصہ گزرے اور بغیرِ اس کے کہ ریاضت میں مشغول ہو۔ حدس فکر کے نفوس کاملہ سے اقرب ہے۔ حدس سے فراست پیدا ہوتی ہے اور فکر سے کیاست۔

۵۔ کیاست کیاست اس زیرکی یا دانائی کو کہتے ہیں۔ جس کا تعلق دماغ سے ہو اور فراست اللہ کا ایک نور ہے جس سے مومن دیکھتا ہے۔

۶۔فراست فراست اللہ کا ایک نور ہے جس سے مومن دیکھتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ڈرو تم مومن کی فراست سے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔[1]

فراست حدس سے پیدا ہوتی ہے۔ حدس ہی الہام کا زینہ ہے اور نبوت وحی کا۔ جب نفس انسانی حدس کی قوت سے عالم بالا کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور علوم غیبیہ کے انوار اس پر چمکنے شروع ہو جاتے ہیں تو پھر ان علوم کا اظہار اس پر رمز کے حجاب اور اخفاء و ابہام کے پردوں کی آڑ میں ہوتا ہے اور پھر اگر نفس میں اتنی طاقت نہیں کہ حالت بیداری میں اس ظہور کا متحمل ہو سکے تو یہ جلوے اسے خواب میں دکھائے جاتے ہیں اور غیب کے اسرار خواب کی صورتوں میں متمثل کر کے اس پر منکشف کئے جاتے ہیں۔ اس انکشاف کا مرتبہ الہام سے کم تر ہے۔

۷۔مراقبہ علم حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔

ظاہری طریقہ تو معمولی طلب علمی کا طریقہ ہے۔ باطنی طریقہ مراقبہ اور تفکر کا ہے۔ مراقبہ اسے کہتے ہیں کہ دل کو دوسرے خیالات سے ہٹا کر ایک خیال پر جما دیا جائے اور اسی خیال کے اندر فکر میں منہمک ہو جائے۔

مومن کی بصیرت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو آنکھیں عطا فرمائی ہیں اور اس کے علاوہ دل کو بھی ایک آنکھ عطا فرمائی ہے جو بلا قید زمان و مکان ہر چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ قلب کے اس دیکھنے کی طاقت کو قلب کی بصیرت کہا جاتا ہے۔ انسان کی روح کے ہر جزو میں بصیرت کا ہونا پایا جاتا ہے جیسے کہ تمام حواس (بصر، سمع، لمس، شامہ وغیرہ) روح میں ہی سرایت کر گئے ہوں۔ روح کا کوئی جزو ایسا نہیں جہاں یہ حواس موجود نہ ہوں۔ چنانچہ مومن کی روح ہر جہت سے دیکھتی ہے۔ روح اور جسم کے درمیان جب موانست اور موافقت پیدا ہوتی ہے تو اس وقت تمام حجاب اٹھ جاتے ہیں۔ اس حالت میں جسم بھی ایک روح کی طرح شان رکھتا ہے اور انسان ہر چیز کو ملاحظہ کرنے لگتا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی لئے فرمایا کہ ہمارا جسم بھی روح کا حکم رکھتا ہے اور ہماری روح بھی جسم کا ہی حکم رکھتی ہے۔ اگر کسی کی حالت اس قدر لطیف ہو جائے تو اس کے لئے غیب بھی حضور کا مقام رکھتا ہے۔

صوفیائے کرامؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میثاق کے دن انسانوں کو ذروں کی شکل میں ظاہر فرما کر

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۱۲۷، جلد ۵، صفحہ ۲۹۸۔

ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا۔ پھر ان ذروں کو دلوں میں اور دلوں کو جسموں میں اور جسموں کو دنیا میں امانت کے طور پر رکھا۔ انسان پیدائش تک ان ذرات کے روزنوں (جھروکوں) میں رہتے ہیں جن کے ذریعے دلوں کو عالم غیب نظر آتا ہے اور وہاں کی آوازیں محسوس ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ روزن بند ہو جائیں تو وہ ایسی بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے۔

ولی کی بصارت

حضرت عبدالعزیز دباغ ؒ فرماتے ہیں کہ نظرِ بصیرت کے تین لاکھ چھیاسٹھ ہزار اجزاء ہیں، ان میں سے ایک جزو آنکھ کی نگاہ میں آیا ہے اور باقی تمام اجزا کامل عارف کی ذات کی بصیرت میں ہوتے ہیں چنانچہ عارف اپنی ذات سے اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ہم آنکھ سے دیکھتے ہیں مگر اس کی نظر تمام کے تمام اجزاء پر ہوتی ہے اور یہ مرتبہ صرف ایک شخص کو یعنی غوث کو حاصل ہوتا ہے جس کے ماتحت اقطابِ سبعہ (سات قطب) ہوتے ہیں۔

عبدالرحمٰن مؤلف خزینۃ المعارف لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ حضرت (عبدالعزیز دباغ ؒ) کے گھر بیٹھے ہوئے تھے کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے جسے آپ کے مرتبہ کا علم تھا کہا کہ امام عبدالوہاب شعرانی ؒ نے لکھا ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی ؒ، حضرت احمد بن حسین رفاعی ؒ اور حضرت ابراہیم دسوقی ؒ کا عالم ملکوت میں اجتماع ہوا اور وہاں ان سے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کا ذکر حضرت ابراہیم دسوقی ؒ نے اپنے چند مریدوں سے کر دیا۔ مریدوں نے کہا کہ اس بات کا کون گواہ ہے جب کہ حضرت دسوقی ؒ اس وقت اپنے مریدوں کے ساتھ مصر میں تھے اور دیگر دونوں بزرگ عراق میں تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے یہی لوگ گواہی دیں گے چنانچہ وہ دونوں اسی وقت آ موجود ہوئے اور انھوں نے گواہی دی۔ پھر اس شخص نے کہا کہ یہ تینوں شخص ایک جیسے ہیں۔

حضرت عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اس قسم کی بات تو معمولی ولی بھی کر سکتا ہے۔ میں نے ایک ایسے ولی کو دیکھا جو بہت بڑے مرتبہ تک پہنچا ہوا تھا چنانچہ اسے تمام مخلوقات، جاندار و بے جان، وحوش و حشرات، آسمان اور ستارے، زمین اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کا مشاہدہ حاصل تھا اور تمام کرہ عالم اس سے مدد لیتا تھا اور وہ ایک ہی لحظہ میں تمام کرہ عالم کی آواز اور کلام سن لیتا تھا اور ہر ایک کو اس کی ضرورت اور مصلحت کی چیز

عطا کرتا بلکہ ان کے لئے جہاں کا اوپر کا حصہ اور نچلا حصہ ایک جیسے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی ولی پر رحمت فرماتے اور وہ جان لیتا کہ یہ تمام مدد اسے حضور ﷺ کی طرف سے آ رہی ہے۔ اب ولی اپنے آپ کو مینڈک کی طرح پاتا ہے اور تمام مخلوق کو اپنے سے زیادہ طاقت ور گردانتا ہے پھر وہ مزید جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ مدد حق سبحانہ کی طرف سے آ رہی ہے۔

مؤمن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

مولانائے رومؒ نے بصیرت قلبی اور نور بصیرت پر کافی کلام کیا ہے لیکن اس جگہ ان کے چند اشعار پیش کرنے پر ہی اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ فراست سے متعلق مندرجہ ذیل حدیث نقل کی گئی ہے جس پر مولائے رومؒ نے مثنوی میں چند اشارے لکھے ہیں ان کو بھی قارئین کی نظر کیا جا رہا ہے۔ حدیث یہ ہے۔

اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ [1] — مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ خدائے بزرگ و برتر کے نور سے دیکھتا ہے۔

مومن ار ینظر بنوراللہ نبود — عیب مومن را برہنہ چوں نمود (۱:۱۳۳۱)

(اگر مومن "ینظر بنوراللہ" کا مصداق نہیں تھا، تو اس نے مومن کے عیب کو صاف صاف کیسے بتا دیا؟)

چونکہ تو ینظر بناراللہ بدی — نیکوئی را ندیدی از بدی (۱:۱۳۳۲)

(چونکہ تو "ینظر بناراللہ" آگ کے مصداق تھا، (اس لئے) نیکی کو بدی سے نہ پہچان سکا)

اندک اندک آب برآتش بزن — تا شود نار تو نور اے بوالحزن (۱:۱۳۳۳)

(آگ پر تھوڑا تھوڑا پانی چھڑک (صحبت شیخ کا)، اے غمگین! تا کہ تیری صفات ذمیمہ کی آگ نور بن جائے)

تو بزن یاربّنا آبِ طہور — تاشود ایں نار عالم جملہ نور (۱:۱۳۳۴)

(تو یہ کہے کہ اے ہمارے رب تو ہم پر رحمت کا پاک پانی چھڑک، تا کہ یہ دنیا کی آگ سب نور بن جائے)

جواسیس القلوب کے قول سے مومن کی فراست کی دلیل ملتی ہے

شرح تعرف جلد ۱، صفحہ ۱۸ اور بحر العلوم میں ہے "اِحْذَرُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ جَوَاسِیْسُ الْقُلُوْبِ"

---

[1] سنن الترمذی حدیث نمبر ۳۱۲۷، جلد ۵، صفحہ ۲۹۸۔

(یعنی اولیاء سے خوف زدہ رہو وہ لوگ دل کے جاسوس ہیں) [1]۔ مولانائے روم فرماتے ہیں۔

بندگان خاص علام الغیوب　　در جہان جان جوا سیس القلوب (۲:۱۴۷۸)

(علّام الغیوب کے خاص بندے ایسے ہیں جو روحانی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہیں)

دردرون دل درآید چوں خیال　　پیش شاں مکشوف باشد سرِّ حال (۲:۱۴۷۹)

(جب دل میں کوئی خیال آتا ہے، پوشیدہ بھید ان کے سامنے کھل جاتا ہے)

درتنِ کنجشک چہ بود برگ و ساز　　کہ شود پوشیدہ آں بر عقلِ باز (۲:۱۴۸۰)

(چڑیا کے جسم میں کیا ساز و سامان ہوتا ہے، کہ وہ باز کی عقل پر چھپ سکے)

آنکہ واقف گشت بر اسرار ھو　　سرِّ مخلوقات چہ بود پیشِ او (۲:۱۴۸۱)

(جو اللہ تعالیٰ کے بھیدوں سے واقف ہو گیا، مخلوق کے بھید اس کے سامنے کیا چیزیں ہیں)

آنکہ بر افلاک رفتار ش بود　　بر زمین رفتن چہ دشوارش بود (۲:۱۴۸۲)

(جس کی گزر آسمانوں پر ہو، اس کو زمین پر چلنا کیا دشوار ہوگا؟)

درکف داؤد علیہ السلام کاہن گشت موم　　موم چہ بود درکفِ او اے ظلوم (۲:۱۴۸۳)

(حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں جب کہ لوہا موم ہو گیا، اے ظالم! ان کے ہاتھ میں موم کیا ہوگا)

حضرات جنیدؒ و بایزیدؒ اور دیگر مشائخ سے متعلق فراست کی چند مثالیں

مشائخِ عظام سے منسوب ایسی بے شمار روایات ملتی ہیں جن میں ان کی فراست کا اظہار ملتا ہے بلکہ بعض روایات تو اس قدر دلچسپی کی حامل ہیں کہ سننے اور پڑھنے والوں کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ اس کتاب میں حضرات جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ سے متعلق ایک باب ''محیّر العقول اعمال'' کے نام سے شامل کر دیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے ان کے کچھ ایسے اعمال کی خبر ملتی ہے جو حیران کن انواع سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے واقعات کے مطالعے کے بعد انسان گھنٹوں اس سوچ میں غرق رہتا ہے کہ یہ ہستیاں کس قدر بلند مقام پر فائز

[1] التعرف، جلد ۱، صفحہ ۲۴

تھیں جن کے ایسے تمام اعمال ان کی قوتِ فراست کی کھلی دلیل ہیں۔

اگر فراستِ اولیاء سے متعلق گفتگو کی جائے تو یہ تحریر بہت طوالت طلب ہوگی اور اس کتاب کے احاطہ تحریر سے بعید ہوگی، لہٰذا اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے چند ایک دلچسپ واقعات قارئین کی نظر کئے جا رہے ہیں جو معاملہ فہمی کے لئے کفایت کر سکیں گے۔

۱۔ حضرت بایزید بسطامیؒ حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک بار حضرت ابراہیم ہیرویؒ کو کھانا کھلایا تو حضرت ابراہیم ہیرویؒ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ حضرت بایزیدؒ جیسے شیخ کو ایسا لذیذ کھانا نہیں کھانا چاہیے۔ حضرت بایزیدؒ کو ان کے اس خیال سے آگہی ہوئی تو انھیں ایک کونے میں لے گئے اور دیوار پر ہاتھ مارا تو ایک بہت بڑا دریا نظر آیا۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ چلئے ہم دونوں اس دریا میں غسل کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم ہیرویؒ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے یہ مرتبہ عطا نہیں فرمایا۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ یہ جو کی روٹی تمھاری غذا ہے، جس کو جانور بھی کھا کر لید کر دیتے ہیں مگر تم اس کے باوجود بھی یہ تصور کرتے ہو کہ عمدہ اور لذیذ کھانا کھانے والا کبھی اہل تقویٰ میں سے نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم ہیرویؒ بہت نادم ہوئے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔

۲۔ حضرت ابو بکر کتانیؒ تیس سال تک کعبۃ اللہ کے پرنالے کے نیچے بیٹھے رہے اور دن رات میں صرف ایک بار وضو کے لئے اٹھتے۔ آپؒ تمام شب ذکر کرتے۔ ایک بوڑھا شخص آیا اور کہا اے ابو بکر مقام ابراہیم پر کیوں نہیں بیٹھتے، وہاں ایک بزرگ حدیث بیان کرتے ہیں تم بھی وہ سن لیا کرو۔ ابو بکر نے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں اور کس کی روایت سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ کہا عبدالرزاقؓ، عبدالرحمٰنؓ اور ابو ہریرہؓ سے۔ فرمایا جن سے یہ اسناد کرتے ہیں ہم ان سے براہ راست بات سن لیتے ہیں۔ پوچھا کس سے سنتے ہو فرمایا "حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ" (یعنی میرے اللہ نے میرے دل میں یہ حدیث بیان فرمائی)۔ پوچھا اس کی دلیل کیا ہے۔ ابو بکرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ تم خضر علیہ السلام ہو۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں اب تک خیال کرتا تھا کہ آج تک کائنات ارضی پر کوئی ولی ایسا نہیں جسے میں نہیں جانتا لیکن جب میں نے ابو بکر کتانیؒ کو دیکھا تو انھوں نے مجھے پہچان لیا اور میں نے انھیں نہیں پہچانا۔

۳۔ حضرت ابوالقاسم مناویؒ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ جب نیشاپور کے بڑے مشائخ میں سے ابوالقاسم مناویؒ بیمار پڑ گئے تو ابوالحسن بوشنجیؒ اور حسن حدادؒ ان کی عیادت کو آئے اور راستہ میں ایک سیر سیب آپؒ کے لئے

خریدے اور ساتھ لے آئے۔ جب ابوالقاسمؒ کے پاس بیٹھ گئے تو آپؒ نے فرمایا یہ تاریکی کیسی ہے؟ یہ بات سنتے ہی دونوں باہر آ گئے اور کہنے لگے ہم نے کیا کیا ہے جس کی وجہ سے ابوالحسن کو تاریکی نظر آئی؟ دونوں سوچنے لگے اور کہا کہ شاید ہم نے سیب کی قیمت ادا نہیں کی۔ وہ گئے اور انھوں نے سیب کی قیمت ادا کر دی اور دوبارہ شیخ کے پاس لوٹ آئے۔ اس دفعہ جب ان دونوں پر آپؒ کی نظر پڑی تو آپؒ نے فرمایا کیا انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ اتنی سرعت کے ساتھ ظلمت سے نکل آئے؟ صحیح صحیح بات کہہ دو۔ اس پر انھوں نے تمام قصہ کہہ سنایا۔ حضرت ابوالقاسمؒ نے کہا ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس کی خبر دی ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر یہ اعتماد کرتا تھا کہ وہ قیمت ادا کر دے گا اور بیچنے والا ان دونوں سے تقاضا کرنے کے لئے شرماتا تھا۔ قیمت نہ ادا کرنے کی گرفت تم پر باقی رہتی اور اس ادھار کا سبب میں تھا مگر میں نے یہ بات تم میں دیکھ لی اور اس طرح ادھار کی ظلمت بھی مجھے نظر آ گئی۔ [۱]

۴۔ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں جامع مسجد میں تھا کہ ایک خوبرو، وجیہہ اور خوش لباس نوجوان آیا جس سے خوشبو کے حلے آ رہے تھے۔ میں نے اپنے ہم مجلس ساتھیوں سے کہا کہ میرے خیال میں وہ یہودی ہے لیکن کسی کو میری بات کا یقین نہ آیا۔ کچھ دیر بعد میں وہاں سے اٹھ گیا تو اس نوجوان نے میرے رفقاء سے پوچھا کہ شیخ میرے بارے میں کیا فرما رہے تھے۔ انھیں میرے خیال کے بارے میں اسے بتانے سے حجاب اور شرم مانع ہوئی لیکن اس کے پیہم اصرار پر مجبوراً انھیں بتانا پڑا کہ شیخ آپ کو یہودی بتا رہے تھے۔ یہ سن کر وہ نوجوان میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ پر جھک کر مسلمان ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ تمھارے اسلام لانے کی کیا وجہ ہے تو وہ بولا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو صدیق (سچا) ہو اس کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی۔ میں نے سوچا اس سلسلے میں کیوں نہ مسلمانوں کو آزمایا جائے۔ میں آپؒ کے پاس آیا تو آپؒ نے مجھے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ میں یہودی ہوں چنانچہ مجھے اس امر کا یقین ہو گیا کہ آپ ضرور صدیقین میں شامل ہیں۔ دیگر روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئی صدیق غلط فہمی کی وجہ سے کوئی غلط بات ہی کیوں نہ کہہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو سچ کر دکھاتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک شہید کے متعلق اس کی ماں سے یہ کہہ دیا کہ اس کا بچہ (جو حقیقتاً جنگ میں شہید ہو چکا تھا) ہمارے پیچھے آ رہا ہے تو واقعی اس کا بچہ آ گیا۔

---

[۱] مدارج السالکین، جلد ۱، صفحہ ۴۰۔

۵۔حضرت خیر النساجؒ فرماتے ہیں ''میں اپنے گھر میں تھا کہ دل میں خیال پیدا ہوا کہ جنیدؒ دروازے پر ہیں مگر میں نے اس خیال کو دور کر دیا مگر دوبارہ اور سہ بارہ یہی خیال آیا کہ جنیدؒ دروازے پر موجود ہیں جب میں دروازے پر آیا تو جنیدؒ دروازے پر موجود تھے۔انھوں نے فرمایا پہلی بار خیال آنے پر کیوں نہیں نکلے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کے آنے کی اطلاع کو محض خیال ہی سمجھتا رہا۔اس لیے باہر نہیں آیا حضرت کا یہ پہچان لینا فراست کی وجہ سے تھا۔

۶۔محمد حسین بسطامیؒ فرماتے ہیں میں ابو اعثمان مغربیؒ کے پاس گیا اور دل میں خیال کیا کہ شاید وہ مجھ سے کوئی چیز چاہیں گے۔اس پر ابو عثمانؒ نے فرمایا کیا لوگوں کے لئے کافی نہیں کہ میں ان کی چیز قبول کر لیتا ہوں اب وہ مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں ان سے کوئی چیز مانگوں۔

۷۔حضرت مرتعشؒ بغداد کے ایک فقیر نے دل میں خیال کیا کہ مرتعشؒ مجھے پندرہ درہم لا کر دیں تا کہ میں کچھ سامان لے کر جنگل کی طرف چلا جاؤں، کچھ دیر بعد دیکھا کہ دستک ہوئی اور مرتعش دروازے پر کھڑے ہیں۔ان کے پاس پرانے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی تھا اور مجھے فرمایا یہ لے لو۔ میں نے عرض کی مجھے اس کی ضرورت نہیں۔فرمایا تو پھر تم ہمیں کیوں ایذاء پہنچاتے ہو۔تم کتنے درہم چاہتے تھے میں نے عرض کی پندرہ تو فرمایا یہ پندرہ درہم ہی تو ہیں۔

۸۔ابوالحسن نوریؒ کسی نے ابوالحسن نوریؒ کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے دیکھا۔جب حضرت جنیدؒ کو علم ہوا تو آپ نے سو درہم تول کر ایک کوزے میں ڈال دیئے اور اس میں بغیر گنے ایک مٹھی بھر درہم بھی ڈال دیئے۔خادم حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ آپ نے کچھ درہم تولے اور کچھ بغیر تولے بھی ڈال دیئے ہیں۔فرمایا کہ اسے ابوالحسن نوریؒ کو دے آؤ۔خادم جب ابوالحسن نوریؒ کو دینے گیا تو انھوں نے تول کر ایک سو درہم نکال کر مجھے واپس کر دیئے اور باقی (مٹھی بھر) خود رکھ لئے۔اور فرمایا جنیدؒ بڑا سیانا بنتا ہے۔اس کی مرضی ہے کہ وہ دونوں طرف سے سلامت رہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو درہم ہمارے تھے وہ ہم نے رکھ لئے اور جو جنیدؒ کے تھے وہ واپس کر دیئے ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص اور بھی حیران ہوا۔جب اس نے یہ ماجرا حضرت جنیدؒ کو سنایا تو آپؒ نے فرمایا ''وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ'' جو کچھ ان کے لئے تھا انھوں نے لے لیا اور جو کچھ میرے لئے تھا انھوں نے لوٹا دیا

۔راوی کہتا ہے کہ اب تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور کہا کہ حضرت آخر مجھے بھی بتلائیے کہ یہ اسرار کیا ہے تو فرمایا سو درہم میں نے ثواب آخرت کے لئے دیئے تھے اور مٹھی بھر درہم اللہ تعالیٰ کے لئے ڈالے تھے۔انھوں نے وہی قبول کر لئے جو حق تعالیٰ کے لئے تھے اور جو میرے (ثواب کی نیت کے لئے) تھے وہ مجھے واپس کر دیئے۔

۹۔حضرت جنید بغدادیؒ ایک نوجوان حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔وہ صاحب فراست تھا اور لوگوں کے دل میں گزرنے والے خیالات بتادیا کرتا تھا۔ایک دن حضرت جنیدؒ کے سامنے اس نوجوان کا ذکر کیا گیا تو آپؒ نے پوچھا کے لوگوں کا آپکے بارے میں جو خیال ہے کیا وہ درست ہے؟ کہنے لگا کہ آپ اپنے دل میں کوئی بات سوچیں میں بتائے دیتا ہوں۔حضرت جنیدؒ کہنے لگے میں نے سوچ لی ہے اس نوجوان نے بتادی۔آپؒ نے کہا غلط ہے۔اس نے کہا کوئی اور بات سوچ لیں آپؒ نے کہا میں نے سوچ لی ہے۔اس نے پھر بتایا تو آپؒ نے اسے بھی غلط قرار دیا۔تیسری بار اس نے پھر کہا کہ کوئی اور بات سوچ لیں۔آپؒ نے کہا میں نے سوچ لی ہے۔اس نے پھر بتایا اور آپؒ نے کہا غلط ہے۔اس پر وہ نوجوان کہنے لگا عجیب بات ہے آپ بھی سچے ہیں اور مجھے بھی اپنے دل پر اعتماد ہے۔حضرت جنیدؒ فرمانے لگے کہ تم نے تینوں بار صحیح بتایا تھا لیکن میں تمہیں آزمارہا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہاری قلبی واردات بدلتی ہیں یا نہیں۔

۱۰۔ابو سعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ وہ مسجد حرام میں تھے کہ ایک فقیر کا ادھر سے گزر ہوا۔اس نے دو گدڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔میں نے دل میں گمان کیا کہ ایسے ہی لوگ ہیں جو لوگوں پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔فقیر میرے قلبی احوال سے باخبر ہو گیا اور میری طرف متوجہ ہو کر یہ آیت پڑھی۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَافِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ (البقرہ:۲۳۵)

یقین مانو اللہ تمہارے دلوں کی بات سے واقف ہے لہذا اس سے ڈرتے رہو۔

وہ کہنے لگے کہ یہ سن کر میں نے دل ہی دل میں اپنی بدگمانی سے توبہ اور استغفار کی وہ فقیر پھر میری طرف متوجہ ہوا اور یہ آیت پڑھی۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ	یہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا
وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ	ہے اور بہت سی خطائیں ان کی معاف کر دیتا
(الشوری:۲۵)	ہے۔

۱۱۔حضرت شاہ کرمانیؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ غضب کی فراست کے مالک تھے اور اکثر وبیشتر ان کی بتائی ہوئی باتیں صحیح ہوتی تھیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حرام چیزوں سے اجتناب کرے، خواہشات کا دروازہ اپنے آپ پر بند کرے، اپنے دل کو مراقبہ وذکر الٰہی سے آباد رکھے، اتباع سنت کو ملحوظ رکھے اور لقمہ حلال کھانے کا عادی ہو اس کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی۔

باب نمبر ۲۸

اولیائے کرامؒ کا علمِ لَدُنّی

علمِ لَدُنّی کی تعریف

سب سے پہلے علمِ لَدنی کی تعریف ملاحظہ فرمائیں۔ علمِ لَدُنّی اس علم کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ ہی بطورِ خاص اس نعمت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اسے خلوص نیت اور حسنِ عمل کا ثمر کہنا بھی مناسب ہوگا کیونکہ قربِ خداوندی بخشنے والے کام کرنے اور رسول پاک ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے سے جو روحانی بصیرت پیدا ہوتی ہے وہی چیز علمِ لَدنی کہلاتی ہے۔ اس کے ذرائع الہام اور کشف ہوتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور علمِ لَدُنّی

حضرت جنیدؒ اس علم سے مالا مال تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ ان کے بارے میں صراحتاً فرماتے ہیں:-

لَازَمَ التَّعَبُّدَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِسَبَبِ ذٰلِكَ عُلُوْمًا كَثِيْرًا[1]

یعنی انہوں نے اپنے آپ کو عبادت گزاری کے لئے وقف کر دیا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت سے علوم کے دروازے کھول دیئے۔

نامور فقیہہ حضرت ابن سریجؒ نے حضرت جنیدؒ سے کوئی سوال پوچھا تو آپؒ نے اس کے متعدد جواب دیئے اور جب انہوں نے املا کرا دینے کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا:

[1] البدایہ والنھایہ، اسماعیل بن عمر بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ، جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۴، مکتبہ المعارف، بیروت۔

لَئِنْ کُنْتُ اَجْرِیْہِ فَاِنِّیْ اُمْلِیْہِ اَیْ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالَّذِیْ یَجْرِیْ ذٰلِکَ عَلٰی قَلْبِیْ وَیَنْطِقُ بِہٖ لِسَانِیْ وَلَیْسَ ھٰذَا مُسْتَفَادٌ مِنْ کُتُبٍ وَلَا مِنْ قَلَمٍ وَاِنَّمَا ھٰذَا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ یُلْھِمُنِیْہِ وَیَجْرِیْہٖ عَلٰی لِسَانِیْ [۱]

اگر میں یہ بات ازخود کہتا تو لکھوا بھی دیتا یعنی یہ جو کچھ میں نے کہا ہے خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وہی میرے دل میں القاء کرتا ہے تو میری زبان گویا ہو جاتی ہے۔ اس علم کا تعلق پڑھنے، پڑھانے یا قلم و قرطاس سے قطعاً نہیں بلکہ یہ سب کچھ فیضان ربانی ہے۔ وہی الہام کرتا ہے اور میری زبان سے یہ باتیں جاری ہو جاتی ہیں۔

حضرت فارس بغدادیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی مجھ سے علمِ حقیقت کا کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے اور مجھے اسکے جواب پر پوری قدرت نہیں ہوتی تو پوچھنے والے سے توقف کرنے کیلئے کہہ دیتا ہوں۔ حضرت فارسؒ فرماتے ہیں کہ ایسے موقع پر حضرت گھر میں داخل ہو جاتے اور مالک حقیقی سے معاملہ کرتے اور پھر باہر آ کر جواب دیا کرتے تھے۔ [۲]

اس اللہ والے معاملے کی کیفیت حضرت محمد بن علی بن جیشؒ کے بیان سے واضح ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت جنیدؒ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ تھوڑا سا انتظار کریں۔ میں اپنے استاد سے پوچھ لوں۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے۔ دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اس کے بعد باہر آ کر جواب دیا۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا تو آپ نے اپنے گھر کی ایک سیڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میں پورے تیس سال تک اس سیڑھی کے نیچے خدا کے حضور (مراقبے) میں بیٹھا ہوں۔ تب کہیں جا کر یہ کچھ مجھے نصیب ہوا۔ [۳]

علم لَدُنِّی اور اولیاء کرامؒ

ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب نے "خزینۃ المعارف" میں علم لدنی کے بارے میں اولیاء کرامؒ کے اقوال و معارف بیان فرمائے ہیں۔ قارئین کرام کے سامنے حسب ذیل صوفیاء و مشائخ کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ، جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۴۔

[۲] تاریخ بغداد، جلد ۷، صفحہ ۲۴۶۔

[۳] تاریخ بغداد، جلد ۷، صفحہ ۲۴۵۔

۱۔ ابو ہاشمؒ اور علم لَدُنّی

ابوالہاشمؒ 'شام' کے مشہور شیخ تھے اور سفیان ثوریؒ کے ہم عصر تھے اور سب سے پہلے بزرگ تھے جنہیں صوفی کا لقب دیا گیا۔ انہوں نے صوفیاء کے لئے سب سے پہلی خانقاہ بنوائی۔ اس کے بنوانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک عیسائی رئیس شکار کے لئے نکلا ہوا تھا۔ راستہ میں اس نے دو شخصوں کو نہایت محبت سے آپس میں ملتے اور ہم آغوش ہوتے دیکھا۔ اس کے بعد انہوں نے باہم مل کر کھانا کھایا۔ عیسائی رئیس کو ان کا طرز معاشرت بہت پسند آیا۔ اس نے ان میں سے ایک کو بلا کر پوچھا کہ یہ دوسرا شخص کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نہ اسے جانتا ہوں اور نہ میرا کوئی اس سے تعلق ہے اور نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ یہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس پر عیسائی رئیس نے دریافت کیا کہ پھر یہ آپس میں محبت کیسی ہے؟ درویش نے جواب دیا کہ یہ تو ہمارا طریقہ ہے۔ پھر رئیس نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی جگہ ہے جہاں تم مل کر بیٹھ سکو۔ درویش نے جواب دیا نہیں۔ اس پر رئیس نے رملہ (فلسطین) میں ان کے لئے پہلی خانقاہ بنوادی۔

حضرت سفیان ثوریؒ ابو ہاشم کے بارے میں فرماتے ہیں:

(ا) لَوْلَا اَبُوْهَاشِمُ الصُّوْفِی مَاعَرَفْتُ دَقَائِقَ الرِّيَاءِ — اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاء کی باریکیاں نہ جان سکتا۔

(ب) جب تک میں نے ابو ہاشم کو نہ دیکھا تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ صوفی کسے کہتے ہیں۔

۲۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ابو حمزہ بغدادیؒ

امام احمد بن حنبلؒ کا علمِ حدیث اور دیگر علوم میں مرتبہ کسی پر مخفی نہیں، لیکن جب کسی مسئلہ میں دقت پیش آتی تو ابو حمزہ بغدادیؒ سے دریافت کیا کرتے اور جب ان کی مجلس میں صوفیاء کے اقوال کا ذکر ہوتا تب بھی انہی کی رائے دریافت کیا کرتے۔ شیخ قطب الدین بن ایمنؒ بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ اپنے بیٹے کو صوفیاء کی مجلس میں جانے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ لوگ اخلاق میں اس درجہ تک پہنچے ہوئے ہیں کہ ہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔[1]

[1] لوائح الانوار، صفحہ ۴۔

۳۔امام احمدؒ اور شیبان راعیؒ

ایک مرتبہ امام احمدؒ، امام شافعیؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ شیبان راعیؒ ادھر آ نکلے۔امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے کہا اے ابوعبداللہ! میں اسے اس کی جہالت پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ کچھ علم سیکھنے کی طرف توجہ دے۔امام شافعیؒ نے انہیں اس سے روکا مگر وہ باز نہ آئے اور شیبانؒ سے کہا''ایک شخص رات اور دن میں ایک نماز پڑھنا بھول گیا ہے اور اسے یہ بھی یاد نہیں کہ اس نے کون سی نماز نہیں پڑھی اب اسے کیا کرنا چاہیے؟'' یہ سن کر حضرت شیبانؒ پر خاص کیفیت طاری ہوگئی اور فرمایا''اے احمدؒ آپ ایسے شخص کا ذکر کررہے ہیں جس کا دل اللہ سے غافل ہو چکا ہے، لہٰذا اسے سزا دینی چاہئے تاکہ اللہ سے غافل نہ ہو'' یہ جواب سن کر امام احمدؒ بے ہوش ہوگئے۔جب ہوش میں آئے تو امام شافعیؒ نے فرمایا: کیا میں نے تجھے اسے چھیڑنے سے منع نہ کیا تھا؟[1]

۴۔ابوالعباس بن سریجؒ اور جنید بغدادیؒ

ابوالعباس بن سریجؒ، امام شافعیؒ کے افضل ترین شاگردوں میں سے تھے۔جب یہ حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس آئے اور ان کا کلام سنا تو کسی نے آپؒ سے پوچھا کہ آپ کا اس کلام کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو فرمایا:

لَا اَدْرِیْ مَا یَقُوْلُ وَلٰکِنِّیْ اَرٰی لِهٰذَا الْکَلَامِ صَوْلَةً لَیْسَتْ بِصَوْلَةِ مُبْطِلٍ[2]	جو کچھ یہ فرمارہے ہیں میں اسے نہیں جانتا مگر اس کلام میں اس قدر دبدبہ پایا جاتا ہے کہ ایک باطل شخص کے کلام میں ایسا دبدبہ نہیں ہوسکتا۔

۵۔عبداللہ بن سعیدؒ اور جنید بغدادیؒ

عبداللہ بن سعیدؒ ہر شخص کی باتوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ لوگوں نے انہیں کہا کہ آپ ہر کسی کی بات پر اعتراض کرتے ہیں۔یہاں جنید نامی ایک شخص ہے ذرا اس کی باتیں بھی سنیں۔پھر دیکھیں! کیا آپ ان پر اعتراض کرسکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ وہ حضرت جنیدؒ کے حلقے میں آئے اور توحید کے بارے میں ان سے سوال کیا حضرت جنیدؒ نے ایسا جواب دیا کہ عبداللہ حیران رہ گئے اور جواب کو دوبارہ دہرانے کی درخواست

---

[1] خزینۃ المعارف، صفحہ ۴۷۔

[2] الامثال فی القرآن، ابوعبداللہ شمس الدین الدمشقی، متوفی ۷۵۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۴۲، مکتبۃ الصحابہ، مصر ۱۴۰۶ھ۔

کی۔ حضرت جنیدؒ نے مختلف الفاظ میں وہی بات دہرائی۔ عبد اللہ نے کہا یہ تو کچھ اور ہی بات ہے جسے میں یاد نہیں رکھ سکتا اور ایک بار پھر دہرانے کی درخواست کی۔ انہوں نے پھر ایک نئی طرز میں وہی بات دہرائی۔ عبد اللہ نے کہا: اس طرح تو یہ کلام مجھے یاد نہیں رہ سکتا آپ مجھے یہ لکھوا دیں اور حضرت جنیدؒ کی فضیلت اور علومرتبہ کے معترف ہو گئے۔

۶۔ ابوعمرانؒ اور شیخ شبلیؒ

ابوعمرانؒ ایک فقیہہ تھے۔ جامعہ منصور میں ان کا حلقہ درس اور شیخ شبلیؒ کا حلقہ درس ساتھ ساتھ تھا۔ جب ابوعمرانؒ درس دے رہے ہوتے اور شبلیؒ آ جاتے تو ان کا حلقہ درہم برہم ہو جاتا اور لوگ اٹھ کر شبلیؒ کے پاس چلے جاتے۔ یہ دیکھ کر ابوعمرانؒ سخت برافروختہ ہوئے۔ ایک دن انہوں نے چاہا کہ شبلیؒ کے مبلغ علم کا راز فاش کریں اور ان کے ایک شاگرد کے ذریعے شبلیؒ سے مسئلہ حیض کے متعلق سوال کیا۔ شبلیؒ نے تقریر کی جس میں انہوں نے علماء کے اقوال اور اختلافات کا ذکر کیا۔ ابوعمرانؒ تقریر سن کر ششدر رہ گئے اور اٹھ کر شبلیؒ کے سر پر بوسہ دیا اور کہا اے شبلیؒ! اس مسئلہ میں مجھے آپ سے دس ایسے اقوال معلوم ہوئے ہیں جن کا مجھے پہلے علم نہ تھا اور جتنے اقوال آپ نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے مجھے صرف تین اقوال آتے تھے۔ اس باطنی اور حقیقی علم کے بارے میں شیخ شبلیؒ فرمایا کرتے تھے۔

مَاظَنُّکَ بِعِلْمٍ عِلْمُ الْعُلَمَاءِ فِیْهِ تُهْمَةٌ — ایسے علم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جس کے مقابلہ میں علماء کا علم تہمت کے برابر ہو۔

۷۔ مولانا جلال الدین رومیؒ اور علم لَدُنّی

مولانا جلال الدین رومیؒ علمِ ظاہر اور علمِ باطن کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

علم ہائے اہل دل حمال شاں — علم ہائے اہل تن حمال شاں

(اہل دل کے علوم ان کی سواریاں ہیں، برخلاف اس کے کہ اہل تن کا علم ان کے لئے بار ہوتا ہے)

علم چوں بر دل زند یارے شود — علم چوں بر تن زند بارے شود

(علم اگر دل پر اثر کرے تو وہ مددگار ہوتا ہے، اور اگر تن پروروں پر اثر کرے تو بار ہو جاتا ہے)

گفت ایزد یحمل اسفاره　　بار باشد علم کاں نبود زھُو!

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنی کتابیں لادے ہوئے ہیں، وہ علم بوجھ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ ہو)

علم کاں نبود زھو بے واسطہ　　آں نپاید ھمچو رنگ ماشطہ

(جو علم اللہ کی طرف سے بلا واسطہ نہ ہو وہ ماشطہ (نائن) کے ظاہری بناؤ سنگھار کی طرح رنگ دار نہیں ہوتا)

لیک چوں ایں بار رانیکو کشی　　بار بر گیرند و بخشندت خوشی

(لیکن اگر تو اس بوجھ کو اچھی طرح سے کھینچے گا تو تجھ سے اس بار کو اٹھا لیں گے اور خوشی عطا کی جائے گی)

ھیں مکش بھر ھوا ایں بار علم　　تا شوی راکب تو بر راوارِ علم

(علم کے اس بوجھ کو خواہشات نفسانی کے لئے نہ اٹھا تا کہ تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو جائے)

ھیں بکش بھر خدا این بار علم　　تا ببینی در دروں انبارِ علم

(اللہ کی خاطر علم حاصل کرو تا کہ تمہارے اندر علم کے انبار دکھائی دیں)

چونکہ بر رھوارِ علم آئی سوار　　بعد ازاں افتد ترا از دوشِ بار

(جب تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو گیا تب تیرے کندھوں سے بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا)

از ھواھا کے رھی بے جامِ ھُو　　اے زھو قانع شدہ بانام ھو

(محبت الٰہی کے جام کے بغیر خواہشات سے کب چھوٹ سکتا ہے، اے وہ کہ جو اللہ کی ذات کی بجائے صرف نام اللہ پر قناعت کر گیا ہے)　(۱:۳۴۵۳)

۸۔عزّ الدّین بن عبد السلامؒ اور صوفیاء کرامؒ

عزّ الدّین عبد العزیز بن عبد السلام السلمی الشافعیؒ بہت بڑے عالم اور صاحب تصانیف گزرے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں سلطان العلماء کا خطاب دیا گیا۔ یہ پہلے صوفیاء کے مخالف تھے مگر بعد میں جب وہ ابوالحسن شاذلیؒ سے متعارف ہوئے تو ان سے بیعت ہو گئے اور صوفیاء کی فضیلت اور کمال کے معترف ہو گئے۔ آپ خود بھی صاحب کرامات تھے فرماتے ہیں۔

مَا یَدُلُّ عَلٰی صِحَةِ مَذْهَبِ الْفُقَرَاءِ كَثْرَةُ كَرَامَاتِهِمْ وَمَا رَأَيْنَا اَحَدًا مِنَ الْفُقَهَاءِ وَقَعَ عَلٰى يَدَيْهِ كَرَامَةٌ اِلَّا اِنْ سَلَكَ مِنْهَاجَهُمْ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِكَرَامَاتِهِمْ حُرِمَ بَرَكَتُهُمْ وَقَدْ شَاهَدْنَا كُلَّ مَنْ اَنْكَرَ عَلٰى الْفُقَرَاءِ مِنْ غَيْرِ دُخُوْلٍ فِيْ طَرِيْقَتِهِمْ بَصِيْرٌ عَلٰى وَجْهِهٖ كَاٰ بَةٍ وَعَلَامَةٍ عَلٰى الطَّرْدِ وَالْمَقْتِ لَا تَخْفٰى عَلٰى ذِيْ بَصِيْرَةٍ وَلَا يَنْفَعُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ اَحَدًا بِخِلَافِ اَهْلِ الْاِعْتِقَادِ فِيْهِمْ۔[1]

فقراء کے طریقہ کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان سے کثرت سے کرامات کا ظہور ہوا ہے برخلاف اس کے ہم نے کسی فقیہ سے کوئی کرامت ظاہر ہوتی نہیں دیکھی، البتہ اگر وہ بھی فقراء کے طریقہ پر چلیں تو ان سے بھی کرامت ظاہر ہوسکتی ہے جو لوگ فقراء کی کرامت کے منکر ہیں وہ ان کی برکت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو ان کے طریقہ کو جانے بغیر ان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں کہ ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور ان پر غضب خداوندی اور راندہ درگاہ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے جو اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کے علم سے کسی کو نفع بھی نہیں پہنچتا۔ برخلاف ان لوگوں کے کہ جو فقراء کے معتقد ہوتے ہیں (کہ ان کے علم سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے)۔

۹۔ ابن حجر عسقلانیؒ اور محمد بن فرغلؒ

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اپنے زہد و تقویٰ اور علمی تبحر کی وجہ سے مشہور تھے۔ محمد بن احمد فرغلؒ بھی اسی زمانہ میں ایک صاحب کرامات ولی تھے مگر ان پڑھ تھے۔ آپ جب مصر گئے تو علامہ ابن حجرؒ نے انہیں بازار میں آتے ہوئے دیکھ کر اپنے دل میں کہا: اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتے اور اگر بنائیں تو اسے علم بھی عطا کر دیتے ہیں۔ یہ خیال کر کے ابن حجرؒ نے دل ہی دل میں ان کی ولایت کا انکار کیا۔ اس پر ابن فرغلؒ نے کہا "اے قاضی! ذرا ٹھہر جاؤ" پھر پکڑ کر انہیں تھپڑ مارتے گئے اور کہتے گئے "بَلِ اتَّخَذَنِيْ وَعَلَّمَنِيْ" (بلکہ مجھے اللہ نے اپنا ولی بنایا ہے اور علم بھی دیا ہے)۔ ابن حجرؒ نے یہ سب کچھ خاموشی سے برداشت کیا اور ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالا۔[2]

---

[1] الانوار القدسیہ جلد ۱، صفحہ ۴۶۔ [2] لواقع الانوار، جلد ۲، صفحہ ۹۵۔

۱۰۔ علی الخواصؒ اور علم لدنی

عبدالوہاب شعرانیؒ کے پیر علی الخواصؒ امی تھے۔ نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا۔ اس کے باوجود جب قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ کے معانی پر گفتگو کرتے تو بڑے بڑے علماء بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ عبد الوہاب شعرانیؒ نے ان کے اقوال کو اپنی کتاب ''الجواہر والدرر'' میں جمع کر دیا ہے۔ حضرت علی الخواصؒ فرماتے ہیں:-

لَایُسَمّٰی عِندَنَا عَالِمًا اِلَّامَنْ کَانَ	ہمارے نزدیک وہی شخص عالم کہلا سکتا ہے جس نے علم
عِلْمُهٗ غَیْرَ مُسْتَفَادٍ مِنْ نَقْلٍ	کسی نقل اور سینے سے حاصل نہ کیا ہو یعنی یہ کہ وہ
اَوْصَدْرٍ بِاَنْ یَّکُوْنَ خِضْرِیَّ الْمُقَامِ	خضری مرتبہ رکھتا ہو۔ دوسرے لوگ تو اوروں کے علم کی
وَاَمَّا غَیْرُ هٰذَا فَاِنَّمَا هُوَ حَاکٍ	صرف حکایت کرنے والے ہوتے ہیں۔ لہٰذا انہیں
لِعِلْمِ غَیْرِهٖ فَقَطْ فَلَهٗ اَجْرُ مَنْ حَمَلَ	عالم کا اجر نہ ملے گا بلکہ اس شخص کا اجر ملے گا جس نے
الْعِلْمَ حَتّٰی اَدَّاهُ لَا اَجْرُ الْعَالِمِ	علم اٹھایا اور دوسروں تک پہنچا دیا اور اللہ تعالیٰ اچھے کام
وَاللّٰهُ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ [1]	کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ علماء کو حاملین علم کا اجر تو ملے گا مگر ان کا علم نہ حقیقی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ یہ اس قدر یقینی ہوتا ہے جس قدر کہ اہل باطن کا علم، کہ علم ظاہر میں ذہول و نسیان واقع ہو سکتا ہے مگر علم باطن میں کسی قسم کے حوادث طاری نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ علم باطن میں عمل، علم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس علم ظاہر میں ضروری نہیں کہ علم و عمل میں مطابقت پائی جائے۔ چنانچہ ہم بالعموم دیکھتے ہیں کہ علماء ظاہر کے علم و عمل میں سخت تفاوت پایا جاتا ہے لیکن اگر علم باطن میں عمل، علم کے مطابق نہ ہو تو علم کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ انہی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے علی خواصؒ فرماتے ہیں۔

[1] لواقح الانوار، جلد ۲، صفحہ ۱۳۷

لَایَکْمَلُ الْفَقِیْهُ فِیْ بَابِ الْاِتِّبَاعِ	کوئی فقیہہ، رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں اس
لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک ہر مشروع
حَتّٰی یَصِیْرَ مَشْهُوْدًا لَّهٗ فِیْ کُلِّ عَمَلٍ	عمل میں آنحضرت ﷺ اس کی نگاہ میں نہ
مَشْرُوْعٍ وَیَسْتَاذِنُهٗ فِیْ جَمِیْعِ اُمُوْرِهٖ	ہوں اور اپنے تمام امور میں مثلاً کھانا، لباس،
مِنْ اَکْلٍ وَلُبْسٍ وَ جِمَاعٍ وَدُخُوْلٍ وَ	جماع اور دخول وخروج میں آنحضرت ﷺ سے
خُرُوْجٍ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ شَارَکَ	اذن حاصل نہ کرے۔ پس جس نے ایسا کرلیا وہ
الصَّحَابَةَ فِیْ مَعْنَی الصُّحْبَةِ [1]	صحبت نبوی میں صحابہ ؓ کا شریک ہوگیا۔

جس صوفی کا یہ حال ہو کہ وہ بھی صحابہ ؓ کی طرح آسمان شریعت کا ستارہ بن چکا ہو جس کی اقتداء عین ہدایت اور عین نجات ہو اس لئے کہ جب ہر فعل میں خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ اس کی نظر سنت نبوی ﷺ پر ٹھہری اور وہاں سے اجازت حاصل کرنے کے بعد عمل کیا گیا تو وہاں غلطی کا احتمال کہاں رہا لہٰذا ان بزرگوں کے ظاہری اقوال والفاظ کو لے کر ان پر فتویٰ لگانا کہاں تک مناسب وروا ہے۔ افسوس ان بزرگوں پر آتا ہے جو علم بیان میں حقیقت ومجاز کی بحث کرتے ہوئے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی تو یہ مجاز ہوگا حقیقت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ کہنے والا مسلمان ہے لیکن اگر کوئی عارف باللہ کوئی ایسی بات کہہ دے حالانکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کے طریقہ کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے تو یہی لوگ بغیر سوچے اور بغیر اس کے کہ ان کے معانی کو سمجھیں ان پر فتوے لگانے پر اتر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض اولیاء اللہ کا قول یہ ہے۔

خُضْنَا بُحُوْرًا وَقَفَتِ الْاَنْبِیَاءُ	ہم ایسے سمندروں میں گھسے کہ انبیاء ان کے
عَلٰی سَوَاحِلِهَا	سواحل پر کھڑے رہے۔

ان ظاہری معانی میں کفر پایا جاتا ہے اس لئے کہ ان کے معانی کے مطابق کچھ لوگ (نعوذ باللہ) انبیاء کرام ﷺ سے بھی افضل ٹھہرتے ہیں، حالانکہ بڑے سے بڑا ولی بھی انبیاء کرام ﷺ تو کجا کسی ادنیٰ ترین صحابی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا ہمیں اس قول کے معانی میں غور کرنا پڑے گا اور ایسے معانی نکالنے پڑیں گے کہ یہ قول شریعت کے منافی نہ رہے۔ ذیل میں تین بزرگوں کی تشریح پیش کی جارہی ہے۔ (اگر اس

[1] لوائح الانوار، جلد ۲، صفحہ ۱۳۷۔

سمندر سے خطاؤں کا سمندر مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کہ انبیاء کرام ﷺ اس سمندر سے باہر ساحلوں پر ہوں گے)۔

۱۔ابوالحسن شاذلیؒ کی تشریح پہلی تشریح ابوالحسن شاذلیؒ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس قول میں بایزید بسطامیؒ اس بات کی شکایت کر رہے ہیں کہ وہ انبیاء کرام ﷺ کے درجہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء علیہ السلام توحید کے سمندر میں گھس کر پار نکل گئے اور دوسری جانب جا کر کھڑے ہو گئے اور پھر وہاں کھڑے ہو کر مخلوق کو توحید کے سمندر میں داخل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر میں بھی کامل ہوتا تو وہاں کھڑا ہوتا جہاں انبیاء کھڑے ہیں۔ ابن عطاءؒ کہتے ہیں کہ اس قول کی جو تشریح شیخ شاذلیؒ نے کی ہے وہی بایزید بسطامیؒ کے مقام و مرتبہ کے مناسب ہے اس لئے کہ بایزیدؒ خود فرماتے ہیں کہ انبیاء کے مرتبہ کے مقابلہ میں اولیاء اللہ نے جو کچھ حاصل کیا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ شہد سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ ہو جس کے تھوڑے سے چھینٹے اِدھر اُدھر پڑ جائیں۔ اب جو کچھ مشکیزہ کے اندر ہے وہ تو انبیاء کے علم اور مرتبہ کی مثال ہے اور چھینٹے مثال ہیں اولیاء اللہ کے علم اور مرتبہ کی۔ مزید برآں بایزیدؒ سے انبیاء کی تعظیم اور ان کا کمال ادب ہی منقول ہے۔

۲۔حضرت عبدالعزیز دباغؒ کی تشریح عبدالرحمٰن مؤلف ابریزؒ نے حضرت سے بایزید بسطامیؒ کے اس قول کی تشریح پوچھی:۔

خُضْنَا بُحُوْرًا وَقَفَتِ الْاَنْبِيَاءُ عَلٰى سَوَاحِلِهَا	ہم ایسے سمندروں میں گھسے کہ انبیاء ان کے سواحل پر کھڑے رہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ نبوت کا بڑا مرتبہ اور بڑی قدر و منزلت ہے اور صاحب نبوت قدیم، بلند مرتبہ والا ہوتا ہے کوئی اور اس حد کو نہیں پہنچ سکتا۔ کسی ولی کے لئے وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں مگر بایزید بسطامیؒ کو معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ سید الانبیاء والمرسلین اور تمام مخلوقات میں سے برگزیدہ انسان ہیں اور کبھی آنحضرت ﷺ اپنا لباس اپنی امت کے کسی کامل انسان کو بطور عاریتاً دے دیتے ہیں جسے پہن کر اس کی وہی کیفیت ہو جاتی ہے جیسا کہ بایزید بسطامیؒ نے ذکر کیا ہے مگر درحقیقت یہ کیفیت آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہے اور وہی ان بحور میں گھسنے والے اور تمام انبیاء کے سردار ہیں۔

۳۔علی دلدہؒ کی تشریح تیسری تشریح علی دلدہؒ کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ

انبیاء علیہم السلام بحر تکالیف کو عبور کر چکے ہیں اور اب سلامتی کے ساحل پر کھڑے ان لوگوں کو اپنے سایہ عاطفت میں لے رہے ہیں جو سلامتی سے وہاں پہنچ جائیں۔ انہیں یہی حکم ملا ہے اور اسی کے لئے انہیں بھیجا گیا ہے کیونکہ کشتی تو اسی دن ٹوٹ گئی تھی جس دن حضرت آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل کھایا تھا۔ اس تشریح کے مطابق مطلب یہ نکلا کہ میں بھی اس سمندر میں گھستا ہوں خدا کرے کامیابی سے پار نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔ اولیاء اللہؒ کے اقوال میں جہاں کہیں کوئی بات ہمیں ظاہر شریعت کے مخالف نظر آئے اس کی اسی طرح تاویل کر کے اسے شریعت کے مطابق سمجھنا اور بنانا چاہیے اور ان کا انکار کرنے اور فتویٰ لگانے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

مہمل فتویٰ باز

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ افتاء کا باب کھولنے میں نہایت عجلت اور بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں اور ان میں سے بعض کے فتوے تو نہایت بے تکے ہوتے ہیں، چنانچہ عبد الوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک شخص نے ایک عالم سے پوچھا کہ جو لوگ رات بھر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس عالم نے بغیر سوچے سمجھے فوراً کہہ دیا کہ یہ حرام ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو آرام اور راحت کا سبب بنایا ہے۔

جَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا (الانعام:۹۶) (اللہ نے رات کو آرام اور سکون کے لئے بنایا)۔

اور یہ لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں لہٰذا رات کے وقت بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا حرام ہے۔ (ان لوگوں کو یہ علم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایام نبوت کی ابتدا میں ساری ساری رات عبادت فرماتے اور بعد میں سورۃ المزمل اور طٰہٰ میں قیام لیل کو کم کرنے کے لیے فرمایا گیا)۔

اسی طرح ایک اور شخص نے ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا جو لوگ جمعہ کی رات ذکر الٰہی کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں گزار دیتے ہیں اس کے جواب میں فقیہہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بیہودہ لوگوں کا کام ہے اور بدعت ہے۔ آج کل صوفیاء کرام پر اعتراض کرنے والوں کا بالعموم یہی حال ہے کہ بلا امتیاز اور بغیر سوچے سمجھے بدعت اور کفر کے فتوے لگاتے جاتے ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت دے۔ زیادہ عبادت کرنے میں تو کوئی ممانعت نہیں۔

"لَامُشَاحَةَ فِی الْاِصْطِلَاحِ" (اصطلاح تجویز کرنے میں کوئی پابندی نہیں ہے) کا مقولہ عام مشہور ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی اصطلاح قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ صوفیاء نے بھی اصطلاحات قائم کیں اور مخالفین نے ان بزرگوں کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہوئے ان کے الفاظ میں اپنے معانی گھسیڑ دیئے اور ان بزرگوں پر الزام تراشی شروع کردی۔ اسی لئے تو شیخ محی الدین ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے مقام اور اصطلاح کو نہیں سمجھتے ان پر ہماری کتابوں کا مطالعہ کرنا حرام ہے۔ [۱]

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ

نفحات الانس میں شیخ سعدالدین حمویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"درمصنفات وے سخنان مرموز کلمات مشکل وارقام و اشکال ودوائر کہ نظر عقل وفکر از کشف وحل آن عاجز بسیار است وهمانا کہ تادیدۂ بصیرت نبور کشف منفتح نشود ادراك آں متعذر است"

ترجمہ:۔ ان کی تصانیف میں بہت سے رموز، مشکل کلمات، ارقام واشکال ودوائر آتے ہیں جنہیں عقل وفکر حل کرنے سے عاجز ہے اور جب تک دیدہ بصیرت نور کشف کے ساتھ روشن نہ ہوان رموز کا سمجھنا مشکل ہے۔

امام الحرمین کا قول

قزوینیؒ نے "سراج العقول" میں نقل کیا ہے کہ کسی نے امام الحرمین ابوالمعالی جوینیؒ سے عالی صوفیاء کے کلام کے متعلق جن میں بظاہر کفریہ کلمات پائے جاتے ہیں دریافت کیا تو فرمایا ان کا کلام سخت مشکل ہے جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ لوگ تو توحید کے سمندر سے گھونٹ بھرتے ہیں۔ [۲]

تقی الدین سبکیؒ کا قول

علامہ تقی الدین سبکیؒ سے کسی نے خالص مبتدعہ پر حکم کفر لگانے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا وہ "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہنے والوں کو کافر کہنے سے ڈرے گا اس لئے کہ مومن کو کافر کہنا بہت خطرناک چیز ہے [۳] (اگر کوئی کسی مومن کو غلط انداز سے کافر کہے تو کہنے والا ہی کافر کہلائے گا)۔

---

[۱] الانوار القدسیہ، جلد۱، صفحہ۱۲۔ [۲] لواقح الانوار، جلد۱، صفحہ۱۱۔ [۳] لواقح الانوار، جلد۱، صفحہ۱۱۔

شیخ عبدالحقؒ کا قول

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

''لَانُكَفِّرُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ'' ۔ اهل قبله رایعنی آنها که نماز بجانب قبله مسلمانان کنندوبه کتاب و سنت تمسک نمانید و تلفظ بشهاد تین کافر نباید گفت اگر بعضے کلمات ایشاں کفر لازم آید و لیکن مادام که التزام آن نکنند یا لزوم درغایت درجه ظهور نبود تکفیر نباید کردتا ممکن است توجیهه واصلاح حال مسلمانان باید کرد و مبادرت به تکفیر و تغلیظ نبا ید کرد و درحدیث آمده است که هر که دیگرے را کافر گویدا گروہے درنفس الامر کافر نبود قائل بالفعل کافر گردو حکم لعن همچنیں آمده است اگر آنکس مستحق لعنت نبود لعن او بقائل عاید گرد دپس احتیاط درترك لعن و تکفیر باشد.و اللّٰه اعلم۔ [1]

ترجمہ:۔ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے ۔یعنی وہ لوگ جو مسلمانوں کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور وہ کتاب وسنت پر کار بند ہیں اور کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، اگر ان کے کسی کلمہ سے کفر لازم آئے تو انہیں کافر نہیں کہنا چاہیے اور جب تک وہ ان کفریہ کلمات پر مصر نہ رہیں یا جب تک ان کا ان کلمات پر ڈٹے رہنا بالکل ہی واضح نہ ہو انہیں کافر نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس کی کوئی نہ کوئی توجیہہ نکالنی چاہئے اور مسلمانوں کے حال کی اصلاح کرنی چاہئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہے اور وہ درحقیقت کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ کسی پر لعنت کرنے کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر وہ شخص لعنت کا مستحق نہ ہوگا تو لعنت، لعنت کنندہ پر لوٹ آئے گی لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ نہ کسی کو لعنت کی جائے اور نہ کافر کہا جائے۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا جو لوگ ان بزرگوں پر اتہام لگاتے اور ان کو بدعتی یا مشرک قرار دیتے ہیں انہیں چاہئے کہ ان پر فتویٰ لگانے سے پہلے ان کے کلمات کے معانی کی وضاحت کرالیں اگر کلمات کسی ولی اللہ اور کامل بزرگ کے ہوں تو تاویل کی ضرورت پڑے گی، مگر پھر بھی یاد رہے کہ شریعت کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے لہٰذا اگر کسی کو ان کے

[1] تکمیل ایمان، جلد ا، صفحہ ۲۷۔

بعض کلمات سمجھ میں نہ آتے ہوں تو بہتر یہی ہے کہ وہ اس بارے میں خاموشی اختیار کرے۔

علم لدنی اور اولیاء کرامؒ کی بحث کو بخاری شریف کی اس حدیث پر ختم کیا جاتا ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِيْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ [1]

میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کے علموں کے خزانے حاصل کئے ان میں سے ایک کو تو میں نے تم پر ظاہر کر دیا ہے لیکن دوسرے کو ظاہر کروں تو گلا کٹتا ہے۔

[1] صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۲۰، جلد ۱، صفحہ ۵۶۔

باب نمبر ۲۹

اولیائے کرامؒ کا تصورِ توحید

مسئلہ توحید

مسئلہ توحید ارباب تصوف اور اہل بغداد میں ایک خاص موضوع فکر و بحث بنا رہا ہے۔ یہ احساس بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ خدا اور بندے کے درمیان ایک عظیم فاصلہ ہے اور صوفیہ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس فاصلے کو عبور کریں اور درحقیقت اسی کا نام تصوف ہے۔ فکر و ریاضت اور دیگر اعتقادات میں فرق ہو سکتا ہے مگر سب کا مقصود قرب الٰہی ہوتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ انسان خدا کے ساتھ اس طرح رہے کہ اس کا پھر دوسری کسی ہستی سے کوئی تعلق باقی نہ رہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ توحید اصل میں تو حق تعالیٰ کی صفت ہے لیکن انعکاس میں یہ خلق کی صورت بن جاتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ توحید کی حالت میں انسان اپنی صفت ختم کر دیتا ہے اور صفات خدا اور اخلاق الٰہیہ باقی رہتے ہیں کیونکہ صفات انسانیہ کو بقا نہیں وہ محض عکس ہیں۔ ''رسالہ قشیر'' یہ میں ہے کہ خدا ایسا واحد ہے کہ اس کی کوئی ضد ہے نہ مثال ہے اور نہ اشباہ، وہ تشبیہ، وہ کیف، تصویر و تمثیل سے منزہ ہے۔ کوئی چیز اس جیسی نہیں، وہ سمیع اور بصیر ہے۔ اس سوچ میں انسان کی عقل کی انتہا حیرت ہے۔ توحید عارف باللہ کے دل کی کیفیت ہے جس میں تمام آثار مٹ جاتے ہیں اور اس میں لاتعداد معلومات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا ہے جیسا کہ وہ ازل سے ہے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا توحید خاص یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ایک جسم مردہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام، قدرت اور تدبیروں کا تصرف اس سے جاری ہو کیونکہ اس حالت میں انسان اپنی صفت سے فانی ہو چکا ہوتا ہے اور اسے کسی چیز کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ فنائے نفس یہ ہے کہ اس کی تمام حس و حرکت ختم ہو چکی ہو اور وہ

ایسا ہو جائے جیسا کہ وہ وجود میں آنے سے پہلے تھا۔ حضرت جنیدؒ کو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا یہ قول توحید کے حوالے سے بہت پسند ہے کہ آپ نے فرمایا (خدا کی ذات ہر عیب سے پاک ہے اور اس نے اپنی مخلوق کے لئے اپنی معرفت کی راہ سوائے عجز کے ہرگز اور کوئی نہیں بنائی)۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اہل خرد کی خردمندی توحید کی تلاش اور معرفت میں اپنی انتہا پر پہنچ جاتی ہے تو وہ انتہائے حیرت ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

میں جان گیا تری پہچان یہی ہے

حضرت ابراہیم فاتکؒ نے حضرت جنیدؒ کا یہ قول لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے تشبیہ اور بے نظیر ذات تشبیہ اور نظیر والی ذات سے کیسے اتصال کر سکتی ہے۔ خدا کے لئے جہاں نہ سمجھ کام کرتی ہے نہ خیال وہاں پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کا احاطہ کیا جا سکتا ہے تو اگر وہ ذات اپنے لطف و کرم سے کام لے کر یقین کے اشارے اور حقیقت ایمان کے ذریعے اپنی معرفت عطا کر دے تو یہ اور بات ہوگی۔ حضرت جنیدؒ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

''بھلا اس خدا کا اتصال جس کی نہ کوئی نظیر ہے نہ کوئی شبیہ تو اس کا ان چیزوں یا ان اشخاص کے ساتھ کیسے اتصال ہو سکتا ہے جن کا مشابہ بھی موجود ہے اور نظیر بھی۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور یہ ایک عجیب گمان ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہو جائے تو یہ ممکن ہے کیونکہ انسان کا درک و وھم اور احاطہ بے کار و بے معنی ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین کا اشارہ اور ایمان کی تحقیق ممد و معاون نہ ہو''۔

توحید کا مقصد صرف بت پرستی ہی سے رکنا نہیں
(خواہشات کے بت کو توڑنا اصل توحید ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے کہ اے الٰہی! اس شہر (مکہ) کو امن والا کر دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے محفوظ فرما۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ	جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب!
هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ	بنا دے اس شہر (مکہ) کو امن والا اور بچا لے مجھے
اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم:۳۵)	اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد (حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام) کا بتوں کے پوجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ایک جلیل القدر نبی اور اس کی اولاد سے ایسی توقع کا وابستہ کرنا قطعاً محال ہے، چنانچہ اس جگہ بتوں کی پوجا کرنے سے بچنے سے مراد سونے چاندی کے بتوں کی پوجا کرنے سے بچنا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ شرک کے فتوے لگاتے ہیں وہ خود ہی دولت کے بتوں سے محبت کرتے ہیں اور اس کو شرک نہیں سمجھتے حالانکہ اس آیت میں شرک کا مفہوم یہی لیا گیا ہے کہ دولت، سونے، چاندی، اقتدار، صدارت یا امارت وغیرہ سے محبت نہ کی جائے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ چالیس سال تک زہد و تقویٰ اختیار کرنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ اب میں اپنے مقصود کے حصول میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اس خیال سے میرے دل میں سرشاری کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ فوراً آپ نے غیب سے آواز سنی ''جنید اب وقت آ گیا ہے کہ تیرے زنار کا سرا تجھے دکھا دیا جائے''۔ (زنار اس دھاگے کو کہتے ہیں جسے ہندو اپنی گردن میں سے بغل کے نیچے اپنے جسم کے گرد لے جاتے ہیں) جب استغفار کیا تو آواز آئی کہ اس سے بڑا گناہ کیا ہے کہ تو اپنے وجود کو مانتا ہے (اور اپنی خواہشات اور ذات کی نفی نہیں کرتا) اس پر آپ نے فرمایا ''جو وصل کے قابل نہیں ہے اس کی تمام نیکیاں بھی گناہ ہیں''۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے بیان میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ آپ نے پہلی بار حج کیا تو خانہ کعبہ کو دیکھا مگر خانہ کعبہ والا نظر نہیں آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس زیارت سے کیا فائدہ؟ اس سے آپ یہ سمجھے کہ میرا حج قبول نہیں ہوا۔ فرمایا کہ ایسے پتھر تو میں بہت دیکھ چکا ہوں۔ جب دوسری بار حج کیلئے گئے تو خانہ کعبہ بھی نظر آیا اور خانہ کعبہ والا (رب) بھی نظر آیا۔ اس بار آپ نے سوچا کہ حقیقت توحید ابھی منکشف نہیں ہوئی کیونکہ قدیم (اللہ) کے ساتھ ابھی حادث (فانی) بھی نظر آ رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تیسری بار حج کو گیا تو تمام کا تمام جلوہ خداوندی نظر آیا کیونکہ وہاں نہ تو بیت اللہ تھا اور نہ کچھ اور۔ فرماتے ہیں غیب سے آواز آئی کہ اے بایزیدؒ! اگر تو خود کو بھی نہ دیکھتا تو مشرک نہ ہوتا اور اب جبکہ پورے عالم کو تو میرے ساتھ نہیں دیکھتا مگر اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے تو اس حال میں تو مشرک ہے۔ اس کے بعد آپ نے توبہ کی اور توبہ کرنے سے بھی توبہ کی کیونکہ توبہ کرنے والا اپنے وجود کو مان کر توبہ کرتا ہے اور اس مقام پر اپنے وجود کو ثابت کرنا بھی شرک ہے۔[1]

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۲۷۔

طواف کعبہ میں ایک عورت کا عشقیہ اشعار پڑھنا

منقول ہے کہ ایک مرتبہ سفر حج میں حضرت جنیدؒ تن تنہا طواف کعبہ میں مصروف تھے کہ ایک عورت بھی طواف کر رہی تھی اور پرسوز آواز میں عاشقانہ اشعار پڑھ رہی تھی۔ کچھ دیر تو آپ طواف میں مصروف رہے لیکن اس کے خلل کے باعث اس سے کہنے لگے کہ اے عورت! ایسے مقدس مقام پر اپنی ناپاک آرزوئیں بیان کرتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔ وہ عورت اشعار پڑھتی رہی۔ حضرت جنیدؒ کچھ مزید کہنا چاہتے تھے کہ وہ بولی "میں کیا کر رہی ہوں اسے چھوڑو! تم یہ بتاؤ کہ خدا کا طواف کر رہے ہو یا خانۂ خدا کا"۔ حضرت جنیدؒ نے جواب دیا "ہم اہل ایمان خانہ خدا کا طواف کرتے ہیں"۔ یہ جواب سن کر وہ عورت آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگی "سبحان اللہ تری مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پتھر کی طرح بے حس ہیں اور پتھر کے گرد طواف کرتے ہیں، انہیں بتا کہ تیری مرضی کیا ہے اور تو کیا چاہتا ہے"۔ عورت کے یہ الفاظ سن کر حضرت جنیدؒ پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو وہ عورت غائب ہو گئی تھی جس نے آپ کو منفرد انداز سے توحید پرستی کا سبق دیا۔

چند مشائخ کے توحید پر خوبصورت اشارات

"رسالۂ قشیریہ" اور دیگر چند کتب میں توحید سے متعلق جو مضامین ملتے ہیں ان میں چند مشائخ کرامؒ کے اقوال درج کئے گئے ہیں اور ہر قول کے ساتھ چار پانچ راویوں کے نام بھی درج کئے گئے ہیں جس کے باعث عبارتیں کافی طویل ہو جاتی ہیں لہٰذا اختصار کی خاطر جن مشائخ سے یہ اقوال منسوب ہیں ان ہی کے ناموں سے یہ اقوال لکھے جا رہے ہیں اور جہاں ضروری خیال کیا گیا ہے وہاں ان کے کلام کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو مشکل پیش نہ آئے۔ یہ تمام اقوال مختصر ہیں اور دلچسپی کے حامل بھی، اس لئے قارئین ان عبارات کا مطالعہ کرنے سے لطف اندوز ہوں گے۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دلوں کا مشاہدہ کیا تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل سے بڑھ کر کسی کو اپنا مشتاق نہ پایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو دیدار اور مکالمہ کے لئے معراج کا شرف عطا فرمایا (یعنی توحید یہ ہے کہ صرف خدا کی محبت دل میں رہے اور معراج کی باعث بھی محبتِ الٰہی ہے)۔

محمد بن حسینؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ (م ۲۵۸ھ) سے خدا کے متعلق کسی نے پوچھا تو فرمایا ''خدا ایک ہی ہے''۔ پھر سوال کیا وہ کیسا ہے؟ فرمایا ''قدرت والا بادشاہ ہے'' سوال کیا کہ وہ کہاں ہے؟ تو فرمایا ''گھات میں'' سائل نے کہا کہ میرا یہ سوال نہیں ہے۔ فرمایا ''اس کے علاوہ جو صفات ہیں وہ مخلوق کی ہیں، اللہ کی صفات تو وہی ہیں جن کو میں نے بیان کر دیا''۔

آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ''ہر وہم وخیال کرنے والے نے اپنی طرف سے جو کچھ بھی وہم وخیال کیا کہ اللہ ایسا ہے، عقل بتاتی ہے کہ وہ ایسا نہیں''۔ اسی بنا پر کسی نے شعر کہا ہے ۔

ع خدا وہ نہیں ہے جو ذہن و عقل میں آ جائے

حضرت امام جعفر صادقؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے اندر ہے یا کسی چیز میں سے ہے یا کسی چیز کے اوپر ہے تو ایسا کہنے سے وہ چیز اللہ کی حامل ہوئی اور اللہ تعالیٰ محمول ٹھہرا۔ اگر وہ کسی چیز کے اندر ہے تو خدا محصور ہے اور اگر کسی چیز سے ہے تو محدث ٹھہرا (یعنی پہلے موجود نہ تھا) اور اب وجود میں آیا ہے۔ یہ سب باتیں شرک کی موجب ہیں۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یہ بھی قول ہے کہ سورۃ النجم کی آیت ۸ میں ہے کہ پھر قریب ہوئے اور بہت زیادہ قریب ہوئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ قریب ہوئے کیونکہ اس سے اللہ کے لئے مسافت ثابت ہوتی ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے قریب آئے آپ کو علمِ معرفت کی اقسام سے بہرہ ور کر دیا کیونکہ اللہ کے ہاں قرب و بُعد نہیں ہے استاد ابو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عین ذات یا حقیقت ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کہاں ہے؟

حضرت شبلیؒ

کسی نے آپؒ سے پوچھا کہ قرآن میں ہے؟ ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی'' (یعنی رحمٰن عرش پر جلوہ فرما ہے۔ (سورۃ طٰہٰ:۵) آپ نے فرمایا کہ عرش تو حادث ہے اور اللہ تو ازل سے موجود ہے لہٰذا یہاں مراد یہ ہے ''اَلْعَرْشُ بِالرَّحْمٰنِ اِسْتَوٰی'' (یعنی عرش رحمٰن کی وجہ سے قائم ہے)۔

حضرت جعفر بن نصیرؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کے لئے یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی ایک چیز دوسری سے زیادہ قریب نہیں۔

ابو عثمان مغربیؒ

آپؒ نے اپنے خادم محمد بن محبوب سے کہا کہ اگر کوئی تجھ سے یہ پوچھے کہ تیرا معبود کہاں ہے؟ تو تو کیا جواب دے گا۔ جواب دیا کہ میں اسے کہوں گا کہ میرا معبود وہاں ہے جہاں وہ ازل سے ہے، پھر پوچھا کہ اگر وہ یہ سوال کرے اللہ تعالیٰ ازل سے کہاں تھا تو پھر کیا کہو گے؟ تو خادم نے جواب دیا جہاں اب ہے یعنی جہاں وہ پہلے تھا وہ بھی لامکان تھا اسی طرح وہ اب بھی لامکان ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اس کا کوئی تعین نہیں۔ خادم نے کہا کہ اس پر ابو عثمان مغربیؒ مجھ سے بہت خوش ہوئے اور پھر اپنی قمیص اتار کر مجھے دے دی۔

کسی نے ابو عثمان مغربیؒ سے سوال کیا تو فرمایا ''مخلوق تو محض ڈھانچے اور اشکال ہیں جن پر قدرت کے احکام جاری ہوتے ہیں''۔

حضرت ابو سعید خرازؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ جس کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنی کوششوں سے اپنے مطلوب تک پہنچ جائے گا تو اسے جان لینا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو یونہی تھکا رہا ہے اور جو یہ سمجھے کہ وہ بغیر کوشش کے پہنچ جائے گا تو یہ شخص خام تمنا کر رہا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کو فاعل حقیقی سمجھے اور خود کو کاسب)۔

حضرت واسطیؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ مقامات تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم کردہ نعمتیں ہیں اور اس کی جاری کردہ صفات ہیں۔ انہیں کوئی حرکات کے ذریعے کیسے پا سکتا ہے؟ یا کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ (حرکت کرنا انسان کا فرض ہے۔ ان کا پالینا اللہ کی طرف سے ہے)۔

کسی نے حضرت واسطیؒ سے اللہ کے ساتھ یا اللہ کے لئے کفر کرنے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا! کفر، ایمان، دنیا اور آخرت سب کے سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس کی طرف ان کی انتہا ہے، اسی کے ساتھ ان کی بقا ہے اور یہ سب اسی کے ملک ہیں۔ ''من اللہ'' اس لئے کہ ان کی ابتداء اسی سے

ہوئی۔ ''الی اللہ'' اس لئے کہ ان کا مرجع ومنتہا اسی کی طرف ہے اور ''باللہ'' اس لئے کہ ان کی بقاء اور فنا اسی کے ساتھ ہے اور ''لِلّٰہِ'' اس لئے کہ یہ سب اللہ کی ملکیت اور مخلوق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ بری حرکت ہے وہ انسان کی اپنی وجہ سے ہے کیونکہ اس نے سب کچھ جانتے ہوئے وہ عمل کیا اور جو کچھ اچھا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ (النساء:۷۹)

جو تجھ کو بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور برائی پہنچے تو وہ تیری طرف سے ہے۔

حضرت واسطیؒ کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شر، کفر اور شرک کا خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب کسی شخص کو دیکھا تو اس پر اس کا لیبل لگا دیا۔ جس بوتل میں جس قسم کی شراب ہوتی ہے اس قسم کا لیبل اگر لگا دیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ وہ شراب جائز ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا ابوجہل کبھی ایمان نہ لائے گا۔ اس لئے اس پر ابوجہل کا لیبل لگا دیا گیا۔

حضرت واسطیؒ کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ خالق افعال ہے

حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ روحوں اور جسموں کا قیام اور ظہور اللہ ہی کی طرف سے ہوا ہے، اپنی ذات سے نہیں کیونکہ حرکات و اعمال تو اجسام اور ارواح کی فروع (شاخیں) ہیں۔ انہوں نے یہ بات صراحتاً بیان کی کہ بندوں کے اعمال کا خالق خدا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہر قسم کے جوہر کا خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اسی طرح ہر عرض کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ فرعون نے کھلم کھلا ربوبیت کا اعلان کیا اور معتزلہ نے در پردہ اور چھپ کر کیا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو چاہا کیا۔

مزید مشائخ کے توحید پر اقوال

حضرت جنید بغدادیؒ

آپؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی عالم سے توحید کے متعلق سوال کیا تو اس نے فرمایا ''توحید نام ہے یقین کا'' سائل نے پھر کہا میرے لئے اس کی حقیقت کی وضاحت کیجئے تو فرمایا کہ تمہارا یقین کے ساتھ جان لینا کہ مخلوق کی حرکات و سکنات خدائے وحدہ لاشریک کے افعال ہیں۔ جب تجھ کو ایسا یقین حاصل ہو گیا تو تو موحد بن گیا۔

ذوالنون مصریؒ

ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصریؒ کے پاس آ کر درخواست کی کہ میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔فرمایا اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی تائید توحید کی صداقت اور یقین کے ساتھ کی ہے تو تمہارے لئے بہت سی دعاؤں کی قبولیت مقدر ہو چکی ہے ورنہ محض پکارنے سے ڈوبتے ہوئے کو نہیں بچایا جا سکتا۔(یعنی اگر یقین توحید پر ہے تو دعا قبول ہے ورنہ فقط بولنے یا پکارنے سے ڈوبنے والے کو بچایا نہیں جا سکتا۔اس میں تاثیر نہیں ہوتی)[1]

حضرت ابوالحسن نوریؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ خیال جس سے تشبیہ کے خواطر واوہام مزاحم نہ ہوں اور اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہو وہ توحید ہے۔

حضرت ابوبکر واسطیؒ

آپؒ فرماتے ہیں جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں درحقیقت اللہ پر ایمان رکھنے والا ہوں تو اسے ہم کہیں گے کہ حقیقت کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے کامل اطلاع اور کل احاطہ علم حاصل ہو۔لہٰذا جسے یہ بات حاصل نہ ہوگی اس کا ایسا دعویٰ کرنا باطل ہوگا۔اس کا مطلب وہی ہے جس کو اہل سنت نے ظاہر کیا حقیقی مومن ہونے کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جس کے جنتی ہونے کا حکم لگ چکا ہو۔لہٰذا جسے اللہ تعالیٰ کے اس راز کا علم نہ ہو اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حقیقی معنوں میں مومن ہے صحیح نہ ہوگا کیونکہ قبل از قیامت اکثر لوگوں پر یہ حقیقت عیاں نہیں ہوتی۔

حضرت ابوالعباس سیاریؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات دو طرح سے ہیں کرامت اور استدراج۔اللہ تعالیٰ نے جس عنایت کو تمہارے لئے برقرار رکھا وہ کرامت ہے اور جس کو زائل کر دیا وہ استدراج ہے۔لہٰذا یوں کہا کر کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ مومن ہوں۔ابوالعباس سیاریؒ اپنے وقت کے شیخ تھے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۲۰۴، ناظر الطاف نیروی۔

حضرت ابو عبداللہ بن خفیفؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ قلوب کا ان سارے غیبوں کی تصدیق کرنا ایمان ہے جن کا علم حق تعالیٰ کو حاصل ہو۔ نیز آپ نے فرمایا ''ایمان والے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ مگر نہ احاطہ کر سکیں گے اور نہ اس کی انتہا کو پا سکیں گے''۔

حضرت بوشنجیؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ تو اللہ کو کسی ذات کے مشابہ نہ جانے اور نہ تو اس سے اس کی صفات کو معطل سمجھے۔

حضرت محمد بن احمد بن محمد یحییٰ صوفیؒ

آپؒ نے معرفت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ''معرفت ایک اسم ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دل کے اندر ایسی تعظیم پائی جائے جو تجھے (خدا کی صفات سے) معطل سمجھے یا کسی کو اس کے مشابہ سمجھنے سے روکے''۔

حضرت نصر آبادیؒ

آپؒ نے حضرت محمد بن الحسینؒ کو خدا کی صفات کے دائم اور باقی رہنے کے متعلق فرمایا کہ اہل حق کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ باقی ہے اس کی صفات بھی باقی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی صفات اور ذات کی صفات میں تو متردّد ہے، حالانکہ دونوں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں چنانچہ جب وہ تجھے مقام تفرقہ میں سرگرداں کردے تو وہ تجھے فعل کی صفات کے ساتھ ملا دیتا ہے اور جب تجھے مقام جمع تک پہنچا دے تو تجھے اپنی ذات کی صفات سے ملا دیتا ہے۔ یہ ابوالقاسم نصر آبادی (متوفی ۳۶۹ھ) اپنے وقت کے شیخ تھے۔

حضرت ابن شاہینؒ

آپؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ سے لفظ مع کے معنی پوچھے گئے تو فرمایا کہ اگر یہ انبیاء کے لئے بولا جائے تو اس سے مراد مدد اور حفاظت ہے جیسے سورہ طٰہٰ میں ہے "اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی" (یعنی بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ (طٰہٰ:۴۶)۔ جب یہ لفظ عوام کے لئے قرآن میں آئے تو اس کا معنی علم اور احاطہ ہے جیسے المجادلہ کی آیت نمبر ۷ میں ہے کہ جب تین آدمی پوشیدہ باتیں کریں تو ان کے ساتھ میں چوتھا ہوتا ہوں۔

حضرت جنید اور بایزیدؒ

ان حضرات کا سکر اور صحو کے ذریعے توحید کا تعلق صحو وسکر کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ حضرت بایزیدؒ کا خیال ہے کہ حالت سکر میں توحید صحیح طور پر متصور ہوتی ہے جبکہ حضرت جنیدؒ کا گروہ یہ کہتا ہے کہ سکر سے محفوظ رہنے کے بعد ہی انسان فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے قابل رہتا ہے (حالانکہ بہت سے عابد توحید کے مفہوم سے محروم ہوتے ہیں اور بہت سے اہل سکر بھی عبادات سے محروم نہیں رہتے)۔ غلبہ سکر میں انسان شطحیات سے بھی بچ نہیں سکتا گو ان بزرگوں کے لئے شطحیات قابل مواخذہ نہیں تاہم معتقدین کے لئے ضرور وجہ آزمائش بنتی ہیں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ توحید کا تجربہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا کہ انسان سکر اور سرمستی کے عالم میں رہ جائے بلکہ توحید اکمل کی صورت یہ ہے کہ انسان عالم مدہوشی سے نکل کر عالم ہوش میں آئے اور فرائض وواجبات اور رشد وہدایت کا فریضہ سرانجام دے۔

حضرت جنیدؒ کا تصور توحید

امام تصوف میں ہے کہ اسلامی تصوف درحقیقت عقیدہ توحید الٰہی کی سالمیت کا نام ہے اور اس کی صحت کا معیار قرآن وسنت ہے۔ حضرت جنیدؒ نے زمانے کے مزاج سے ہم آہنگ ہو کر مسئلہ توحید کو حل کیا ہے۔ حضرت جنیدؒ کے نزدیک توحید عقلی ادراک سے کوئی ماوراء شئے ہے اور اسی فکر کی روشنی میں صوفیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان نہیں کی جا سکتی۔ حضرت جنیدؒ نے اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کی توحید کے بارے میں انکی تعریف کو یوں بیان کیا ہے کہ ''تعریف ہو رب ذوالجلال کی جس نے اپنے بندوں کو اپنا علم حاصل کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ عنایت نہیں فرمایا سوائے عجز و بے بسی کے'' اور حضرت جنیدؒ جب توحید کے بارے میں کلام کرتے ہیں تو ان کے اقوال کا اول وآخر مفہوم یہی سمجھ میں آتا ہے کہ توحید عقلی ادراک سے ماوراء شے ہے اور ان کے یہ اقوال کہ ''توحید ایک ایسی حقیقت ہے جس کی راہ کے نشان مٹ جاتے ہیں، علامت مدہم ہو جاتی ہے اور ذات خداوندی جیسی تھی ویسی ہی رہتی ہے اور اگر فہم کا ادراک توحید پر جا کر ختم ہو جاتا ہے تو گویا یہ ایک حالت ثبات وقرار پر ختم ہوتا ہے۔ توحید جس میں اتنا مکمل اور ہمہ گیر علم شامل ہے کہ اسکی تعریف اور وضاحت ناممکن ہے''۔

حضرت جنیدؒ کے یہ اقوال توحید صوفیانہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان میں ایک صوفی کیلئے جو

خاص معانی پوشیدہ ہیں وہ حضرت جنیدؒ نے انہیں الفاظ میں بیان کیا ہے کہ توحید قدیم کو حادث سے جدا کرنے کا نام ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے حضرت جنیدؒ کے اسی قول کو نقل فرمایا ہے کہ تم ایک ازل کو مظہر حادث کی جگہ کبھی نہ سمجھنا اور ایک مظہر حادث کو ازل کی جگہ کبھی نہ سمجھنا۔ اس کے علاوہ یہ بھی جان لینا کہ اللہ تعالیٰ ازلی ہے اور تم مظہر ہو اور یہ کہ تمہاری نوعُ کی کسی چیز کا تعلق اس سے نہیں ہے اور نہ اس کی ذات کی صفات تمہاری اپنی صفات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور یہ کہ ایک ازلی اور ایک مظہر کے درمیان نہ کبھی یکسانیت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ اشتراک ہو سکتا ہے۔

توحید کے بارے میں حضرت جنیدؒ کے اس قول کو تمام طبقوں کے علماء نے سراہا ہے اور کہا ہے کہ ازلی اور حادث کے درمیان جو فرق ہے حضرت جنیدؒ نے اس کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ ایک ایسی بات ہے جو صوفیہ کو تصور توحید کے سلسلے میں بھٹک جانے سے بچا سکتی ہے اور ذات ازلی کو حادث سے جدا کرنے کے معنی نہ صرف عقل کی بنیاد پر عمل میں لائی جانے والی جدائی کے ہیں بلکہ ہر محدود چیز کو فنا کر کے لامحدود کے عملی تجربے کو ثابت کرتی ہے۔ حضرت جنیدؒ کا نظریہ توحید درحقیقت تمام صوفیانہ علوم پر محیط ہے اور انہوں نے اس کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور توحید پرستوں کو چار درجوں میں رکھا ہے۔ پہلے درجے کی توحید عوام کی توحید ہے، دوسرے درجے کی توحید میں وہ توحید آتی ہے جو دین کے روایتی علم سے بہرہ ور لوگوں میں پائی جاتی ہے، تیسرے اور چوتھے درجے کی توحید کا تجربہ ان خاص لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ایک عام آدمی کی توحید کو حضرت جنیدؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''جہاں تک ایک عام آدمی کے نظریہ توحید کا تعلق ہے تو اس کا اظہار خدا کو وحدہ لاشریک قرار دینے اور بہت سے خداؤں، ساتھیوں، حریفوں، ہمسروں اور تشبیہوں کو مسترد کرنے سے ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ خدا کے علاوہ دوسری طاقتوں سے امید اور خوف بھی وابستہ ہوتا ہے۔ اس طرح کی توحید اپنے اندر ایک افادیت رکھتی ہے کہ اس میں اقرار ہر صورت میں قائم رہتا ہے''۔ دوسرے درجے کی توحید ان لوگوں کی توحید ہے جو علم ظاہر (دینی علم) سے بہرہ ور ہیں تو اس کا اظہار خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار، نیز دوسرے خداؤں، شریکوں، حریفوں، ہمسروں اور مشابہتوں کے ابطال سے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ جہاں تک ظاہری اعمال کا تعلق ہے ان میں ایجابی احکامات کی بجا آوری کی جاتی ہے اور جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے اجتناب کیا

جاتا ہے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہوتا ہے اس طبقے کی امیدوں، خواہشوں اور اندیشوں کا۔ اس نوع کی توحید میں بھی ایک طرح کی افادیت ضرور ہے اس لئے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدت کا علی الاعلان ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کے نزدیک توحید کے یہ دونوں درجے معرفت الٰہی کے بلند ترین درجے نہیں ہیں چنانچہ حضرت جنیدؒ توحید کے اس خاص درجے کو بیان کرتے ہیں کہ اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے۔ ہمسروں اور تشبیہوں کو نظر و مشاہدہ سے ساقط کر دیا جائے۔ خدا کے حکم کو ظاہر و باطن میں بیک وقت نافذ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسری ہستیوں سے امید و خوف کے جذبات کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔ یہ سب انسان کے اس تصور کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ، ہر آن اس کے ساتھ موجود ہے اور اس کے علاوہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو جو پکارتا ہے وہ اس کا جواب دیتا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے توحید کی خاص مقام کی حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ''توحید کی خاص حالت کی نوعیت یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کے احساس سے بھی یکسر عاری ہو جائے اور ایک خیالی وجود کی صورت میں اللہ کے سامنے حاضر ہو۔ ان دونوں کے درمیان کوئی تیسری چیز موجود نہ ہو۔ پھر جس طرح اس ذات مطلق کی قدرت کاملہ طے کرتی ہے اسی کے مطابق اس خیالی وجود پر مختلف صورتوں میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اسے توحید ذات حق کے بحر بیکراں میں پوری طرح غرق کر دیا جاتا ہے۔ پھر نہ حق تعالیٰ کی ندا کا سوال باقی رہتا ہے اور نہ اس کی طرف سے اس ندا کے جواب کا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا کامل ادراک اس کے قرب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس حالت میں انسان کے اندر حس اور حرکت ختم ہو جاتی ہے اس لئے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس سے طلب کی تھی وہ اس نے خود ہی مہیا کر دی تھی''۔

مشاہیر صوفیاء نے حضرت جنیدؒ کے اس تصور توحید خاص کی اس طرح تشریح کی ہے کہ اس مقام پر آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت ہو جانا ہے اور اپنے ارادہ اور خواہش سے دستبردار ہو جانا ہے۔ حضرت جنیدؒ کے اس تصور توحید کی حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان الفاظ میں وضاحت کی ہے ''ایک خدا پرست کو جب اپنی ذات کا کوئی احساس نہیں رہتا تو وہ ایک ایسا ذرہ بن جاتا ہے جیسا کہ وہ صبح ازل میں تھا یعنی جب اس کو "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کہہ کر توحید کا اقرار کرایا گیا اور اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ جب ایک فرد پر ذات حق کے اظہار کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ ملیا میٹ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ احساس سے عاری ایک لطیف مادہ بن جاتا ہے۔ اس کا جسم اللہ تعالیٰ کے اسرار کا

خزانہ بن جاتا ہے اور اس کے تمام اقوال و افعال کا سر چشمہ وہی ذات باری قرار پاتی ہے"۔

حضرت جنیدؒ نے توحید کے اس خاص اور آخری درجے کے سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہوئے نظریہ اتحاد یعنی خالق عظیم اور انسان (مخلوق) کے درمیان تعلق کی آگہی اور نظریۂ فنائے صفت یعنی اپنی ذات سے عاری ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر محصور ہونا بیان کیا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے متوازی رکھ کر وحدانیت کے اقرار کی تکمیل پر اختتام کیا ہے، چنانچہ وہ توحید کے اس آخری اور خاص درجے کی شناخت کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خاص توحید کی حالت میں یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس آخری درجے میں پہنچ کر سالک اپنی اس پہلی حالت میں آجاتا ہے جہاں وہ ابتدائے آفرینش کے وقت تھا۔ حضرت جنیدؒ اس نظریئے کی تصدیق کے لئے قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

"وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط قَالُوْا بَلٰی ج" (الاعراف:١٧٢)

(اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے اولاد نکالی اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنایا (اور ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو وہ کہنے لگے کیوں نہیں)۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے بنی نوع انسان سے ایسی حالت میں خطاب فرمایا کہ وہ اس کائنات میں موجود نہیں تھے، صرف خدا کا وجود ان کے لئے موجود تھا۔ اس وقت وہ مخلوق انسانی کو ایسے معنی میں وجود میں لے آیا کہ جس کی حقیقت اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی اس راز کو پا سکتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ ایک ایسا خالق تھا جو ہر طرف سے ان پر احاطہ کئے ہوئے تھا اور انہیں ابتداء میں ایک ایسی حالت فنا میں دیکھ رہا تھا جو ان کی حالت بقاء سے ابھی بہت دور تھی اور ان (بنی نوع انسان) کا وجود وقت کی قید سے آزاد ازل کے ساتھ وابستہ تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بلایا اور انہوں نے اس کی ندا پر فوراً لبیک کہا تو یہ بھی اس کی ذات کا کرم اور احسان تھا۔ اس نے ان کو وجود میں لا کر گویا ان کی طرف سے خود ہی جواب دے دیا۔ اپنی ندا اور پکار کا مدعا انہیں سمجھایا اور اپنے وجود سے انہیں اس وقت آگاہ کیا جبکہ وہ محض مشیت الٰہی تھے جو ذات باری تعالیٰ نے ایک عارضی وجود کی شکل میں اپنے سامنے لا کھڑی کی تھی۔

پھر اس نے اپنے ارادے سے انہیں ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل کر دیا۔ انہیں نطفے کی طرح ایک

چیز بنایا۔ اپنی مشیت سے اس کو خلق بخشا اور صلب آدم میں اتار دیا تو اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیت (الاعراف:۲:۱۷۲) میں بیان کرتا ہے کہ وہ ان سے ایسی حالت میں ہم کلام ہوا جب کہ ان کا اپنا کوئی وجود ہی نہیں تھا سوائے اس ذات حق کے وجود کے جو ہر طرف سے انہیں اپنے حصار میں لئے ہوئے تھی۔ وہ ایسی حالت تھی جس میں ان کا وجود اپنے آپ کے لئے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے محصور تھا اور اس طرح وجود کی دو قسمیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک وجود ربانی جو وقت کی قید سے آزاد تھا اور وجود حق کے اندر محصور تھا اور دوسرا جو وقت کی قید میں عالم مخلوق کے اندر ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ پس یہی وجود ربانی خدائی تصور ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو زیب نہیں دیتا۔ کوئی شک نہیں کہ ایسا وجود سب سے زیادہ مکمل اور کارگر ہوتا ہے اور اس عالم وجود کے مقابلے میں جس میں ایک عام عبادت گزار دیکھا جاتا ہے زیادہ اہمیت کا حامل زیادہ قوی، غالب اور تسلط کے لئے موزوں ہے، چنانچہ اس حالت میں اس کا اپنا نشان مٹ جاتا ہے اور اس کا الگ کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔ وہ اس لئے کہ کوئی انسانی صفت اور کوئی انسانی وجود اس چیز کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا یعنی وجود حق اور اس کے غلبہ و تسلط کے مقابلے میں۔ فرماتے ہیں کہ پہلی قسم کا وجود، وجود کی ایک مکمل ترین شکل ہے، یہ زیادہ بہتر، زیادہ بلند مرتبہ اور خدا کے غلبہ و تسلط کے لئے زیادہ موزوں اور زیادہ لائق عمل ہوتا ہے بسبب ان صفات کے جو اس وجود کی حالت میں ان پر ظاہر ہوتی ہیں۔

حضرت جنیدؒ اور بایزیدؒ کے علاوہ

چند دیگر مشائخ کا توحید پر اظہار خیال

توحید کی سیدھی سادی تعریف اور اس پر چند مشائخ کے مختصر اقوال عوام الناس کے لئے الگ مضمون میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ اس جگہ توحید کے مضامین کو زیادہ وضاحت سے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ لوگ جو اس کو عمیق نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں اپنی تشنگی کو پورا کر سکیں۔ اگر اس سے زیادہ مطالعہ کرنا مقصود ہو تو احیاء علوم الدین، رسالہ قشیریہ، کیمیائے سعادت اور مخصوص مقالوں کا مطالعہ کریں۔

حضرت جنید بغدادیؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ تو یہ بات جان لے اور اقرار کر لے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے یکتا ہے۔ نہ اس کا کوئی ثانی ہے اور نہ کوئی چیز اس جیسے افعال کر سکتی ہے۔

آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ کمال احدیت اور اس کی وحدانیت کو حق جان کر اللہ کو فردِ یکتا جانے۔ وہ ایسا یکتا ہے کہ جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ خود کسی سے پیدا ہوا۔ اس کا نہ کوئی مدمقابل ہے نہ کوئی مثل اور نہ کوئی ہم شبیہ، بغیر اس کے کہ اس کی کوئی تشبیہ یا کیفیت یا صورت یا مثال بیان کی جائے۔ اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ وہ سمیع اور بصیر ہے۔

ابوالعباس سیاریؒ

ایک شخص نے ابوالعباس سیاریؒ کا پاؤں دبایا تو آپؒ نے فرمایا کہ کیا تو اس پاؤں کو پامال کرتا ہے جسے میں نے کبھی بھی اللہ کی نافرمانی میں نہیں اٹھایا (ابوعلی دقاقؒ کا مطلب ہے کہ یہی توحید ہے کہ اس کا کوئی عضو اللہ کی نافرمانی میں نہ اٹھے)۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں

حضرت جنید بغدادیؒ ایک اور جگہ حقیقت توحید کے متعلق کافی طویل گفتگو کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقتِ توحید یہ ہے کہ بندہ مثل ہیکل (صورت یا بت) کے ہو جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تصرف کے سامنے ایک ڈھانچے کی طرح ہوتا ہے۔ اس تصرف میں بندہ ایسا ہو کہ وہ اپنے اختیار اور ارادے میں اپنے نفس کو فنا کر کے خالی ہو اور مخلوق اسے دعوت دینے سے بیزار اور دور ہو چکی ہو۔ موحد مخلوق کی دعوت کو قبول کرنے سے لاتعلق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت اس مقام کے بعد اللہ تعالیٰ کی قربت کے محل اور مقام میں بندے کی حس و حرکت کے ختم ہو جانے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس وقت جو ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے وہی بندے کا ہوتا ہے (جیسے راقم الحروف کا ایک شعر ہے)۔

منظور حق جو ہے وہی منظور ہے ہمیں
کس سادگی سے ہم نے خدا کو منالیا

حضرت جنیدؒ کی اس سے یہ مراد ہے کہ موحد کو اپنے اختیار میں کچھ تصرف نہ رہے اور حق تعالیٰ کی وحدانیت میں ایسا گم ہو جائے کہ اپنے آپ کو بھی نہ دیکھے اور عمل قربت میں اس کا نفس فانی ہو جائے اور اس کی حس جاتی رہے اور احکام حق اس پر جاری ہو جائیں جیسے ازل میں بحالت توحید تھا کہ کہنے والا بھی حق تھا اور جواب دینے والا بھی حق تھا۔ فرماتے ہیں کہ ازل میں جو ذرہ تھا اس ذرہ کا نشان بنا ہوا ہوتا ہے جو بندہ اس سے پیدا ہوگا اس کا مخلوق سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اگر مخلوق اس کو کسی چیز کی دعوت دے تو اس بندے میں کسی سے محبت وانس کرنے کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لے، اس عبارت کا اشارہ بشری صفات کو ختم کرنے کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور کشف اور قہر کے حال میں بندہ تسلیم ورضا کی طرف رہتا ہے۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے بندے کو اوصاف سے فانی کیا ہوا ہوتا ہے تاکہ بندہ اس کے لئے اعلیٰ اور لطیف قسم کا جوہر بن جائے۔ ایسے بندے کی شخصیت پر اللہ تعالیٰ کے اسرار اترنے کی جگہ ہوتی ہے گویا کہ اس کی گفتگو اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ہوتی ہے اور اس کے فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ بندے کی صفت کا قیام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور شریعت کے احکام اس پر جاری اور باقی رہتے ہیں۔ ایسا بندہ ہر چیز کے دیکھنے سے فانی ہوتا ہے۔

''کشف المحجوب'' میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج میں اپنے پاس مقام قرب میں پہنچایا۔ مقام کے لئے مسافت ہوتی ہے لیکن قرب کے لئے کوئی مسافت نہیں ہوتی۔ بندہ قرب کی حالت میں ہوتا ہے اور اس کا حال مخلوق کی عقلوں میں آنے سے دور اور وہم سے بھی منقطع ہوتا ہے، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اپنے آپ کے ہونے کو گم کیا اور ختم کر دیا اور اپنے آپ میں اپنی ذات کو گم کر دیا۔ صفتوں سے فانی ہونے کی وجہ سے بے صفت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے نور میں متحیر ہو گئے۔ طبیعتوں کی ترتیب اور مزاج کے اعتدال میں تشویش لاحق ہو گئی۔ حضور ﷺ کا نفس دل کے مقام اور دل روح کے مقام پر لایا گیا تو آپ ﷺ کی روح رازوں کے مقام پر آئی اور راز قربت کی صفت پر پہنچ گئے۔ تمام احوال میں تمام چیزوں سے آپ نے جدائی کی خواہش کی حتیٰ کہ اپنے تشخص سے بھی دور ہونا چاہا چونکہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے ذریعے سے شریعت کو قائم رکھنا مقصود تھا تو حکم ہوا کہ اے پیارے، اپنے حال پر ہو جاؤ تو اس فرمان وحکم کی بناء پر آپ نے دوبارہ قوت حاصل کر لی اور اللہ تعالیٰ کی قوت آپ کی قوت بن گئی

اور اپنے نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کی ہستی میں ظاہر ہوئے اور واپس دنیا میں پہنچ کر فرمایا "اِنِّی لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ اِنِّیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ" [1] (میرا حال تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہے میں اللہ تعالیٰ کے پاس رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے) کیونکہ میری زندگی اور بقاء اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ	میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس میں
مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ [2]	میرے ساتھ نہ کوئی مقرب فرشتہ نہ پیغمبر و مرسل سما سکتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

ذَاتُ اللّٰہِ مَوْصُوْفُہٗ	توحید کی انتہا یہ ہے کہ تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات علم کے
بِالْعِلْمِ مِنْ غَیْرِ	ساتھ موصوف ہے کہ اسے کوئی دنیا میں سر کی آنکھوں کے ساتھ
اِحَاطَۃٍ وَ اِدْرَاکٍ [3]	نہیں دیکھ سکتا، حس کے ساتھ محسوس بھی نہیں کرسکتا۔

حقیقت میں ایمان بغیر حد اور انتہا کے موجود ہے اور بغیر آمد و رفت کے پایا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے لیکن اس میں آنا جانا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ملک کے اندر اپنی کاریگریوں، فنون اور قدرت کے ساتھ ظاہر ہے۔ مخلوق اس کی ذات کی معرفت سے حجاب میں ہے اور وہ عجائبات اور نشانیوں کو ظاہر کرنے سے راہنمائی کرتا ہے۔ تمام اہل دل جانتے ہیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ) واحد ہے۔ عقل اس کے ہونے کا، کہ وہ کیسا ہے؟ ادراک نہیں کرسکتی۔ مومن اسے قیامت کے دن سر کی آنکھوں کے ساتھ بغیر احاطہ کے دیکھیں گے یعنی اس کی ذات کی کوئی حد نہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا یہ کلام توحید کے تمام احکام کے لئے جامع ترین ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:-

---

[1] صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۱۰۵، جلد ۲، صفحہ ۷۷۶۔

[2] فیض القدیر، جلد ۴، صفحہ ۶۔

[3] کشف المحجوب، صفحہ ۵۵۸، ناشر الطاف نیروی۔

اَشْرَفُ کَلِمَةٍ فِی التَّوْحِیْدِ قَوْلُ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلْ لِخَلْقِهٖ سَبِیْلاً اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهِمْ [1]	بہترین قول توحید کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے (آپ نے فرمایا:) پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنی معرفت کی راہ سوائے عاجزی کے کوئی نہ دکھائی۔

بعض علماء کو غلطی لگی ہے کہ انہوں نے معرفت سے عاجز ہونے کا یہ مطلب لیا ہے کہ معرفت حاصل ہو ہی نہیں سکتی اور ان علماء کی یہ بات محال و ناممکن ہے اس لئے کہ کسی شے کے موجود ہونے سے عجز لاحق ہوتا ہے اور اگر شے معدوم ہو تو اس کا عجز لاحق نہیں ہوتا جیسا کہ مردہ زندگی سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ موت کے اندر موت سے عاجز ہوتا ہے اور قوت عجز کا اطلاق اس پر جائز نہیں کیونکہ موت کے بعد اسے زندگی ملے گی اور اندھا آنکھوں سے عاجز نہیں ہوتا کیونکہ بینائی بند ہونے کی وجہ سے بینائی سے عاجز ہوتا ہے اور لنگڑا کھڑا ہونے سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ قعود کے اندر قعود سے عاجز ہے (قعود کے معنی بیٹھنے کے ہیں) اسی طرح عارف معرفت سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ معرفت اس کے لئے موجود ہوتی ہے اور یہ بدیہی بات ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کا مقصد یہی ہے۔ حضرت ابوسہل صعلوکیؒ اور استاد ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ معرفت ابتداء میں کسبی ہوتی ہے اور انتہا میں بدیہی ہوتی ہے اور علم بدیہی وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس یہ علم ہو وہ اس علم کو دور کرنے میں یا حاصل کرنے میں عاجز و پریشان ہوتا ہے یعنی نہ وہ اس علم کو حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ وہ اسے اپنے پاس سے جدا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پس اس قول کے مطابق توحید اللہ تعالیٰ کا فعل ہے (اور) اللہ تعالیٰ ہی اپنی توحید کا معنی و مقصد بندہ کے دل میں ظاہر کرتا ہے حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں "اَلتَّوْحِیْدُ حِجَابُ الْمُوَحِّدِ عَنْ جَمَالِ الْاَحْدِیَةِ" [2] اللہ تعالیٰ کی احدیت کے جمال سے موحد کا حجاب میں ہونا توحید ہے۔ اس لئے کہ توحید کو بندہ کا فعل کہتے ہیں تو یقیناً بندہ کا فعل اللہ تعالیٰ کے کشف کے لئے علت نہیں بن سکتا اور عین کشف میں جو چیز کشف کے لئے علت نہیں ہوگی یعنی پردوں کو نہیں اٹھا سکتی وہ حجاب ہی ہوتی ہے اور بندہ اپنے تمام تر بشری اوصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا غیر ہوتا ہے اس لئے جب بندہ اپنی صفت کو اللہ تعالیٰ کی صفت شمار کرے گا تو یقیناً صفت کے موصوف کو بھی خدا سمجھے گا تو توحید و موحد اور احدیت تینوں ایک دوسرے کے لئے علت بنیں گی اور ہر

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۵۵۹۔
[2] کشف المحجوب، صفحہ ۵۶۰۔

وہ صفت جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی توحید میں فنا ہونے سے روکتی ہے تو وہ بندہ اس صفت کی وجہ سے ابھی تک حجاب میں ہوتا ہے اور جب تک حجاب میں رہتا ہے موحد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے فانی ہے۔

''کشف المحجوب'' میں ہے کہ توحید کے بارے میں مشائخ عظام نے بہت گفتگو فرمائی ہے۔ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بندہ کا بالکل فنا ہو جانا اسے توحید کہتے ہیں کیونکہ توحید ہمیشہ باقی رہنے والی صفت ہے اس کے علاوہ کسی کے لئے یہ صفت درست نہیں اور ایک گروہ کہتا ہے کہ اپنی ذات کے فنا ہونے کے بغیر صفت توحید حاصل نہیں ہوتی۔ [۱]

داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ''توحید اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر ایک راز ہوتا ہے جسے بندہ عبارت کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا کہ اس راز کے بیان کے لئے خوبصورت عبارت بولی جائے کیونکہ عبارت اور تعبیر کرنے والا دونوں غیر ہیں اور توحید کے اندر غیر کا ثابت کرنا شریک کو ثابت کرنا ہے اور یہ لہو ولعب و تماشے والا ہوتا ہے اور یہ توحید کے احکام اور اہل معرفت کے بیان کردہ اقوال ہیں جو کہ مختصر طور پر بیان کئے گئے ہیں''۔ [۲]

وحدتِ الوجود اور وحدتِ الشہود

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود صوفیہ کرام کے درمیان دو اصطلاحیں ہیں۔ان کا تعلق قال سے زیادہ حال سے ہے اولیاء کرامؒ کا ایک گروہ وحدۃ الوجود کا قائل ہے اور دوسرا گروہ وحدۃ الشہود کا۔ہمارے نقشبندی مشائخ شہود کے قائل ہیں۔دراصل یہ اپنا اپنا زاویہ نگاہ ہے کوئی شخص آئینہ کائنات میں نورِ حق کا عکس دیکھتا ہے تو وہ اس عکس کو عین گردانتا ہے اور کوئی شخص عکس اور اصل میں واضح تمیز کی صلاحیت کی بدولت ان دونوں میں فرق کرتا ہے۔اول الذکر وحدۃ الوجودی ہیں اور ثانی الذکر وحدۃ الشہودی ہیں۔اس تصور کو حسبِ ذیل عبارت کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔

جب وحدت کے موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے تو اس ضمن میں وحدت الوجود (ایک ہی وجود کا ہونا) اور وحدت الشہود (ایک ہی وجود کا شہود پانا) کا ذکر لامحالہ کیا جاتا ہے اس سلسلے میں یہ بات معلوم ہونا ضروری ہے کہ ان دو اصطلاحوں کا مطلب کیا ہے۔

---

[۱] کشف المحجوب، صفحہ ۵۶۱۔ [۲] کشف المحجوب، صفحہ ۵۶۱۔

وحدتِ الوجود صوفیا کے نزدیک وجود کا اطلاق واجب تعالیٰ پر ہوتا ہے اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ صرف ذات حق ہی ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے، برعکس دیگر اشیاء کے جو ہستی مطلق سے قائم ہیں۔ امیر خسروؒ نے اس کا اظہار درج ذیل شعر میں کیا ہے۔

ہرچہ آید در نظر غیرے تو نیست یا تو ئے تو، یا بوئے تو، یا خوئے تو

(جو کچھ بھی نظر میں آتا ہے وہ تیرے سوا کچھ نہیں (ہر چیز) یا تو تو ہے یا تیرے لیے یا تیری صفت)

غالب نے بھی اس وحدت الوجود کے تصور کو یوں پیش کیا ہے اگر خدا کا وجود نہ ہوتا تو کوئی چیز موجود نہ ہوتی اور اب جبکہ کائنات وجود میں آئی تو اس کا وجود بھی خدا کے وجود کے ساتھ قائم ہے۔ شعر حسب ذیل ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

وحدتِ الوجود حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک اس کائنات کی ہر چیز ہستی مطلق سے قائم ہے کہنا درست نہیں اور نہ ہی ہر چیز کو ہمہ اوست (یعنی سب کچھ خدا ہے) کہنا درست ہے۔ وحدت الوجود کے قائل تمام جزئیات متفرقہ حادثہ ہونے کے باوجود ایک ہی ذات مراد لیتے ہیں اور اشارے سے ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ہم خود وہی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ محدثات کے تفرقہ اور جمع سے پاک ہیں۔ وہ ایک ہے کہ جزو کو اس میں کوئی راہ نہیں۔ وہ حلول کو قبول نہیں کرتا بلکہ ایسا کہنے والے کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے خدا ہوتا جیسا کہ وہ خود کو اسی سے سمجھتا ہے تو فنا کیوں ہوتا۔

وحدتِ الشہود کائنات کے تمام جزئیات متفرق حادث اور ایک ذات پاک کا ظہور ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ زید کی صورت اگر ہزاروں آئینوں میں منعکس ہو اور اس جگہ ظہور پیدا کرے تو کہیں گے کہ "سب وہی ہے"۔ یعنی یہ سب صورتیں جو آئینوں میں ظاہر ہوئیں تو یہ ایک ذات زید کا ظہور ہیں۔ اس جگہ جزئیت اور اتحاد ہی نہیں ہے اور نہ ہی حلول اور تلون ہے۔ ان تمام صورتوں کے باوجود زید کی ذات اپنی خالص اصلی حالت پر ہے ان تمام صورتوں نے زید میں کوئی چیز زیادہ کی نہ کم۔ جس جگہ زید ہے اس جگہ ان کا نام و نشان نہیں جو کہ زید کے ساتھ کوئی نسبت جزئیت واتحاد و حلول و سریان کی نسبتوں میں سے پیدا کریں "اَلاٰنَ کَمَا کَانَ" (وہ جیسا تھا اب بھی ایسا ہی ہے)

"لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب (چیزیں جس میں زید کی تصویریں نظر آ رہی

ہیں) موجود نہیں صرف وہی موجود ہے یعنی یہ سب کچھ جو ثابت اور موجود ہوتے ہیں یہ سب وہم اور خیال میں ہیں اور موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے اس صورت میں نہ جزئیت کا شائبہ ہے نہ اتحاد کا اور اس موضوع پر صوفیا نے بہت بیان دیئے ہیں لیکن اصل بات وہی ہے جو بیان ہوئی۔

وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں فرق

حضرت خواجہ قادر بخش جہانخیلیؒ سے سوال کیا گیا کہ وحدت وجود وشہود میں کون سی بات برحق ہے؟ فرمایا دونوں برحق ہیں۔ اکثر اولیاء اللہ مثل خواجہ بزرگ اجمیری، خواجہ نقشبند بخاری اور مولانا جامی وغیرہ رحمھم اللہ تعالیٰ وجودی گذرے ہیں اور شیخ ابوالحسن خرقانی، علاالدولہ سمنائی اور مجدد الف ثانی وغیرہ رحمھم اللہ تعالیٰ شہودی ہیں۔ اگر چہ فقیر پر بھی حالت وحدت وجود طاری رہی مگر ہمارا مشرب شہودی ہے۔ یہ دونوں حال ہیں نہ محض قال۔ اس کی مثال یہ فرمائی کہ اگر کوئی شخص سبز یا شربتی عینک آنکھوں پر لگائے تو اسے تمام اشیاء سبز یا شربتی نظر آئیں گی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ جب وہ عینک آنکھوں پر سے اتار دی جائے تو وہی معاملہ ہے۔ اسی طرح اولیاء کو غلبہ حال میں کثرت (موجوداتِ خارجیہ) نظر نہیں آتی صرف وحدت ہی نظر آتی ہے۔ دیگر مثال یہ بیان فرمائی کہ دن کے وقت آفتاب کی شعاع کے سامنے ستارے نظر نہیں آتے حالانکہ موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ کو آفتاب الٰہی کے نور کے سامنے کثرت نظر نہیں آتی۔ کامل نظر وہ لوگ ہیں جو کثرت میں وحدت کو دیکھیں جیسا کہ کوئی شخص دن میں آفتاب کو بھی دیکھے اور ستاروں کو بھی۔ فرمایا کہ بعض اولیاء عکس کو عین سمجھتے ہیں چنانچہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

عکس روئے تو در آئینۂ جام افتاد عارف از پر تومے در طمع خام افتاد

(تیرے چہرے کا عکس جب آئینہ جام میں نظر آیا تو عارف مئے (مشروب) میں روشنی دیکھ کر مہمل طمع میں پڑ گیا)

فرمایا کہ حافظ شیرازی بھی شہودی تھے کیونکہ وہ اس شعر میں فرماتے ہیں کہ خدا کے نور کا عکس جب عارف کے دل کے پیالے میں چمکا تو وہ سمجھا کہ اس نے اصل کا مشاہدہ کر لیا حالانکہ وہ عکس تھا۔ فرمایا کہ وحدت وجود والے اس دید میں معذور ہیں۔ مجنون عامری کو دیکھیے کہ ایک سانولی لیلیٰ کے عشق میں ایسا مستغرق ہوا کہ ہر شخص حتیٰ کہ اپنے والد کو بھی لیلیٰ گمان کرتا تھا۔ غرض کچھ اولیاء وجودی عکس کو عین سمجھتے ہیں مگر وہ معذور ہیں اور کچھ اولیاء شہودی عکس کو عکس جانتے ہیں اور یہی حق ہے اور یہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا مشرب رہا ہے۔

''کشف المحجوب''میں حضرت بایزیدؒ کا توحید پر قول

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ''کشف المحجوب'' میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا ''اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ' ۱ (یعنی علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر تجرید توحید میں (سب کا اتفاق ہونا ضروری ہے)۔ یہی اختلاف مجاہدات اور ریاضت وتصوف میں بھی ہے اور روایات مشائخ میں تو سب متفق ہیں۔ اختلاف علماء کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اِخْتِلَافُ اُمَّتِی رَحْمَةٌ'' ۲ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یُجْمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی الضَّلَالَةِ'' ۳ اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے ''اَسَاسُ الْکُفْرِ قِیَامُکَ عَلٰی مُرَادِ نَفْسِکَ'' ۴ (یعنی کفر کی بنیاد تیرا مرادِ نفس پر قائم ہونا ہے)۔ نفس کو اسلام سے کوئی سروکار نہیں لہٰذا نفس ہمیشہ اعراض اسلام پر کوشاں رہے گا۔

حضرت بایزیدؒ کا خود سے غائب ہونا

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ حضوری والے کو خود اپنا پتہ نہیں ہوتا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ذوالنونؒ کے مرید جب حضرت بایزید بسطامیؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور ان کے دروازے پر دستک دی تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ تم کون ہو؟ کسے چاہتے ہو؟ مرید نے عرض کیا بایزید کو! آپؒ نے فرمایا کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ مجھے مدت ہوگئی کہ میں بایزید کو ڈھونڈ رہا ہوں اس کو اب تک نہیں پایا۔ جب وہ مرید ذوالنون مصریؒ کے پاس واپس آیا اور بایزیدؒ کا حال سنایا تو آپ نے فرمایا:-

اَخِیْ ذَهَبَ فِی الذَّاهِبِیْنَ فِی اللّٰهِ ۵　　بھائی بایزیدؒ جانے والوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں چلا گیا۔

مرزا غالب نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی　　کچھ ہماری خبر نہیں آتی

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ''جو اپنے سے غائب نہیں وہ حاضر بحق نہیں ہوسکتا۔ جو حضور حق میں حاضر ہو وہ غائب اور یقیناً غائب ہے۔'' فرماتے ہیں حضرت جنیدؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا ایک

---

۱ کشف المحجوب: صفحہ ۲۱۳۔　　۲ التذکرۃ، جلد ۱، صفحہ ۶۴۔
۳ الدر المنثور، صفحہ، جلد ۳، صفحہ ۳۸۶۔　　۴ کشف المحجوب، صفحہ ۳۴۳۔
۵ کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۷۔

وقت مجھ پر ایسا تھا کہ زمین اور آسمان والے میری حیرت پر روتے تھے اور پھر ایسا وقت آیا کہ مجھے ان کی غیبت پر رونا پڑا، اور ابھی مجھے نہ ان کی خبر ہوتی ہے اور نہ اپنی۔ یہ حضوری کی طرف عمدہ اشارہ ہے۔[1] علامہ اقبالؒ نے بھی اسی طرح خود کو نہ پانے کے متعلق کلام فرمایا ہے کہ ۔

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبالؔ اپنے آپ کو — آپ ہی گویا مسافر، آپ ہی منزل ہوں میں

(ب د: ۱۰۷)

مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبالؔ کو دیکھوں — کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانی

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا — گہرا ہے میرے بحرِ خیالات کا پانی

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے — کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

(ب د: ۶۰)

اسی اقبالؔ کی میں جستجو کرتا رہا برسوں — بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہین زیرِ دام آیا

(ب ج: ۳۵۰)

آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنی ذات سے غائب ہونا حضورِ حق کی راہ ہے اگر منزل پر پہنچ جائے، یعنی حضور حاصل ہو جائے تو راہ درکار نہیں ہوتی۔ غیب کا حاصل حضور ہے اور غیبت بے حضور بیکار ہے۔ غیبت حضور کے لئے ذریعہ ہے اور مقصود کے حاصل ہونے کے بعد ذریعۂ کار کی ضرورت نہیں رہتی۔ فرماتے ہیں غائب وہ نہیں جو اپنے شہر سے غائب ہو بلکہ غائب وہ ہے جو ہر آرزو سے غائب ہو۔ حاضر وہ نہیں جس کی آرزو نہ ہو۔ حاضر وہ ہے جس کے دل میں دو رنگی نہ ہو اور اس کی آرزو فقط ذاتِ باری تعالیٰ ہو۔

حضرت حسین بن منصور حلاجؒ

آپؒ فرماتے ہیں کہ قدیم ہونے کی صفت تو صرف اللہ کے لئے ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس چیز کا ظہور بذریعہ جسم ہوتا ہے اس کے لئے عرض کا ہونا ضروری ہے۔ جس کا اجتماع ساز و سامان کے ساتھ ہوگا اس کے قویٰ اسے پکڑے ہوئے ہوں گے۔ جسے وقت نے جمع کیا اسے وقت ہی جدا کرے گا۔ جس کے وجود کا قیام کسی اور چیز پر موقوف ہو اسے اس شے کی ضرورت لاحق ہوگی (اور دوسرے کا محتاج رہے گا) جس پر وہم فتح پائے اس کی تصویر ممکن ہے۔ جو کسی محل میں پناہ گزین ہو وہ "اَیْنَ" کے ادراک میں ہے۔ جس چیز کی جنس ہوگی اس کا طالب کیفیت کا مالک ہوگا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نہ تو "فَوْقْ" کے زیرِ سایہ ہے اور نہ "تَحْتَ" کے ماتحت ہے، نہ کوئی حد اس کا مقابل ہے، نہ کسی میں اس کی مزاحمت کی طاقت ہے اور نہ آگے پیچھے کا اس پر

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۹۸۔

اطلاق ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی کوئی نہ تھا جس نے اسے ظاہر کیا ہو اور نہ ہی بعد میں پیدا ہونے والی اشیا اس کی نفی کرسکتی ہیں۔ ''کُلُّ'' کا لفظ اس کو جمع نہیں بنا سکتا اور نہ ہی ''کَانَ'' کا لفظ اس کو وجود میں لایا ہے اور نہ ''لَیْسَ'' کی مناسبت سے فقدان سے دوچار ہوا۔ اس کے اوصاف کی کوئی صفت نہیں اور نہ ہی اس کے افعال کی کوئی علت ہے۔ اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔

مختصر یہ کہ وہ مخلوق کے تمام احوال سے منزہ اور پاک ہے۔ نہ تو اس کا مزاج مخلوق کا سا ہے اور نہ اسے اپنے افعال میں تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قدیم ہونے میں مخلوق سے اسی طرح جدا ہے جس طرح مخلوق حادث ہونے میں اس سے جدا ہے۔ اگر اس کے متعلق متیٰ (کب) سے سوال کیا جائے (تو یہ بھی سوال غلط ہوگا) اس لئے کہ وجود باری تعالیٰ وقت کے وجود سے پہلے موجود ہے۔ اور اگر ''ھو'' کا لفظ استعمال کریں تو یہ بھی غلط ہوگا کیونکہ دونوں حرف ''ھ'' اور ''و'' اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اگر ''این'' کہہ کر سوال کریں تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود خود اس کا ثبوت ہے۔ اس کی معرفت یہ ہے کہ اس کو واحد جانیں اور اسے واحد جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کی مخلوق سے اسے ممتاز اور الگ رکھیں۔ جو تصور اور اوہام میں آئے اللہ تعالیٰ اس سے مختلف ہے جن اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے شروع کیا، وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے وارد ہوسکتی ہیں۔ جن کو اللہ نے پیدا کیا وہ اللہ پر کیسے لوٹ کر آسکتی ہیں۔ نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں اور نہ ظن اسکے مقابلہ میں ٹھہر سکتا ہے۔ اس کے قریب ہونا باعث عزت ہے اور اس سے دوری ذلت ہے۔ اس کی بلندی اس طرح نہیں کہ وہ اوپر کو چڑھا ہوا ہو اور نہ اس کا آنا ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کے ذریعے ہوتا ہے۔ وہی سب سے پہلے ہے وہی سب کے بعد، وہی ظاہر بھی ہے باطن بھی، قریب بھی ہے بعید بھی، اس کی کوئی مثال نہیں، وہ سمیع اور بصیر ہے۔ جیسے ارشاد باری ہے ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ'' (الحدید: ۳)

حضرت ذوالنون مصریؒ

آپؒ نے فرمایا توحید یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام اشیاء میں طبیعت کے تابع نہیں ہے اور نہ ہی اشیاء کی ایجاد میں وہ کسی سبب کا محتاج ہے۔ ہر چیز کا سبب اس کی صناعیت ہے اور اس کی صناعیت کا کوئی سبب نہیں ہے۔ بلند ترین آسمان میں اور پست ترین زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مدبّر نہیں اور ہر وہ چیز جو تمہارے گماں میں آئے اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

باب نمبر ۳۰

شرک کیا ہے؟

(توحید کے نظریے سے شرک کی وضاحت)

شرک ایک نظریاتی نکتہ ہے

پاکستان اور ہندوستان میں مذہبی تعصب اس قدر پھیل چکا ہے کہ ایک نظریے کے حامل دوسرے نظریے کے ماننے والوں پر کفر اور شرک کے فتوؤں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں اور اس طرح دوسرے مذاہب والوں کو یہ کہنے کا موقعہ فراہم کر دیتے ہیں کہ جب مسلمان خود ہی ایک دوسرے کو کافر اور مشرک کہنے سے گریز نہیں کرتے، تو ہمیں وہ کس منہ سے کافر اور مشرک کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو دشمنان اسلام نے آپس میں اس طرح متصادم کر دیا ہے کہ اب کفار کے لیے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے متعلق سوچنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ مسلمانوں میں کفر سازی کا یہ حربہ کفار کے کسی مہلک ترین ہتھیار سے کم نہیں۔ مسلمانوں کی اس دھینگا مشتی نے دشمنان اسلام کے لئے "New World Order" کی راہ ہموار کر کے منصوبے کو کافروں کے حوالے کر دیا ہے اور وہ اپنی اس حماقت کا احساس کرنے کے بھی قابل نہیں رہے۔

مسلمانوں کی سیاسی حالت، بین الاقوامی سطح پر جس نہج پر جا رہی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں لیکن مسلمان جان بوجھ کر ایک دوسرے سے بیزار ہوتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایسی باتیں اسلامی نظریات کے قطعاً منافی ہیں اور ان کی یہ حرکت اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے سے کم نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس قوم کو سنبھالا دینے کی کوشش کی تو اسی تعصب کی بنیاد پر علامہ اقبالؒ کو گندے انڈے اور پتھر مارے گئے اور ان کی موت بھی اسی قومی المیہ کے سبب واقع ہوئی۔ اب یہ حالت ہے کہ جس اقبالؒ نے اپنی تمام عمر مسلمانوں کو سمجھانے اور سنوارنے

میں صرف کر دی اس قوم کا ایک طبقہ اقبالؒ کا نام سننے کو بھی تیار نہیں بلکہ در پردہ ان کو برا بھلا بھی کہتا ہے اور ان کے خلاف زہر آلود تقریریں بھی کی گئیں۔

شرک اور توحید کے معنوں کو جس طرح علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں پیش کیا ہے، اس پر ایک مختصر سا جائزہ اسی باب میں پیش کر دیا گیا ہے۔ آپؒ نے جو فرمایا اس قوم نے اسے نہیں سنا، مگر آپ کہتے ہی رہے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو! تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

(ب د:۱۷)

اس امر کی وضاحت کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف فطری ہے

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہوگا اور میری اُمت غلط بات پر جمع نہیں ہوگی۔[۱] باعث رحمت کے معنی یہ ہیں کہ عقل والے مسلمان اس اختلاف سے فائدہ حاصل کریں گے۔ غلط بات پر اجتماع نہ ہونے کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا گروہ یعنی سوادِ اعظم جس بات پر متفق ہو وہ بات درست ہوگی، لیکن افسوس تو یہ ہے کہ لوگ سوادِ اعظم کو دیکھ کر بھی اس کی بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ حقیقت اس بات کی وضاحت ہے کہ لوگ ضد برائے ضد پڑے ہوتے ہیں۔ جہاں ضد ہو تو عقل اندھی ہو جاتی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حقیقت شناس دِل عطا کرے تو بندہ ایک ہی نظر میں کسی اختلافی مسئلہ کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد یا استاد نے اسے کسی غلط عقیدے پر پختہ رہنے کا سبق دیا ہو تو اسے شاید اس مسئلہ کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد بھی انکار کرنے کی جرأت ہوتی رہے گی، چنانچہ ایسا شخص لاکھ دلائل سننے کے بعد بھی کہے گا ''میں نہ مانوں'' جب آدمی اتنا ڈھیٹ واقع ہو تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟

علامہ اقبالؒ نے ''پنجابی مسلمان'' کے نام سے ایک نظم لکھی ہے جو صرف پنجابی نہیں بلکہ ہر مسلمان پر صادق آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان جہاں منزل کرنا چاہتا ہے تو خوب ڈٹ جاتا ہے۔ تحقیق یا استدلال کے معاملات میں الجھنا پسند نہیں کرتا اور اگر کوئی کسی قرآن کی آیت کا اچھوتا مفہوم ظاہر کرے تو یہ مسلمان اس کو

---

[۱] التذکرہ، جلد ۱، صفحہ ۶۴۔

فوراً تسلیم کر لیتا ہے۔ پھر اگر جم جائے تو اسے کوئی ہلا نہیں سکتا۔ فرماتے ہیں ۔

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت ۔۔۔ کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا ۔۔۔ ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندہ کوئی صیاد لگا دے ۔۔۔ یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

(ض ک:۵۲۳)

کفار کی اپنے نظریے پر اڑ جانے چکی عادت کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے کہ تم حقیقت جاننے کے بعد بھی اسلام کا انکار کرتے ہو (البقرہ:۴۲) کیا اسلامی حقیقت کو جان لینے کے بعد اس کا انکار کفار کا شعار نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب میں فرقوں کی بھرمار رہی اور مسلمانوں میں ۷۲ کی بجائے ۷۳ فرقوں کا تذکرہ تو احادیث میں بھی آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ مختلف فطرت اور مختلف طبع کے مالک ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سانپوں کی بہت سی قسمیں ہیں اسی طرح انسانوں کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جس کا ثبوت روز الست میں بھی دیکھا گیا۔ روز الست سب نے ''بلٰی'' کہا لیکن کسی نے بہت غصے میں اور کسی نے کم غصے میں اور کچھ روحوں نے خوشی خوشی تسلیم کیا (یہ مسلمانوں کی روحیں تھیں) جبکہ کچھ نیک اور بزرگ روحیں تو وجد میں آ گئیں اور کچھ نیک روحیں سجدہ ریز ہو گئیں اور بلٰی بلٰی کی آوازیں لگاتی رہیں۔ اگر کوئی کہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا جبکہ وہاں اللہ کے سوا کوئی اور نہ تھا تو اس کا جواب یہ ہے احادیث رسول ﷺ نے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے اور بعض روحوں کو تو یہ آواز اب بھی کانوں میں سنائی دیتی ہے۔ حضرت فریدؒ نے فرمایا ہے ۔

''کن فیکون'' جد ربّ فرمایا اسی بھی کولے ہاسے
''قالوا بلٰی'' اسیں کنی سنیا، کوئی گونگے بولے ناں سے
اک لامکان مقام اَساں دا ایتھے آن بتاں وچ پھاسے
نفس فرید، پلیت چا کیتا، اساں اصل پلیت تے ناں سے

معلوم ہوا کہ بلٰی کہنے میں لوگوں کا مختلف ردعمل تھا چنانچہ جس نے جیسا رویہ ظاہر کیا وہی اس کی طبیعت یا فطرت بن گئی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مذہب میں سوچ وبچار، حقائق کو دیکھ کر ان کو تسلیم کرنے اور عقائد میں حق پرستی کے جذبے کا اظہار کرنا مختلف بندوں میں مختلف ہی رہا ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ راقم

الحروف کے پاس لندن میں لوگوں کی ایک جماعت آئی جن کو وعظ و نصیحت کی گئی تو مختلف بندوں پر مختلف احوال جاری ہوئے۔ ان سب میں زیادہ اثر اس شخص پر ہوا جس نے طریقت کے راستے کو فوراً قبول کیا اور بیعت کرنے پر اصرار کیا۔ بہت عرصے کے بعد بھی اس شخص کی مستقل مزاجی، ذوق اور شوق کو دیکھ کر یہ شعر یاد آتا تھا۔

وہ پرندے جو آنکھ رکھتے ہیں سب سے پہلے اسیر ہوتے ہیں

یہ بات بھی تجربے میں آئی ہے کہ کچھ لوگ انتہائی مصیبت، مشکلات اور بدحالی میں پھنسنے کے باوجود نماز پڑھنے کا دِل میں خیال بھی نہیں لاتے حالانکہ ان کی عمر ساٹھ ستر سال سے بھی تجاوز کر چکی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو نہ تو اپنے احوال درست کرنے کا خیال آتا ہے اور نہ ہی آخرت کی دردناک سزا کا خوف ہوتا ہے۔ اب ایسے لوگوں کو کیا کہیں جن کو صحیح راستہ اختیار کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔

سب سے بڑی بات جو خون کے آنسو رلاتی ہے وہ یہ کہ امریکہ اور انگلستان میں مسلمان کی بے دینی کو دیکھا مگر جو بے دینی والحاد اور فحاشی عرب ممالک کے ٹی وی پروگراموں میں نظر آتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ رات دن عیش وعشرت، رقص وسرود اور واہیات پروگراموں میں یورپی لوگوں سے بھی زیادہ مگن ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ تمام ممالک خدائی عذاب اور قہر میں گرفتار ہیں۔ وہ قوم جو دنیا میں سب سے بہترین صلاحیتیں دے کر پیدا کی گئی تھی اور جس نے تمام دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا اور ہر طرف اپنا دبدبہ جما دیا تھا، آج وہ کس طرح کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر یہ وبال کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ علامہؒ فرماتے ہیں۔

روئیے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار!
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغِ ناصبور
مردہ عالم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہوا آدمی آزاد زنجیرِ توہم سے ہوا
غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

(ب د: ۱۳۳)

علامہ اقبالؒ نے ارمغانِ حجاز (صفحہ ۵ پر) ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں مسلمانوں کی تباہی کے لئے ابلیس نے جو اپنے مشیروں کو حکم دیا ہے اس کی عکاسی درج ذیل الفاظ میں فرمائی ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں اس طرح لڑاؤ کہ وہ کبھی بیدار نہ ہو سکیں۔

ابنِ مریم مرگیا یا زندۂ جاوید ہے — ہیں صفات ذات حق، حق سے جدا یا عینِ ذات

آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے — یا مجددّ جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات

ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم — اُمت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

کیا مسلماں کے لئے کافی نہیں اس دور میں — یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے — تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام — چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر — جو چھپا دے اسکی آنکھوں سے تماشائے حیات

ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے — پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

(اح:۶۵۶)

یہ جو ظلم و ستم مسلمانوں پر ڈھا دیئے گئے ہیں، مسلمانوں کو اس کا ذرہ برابر رنج نہیں جبھی تو عیش و عشرت کی محفلیں آج بھی گرم ہوتی ہیں۔ اس حالت میں ہونے کے باوجود مسلمان آپس میں عقیدہ آرائیوں میں گرم گفتگو ہے۔ کہتے ہیں کہ جب ہلاکو خاں نے حملہ کیا تو اس وقت بغداد میں معمولی معمولی مسائل پر بحث اور جھگڑے ہو رہے تھے (مثلاً قرآن اللہ کی مخلوق ہے یا اس کی صفت اور کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے وغیرہ) کوئی پوچھے کہ ان بحثوں میں الجھ کر مسلمانوں نے کیوں اپنی سلطنت ہلاکو خاں کے حوالے کر دی اور جن باتوں پر غور کرنے کا وقت تھا ان کو تو بالائے طاق رکھ دیا۔ افسوس ہے کہ آج بھی مسلمانوں کی بالکل وہی حالت ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو اس پر تیمور اور چنگیز جیسے سخت حاکم مقرر کر دیتا ہے۔

گو فقر بھی رکھتا ہے انداز ملوکانہ — نا پختہ ہے پرویزی بے سلطنتِ پرویز

اے حلقۂ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا — ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستا خیز

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا — اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

(ب ج:۳۱۸)

اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے تو اپنے مسائل خود حل کرو

اگر مسلمانوں کی اس بے راہ روی اور آپس میں "فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَاد" کی روئیداد بیان کریں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ راقم الحروف کا ارادہ ہے کہ ایک کتاب "عقائد اولیائے کرامؒ" کے نام سے تیار کی جائے جس میں یہ تمام فروعی مسائل کا آسان حل اور ایسی وضاحت کی جائے کہ جسے ایک بچہ بھی باآسانی سمجھ سکے۔ اس کتاب کا لکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ بیچارے مخلص اور کم علم لوگ جو معاملہ فہمی کے محتاج ہیں، کو صحیح راستہ دکھایا جا سکے اور وہ غلط بندوں کے ہتھے نہ چڑھ سکیں۔ غلط اثرات میں پختہ ہو جانے والے لوگ تو اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں گے لیکن اگر نئے لوگ اس مصیبت سے بچ جائیں تو وہ اختلافات کے پھندوں سے بچ جائیں گے۔ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ یہ مسائل ضد بضد کے سلسلے میں بہت لمبی بحثوں میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ کر تمام مسائل کو تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ مسائل ہرگز لڑائی جھگڑے کا سبب نہ بن سکیں گے۔ تعجب صرف یہ ہے کہ متصادم گروہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں اور ہر گروہ اپنا سکہ منوانا چاہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ خود اس قسم کے مسائل کا حل تلاش کریں اور ملا کو اس چکر میں نہ آنے دیں۔ یہ مسائل ایسے نہیں کہ سمجھ میں نہ آ سکیں جب کہ ائمہ اسلام کے فتوے موجود ہیں۔ علامہؒ فرماتے ہیں۔

اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم؟

(ب ج: ۳۲۵)

چند مسائل جو ہر مجلس میں زیر بحث آتے ہیں ان کے کچھ نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔ قارئین خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ خود ساختہ مسائل نہیں جن کو لوگوں نے بلاضرورت طول دے کر سیدھے سادے عوام کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ وہ مسائل حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ بیعت کا مسئلہ

راقم الحروف کی کتاب "بیعت کی تشکیل اور تربیت" میں یہ مسئلہ خوب واضح کر دیا گیا ہے کہ (نہایت اولوالعزم اولیائے کرامؒ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ بیعت جائز ہے اور اب تک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ،

معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاءؒ، بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر اکابرین بیعت کے سلسلے میں منسلک ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جن کے خلاف کوئی شخص ایک حرف کہنے کا مجاز نہیں، تو پھر دوسرا گروہ یہ کیوں کہتا ہے کہ بیعت جائز نہیں۔ آخر الذکر لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے اربعہ نے بیعت اس لئے لی تھی کہ وہ جہاد کریں اور اب بیعت کی ضرورت نہیں۔ نعوذ باللہ شاید ان کا یہ خیال ہے کہ اب جہاد کی ضرورت نہیں رہی اور ان کا خیال ہے کہ جو لوگ بیعت ہوتے رہے ان سب نے غلط کام کیا۔ "نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ"۔ حقیقتاً مخالفینِ بیعت نے دشمنانِ اسلام سے بہت بھاری رقمیں وصول کر کے بیعت کے خلاف فتوے دیے ہیں۔ جن لوگوں کی نیت اور سمجھ کا یہ حال ہو تو ان کو آپ کیا کہیں گے۔ کیا یہ ہٹ دھرمی نہیں؟ (زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں) کیونکہ اس مسئلہ کا مکمل حل ہماری تصنیف "بیعت کی تشکیل اور تربیت" میں دیا گیا ہے۔

۲۔ خدا کے سوا کسی اور سے مانگنا

براہ راست خدا سے ہی مانگنے کے حامی خیال کے لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے خود فرمایا ہے کہ "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" (یعنی مجھے پکارو! میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا) (المومن: ۶۰) قرآن کا یہ اصول تو درست ہے مگر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۶ میں کچھ شرائط بھی عائد کی گئی ہیں اور وہ یہ کہ:۔

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ	یعنی میں قبول کرتا ہوں دعا، دعا کرنے والے کی، جب
فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ	وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے، پس انہیں چاہئے کہ میرا کہا
لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرۃ: ۱۸۶)	مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔

دعا کی قبولیت کے بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ دعا مانگنے والا ایماندار ہو، اللہ کے احکام کو ماننے والا ہو، رزق حلال کھاتا ہو، کپڑے پاکیزہ ہوں وغیرہ۔ چنانچہ قرآن اور احادیث سے واضح ہے کہ جس شخص میں یہ باتیں نہ ہوں تو اللہ اس کی دعا کو نہیں سنتا۔ ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ خود کو اس سطح پر لائے یا ایسے شخص کے پاس جائے جس کی خدا بات سنتا ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم دعا مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی تو آپ نے چند وجوہ بیان فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تم خدا اور رسول اللہ ﷺ کو مانتے ہو مگر اُن کے احکام

پر نہیں چلتے۔اسی طرح قرآن کو، موت کو، جنت اور دوزخ کو مانتے ہو مگر حقیقتاً ان کو نہیں مانتے اور ان کے حقوق ادا نہیں کرتے۔نعمتیں کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے۔اپنے عیبوں کو چھپاتے ہو اور دوسروں کے عیبوں کو بیان کرتے ہو۔فرمایا اگر یہ حال ہو تو تمہاری دعائیں کیسے قبول ہوں گی۔

موضوعِ کلام پر راقم الحروف نے دو خطبات دیئے جن کا دورانیہ تین گھنٹے تھا۔اس گفتگو میں یہ بات ثابت کی گئی کہ اگر اپنی دُعا قبول نہیں ہوتی تو بزرگوں کے پاس جاؤ۔جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی بھی دُعا ایسی نہیں جو قبول نہیں ہوئی اسی لئے عبداللہ بن ابی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ اس کے لئے ہرگز دُعا نہ کریں (تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ دُعا قبول نہ ہو جبکہ آپ کی تمام دُعائیں قبول ہوتی ہیں) مگر ایک گروہ ایسا ہے کہ جو اس بات پر بضد ہے کہ کسی سے دُعا نہ کرائی جائے حالانکہ دُعا کروانا منع نہیں ہے (بلکہ احادیث میں دوسروں سے دُعا کروانے کی تاکید کی گئی ہے) اس سلسلے میں راقم الحروف کی کتاب ''حسنِ نماز'' کا ۱۲۰ صفحات پر مشتمل باب ''الدُعاء'' کا مطالعہ کریں اس میں تمام تفصیل ملے گی۔اس سے ظاہر ہوا کہ مخالفین کا گروہ مخالفت برائے مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ براہ راست خدا سے مانگو۔راقم الحروف کے پاس ایک ایس۔ڈی۔او آیا اور کئی ماہ تک بیعت کرنے کے لئے بضد رہا مگر اسے بیعت نہیں کرائی گئی کیونکہ اس میں عقیدت کی کمی نظر آ رہی تھی۔ایک دن جب اس مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی تو ناراض ہو کر مجلس سے نکل گیا اور پھر نہیں آیا۔یہ ہے ہٹ دھرمی اور ضد کی مثال۔

''کشف المحجوب'' میں ہے کہ کچھ پراگندہ لباس والے ایسے ہیں جن کی دُعا سُنی نہیں جاتی۔''مثنوی مولانا رومیؒ'' میں احادیث کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ اگر دُعا قبول نہیں ہوتی تو دوسروں سے دُعا کرواؤ۔اہلِ بیت کا کشتیٔ نوح کی طرح ہونے کا ذکر احادیث میں آیا ہے کہ جو ان کے پاس آئے تو نجات پا جائے گا۔رسول اللہ ﷺ سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قبولیت دُعا کے لیے عرض کیا تو اُن کی دُعا کبھی رد نہیں ہوئی۔ وقت کے حاکم اس سے خائف تھے کہ اگر اس نے بد دُعا کر دی تو ہم مارے جائیں گے چونکہ حضور ﷺ کی دُعا کی بدولت یہ مستجاب الدّعوات ہو گئے تھے،اس لیے سیرت نگار حضرات لکھتے ہیں کہ ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے دُعا کی ''یَا رَبِّ اِنَّ لِیْ بَنِیْنَ صِغَارًا فَاَخِّرْ عَنِّیَ الْمَوْتَ حَتّٰی

يَبْلُغُوْا فَاُخِّرَ عَنْهُ الْمَوْتُ عِشْرِيْنَ سَنَةً" ؎۱ (اے ربّ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں لہٰذا مجھ سے موت کو مؤخر کر دے، پس ان سے موت مؤخر کر دی گئی۔ اس کے بعد وہ بیس برس تک زندہ رہے۔ اولیائے کرامؒ کا ہاتھ جب اُٹھ جائے تو رد نہیں ہوتا۔ مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ تقدیر مبرم بھی ٹال دیں۔

۳۔ وسیلہ تلاش کرنے کا جواز

یہی مخصوص گروہ وسیلے کو نہیں مانتا حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ مانگا تو تین سو سال کے بعد وسیلہ مانگتے ہی دُعا قبول ہوئی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی۔

''اے رب میں تجھ سے بحق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ''اے آدم! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے جانا حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا نہیں کیا۔'' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا تھا، سو میں نے جان لیا کہ تو نے جس نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے تو وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ''اے آدم! تم نے سچ کہا وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کیونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے اس لئے میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔'' ؎۲

اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں ہوتا مگر اس نے اپنے مقبولان بارگاہ کو اپنے فضل و کرم سے حق دیا ہے اور اس فضیلت کے حق کے وسیلے سے دعا کی جاتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:-

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ اَقَامَ	جو اللہ پر ایمان لایا اور اس کے رسول پر اور نماز کو قائم
الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا	کیا اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ پر اس کا حق
عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ؎۳	ہو جاتا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے۔

؎۱ الاصابۃ، ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، حدیث ۷۵۴۵، جلد ۵، صفحہ ۶۷۳، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ۔

؎۲ السیرۃ الحلبیہ، علی بن برہان الحلبی، متوفی ۱۰۴۴، جلد ۱، صفحہ ۳۵۵، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۰ھ۔

؎۳ مسند احمد بن حنبل، حدیث ۸۴۵۵، جلد ۲، صفحہ ۳۳۹۔

فتح العزیز میں مذکورہ بالا روایت درج کی گئی ہے۔ وسیلے کے متعلق اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن کا یہاں بیان کرنا ایک مشکل امر ہے (دیکھیں حسن نماز کا صفحہ ۸۷۷ تا ۸۷۹)۔ اگر چہ یہ بیان بھی محدود ہے مگر اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات دینی کتب میں ملتی ہیں مگر ہٹ دھرم لوگوں کے پاس ایک ہی عذر ہے کہ وہ ایسی تمام روایتوں کو ضعیف قرار دے دیتے ہیں اور وسیلے کے خلاف بیان بازی کرتے ہیں حالانکہ شاہ عبد العزیزؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وسیلے کو تسلیم کیا ہے لیکن یہ بیماری جس گروہ کو ہے وہ ان بزرگوں کی وضاحت کے باوجود مسلسل چلی آرہی ہے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی نفی

یہ بحث بھی بہت طویل ہے مگر جن کو انکار کی عادت ہے ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن میں دو قسم کی آیات آئی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کہہ دیں کہ مجھے علم غیب نہیں دیا گیا (سورہ الاعراف: ۱۸۸) اس میں اس علم غیب کی نفی ہے جو کسی کو اپنی ذات سے علم غیب حاصل کرنے سے متعلق ہو یعنی خود معلوم کرے کہ یہ بات کیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ علم غیب ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ دوسرا غیب وہ ہے جو عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے عطا کر دے۔ اس کے متعلق قرآن میں بھی ثبوت ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے سورۃ البقرہ کی آیت ۴۹ میں ذکر ہے کہ وہ مٹی کے پرندوں میں جان پھونک دیتے تھے، مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور لوگوں کے گھروں میں کیا رکھا ہے اور کیا کھا کر آئے ہیں۔ ایسی سب غیب کی باتیں بتا دیتے تھے۔ پھر قرآن میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو علم غیب نہیں دیتا مگر اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے (غیب کے لئے) (سورۂ آل عمران: ۱۷۹)۔ ان سب سے واضح حکم سورہ التکویر کی آیت نمبر ۲۴ میں ہے کہ "وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ" (یعنی وہ رسول غیب کی باتیں بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے)۔ اس کے علاوہ آپ ہر وہ بات جو ازل سے ابد تک ہے بتا دیتے تھے (بہت سی احادیث اس پر شاہد ہیں) منکرین کا گروہ مانتا ہے کہ فرشتوں اور خاص طور پر عزرائیل علیہ السلام دنیا کے ہر شخص کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے اپنے سامنے تھال میں پڑی ہوئی چیزوں کو کوئی دیکھ لیتا ہے اور وہ ایک منٹ میں کتنے ہی لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں۔ یہ گروہ ایسا ہے جو ان فرشتوں کے غیب (حتیٰ کہ شہد کی مکھی پر وحی ہونے) کو تسلیم کرتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے غیب پر بضد ہے۔ راقم الحروف کو ایک شخص نے کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ غیب کی خبریں بتا دیتا تھا تو یہ غیب نہیں کیونکہ کسی

کو معلوم ہو جائے کہ میری مٹھی میں کیا ہے تو پھر اس کے لیے تو یہ غیب نہیں کہا جا سکتا۔ راقم الحروف نے کہا کہ اس طرح تو اللہ کے قبضہ قدرت میں جو کچھ ہے وہ بھی غیب نہ ہوا کیونکہ اسے سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے یہ سب کیا ہے ضد بازی ہی تو ہے۔

۵۔ استمداد از غیر اللہ

یہ مسئلہ بھی پہلے بیان کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا کسی سے کچھ نہ مانگو۔ استمداد از غیر اللہ کا مسئلہ بھی اس مسئلے سے ملتا جلتا ہے جو لوگ اس عقیدے کے قائل ہیں کہ اولیائے کرامؒ کو کسی کام کرنے یا کسی کی مدد کرنے کی طاقت نہیں ہوتی تو ان کا یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کو اپنا نائب یا خلیفہ بنایا ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کی نیابت کے تصرف کو استعمال کرنے کا مجاز ہے ورنہ گدھے اور انسان میں کیا فرق ہوا۔ انسان کو بہت سے اختیارات دیے گئے ہیں۔ یہ انسان مٹی کا ڈھیر نہیں کہ جو کچھ بھی نہ کر سکے۔

جو لوگ اولیاءؒ کی شان کو نہیں سمجھتے وہ شاید تعصب کی وجہ سے اس ضد پر قائم ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کو کوئی طاقت نہیں ہے۔ صحیح احادیث میں اس کے ثبوت ملتے ہیں کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا مقام بھی دیا جاتا ہے (کہ جب وہ فرائض اور نوافل کی عبادت میں مبالغہ کرے) تو وہ جو کہے وہ اللہ کا کہا بن جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ خدا کے ہاتھ ہوتے ہیں اور ان کے پیر خدا کے پیر بن جاتے ہیں۔[1] گویا اس کا ہر کام اللہ کے ہاتھوں سے کئے ہوئے کام کے برابر ہو جاتا ہے۔ وہ جس کو جو کہہ دیں اللہ تعالیٰ ان کی بات کو مانتا ہے۔ اس بات پر واضح دلائل ہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ اولیاء اللہؒ کو کیا تصرفات حاصل ہیں؟ اس موضوع پر مشائخ نے اپنی تصانیف میں جی کھول کر واقعات بیان کئے ہیں لیکن میں نہ مانوں کی رٹ لگانے والے ضدی لوگ عناداً ایسے تصرفات کا انکار کرتے ہیں۔ اس جگہ اتنی گنجائش نہیں کہ اولیاء اللہؒ کے تصرفات کو بیان کیا جائے۔ اگر کوئی مولانا رومؒ کی مثنوی پڑھے تو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر طاقت عطا کی ہے کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر بھی واپس کر سکتے ہیں۔ تمام صوفی شاعروں نے اپنے کلام میں اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے۔ یہاں صرف میاں محمد بخشؒ کے پنجابی کلام سے چند شعر دیئے جا رہے ہیں تفصیل کے لئے ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت وفکر اقبالؒ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۱۳۷، جلد ۵، صفحہ ۲۳۸۴۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی ۔ مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

قلم ربانی ہتھ ولی دے، لکھے جو من بھاوے ۔ مردے نوں رب طاقت بخشی لکھے لیکھ مٹاوے

مرداں دے ہتھ کارج سارے آپ خداوند سٹے ۔ دنیا باغ، ولی وچ مالی، بوٹے لاوے، پٹے

مرد ملے تے مرض گواوے اوگن دے گن کردا ۔ کامل پیر محمد بخشا، لعل بنان پتھر دا

اس سلسلے میں کہ ''اولیا اللہؒ کی مدد حقیقت میں اللہ کی مدد ہے'' کے نام سے ایک مکمل باب، مستند اقوال کے ساتھ ہماری تصنیف ''رابطہ شیخ'' میں شامل کیا گیا ہے جس کے مطالعے سے تمام اشکال دور ہو جاتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب ''کشف المحجوب''، مولانا رشید احمد گنگوہی کی ''رسالۂ مکیہ''، جلال الدین سیوطیؒ کی ''خصائص الکبریٰ''، ''انوار الاولیاء''، ''اولیائے نقشبند'' اور دیگر اولیاءؒ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے سے شاید ان لوگوں کا فہم درست ہو جائے۔ جو لوگ ابھی تک منکرین تصرفاتِ اولیاءؒ ہیں اور ان کمالات کے قائل نہیں ہوئے تو ایسے لوگ روحانیت کی اس نعمت خداوندی سے محروم رہیں گے۔

۶۔ مسائلِ متفرقہ

مذکورہ مسائل کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن کو اگر وقت مل سکا تو ''مسلک اولیاء امتؒ'' کے نام سے ایک کتاب میں نقل کیا جائے گا اور اس میں یہ حقیت افشاء کی جائے گی کہ تمام معاملات تو از خود واضح ہیں مگر متشدد لوگوں نے ان کو الجھا دیا ہے تا کہ لوگ صرف ان کی بات کو ہی مانیں اور دوسرے عقیدے کے لوگوں کے پاس نہ جائیں۔

ایک بہت کار آمد بات بیان کی جا رہی ہے کہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے کچھ مریدین نے جب آپ کی بیعت کی تو حضرت امداد اللہؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ مسلمانوں میں فساد کیوں کھڑا کرتے ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ مسائل جن میں جھگڑا ہے مجھے لکھ کر دیں تا کہ میں اپنا فیصلہ اس میں لکھ دوں۔ چنانچہ آپ نے ایک کتابچہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کے نام سے لکھا جس میں ندائے یارسول اللہ ﷺ، میلاد و فاتحہ وغیرہ کو آپؒ نے جائز قرار دیا اور لکھا ہے کہ اگر چہ ہندو بھی تیجا اور چالیسواں کرتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہ امور ایصال ثواب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہم ان تہواروں کو اسلامی طریقے سے ادا کرتے ہیں، لہٰذا اس میں کوئی قباحت نہیں مگر مذکورہ بالا مریدین نے اس فتوے کو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آپ ہمارے پیر تو ہیں لیکن دین کی بات میں ہم آپؒ

کے اس فتوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ حال ہے کہ ضد بازی میں وہ اپنے پیر کی بھی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہماری تصنیف ''سنت مبارکہ'' میں ایک مکالمہ اس بات پر دیا گیا ہے کہ قرآن سے ہر شے کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور قرآن کے نام نہاد دعوے داروں سے بھی یہ سوال کیا گیا کہ آپ قرآن سے ہر نماز کے فرائض وسنن وغیرہ کا تعین کیسے کریں گے جب تک حدیث کی مدد نہ لیں۔ پوچھا گیا کہ آپ ثابت کریں رمضان کا مہینہ ان بارہ مہینوں میں کونسے نمبر پر ہے؟ تو وہ صاحب جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ ایسے معاملات میں حدیث کی مدد لی جاتی ہے مگر ایک ایسا گروہ بھی وجود میں آچکا ہے کہ جو حدیث کا انکار کرتا ہے (اس کی مکمل بحث ہماری مذکورہ کتاب ''سنت مبارکہ'' میں کی گئی ہے)۔

قبروں پہ جانا چاہیے یا نہیں اس کا فیصلہ احادیث اور مذکورہ بالا بزرگوں کے اشعار اور اقوال سے کیا جاسکتا ہے مگر منکرین تو ایک معمولی مولوی کی خاطر کسی بڑے سے بڑے ولی اور مشائخِ عظام کی تحریروں کو نہیں مانتے اور تمام بڑے بڑے بزرگوں کا بھی انکار کردیتے ہیں۔ یہ ضد بازی ہے یا نہیں؟ اس سے تمام مسائل کا اندازہ کرلیں تو معلوم ہوگا کہ یہ ''فی سبیل اللہ فساد'' برپا کیا گیا ہے۔

ایک بہت اہم بات سامنے آتی ہے کہ شرک خفی اور جلی میں بہت فرق ہے۔ شرک جلی کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ دیا جاتا ہے (یعنی خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے والا) مگر شرک خفی کرنے والے پر کفر کا فتویٰ نہیں ہے۔ افسوس کی بات کہ صاحب ''تقویۃ الایمان'' یہ لکھتے ہیں کہ میں نے شرک خفی کو شرک جلی لکھ دیا ہے (غالباً جوش میں آکر)۔ لکھتے ہیں کہ اس سے فساد تو ضرور ہوگا مگر خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ اس بات سے اندازہ کرلیں کہ یہ حرکتیں کیا ضد بازی کی علامات نہیں؟ کیا یہ اسلام میں فساد پیدا کرنے کی بات نہیں؟ اسی لئے راقم الحروف کا یہ مشورہ ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے مسئلے ہیں ان کو اپنی سوچ بچار سے حل کرلیں۔ علامہ اقبالؒ نے ٹھیک رائے دی ہے۔

اے مسلمان اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم؟

(ب ج: ۳۲۵)

توحید اور شرک پر علامہ اقبالؒ کا کلام

عالم اسلام کی تمام برگزیدہ ہستیاں اس بات کو متفقہ طور پر تسلیم کرتی ہیں کہ علامہ اقبالؒ کا بیشتر کلام قرآن اور حدیث کی تشریح کا حامل ہے اور علامہ اقبالؒ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے قرآن اور حدیث کے سوا کچھ نہیں لکھا اور اگر لکھا ہو تو خدا مجھے جو چاہے سزا دے۔ علامہؒ نے اسلام کا پوری طرح مطالعہ فرمایا اور پھر اس کو اپنی شاعری میں سمو دیا۔ چنانچہ درج ذیل اشعار میں آپ اس حقیقت کا خود مشاہدہ فرمالیں کہ علامہ اقبالؒ کی بات کہاں تک درست ہے۔

علامہ اقبالؒ کے درج ذیل اشعار کی اس جگہ تشریح کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ مضمون اختصار کا تقاضا کر رہا ہے لہٰذا قارئین اس کو خود ہی سوچ و بچار کے ساتھ آگے بڑھائیں تو معاملہ پوری طرح سمجھ میں آجائے گا۔ اس جگہ چند عنوان قائم کئے جا رہے ہیں اور تشریح کو قارئین پر چھوڑا جا رہا ہے البتہ چند ضروری نکات کا شمول لازمی تصور کیا جا رہا ہے۔

۱۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک توحید کیا ہے (اور شرک اس کا برعکس ہے)

علامہؒ کے نزدیک توحید، توحید امم ہے یعنی تمام امت کا ایک رنگ میں رنگ لیا جانا خواہ وہ شرقی ہو یا غربی، توحید سب کے لئے اتفاق اور اتحاد کا پیغام دیتی ہے۔ اگر یہ بات نہیں تو نماز و روزہ تمام بے سود ثابت ہوتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ عرب کے سوز میں بھی مغرب کی ادا پائی جاتی ہے حالانکہ مغرب کا تو کوئی حرم ہی نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی خدا۔ ''اَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَامَوْلٰی لَھُمْ'' (محمد:۱۱) فرماتے ہیں۔

حرم کا راز توحیدِ امم ہے | عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے
کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے | تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب

(ب ج:۳۷۴)

۲۔ اصل توحید یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کی سوچ و بچار ایک ہو جائے

اس نکتے کو اس کتاب کے ایک باب میں الگ بیان کر دیا گیا ہے۔ مسلمان کی توحید یہی ہے کہ وہ ایک خدا، ایک دین، ایک قرآن، ایک شریعت، ایک اُسوۂ حسنہ، ایک حرم اور ایک ایمان کے پاسبان ہو جائیں۔ اگر ایسا نہیں تو یہی شرک ہے۔ آپ جواب شکوہ میں فرماتے ہیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک　　ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک　　کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں　　کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

(ب د:۲۰۲)

۳۔توحید وحدتِ افکار اور وحدتِ کردار کا نام ہے

''ہندی اسلام'' نامی نظم میں علامہؒ فرماتے ہیں ملت اسلامیہ وحدت افکار اور وحدت کردار سے قائم ہوسکتی ہے اور اس کے حصول کے لئے مسلمانوں کو اپنی قوت میں اضافہ کرنا ضروری ہے۔ جو توحید کی مددگار ثابت ہوتی ہے۔فرماتے ہیں کہ اگر توحید نہ ہو تو مسلمان کا مقام خود مسلمان سے پوشیدہ رہتا ہے۔

روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو　　خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
آہ اس راز سے واقف ہے نہ مُلا نہ فقیہہ　　وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام

(ض ک:۴۸۷)

فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے پاس عصا نہ ہوتا تو ان کی کلیمی بھی بے بنیاد ثابت ہوتی۔عصا سے مراد قوت اور طاقت ہے۔وحدتِ افکار کا مطلب یہ ہے کہ سب قوم کا نظریۂ فکر ایک ہو جائے اور کردار بھی سب کا ایک نقطے پر گھومتا ہو۔

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت　　وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو　　آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل　　جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید　　جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد (ض ک:۴۹۷)
مُلا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت　　ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد (ض ک:۴۹۸)
رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم　　عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد (ب ج:۳۶۲)

۴۔امتیاز رنگ و بو کو توڑنا اصل توحید ہے

یہ مضمون اس باب میں الگ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اصل اسلام یہ نہیں کہ جو بات اپنی سمجھ سے باہر ہو

تو اس کو شرک اور کفر سے تعبیر کر کے فتویٰ صادر کر دیا جائے بلکہ توحید یہ ہے کہ توحید کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اسلام کہتا ہے کہ کسی امیر کو غریب پر، کسی گورے کو کالے پر، کسی آقا کو غلام پر اور کسی بڑے رئیس کو چھوٹے آدمی پر فوقیت حاصل نہیں، بلکہ فوقیت تقوی اور پرہیز گاری کو قائم کرنے میں ہے۔ ایسے امتیاز رنگ و بو کو تو عام لوگ روا رکھتے ہیں اور اس کو شرک تصور نہیں کرتے۔ بڑے بڑے فتوے لگانے والے اس طرف کبھی دھیان نہیں دیتے اور ایسی باتوں پر فتوے لگا دیتے ہیں جو ان کے ناقص خیال میں شرک ہے (خواہ وہ شرک ان کی اپنی اختراع ہی کیوں نہ ہو) علامہؒ فرماتے ہیں۔

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

(ب ج:۳۱۴)

علامہؒ ایک اور جگہ "سلطان ٹیپو" نامی نظم میں شرک کے معاملات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

کھویا نہ جا صنم کدہ کائنات میں	محفل گداز گرمئ محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرائیلؑ نے	جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے	شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

(ض ک:۵۳۵)

۵۔ اگر کسی کے دماغ میں شرک بھرا ہو تو کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا

علامہؒ فرماتے ہیں کہ توحید کوئی اتنی مشکل بات نہیں جو سمجھ میں نہ آسکے لیکن اگر کوئی شخص اپنے دماغ میں جائز باتوں کو بھی شرک سمجھتا ہو تو اس کو کیا کہئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نا اہل شخص خود مشرک اور مشرک گر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو مشرک یا کافر کہے تو دونوں میں سے ایک مشرک یا کافر ضرور ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے کسی مشرک یا کافر کو صحیح مشرک یا کافر کہا تو واقعی جس کو کہا وہ کافر یا مشرک ہوگا ورنہ اگر کہنے والے نے غلط کہا تو وہ خود کافر یا مشرک ہو جائے گا کیونکہ مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "لاالٰہ الا اللہ"، میں محبت اور شوق کی خوشبو بھری ہوئی ہے۔ کلمہ گو کو کافر اور مشرک کہنا تو اس شیخ یا فقیہہ کا کام ہے کہ جو صحیح اندازہ کرنے سے قاصر ہے یا پھر متعصب ہے۔ علامہ اقبالؒ نے نکتہ توحید میں لکھا ہے۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے — ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لَا اِلٰہَ میں ہے — طریقِ شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے
سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے — تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
مقامِ فقر ہے کتنا بلند شاہی سے — روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے

(ض ک:۵۱۵)

۶۔اللہ تعالیٰ کا توحید سے یہ منشاء ہے کہ قبیلوں اور رسوم کے بت توڑ دیئے جائیں

علامہؒ فرماتے کہ اس شخص کا نگینہ جھوٹا ہے جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں اور قوموں اور قبیلوں کے بتوں کو توڑ نہیں دیتا۔ ہمیں خدا کا یہی حکم ہے کہ ایسی توحید کو دنیا بھر میں پھیلا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کو محاصرہ فلسطین پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے فلسطین میں بلایا کیونکہ یہود یہ کہتے تھے کہ آپ اپنے حاکم کو ہمارے سامنے لائیں اور اگر اس میں وہ خوبیاں پائی گئیں جو ہماری کتاب میں لکھی گئی ہیں تو ہم قلعے کی چابیاں بغیر جنگ کے آپ کے حوالے کر دیں گے، چنانچہ حضرت عمرؓ اس لئے چلے گئے کہ شاید ان کے جانے سے لوگوں کی جانیں بچ جائیں۔ جب آپؓ مدینے شریف سے روانہ ہوئے تو ساتھ ایک خادم کو لے لیا اور اسے کہا کہ ایک منزل کی مسافت پر میں اونٹ پر سوار ہو کر چلوں گا اور ایک منزل تم اونٹ پر سوار ہو کر چلنا۔ چنانچہ شہر میں پہنچے تو ایک جمِ غفیر آپ کے انتظار میں تھا اور سب نے یہ منظر دیکھا کہ خلیفۃ الرسول امیر المومنین حضرت عمرؓ اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے تھے اور خادم اونٹ پر سوار تھا۔ لوگ اسی بات سے مطمئن ہو گئے کہ یہ شخص ہی قسطنطنیہ اور فلسطین کا مالک ہوگا۔

روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ کے چوغے میں ۸۰ پیوند لگے ہوئے ہیں تو آپ نے ان کے لئے ایک لباس اعلیٰ تیار کیا تھا، آپ کے لیے پیش کیا مگر حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت خالدؓ نے عرض کی جناب اس میں ہماری قوم کا وقار ہے اگر آپ پہن لیں تو بہتر ہوگا، چنانچہ آپ نے حضرت خالدؓ کی درخواست قبول فرمالی اور اسی پرانے چوغے کے اوپر نیا چوغہ پہن لیا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے ایک عربی نسل کا اعلیٰ گھوڑا پیش کیا کہ

آپ اس پر سوار ہو کر اہل یہود کے پاس بات کرنے کے لئے جائیں۔ ان کے اصرار پر آپ نے گھوڑے پر بیٹھنا بھی قبول کر لیا لیکن آپ گھوڑے پر بیٹھے تو وہ گھوڑا (اس بات پر نازاں تھا کہ اس پر حضور ﷺ کی اُمت کے دوسرے خلیفہ بیٹھے ہیں) اور آپ کے بیٹھتے ہی نہایت تفاخرانہ طریقے سے رقص کرنا شروع کر دیا جو حضرت عمرؓ کو پسند نہ آیا کیونکہ اس میں تکبر کا انداز پایا جاتا تھا۔ اس رقص کو دیکھ کر آپ غضبناک ہو گئے اور کہا کہ میں اس گھوڑے پر سواری نہیں کروں گا۔ اس غصے میں آپ نے وہ چوغہ بھی اتار دیا جو ان کے لئے تیار کیا گیا تھا اور اسی پرانے چوغے میں یہودی سرداروں کے پاس چلے گئے۔ جب انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا تو قلعہ کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔

علامہ اقبالؒ کے درج ذیل اشعار میں یہی معنی پوشیدہ ہیں اور دنیا میں توحید کو بے حجاب کرنے کے لئے حضرت عمرؓ کا رویہ فتح باب (یعنی دروازہ کھولنے) کی ایک مثال ہے۔ آپ کے دیگر بہت سے اعمال اسی توحید کو پیش کرتے ہیں جن کا ذکر اس جگہ طوالت کا باعث بنے گا۔ افسوس ہے کہ آج کے لوگ توحید کی حقیقت کو تو جانتے نہیں مگر شرک پر نظر ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں کام شرک سے منسلک ہیں حالانکہ ان کا شرک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں — زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگیں
رُسومِ کہن کے سلاسل کو توڑ — بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب — یہی دینِ محکم یہی فتحِ باب

(ب ج: ۴۴۴)

۷۔ توحید یہ نہیں کہ بغل میں چھری اور منہ میں رام رام

ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ خود تو شرک کے کاموں میں رات دن الجھے رہتے ہیں اور شرک جن باتوں میں ظاہر اور باہر ہوتا ہے اس سے چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ معاملہ انکے فہم و ادراک سے بالاتر ہے کہ توحید سے یہ لوگ صرف یہی مراد لیتے ہیں کہ کوئی شخص کسی بزرگ سے دعا کروا لے تو یہ عین شرک ہے اور کسی سے اولاد کے لئے تعویذ لینا یا دعا کروانا بھی شرک ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کیا کیا طاقتیں بخش رکھی ہیں۔ بہت سے لوگوں کو بزرگوں کی دعا سے اولاد کے ملنے کے مستند واقعات موجود ہیں (جن

کا یہاں بیان کرنا طوالت کا سبب بنے گا)۔

دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو خواہشات کے بت زیر بغل ہونے کو شرک تصور نہیں کیا جاتا۔ بڑے لوگوں سے امیدیں باندھنا تو عام طور پر دیکھا گیا ہے مگر یہ شرک نہیں تصور کیا جاتا۔ شادیوں پر رسم حنا بندی یا مہندی کی واہیات رسموں کو بہت سے شرک گرماتے ہیں۔ دنیا بھر کے فیشن تقریباً ہر فتویٰ شرک دینے والے کے گھر میں موجود ہوتے ہیں۔ ہر گھر میں ٹی وی پر ناچ، گانے اور واہیات پروگرام بھی دیکھے جاتے ہیں مگر اس کو شرک نہیں سمجھتے۔ پیسے کے لالچ اور اس کی پوجا کو بھی کوئی شرک نہیں سمجھتا حالانکہ ایسے بہت سے لوگ جو فتوے لگاتے ہیں خود اس لالچ میں گرفتار ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

از منات و لات و عزیٰ و ہبل ہر یکے دارد بتے اندر بغل

(ار:۱۶۷)

(آج ہر مسلمان اپنی بغل میں لات و منات و عزیٰ جیسے بہت سے بت لئے بیٹھا ہے)

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

(ب د:۷۳)

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

(ب ج:۳۴۰)

اس موضوع پر گہری نظر سے دیکھا جائے تو شاید ہی کوئی شخص شرک سے محفوظ نظر آئے گا۔ علامہؒ کا اور بہت سا کلام اس پر دلالت کرتا ہے مگر تنگی قرطاس کے باعث اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

۸۔ یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

بندۂ خدا کبھی بندۂ زمانہ نہیں بن سکتا۔ مسلمان لا الہ کا وارث ہے اس کا کردار قاہرانہ اور گفتار دلبرانہ ہو تو یہ بندۂ خدا بنتا ہے۔ جب سے مسلمان کا یہ انداز ختم ہوا اس وقت سے اس کا دنیا میں دبدبہ ختم ہو گیا۔

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

اے لَا اِلٰہَ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں گفتارِ دلبرانہ، کردارِ قاہرانہ

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

(ب ج:۳۴۶)

۹۔ مال و دولت دنیا کا بے جا حصول بھی شرک میں شامل ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام جہاں بتکدہ بنا ہوا ہے۔ متاع غرور، فریب سود و زیاں، دنیا کے مال و دولت کی ہوس اور کنبہ پروری یہ تمام بت ہیں جو لوگوں نے اپنے سینوں میں پال رکھے ہیں۔ علامہؒ نے فرمایا ہے۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے — صنم کدہ ہے جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
(ض ک: ۴۷۷)

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا — فریب سود و زیاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند — بتانِ وہم و گماں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں — مجھے ہے حکمِ اذاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
(ض ک: ۴۷۸)

۱۰۔ مسلمان توحید کے لمبے لمبے دعوے کرتے ہیں، مگر ان کے دلوں میں زنار موجود رہتے ہیں

درج ذیل اشعار میں جو کچھ علامہؒ نے فرمایا ہے وہ از خود ظاہر ہے۔ جن چیزوں کی ان میں نشاندہی کی گئی ہے وہ شرک کے سوا اور کیا ہے مگر اہل شرک کو یہ چیزیں محسوس تک نہیں ہوتیں۔ علامہؒ نے فرمایا۔

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش — مگر دل ابھی تک ہے زنّار پوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام — بتانِ عجم کے پجاری تمام،
(ب ج: ۴۱۵)

حقیقت خرافات میں کھو گئی، — یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب — مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا — لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد — محبت میں یکتا، حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے — مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے
(ب ج: ۴۱۶)

۱۱۔ وطن کو خدا کی طرح ماننا شرک ہے اور اس کی مخالفت پر علامہؒ کو سخت اذیت دی گئی

یہ داستان طویل ہے۔ مگر اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ وطن مسلمان کے لئے ایمان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ مسلمان کا ایمان یہ ہے کہ۔

جہاں جا کے جھنڈے کو گاڑا وطن ہے

علامہؒ نے اس بات پر سخت تنقید فرمائی ہے کہ مصر و شام ہماری رہگذر ہوسکتی ہیں لیکن منزلیں نہیں ہیں۔ وطن مسلمانوں کے لئے مختص نہیں۔ ہمارا وطن تو وہ ہے جہاں سے انسان کو نکالا گیا۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور ساقی نے بنا کی روش لطفِ و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
(ب د: ۱۶۰)

کچھ لوگوں نے مسجدوں میں ہندوؤں کو منبر پر بٹھا کر یہ بیان دیا کہ ہم پہلے ہندی ہیں اور پھر مسلمان یا ہندو یا سکھ ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وطن سلامت ہے تو اسلام بھی سلامت ہے اور یہ نعرہ لگایا ہندو، سکھ، عیسائی سب ہیں بھائی بھائی۔ اس نظریے پر علامہؒ نے ارمغان حجاز کی آخری نظم میں اپنے تین اشعار میں سخت مذمت کی اور کہا کہ ان لوگوں نے وطن کو خدا سمجھ لیا ہے جو محمد عربی ﷺ کے دین کے خلاف ہے۔

اسلامی نظریات کے مطابق اسلام کسی مقام یا وطن میں محدود نہیں ہے اور اسلام کا اصول ہے کہ ''جہاں جا کے جھنڈے کو گاڑا وطن ہے'' مسلمان کا وطن ہر کہیں ہے۔ ملت کو وطن کے ساتھ محدود نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا نعرہ لگانے والوں کے لئے علامہؒ نے فرمایا ہے۔

سرود برسرِ منبر که ملت از وطن است چه بے خبر زمقام محمدؐ عربی است
(ا ح: ۶۹۰)

(اس نے برسر منبر یہ کہا کہ اسلام وطن کی وجہ سے قائم ہے یہ شخص کس قدر محمدؐ عربی کے مقام سے بے خبر ہے)

مذکورہ بالا تین اشعار (جن میں سے ایک شعر اوپر لکھ دیا گیا ہے) پر مخالف گروہ علامہ اقبالؒ سے بہت توہین آمیز طریقے سے پیش آیا اور کہا جاتا ہے کہ ان کی موت مخالفین کے اس رویئے کے باعث واقع ہوئی۔ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھیں ایک کتابچہ جس کا نام ہے ''علامہ اقبالؒ کا آخری معرکہ''۔

۱۲۔ وطنیت کا بت تہذیب نوی نے تراشا ہے

اور دین نبوی کے سراسر خلاف ہے

درج ذیل اشعار میں علامہؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی وطن پرستی کا بت تہذیب حاضر (یعنی یہود و نصاریٰ) نے مسلمانوں کی تباہی کے لئے گھڑا ہے اور یہ دینِ مصطفوی ﷺ تباہ کرنے کی ایک سازش ہے۔ اس شرارت کو مسلمان اب تک نہیں سمجھ سکے اور اس معاملے کو ایک دوسرے پر جھگڑا اور فساد پیدا کرنے کا بہانہ بناتے ہیں۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں توحید کے ذریعے ایک جگہ متحد کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا تو دیس ہی کوئی نہیں ''جہاں جا کے جھنڈے کو گاڑا وطن ہے'' اور جہاں جہاں پر بھی اسلام لے جائے وہی مسلمان کا دیس ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ یہی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا شعار رہا ہے اور اسی شعار کو اپنا کر دنیا پر واضح کر دینا ضروری ہے کہ ہمارا مسلک وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رہا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان اور اسلام کسی مقام میں مقید نہیں۔ یہ آزاد لوگوں کا دین ہے اور اگر وہ قید مقامی میں الجھ گئے تو اس کا نتیجہ تباہی ہے۔ مسلمان کا مسلک دریا کی مچھلی کی طرح آزاد رہنا ہے، وہ قید مقام کو نہیں اپناتی۔ ان تمام باتوں کے علاوہ حضور ﷺ کی سنت ہے کہ وہ ایک جگہ مقید نہیں رہے۔ کبھی اپنے وطن کو ترک کرنے سے گریز نہیں کیا۔ مکہ معظمہ کس قدر عزیز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمیں کھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے مختلف جنگوں پر جانے کے لئے اپنے وطن کو ترک کرنے سے گریز نہیں کیا۔

اسی وطنیت کی نظم میں آپؒ نے فرمایا! خطے اور علاقہ جات کی تمیز یا امتیاز قائم کرنے سے مخلوق خدا گروہوں اور علاقوں میں بٹ جاتی ہے اور ایسا کرنے سے اسلامی قومیت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ ''وطنیت'' نامی نظم میں فرماتے ہیں۔

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے ۔۔۔ غارت گر کاشانۂ دین نبویؐ ہے
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے ۔۔۔ اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے ۔۔۔ اے مصطفویؐ خاک میں اس بت کو ملا دے
ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی ۔۔۔ رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی

ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشاد نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے
(ب د:۱۶۱)

مسلمانوں کو توحید کی دولت سے مالا مال کیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان خدا کا دین لے کر آیا ہے اور اس توحید کو نظر میں رکھا جائے تو یہ ظلمت کی رات بہت جلد چھٹ جائے گی۔

بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے (ب د:۱۹۲)
راز اس آتش نوائی کا میرے سینے میں دیکھ جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ (ب د:۱۹۴)
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے (ب:۱۹۵)

۱۳۔ اہل اسلام کی تربیت بیت اللہ میں ہوئی لیکن دل بتکدے کا سودائی ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو بیت اللہ میں تربیت ملی لیکن ان کا دل ابھی تک دانستہ یا نادانستہ طور پر بت خانے کا سودائی ہے۔ تضمین بر شعر انیسی شاملو نامی نظم میں لکھتے ہیں۔

نہ تخم لا الہ تیری زمینِ شور سے پھوٹا زمانے بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی
ہوئی ہے تربیت آغوشِ بیت اللہ میں تیری دِل شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودائی
(ب د:۱۵۵)

وفا آموختی از ما بکارِ دیگراں کر دی ربودی گوہرے از ما نثارِ دیگراں کر دی
(تم نے ہم سے وفا سیکھی اور دوسروں کے سپرد کر دی، جو گوہر ہم سے لیا اس کو دوسروں کے سپرد کر دیا)

۱۴۔ جب تک توحید مسلمانوں کے سینوں میں ہے ان کا نام و نشان نہیں مٹایا جا سکتا

اب علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو سمجھا رہے ہیں کہ موجودہ حالات میں قوم کا علاج توحید کو سمجھنے اور اس کو اپنانے میں ہے۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے　　آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم　　سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا　　ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا
(ب د:۱۵۹)

۱۵۔عشق محمد ﷺ سے بتانِ ہستی کا علاج ہوتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مسلمانوں کو نفی ہستی (جو عین توحید ہے) کا سبق دیا۔ اگر اللہ اور رسول ﷺ کا عشق مسلمانوں کے دل میں آجائے تو ''لا'' کے نیچے سب خداؤں کی نفی کی جاسکتی ہے۔

آہ کھولا کس ادا سے تو نے راز رنگ و بو　　میں ابھی تک ہوں اسیر امتیازِ رنگ و بو
نفیٔ ہستی اک کرشمہ ہے دل آگاہ کا　　لا کے دریا میں نہاں موتی ہے اِلَّا اللہ کا
توڑ دیتا ہے بتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق　　ہوش کا دارو ہے گویا مستیٔ تسنیمِ عشق
(ب د:۱۱۴)

۱۶۔لَا اِلٰہَ کو دل میں زندہ کرنا بے دینی کا علاج ہے

علامہؒ فرماتے ہیں کہ اگر لا الہ کے معنوں کو سمجھ کر ہر خواہش نفسانی کی نفی کی جائے تو بندے کی نماز و روزہ وغیرہ کی عبادت قابل قبول ہوگی۔ دل میں اگر لاشریک لہ کا پیغام جلوہ گر ہو گیا تو مسلمان دنیا میں ایک قوت یگانہ بن سکتے ہیں۔ یہ ہے توحید جسے لوگ نہ سمجھ سکے۔

ہے مرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی　　لَا اِلٰہَ مردہ و افسردہ و بے ذوقِ نمود
ہے تری شان کے شایاں اسی مؤمن کی نماز　　جس کی تکبیر میں ہو معرکۂ بود و نبود
ہے مری بانگِ اذاں میں نہ بلندی نہ شکوہ　　کیا گوارا ہے تجھے ایسے مسلماں کا سجود
(ض ک:۵۶۷)

خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو　　کہ اس کا زخم ہے در پردہ اہتمامِ رفو
رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا　　اُتر گیا جو تیرے دِل میں لَا شَرِیکَ لَہٗ
(ض ک:۶۲۷)

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری　　رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ　　نہیں ممکن امیری بے فقیری
(ب ج:۳۷۵)

۱۷۔ خودی کی بلندی میں ہی مسلمان کی اصلاح ہے

علامہؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ حقیقتاً خدا کے بندے ہیں تو اس دنیا میں ان کے سروں پر خلافت کا تاج رکھا جاتا ہے، لہٰذا ایسی باتوں کو چھوڑ کر عزم بلند پیدا کرو تو زمانے کی رفعتیں تمہارے قدم چومیں گی۔

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل　　یہی ہے تیرے لئے اب صلاحِ کار کی راہ

برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر　　یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

(ب ج: ۳۳۸)

تو اے مولائے یثرب ﷺ آپ میری چارہ سازی کر　　میری دانش ہے افرنگی، میرا ایماں ہے زناری

(ب ج: ۳۴۰)

مذکورہ بالا تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی اصل یہ ہے کہ مسلمان اپنی خواہشات کے بتوں کی پوجا سے باز رہے اور ان تقاضوں کو پورا کرے جس کی فقہ اسلامی یا شریعت نے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے۔ توحید صرف چند رسموں کے ترک یا اختیار کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ سچے دل سے اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا نام ہے۔

توحید اور شرک کی حقیقت

مذکورہ بالا بیانات سے توحید اور شرک کی حقیقتوں کا علم ہوتا ہے۔ احادیث اور قرآن میں بھی ان دونوں موضوعات پر واضح دلائل ملتے ہیں جن کا بیان اس کتاب کے احاطے سے باہر ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اس حقیقت کو آشکار کیا گیا ہے کہ توحید اور شرک کے غلط مفہوم سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے چہ جائے کہ اپنی غلط سوچ کے مطابق حکم لگایا جائے۔

۱۸۔ "لَا اِلٰہَ اِلَّا" ایک لغت غریب ہے
جب تک تیرا دل اس کی گواہی نہ دے

کسی کا وطن عرب ہو یا عجم، اس کی اسلام کے اعتبار سے کوئی وقعت نہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں۔[۱] قرآن نے فرمایا ہے کہ "تم میں سے کسی

[۱] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۲۳۵۳۶، جلد ۵، صفحہ ۴۱۱۔

کو قبیلوں اور ٹولوں کی وجہ سے برتری حاصل نہیں اور تم میں سے عزت اور کرامت والا وہی ہے جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو" (الحجرات: ۱۳)۔ اگر ایسا نہیں تو مسلمان کی لا الہ الا کی عبارت کوئی معنی نہیں رکھتی کیونکہ جب تک دِل اس مذکورہ صداقت پر گواہی نہ دے تو ایسا دعویٰ بے سود ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ مسلمان کو نہ تو مدرسے میں یہ تعلیم ملی اور نہ ہی ماں کی گود میں اس نے ان باتوں کو سیکھا تو پھر لا الہ الا اللہ کی صدا کہاں سے آئے گی۔

تو عرب ہو یا عجم ہو، تیرا لَا اِلٰہَ اِلَّا　　　لغت غریب، جب تک تیرا دل نہ دے گواہی
(ب ج: ۳۳۷)

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا　　　کہاں سے آئے صدا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
(ب ج: ۳۳۸)

۱۹۔ جو اپنے رازق کو نہ پہچانے تو وہ بادشاہوں کا بندہ ہے

دنیا میں بہت کم ہی مسلمان ایسے ہوں گے جو اس شرک میں مبتلا نہیں کہ انکے رزاق ان کے دنیاوی آقا ہیں۔ اگر کوئی کام ٹھیک سے نہیں کرتا تو اس کا آقا ناراض ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تو لوگ اپنے دنیوی کاموں میں کمی نہیں آنے دیتے البتہ دین اگر سارے کا سارا بھی چلا جائے تو وہ پرواہ نہیں کرتے۔ یہ لوگ آقاؤں سے جس قدر ڈرتے ہیں اس قدر خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا یہ شرک نہیں؟ قرون اولی کے لوگ بادشاہوں سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ بادشاہ ان کے ڈر کے باعث کانپتے تھے کیونکہ وہ توحید کے تقاضوں کو سمجھتے تھے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک مسجد میں نماز پڑھی تو امام صاحب نے پوچھا کہ جب آپ کوئی کام تو کرتے نہیں پھر کھاتے کہاں سے ہیں؟ فرمایا کہ پہلے مجھے اپنی وہ نماز قضاء کرنے دو جو میں نے تمہارے پیچھے پڑھی ہے کیونکہ اس شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں جو اپنے رازق کو نہیں جانتا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک　　　اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم!
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت　　　فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟
اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ　　　ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم؟
(ب ج: ۳۲۵)

خلاصۂ کلام

مذکورہ بالا نکات پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ توحید اور شرک کی وہ حیثیت نہیں جو محدود علم والوں

نے سمجھ لی ہے۔انہوں نے توحید اور شرک کو عجیب وغریب شکل دے رکھی ہے۔حقیقت توحید یہ ہے کہ ایک خدا کے سوا کسی کو خالق اور معبود نہ سمجھا جائے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں منظم طریقے سے توحید کی تعلیم کا اہتمام کیا ہے اور جولوگ اس رشتے میں پروئے گئے ہیں وہ سب بھائی بھائی ہیں۔قرآن میں ہے کہ کافر تو تمہارے بھائی بن سکتے ہی نہیں اور نہ تم ان سے دوستی رکھو۔مسلمانوں کا خدا، دین، قوم، قرآن اور دیس ایک ہے۔وہ ایک نبی کے اسوہ حسنہ پر چلنے والے ہیں اور پوری دنیا میں اپنے اتحاد (بذریعہ توحید) کا سکہ جمادیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ خدا کے دین والے ہی حکومت اور خلافت الٰہی کے قابل ہیں اور ان سے بہتر کسی کا دین نہیں۔

جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اولیاءؒ کچھ تصرف نہیں کر سکتے تو وہ لوگ خدا کی طاقت کو نہیں مانتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاءؒ کو کیا طاقت عطا کی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قدرت عطا کی ہے کہ اس کی دی ہوئی طاقت سے وہ ہر کام کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔مولانا رومیؒ نے فرمایا۔

اولیاء راہست قدرت از الٰہ　　　تیرِ جستہ باز آرندش زراہ

(۱:۱۶۶۹)

(اولیاءؒ کو اللہ کی طرف سے اس قدر طاقت ہے کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو راستے سے واپس لا سکتے ہیں)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ اولیاء اللہؒ بے بس انسانوں کی طرح نہیں بلکہ یہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا　　　نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

(ب د:۱:۲۷۱)

یہ بیان تصوف ان لوگون کے کام آسکتا ہے جن کے دل معرفت الٰہی کو سمجھنے کے قابل ہیں۔

باب نمبر ۳۱

شرک میں غلط فہمیوں کا ازالہ

جس کسی کے ذہن میں جو بات آ جائے تو فوراً اس پر فتویٰ جڑ دیتا ہے۔ ایسے فتووں کی کوئی انتہا نہیں۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اس لئے کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایسی باتوں کا علم ہونا تو صرف عالم الغیب کی شان کے لائق ہے اور یہ شان صرف اللہ کے لئے ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے قدیم ازلی علم سے مزاحم نہیں ہوتا اگرچہ علم خداوندی کی معلومات لا انتہا اور بے حد و حساب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم اس عالم میں نہیں سما سکتا۔ جہاں رسول خدا ﷺ کے علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے وہاں اس سے اسی علم کی نفی مقصود ہے کیونکہ اسرار ربوبیت اور اوصاف ربوبیت کو اس عالم سے کوئی نسبت نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس علم کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جب روح کو ذات سے محبت ہوتی ہے تو وہ ذات اس شخص سے امتیازی سلوک کرتی ہے، اسی وجہ سے حضور ﷺ کی ذات مقدس تمام عوامل کو جانتی تھی۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے ساٹھ نام حضور ﷺ کو عطا کر دیئے تھے جن میں سے دو نام رؤف اور رحیم کے بھی ہیں اور اگر حضور ﷺ کو رؤف اور رحیم کہا جائے تو یہ شرک نہ ہوگا۔ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ جھوٹ بولنے والے کے جھوٹ کو پہچان لیتے تھے اور داتا گنج بخشؒ اور دیگر لوگوں نے لکھا ہے کہ کئی بزرگ ایسے تھے کہ اگر اپنے دل میں کوئی کچھ لے کر جاتا تو ان کو معلوم ہو جاتا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

رسالہ قشیریہ میں ایک مضمون مومن کی فراست پر لکھا گیا ہے جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کی باتوں کو بزرگ پہچان لیتے تھے۔ (اولیاء کرامؒ کی فراست کے نام سے باب پہلے گزر گیا ہے)۔ حضرت جنیدؒ کے کچھ واقعات بھی اس کتاب میں نقل ہو چکے ہیں اور اسی لئے ان بزرگوں کو

"جَوَاسِیْسُ الْقُلُوْبُ"،[۱] (یعنی دلوں کے جاسوس) کہا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی ان کے پاس جائے تو کوئی برا خیال لے کر نہ جائے۔ حضرت عمرؓ کا جمعہ کے خطبہ میں حضرت ساریہؓ کو پیغام دینا مشہور ہے جب آپؓ نے فرمایا "یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل"[۲] یعنی اے ساریہ! پہاڑی کی طرف دیکھو (دشمن آ رہا ہے)۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ کو حضور ﷺ نے علم کے ۷۰ باب ایسے تعلیم فرمائے جو کسی کو بھی تعلیم نہ فرمائے گئے۔[۳]

علامہ ابوعبداللہ انصاری القرطبیؒ نے "الجامع الاحکام القرآن" میں شرک کے متعلق بہترین بحث کی ہے جو اختصار کے ساتھ یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ شرک کے تین مرتبے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی چیز کو اِلٰہ (معبود) یقین کرنا۔

(۲) کسی کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ مستقل طور پر اور بالذات (اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر) کوئی کام کر سکتا ہے اگرچہ اس کو الہ بھی نہ مانتا ہو۔

(۳) کسی کو عبادت میں شریک کرنا اور یہ ریا ہے اور یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔[۴]

افسوس کی بات ہے کہ ہر ایک شخص نے تاویلوں کے ذریعے تصورِ اسلام کو تباہ کر دیا ہے

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ اسلام پر مسلمانوں نے بہت ظلم کیا ہے۔ آپ کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم قرآن پاک ہے کیونکہ ہر شخص نے اسلام اور قرآنی احکام کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور بعض لوگوں نے تو قرآن کے مفہوم کو اس طرح بدل ڈالا کہ ان کی پیش کردہ تاویلوں سے جبرائیل امین بھی حیرت کناں ہیں۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے ہر نااہل شخص نے اپنی غلط تاویلوں کے باعث ہم پر دین کے راستے کو بہت تنگ کر دیا ہے۔

تنگ بر ما رهگذارِ دیں شد است　　　هر لئیمے رازدارِ دیں شد است

(دین کا راستہ ہم پر تنگ ہو گیا ہے، کیونکہ ہر کم ظرف دین کا رازدار بن بیٹھا ہے) (ار: ۱۲۵)

---

[۱] مدارج السالکین، جلد ۲، صفحہ ۴۸۵۔　[۲] کنز العمال، حدیث ۳۵۷۸۸، جلد ۲، صفحہ ۲۵۶۔

[۳] سنن الترمذی، حدیث ۳۶۰۱، جلد ۵، صفحہ ۵۸۰۔　[۴] تفسیر القرطبی، جلد ۵، صفحہ ۱۸۱۔

دین میں اسی بے جا دخل اندازی سے دین کے ہر مسئلے میں بے حد اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور لوگ کئی گروہوں میں بٹ گئے ہیں، جس کا فائدہ دشمنان اسلام کو پہنچتا ہے۔ اس اختلاف کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ تصورِ شیخ کے جواز کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر مشائخ کبارؒ نے تصورِ شیخ کو بہت مبارک اور نیک فال قرار دیا ہے لیکن کچھ علماء نے کم فہمی کے باعث شیخ کے تصور کو شرک کے زمرے میں شامل کر دیا۔ علامہ اقبالؒ اس موضوع پر فرماتے ہیں۔

زمن بر صوفی و مُلا سلامے　　　　که پیغام خدا گفتند مارا

(میری طرف سے صوفی اور ملا پر سلام ہو کیونکہ وہ ہم کو خدا کا کلام سناتے ہیں)

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت　　　　خدا و جبرئیلؑ و مصطفیؐ را

(ا ح: ۹۰۴)

(لیکن ان کی پیش کردہ تاویل حیرت میں ڈال دیتی ہے، خدا جل جلالہ کو، جبریل علیہ السلام اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو)

دین حق از کافری رسوا تر است　　　　زانکه مُلا مومنِ کافر گر است

(ج ن: ۶۶۴)

(دینِ حق کافری سے زیادہ رسوا ہو گیا ہے، کیونکہ مُلا ایک ایسا مومن ہے جو کافر گر بن چکا ہے)

آخر کار علامہ اقبالؒ نے فتوؤں سے تنگ آ کر حسبِ ذیل اشعار کہے۔

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے　　　　نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق

حلقۂ شوق میں جرأتِ اندیشہ کہاں　　　　آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں　　　　ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(ض ک: ۴۸۴)

توحید کو خوامخواہ شرک کے ساتھ ملانا، فساد پیدا کرنا اور ظلم ہے

مسلمانوں نے ہر بات میں ناحق اختلاف ڈال کر اس کی اصل صورت کو بگاڑ دیا ہے۔ جو لوگ شرک کی بے جا تاویلات کر رہے ہیں وہ اپنے آپ پر اور مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ اسلام میں توحید کو اولیں حیثیت حاصل ہے۔ صرف ایک خدا کو معبود مان لینا ہی توحید نہیں اور نہ ہی توحید صرف بتوں کی پوجا نہ کرنے کا نام ہے بلکہ توحید کے دائرے میں اور بھی ایسے تقاضے شامل ہیں جن کو ہم روزمرہ زندگی میں عام طور پر محسوس بھی نہیں کرتے اور ان کو شرک تصور نہیں کرتے۔ حدیث میں ہے کہ شرک چیونٹی سے بھی زیادہ باریک ہے [1] کیونکہ یہ عام لوگوں کو

[1] مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۱۸۷۸۱، جلد ۴۰، صفحہ ۹۸۔

محسوس نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ، بزرگوں سے دعائے استمداد اوران کی توجہات طلب کرنے کو بھی توحید کے منافی تصور کرتے ہیں حالانکہ کسی ولی اللہ کے پاس لوگوں کا دعا کے لئے جانا توحید کے منافی کیونکر ہوسکتا ہے؟ (اس سلسلے میں قارئین کی سہولت کے لئے ہماری کتاب ''رابطہ شیخ'' کے آخر میں ''اولیاء اللہؒ کی امداد حقیقتاً اللہ کی امداد ہے'' پرایک مفصل باب شامل کردیا گیا ہے)۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ جو باتیں توحید کی اصل ہیں ان کے متعلق نہ تو علماء اور نہ فقہا کی ایک اچھی خاصی جماعت توجہ دیتی ہے اور نہ ہی عوام کو توحید کے اس پہلو سے روشناس کیا جاتا ہے۔کون نہیں جانتا کہ سلاطین وقت امراء، وزراء، صاحب حیثیت اور متمول حضرات سے توقعات وابستہ کرنا، مقتدر طبقے سے خائف رہنا، سونے چاندی اور مال ومنال کی محبت میں گرفتار ہونا، نفس کی خواہشات کی تکمیل میں منہمک رہنا، حاکموں کی خوشنودی کیلئے ان کے دروازوں کا طواف کرنا اور چند ٹکوں کے لئے یہود ونصاریٰ کی قصیدہ گوئی کرنا وغیرہ یہ سب امور شرک میں شامل ہیں اور توحید کے سخت منافی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت حاصل کرنے کے لئے پیدا فرمایا اور وہ اپنی عبادت، معرفت اور محبت میں کسی کی شرکت کو پسند نہیں فرماتا، حتیٰ کہ نماز کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی طرف توجہ کرنا خدا کی محبت اور توجہ کے منافی ہونے کے باعث شرک کی ایک بہت واضح صورت ہے۔ ایک حدیث پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ ایسے نمازی سے اعراض فرمالیتا ہے جو نماز میں اپنی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی اور شے کو بنالے[1] کیونکہ اس نے اس شے کو رب تعالیٰ کا شریک بنالیا۔نمازی کی توجہ ہٹانے کی خاطر شیطان نمازی کے دل پر قبضہ کرلیتا ہے اوراس کی نماز میں لازمی طور پر خلل ڈالتا اور نسیان لاحق کردیتا ہے۔قرآن میں نفسانی خواہشات کی طرف مائل ہونے والوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ جو اپنی خواہشات میں گرفتار ہیں انہوں نے اپنے نفوس کو خدا بنالیا ہے۔ (دیکھئے سورہ الجاثیہ آیت ۲۳) سورہ ابراہیم کی آیت ۳۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا موجود ہے جس میں انہوں نے خود اپنے لئے اوراپنی اولاد کے لئے بتوں کی پوجا نہ کرنے سے پناہ مانگی ہے۔یہاں پتھر کے بتوں کی پوجا سے پناہ نہیں مانگی جارہی بلکہ سونے چاندی کے بتوں کی پوجا کرنے سے پناہ مانگی جارہی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اوران کی اولاد سے پتھر کے بتوں کی پوجا کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔آج اگر ہماری نمازوں میں اثر نہیں پایا جاتا تو اس کی وجہ یہی بت پرستی ہے۔انسان کی سب سے زیادہ آبرو والی چیز اسکی پیشانی ہے اوراگر یہ خدا کے سامنے جھکنے کے بعد امراء کے سامنے بھی جھک جائے تو ایسے سجدے کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے اور نماز

[1] الوبل العیب، ابوعبداللہ شمس الدین الدمشقی، متوفی ۷۵۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

سے متوقع اثرات اس نمازی میں کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں؟ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

از منات و لات و عزیٰ و ہبل ہر یکے دارد بتے اندر بغل!

(ار:۱۶۷)

(آج ہر مسلمان اپنی بغل میں لات و منات و عزیٰ و ہبل جیسے بت رکھتا ہے)

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تو نے (ب د:۷۳)

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے (ب ج:۳۴۰)

صفاتِ الٰہی سے منسوب کرنا شرک نہیں

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بقول حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ، اللہ تعالیٰ نے اپنے ساٹھ نام رسول اللہ ﷺ کو عطا فرما دیے ہیں چنانچہ ان ناموں سے آپ کو موسوم کرنا شرک نہیں ہے۔ ''تربیت العشاق'' میں سید محمد ذوقیؒ لکھتے ہیں کہ ملک الموت مختلف مقامات پر لاکھوں آدمیوں کی روحوں کو بیک وقت قبض کرتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ دنیا کو اس طرح دیکھتے تھے جس طرح کوئی اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہے۔ اس پر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ لوگ ان کو خدا کے برابر بنا دیتے ہیں۔ ذوقی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ادنیٰ سے بندوں کا کام ہے۔ قطب وقت کے سامنے بھی دنیا ہتھیلی پر رکھے ہوئے تل کی طرح ہوتی ہے اور جسے چاہیں وہ اس کو دکھا بھی سکتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی ''کشف المحجوب'' میں ''معجزہ اور کرامت'' کے باب میں لکھا ہے کہ اہل طریقت میں مشہور ہے کہ اوتاد ہر شب میں تمام جہان کی سیر کرتے ہیں اور اس سیر میں جو جگہ انکی سیر سے رہ جاتی ہے وہاں لازمی طور پر خلل واقع ہوتا ہے۔ وہ اسی وقت قطب کو اس بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں تا کہ وہ اپنی توجہ اور ہمت اس طرف مبذول کرے تا کہ وہ خلل ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ زائل فرما دے۔[1] ذوقی صاحب بجا طور پر فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کو کیوں اتنا نیچے گھسیٹتے ہو۔ ملک الموت تو تمام دنیا کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے کوئی اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں ہے جسے ملک الموت دن میں پانچ بار نہ دیکھ لیتے ہوں۔ تمہارے گھر کے لوگوں کو تو وہ تم سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔[2] تو کیا وہ ان صفات کی وجہ سے خدا کے برابر ہو گئے؟ بلکہ یہ قدرت ان کو اللہ نے عطا کی ہے۔

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۴۵۱۔ [2] کشف الخفاء، جلد ۲، صفحہ ۵۵۱۔

ذوقی صاحب نے مذکورہ کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے ذمے تقسیم رزق کی خدمت ہے۔ وہ بھی تمام جانوروں، حتیٰ کہ چیونٹیوں اور کیڑوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ اب کیا وہ ان صفات کی وجہ سے خدا کے برابر ہو گئے۔ یہ قدرت ان کو اللہ نے ہی عطا کی ہے۔ یہ اللہ کے خادم ہیں اور انسان کا رتبہ تو فرشتوں سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ وہ تو اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ خلیفے میں اللہ کے کمالات کا منعکس ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ میرے اخلاق پیدا کرو۔ [1] تمام انسانوں میں افضل جماعت تو انبیاء کی ہوتی ہے اور تمام انبیاء سے افضل، بلاشک و شبہ حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ ذوقی صاحب فرماتے ہیں کہ بعض لوگ تو حضور ﷺ کے متعلق ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جن سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ آپ کی جن باتوں سے وہ تضحیک کرتے ہیں ان کو یہاں لکھنا بھی زیب نہیں دیتا۔

احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ" [2] (یعنی مجھے زمینوں کے سارے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں)۔ ایسے الزامات تو بے سمجھ اور کفار لوگ آپ پر لگاتے تھے کہ نعوذ باللہ! آپ مفلس، نادار اور بالکل بے بس ہیں۔ کاش کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھ سے دیکھتے۔ سورہ والضحیٰ کو پڑھ کر دیکھیں تو حضور ﷺ کی شان واضح ہوتی ہے۔

ارواح کے متعلق علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ "تو اس چیز کو تسلیم کرنے میں تنگ دل نہ ہو کہ جب ارواح ملا اعلیٰ میں ہوں اور جنت میں سیر و سیاحت میں مصروف ہوں تو وہ کس طرح قبر پر آنے والے کے سلام کا جواب دیتی ہیں۔ علامہؒ نے بڑی شرح و بسط سے ثابت کیا ہے کہ روح کے لئے یہ بعد مکانی اور مسافت کی دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ وہ ایک لمحہ میں ملا الاعلیٰ سے زمین پر اور زمین سے اعلیٰ علیین تک آ سکتی ہیں اور جا سکتی ہیں۔ [3]

حضرت شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک قوم کو زہریلی مکھی کو سجدہ کرتے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ ان سجدہ کرنے والوں کے دل میں شرک کی نجاست پاتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں کے دلوں میں شرک کی بو تک نہیں پاتا۔ انہوں نے مکھی کو قبلہ بنایا ہے مگر اس کو اس کی ذات پر قائم رکھا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اب تم نے توحید کا راز پالیا"، لیکن کچھ لوگ ذرا سی بات پر بھی شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ تربیت عشاق میں ذوقی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ

[1] تفسیر الکبیر، جلد ۷، صفحہ ۶۰۔

[2] مسند الرویانی، محمد بن ہارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، حدیث ۱۷۹، جلد ۱، صفحہ ۱۵۷، مؤسسۃ قرطبہ، القاہرۃ، ۱۴۱۶ھ۔

[3] کتاب الروح، مترجم علامہ حافظ ابن قیم، جلد ۱، صفحہ ۹۶، نفیس اکیڈمی، لاہور۔

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا "لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ دَمِیْ"[1] (تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون ہے)۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑے اور قدم مبارک چومنے لگے۔ قدم بوسی اور اس طرح کی دیگر محبت کی حرکات کو شرک کہہ دینا درست نہیں۔ حجر اسود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوما مگر ان کے روضے کی جالی کا چومنا تو ہمارے لائق ہے البتہ یہ فتویٰ ہے کہ چومنے کے عمل کو اگر بے ادبی تصور کرے، تو جالی کو بوسہ نہ دے۔

فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ شرک خفی البتہ ایسی باتوں میں بھی پایا جاتا ہے جہاں ہم لوگ خیال بھی نہیں کرتے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں دوائی نہ ہوتی تو مجھے شفا نہ ملتی یہ کلمۂ شرک ہے مگر اس سے کوئی اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ روایات میں ہے کہ ایک بار حضرت بایزیدؒ کے پیٹ میں درد ہوا، کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رات کو دودھ پی لیا تھا جس کی وجہ سے پیٹ میں درد ہوگیا۔ کسی نے آپ کے وصال کے بعد حضرت بایزیدؒ کو خواب میں دیکھا اور آپ کا حال پوچھا تو آپؒ نے فرمایا کہ بھائی میں تو تباہ ہوگیا تھا، مگر خدا نے اپنے کرم سے مجھے بچا لیا۔ فرمایا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوا تو اللہ نے پوچھا کہ "بایزید میرے لئے کیا لائے ہو" میں نے عرض کیا "باری تعالیٰ تو کائنات کا مالک ہے اور میں ایک عام بندہ ہوں، میری کیا حیثیت کہ میں تیرے لائق کچھ لا سکوں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے کبھی شرک نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اُذْکُرْ لَیْلَۃَ اللَّبَنِ"[2] (یعنی دودھ والی رات یاد کرو)۔ بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر مجھے بے حد شرم آئی اور میں نے اپنا سر جھکا لیا۔

درج بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اخلاق الٰہی سے متصف ہونا یا ایسے کمالات کا بندگان الٰہی میں پایا جانا جو اللہ تعالیٰ میں بھی موجود ہیں (سوائے صفات الوہیت کے) ان میں شرک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی حدود کا کوئی تعین نہیں مگر بندوں میں وہ تمام صفات ایک خاص حد تک محدود ہیں لہٰذا اللہ کی صفات سے مزاحم نہیں ہوتیں اور نہ ہی اس میں خدا کی ہمسری کا دعویٰ ہوتا ہے البتہ اللہ کے بندوں کی شان کو ظاہر کرنا بھی اللہ ہی کی شان کی بلندی کو ظاہر کرتا ہے۔

---

[1] اخبار المکین، احمد بن زھیر بن حرب، متوفی ۲۷۹ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۰، دار الوطن ریاض، ۱۹۹۷ء۔

[2] التعرف، جلد ۱، صفحہ ۱۵۰۔

جب خدا کی بلندی کا تعین ہی نہیں

تو کسی کو اس سے بڑا کیسے کہا جا سکتا ہے

عام فتویٰ دینے والے لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر کوئی فلاں بات کہے تو اس نے اپنے آپ کو یا کسی بزرگ کو خدا سے بڑا بنا دیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ خدا کا مقام کتنا بڑا اور کتنا اونچا ہے کہ کسی نے کسی کو اس مقام سے اونچا کر دیا ہے۔ جب خدا کے مقام کی کوئی حد ہی نہیں تو اس کے مقام کے اوپر کسی کو لے جانے کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کیا خدا کی اونچائی کسی بڑے مکان کے کمرے کی طرح محدود ہے جس کے اوپر کسی کے جانے سے شرک ہو جاتا ہے۔ "**لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ**" بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ کے بندوں کی شان بہت بلند ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر بندہ اتنا بڑا ہے تو اس بندے کے خدا کا مقام تو اس سے بھی بڑا ہوگا۔ اگر کسی شخص کا کوئی ملازم بہت ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا ہو تو اس سے مطلب یہ لیا جائے گا کہ اس کا آقا اور مالک تو بہت ہی بڑا ہوگا۔ ایسی باتوں سے صرف جھگڑے کی بنیاد تو قائم ہو جاتی ہے مگر یہ بات کس قدر نامناسب ہے کہ امت میں خواہ مخواہ انتشار پیدا کیا جائے۔

یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا (حقیقی توحید)

لوگوں نے توحید کو غلط سمجھا ہے اور جس کو توحید سمجھا وہ اصل میں توحید نہیں ہے۔ شرک چیونٹی سے بھی زیادہ باریک ہے۔ توحید کا سمجھنا اور شرک کا سمجھنا بڑا مشکل ہے کیونکہ "اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ" حقیقت کو سمجھنے کے بغیر ہی لوگوں نے بہت آسانی سے یہ کہہ دیا کہ کسی ولی اللہ کے پاس جو لوگ مرادیں لے کر جاتے ہیں تو وہ شرک کرتے ہیں کیونکہ مرادیں تو اللہ کے پاس ہی لے جانا جائز ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ بزرگوں کی تبلیغ انہی دکھی لوگوں کے دکھ دور کرنے سے ہی چلتی ہے اور اللہ نے ان کو یہ طاقت دی ہے کہ وہ لوگوں کے دکھ دور کریں۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ ایسے پیر کو ندی میں بہا دینا چاہیئے جو مرید کی مشکلات نان ونفقہ کو مٹا نہ سکے اور پھر اسے واصل باللہ نہ کروا دے۔

مرشد اوہ پھڑیئے جیہڑا دو جگ خوشی دکھاوے ھُو
اول غم ٹکڑے دا میٹے، وت رب دا راہ سمجھاوے ھُو
کلر والی کندھی نوں چا چاندی خاص بناوے ھُو
جس مرشد ایتھے کجھ نہ کیتا اس نوں ندی رڑھا ایئے ھُو

حقیقت تو یہ ہے کہ توحید کے لئے بہت مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔اس کے لئے نفس کی جنگ معاشرے کی جنگ، محنت شاقہ کے بعد بلند مراتب حاصل کر کے اپنے تصرف سے دنیا والوں سے جہاد کرنا اور وہ تمام مشقتیں اٹھانا ہوتی ہیں جو ایک ولی اللہ کیلئے لازمی ہوتی ہیں۔یہ تصرف جب حاصل ہو جائے تو پھر لوگوں کی اصلاح کرنا توحید کا مقصد بن جاتا ہے، مشقت یہ ہے کہ انسان اپنی عبادت اور ریاضت سے لباس غیر کو اتار دے اور روح کی اصلاح کرے۔

حضرت عبدالعزیز دباغؒ نے خزینہ معارف (ابریز) میں ایک بہت طویل مضمون لکھوایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی روح اور جسم کے درمیان ایک پردہ ہے، جو عبادات اور روحانی عملیات سے اٹھ جاتا ہے اور اس پردے کے اٹھ جانے سے اسے بہت سے مغیبات اور عالم ملکوت پر اطلاع حاصل ہو جاتی ہے۔ روح کے لئے یہ تمام مشاہدات حاصل کر لینا کوئی خاص مشکل نہیں لیکن انسان ان چیزوں کا مشاہدہ اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک مذکورہ بالا حجاب نہ اٹھ جائے۔[1]

علامہ اقبالؒ نے لباس غیر کے دنیاوی تقاضوں کو خودی کے طلسم رنگ و بو سے تشبیہہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ اس طلسم کو توڑ دینا ہی مقصود توحید ہے۔آپؒ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ انسان نے اپنے وجود کی ضروریات کو بھی خدا تسلیم کر رکھا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کے حصول میں دن رات مشغول رہتا ہے۔ دنیا کے بتوں کی پوجا میں مصروف رہتے ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد شدہ حقوق کی پرواہ نہیں کرتا۔آپؒ نے فرمایا کہ ہم میں سے الا ماشاء اللہ ہر ایک کی بغل میں کوئی نہ کوئی بت ضرور موجود رہتا ہے (ھر یکے دار دبتے اندر بغل) اصل توحید یہ ہے کہ پتھروں کے بتوں کی پوجا ترک کرنے کے ساتھ ساتھ خواہشات کے بتوں کی پوجا کو بھی ترک کیا جائے۔علامہؒ فرماتے ہیں کہ یہی خواہشات کا ترک ہی اصل توحید ہے جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا۔

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا (ب ج:۳۱۴)

نگہ پیدا کر اے غافل! تجلی عین فطرت ہے کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا (ب ج:۳۱۴)

نہ کر تقلید اے جبریلؑ! میرے جذب و مستی کی تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ (ب ج:۳۱۵)

---

[1] خزینہ معارف، جلد ا، صفحہ ۱۶۳۔

احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوٹے سے چھوٹے شرک کو بھی پسند نہیں فرماتا۔ آج کل کے تنگ نظر علماء شرک سے مراد یہ لیتے ہیں کہ اگر کسی پیر سے دعا کروائی جائے یا کسی کے نام پر کھانا کھلایا جائے تو یہ شرک میں شامل ہو جاتا ہے حالانکہ یہ شرک نہیں۔ پتھر کے بتوں کو تو آج کل غیر مذاہب والے بھی نہیں مانتے۔ محمد ذوقیؒ نے ''تربیت عشاق'' میں، اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ ایسا شرک اب اٹھ چکا ہے، چنانچہ شرک کے متعلق ایسی بات کرنا بے معنی ہے۔ صوفیائے کرامؒ کے نزدیک شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں جو بات شامل ہو وہ کسی اور کو دی جائے، مثلاً سونے چاندی کی محبت یا کسی حاکم سے خوف زدہ ہونا، حق بات کہتے ہوئے ڈرنا وغیرہ شرک کے زمرہ میں آتے ہیں لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان باتوں کو تو وہ شرک تصور نہیں کرتے اور فضول جھگڑوں میں الجھتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ ''یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا۔'' حضرت حسن بصریؒ کی ایک روایت میں ہے کہ نمازی جب نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے آ جاتا ہے، لیکن ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نمازی جب نماز کے دوران اپنے دل میں دنیاوی باتوں کی طرف دھیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے کیا وہ چیز جسے تو سوچ رہا ہے مجھ سے بہتر ہے؟ اگر وہ نمازی اپنے خیالات کو اللہ کی طرف راغب نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے اور نمازی کی نماز میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔[1] راقم الحروف کا خیال ہے کہ ایک لحہ کے لئے بھی اگر خیال نماز سے ہٹ جائے تو یہ بھی شرک ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نمازی کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کرتا کہ نماز تو خدا کے لئے پڑھے اور کسی دوسرے کو اس میں شریک کیا جائے۔ ایسی باتیں اصل شرک ہیں۔

مذکورہ بالا اشعار میں اس بات کی عقدہ کشائی کی گئی ہے کہ توحید حقیقی یہی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کے بتوں کو توڑے اور ایسی نگاہ پیدا کرے جس سے تجلیات الٰہیہ کا نظارہ کر سکے کیونکہ تجلیات الٰہیہ فطرتی طور پر انسان سے جدا نہیں ہوتیں۔ اس کے ثبوت میں وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح دریا اپنی موج سے بیگانہ نہیں رہ سکتا عین اسی طرح انسان کو بھی ان تجلیات کے سمندر سے بیگانہ نہیں رہنا چاہئے جو اس کے اندر ہی موجزن رہتی ہیں، جیسا کہ قرآن نے کہا ہے ''وَفِیٓ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ'' (اور تمہارے وجود میں بھی

[1] الوہل العیب، جلد ا، صفحہ ۳۵۔

(نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتیں؟) (الذاریات:۲۱) آپؒ نے فرمایا کہ ان تجلیات کو دیکھنا انسان کا مدعا ہونا چاہئے۔ انسان ایک ایسی ہستی ہے کہ جو اگر اپنے اندر آشفتگی پیدا کر لے تو وہ اپنے اندر موجود ایک ایک ذرے کو صحرا بنانے کی استطاعت رکھتا ہے۔ انسان کے اندر ہر لمحے میں پیدا ہونے والی کیفیات میں ایک نئے جلوے کی آرزو موجود ہوتی ہے بشرطیکہ اس کا دل مضطرب اور سکون نا آشنا ہو۔ آرام سے بیٹھنا صوفی انسان کے لئے حرام تصور کیا جاتا ہے۔ اگر انسان کے دل میں عشق الٰہی کا ذوق موجود ہو تو وہ کامل تجلی پانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ انسان کو اپنے خدا کی تلاش رہتی ہے اور یہی اس کے لئے جہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ جب یہ ہاتھ آجائے تو اس سے وہ دنیا والوں کی کائنات کو بدل سکتا ہے۔ یہی تبلیغ ہے اور یہی توحید ہے لیکن لوگوں نے ان مشکلات کو برداشت کرنا ضروری نہ سمجھا اور فتوے دے دیئے کہ کسی سے مدد لینا شرک ہے۔ کسی سے دعا کروانا شرک ہے کیونکہ فتویٰ دینا آسان کام ہے۔ کرامات اور مغیبات کا ظہور کسی کی بزرگی کی دلیل نہیں ہے۔ مغیبات کا مشاہدہ اس لئے بھی ضروری نہیں کہ جب ہم روزمرہ کی زندگی میں ذات الٰہی کی تجلیات اور اس کی شان دیکھتے ہیں تو وہ ذات الٰہی کے وجود پر دلالت کرتی ہیں یعنی تجلیات جو سب لوگ دیکھتے ہیں وہ کسی پوشیدہ ذات کے مستور ہونے کی وضاحت کرتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کا سلوک اس غرض سے نہیں ہوتا کہ وہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور نوروں اور رنگوں کا معائنہ کریں۔ اس دنیا میں نظر آنے والی جتنی صورتیں ہم دیکھتے ہیں کیا یہ کوئی کم ہیں کہ کوئی غیبی صورتوں کی ہوس کرے۔ فرماتے ہیں کہ دنیا کی صورتوں میں عالم مثال کی نسبت انوار کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ میں یقین زیادہ ہو جائے تاکہ استدلال کی تنگی سے کشف کے میدان میں آجائیں اور بنی نوع انسان کی اصلاح کریں۔

نور محمدی ﷺ سے کوئی چیز محجوب نہیں

قرآن میں تخت بلقیس کے لانے کا ذکر سورہ نمل میں ہے اور حضرت آصف بن برخیاؓ نے یہ بہت بڑا سونے کا تخت آنکھ جھپکنے میں سینکڑوں میل کی مسافت سے لا کر سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔ (النمل ۲۷:۳۹) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے امتی نے اس تخت کو اتنی مسافت سے دیکھا اور پھر اسے حاضر بھی کر دیا۔ دل و دماغ اور سائنس کے علوم اس بات کو نہیں مانتے کیونکہ یہ مافوق الادراک باتیں ہیں اور ان کا علم اور حاضر کرنے کی طاقت تو ایک امتی کو بھی عطا کی گئی ہے۔ اہل عقل غور کریں کہ کیا ہمارے

رسول ﷺ کے لئے ایسے علم کا ہونا بھی شرک سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق قرآن میں یہ ذکر آیا ہے کہ انہوں نے چیونٹی کی بات کوئی میلوں سے سنا۔ کیا ہمارے نبی ﷺ نعوذ باللہ ان سے بھی کم بصیرت اور سماعت رکھتے ہیں کہ آپ دیوار کے پیچھے کی بات کو نہیں جان سکتے۔ حضرت عمرؓ سینکڑوں میل پر نہاوند میں مصروفِ جنگ ساریہ کو دیکھ کر آواز دیتے ہیں کہ "یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ"[1] (اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھ) حضور ﷺ کی اُمت میں لاکھوں کروڑوں اولیاءؒ ایسے ہوئے ہیں جن کی نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے اور جو کچھ اولیاء کو معلوم ہے (بقول عبدالعزیز دباغؒ) وہ آنحضرت ﷺ کے نورِ علم میں سے ایک بال برابر نور عطا کئے جانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ عبدالعزیز دباغؒ نے لکھا ہے کہ علم کامل اور مشاہدہ کاملہ فیضان پیغمبری میں سے ہیں۔ آپ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ علم غیب سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت سے ہے اور علم شہادت سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق مخلوقات سے ہے، لہٰذا اس علم میں وہ علوم شامل ہیں جن کا تعلق جن وانس، احوال کونین اور احوال عاقبت سے ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ علم خواہ غیب کا ہو خواہ سامنے موجود اشیاء کا، سب علم کامل میں شامل ہے اور یہ علم کامل جزو پیغمبری ہے۔ آپ نے ''ابریز'' میں علم کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ (جس کا اس کتاب میں شامل کرنا اس کی وسعت سے باہر ہے) آپ نے فرمایا کہ علم نورِ عقل اور نورِ روح ہے اور روح نورِ ذات ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس کی ذات اور روح کے درمیان سے حجاب زائل ہو چکا ہو "اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ" (الم نشرح:۱) وہ ان تمام اوصاف سے موصوف ہوتی ہے جو نور عقل کے لئے ثابت ہو چکے ہیں اور نور عقل علم ہی ہے، لہٰذا روح کی معرفت ان ساتوں انوار سے متصف ہوتی ہے جو علم میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلا جزو معرفت یعنی معلومات کا بار اٹھانا ہے (نور علم میں ادراک حقیقی شامل ہے)۔ دوسرے جزو معلومات کا ضائع نہ ہونا ہے (یعنی اس کے حق کو پہچاننا)۔ تیسرا اجزو تمام انسانوں اور حیوانوں کی زبان کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ چوتھا انجام سے واقفیت اور پانچواں ان علوم کی معرفت حاصل کرنا ہے جن کا تعلق انسانوں اور جنوں سے ہے۔ چھٹا ان علوم کی معرفت ہے جن کا تعلق کونین سے ہو اور ساتواں جزو معرفت یہ ہے کہ تمام جہات کو ایک ہی جہت میں محصور کرے، جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اِنِّی لَاَرَاکُمْ مِنْ خَلْفِی کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِی"

---

[1] کنز العمال، حدیث ۳۵۷۸۸، جلد ۱۲، صفحہ ۲۵۶۔

(یعنی میں اپنے پیچھے سے تمہیں اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے)۔ ۱؎ یہ احوال تو نور علم سے معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ان باتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے علم کا کیا حال ہوگا اور آپ ﷺ کو یہ علوم کب دیئے گئے اور آپ ﷺ کے علم کی کیا انتہا ہوگی، آپ ﷺ کو ہر فرشتے ہر شخص اور ہر چیز کے متعلق اللہ کی طرف سے علم دیا گیا ہے، غرضیکہ ستر حجابوں میں ہر حجاب اور اس کے فرشتوں، چاند، سورج، ستاروں، لوح، قلم، برزخ اور برزخ کی روحوں، ساتوں آسمانوں اور زمین کی مخلوقات اور بر و بحر کی ہر شے کا علم ہے اور یہ سب خدا کی عطا کردہ توفیق سے ہے۔ عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں اور یہی حال ان لوگوں (امتیوں) کا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کے اسرار پر مطلع کرتا ہے (تو پھر یہ غیب کہاں رہ گیا)۔ فرماتے ہیں کہ خدا کی معرفت سے پہلے نبی ﷺ کی معرفت ضروری ہے اور شیخ کی معرفت کے بغیر سید الکونین ﷺ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور شیخ کی معرفت اس وقت تک نہیں ہوتی جت تک تمام مخلوقات مرید کی نظر میں فنا نہ ہو جائے، نہ ہی کسی پر اس کی نظر جائے اور نہ خیال، سب کو مردہ تصور کرے اور ہر ایک کی طرف سے تمام توقعات کو منقطع کر لے (جس کو مذکورہ احوال میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہو تو اس کا حضور ﷺ کی شان کے متعلق ایسے گستاخانہ کلمات کہنا کوئی بعید نہیں)۔

حضور ﷺ کو علم اولین و آخرین عطا کیا گیا

سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۴ "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" کی تشریح میں علامہ آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں "اس میں علم لدنی کی طرف اشارہ ہے اور یہ وہ علم ہوتا ہے جو کسبی نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی دین ہو"۔ ۲؎

علامہ اسماعیل حقیؒ نے اس کی تشریح بہت پیارے انداز میں کی ہے۔ لکھتے ہیں "لطائف قشیری میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کی زیادتی کا سوال کیا تو انہیں خضر علیہ السلام کے حوالے کر دیا گیا اور ہمارے نبی ﷺ کو بن مانگے زیادتی علم کی دعا سکھا دی اور اپنے سوا کسی کی طرف کسب علم کے لئے جانے کی اجازت نہ دی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہستی جس نے "اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ" کے مکتب میں "وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" کا سبق پڑھا ہے وہ "عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ" کی درسگاہ میں حقائق اشیاء کی جستجو کرنے والوں کے گوش ہوش میں "فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ" کا نکتہ پہنچا سکتا ہے (یعنی جان لیا میں نے پہلے لوگوں کا اور آنے

۱؎ مشکوۃ المصابیح، حدیث ۱۱۰۰، جلد ۱، صفحہ ۳۴۳۔ ۲؎ روح المعانی، جلد ۱۶، صفحہ ۲۶۸۔

والے لوگوں کا علم)۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

علمہائے انبیاء و اولیاء — در دلش رخشندہ چوں شمس الضحیٰ

(تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم آپ ﷺ کے قلب میں چاشت کے سورج کی طرح چمک رہے ہیں)

عالمے کاموز گارش حق بود — علم اوبس کامل مطلق بود

(وہ عالم کہ جس کا استاد حق تعالیٰ ہوا۔کا علم تو بس کامل مطلق ہوتا ہے)

مدارج نبوت میں واقعہ معراج کی احادیث نقل کی گئی ہیں اور اس کتاب میں حضور ﷺ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عرش پر سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور وہ میری زبان پر گرا۔ میں نے اس چیز کو چکھا جسے کسی چکھنے والے نے کبھی اس سے زیادہ شیریں نہ چکھا ہوگا اور مجھے اولین اور آخرین کی خبریں حاصل ہوئیں اور میرا دل روشن ہوگیا اور عرش کے نور سے میری آنکھ کو ڈھانپ لیا گیا۔ اس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دل سے دیکھا اور اپنے پس پشت بھی ایسا دیکھنے لگا جیسے اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں[1]''عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ تمام مخلوقات کی عقل آپ ﷺ کی عقل کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں (اور عقل ہی چیزوں کی صفات کے علم کا نام ہے)۔اللہ تعالیٰ نے خود ہی آپ ﷺ کی تعریف فرمائی ''وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا'' (اے محبوب ﷺ آپ ﷺ جو نہ جانتے تھے اللہ نے سب آپ ﷺ کو سکھا دیا اور اللہ کا آپ ﷺ پر فضل عظیم ہے)(النساء:۱۲۳)۔ایک مسلمان کو یہی ایمان رکھنا چاہئے کہ اللہ نے آپ کو جس قدر چاہا علم دیا اس کا اندازہ کرنا ہماری وسعت سے باہر ہے۔شیخ سعدیؒ نے فرمایا ''تو درعلمش چہ دانی باش تا فردا علم گردد'' (یعنی تو ان کے علم کو جانتا ہے کہ بہت بڑا عالم بن بیٹھا ہے)۔

مسلمانوں میں باہمی تفرقہ بازی کی لعنت

اگر عقل سے کام لیا جائے تو جھگڑوں کی نوبت ہی نہیں آتی۔علامہ اقبالؒ اپنی قوم میں تفرقہ بازی فتنہ انگیز تعصّبات اور ایک دوسرے پر تکفیر کے فتوے کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ دین میں نااہل لوگوں کی مداخلت اور ناسمجھ لوگوں کی دین میں اجارہ داری ہے۔اگر وہ دین کی سمجھ رکھتے تو اس میں باہمی فسادات اور تعصّبات کی کوئی بنیاد نہ تھی۔

---

[1] سنن نسائی، احمد بن شعیب النسائی، متوفی ۳۰۳ھ، حدیث ۷۸۷، جلد ۱، صفحہ ۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۱ھ۔

لوگ توحید کی رٹ لگائے ہوئے ہیں لیکن توحید سے نا آشنا ہیں۔ فرماتے ہیں کہ توحید تو ایک خدا، ایک دین، ایک قرآن، ایک رسول ﷺ، ایک قوم، ایک فکر کی یگانگت پیدا کرنے میں ہے۔

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں

یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

(ب ج:۳۱۴)

قارئین میں سے ہر ایک نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ کسی کو اگر دین کی الف اور با بھی نہیں آتی تو وہ بھی ہر مسئلے میں ٹانگ ضرور اڑاتا ہے گویا کہ وہ مفتی اعظم سے کم نہیں (راقم الحروف نے تو مفتیوں کے فتوؤں میں بھی سخت اختلاف دیکھا ہے) ہمارے ایک عزیز فرماتے ہیں کہ وہ فرسٹ کلاس کے ڈبے میں سفر کر رہے تھے تو تین چار بڑے بڑے افسر دین پر گفتگو کرنے لگے اور پھر بحث تک نوبت آ گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے جھگڑے کو بند کرانے کے لئے مداخلت کی اور ایک ڈاکٹر صاحب (جو بہت زیادہ بحث کر رہے تھے) سے کہا کہ جناب چھوڑیے اس جھگڑے کو مجھے آپ سے ایک رائے لینا ہے کہ میں لکڑی کی ایک میز چھ فٹ لمبی اور چار فٹ چوڑی بنانا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب آپ بہت عقلمند آدمی معلوم ہوتے ہیں کیا آپ بتا سکیں گے کہ اس کے بنانے کے لئے لکڑی کتنے فٹ درکار ہوگی اور کتنی لاگت آ جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جناب میں کوئی بڑھئی تو نہیں ہوں۔ آپ اس بات کو کسی بڑھئی سے پوچھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی دینی تعلیم کی سند ہے تو اس پر انہوں نے فرمایا نہیں۔ ان سے کہا گیا کہ جب آپ کے پاس دین کا قطعاً کوئی علم نہیں تو پھر دینی مسائل پر فساد کھڑا کرنے کا کیا جواز ہے۔ یہ بات سن کر وہ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ ایسی بحثیں ہر جگہ نظر آتی ہیں خواہ کوئی جانے یا نہ جانے، دینی مسائل میں ٹانگ ضرور اڑاتا ہے۔ یہی تفرقہ بازی کی وجہ ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور مزیدار بات سنئے ہمارے ہم مرتبہ محکمہ موسمیات کے ایک ڈائریکٹر ہمارے ساتھ اکثر دینی معاملات میں جھگڑا کرتے رہتے اور پھر لوگوں کو کہا کرتے تھے کہ ہم بھی اسلام کو جانتے ہیں بلکہ ان خان صاحب سے بہتر جانتے ہیں۔ ان کے علم کا یہ حال تھا کہ اسلام کے موٹے موٹے مسائل سے بھی ناواقف تھے۔ ایک دن راقم الحروف سے پوچھنے لگے کہ خان صاحب اگر کوئی نماز قضاء ہو جائے تو سنتوں کی

قضا بھی پڑھی جائے گی یا نہیں۔ ان کو کہا گیا کہ جناب جب آپ کو اتنا بھی علم نہیں ہے تو آپ یہ کیوں کہا کرتے ہیں کہ ہم ان سے زیادہ دین اسلام جانتے ہیں۔ ہماری ایک ان پڑھ بوڑھی عزیزہ راقم الحروف کو کہا کرتی تھی کہ وہ دین کا علم تو راقم الحروف سے بھی زیادہ جانتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کوری ان پڑھ ہونے کے باعث چھوٹے چھوٹے مسائل سے بھی ناواقف تھی۔ علامہ اقبالؒ نااہل لوگوں کی مداخلت کے متعلق فرماتے ہیں۔

تنگ برما راهگذار دیں شد است　　　هر لئیمے رازدار دیں شد است

(ار:۱۲۵)

(ہر نااہل دین حق کا راز دان بن بیٹھا ہے، اس لئے ہم پر دین کی راہ تنگ ہوگئی ہے)

تفرقہ بازی کی لعنت جو عام لوگوں میں پائی جاتی ہے تو پھر علماء میں ایسی جنگ و جدال کا ہونا کون سی بڑی بات ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں دین حق اب کافری سے بھی زیادہ بدنام ہوگیا ہے کیونکہ ہمارا ملا فتوے لگانے میں بہت تیز ہے۔ اس قرآن فروش (جو معمولی باتوں پر قرآن کے معنی بدل دیتا ہے) کی غلط تاویلات سے تو جبرائیل علی علیہ السلام بھی چیخ اٹھتے ہیں۔ ملا کے سامنے قرآن کے اسرار ایسے ہیں جیسے مادر زاد اندھے کے سامنے آفتاب ہو فرماتے ہیں کہ کافر کا دین تفکر، تدبر اور جہاد ہے اور ملا کا دین فی سبیل اللہ فساد ہے۔

دینِ حق از کافری رسوا تر است　　　زانکه مُلا مومنِ کافر گر است

(دین حق کافری سے بھی زیادہ بدنام ہوگیا ہے، کیونکہ ملا مومنوں کو بھی کافر بنا دیتا ہے)

شبنمِ ما در نگاه ما یم است　　　از نگاه اُو یمِ ما شبنم است

(ہماری نگاہ میں ہماری شبنم تو دریا ہے، لیکن مُلا کی نگاہ میں ہمارا دریا بھی شبنم ہے)

از شگرفیهائے آں قرآں فروش　　　دیده اَم روح الامیں را در خروش

(اس قرآن فروش کی عجیب و غریب تاویلات سے، میں نے جبرئیلؑ کو بھی آہ و فریاد کرتے دیکھا ہے)

زاں سوئے گردوں دلش بیگانهٔ　　　نزدِ اُو امُ الکتاب افسانهٔ

(مُلا کا دِل آسمان سے ماوراء اللہ تعالیٰ سے بالکل بے خبر ہے، اس کے نزدیک قرآن افسانے کی طرح ہے)

بے نصیب از حکمتِ دینِ نبیؐ　　　آسمانش تیره از بے کوکبی

(دینِ نبی کی حکمت سے وہ بالکل بے بہرہ ہے، اس کا آسمان ستارے نہ ہونے کی وجہ سے سیاہ ہے)

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد ملت از قال و اقوالش فرد فرد

(وہ کم نگاہ، کور ذوق اور آوارہ خیال ہے، قوم اس کے نفاق انگیز اقوال سے پارہ پارہ ہے)

مکتب و مُلا و اَسرارِ کتاب کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب

(ج ن:۶۶۴)

(مُلا کے سامنے قرآن کے احکام واسرار ایسے ہیں، جیسے مادر زاد اندھے کے سامنے آفتاب ہو)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کسی نہ کسی شرک میں گرفتار ہے ہماری ہر سوچ میں ایک نیا خدا چھپا ہوا نظر آتا ہے اور ہمارے کعبہ کو لوگوں نے بُت خانہ بنا دیا ہے۔ ہر عالم اور واعظ کسی نہ کسی منصب کی لگن میں مصروف ہے۔

از منات و لات و عزیٰ و ہبل ہر یکے دارد بتے اندر بغل

(پھر، لات و منات، عزیٰ اور ہبل، جیسے بت ہر مسلمان کی بغل میں ہیں)۔

شیخ ما از برہمن کافر تر است زانکہ اُو را سومنات اندر سر است

(ار:۱۲۷)

(ہمارا مُلا تو برہمن سے بھی زیادہ کافر ہے، کیونکہ اس کے سر میں (خواہشات کا) سومنات ہے)

می تراشد فکر ما ہر دم خداوندے دگر رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

(پ م:۳۱۵)

(ہماری سوچ ہر دم ایک نیا خدا تراشتی ہے، ایک بندش سے رہائی ہوتی ہے تو دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے)

راہ مدہ در کعبہ اے پیر حرم اقبال را ہر زماں در آستیں دارد خداوندے دگر

(پ م:۳۱۶)

(اے پیر حرم اقبالؒ کو حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے، کیونکہ وہ ہر لحظہ اپنی آستیں میں اک نیا بت رکھتا ہے)

علامہؒ نے ایک اور جگہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کو یوں بیان کیا ہے۔

ساقیٔ دیرینہ را ساغر شکست بزم رندانِ حجازی بر شکست،

(پرانے ساقی کا پیمانہ ٹوٹ گیا، حجازی شراب والوں کی محفل ٹوٹ گئی)

کعبہ آباد است از اصنامِ ما خندہ زن کفر است بر اسلامِ ما

(اب کعبہ ہمارے بتوں سے آباد ہے، ہمارے اسلام پر (اہل) کفر تمسخر اڑاتے ہیں)

شیخ در عشقِ بتاں اسلام باخت رشتۂ تسبیح از زنار ساخت

(ملاؤں نے ان ہی بتوں کے عشق میں اسلام ہار دیا، اس نے زنار اپنی تسبیح کا دھاگہ بنالیا)

واعظاں هم صوفیاں منصب پرست اعتبارِ ملتِ بیضا شکست

(ار:۷۰)

(کیا واعظ اور کیا صوفی سب جاہ پرست ہیں، ملت اسلامیہ کی ساکھ منہدم ہوگئی ہے)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ اس جدوجہد والے کی روش نے مجھ پر بھی اثر ڈالا مگر ابراہیمی عشق نے میرے اندر بحرِ ذخائر کو مخفی کیا اور میری آرزؤں کے بتخانے کو حرم بنا دیا۔

سفالم را مئے او جامِ جم کرد درونِ قطرهام، پوشیده یم کرد

(اس کی شراب (محبت) کے پیالے نے میرے مٹی کے پیالے کو جامِ جمشید بنا دیا، میرے قطرے میں ایک سمندر پوشیدہ کر دیا ہے)

خرد اندر سرم بتخانہ ریخت خلیلِ عشق دیرم را حرم کرد

(پم:۲۰۹)

(عقل نے میرے سر میں بتخانہ کھڑا کر دیا ہے، لیکن میرے خلیل عشق نے میرے بتخانے کو حرم بنا دیا)

علامہؒ نے (اغیار کے) پرانے علوم کی تقلیدی روش کو اختیار کرنا مذموم قرار دیا ہے بلکہ اس کے برعکس نئے اور تخلیقی کاموں کو ترجیح دی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسائل کا حل (افلاطون اور فارابی) کی تقلید کی بجائے قرآن میں غوطہ زن ہو کر اور اپنی خودی کی صلاحیتوں میں گم ہو کر تلاش کیا جائے۔

ھزار بار نکوتر متاعِ بے بصری ز دانشے که دل او را نمی کند تصدیق

(زع:۵۰۵)

(اس سے جہالت ہزار گنا بہتر ہے، ایسا علم جس کی دل تصدیق نہیں کرتا)

به پیچ و تاب خرد گرچه لذت دگر است یقینِ ساده دلاں به زنکته هائے دقیق

(زع:۵۰۶)

(عقل کے پیچ و تاب میں اگرچہ عجیب لذت ہے، لیکن سادہ دلوں کا یقین (فلسفے کے) دقیق نکتوں سے بہتر ہے)

علامہ اقبالؒ مغرب کی روش اختیار کرنے کی بجائے اپنے بزرگوں کے علوم سے مستفید ہونا پسند کرتے ہیں کیونکہ یہ بات بہت درست ہے کہ بزرگان اسلام غلط راستے کی طرف کبھی راہنمائی نہیں کریں گے۔ یہ اولیاء اللہ علیہم الرحمۃ کے اعمال کو درست تسلیم کرنے پر دلیل بھی ہے۔

اسلام کو کمزور کرنے اور مسلمانوں کو لڑانے کیلئے ابلیس کے حربے

اسلام دشمن طاقتیں اور ابلیس کا ٹولہ جسکو انسانوں کے بہکانے کا کام دیا گیا ہے مسلمانوں کی مخالفت میں شب و روز سرگرم عمل ہیں۔ انگریز کو معلوم ہے کہ یہ شیر اگرچہ سویا ہوا ہے پھر بھی آخر شیر ہے، لٰہذا وہ ان مرے پٹے مسلمانوں سے ابھی بھی خائف ہیں۔ ابلیس اپنے چیلوں کو مسلمانوں کو غلط راہ پر لگانے کا حکم دیتا ہے اور اپنے لشکر سے ان پر حملہ کرتا ہی رہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ''ارمغانِ حجاز'' میں ابلیس کی مجلس شوریٰ کے نام سے جو کلام لکھا ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ شیطان کے مشیر اپنے آقا کو درج ذیل تاثر دیتے ہیں۔

یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج صوفی و مُلّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
طبعِ مشرق کیلئے موزوں یہی افیون تھی ورنہ قوالی سے کچھ کمتر نہیں علمِ کلام
(ا ح:۶۴۸)

ابلیس اپنے چیلوں کو خود کہتا ہے۔

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
(ا ح:۶۵۴)

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے
(ا ح:۶۵۵)

ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کیلئے کافی نہیں اس دور میں یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات
(ا ح:۶۵۶)

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے
(ا ح:۶۵۷)

دشمنانِ اسلام نے اسلام کو مٹانے کیلئے جو حربے استعمال کئے ہیں ان کا بیان بہت طویل ہے، اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں جس قدر باہمی منافرت اور فساد پھیلایا گیا ہے وہ سب کا سب کفار کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ نیچے چند ایسے نکات دیئے جا رہے ہیں جن سے یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ مسلمانوں میں اصل نفاق ان لوگوں نے پھیلایا ہے جو مسلمانوں کی قوت کو ہمیشہ مردہ یا نیم مردہ حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

(۱) مسلمانوں میں سے نماز درررہ کو رفتہ رفتہ ختم کر دیا گیا۔

(۲) قرآن میں تحریف کی زبردست کوششیں کی گئیں مگر ناکام رہیں۔

(۳) پیروں کے گروہ کو جس سے لوگ دین کی طرف گمراہی کے بعد دوبارہ آ جاتے تھے بالکل بدنام کر دیا تاکہ لوگ بے دینی کی حالت میں رہیں۔ اپنے اس موقف کو مضبوط کرنے کے لیے بعض علمائے اسلام سے فتوے دلوائے گئے کہ بیعت کی اب ضرورت نہیں رہی۔

(۴) جذبۂ جہاد کو تقریباً ختم کر دیا گیا اور بعض علماً سے فتوے دلوائے گئے کہ جہاد کی اب ضرورت نہیں رہی۔ ایک جماعت کے سربراہ نے کلکتہ میں وعظ کیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد ہرگز جائز نہیں کیونکہ وہ ہماری نمازوں اور عبادتوں کو منع نہیں کرتے اور ان کی حکومت میں ہمیں مذہب کی مکمل آزادی حاصل ہے۔
علامہ اقبالؒ نے اس گروہ کے اس غلط نظریے کے متعلق لکھا ہے کہ

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

(ب ج:۴۹۸)

(۵) گندا لٹریچر اور غیر اسلامی رسوم مسلمانوں میں جاری کی گئیں حتیٰ کہ اب عربی ممالک میں السلام علیکم کی بجائے ''صبح خیر'' کہا جاتا ہے جو گڈ مارننگ کا عربی ترجمہ ہے۔

(۶) سلطنت عثمانیہ کو توڑ کر تمام اسلامی ملکوں کو آپس میں لڑا دیا گیا۔ اب ہر مسلم ملک دوسرے مسلم ملک کا جانی دشمن ہے۔

(۷) اپنی مرضی کی سیاست، مذہب اور رسوم ہر ملک میں جاری کر دیئے گئے۔

(۸) مسلمانوں کو ہر معنی میں لاغر، سست اور اپاہج کر دیا گیا۔

(۹) کسی ملک میں کوئی تحریک دشمنانِ اسلام کی مرضی کے بغیر نہ چل سکے۔

(۱۰) مذہبی تفرقہ بازی پیدا کی گئی اور اس کیلئے غلط مذاہب کو مدد دے کر ابھارا اور صحیح فرقوں کو دبایا گیا۔

(۱۱) دیگر اور بھی بہت سے نکات ہیں جن کا ذکر ہماری تصنیف ''سرمایۂ ملت'' میں ملے گا۔

عمل میں اخلاص نہ ہو تو وہ عمل بھی ناقص ہوگا

خلوص میں فرق تو اسی وقت پیدا ہو جاتا ہے جب بچے کے ماں باپ غلط تعلیم سے متاثر ہو کر بچے کو بے دینی کی روش پر لگا دیں۔ ایسی حالت میں صدائے لا الہ الا اللہ کہاں سے نکلے گی۔ حضرت سفیان ثوریؒ کی والدہ نے آپ کو یہ تعلیم دی کہ بیٹے ایسا علم حاصل نہ کر جب تک تو اس پر عمل کرنے کی نیت نہ کر لے ورنہ قیامت کے دن وہ علم تیرے لئے وبالِ جان ہوگا۔ ایسے شخص کے سامنے حق بات کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ جب آدمی تمام کوششیں اللہ کی اطاعت میں صرف کر دے اور ذلت میں رہنا پسند کرے تو یہ اسکے مخلص ہونے کی نشانی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی مخلص اس وقت ہوتا ہے جب اسکی عبادت شیر خوار بچے کے عمل کی طرح ہو جائے کہ اسکو مدح اور مذمت کی پرواہ نہ رہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی لوگوں سے انس رکھتا ہے اس وقت تک وہ ریا سے بچ نہیں سکتا۔ لوگوں کی طرف توجہ جانے کی وجہ سے عمل ترک کر دینا شرک ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کو اچھا کہیں وہ نہ تو متقی ہے اور نہ با اخلاص۔ کسی محفل میں اپنے آپکو برا کہنا بھی ریا ہے کیونکہ وہ لوگوں سے اپنی تعریف چاہتا ہے۔ عکرمہؒ نے کہا کہ نیک نیت پیدا کرو کیونکہ ریا نیت میں داخل نہیں ہوتی۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنت میں دخول تو عمل کی وجہ سے ہے مگر جنت میں خلود (ہمیشہ رہنا نیتوں پر ہے) اپنی کتاب کی تصنیف میں بھی تعریف کی نیت نہ کرے۔ مجلس میں کسی کو اس کے رتبہ کی وجہ سے جگہ ملنا اور خرید و فروخت میں اس کی رعایت کرنا بھی اجر کو کم کر دیتا ہے۔

یحیٰی بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عالم جب دنیا کا طالب ہو تو اس کا رعب جاتا رہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ریا کی تین علامتیں ہیں۔ ایک جب اکیلا ہو تو سستی کرے (نوافل بیٹھ کر پڑھے، جلد یا دیر کیساتھ پڑھے)۔ دوئم یہ کہ جب لوگوں میں ہو تو خوش ہو۔ سوئم یہ کہ جب لوگ اسکی تعریف کریں

تو خوش ہو۔ ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو اس طرح مخفی رکھے جس طرح اپنی برائیوں کو مخفی رکھتا ہے۔

ایک بار حضرت طاؤسؒ درسِ حدیث کر رہے تھے کہ حسن بصری ﷛ ادھر سے گزرے تو ان کے کان میں فرمایا کہ اگر اتنے بڑے مجمع میں درس حدیث دینا تجھے اچھا لگتا ہے تو اٹھ کھڑا ہو وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اتنے بڑے مجمع میں وعظ دینے والا عجب (تکبر) کا شکار ہو جاتا ہے۔ نماز میں گردن جھکانے والے کو حضرت عمر ﷛ درے لگاتے اور فرماتے تیرا بھلا ہو خشوع تو دل میں ہوتا ہے۔ ابوامامہؒ اگر کسی کو نماز میں روتا دیکھتے تو فرماتے ''کیا اچھا ہوتا اگر تو گھر میں ہوتا، جہاں تجھ کو کوئی نہ دیکھتا''۔ فضیل بن عیاضؒ فرماتے کہ اگر تم کسی ریا کار کو دیکھنا چاہو تو مجھے دیکھ لو! ابوعبدالرحمٰن زاہدؒ اپنے نفس کو ملامت کرتے اور مناجات میں فرماتے کہ مجھ سے زیادہ برا کون ہوگا میں تیرے بندوں کیساتھ ظاہر میں ایمانداری اور باطن میں خیانت کا معاملہ کرتا ہوں۔ صوفیاء نے فرمایا کہ اہل اخلاص کو جب لوگ جاہل اور ریاکار کہیں اور ایسا سننے سے اگر اس کا دل خوش ہو تو وہ اخلاص میں سچا ہے اور تنگ دل ہو تو ریاکار ہے اور ایسے لوگوں کا عمل خواہ پہاڑ جتنا ہو مگر عنداللہ تو ذرے کے برابر ہوتا ہے۔

نفاقِ علم کا نتیجہ بھی تفرقہ اور فساد ہوگا

جب نیت بگڑ گئی تو نفاق پیدا ہوگا اور اہل نفاق حلاوت ایمان سے دور رہتے ہیں۔ ان سے صحیح اور غلط فیصلوں میں تمیز کرنے کی توقع نہیں ہو سکتی، وہ ہر بات میں نفس کی بات کو پسند کریں گے اور اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لئے خیال کریں گے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ سے حضرت خضر ﷤ ملے تو انکو یہ نصیحت کی کہ اس بات سے بچتے رہنا کہ تو ظاہر میں اللہ کا دوست معلوم ہو اور باطن میں اس کا دشمن کیونکہ جسکا ظاہر اور باطن یکساں نہیں وہ منافق ہے۔ یہ سن کر آپ بہت روئے۔

مروان بن محمدؒ فرماتے تھے کہ جس کی تعریف کی گئی میں اس کو اس کی تعریف سے کم تر پاتا تھا بجز حضرت وکیعؒ کے کہ میں نے ان کو ان کی تعریف سے بڑھ کر پایا۔ ابوعبداللہ الطائیؒ نے فرمایا کہ سب اعمال سے افضل مخفی گناہوں کا ترک کرنا ہے کیونکہ ایسا شخص ظاہری گناہوں کو بھی ضرور ترک کر دے گا۔ جس کا باطن

ظاہر سے افضل ہے یہ بزرگی کی علامت ہے جن کے ظاہر اور باطن یکساں ہیں یہ عدل ہے اور ظاہر کا باطن سے اچھا ہونا ظلم ہے۔ جب کوئی فقیر جھوٹ موٹ زہد کا مدعی ہو تو شیطان اس کے چاروں طرف ناچتا ہے:-

صالح المریؒ فرماتے ہیں کہ جس کا ظاہر اور باطن ایک نہ ہو اور کوئی مصیبت اس پر نازل ہو تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ مالک بن دینارؒ نے تورات کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کوئی میری اطاعت کرے گا تو میں وہاں کے بادشاہ کو اس پر رحمت بنا دوں گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو میں اس کو اس پر سخت کر دوں گا۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ علم پڑھنے والا ہر کوئی جوہر نہیں بن جاتا۔

علم دے پڑھیاں جوہر نہیں بندا جھڑے ہون ذات کمینے ھُو
پتلوں سونے کدی نہیں بندے بھانویں جڑیئے لعل نگینے ھُو
شوم کولوں کدی داد نہیں لبھدی بھانویں ہونوں لکھ خزینے ھُو
باجھوں عشق نجات نہ باہو بھانویں مریئے وچ مدینے ھُو

کسی شاعر نے ایسے داد پسند واعظوں کیلئے کہا ہے کہ:-

واعظاں کیں جلوہ ہر محراب و منبر می کنند چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند
(واعظ لوگ جو محراب و منبر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، وہ خلوت میں جاتے ہیں تو اور قسم کے کام کرتے ہیں)

جو علماء علم کو دنیا کیلئے حاصل کرتے ہیں ان سے صحیح رائے کی کیا اُمید کی جاسکتی

الا ماشاءاللہ، شاید ہی کوئی علماء کی ایک قلیل جماعت ایسی ہوگی جو دنیا میں عزت و آبرو حاصل کرنے کیلئے تعلیم حاصل نہ کرتی ہو۔ امام غزالیؒ اور دیگر مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب وہ دیکھتے کہ ان کا شاگرد حصول دنیا کیلئے تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے خود سے الگ کر دیتے اور کہتے کہ تم علم حاصل کرنے کے قابل نہیں ہو۔ ایسے لوگ چند ٹکوں پر فتوے جڑ دیتے ہیں۔ راقم الحروف نے چار پانچ علماء کو اپنی مدد کیلئے ملازم رکھا تھا اور ان میں سے ایک کو ہم نے کہا کہ تم کو جب بھی کوئی نوکری مل جائے تو چلے جاؤ۔ اس وقت تک میں تمہیں ملازمت سے برطرف نہ کرونگا۔ کچھ مہینوں کے بعد اس نے مجھ سے ایک سرٹیفکیٹ طلب کیا کہ وہ

فلاں عقیدے سے منسلک ہے اور میرا مرید بھی ہے۔

راقم الحروف نے اسے صاف جواب دے دیا کہ جب مجھے علم ہے کہ تمہارا عقیدہ ایسا نہیں اور نہ ہی میں نے تمہاری خواہش کے باوجود تمہیں اپنا مرید بنایا ہے تو میں تمہارا مطلوبہ غلط سرٹیفکیٹ کیسے دے دوں۔ وہ صاحب میرا نام استعمال کر کے مسجد کے خطیب بننا چاہتے تھے (انہوں نے ہمارے گھر سے کچھ چوریاں بھی کی تھیں)۔اب آپ خود سوچیں کہ یہ شخص کیسے اور کس قسم کے فتوے دے گا۔ چند ایام کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کسی اور شخص سے ایسا سرٹیفکیٹ لے کر اس مسجد کا خطیب بن گیا۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے علمأ کرام دیکھے جو علم وعمل میں جتنا ترقی کرتے اتنا ہی دنیا سے بے رغبت ہو جاتے اور دنیاوی متاع کو کم کر دیتے مگر آجکل کے علماء جب ترقی کرتے ہیں تو لباس، خوراک، مکان، نکاح، سواری اور خدام وغیرہ میں بھی مخصوص شناخت چاہتے ہیں۔

سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا کہ کوئی قرآن کا عامل کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ وہ رات کو سوتا ہے اور دن کو روزہ نہیں رکھتا اور حرام مشتبہ اشیاء کھاتا ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے امام مالک نے فرمایا کہ اے محمد تم اپنے عمل کو آٹا اور علم کو نمک بناؤ (یعنی علم تو ہو مگر زیادہ عمل ہو)۔

منصور بن معتمرؒ علماء کو کہتے ہیں کہ تم تو علم کا مزہ لینے والے ہو عالم نہیں کیونکہ ادھر مسائل سن کر ادھر سنانے والے ہو اور اگر علم پر عمل کرتے تو اسکی تلخی کا مزہ چکھتے اور پرہیز گاری پر آمادہ ہوتے یہاں تک کہ تمہیں کھانے کو ایک ہی روٹی ملتی۔ ربیع بن خیثمؒ فرماتے کہ ریا کار ہونا عالم کو غیر اللہ کیلئے علم سکھاتا ہے اور اس سے علم کی جڑ کٹتی ہے۔ایسے علم پر کوئی فخر کیسے کر سکتا ہے۔

ع وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں

جب بشر حافیؒ نے درس دینا ترک کر دیا تو لوگوں نے کہا کہ آپ اس ترک پر خدا کو کیا جواب دیں گے؟ جواب دیا کہ میں کہوں گا اے خدایا! تو نے اخلاص کا علم دیا تھا مگر میں نے اپنے نفس میں اخلاص نہ پایا تھا۔آپ کسی طالب کو نہ پڑھاتے تھے جب تک اسے کئی سال تک ریاضت نہ کروائیں اور یہ دیکھ نہ لیں کہ یہ نیک نیت ہے یا نہیں۔

عبداللہ بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ جو حامل قرآن ہو اور پھر بھی اس کا دل دنیا کیطرف مائل ہو تو اس

نے اللہ کی آیتوں کو کھیل تماشا بنایا۔ ابوعصمہ ؒ امام احمد بن حنبلؒ کے گھر میں تعلیم کی غرض سے آئے تو آپ نے رات کو اس کے لیے پانی کا لوٹا رکھ دیا اور صبح جب دیکھا ابو عصمہؒ نے تہجد کی نماز نہیں پڑھی تو اسے جگایا اور پوچھا کہ تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ سے علم حدیث حاصل کرنے کو۔ امامؒ نے فرمایا کہ تو علم حدیث کیسے حاصل کریگا۔ جب کہ تو تہجد نہیں پڑھتا۔ پس جدھر سے آیا ہے ادھر کا راستہ لے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ علم اور عمل جو ظاہر ہو جائے آخرت میں کم فائدہ دیتے ہیں۔

سفیان ثوریؒ ایک دن فضیل بن عیاضؒ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اے ابوعلیؒ! مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فضیلؒ نے فرمایا ''اے علماء کے گروہ میں تمہیں کیا نصیحت کروں۔ تم لوگ چراغ تھے اور شہروں میں تمہاری روشنی تھی مگر اب تم سراسر تاریکی ہو گئے ہو۔ تم ستارے تھے لوگ ظلمات جہل میں تمہارے ذریعے روشنی پاتے تھے مگر اب تم خود سرگشتہ ہو گئے ہو۔ تم حکام کے دروازوں پر جاتے ہو۔ ان کے فرشوں پر بیٹھتے اور کہتے ہو کہ فلاں ابن فلاں نے رسول اللہ ﷺ سے فلاں روایت کی ہے۔ بخدا علم ان باتوں کیلئے حاصل نہیں کیا جاتا''۔ یہ سن کر سفیان ثوریؒ اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔

سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی طالب علم اپنے علم کے ساتھ دنیا اور خواہشات میں ترقی کرتا ہے تو اسے علم نہ سکھاؤ۔ کعب احبار ؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن آئے گا کہ جاہل علم سیکھیں گے اور پھر امراء کے قریب ہونے پر فخر کریں گے۔ عالم کو اپنے علم پر خوشی کا اظہار پل صراط سے گزرنے کے بعد کرنا چاہیے ۔

مئے حرف وحدت کسے نوش کرد　　　که دنیا و عقبیٰ فراموش کرد

(جس نے اللہ کی وحدت کا جام پی لیا، اس نے دنیا و عقبیٰ کو فراموش کر دیا)

یکے پیشِ شوریدہ حالے نوشت　　　کہ دوزخ تمنا کنی یا بہشت

(کسی نے سرمست درویش کے آگے لکھا کہ تم دوزخ کی تمنا کرتے ہو یا بہشت کی)

بگفتا مپرس از من ایں ماجرا　　　پسندیدم آں او پسندد مرا

(اس نے کہا یہ معاملہ نہ پوچھ، میں تو وہ پسند کرتا ہوں جو میرا مولا میرے لئے پسند کرتا ہے)

معلوم ہوا کہ ایسے علماء جو صرف علم سے دین کی خدمت چاہتے ہیں بس وہی دین کی خدمت کے

لائق ہیں۔ باقی سب لوگ مطلب پرست ہیں۔ ان سے صحیح فتووں کی امید نہیں کی جاسکتی۔

مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ بے عملی اور تفرقہ بازی ہے

تفرقہ بازی کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ مسلمان بے عملی کا شکار ہو چکے ہیں اور بجائے اس کے قوم کو انحطاط سے نکال کر ترقی کی راہوں پر ڈالتے وہ ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا اپنا معمول بنا لیتے ہیں اور اس میں ایک دوسرے پر کفر اور شرک کے فتووں کی بھرمار ہو جاتی ہے۔ غلام محمد پرویز پر کفر کا فتویٰ لگا تو اس نے اپنی صفائی میں یہ کہا کہ کونسی جماعت ہے جس پر پانچ دس علماً نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ لوگوں نے اقبالؒ پر بھی کفر کے فتوے لگا دیئے تو غلام محمد پرویز پر اگر فتویٰ کفر لگا تو کونسی بڑی بات ہے۔ غور فرمایئے! غلام احمد قادیانی بھی یہی سمجھتے رہے کہ یہاں فتووں کی بھرمار ہے۔ آج تک فتوؤں سے کون بچ سکا ہے۔

علامہؒ نے اپنے کلام میں ظاہر کیا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں مداہنت آ گئی ہے۔ حق بات کہنے سے ڈرتے ہیں۔ حکام وقت کا بہت سے صوفیہ پر اثر اور تصرف ہے۔ لیڈر، اخبار نویس اور خود غرض پیشہ ور لوگ ذاتی منفعت کی خاطر جو چاہیں کر گزرتے ہیں۔ عوام میں جذبہ تو ہے مگر وہ مناسب راہنماؤں سے محروم ہیں۔ ایمان کا جوش تقریباً مفقود ہو چکا ہے۔

مکتب و مُلا سخن ها ساختند مومناں ایں نکته را نشناختند

(مکتب اور مُلا افسانہ ساز ہیں، مومنوں کو اس نکتہ کی پہچان نہیں)

زنده قومے بود از تاویل مُرد آتشِ او در ضمیرِ او فسرُد

(قوم جو (کبھی) زندہ تھی تاویلات سے مردہ ہوگئی، آتش ایماں اس کے ضمیر میں سرد ہوگئی)

عقل و نقل افتاد در بند هوس منبر شاں منبر کاك است و بس

(ان کی عقل و نقل ہوس کے جال میں پھنس گئی، ان کا منبر تو بس (پیٹ کی خاطر) کھانے کی چھابڑی ہے)

کارِ اقوام و ملل ناید درست از عمل بنما که حق در دستِ تست

(پ چ:۸۲۸)

(قوم اور ملت کے کام درست نہیں ہو سکتے، اپنے عمل سے دکھاؤ کہ حق تمہارے ہاتھوں میں ہے)

در حرم زاد و کلیسا را مرید پردهٔ ناموس مارا بردرید

(مسلمان) حرم میں پیدا ہوا مگر گرجے کا مرید ہے، اس نے ہماری عزت کا پردہ پھاڑ ڈالا ہے)

دامنِ او را گرفتن ابلہی بست　　　سینۂ اُو از دل روشن تہی است

(پ چ:۸۳۲)

(ایسے لوگوں کا دامن پکڑنا بیوقوفی ہے، اس کا بے نور سینہ روشن دل سے خالی ہے)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت یہ حال ہو گیا ہے کہ قوم نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے اور من مانی حرکتوں پر اتر آئے ہیں۔ جس کا جو جی چاہتا ہے حکم لگا دیتا ہے۔ اسلام کی اصل روح کو پہچاننے کی طاقت ان لاشعور اور کم علم لوگوں کو کہاں ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس قوم میں اب صحیح مسلمان پیدا ہونا بند ہو گئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ۔

آہ از قومے کہ چشم از خویش بست　　　دل بہ غیر اللہ داد، از خود گسست

(پ چ:۸۳۲)

(افسوس اس قوم پر جس نے اپنی آنکھ بند کر لی ہے، غیر اللہ کو دل دیدیا ہے اور اپنے آپ سے گئی)

گرچہ دارد لاالٰہ اندر نہاد　　　از بطونِ او مسلمانے نزاد

(پ چ:۸۳۲)

(اگرچہ اپنی ذات میں لا الٰہ رکھتا ہے، لیکن اس کے بطن سے ایک بھی مسلمان پیدا نہیں ہوتا)

اے مسلماں اندریں دیرِ کہن　　　تا کجا باشی بہ بندِ اہرمن

(پ چ:۸۳۳)

(اے مسلماں اس گمراہی کے پرانے مندر میں، شیطان کے قید و بند میں کب تک رہے گا)

جہد با توفیق و لذت در طلب　　　کس نیاید بے نیاز نیم شب

(زع:۵۷۲)

(ایسے جہد کی طلب کر جس میں توفیق اور لذت ہو، مگر کوئی شخص اسے نیم شب کی نیازمندی کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا)

از غلامی دل بہ میرد در بدن　　　از غلامی روح گردد بار تن

(غلامی سے دل بدن میں مردہ ہو جاتا ہے اور غلامی سے روح جسم پر ایک بوجھ بن جاتا ہے)

تفرقہ بازی اور لایعنی کاموں کے باعث
مسلمان بے کیف ہو چکے ہیں

علامہؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی طاقت ختم ہو چکی ہے اور دل مردہ ہو چکے ہیں۔ جو ہر اسلام ان کے دلوں سے رخصت ہو چکا ہے۔ انکا پیشہ بت گری اور دیں کافری بن چکا ہے۔

پنجہ ھائے آھنیں بے زور شد مردہ شد دل ھا و تنہا گور شد

(آہنی پنجہ اب بے زور ہو گیا ہے، دل مردہ ہو گئے ہیں اور بدن قبریں بن گئے ہیں)

دل بتدریج ازمیان سینہ رفت جوھر آئینہ از آئینہ رفت

(ار:۳۱)

(رفتہ رفتہ دل سینے کے درمیان سے نکل گیا ہے، اس آئینے کا جوہر آئینے سے رخصت ہو چکا ہے)

اقتدار و عزم و استقلال رفت اعتبار و عزت و اقبال رفت

(اقتدار اور عزم و استقلال بھی گیا (اس قوم کا) اعتبار، عزت اور اقبال بھی رخصت ہو گیا)

مومن است و پیشۂ او آذری است دین و عرفانش سراپا کافری

(یہ مسلمان تو ہے لیکن اس کا پیشہ بتگری ہے، اس کا دین اور عرفان سراپا کافری ہے)

در بدن داری اگر سوزِ حیات ہست معراجِ مسلماں در صلوات

(پ چ:۸۳۴)

(اگر تیرے بدن میں سوزِ حیات ہے تو جان لے کہ مسلمان کی معراج نماز میں ہے)

دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

اہل کفر اگرچہ اللہ کی رحمت سے دور ہیں لیکن انہوں نے اسلامی قوانین کو اپنی نظروں میں رکھا ہے۔ وحدت کردار کا نمونہ انگریزوں میں مسلمانوں کی نسبت زیادہ نمایاں ہے۔ سب اپنے ملک کے بنائے ہوئے اصولوں کی قدر کرتے ہیں اور ڈسپلن کا نمونہ ہر ایک میں پایا جاتا ہے۔ راقم الحروف امریکہ میں انکی ہر بات کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو وہ اسلام کا بہترین نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ یہ بات

دیکھنے میں آئی ہے کہ جمعرات کی شام کو محلے کے ہر گھر کے سامنے اپنے بڑے بڑے پلاسٹک کے ڈبے رکھ دیتے ہیں اور دوسرے دن صبح کو ٹرک والا ان ڈبوں سے گند نکال کر لے جاتا ہے اور خالی ڈبے چھوڑ جاتا ہے۔ جمعرات کی رات کے ۹ بجے تمام گھروں کے سامنے ڈبے رکھ دیئے جاتے ہیں جس سے وحدت کردار کا نمونہ سامنے آتا ہے۔ اگرچہ یہ کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں لیکن ان کے اپنے اصول اپنی جگہ پر متعین ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اسی لیے فرمایا کہ کافر ممالک اپنے ملک کے لئے اس قدر پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ ان کی ساکھ تمام بڑے بڑے ممالک میں قائم ہو چکی ہے اور مسلمانوں کے تمام محکمے اور خصوصاً تعلقات عامہ یعنی وزارت خارجہ اپنے ملک کے لئے ایسے کاموں سے دل چراتے ہیں جس سے ان کی ساکھ جم جائے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ کشمیریوں اور دیگر اسلامی ممالک پر اتنا ظلم ہو رہا ہو اور امریکہ یا برطانیہ ہندوستان کے پروپیگنڈے کے باعث کچھ مداخلت نہیں کرتا۔ انڈیا نے امریکہ میں اپنے .T.V کے دو چینل کھول رکھے ہیں اور کشمیر کا نظریہ اپنے مقاصد حل کرنے کیلئے کر رہے ہیں جبکہ مسلمان اپنے بھائیوں پر کفر اور شرک کے فتوے لگا رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ

دینِ کافر فکر و تدبیر و جہاد   دینِ مُلاّ فی سبیل اللہ فساد

(کافر کا دین فکر و تدبیر اور کوشش کا مجموعہ ہے اور مُلا کا دین فی سبیل اللہ فساد کرنا ہے) (ج ن:۶۶۴)

قرآن میں جہاں اپنے جیسے بندوں کو پکارنے کا کہا گیا ہے اس سے مراد بتوں کو پکارنا ہے

جو لوگ اولیائے کرامؒ کے پاس دعا کے لئے یا رفع حاجت یا ضروریات کے لئے جاتے ہیں تو وہ ان کو پکارے جانے کے زمرہ میں نہیں آتے۔ پکارنے کا مطلب ہے کہ کسی کو الٰہ سمجھ کر پکارا جائے۔ احادیث میں اولیاء اللہؒ یا خاص بندوں کو مصیبت میں پکارنے کی مثالیں ملتی ہیں جیسے کہ ایک روایت میں ہے کہ اگر متقدمین میں سے کوئی راستہ بھول جاتا تو وہ پکارا کرتا تھا "یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِی" (یعنی اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو) تو کوئی نہ کوئی بندہ آکر اس کی مشکل کو حل کر دیتا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پیر سُن ہو گیا تو آپ سے ایک شخص نے کہا کہ اپنے

کسی پیارے کو یاد کرو تو آپ نے بلند آواز سے کہا ''یا محمداہ'' (اے محمد ﷺ) تو پیر ٹھیک ہو گیا۔ [1]

مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ ایک بار ان کے کسی مرید کی کشتی بھنور میں پھنس گئی تو اس نے اپنے شیخ کو پکارا تو انہوں نے کندھا دے کر کشتی کو نکال دیا ایسا کرنے سے ان کا کندھا زخمی ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ایک اور مرید سے کہا کہ میری کمر میں درد ہے تو وہ دبانے لگا تو آپ نے کہا آہستہ دباؤ یہاں زخم ہے۔ جب دیکھا تو واقعی وہاں زخم تھا۔ پھر آپ نے اس مرید کو بتایا کہ یہ زخم تمہارے فلاں پیر بھائی کی کشتی کو سمندر کے بھنور سے نکالتے وقت لگ گیا تھا۔ (توضیح الایمان) ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت جنیدؒ کے شاگرد حضرت شبلیؒ نے جنگل میں جماعت کروائی جس میں چار ابدال بھی شامل تھے۔ نماز کے دوران حضرت شبلیؒ کے مرید کی کشتی طوفان میں پھنس گئی تو انہوں نے نماز کے دوران ہاتھ بڑھا کر اس کشتی کو نکال دیا۔ چار ابدال جو آپ کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے انہوں نے نماز توڑ کر کہا کہ ہم ملاحوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے (دیکھیے راقم الحروف کی تصنیف ''حسن نماز''، صفحہ نمبر ۲۵۴ اور تربیتِ عشاق)۔ ایسے بیشمار واقعات ملتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے زمانے کا ایک شخص جس نے آپ کے قدم مبارک کو اپنے کندھوں پر مسلط ہونا تسلیم نہیں کیا جب آپ نے فرمایا تھا ''قَدَمِی هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ'' [2] (یعنی میرا یہ قدم تمام اولیاءؒ کی گردنوں پر ہے) تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ تمہارے کندھوں پر میرا قدم نہیں تو سؤر کا قدم ہوگا۔ یہ روایت طویل ہے نتیجتاً وہ شخص ایک یہودی لڑکی پر عاشق ہو گیا اور اس کے ساتھ اس شرط سے شادی کرنے پر رضامند ہو گیا کہ وہ یہودی ہو جائے گا کیونکہ لڑکی کے باپ نے یہ بھی شرط عائد کی تھی کہ شادی کرنے سے پہلے آٹھ سال تک تمہیں ہماری خدمت کرنا ہوگی چنانچہ وہ اس یہودی کے سوروں کو جنگل میں چرانے کے لئے لے جاتا اور اگر کوئی سورنی بچہ دیتی تو اسے کندھوں پر اٹھا کر گھر لاتا۔ اس طرح شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول پورا ہوا کہ تمہاری گردن پر سور کے قدم آئیں گے۔ جس دن وہ شخص یہودی عقیدے کے مطابق رسم شادی ادا کرنے لگا اور یہودی مذہب میں آنے کی رسوم کے لئے تیار ہوا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے دور دراز علاقے سے فرمایا کہ پہلے تو وہ ولایت سے خارج ہوا تھا اور آج وہ اسلام سے بھی خارج ہو رہا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ اسے بچا لیں۔ آپ وضو فرما رہے تھے تو ایک چلو پانی اس سمت میں پھینکا جہاں وہ بیٹھا ہوا اپنا

---

[1] عمل الیوم والیلۃ، احمد بن محمد المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، حدیث ۱۶۸، جلد ۱، صفحہ ۱۴۱، دار القبلہ للثقافہ، بیروت۔

[2] الآثار المرفوعۃ، عبدالحیی الکنوی، متوفی ۱۳۰۴ھ، جلد ۱، صفحہ ۶۶، مکتبۃ الشرق، بغداد، ۱۹۸۹ھ۔

مذہب تبدیل کرنے ہی والا تھا۔ جب یہ چھینٹے پھینکے گئے تو اس کی آنکھ کھل گئی اور وہاں سے اٹھ کر بھاگ نکلا۔ بزرگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جہاں بھی ہوں اپنا تصرف ہر جگہ پر کر سکتے ہیں۔ لہٰذا انکے تصرفات میں شک نہیں ہونا چاہیے۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ جب ان کو پکارا جائے تو وہ اللہ کے دیئے ہوئے تصرف سے اپنے مریدوں کی مدد کرتے ہیں۔

سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۹۴ اور ۱۹۵ میں کافروں کے متعلق ذکر ہے ''اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ'' (جسے اللہ کے سوا تم پوجتے ہو وہ بندے ہیں تمہاری طرح کے تو تم (بیشک) پکارو انہیں پس چاہیے کہ سنیں وہ تمہاری پکار کو اگر تم سچے ہو)۔ پھر آیت نمبر ۱۹۵ میں ہے ''اَلَھُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِھَآ اَمْ لَھُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا قُلِ ادْعُوْا شُرَکَآءَ کُمْ ثُمَّ کِیْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ'' (کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے ہیں یا کیا ان کے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہیں یا کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں، آپ کہیے کہ پکارو اپنے شریکوں کو، پھر سازش کرو میرے خلاف اور مجھے مہلت مت دو)۔ آیت کے آخری حصے میں اللہ کے سوا معبودوں کے ہاتھ پاؤں ناک آنکھ اور کان نہ ہونے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتوں کی بات ہو رہی ہے کہ ان کے نہ تو ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں اور نہ ہی ناک و آنکھ اور نہ ہی کان ہوتے ہیں۔ باقی رہا سوال ''عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ'' (یعنی یہ بندے ہیں تمہاری ہی طرح کے) تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح بندھے ہوئے مجبور بندے ہیں یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم میں سے ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ اس آیت کا اطلاق پیر اور بزرگ لوگوں پر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پیر اور مشائخ کسی کی مدد نہیں کر سکتے۔ علامہ امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر بہت نفیس انداز میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ تو بتوں کے پرستار تھے اور بت پتھر اور لکڑی کے بے جان مجسمے ہوا کرتے ہیں لہٰذا ان کو ''عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ'' (تمہاری طرح کے بندے) نہیں کہا جا سکتا۔ امام صاحب نے حسب ذیل جواب دیا ہے۔

(۱) مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے بت زندہ ہیں اور سنتے سمجھتے ہیں لہٰذا ان کے اعتقاد کے مطابق اس آیت میں ان کے متعلق بات کی گئی ہے۔

(۲) یہ الفاظ بطور استہزاء (چوٹ) کے استعمال ہوئے یعنی اے عقل کے دشمنو! اگر تمہاری بات ایک منٹ کے لئے مان بھی لی جائے تو یہ زندہ ہیں، سنتے سمجھتے ہیں تو پھر یہ زیادہ سے زیادہ تمہاری طرح کے انسان ہی ہوں گے۔ یہ آخر خدا کیسے بن گئے اور اپنے جیسے انسان کی بندگی کا پٹہ گلے میں ڈالنا کہاں کی دانشمندی ہے (جب یہ چل پھر نہیں سکتے اور بول نہیں سکتے تو ان کو خدا کیوں مانتے ہو)۔[1]

(۳) علامہ قرطبیؒ نے بتوں کو عباد کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح کے مملوک (بندھے ہوئے) ہیں اور تمہاری طرح اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے دعا یا استدعا کرنا شرک نہیں ہے ورنہ تمام صحابہ کرام ﷺ جو رسول اللہ ﷺ سے امداد حاصل کرتے اور دعا کیلئے حاضر ہوتے رہے ان کے اس فعل کو شرک سے تعبیر کیا جائے گا اور یہ سوچ بجائے خود کفر ہے۔ راقم الحروف کی کتاب ''رابطۂ شیخ'' میں وہ باب قابل توجہ ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ''اولیاء اللہؒ کی امداد حقیقتاً اللہ ہی کی امداد ہے'' یہ عقیدہ کہ اولیائے کرامؒ کو بتوں کی طرح سمجھنا یہودیوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اولیائے کرامؒ سے دور رہیں اور ان کے فیوض سے محروم رہیں۔

اِختتامیہ

خدا کا شکر ہے کہ اس کے کرم سے یہ بابرکت کتاب راقم الحروف کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوئی۔
دُعا ہے کہ اس کتاب میں جن مضامین پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، مثلاً اولیاء کرامؒ کی خصوصاً جُنیدؒ و بایزیدؒ کی سیرت پر جو تفصیلی روشنی ڈالی گئی اور جن حساس موضوعات پر نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ کلام کیا گیا ہے، ان سب پر اللہ کریم مصنّف کو اور تمام قارئین کرام کو کار بند رہنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔ ''بِجَاہِ طٰہٰ وَ یٰسٓ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ. وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

[1] التفسیر الکبیر، جلد ۱۵، صفحہ ۷۵۔

مصادر و مراجع قرآن و تفسیر قرآن

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱۔	قرآن مجید			
۲۔	تفسیر الکبیر	امام فخر الدین	۴۰۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۳۔	الدر المنثور	امام جلال الدین السیوطی	۱۱۹ھ	دار الفکر، بیروت
۴۔	اضواء البیان	محمد الامین بن محمد	۱۳۹۳ھ	// //
۵۔	تفسیر ابن کثیر	اسماعیل بن عمر بن کثیر الا مشقی	۴۷۷ھ	// //
۶۔	تفسیر طبریٰ	محمد بن الجریر طبریٰ	۰۱۳ھ	// //
۷۔	روح المعانی	شہاب الدین السید محمود آلوسی	۰۷۲۱ھ	داراحیاء التراث العربی

مصادر و مراجع احادیث و شروعات حدیث

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱۔	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	۶۵۲ھ	دار ابن کثیر، یمامہ
۲۔	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۱۶۲ھ	داراحیاء التراث
۳۔	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان الیتمی	۴۵۳ھ	مؤسسۃ الرسالہ
۴۔	سنن نسائی	احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیہ
۵۔	سنن ابوداؤد	سلیمان بن اشعث ابوداؤد	۵۷۲ھ	دار الفکر، بیروت
۶۔	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید القرینی	۵۷۲ھ	// //
۷۔	سنن ترمذی	ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی	۹۷۲ھ	داراحیاء التراث
۸۔	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۵۵۲ھ	دار الکتب العلمیہ
۹۔	مصنف ابن ابی شیبہ	عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ	۵۳۴ھ	مکتبۃ الرشید
۱۰۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد طبرانی	۰۶۳ھ	دار الحرمین، القاھرہ
۱۱۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۰۶۳ھ	مکتبۃ الزھرہ

۱۲۔	مسند ابی العلی	احمد بن علی الیتمی	۷۰۳ھ	دار المأمون دمشق
۱۳۔	مسند احمد بن حنبل	احمد بن حنبل	۱۴۲ھ	مؤسسۃ القرطبہ
۱۴۔	مسند البزاز	احمد بن عمرو البزار	۲۹۲ھ	علوم القرآن
۱۵۔	مسند الرویانی	محمد بن ہارون الرویانی	۷۰۳ھ	مؤسسۃ القرطبہ
۱۶۔	مسند الشھاب	محمد بن سلامیہ القضاعی	۴۵۴ھ	مؤسسۃ الرسالہ
۱۷۔	مسند ابن ابی شیبہ	ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ابی شیبہ	۴۳۲ھ	دار الوطن الریاض
۱۸۔	مجمع الزوائد	علی بن ابی بکر	۷۰۸ھ	دار الریان
۱۹۔	کنز العمال	علاؤ الدین علی المتقی	۵۷۹ھ	دار الکتب العلمیہ
۲۰۔	فتح الباری	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۲۵۸ھ	دار المعرفہ بیروت
۲۱۔	عمدۃ القاری	بدر الدین العینی	۵۵۸ھ	// //
۲۲۔	شرح زرقانی	محمد بن عبداللہ الباقی الزرقانی	۲۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ
۲۳۔	فیض القدیر	عبدالرؤف مناوی	۲۲۸ھ	المکتبۃ التجاریہ
۲۴۔	مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان القاری	۴۱۰۱ھ	دار الکتب العلمیہ
۲۵۔	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۰۳۴ھ	دار الکتب العربی
۲۶۔	تذکرۃ الحفاظ	ابوعبداللہ شمس الدین الذھبی	۸۴۷ھ	دار الکتب العلمیہ
۲۷۔	الطبقات الکبریٰ	محمد بن سعید الزھری	۰۳۲ھ	دار الصادر
۲۸۔	کشف الخفاء	اسماعیل بن الجراحی	۱۱۶۲ھ	مؤسسۃ الرسالہ
۲۹۔	کشف المشکل	عبدالرحمٰن بن جوزی	۸۹۵ھ	// //
۳۰۔	مرآۃ الجنان	عبداللہ بن محمد	۷۶۸ھ	دار الکتب الاسلامی
۳۱۔	احیاء العلوم	محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵ھ	دار الکتب المعرفہ

مصادر و مراجع تصوف

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱	الزھد لابن مبارک	عبداللہ بن مبارک	۱۸۱ھ	دارالکتب العلمیہ
۲	الفرق بین الفرق	عبدالقاھر بن طاہر	۴۲۹ھ	دارالافاق
۳	طریق الھجرتین	محمد بن ابی بکر	۷۵۱ھ	دار ابن قیم
۴	معارج القبول	حافظ ابن احمد المکی	۱۳۷۷ھ	دار ابن قیم
۵	التعرف	محمد الکلاباذی	۳۸۰ھ	دارالکتب العلمیہ
۶	طبقات الصوفیہ	محمد بن الحسین الازدی	۴۱۲ھ	
۷	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲ھ	مدینہ پبلشنگ
۸	رسالہ مکیہ	رشید احمد گنگوہی		ادارہ اسلامیات
۹	الاعتصام	ابو اسحاق الشاطبی		المکتبۃ التجاریہ
۱۰	الموافقات	ابراہیم بن موسیٰ مالکی	۰۹۷ھ	
۱۱	اخبار المکین	احمد بن زھیر	۲۷۹ھ	دارالوطن الریاض
۱۲	کتاب الروح	ابن قیم		نفیس اکیڈمی
۱۳	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن	۴۶۵ھ	مکتبہ حسینیہ مردان
۱۴	تذکرۃ الاولیاء	فرید الدین عطار		اسلامی کتب خانہ
۱۵	مجموع الفتاویٰ	عبدالحلیم بن تیمیہ	۸۲۷ھ	
۱۶	الاداب الشرعیہ	محمد بن مفلح		مؤسسۃ الرسالہ
۱۷	الوافی بالوفیات	صلاح الدین خلیل		داراحیاء التراث
۱۸	عمل الیوم واللیلہ	محمد بن اسحاق ابن السنی	۳۶۴ھ	دارالقبلہ، جدہ
۱۹	کشف المحجوب	داتا گنج بخش علی ہجویری	۰۷۴ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
۲۰	رسالہ قشیریہ	شیخ ابوالقاسم عبدالکریم قشیری	۵۶۴ھ	مکتبہ حسینیہ مردان
۲۱	غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانی	۱۶۵ھ	-

مصادر و مراجع سیرت، تاریخ و لغت

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱	الخصائص الکبریٰ	امام جلال الدین سیوطی	۱۱۹ھ	دارالمعرفہ بیروت
۲	تہذیب الکمال	یوسف المزی	۷۴۲ھ	مؤسسۃ الرسالہ
۳	المحرر والوجیز	ابو محمد اندلسی	۵۴۶ھ	دارالکتب العلمیہ
۴	تاریخ بغداد	الخطیب بغدادی	۴۶۳ھ	// //
۵	السیرۃ النبویہ	عبدالملک	۲۱۳ھ	دارالجبل بیروت
۶	الریاض النضرہ	احمد بن عبداللہ الطبری	۴۹۶ھ	// //
۷	عون المعبود	شمس الحق		دارالکتب العلمیہ
۸	البدایہ والنہایہ	اسماعیل بن عمر	۷۷۴ھ	مکتبہ المعارف
۹	تاریخ الخلفاء	عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۱۱۹ھ	// //
۰۱	طبقات الشافیہ	ابوبکر احمد شیبہ	۱۴۸ھ	// //
۱۱	المفردات فی غریب القرآن	ابوالقاسم الحسین بن محمد	۵۰۲ھ	دارالقلم، بیروت
۲۱	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۷۱۸ھ	// //
۳۱	لسان العرب	ابن منظور	۷۱۱ھ	دارصادر، بیروت
۴۱	تاج العرس	محمد مرتضیٰ الحسینی		// //

پیر صاحب علیہ الرحمۃ کی دیگر تصانیف

اقامۃ الصلوۃ
اوراق: 289　قیمت: 175 روپے

مسلمانوں کی موجودہ حالتِ زار کا باعث فقط مادہ پرستی ہے۔ آج کا نوجوان دینِ اسلام سے ناواقف ہے۔ اگر ان کو دین کی تعلیمات سائنٹیفک اور دلچسپ انداز میں صحیح طریقے سے بتائی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ نماز کی طرف راغب نہ ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ پر یقین کے قرآنی، مشاہداتی اور عقلی دلائل، انسان کی تخلیق کی غرض و غایت، عبادت گزاروں کو ملنے والے امتیازات نیز اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے جیسے اہم موضوعات پر قلم کشائی کی گئی ہے۔

بیعت کی تشکیل اور تربیت
اوراق: 208　قیمت: 150 روپے

جواز بیعت، اُس کی اہمیت اور تصوف کے احوال و اشغال پر مختلف زاویوں سے مختصر مگر مدلل گفتگو اس کتاب کی انفرادیت ہے۔ مصنف کی یہ تحریر اُن کے سات روحانی درسوں سے اقتباس ہے۔ راہِ طریقت کے مسافروں کے علمی، اخلاقی اور روحانی معیار کو مطلوبہ سطح تک لانے کے لئے نہایت موزوں ہے۔ کامیاب زندگی کے آزمودہ نسخے، ذکر کے روحانی کمالات اور تقدیر کے بدلنے کا طریقہ کار اس کتاب میں دلچسپ انداز میں رقم کیا گیا ہے۔

رابطہ شیخ
اوراق: 312　قیمت 250 روپے

مقاماتِ سلوک کو طے کرنے کے لئے جہاں طالب کے ظرف کا معیار ضروری ہے وہاں شیخ سے ربط کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس راہ پر کامیاب ہونے کے لیے راہبر کی طرف سے حاصل ہونے والے تصرفات اور توجہ سالک کے لئے انتہائی اہم ہیں۔ رابطہ کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس کی اہمیت؟ ربط کیسے قائم کیا جاتا ہے؟ رابطہ شیخ سے قربِ الٰہی کیسے ممکن ہے؟ کشف، الہام اور کشف القبور کیسے کیا جاتا ہے؟ ان سب سوالوں کا تسلی بخش جواب اس کتاب میں موجود ہے۔

جنید و بایزید
اوراق: 640　قیمت: 350 روپے

کثرتِ مال اور حصول جاہ و منصب کی طلب نے مسلمانوں کو دین کی دولت سے محروم کر دیا ہے۔ ایسے میں انبیاء کرام اور اولیائے کرام کی زندگیاں ہماری تربیت کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کتاب میں حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ کی حیاتِ مبارکہ کو خاطر خواہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ طریقت کی راہ کے سالکین کے لئے اس کتاب میں جنیدؒ و بایزیدؒ کی پر کیف زندگیوں، مقالات، روحانی مدارج اور بلند پرواز احوال ایک نصاب کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔

شاھین کا جھاں اور
اوراق: 346　قیمت: 120 روپے

شاہین ایک نہایت دلیر شکاری پرندہ ہے جو بلند پروازی اور خودداری کی علامت ہے۔ اس میں مردِ حر کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کی قلندرانہ خوبیوں کے باعث یہ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بچوں کو شاہین کے بال و پر دے۔ شاہین اور کرگس دونوں کی ایک ہی فضا میں پرواز ہونے کے باوجود ان دونوں کے جہانوں میں اتنا بڑا فرق ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کتاب میں مصنف نے اس سوال کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔

سُنت مبارکہ
اوراق: 608　قیمت: 350 روپے

سیرت مصطفوی ﷺ کی پیروی ہی سرچشمہ ایمان ہے۔ اس کتاب میں مولف نے پابندی سنت کی عظمت انتہائی دلنشین پیرائے میں بیان کی ہے۔ مصنف کا پر اثر روحانی اسلوب بیان قاری کے قلب پر گہرے نقوش ثبت کرتا ہے۔ آئمہ کرام کے اقوال اور احوال قاری کے لئے نہ صرف دلچسپی کا باعث بنتے ہیں بلکہ ان کی زندگیوں میں مثبت تغیر پیدا کرتے ہیں۔ بدعت کیا ہے، جدید سائنس نے سنت کو کیا اہمیت دی ہے اور دیگر بہت سے سوالات کے جوابات اس کتاب میں پائیں گے۔

اسلام و روحانیت
اوراق: 1211　قیمت: 385 روپے

اس کتاب میں جہاں سالکانِ طریقت کی تربیت کا اہم فریضہ ادا کیا گیا ہے وہاں مخالفین راہ سلوک کے شکوک کا قرآن و احادیث اور بزرگانِ دین کے اقوال و احوال کی روشنی میں احسن انداز میں ازالہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں فقر و درویشی، حکمت و معرفت، مراتب ولایت اور مقام آدم جیسے مضامین کا بغور جائزہ لیا گیا ہے۔ طریقت کی اصطلاحات سے طبقات السمٰوات تک کے تمام علوم یکجا کر دیے گئے ہیں۔ علامہ اقبال اور مولانا رومی کے اشعار اس کتاب کی زینت ہیں۔

سوز و ساز رومی
اوراق: 579　قیمت: 350 روپے

مؤلف نے مثنوی مولانا رومؒ کی برس ہا برس کی عرق ریزی کے بعد ایسے منتخب اشعار کی تشریح شامل کی ہے جو زبان زد عام ہیں۔ قارئین کے لیے مولانا رومؒ کی بیان کردہ انسانی زندگی میں کام آنے والی عشق کی کارفرمائیاں اور اُس کے وہ خوبصورت پہلو جس سے انسان اپنی زندگی

میں گوناں گوں کامیابیاں حاصل کرتا ہے یکجا کر دی گئیں ہیں۔ اُنہی کے لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ مولانا ایک مرشد روشن ضمیر اور کاروانِ عشق و مستی کے امیر ہیں، اُن کو رفیق راہ بناؤ وہ جدھر تمہیں لے جائیں اُدھر جاؤ۔

نشان منزل

اوراق:313 قیمت:150 روپے

مسلمانوں کی آج کی حالتِ زار ان کی اسلام سے دوری کی وجہ سے ہے۔ اس دوری کی متفرق وجوہات پیش کرتے ہوئے مولف کی قرآن و حدیث کی رو سے حل تلاش کرنے کی سعی قابلِ تحسین ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کی بے عملی میں حائل چھ نکات رقم کئے ہیں۔ ایمان کی تقویت کے لئے قرآنی، عقلی، سائنسی اور مشاہداتی دلائل اس طرح پیش کیے گئے ہیں کہ قارئین کے دل دین اسلام کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پابندی صوم وصلوٰۃ کے خواہشمند حضرات کے لئے یہ ایک موزوں کتاب ہے۔

حضور قلب

اوراق:341 قیمت:250 روپے

اس کتاب میں خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کے لئے علم اور روحانیت کا ذخیرہ یکجا کیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث سے اس موضوع کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اولیائے کرام کی زندگیوں کے روح پرور واقعات اس کتاب کی زینت ہیں۔ مولانا رومؒ اور علامہ اقبال کے کلام کا احاطہ یوں کیا گیا ہے کہ جہاں یہ قارئین کے انتہائی دلچسپی کا باعث بنتا ہے وہاں اُن کی عبادات میں اخلاص پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔

حسن نماز

اوراق:932 قیمت:350 روپے

اس کتاب میں مسلمانوں کو اسلام کے بنیادی رکن نماز کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے بعد وہ عناصر بیان کئے گئے ہیں جن کی بنیاد پر سالک اپنی نماز کو معراج کی منزل تک لے جا سکتا ہے۔ مصنف نے قارئین کو نماز کے اغراض و مقاصد کے علم کے ساتھ ساتھ نماز کے معارف، فضائل اور دیگر روحانی پہلوؤں سے آگاہ کیا ہے۔ متلاشیانِ حق، نماز کے آداب باطنی اور ظاہری کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اس کتاب سے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔

مجلس اقبال

اوراق:716 قیمت:385 روپے

اس کتاب کی مدد سے علامہ اقبال کے کسی بھی فارسی شعر کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ (بحوالہ کلیاتِ اقبال مرتبہ غلام علی اینڈ سنز) یہ کتاب طلباء، علماء اور محققین کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ تفہیم اشاریہ کے لئے نکات، فارسی سمجھنے کے آسان طریقے، فارسی زبان کی چند گردانیں اور فارسی زبان کے الفاظ کا ذخیرہ اس کتاب میں قارئین کی سہولت کے لئے ڈال دیئے گئے ہیں۔

تھذیب نفس

اوراق:650 قیمت:400 روپے

انسان نفس و روح کا مرکب ہے۔ روح منبع خیر اور نفس منبع شر ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے حقیقت انسان پر روشنی ڈالتے ہوئے نفس کا مفہوم، اہمیت، اقسام و مدارج، قلب، عقل اور روح پر اس کے اثرات اور حقوقِ نفس پر عالمانہ محققانہ بحث کی ہے۔ آفاتِ نفس اور اس کے باریک خطرات سے قارئین کو مطلع کرنے کے بعد نفس کے علاج پر قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ و اولیاء کی روشنی میں سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ جسے پڑھ کر نہ صرف تنقیح مسئلہ ہوتی ہے بلکہ اصلاحِ ذات کا داعیہ بھی بیدار ہوتا ہے۔

ثنائے خواجہ

اوراق:200 قیمت:150 روپے

حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے جہاں بے پناہ نثری علمی کام کیا ہے وہاں آپ نے شاعری کا ذوقِ لطیف بھی خوب پایا ہے۔ جس کا عکس تمام کتابوں میں واضح ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں مختلف مواقع پر جو کلام ارشاد فرمایا جس میں محامد، نعتیں، منقبتیں اور بالخصوص احیائے اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قومی بیداری کی غرض سے جو نظمیں لکھی، اُنہیں ثنائے خواجہ کے نام سے مرتب کیا گیا ہے۔ آپ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے اور وہ سب اس کتاب کا حصہ ہیں۔

مکتوبات لطیف:

''مکتوباتِ لطیف'' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آپ کے اپنے محبین، معتقدین اور مریدین کو مختلف مواقع پر لکھے گئے خطوط ہیں۔ آپ کے مکتوبات بھی آپ کی عالمانہ، محققانہ شان کو ظاہر کرتے ہیں۔ مکتوبات کے مطالعہ سے آپ کا اپنے ساتھیوں کی اصلاح کا مخلصانہ جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مکتوبات جہاں قارئین کے لیے روحانی فیض کا سبب بنیں گے وہاں پیر صاحبؒ کے خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

پیر صاحب علیہ الرحمۃ کی زیر طبع تصانیف

متعلقات زوجین — مسئلہ تقدیر — اکتسابِ رزق وانفاق — سرمایۂ ملت

مسلکِ اولیائے امت — متاعِ اخلاق — عقل، عشق اور جنون — تعلیماتِ اقبال

تعارف مصنف

آپ کی پیدائش بھارت کے شہر جالندھر میں ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ تعلیم کے میدان میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے ایم ایس سی کیمسٹری کے علاوہ دیگر محکمانہ تعلیمات حاصل کر رکھی تھیں۔ آپ نے ۴۰ برس کا عرصہ ایک ایسے محکمہ میں ممتاز عہدوں پر گزارا جہاں آپ کا تعلق ماڈرن سائنس اور فنی مہارات کے متعلقات سے وابستہ رہا مگر آپ نے محکمانہ ذمہ داریوں کے علاوہ اوائلِ شباب سے ہی دینی علوم اور تصوف کا مطالعہ کیا۔ اسلام اور سائنس کا یہ حسین امتزاج آپ کی تالیف کردہ ۲۳ دینی کتب کو منفرد مقام بخشتا ہے۔

پیر صاحب قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے علم تصوف وطریقت کا بحرِ زخار عطا فرمایا تھا۔ آپ کی کُتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ متقدِمین سے لے کر معاصرین تک ہر قابلِ ذکر امام اور عالم کی کتب پر بالخصوص تصوف کے حوالے سے آپ کی نظر تھی۔ آپ کی زندگی پابندی شریعت سے عبارت تھی۔ کثرتِ عبادت اور خدمت دین آپ کی زندگی کا خاصہ تھا۔ عوام الناس کی مشکلات کے ازالے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ ہر آنے والا آپ کا در کھلا پاتا۔ آپ درحقیقت ایک ولی کامل تھے۔

حضرت عبداللطیف خانؒ کی تمام زندگی دین اسلام کی تبلیغ وترویج میں بسر ہوئی۔ آپؒ کے آستانہ مبارک پر چالیس برس ہفتہ وار محفلِ ذکر سے ہر خاص وعام نے فیض حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپؒ مختلف مقامات پر لوگوں کے اجتماع میں درس کا اہتمام کرتے جس میں جدید سائنٹیفک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن وحدیث کے خوب صورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اس طرح گرما دیتے کہ انکی زندگیوں میں حیرت انگیز کیفیت، زبردست انقلاب اور اسلامی ولولہ پیدا ہو جاتا۔ بسا اوقات تو آپؒ ایک نظر سے ہی زندگیاں بدل دیتے۔ امت کی اصلاح کی کوششوں میں ہی آپؒ کے روز وشب گزرتے۔ آپؒ کے یہ اشعار اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:

ابلاغ سے دم لیں گے، نہ آرام کریں گے — جب تک کہ ہیں زندہ، تیرا ہم کام کریں گے

ہے آرزو میری کہ، بہ صد جذبہ پیہم — بے دین ہیں جو مائلِ اسلام کریں گے

خوش ہوں کہ لطیف اپنی طلب ہے تو یہی ہے — ہم خدمت اسلام کو ہر گام کریں گے

آپ نے ۲ دسمبر ۲۰۰۹ کو بمقام لاہور وفات پائی۔ مزار مبارک گلبرگ قبرستان میں ہے۔

